

تفسیر قرطبی

www.KitaboSunnat.com

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بصرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

الجامع لاحكام القرآن

موقوف پيچ

حسب طريقي

امام ابو عبد الله محمد بن احمد بن ابوبكر قرطبي

مكتبة دارالافتاء دارالعلوم ديوبند

لاهور - كراچي - پاكستان

الجامع لاحكام القرآن
معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد ہشتم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی مولانا شوکت علی چشتی

نیز اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع الاحکام القرآن (جلد ہشتم)	نام کتاب
امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	مفسر
حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	متن قرآن کا ترجمہ
مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی	مترجمین
مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی	
من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف	
ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف	زیر اہتمام
محمد حفیظ البرکات شاہ	ناشر
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور	
اکتوبر 2012ء، بار اول	سال اشاعت
QT54	کمپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس: 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411۔ فیکس: 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

سورۃ یسین

17

17

سورۃ یسین کی فضیلت

19

يَسَّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ آیت 1-5

22

لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ۝ لَقَدْ خَسِرَ الْقَوْمُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهَمْ آیت 6-8

25

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ آیت 9-11

28

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ آیت 12

30

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۚ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ إِذْ أَرْسَلْنَا آیت 13-19

34

وَجَاءَ مِنْ أَصْحَابِ الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسْعَىٰ قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝ آیت 20-29

38

يُحْضِرُوا عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَلَمْ آیت 30-36

42

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي آیت 37-38

45

وَالْقَمَرَ قَدْرَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ آیت 39

48

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ آیت 40

49

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الشُّجُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا آیت 41-44

51

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ آیت 45-50

55

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا آیت 51-54

59

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهِونَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَىٰ آیت 55-59

62

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ آیت 60-64

63

الْيَوْمَ نَخِمْ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا آیت 65-68

67

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ لِيُنذِرَ آیت 69-70

67

شعر کے متعلق بحث

71

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا عَمَلَتْ أَيْدِيَنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ آیت 71-73

72

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ آیت 74-76

73

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ لُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ آیت 77

74

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۚ قَالَ مَنْ يُعْطِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ آیت 78-79

- 75 الذی جعل لکم من الشجر الا حصرنا فاذا آنتم منه توقدوون ﴿..... آیت 80 تا 83
- 77 سورة الصافات
- 77 زینا الساء الدنيا بزینة الکواکب ﴿ وحفظا من کل شیطن مارید ﴿..... آیت 1 تا 5
- 80 انا زینا الساء الدنيا بزینة الکواکب ﴿ وحفظا من کل شیطن مارید ﴿..... آیت 6 تا 10
- 84 فاستفتهم اھم اشد خلقا ام من خلقنا انا خلقناھم من طین لازب ﴿..... آیت 11 تا 17
- 88 قل نعم و انتم داخرون ﴿ فانماھن زجرة واحدة فاذاھم ینظرون ﴿..... آیت 18 تا 21
- 88 احسروا الذین ظلموا و اذواجھم و ما كانوا یعبدون ﴿ من دون اللہ..... آیت 22 تا 35
- 92 و یقولون انا للتارکوا الیھتنا اشاعر مجنون ﴿ بل جاء بالحقی..... آیت 36 تا 40
- 93 اولیک لھم رزقی معلوم ﴿ فواکھ وھم مکرمون ﴿ فی جنت النعیم ﴿..... آیت 41 تا 49
- 97 فاقبل بعضھم علی بعض یتساءلون ﴿ قال قائل منھم ائی کان لی قرین ﴿..... آیت 50 تا 61
- 101 اذک خیر تر لا امر شجرة الرقوم ﴿ انا جعلناھما فتنۃ للظالمین ﴿ انھا..... آیت 62 تا 68
- 104 انھم القوا اباھم صالین ﴿ فھم علی اشرھم یھرعون ﴿ ولقد صل..... آیت 69 تا 74
- 105 ولقد نادانا نوح فلنعم المحیبون ﴿ ونجینہ و اھلہ من الکرب..... آیت 75 تا 82
- 107 و ان من شیعتہم لابرھیم ﴿ اذ جاء ربه بقلب سلیم ﴿ اذ قال لا ینہ..... آیت 83 تا 90
- 110 فراع الی الیھتم فقال الاتا کون ﴿ مالکم لا تتقون ﴿ فراع علیھم..... آیت 91 تا 96
- 113 قالوا البوالہ بنیانا فالقوة فی الجحیم ﴿ فارادوا ینہ کیدا فجعلنھم..... آیت 97 تا 101
- 115 فلما بدئ معہ السعی قال یبئی ائی الری فی السامر ائی اذ ھک فانظر..... آیت 102 تا 112
- 115 اس ضمن میں سترہ مسائل ہیں
- 130 و برکنا علیہ و علی اسحق و من ذریتہما محسن و ظالم لنفسہ مہین ﴿..... آیت 113 تا 122
- 131 و ان الیاس لمن المرسلین ﴿ اذ قال لقومہ الات تقون ﴿ اذ دعون..... آیت 123 تا 132
- 136 و ان لوطا لمن المرسلین ﴿ اذ نجینہ و اھلہ اجمعین ﴿ الا عجوڑا..... آیت 133 تا 138
- 137 و ان یونس لمن المرسلین ﴿ اذ ابى الی الفلک المسجون ﴿ فساهم..... آیت 139 تا 144
- 137 اس ضمن میں آٹھ مسائل ہیں
- 144 فنبذنہ بالعرآء و هو سقیم ﴿ و انبثنا علیہ شجرة من یقظین ﴿..... آیت 145 تا 148
- 148 فاستفتهم اریک البئات و لھم البئون ﴿ ام خلقنا المککة انا کا..... آیت 149 تا 157
- 150 و جعلوا ینہ و بین الجنة نسا و لقد علست الجنة انھم لھم لھضرون ﴿..... آیت 158 تا 160

- 151 فَأَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ﴿ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالٍ آیت 161 163
- 152 وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ﴿ وَإِنَّا لَنَحْنُ آیت 164 166
- 154 وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ آلِ وَإِلِينَ ﴿ لَكُنَّا عِبَادًا آیت 167 170
- 155 وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿ آیت 171 179
- 156 سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿ آیت 180 182
- 159 **سورہ ص**
- 159 ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ﴿ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ آیت 1 3
- 165 وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ ﴿ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ﴿ آیت 4 5
- 167 وَأَنْطَلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهِمْ ﴿ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿ آیت 6 11
- 170 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ آیت 12 14
- 171 وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا الصَّيْحَةَ وَاجِدْ مَا لَهَا مِنْ قَوَاقٍ ﴿ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجَلْ آیت 15-16
- 173 اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْخُرْ عِبَادَنَا دَاوُدَ وَالْأَيُّوبَ ﴿ إِنَّهُ آوَابٌ ﴿ آیت 17
- 174 إِنَّ لَسِحْرَنَا الْجِبَالَ مَعَهُ لَيَسْبَحُنَّ بِحَمْدِ رَبِّهِ وَالْإِشْرَاقِ ﴿ آیت 18
- 177 وَالظُّلُمَ مَحْشُورَةً ﴿ كُلُّ لُءٍ آوَابٌ ﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ آیت 19-20
- 180 وَهَلْ أَلَمْتَ يَبُوءَ الْخَصِيمِ ﴿ إِذْ تَسَوَّرُوا الْبَحْرَابَ ﴿ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ آیت 21 25
- 180 ان آیات کے ضمن میں چوبیس مسائل کا ذکر ہے
- 205 يُدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ آیت 26
- 208 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ﴿ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا آیت 27 29
- 209 وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ﴿ نَعَمَ الْعَبْدُ ﴿ إِنَّهُ آوَابٌ ﴿ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَرِيقِ آیت 30 33
- 215 وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ﴿ وَالْقَيْنَ عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿ قَالَ رَبِّ آیت 34 40
- 224 وَادْخُرْ عِبَادَنَا الْيُوبَ ﴿ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿ آیت 41 43
- 229 وَخَذْ بِبِذِّكَ فَضْحًا فَاصْرُبْ بِهِ وَلَا تُخَنِّثْ ﴿ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَاحِرًا ﴿ نَعَمَ الْعَبْدُ ﴿ إِنَّهُ آوَابٌ ﴿ آیت 44
- 229 اس آیت کے ضمن میں سات مسائل ہیں
- 233 وَادْخُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ ﴿ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِيَ الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿ آیت 45 47
- 235 وَادْخُرْ إِسْمَاعِيلَ ﴿ وَالْيَسَعَ ﴿ وَذَا الْكِفْلِ ﴿ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ﴿ هَذَا ذِكْرُ آیت 48 54
- 237 هَذَا ﴿ وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَكُفْرًا مَآبٍ ﴿ جَهَنَّمَ ﴿ يَصْلَوْنَهَا فَمِنْهَا يُهَادُونَ ﴿ هَذَا آیت 55 61

- 241 وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كَمَا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۖ أَتَّخَذْتُهُمْ سِحْرِيًّا آیت 62 تا 64
- 242 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَإِنَّمَا أُوتِيتُهُمْ نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَأَنَا مِثْلُكُمْ فَخُذُوا حِذْرًا ۚ آیت 65 تا 70
- 243 إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝ فَاذْأَسْوَيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ آیت 71 تا 74
- 244 قَالَ يَا بَلِيٓسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي ۖ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ آیت 75 تا 83
- 246 قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقْوَلُ ۖ لَا مَلَكْنَ جَهَنَّمَ مِثْلَ مِثْلِكَ وَمِمَّن تَتَّبَعُ آیت 84 تا 88
- 249 سورة الزمر
- 249 تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنٰآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ آیت 1 تا 4
- 251 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يَكُوْنُ لَيْلًا عَلَى النَّهَارِ وَيَكُوْنُ النَّهَارُ عَلَى آیت 5-6
- 253 إِن تَكْفُرُوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّيْ عَنُكُمُ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ آیت 7
- 254 وَإِذْ أَمْسَرَ الْإِنسَانَ صُرْدًا غَارِبَهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذْ أَخَوْلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ آیت 8-9
- 257 قُلْ لِعِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَأَرْضُ آیت 10
- 259 قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ آیت 11 تا 16
- 260 وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتِ أَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ آیت 17-18
- 261 أَفَمَنْ حَسَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَن فِي النَّارِ ۚ آیت 19
- 262 لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا آیت 20-21
- 264 أَفَمَنْ شَرَّ اللَّهُ صَدْرًا لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِئَةِ قُلُوبُهُمْ مِّن آیت 22
- 265 اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتٰبًا مُّتَشٰبِهًا مَّثَانِي تَشَعَّرُ مِنْهُ جُلُودَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ آیت 23
- 268 أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ آیت 24 تا 28
- 270 صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا رَجُلٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِيَانِ آیت 29
- 271 إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۚ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۚ آیت 30-31
- 273 فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ آیت 32 تا 35
- 274 أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۗ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ آیت 36-37
- 275 وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ آیت 38 تا 41
- 277 اللَّهُ يَتَوَلَّى الْإِنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ كُتِبْ فِيهَا مَنَامٌ فَمِمْسِكِ الْتَىٰ قَضَىٰ عَلَيْهَا آیت 42
- 281 أَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۗ قُلْ أَوْلُو كَالَّذِينَ لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۚ آیت 43 تا 45
- 282 قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَخَلِّمُ بَيْنَ عِبَادِكَ آیت 46 تا 48

- 283 52۴ 49 آیت اَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّ فِي ذَلِكَ لَايَةً لِّقَوْمٍ
- 284 59۴ 53 آیت قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۗ اِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
- 291 64۴ 60 آیت وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلٰى اَنفُسِهِمْ مُسْوَدَّةً ۗ اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ
- 294 66-65 آیت وَلَقَدْ اَوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۗ لَئِنْ اَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
- 295 68-67 آیت وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ
- 301 72۴ 71 آیت وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورٍ سَاهٍ وَاَوْضَعْنَا الْكِتٰبَ وَجِاىءَ بِالَّذِيْنَ اَشْهَدَ اٰءِ
- 302 75۴ 73 آیت وَسَيُقَالُ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۗ حَتّٰى اِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ
- 306 **سورة غافر، سورة مؤمن**
- 307 4۴ 1 آیت حَمَّ ۗ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ غٰفِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
- 310 9۴ 5 آیت كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُّوحٌ وَاٰلَ اَحْرٰبٍ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ وَهَتَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ
- 314 12۴ 10 آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُبَادُوْنَ ۗ لَقَدْ لَعْنَتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتَلِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ
- 316 17۴ 13 آیت هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُم اٰيٰتِهِ وَيُنَزِّل لَكُمْ مِنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا اَلَمَن
- 320 23۴ 18 آیت وَاَنْذَرْتَهُمْ يَوْمَ الْاِزْفِقَةِ اِذْ اَلْقُوْا لِقُلُوْبِ لَدٰى الْحٰجِرِ كٰظِمِيْنَ ۙ صَالِ الظَّالِمِيْنَ
- 322 27۴ 23 آیت وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلَى فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ ۗ
- 324 28 آیت وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰمِنِ الْفِرْعَوْنِ يَكْتُمُ اٰيٰتِنَا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ
- 327 33۴ 29 آیت يَقُوْمُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ وَظُهْرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَاسِ اللّٰهِ اِنْ
- 332 37-36 آیت وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهٰمٰنُ ابْنِ اِيْمٰنٍ لِيْ صٰرِحًا تَعْلٰى اٰبَلُغَا الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
- 333 44۴ 38 آیت وَقَالَ الَّذِيْ اٰمَنَ لِقَوْمِهِمْ اَتَتَّبِعُوْنَ اَهْدِيْكُمْ سَبِيْلَ الرَّشٰدِ ۙ لِقَوْمٍ اٰتٰمٰهٰذِهِ
- 336 46-45 آیت فَوَقَّهٗ اللّٰهُ سَيِّاَتٍ مَّا مَكُرُوْا وَاَوْحٰى بِالْحٰقِّ بِالْفِرْعَوْنَ سُوْرَةَ الْعَذٰبِ ۙ اَلْقٰمِرِ يُعْرَضُوْنَ
- 338 50۴ 47 آیت وَاِذْ يَتَحٰجُّوْنَ فِي الْاٰثَرِ فَيَقُوْلُ الضُّعْفُو الْاَلَّذِيْنَ اَسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
- 340 54۴ 51 آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ وَالدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ
- 341 59۴ 55 آیت فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاَسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَسَخِّرْ بِحَسْبِ رَازِقِكَ بِالنَّعِيْمِ
- 344 65۴ 60 آیت وَقَالَ رَجُلٌ مَّا دَعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
- 347 68۴ 66 آیت قُلْ اِنِّيْ نُهِيتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنٰتُ
- 349 78۴ 69 آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللَّهِ ۗ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا
- 352 81۴ 79 آیت اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَنْعَامَ لِيَتَرَ كُفُوًا مِنْهَا وَاِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

- 353 اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوا..... آیت 82 تا 85
- 355 **سورہ فصلت**
- 355 حَمِّ ۝ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كَتَبَ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ..... آیت 1 تا 5
- 358 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدًا فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ..... آیت 6 تا 8
- 360 قُلْ أَنتُمْ لَكُمْ تَكْفُرُونَ ۚ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ وَالْجِبَالِ وَالنَّجْمِ الثَّاقِبِ..... آیت 9 تا 12
- 364 فَإِن أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۗ إِذْ جَاءَتْهُمْ..... آیت 13 تا 16
- 367 وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُوا الْعَنَىٰ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۖ فَآخَذْنَا لَهُمْ صَاعِقَةً الْعَذَابِ..... آیت 17-18
- 368 وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۗ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا..... آیت 19 تا 21
- 369 وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ ۚ أَن يُشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ..... آیت 22 تا 25
- 374 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۗ..... آیت 26 تا 29
- 376 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا..... آیت 30-31
- 378 نَزَّلًا مِّنْ غُفُورٍ رَّحِيمٍ ۗ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعِيسَىٰ صَلَاحًا..... آیت 32 تا 36
- 383 وَمِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ۗ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ..... آیت 37 تا 39
- 385 إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرًا أَمْ..... آیت 40 تا 43
- 387 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۗ أَءَعْجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ..... آیت 44
- 389 وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ فَاحْتَلَفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ..... آیت 45-46
- 390 إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ..... آیت 47-48
- 391 لَا يَسْمَعُ الْإِنسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۗ وَإِنَّ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَسْأَلُ قَنُوطًا ۗ وَلَئِن..... آیت 49 تا 51
- 392 قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ شِمٌّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ آضُلِّ مِمَّنْ هُوَ فِي..... آیت 52 تا 54
- 395 **سورہ الشورى**
- 395 حَمِّ ۝ عَسَىٰ ۚ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ..... آیت 1 تا 4
- 397 تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ..... آیت 5
- 399 وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِظْتُ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ..... آیت 6-7
- 400 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ..... آیت 8 تا 10
- 401 فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ..... آیت 11
- 402 لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ بِيَسْطَرِّ الْوَسْطَىٰ لَمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ..... آیت 12

- 403 شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الَّذِينَ مَآوَىٰ بِهِمْ نُوْحًا الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ... آیت 13-14
- 406 قَلِيلًا قَادِرٌ وَأَسْتَقِيمٌ كَمَا أَمَرْتُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِهَا... آیت 15
- 407 وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ... آیت 16
- 409 يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ... آیت 18-19
- 411 مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا... آیت 20
- 412 أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الَّذِينَ مَالَهُمْ يَأْذَنُ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ... آیت 21
- 413 تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا... آیت 22-23
- 414 قرلی سے محبت کی بحث
- 417 أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَاءُ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَيَخ اللهُ الْبَاطِلَ... آیت 24
- 418 وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ آیت 25
- 419 وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ... آیت 26-27
- 421 وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَطَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾ آیت 28
- 422 وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ... آیت 29
- 423 وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَا أَنْتُمْ... آیت 30-31
- 425 وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٣٣﴾ إِنَّ يَسَاءَ لِمَنْ يَرْجِعُ فَيُظْلَمُونَ... آیت 32-33
- 428 فَمَا أَوْحَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا... آیت 36-37
- 429 وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ... آیت 38
- 431 وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ النُّعْثُ فَمُمَّنُّونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ... آیت 39-43
- 438 وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَدِيِّ مِنْ بَعْدِهِ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لِنَارِ أَوَّالِ الْعَذَابِ... آیت 44-45
- 440 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءٍ يَتَضَرَّوْنَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ... آیت 46-47
- 441 فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ وَإِنَّا إِذَا... آیت 48-50
- 446 وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا... آیت 51
- 448 وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا... آیت 52-53
- 455 سورة الزخرف
- 455 حَمٌ ﴿١﴾ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٣﴾ آیت 1-3
- 456 وَإِنَّهُ فِي أُولَىٰ الْأَنْعَامِ لَلْأَكْبَرِ ﴿٤﴾ أَفَتَضْرَبُ عَنْكُمْ الَّذِي كَرَّ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ... آیت 4-5

- 458 وَلَمِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿١﴾ آیت 11۴9
- 459 وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿٢﴾ آیت 14۴12
- 463 وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ ذُرِّيَّةً إِنَّا إِنَّا لَنَكْفُرُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾ آیت 15
- 463 أَمْ اتَّخَذَ مِنَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿٤﴾ آیت 16
- 464 وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِهَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ضَلًّا وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥﴾ آیت 17
- 465 أَوْ مَنْ يُنشِئُوا فِي الْعَلِيِّهِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿٦﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ آیت 18-19
- 467 وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا آیت 20-23
- 469 قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُمْ بِآيَاتٍ مِّمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ لَقَالُوا إِنَّا بِهَا أُرْسِلْتُمْ آیت 24-27
- 470 إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٨﴾ آیت 28
- 475 بَلْ صَنَعْتَ هَؤُلَاءِ وَأَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾ وَلَمَّا آیت 29-32
- 477 وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُؤْيُوا لَهُمْ سُقَاتًا آیت 33
- 480 وَلِيُؤْيُوا لَهُمْ أَبُوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُونَ ﴿١٠﴾ وَزُخْرُفًا وَإِنْ كُلٌّ لِّمَا مَتَّعُوا آیت 34-35
- 482 وَمَنْ يَعِشْ عَنِ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿١١﴾ وَإِنَّهُمْ آیت 36-38
- 485 وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿١٢﴾ أَفَأَنْتُمْ تُسْمِعُونَ آیت 39-40
- 486 فَمَا تَدْعُونَ رَبَّكُمْ بِمَا كَانُوا يَدْعُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٣﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَيْنَا آیت 41-44
- 488 وَسَلَّ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿١٤﴾ آیت 45
- 490 وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ آیت 46-52
- 494 فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ اسْوَرَةً مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿١٥﴾ آیت 53
- 495 فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٦﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَيْنَا آیت 54-55
- 496 فَجَعَلْنَاهُمْ سُلَافًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ آیت 56-57
- 498 وَقَالُوا يَا إِلَهَنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَوْفُونَ ﴿١٨﴾ آیت 58
- 498 إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩﴾ وَلَوْ شَاءَ آیت 59-60
- 499 وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونَّ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٢٠﴾ وَلَا آیت 61-62
- 501 وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي آیت 63-64
- 503 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْيَوْمِ ﴿٢١﴾ آیت 65-67
- 504 لِيُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَيَسُدَّ لَهُمْ صُلُوبَهُمْ وَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢﴾ آیت 68

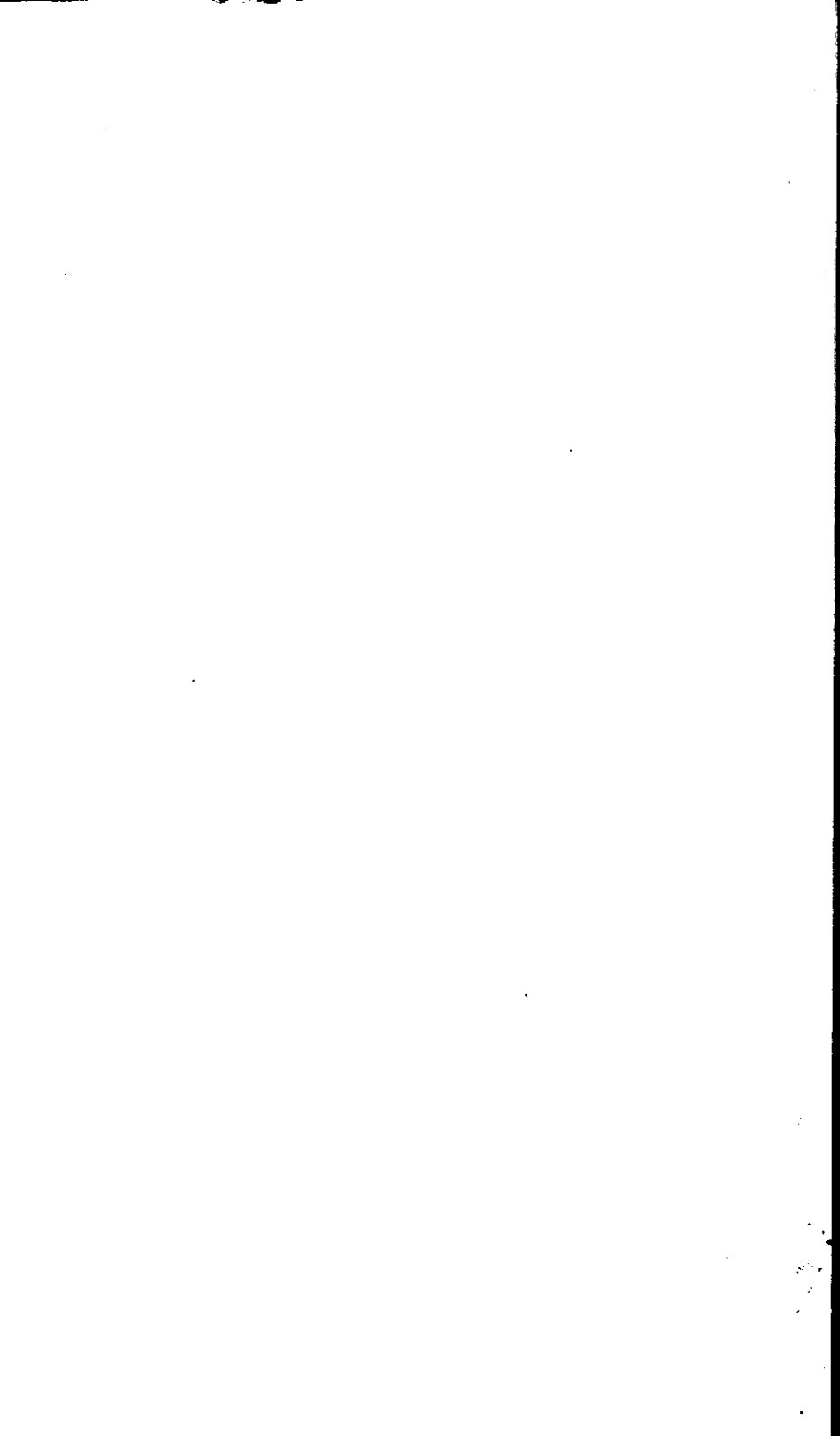
- 505 الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ آیت 69-70
- 506 يُكَافَأُ عَلَيْهِمْ بِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ - وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ﴿٧١﴾ آیت 71
- 509 وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا آیت 72-77
- 511 لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا آیت 78-79
- 512 أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ - بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ آیت 80-83
- 514 وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ - وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ آیت 84
- 515 وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ آیت 85-86
- 516 وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلَ لَهُ رَبِّ انْ هَؤُلَاءِ آیت 87-88
- 518 فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَّمَ - فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ آیت 89
- 519 سورة الدخان
- 519 حَمٌ ﴿١﴾ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿٢﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُدْرِكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ﴿٣﴾ آیت 1-3
- 520 فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾ آیت 4
- 522 أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا - إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾ رَاحَةً مِنْ رَبِّكَ - إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ آیت 5-9
- 523 يَغْشَى النَّاسَ - هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠﴾ رَبَّنَا كَشِفْنَا عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ آیت 10-11
- 526 رَبَّنَا كَشِفْنَا عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَلَيْسَ لَهُمُ الَّذِي كُرِيَ وَقَدْ جَاءَهُمْ آیت 12-14
- 528 وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادًا اللَّهُ - آیت 17-19
- 529 وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا إِلَيَّ فَأَعْتَزَلُونِ ﴿٢١﴾ آیت 20-21
- 530 قَدْ عَارَبْتَهُ أَنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَاسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبِعُونَ ﴿٢٣﴾ آیت 22-24
- 532 كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُرٍ وَوَعْقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْتَةٍ كَانُوا فِيهَا آیت 25-27
- 533 كَذَلِكَ - وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا آیت 28-29
- 536 وَلَقَدْ جِئْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ - إِنَّهُ كَانَ آیت 30-32
- 537 وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا آیت 33-36
- 538 أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ قَوْمَ تُجُعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ - أَهْلَكْنَاهُمْ - إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ آیت 37-39
- 541 إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِنْهَا تَنْحَرُونَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ آیت 40-42
- 542 إِنَّ شَجَرَةَ الزُّقُومِ ﴿٤١﴾ طَعَامُ الْآثِمِينَ ﴿٤٢﴾ كَالْهَيْلِ يُعْلَىٰ فِي الْبُطُونِ ﴿٤٣﴾ كَغَلِي الْحَبِيمِ ﴿٤٤﴾ آیت 43-46
- 543 خُدُودًا فَاعْتَزَلُوا إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٥﴾ لَمْ صُوبُوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ﴿٤٦﴾ آیت 47-48

- 544 دُئِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ آیت 49-50
- 545 اِنَّ السُّعْتِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ فِيْ جَنَّتٍ وَعُيُوْنٍ ۝ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُدُسٍ آیت 51-54
- 547 يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اَوْ مِيْنٍ ۝ لَا يَدْخُلُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتُ اِلَّا الْمَوْتَةُ الْاُولٰٓئِ ۝ آیت 55-57
- 548 فَاْتَمَّ يَسْرُهُٗ بِلسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاَرْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرتَقِبُوْنَ ۝ آیت 58-59
- 549 سورة الجاثية
- 549 حَمَّ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ آیت 1-5
- 550 تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۝ فَبِاَيِّ حٰدِيْثٍ بَعَدَ اللّٰهُ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ آیت 6
- 551 وَيْلٌ لِّكُلِّ اَقْلٰمٍ اَشِيْمٍ ۝ يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا آیت 7-10
- 552 هٰذَا هُدًى ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِيَّايْتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ تَرٰجُزٍ اَلِيْمٍ ۝ آیت 11
- 552 اللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لَتَجْرِيْ اَلْفُكُ فِيْهِ بِاَمْرِ ۝ وَ لَتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ آیت 12-14
- 555 مِّنْ عِبَلٍ صٰلِحٰتٍ لِّنَفْسِهٖ ۝ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ آیت 15-17
- 556 ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاَتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ آیت 18
- 557 اِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۝ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۝ وَاللّٰهُ آیت 19-20
- 558 اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّمٰوٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً آیت 21
- 559 وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْحَقِّ ۝ وَ يُجْرٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ آیت 22-23
- 563 وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيٰتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَاوَمَا يَهْلِكُنَا اِلَّا الدّٰهُرُ ۝ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ آیت 24
- 566 وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّا اَبَا بِيْنَا اِنْ كُنْتُمْ آیت 25-26
- 567 وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السّٰعَةُ يُؤْمِنُوْنَ بِهَا آیت 27-28
- 568 هٰذَا كِتٰبُنَا يُنطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۝ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ آیت 29
- 569 فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۝ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ آیت 30-31
- 570 وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۝ وَالسّٰعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرٰى مَا السّٰعَةُ آیت 32-34
- 571 ذٰلِكُمْ بِاَلْكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَاَعْرَضْتُمْ عَنْ حَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ آیت 35-37
- 572 سورة الاحقاف
- 572 حَمَّ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا آیت 1-4
- 576 وَمَنْ اَصْلٌ مِّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝ مَنْ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلَّا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ آیت 5
- 577 وَاِذَا حَشَرَ النَّاسَ كَاَنُوْا لَهُمْ اَعْدَآءٌ وَّ كَاَنُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرٰنِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آیت 6-8

- 578 قُلْ مَا كُنْتُ بِدَاعٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفَعَّلُ بِي وَلَا يَكُفُّمُ ۚ إِنَّ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُؤْتَىٰ إِلَىٰ آیت 9
- 581 قُلْ أَسْرَأْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ آیت 10
- 582 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِمُ آیت 11
- 584 وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَاحِمَةً ۚ وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانِ عَرَبِيًّا آیت 12
- 585 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٥٣﴾ آیت 13 تا 15
- 589 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ آیت 16 تا 18
- 592 وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٠﴾ آیت 19-20
- 596 وَإِذْ كُنَّا نَاخِعِينَ وَإِذْ نَادَىٰ قَوْمَهُ بِالْأَعْقَابِ وَقَدْ خَلَّتِ التُّرُكُومُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ آیت 21
- 597 قَالُوا أَجِئْنَا بِكِنَافٍ غَنَاءً وَإِنَّا بِمَا نَعْبُدُ تَائِبِينَ ۖ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٥﴾ آیت 22 تا 25
- 601 وَلَقَدْ مَكَرْتُمْ فِيْمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِهِ ۖ فَكُنَّا مُهْتَدِينَ ۚ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهِ مَسَاجِدَ وَمَا تَرَوْنَ فِيهَا آیت 26-27
- 602 فَلَوْلَا نَصْرُهُمْ لَإِذَئذٍ لَآتَىٰ السَّاعَةَ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَرِيبٌ إِلَيْهِ ۖ بَلْ صَلَّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ آیت 28
- 603 وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۖ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۚ فَلَمَّا آیت 29
- 609 لِقَوْمِنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ آیت 30-31
- 611 وَمَنْ لَا يُجِيبِ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ آیت 32-33
- 612 وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۗ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا آیت 34-35
- 616 **سورة محمد**
- 616 الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْبُرُوا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا آیت 1-2
- 618 ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ آیت 3-4
- 623 سَيَجْزِيهِمْ وَيُصَلِّحُ بِاللَّهِمْ ﴿٦﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آیت 5-6
- 624 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنَصَّرُوا لِلَّهِ يُضْمَرَكُمْ وَيُشْتَبَّ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾ آیت 7
- 625 وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَّلَهُمْ وَأَصْلُ أَعْمَالِهِمْ ﴿٨﴾ آیت 8
- 626 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ أَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ آیت 9-11
- 627 إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ آیت 12-13
- 628 أَلَمْ يَكُنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِهِ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ لَيْسَ لَهُ سَوْءٌ عَلَيْهِ وَاتَّبَعُوا أَهْلَهُمْ ﴿١٥﴾ آیت 14-15
- 630 وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ آمَنُوا آیت 16-17
- 632 قَهْلٍ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ قَالِي لَهُمْ إِذَا جَاءَ نَهُمْ آیت 18

- 633 فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لَذُنُوبِكُمْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ..... آیت 19
- 635 وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَاذْأَنْزَلَتْ سُورَةٌ مَّخْلُوعَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا..... آیت 20-21
- 637 قَهْلَ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ ۖ..... آیت 22-24
- 641 إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ..... آیت 25
- 642 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا الَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ ۗ وَاللَّهُ..... آیت 26-28
- 643 أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْعَانَهُمْ ۖ وَلَوْ نَشَاءُ..... آیت 29-30
- 645 وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۗ وَنَبْلُوَنَّكُمْ..... آیت 31-32
- 646 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۖ..... آیت 33
- 647 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدَوْا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَا تَوَاوَهُمْ كُفْرًا فَلَنْ يُغْفِرَ اللَّهُ..... آیت 34-35
- 648 إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۗ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرًا كَمَ وَلَا يَسْئَلُكُمْ..... آیت 36-37
- 649 هَآئِنْتُمْ هَآؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِمَّنْ مَن يَبْخُلُ ۗ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا..... آیت 38
- 651 سورة الفتح
- 652 إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۚ..... آیت 1
- 653 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا..... آیت 2-3
- 656 هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَاللَّهُ..... آیت 4-5
- 657 وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ..... آیت 6-7
- 658 إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَنَعْرُوهُ أَعْرَوهُ وَتُؤْمِرُوهُ..... آیت 8-9
- 659 إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۗ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن تَبَخَّرْتُمَا يَبْخُلْكَ عَلَى..... آیت 10
- 660 سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ..... آیت 11
- 661 بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ آلِهِمْ أَبَدًا وَرَبُّنَا الَّذِي فِي قُلُوبِكُمْ..... آیت 12
- 662 وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۖ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ..... آیت 13-15
- 664 قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنِ إِلَىٰ قَوْمِ أُولِي الْأَرْحَامِ لِثِقَاتِهِمْ..... آیت 16
- 665 لَيْسَ عَلَىٰ الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَىٰ الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَىٰ الْمَرِيضِ حَرْجٌ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ..... آیت 17
- 666 لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ..... آیت 18-19
- 670 وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ ۗ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ..... آیت 20
- 671 وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۖ..... آیت 21-23

- 672 وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ آیت 24
- 674 هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا كُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعَكُمْ فَأَنْ تَبْلُغُمْ مَجِدَّةَ آیت 25
- 679 إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَيِيَّةَ حَيِيَّةَ الْبَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ آیت 26
- 681 لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءُوبَ بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ آیت 27
- 683 هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ آیت 28
- 683 مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا آیت 29
- 691 **سورة الحجرات**
- 691 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدْ مَوَابِتِنَ يَدِي اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ اللَّهُ سَيِّئٌ عَلَيْكُمْ ○ آیت 1
- 693 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ آیت 2
- 698 إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُمُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ آیت 3
- 699 إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَتَوَاتَاهُمْ صَبْرًا وَاحْتَىٰ آیت 4
- 700 وَتَوَاتَاهُمْ صَبْرًا وَاحْتَىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ آیت 5-6
- 703 وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنْ أَلْمَرِ لَعَنْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ آیت 7-8
- 704 وَإِنْ طَأَفْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى آیت 9
- 704 اس ضمن میں اہم ترین مباحث ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہم تنازعات کے بارے میں ہیں
- 712 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ آیت 10
- 713 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَر قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ آیت 11
- 719 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا آیت 12
- 719 اس آیت کے ضمن میں اہم اخلاقی مباحث ہیں
- 730 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ آیت 13
- 730 اس آیت کے ضمن میں احرام انسانیت کے حوالے سے اہم ترین مباحث ہیں
- 737 قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ آیت 14
- 739 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ آیت 15-16
- 739 يَمْتَنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَسْتَوُونَ عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ آیت 17-18



سورہ یس

﴿سورة يس﴾ ﴿سورة يس﴾ ﴿سورة يس﴾ ﴿سورة يس﴾ ﴿سورة يس﴾

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکئی ہے۔ اس کی تراسی (83) آیات ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَكَتَبْنَا مَا قَدْ مُؤَاوَاثًا لَهُمْ** انصار کے خاندان بنی سلمہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوا جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں اور رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں آجائیں جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابو داؤد میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے مردوں پر سورہ یس پڑھو (1)“ آجڑی نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس میت پر سورہ یس پڑھی جاتی ہے اس پر معاملہ آسان کر دیا جاتا ہے (2)۔ مسند دارمی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کسی رات بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر سورہ یس پڑھی اسے اسی رات بخش دیا جاتا ہے (3)۔“ اسے ابو نعیم حافظ نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إِنْ لَكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يَسُّ وَمَنْ قَرَأَ يَسَّ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرًا مَرَاتٍ (4)**۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل سورہ یس ہے جس نے سورہ یس پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اسے دس دفعہ قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کی سند میں ہارون بن محمد مجہول ہے۔ اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت مروی ہے جبکہ سند کے اعتبار سے ان کی حدیث صحیح نہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خبردار! قرآن میں ایک سورت ہے یہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں شفاعت کرتی ہے، اس کے سننے والے کو بخش دیا جاتا ہے۔ خبردار! وہ سورہ یس ہے اسے تو رات میں معمر کہتے ہیں۔“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ معمر کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ اپنے قاری کو دنیا کی ہر بھلائی پہنچانے والی ہے اور یہ آخرت کی تمام ہولناکیوں سے دور کرنے والی ہے، اسے دافعہ اور قاضیہ بھی کہتے ہیں۔“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس طرح؟ فرمایا: ”وہ اپنے قاری سے ہر برائی کو ختم کرتی ہے، اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے جس نے اس سورت کی قراءت کی یہ سورت اس کے بیس حجوں کے برابر ہو جائے گی، جس نے اسے سنا اس کے لئے ایک ہزار دیناروں کے برابر ہو جائے گی جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، جس نے اسے لکھا اور اسے پی لیا تو اس کے پیٹ میں ہزار

1- سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب القراءة عند الميت، جلد 2، صفحہ 89

3- شعب الایمان للسیوطی، جلد 2، صفحہ 480، حدیث نمبر 2464

2- کنز العمال، جلد 15، صفحہ 563، حدیث نمبر 42186

4- جامع ترمذی، باب ما جاء فی یس، جلد 2، صفحہ 112

دوائیاں، ہزار نور، ہزار یقین، ہزار رحمتیں، ہزار شفقتیں، ہزار ہدایتیں داخل کی جائیں گی اور اس سے ہر بیماری اور ہر گناہ، کھوٹ کو دور کر دیا جائے گا“ اسے ثعلبی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور حکیم ترمذی نے ”نوادرا اصول“ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا ہے (1)۔

مسند دارمی میں شہر بن حوشب سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”جس نے صبح کے وقت سورہ یس پڑھی تو اسے شام تک آسانی دے دی جائے گی جس نے رات کے شروع میں اسے پڑھا تو اسے صبح تک رات کی آسانی دے دی جائے گی“۔

نحاس نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر شے کا دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یس ہے جس نے دن کے وقت اسے پڑھا تو یہ اس کے کاموں کے لیے کافی ہو جائے گی جس نے رات کے وقت اسے پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شہر بن حوشب نے کہا اہل جنت صرف سورہ طہ اور سورہ یس پڑھتے ہیں۔ دارمی نے ان تینوں روایات کو مرفوع نقل کیا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یس ہے جس نے اسے کسی رات میں پڑھا تو اسے اس رات کی آسانی دے دی جاتی ہے جس نے اسے دن کے وقت پڑھا تو اسے اس دن کی آسانی دے دی جائے گی، جنتیوں سے قرآن اٹھالیا گیا ہے وہ سورہ طہ اور سورہ یس کے علاوہ کوئی چیز نہیں پڑھتے“ (2)۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے سورہ یس رات کے وقت پڑھی وہ صبح تک خوش خوش رہے گا جس نے صبح کے وقت اسے پڑھا تو وہ شام تک خوش خوش رہے گا (3)۔ جس نے اس کا تجربہ کیا تھا اس نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ ثعلبی اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حکیم ترمذی نے ”نوادرا اصول“ میں عبدالاعلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں محمد بن صلت نے عمرو بن ثابت سے وہ محمد بن مروان سے وہ ابو جعفر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس کے دل میں سختی ہو تو وہ زعفران سے کسی جام میں سورہ یس لکھے اور اسے پی لے۔

مجھے میرے والد نے انہوں نے اصرم بن حوشب سے وہ بقیہ بن ولید سے وہ معمر بن اشرف سے وہ حضرت محمد بن علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا قرآن ہر چیز سے افضل ہے قرآن حکیم کی باقی کلاموں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے، جس نے قرآن کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے عزتیں دے گا جس نے قرآن کی عزت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نہیں نوازے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی حرمت اس طرح ہے جس طرح اولاد کے ہاں والد کی حرمت ہوتی ہے، قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی

شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے قرآن جس کے حق میں شفاعت کرے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جس کے حق میں جھگڑا کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو آدمی اسے امام بنائے قرآن اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور جو اسے اپنے پیچھے رکھے وہ اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن کے حاملین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھرے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا نور زیب تن کرایا جاتا ہے انہیں کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں سے دوستی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عزت کر کے اس کی دعوت پر لبیک کہو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت میں اضافہ فرمادے گا۔ اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنا دے گا۔ قرآن سننے والے سے دنیا کی آزمائش دور کر دے گا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے سے آخرت کی آزمائش دور فرمادے گا جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کو سنا تو یہ عمل عرش سے لے کر تخت الشری تک جو کچھ ہے، اس سے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ کتاب اللہ میں ایک سورت ہے جسے عزیزہ کہتے ہیں قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو شریف کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی تلاوت کرنے والے کی شفاعت ربیعہ اور مضر قبیلہ کے افراد سے زیادہ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی وہ سورہ یس ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کی رات سورہ یس پڑھی تو وہ صبح اس حالت میں کرے گا کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہوگی۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو قبرستان میں داخل ہو اس نے سورہ یس پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس روز اہل قبور سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کے لیے اس کے حروف کی تعداد کے برابر نیکیاں ہوگی۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ نے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یَسَّ ۙ وَ الْقُرْآنِ الْحَكِیْمِ ۙ اِنَّكَ لَمَنْ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ
تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ

”اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم) عزیز (اور) رحیم نے۔“

یَسَّ ۙ وَ الْقُرْآنِ الْحَكِیْمِ ۙ یس میں قراءت کی کئی صورتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور نسائی نے نون کو واو میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابو عمرو، اعش اور حمزہ نے یس کو نون کے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے عیسیٰ بن عمر نے یسن یعنی نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے اسے نون کے کسرہ کی ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون اور محمد بن سبیع نے یسن نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت ادغام کے ساتھ ہے جس

طرح لغت عربیہ میں ضروری ہے کیونکہ نون کو واو میں مدغم کیا جاتا ہے جس نے ادغام کے بغیر پڑھا ہے اس نے کہا: حروف ہجاء کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے ادغام تو درمیان کلام میں ہوتا ہے وقف پر نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے نصب کا ذکر کیا ہے اور نصب دو وجوہ سے ذکر کی ہے: (1) ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ مفعول ہے وہ اسے منصرف قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور ہائیل کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہے اذکر یسن سیبویہ نے اسے سورت کا نام بنا دیا ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبنی برفتحہ ہے جیسے کیف اور این ہے۔ جہاں تک کسرہ کا تعلق ہے فراء نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ عربوں کے قول: جیدر افعال کے مشابہ ہے اس سورت میں یسن قسم ہوگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ امیس، حزام، هولاء اور رقاش کے مشابہ ہے۔ جہاں تک اس کے مضموم ہونے کا تعلق ہے تو اس صورت میں یہ منذ، حیث اور قظ کے مشابہ ہے اور منادی مفرد کے مشابہ ہے جب تو کہے: یا رجل جو آدمی اس پر وقف کرتا ہے ابن سمیع اور ہارون نے کہا: اس کی تفسیر میں یا رجل کہا ہے، مناسب اس پر ضمہ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے کہا یہ سورت کا آغاز ہے تو اس کے لیے وقف کرنا اچھا ہے جس نے کہا: یسن کا معنی یا رجل تو اس پر وقف نہ کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اے انسان، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلِّمْ عَلٰی اِلٰی یٰ یٰسین ﴿۱۰﴾ (الصافات) کے بارے میں کہا یعنی آل محمد پر سلامتی ہو (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ سورت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کی دلیل اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ہے سید حمیری نے کہا:

يَانْفُسِ لَا تَسْحَفِي بِاللُّصِیْحِ جَاهِدَةً عَلَى السُّوْدَةِ اِلَّا اَنْ يٰسین ﴿۲﴾

اے نفس! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی سے محبت کرنے میں نصیحت کو خالص نہ کر جبکہ تو کوشش کرنے والا ہو۔ ابو بکر وارق نے کہا: اس کا معنی ہے اے سید البشر! ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ امام مالک کا قول ہے، اشہب نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: جس نے آپ سے پوچھا کیا کسی کے لیے مناسب ہے کہ اپنا نام یاسین رکھ لے؟ فرمایا: میں تو اسے مناسب خیال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰسین ﴿۱۰﴾ وَالْقُرْآنِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۱﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرا نام یسن ہے ابن عربی نے کہا: یہ بہت عمدہ کلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے رب کے اسماء میں سے ایسا نام رکھ لے جبکہ اس بندے میں اس کا معنی موجود ہو جس طرح عالم، قادر، سید اور متکلم ہے امام مالک نے یسن نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جس کا معنی معلوم نہیں بعض اوقات کوئی ایسا وصف ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہوتا ہے تو اس لیے یہ جائز نہیں کہ بندہ اس پر آگے بڑھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلِّمْ عَلٰی اِلٰی یٰسین ﴿۱۰﴾ (الصافات)

ہم اس کا جواب دیں گے: یہ حروف تہجی کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے اس کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے یہ یسن ایسا اسم ہے جس کے جب نہیں لکھے گئے؛ امام مالک نے اس کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے کیونکہ اس میں اشکال موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یاء اور سین کے ساتھ کیا ہے ان دونوں میں خیر ہی خیر ہے شروع کرنے والے کی اس پر راہنمائی کی گئی ہے کہ یہ سورت دل ہے اور دل جسم کا امیر ہے اسی طرح یس تمام دوسری سورتوں کی امیر ہے تمام قرآن کے معانی پر مشتمل ہے۔

علماء نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشہ کی لغت کا لفظ ہے۔ شعبی نے کہا: یہ بنوٹلی کی لغت کا لفظ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ بنو کلب کی لغت کا لفظ ہے۔ کلبی نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، عربوں نے اپنی زبان میں اسے استعمال کیا تو یہ ان کی لغت کا ایک لفظ بن گیا۔ یہ بحث سورہ طہ اور کتاب کے مقدمہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ قاضی عیاض نے یس کے معنی کے متعلق مفسرین کے اقوال اچھی طرح بیان کیے ہیں ابو محمد مکی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ میرے، میرے رب کے ہاں دس نام ہیں ان میں سے طہ اور یس کا ذکر کیا۔

میں نے کہا: ماوردی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں میرے سات ناموں کا ذکر کیا ہے محمد، احمد، طہ، یس، منزل، مدثر اور عبد اللہ (1)“ یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابو عبد الرحمن سلمی نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے اے سید! اس میں نبی ﷺ کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یس کا معنی ہے اے انسان! اس سے حضرت محمد ﷺ کا ارادہ کیا ہے، کہا: یہ قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے؛ زجاج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے محمد! ایک قول یہ کیا گیا: اے مرد! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! ابن حنفیہ سے مروی ہے یس سے مراد ہے اے محمد! کعب سے مروی ہے یس سے مراد قسم ہے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم اٹھائی فرمایا: اے محمد! تو مر سلین میں سے ہے پھر فرمایا: وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں تعظیم کا پہلو موجود ہوگا اس پر دوسری قسم کا جو عطف کیا گیا ہے اس کے ساتھ پہلی قسم کو مؤکد کیا گیا ہے اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد قسم اس لیے آئی ہے تاکہ آپ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا جائے اور آپ ﷺ کی ہدایت پر گواہی دی جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف وحی کی، آپ ایمان کے صراط مستقیم پر ہیں یعنی یہ ایسا راستہ ہے جس میں کوئی کمی نہیں اور حق سے کوئی اعراض نہیں۔ نقاشی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ ﷺ کے سوا کسی کی رسالت کے لیے قسم نہیں اٹھائی اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے عظمت اور شرف کا اظہار ہے۔ یہ تعبیر اس کے مطابق ہے جس نے اس کی یہ تاویل کی یا سید کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں (2)“ ان کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔

قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: قریش کے کفار نے کہا تو مرسل نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر فرمایا: آپ رسولوں میں سے ہیں۔ حکیم کا معنی محکم ہے یہاں تک کہ باطل اور تناقض لاحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أُحْكِمْتُ آيَاتَهُ (ہود: 1)** اسی طرح یہ قرآن نظم اور معنی میں محکم ہے اسے کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا بعض اوقات لفظ حکیم اللہ تعالیٰ کے حق میں محکم کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔

عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ یعنی دین مستقیم پر ہوتا ہے اس سے مراد اسلام ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد ہے آپ سابقہ انبیاء کے طریقہ پر ہیں۔ کہا: **لَمَّا سَلِمْنَا مِمَّنْ كَفَرْنَا بِهِمْ سَبْعَ مَضَامِيرٍ** (1) اور **عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ** دوسری خبر ہے یعنی آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنہیں استقامت پر بھیجا گیا تو اس صورت میں **عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ**، **الْمُرْسَلِينَ** کا صلہ ہوگا، یعنی آپ ان رسولوں میں سے ہیں (2) جنہیں صراط مستقیم پر بھیجا گیا تھا؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝** (شوری) یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ ابن عامر، حفص، اعمش، یحییٰ، حمزہ، نسائی، اور خلف نے تنزیل پڑھا ہے یعنی یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہے۔ نزل اللہ ذالک تنزیلاً (3) مصدر کو مضاف کیا تو وہ معرفہ ہو گیا جس طرح یہ قول ہے: **فَضْرَبَ الْقَافِ** (محمد: 4) یہ اصل میں ضرب اللہ القاف تھا باقی قراء نے تنزیل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہو گی تقدیر کلام یہ ہوگی ہو تنزیل یا تقدیر یہ ہوگی الذی انزل الیک تنزیل العزیز الرحیم (4)۔ اس نقطہ لطیفہ کو محفوظ کر لو۔ اسے تنزیل کر کے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ قرآن سے بدل ہوگا اور تنزیل قرآن کی طرف لوٹے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہا ہے معنی یہ بنے گا آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں اور آپ ﷺ عزیز و رحیم کی تنزیل ہیں، اس صورت میں تنزیل، ارسال کے معنی میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ تَرَأَوْهُ لَا يَتْلُوهُ (الطلاق)** یہ جملہ بولا جاتا ہے: **أرسل الله المطر وانزله**۔ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس نے کہا: آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں جسے عزیز و رحیم کی جانب سے بھیجا گیا ہے **العزیز** یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے والا۔ **الرحیم** اہل اطاعت پر رحیم ہے۔

لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝ **لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ**

لَا يُؤْمِنُونَ ۝ **إِنَّا جَعَلْنَا فِي آعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَمَهِيَ إِلَىٰ آلِدْقَانٍ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۝**

”تا کہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل

ہیں۔ بے شک (ان کے ہم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سراو پر کواٹھے ہوئے ہیں۔“

لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ أَكْثَرَ عُلَمَاءِ تَفْسِيرِ كَيْفِ مَّا كَانُوا فِي مِثْلِ هَذَا، ان میں سے قوادہ بھی ہیں کیونکہ یہ نافیہ ہے (1) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جسے آپ سے قبل کسی ڈرانے والے نے نہیں ڈرایا، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قوادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ما اور فعل مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی لتنذر قوما ما انذار آبائهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: ما، الذی کے معنی میں ہے (2) معنی یہ ہوگا آپ انہیں ڈرائیں جس طرح ان کے آبا کو ڈرایا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قوادہ کا قول ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ عربوں کو تو اتر سے انبیاء کی خبریں پہنچی ہوں معنی یہ ہوگا انہیں میں سے کسی رسول میں سے انہیں نہ ڈرایا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہیں خبر تو پہنچی ہو لیکن انہوں نے غفلت کی ہو، اعراض کیا ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس قوم کو خطاب ہو جن تک کسی نبی کی خبر نہ پہنچی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدُرُّ سُوءَهَا وَمَا أُرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلِكَ مِنْ نَذِيرٍ ۚ (سبا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا آتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۙ (القصص) یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے یہ کہا ان تک انبیاء کی خبریں پہنچیں تو اس کا معنی ہوگا وہ اب اعراض کرنے والے ہیں اس سے جان بوجھ کر غافل بنتے ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اسے غافل کہتے ہیں: ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ یعنی ان میں سے اکثر پر عذاب ثابت ہو چکا ہے وہ آپ کے خبردار کرنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہ پھر ان لوگوں کے بارے میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی تھا کہ وہ کفر پر مریں گے (3)۔ پھر انہوں نے جو ایمان ترک کیا اس کا سبب ذکر کیا فرمایا: إِنَّا جَعَلْنَا فِي آغْنَا قِهِمْ أَغْلًا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ بنی، ابو جہل نے قسم اٹھائی اگر اس نے (حضرت) محمد ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ان کا سر پتھر سے کچل دے گا۔ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ مارنے کے لیے گیا، پتھر اٹھایا، جب پتھر مارنے کا قصد کیا تو اس کا ہاتھ گردن کی طرف لوٹ آیا اور پتھر اس کی گردن کے ساتھ چٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو جو کچھ دیکھا وہ بتایا۔ ایک آدمی جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا اس نے کہا: میں اس کا سر کچل دوں گا۔ وہ پتھر مارنے کے لیے آیا جبکہ آپ ﷺ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا وہ آپ ﷺ کی آواز کو سن رہا تھا مگر دیکھتا نہیں تھا وہ اپنے ساتھیوں کی

طرف لوٹا مگر اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آئے یہاں تک کہ انہوں نے اسے ندا دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے دیکھا نہیں، اس کی آواز سنی ہے۔ تیسرے نے کہا: میں اس کا سر پیس دوں گا پھر پتھر اٹھایا وہ چلا پھر پچھلے پاؤں واپس پلٹا یہاں تک کہ اپنی گدی کے بل گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اسے کہا گیا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا معاملہ بڑا عظیم ہے میں نے اسے دیکھا جب میں اس کے قریب ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تراونٹ اپنی دنب ہلا رہا ہے میں نے اس جیسا بڑا زکبھی بھی نہیں دیکھا وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا لات وعزی کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے کھا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے یوں پڑھا ہے انا جعلنا فی ایسانہم۔ زجاج سے اسے انا جعلنا فی ایدیہم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت تفسیر ہے۔ مصحف کے برعکس قراءت نہیں کی جائے گی جماعت کی قراءت میں کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں گی انا جعلنا فی أعناقہم وفی أیدیہم أغللا فہی الی الأذقان عرب اس قسم کے الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی مثل سَرَّابِیلٌ تُقِیْمُ الْحَرَّ (النحل: 81) تقدیر کلام یہ ہوگی وسر ابیل تقیمکم العبد تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ جو چیز گری سے بچاتی ہے وہ سردی سے بچاتی ہے کیونکہ طوق جب گردن میں ہوتا ہے تو لازماً ہاتھ میں ہوتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَہی الی الأذقان اس سے مراد ہاتھ ہیں پس وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوں گے وہ انہیں نیچے کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ جس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو اس کا سر بلند ہوتا ہے۔

عبداللہ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں الاقسام کا طریقہ بتایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی داڑھی کے نیچے رکھا دونوں کو ساتھ چمٹایا اور اپنے سر کو اوپر اٹھایا (1)۔ اس لفظ کے معنی کی تعبیر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے یہ ذی شان ہے، یہ معنی اس چیز سے ماخوذ ہے جو اصمعی نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اقحت الدابة جب تو اس کی لگام کو کھینچے تاکہ اپنے سر کو اوپر اٹھائے۔ نحاس نے کہا: قاف، کاف سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کا قریبی لفظ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: قہرتہ، کھرتہ۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اکحت الدابة۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی لگام کھینچے یہاں تک کہ وہ اپنا سر اوپر اٹھالے، اسی معنی میں یہ قول ہے: والراس مکح سر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملے بولے جاتے ہیں اکحتھا، اکفتھا اور کبحتھا۔ سب کا معنی ایک ہے کبحتھا باب افعال کے وزن پر نہیں، اصمعی سے یہ بھی مروی ہے قحح البعیر قححاً جب اونٹ حوض پر اپنے سر کو اٹھالے اور وہ پانی پینے سے رک جائے، اسی سے بعیر قحح اور قحح ہے یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: شرب فتقح وانقح دونوں کا معنی ایک ہے جب وہ اپنا سر اٹھالے اور سیراب ہونے کی وجہ سے پانی پینے سے رک جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد قامحت ابلک جب وہ پانی پر وارد ہو اور پانی نہ پینے اس نے اپنا سر کسی بیماری کی وجہ سے اٹھالیا یا سردی کی وجہ سے ایسا کیا اس کے ساتھ یوں صفت بھی ذکر کی جاتی ہے ابل مقامحة، بعیر مقامح، ناقۃ مقامح اس کی جمع خلاف قیاس قحح آتی ہے؛ بشرکشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن علی جوانبها قعودٌ نغض الطرف کالابل القمام (2)

”ہم کشتی کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم آنکھیں بند کئے ہوئے تھے جس طرح وہ اونٹ آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو پانی پینے سے رک جاتے ہیں“۔ اقسام کا معنی سر اٹھانا اور آنکھیں بند کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقبحہ الغلُّ جب وہ تنگی کی وجہ سے اپنا سراو پر کواٹھالے، شہر قسام ایسا مہینہ جس میں سخت سردی ہوتی ہے وہ دونوں دسمبر اور جنوری ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اونٹ جب پانی پر وارد ہوتا ہے تو پانی کی ٹھنڈک اسے اذیت دیتی ہے تو وہ اپنا سراو پر کواٹھالیتا ہے اسی سے ایک جملہ قبحۃ السویق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہے کہ وہ ہدایت سے یوں رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ آدمی رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق ڈالا گیا ہو؛ یہ یحییٰ بن سلام اور ابو عبیدہ نے کہا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حمار یعنی وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لہم عن الرشدا غلال واقیاد

ہدایت پانے میں انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ذویب در جاہلیت میں ایک عورت سے محبت کرتے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو اس عورت نے انہیں بہلانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

فلیس کعہد الدار یا أم مالکٍ ولكن أحاطت بالرقاب السلاسل

وعدا الفتی کالکھل لیس بقائل سوی العدل شیاً فاستراح العوذل

انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ اسلام کے احکام نے ہمیں بدکاری اور فسق سے روک دیا ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولًا إِلَىٰ عُنُقِكَ (الاسراء: 29) یہ ضحاک کا قول بھی ہے

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے سے تکبر میں اس طرح ہو گئے ہیں جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طوق ہے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو وہ ہمہ وقت سر اٹھائے ہی رہتا ہے وہ اسے جھکا نہیں سکتا وہ اپنی آنکھ بند رکھتا ہے وہ اسے کھولتا نہیں۔ متکبر کی صفت بھی اسی چیز کے ساتھ لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی گردن کھڑی کئے ہوئے ہے۔ ازہری نے کہا: جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں تو ان طوقوں نے ان کی ٹھوڑیوں کو اوپر اٹھا دیا جبکہ ان کے سر سیدھے کھڑے ہیں جس طرح وہ اونٹ ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ ایک قوم کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے سزا کے طور پر توفیق سلب کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیاں ہوں گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا لَأَغْلِقُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلَ (غافر: 71) ماضی کے لفظ کے ساتھ اسے تعبیر فرمایا یعنی فرمایا إِنْآ جَعَلْنَا۔

مُغْسِحُونَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: مُغْسِحُونَ کا معنی ہے انہیں ہر بھلائی سے روک دیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٠﴾

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ① إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ
الَّذِي كَرِهَتْ الرِّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ②

”اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف اس کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمن سے بن دیکھے پس مژدہ سنائیے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا۔“

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا مِمَّا قَاتَلْ نَبِيًّا: جب ابو جہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچ پایا تھا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا تو بنی مخزوم کے ایک اور آدمی نے پتھر اٹھایا اور کہا: میں اسے اس پتھر کے ساتھ قتل کروں گا جب وہ نبی کریم ﷺ کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو بے نور کر دیا تو وہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ساتھیوں نے اسے ندا دی: آیت کا یہ معنی ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں کہا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابو جہل اور امیہ بن خلف بیٹھے وہ نبی کریم ﷺ کی تاز میں تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچا سکیں نبی کریم ﷺ ان کی طرف نکلے جبکہ آپ ﷺ سورہ یس پڑھ رہے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ میں مٹی بھی تھی نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف وہ مٹی پھینکی اور پڑھا وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا انہوں نے سر نیچے کر لیے تو آپ ﷺ ان کے پاس سے گزر گئے۔ سورہ سبحان میں اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سورہ کہف میں سَدًّا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ سدا سین کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یہ دونوں اس کی لغتیں ہیں۔

فَأَعْسَوْا لَهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ③ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور یحییٰ بن نعیم نے اسے فاعشینا ہم پڑھا ہے (1)۔ یہ عشا سے عین کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے اس کی نظر کمزور ہے وہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نے کہا:

متى تاته تعشوال ضورناره

جب تو اس کے پاس آتا ہے تو تو اس کی آگ کی روشنی سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ (الزحرف: 36) دونوں الفاظ کے معنی قریب قریب ہیں معنی ہے ہم نے انہیں اندھا کر دیا جس طرح شاعر نے کہا:

ومن الحوادث لا أبالك أننى ضربت على الأرض بالأسداه

لَا اهْتَدَى فِيهَا لِمَوَاضِعِ تَلْعَةٍ بَيْنَ الْعُذْنِبِ وَبَيْنَ اَرْضِ مُرَادٍ

تیرا باپ نہ رہے حوادث زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ مجھ پر زمین پہاڑوں کے ساتھ پھینک دی گئی ہے ان میں میں
عذیب اور مراد کے علاقہ کے درمیان تلعت کی جگہ کو نہیں پاتا۔

وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے؛ یہ قوادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا
ارادہ کیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ ضحاک نے کہا: آیت میں مِنْ بَيْنِ اَيُّدِيهِمْ سَدًّا سے مراد دنیا ہے
اور وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا سے مراد آخرت ہے یعنی وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے اندھے ہو گئے اور دنیا میں شرائع کو قبول کرنے
سے اندھے ہو گئے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ اَيُّدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (حم سجدہ: 25)
یعنی ان شیطانوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا اور آخرت کو جھٹلانے کی دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مِنْ بَيْنِ اَيُّدِيهِمْ سَدًّا سے مراد ہے دنیا کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونا اور مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
سے مراد آخرت کو جھٹلانا۔ ایک قول کیا گیا ہے: مِنْ بَيْنِ اَيُّدِيهِمْ سے مراد آخرت ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد دنیا ہے۔
وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاذَنُ رَبِّهِمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ سورہ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ آیت قدر یہ
اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے غیلان قدری کو طلب کیا پوچھا: اے غیلان! مجھے
یہ خبر پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں پھر
کہا: اے امیر المؤمنین! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ نے نہیں دیکھا: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ لُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ وَجَعَلْنَاهُ
سَوِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۲﴾ (الدھر) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا: اے
غیلان! آگے پڑھو یہاں تک کہ اس نے فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا ﴿۳﴾ (المزمل) تک پڑھا۔ فرمایا: آگے پڑھو تو اس
نے وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (الدھر: 30) تک پڑھا کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المؤمنین! میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ
بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے غیلان! سورہ لیس کا ابتدائی حصہ پڑھو تو اس نے
پڑھا یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاذَنُ رَبِّهِمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ غیلان نے کہا: اللہ کی
قسم! اے امیر المؤمنین! گویا میں نے اس سے قبل کبھی بھی اسے نہیں پڑھا، اے امیر المؤمنین! گواہ رہیے میں تو بہ تائب
ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس پر نظر رحمت فرما اور اسے ثابت قدم رکھا اگر وہ جھوٹا ہے
تو اس پر اس آدمی کو مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے مومنوں کے لیے نشانی بنا دے۔ ہشام نے اسے پکڑ لیا اور غیلان
کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ابن عون نے کہا: میں نے اسے دُشَق کے دروازے
پر سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہم نے اس سے پوچھا: اے غیلان! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے ایک صالح شخص حضرت عمر بن
عبدالعزیز کی بددعا لگی ہے۔ اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۳۰﴾

ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی اس پر عمل کیا۔ بِالْعَيْبِ سے مراد جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے غائب ہوا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اور تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے گناہ کی بخشش اور جنت کی بشارت دیتے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي
إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٧﴾

”بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں۔“

(1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے مقصود کافروں کا رد ہے۔ ضحاک اور حسن نے کہا: ہم انہیں جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ زندہ کرتے ہیں (1)۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے ہم جزا کے لیے بعثت کے ساتھ انہیں زندہ کریں گے پھر تمام اعمال لکھنے کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا شمار کئے ہوئے ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اسے شمار کئے ہوئے ہے۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس نے جو عمل کیا۔ مجاہد اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿١٧﴾ (الانفطار) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُنْمِئُوا الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ مَّا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ (القيامة: 13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اتَّقُوا اللَّهَ وَتَتَّقُوا نَفْسَ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ (المحشر: 18) انسان کے اعمال جو باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اس پر انہیں بدلا دیا جائے گا اچھا عمل جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، جیسے کتاب جو اس نے تصنیف کی، وقف جو اس نے وقف کیا یا ایسی عمارت جو انہوں نے بنائی وہ مسجد ہو، سرائے اور پل وغیرہ۔ یا برائے عمل ہو جس طرح کوئی ایسا ٹیکس ہو جو کسی ظالم حکمران نے مسلمانوں پر لگایا ہو یا ایسی گلی جو اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہو یا کوئی ایسی چیز جو اس نے مسلمانوں کو ذکر سے روکنے کے لیے بنائی ہو جس طرح گانے بجانے کے مراکز، لہو و لعب کے میدان اسی طرح ہر اچھی سنت اور بری سنت جس پر عمل کیا جاتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو مسجد کی طرف پیدل آنے والوں کے قدموں سے بنتے ہیں؛ اس آیت کا یہی معنی حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وَآثَارَهُمْ کا معنی ہے مساجد کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے ان سب میں سے یہ بہترین معنی ہے کیونکہ نحاس نے کہا: یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار کے مکانات مسجد سے دور تھے ایک حدیث مرفوعہ میں ہے: يَكْتُبُ لَهُ بِرَجُلٍ حَسَنَةً وَتَحُطُّ

عنه برجل سينة ذاهبا وراجعا اذا خيرا لى مسجد ايك قوم پرايك نكل لکھی جاتی ہے اور ايك قدم پرايك برائى مٹادی جاتی ہے یہ صورت مسجد آتے اور جاتے ہوئے ہوتی ہے جب وہ مسجد کی طرف نکلے۔

میں کہتا ہوں: ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو سلمہ مدینہ طیبہ کی ایک جانب رہتے تھے انہوں نے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں“ تو وہ مسجد کے قریب منتقل نہ ہوئے (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور ثوری سے مروی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں جگہ بھی خالی تھی، یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو ارشاد فرمایا: ”اے بنو سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں“ انہوں نے کہا: ہم منتقل ہوتے تو یہ چیز ہمیں خوش نہ کرتی (2)۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت انس بن مالک کے ساتھ نماز کی طرف نکلا تو میں نے جلدی کی تو انہوں نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہو گئی تو کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہو گئی تو فرمایا: ”کیا تو نہیں جانتا کہ یہ قدم لکھے جاتے ہیں (3)“ آیت کا مصداق بھی یہی ہے۔

قنادہ، مجاہد اور حسن بصری نے کہا: اس آیت میں آثار سے مراد قدم ہیں۔ ثعلبی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آثار سے مراد جمعہ کی طرف جانے والے قدم ہیں (4)۔ آثار کا واحد اثر ہے اسے اثر بھی کہتے ہیں۔

(3) یہ احادیث جو آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں ان میں اس امر پر دلیل ہے کہ مسجد سے دوری افضل ہے۔ اگر کوئی آدمی مسجد کے پڑوس میں ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد سے دور چلا جائے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ قضائے حاجت کی جگہ دور اختیار کرے۔ دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ جو آدمی مسجد سے جتنا دور ہوگا اس کا اجر اتنا ہی بڑا ہوگا حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے اسے مکروہ جانا ہے کہا: وہ مسجد کے پڑوس کو نہ چھوڑے کیونکہ کوئی دوسرا آجائے گا: یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ اپنی مسجد کو چھوڑ کر بڑی مسجد میں جانے میں دو قول ہیں: (1) ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”آدمی کا اپنے گھر کے قریب والی مسجد میں نماز ایک نماز ہے اور قبائل کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازیں ہیں اور وہ نماز جو جامع مسجد میں پڑھی جائے وہ پانچ سو نمازیں ہیں“ (5)۔

(4) دیار کم، اغراء کے طریقہ پر منصوب ہے یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ مکتب امر کے جواب کے طور پر مجزوم ہے۔ کل کا لفظ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے جس پر اخصیئة دلالت کرتا ہے گویا کلام یوں ہے وأحصینا کل شی

1- جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ یسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- صحیح مسلم، کتاب الساجد و مواضع الصلوة، باب فضل الصلوة المكتوبة، جلد 1، صفحہ 235

3- المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 448

4- ایضاً

5- سنن ابن ماجہ، کتاب امامة الصلوة والسنة فیها، باب ما جاء فی الصلوة فی المسجد الجامع، جلد 1، صفحہ 103

احصیناہ۔ اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا بن سکتا ہے تاہم نصب دینا بہتر ہے تاکہ فعل جس پر عمل کر رہا ہے اس کا اس پر عطف کیا جائے جس پر فعل نے عمل کیا؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ الامام سے مراد وہ کتاب ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے وہ حجت ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ابن فرید نے کہا: امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ۗ قَالُوا مَا آتَيْنَا
إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۗ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ۗ قَالُوا
أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ الْمُرْسَلُونَ ۗ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَدُ الْمُبِينُ ۗ قَالُوا إِنَّا نَطِّيرُنَا
بِكُمْ ۗ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَنَمَسِّنَّكُمْ مِمَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۗ قَالُوا طَائِرُكُمْ
مَعَكُمْ ۗ أَلَيْسَ ذِكْرُنُمْ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۗ

”اور بیان فرمائیے ان کے سمجھانے کے لیے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے انہیں کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا: نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمن نے کوئی چیز نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچادیں۔ وہ کہنے لگے: ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں دردناک عذاب۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو حیرت ہے اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔“

خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اپنی قوم کے سامنے اصحاب قریبہ کا واقعہ بیان کریں (1)۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے یہ اہل انطیس کی طرف منسوب ہے یہ اس آدی کا نام ہے جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا جب اسے عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس میں تبدیلی کر دی گئی؛ یہ قول امام سیوطی نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں ایک لفظ یہ بھی ہے ان تاکیہ یعنی طاء کی جگہ تاء ہے وہاں ایک بادشاہ تھا جسے انطیس بن انطیس کہا جاتا، وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اسے کعب اور وہب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسولوں کو بھیجا وہ حضرت صادق، حضرت مصدوق اور حضرت شمعون تھے شمعون ہی

تیسرا تھا؛ یہ طبری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ حضرت شمعون اور حضرت یوحنا تھے۔ نقاشی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شمعون اور حضرت یحییٰ تھے دونوں نے حضرت صادق اور حضرت مصدوق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مثلاً اور اصحاب قریہ، اضراب کے دونوں مفعول ہوں یا اصحاب قریہ، مثلاً سے بدل ہو تقدیر کلام یوں ہوگی اَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحَابِ الْقَرْيَةِ مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو اس عذاب سے ڈرائیں کہ ان مشرکوں پر وہ عذاب نازل ہو سکتا ہے جو اس بستی کے کفار پر نازل ہوا تھا جن کی طرف تین رسول بھیجے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسل من الله، مبتدا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تین افراد کو انطا کیہ کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بھیجنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے انہیں بھیجا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے دونوں کو مارا اور دونوں کو قیدی بنا لیا تو ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں قوت بخشی اور تیسرے کے ساتھ رسالت کو پختہ کیا۔

ابو بکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی ہے فعزنا بشالٹ جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے قوت بخشی اور مضبوط کیا اس حساب سے دونوں قراءتیں ایک معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تخفیف کی صورت میں یہ غلبنا اور قہرنا کے معنی میں ہے اس معنی میں وَعَرَّيْنِي فِي الْخُطَابِ ۝ (ص) تشدید قوینا اور کثرنا کے معنی میں ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے متلمس کے لیے شعر پڑھا:

أَجْدُ إِذَا رَحَلَتْ تَعَزَّزَ لِحُمَاهَا وَإِذَا تَشَدَّ بِنَسْعِهَا لَا تَبْنِسُ

قصہ میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف دو قاصد بھیجے وہ ایک بوڑھے کو ملے جو اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا وہ حبیب نجار صاحب بس تھا دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ہم تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس نے دونوں سے معجزہ طلب کیا دونوں نے کہا: ہم مریض کو شفاء دیتے ہیں۔ اس حبیب نجار کا ایک بیٹا مجنون تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ بستر پر مریض پڑا تھا دونوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے صحیح و سالم اٹھ کھڑا ہوا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہی وہ آدمی تھا جو شہر کے دور دراز علاقہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا اس نے دونوں کے امر کو ظاہر کر دیا دونوں نے بہت سے لوگوں کو شفاء عطا فرمائی۔

بادشاہ نے دونوں کو بلا بھیجا جبکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتا تھا تا کہ دونوں کے احوال کو سمجھے دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں، کوڑھ کے مریضوں کو اور دوسرے مریضوں کو اللہ کے حکم سے درست کرتے ہیں اور ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بادشاہ نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہب نے کہا: بادشاہ نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو سو کوڑے مارے یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے تیسرے قاصد کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ شمعون صفا تھا جو حواریوں کا سردار تھا دونوں کی

مدد کے لئے اسے بھیجا اس نے بادشاہ کے ہم نشین کے ساتھ راہ و رسم پیدا کیے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاں ذیشان ہو گیا اور وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے انہوں نے اس کی بات بادشاہ تک پہنچائی وہ بھی اس سے مانوس ہو گیا پھر ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے ان دو افراد کو قید کر رکھا ہے جنہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تھی کاش! تو ان سے پوچھتا اس کا پس منظر کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا: غصہ میرے اور ان کے سوال کے درمیان غالب آ گیا تھا اس آدمی نے کہا: کاش! تو انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا؟ اس نے ایسا ہی کیا شمعون نے دونوں سے کہا: تم جو دعویٰ کرتے ہو اس پر دلیل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو شفا یاب کرتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا لایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان ہی نہ تھے اس کی آنکھوں کی جگہ ایسی تھی جس طرح پیشانی ہوتی ہے دونوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی تو آنکھ کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے ڈھیلے لیے اور اس کے رخسار پر رکھ دیئے تو دونوں اس کی آنکھیں بن گئیں جن کے ساتھ وہ دیکھنے لگا۔ بادشاہ متعجب ہوا اس نے کہا: یہاں ایک لڑکا ہے جو سات دن پہلے فوت ہو گیا ہے میں نے اسے دفن نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا باپ آئے کہا: کیا تمہارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے؟ دونوں نے اعلانیہ دعا کی اور شمعون نے آہستہ دعا کی وہ مردہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: میں سات دن پہلے مر گیا تھا مجھے مشرک کی حیثیت سے پایا گیا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا جس حالت پر ہوں اس سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تو میں نے ایک خوبصورت چہرے والے جوان کو دیکھا جو ان تین افراد کے حق میں سفارش کر رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ شمعون بھی انہیں کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہ ان سے افضل ہے۔ شمعون نے لوگوں کو بتایا کہ اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف بھیجا تھا اس کی گفتگو بادشاہ پر اثر انداز ہوئی اس نے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی بادشاہ بے شمار لوگوں کے ساتھ مومن ہو گیا اور دوسرے بے شمار لوگوں نے کفر اختیار کیا۔

قتیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ بادشاہ تو ایمان لے آیا تھا لیکن اس کی قوم مومن نہ ہوئی تھی، حضرت جبریل امین نے ایک چیخ ماری تو باقی ماندہ سب کافر مر گئے۔

یہ روایت کی گئی ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بستی کی طرف جائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم ان لوگوں کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تو اسی جگہ پر سو گئے وہ نیند سے اٹھے تو فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور انطاکیہ میں جا پہنچایا تو ان میں سے ہر ایک ان کی زبان میں بات کر رہا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَآيَاتُنَا يُرْوَدُ حَالًا** (البقرہ: 87) کا یہی مفہوم ہے سب نے کہا: ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: تم تو محض ہماری طرح انسان ہو تم کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی جس کے ساتھ وہ حکم دے یا منع کرے تم تو اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹ بولتے ہو، رسولوں نے کہا: ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ

ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اگرچہ تم ہمیں جھٹلاؤ ہمارے ذمے تو یہ پیغام پہنچانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا: ہم نے تم سے فال بد لیا۔ مقاتل نے کہا: تین سال تک ان سے بارش روک لی گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ تمہاری نحوست ہے۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: دس سال تک انہیں ڈراتے رہے لوگوں نے کہا: اگر تم ہمیں ڈرانے سے نہ رکے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔ فراء نے کہا: ہم تمہیں قتل کر دیں گے (1)۔ کہا: قرآن حکیم میں رجم سے مراد قتل کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد پتھر مار مار کر مار ڈالنا ہے۔ ایک قول یہ ہے: کہا گیا ہے اس کا معنی ہے ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔ سب بحث پہلے گزر چکی ہے۔

عَذَابُ الْيَوْمِ ۝ سے مراد قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکلیف دہ عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد قتل سے قبل تکلیف دہ عذاب ہے جیسے کھال اتارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی پر لٹکانا۔ رسولوں نے کہا: خیر اور شر میں سے حصہ تمہارا ہے اور تمہاری گردنوں میں لٹکا ہوا ہے وہ سب کچھ ہماری نحوست کی وجہ سے نہیں؛ یہ معنی ضحاک نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا رزق اور تمہارا عمل ہے، معنی ایک ہی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے اظہار کم پڑھا ہے جو تطہیر کم کے معنی میں ہے اثن ذکرتہ قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہوگی ان ذکرتہ تطہیر تم اس میں نو قراتیں ہیں۔ اہل مدینہ نے اسے این ذکرتہ یعنی دوسرے ہمزہ میں تخفیف ہے اہل کوفہ نے ان دونوں ہمزوں کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل ہے کیونکہ دو ہمزوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے ہمزہ کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ہمزہ مخففہ ہے۔ پانچویں صورت دو مفتوح ہمزوں کے درمیان الف ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے دونوں مفتوح ہمزوں کو ثابت رکھا گیا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت ابورزین کی قراءت ہے۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اسے زربن حبیش اور ابن سمیع سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں اس کی قراءت کی قالوا طائرکم معکم این ذکرتہ، این جو حیث کے معنی میں ہے۔ یزید بن قعقاع، حسن بصری اور طلحہ نے کہا: ذکرتہ تخفیف کے ساتھ ہے۔ نحاس نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے طلحہ بن مصرف اور عیسیٰ ہمدانی سے نقل کیا ہے ان ذکرتہ یعنی مد کے ساتھ اسے پڑھا ہے کہ ہمزہ استفہام، ہمزہ مفتوحہ پر داخل ہوا ہے ماجنون نے کہا: ان ذکرتہ ایک ہمزہ مفتوح کے ساتھ ہے، یہ نو قراتیں ہیں۔ ابن ہرمر نے اسے طَیْرُكُمْ مَعَكُمْ، اثن ذکرتہ پڑھا ہے کیونکہ انہیں نصیحت کی گئی، یہ نیا کلام ہے یعنی اگر تمہیں نصیحت کی جائے تو تم فال پکڑنے لگتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس وقت فال بد لیا جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ ہرنی نے اپنی قوم کو دعوت دی تو انہوں نے وہ دعوت قبول نہ کی ان کا انجام ہلاکت ہے۔

قتادہ نے کہا: تم فال پکڑنے میں اسراف سے کام لینے والے ہو۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم اپنے کفر میں اسراف کرنے والے ہو۔ ابن بحر نے کہا: سرف سے یہاں مراد فساد ہے اس کا معنی ہے بلکہ تم لوگ فساد ہی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم مشرک ہو (2)۔ اسراف کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے مشرک بھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ لِقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝۱۰ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ۝۱۱ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۱۲ ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ۝۱۳ إِنْ أَرَادْتُمْ إِلَّا مُبِينًا ۝۱۴ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ۝۱۵ قَبِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۝۱۶ قَالَ يَلِيَّتْ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۝۱۷ بِمَا عَفَرْتُ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝۱۸ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهَا مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝۱۹ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خِيدُونَ ۝۲۰

”دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا اس نے کہا: اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں بنا لوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ ہرگز نہیں اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا: جا جنت میں داخل ہو جا، وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کی شہادت کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بچھے ہوئے کوئلے بن گئے۔“

رَجُلٌ سے مراد حبیب بن مری ہے وہ بڑھئی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسکاف (جوتا) بنانے والا تھا۔ ایک قول کیا گیا: وہ دھوبی تھا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مقاتل نے کہا: وہ حبیب بن اسماعیل نجار تھا وہ بت تراشا کرتا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جبکہ درمیان میں چھ سو سال کا عرصہ ہے جس طرح تبع اکبر ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ ایمان لائے کوئی فرد کسی نبی پر ایمان نہیں لایا تھا مگر اس وقت جب وہ نبی ظاہر ہو چکا تھا (1)۔

وہب نے کہا: حبیب کو جزام کا مرض تھا اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازے کے پاس تھا وہ ستر سال تک بتوں کی عبادت میں مصروف رہا اور دعا کرتا رہا ممکن ہے وہ بت اس پر رحم کریں اور اس کی تکلیف رفع کر دیں تو بتوں نے اس کی کوئی دعا قبول نہ کی۔ جب قاصدوں نے اسے دیکھا تو اسے اللہ کی طرف دعوت دی تو اس نے پوچھا: کوئی نشانی بھی

ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم قادر رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو جو تکلیف تجھے لاحق ہے اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کر دے گا پوچھا: وہ ایک دن میں کیسے اس تکلیف کو دور فرما دے گا؟ انہوں نے کہا: ہاں ہمارا رب جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے، یہ بت تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان کر سکتے ہیں۔ وہ ایمان لے آیا۔ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکلیف کو رفع کر دیا گویا اسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر وہ اپنی کمائی کی طرف متوجہ ہوا جب اس نے شام کی تو اپنی کمائی کو صدقہ کر دیا اس نے نصف اپنے عیال کو کھلایا اور نصف صدقہ کیا۔ جب اس کی قوم نے قاصدوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو۔ قتادہ نے کہا: وہ ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا جب اس نے بھیجے گئے افراد کے بارے میں سنا تو وہ دوڑتا ہوا آیا تو اس نے بھیجے گئے افراد سے کہا: تم جو کچھ لائے ہو اس پر اجر بھی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اسے ان کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ ان پر ایمان لے آیا اور اپنی قوم کی طرف اس قول کے ساتھ متوجہ ہوا: اے میری قوم! ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو کوئی اجر طلب نہیں کرتے اگر یہ جھوٹے ہوتے تو تم سے اجر طلب کرتے، وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

قتادہ نے کہا: اس کی قوم نے پوچھا: تو ان لوگوں کے دین پر ہے؟ تو جواب دیا: مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کی اتباع نہ کروں کیونکہ تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ان کے خلاف اس کی طرف سے حجت قائم کرنا تھا۔ فطرت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر نعمت ہے جو شکر اور دوبارہ اٹھائے جانے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ وعید ہے جو اجر کا تقاضا کرتی ہے گویا نعمت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا یہ شکر کو زیادہ نمایاں کرنے والا ہے اور دوبارہ اٹھائے جانے کو کافر کی طرف منسوب کرنا شر میں زیادہ بلوغ ہے (1)۔

اللہ سے مراد بت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی جو اسے بیماری لگی ہے تو ان بتوں کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی اور وہ مجھے آزمائش سے چھٹکارا نہ دلا سکیں گے اور میں ایسا کروں تو میں واضح خسارے میں ہوں گا، میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے گواہ بن جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے بھیجے گئے افراد سے خطاب کیا کہ وہ انکے رب پر ایمان لے آیا ہے۔ اور فَاسْمَعُونَ کا معنی ہے تم میرے ایمان لانے پر گواہ بن جاؤ۔ کعب اور وہب نے کہا: اس نے یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی میں تمہارے اس رب پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، تم اس کی پیروی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتے تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا: تو نے ہمارے دشمنوں کی پیروی کی ہے۔ اس نے ان کے ساتھ گفتگو کو طویل کیا تا کہ اس کے ذریعے بھیجے گئے افراد کے قتل سے انہیں ناغل کر دے یہاں تک کہ اس نے کہا: اِنِّيْ اَصْنَتْ بِرَبِّكُمْ تُوَدُّهُ اس پر چھٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالا یہاں تک کہ اس کی انتڑیاں اس کی دبر سے

نکل آئیں اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا، وہی رس ہے وہ اصحاب رس ہیں (1)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے: لوگوں نے ان تینوں افراد کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: انہوں نے اسے پتھر مارے جبکہ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (2)۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈال دی اور وہ مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اسے آگ میں جلا دیا (3) اسے شہر کی فصیل سے لٹکا دیا اس کی قبر انطاکیہ کی دیوار میں ہے؛ یہ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ قشیری نے کہا: حضرت حسن بصری نے کہا: جب قوم نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان کی طرف اٹھالیا تو وہ جنت میں ہے وہ نہیں مرے گا مگر جب آسمان فناء ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ جنت کو دوبارہ لوٹائے گا تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اسے آری کے ساتھ چیر دیا یہاں تک کہ وہ اس کی دو ٹانگوں کے درمیان سے نکلی اللہ کی قسم! اس کی روح نہیں نکلی مگر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَتِيلٌ اِذْ حُلِيَ الْجَنَّةَ كَايِبِي مَعْنٰی ہے جب اس نے جنت کا مشاہدہ کیا تو اس نے کہا: ہائے کاش! میری قوم وہ کچھ جان لیتی جو میرے رب نے مجھے بخشا مافعل کے ساتھ ملکر مصدر کے حکم میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد مخذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ کس وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے؟ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی نے اس پر اعتراض کیا ہے اس نے کہا: اگر یہ صحیح ہو تو توہم کا لفظ کہتا۔ فراء نے کہا کہ مخالف کے ساتھ کہا جائے یہ استفہامیہ ہے اور اس میں کئی اشعار پڑھے۔

زمخشری نے کہا: الف کے بغیر پڑھنا زیادہ اچھا ہے اگرچہ الف کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد علمت بسا صنعت هذا وبم صنعت۔ مہرودی نے کہا: استفہامیہ کی صورت میں الف کو ثابت رکھنا قلیل ہے اس صورت میں یعلمون پر وقف کیا جائے گا۔

ایک جماعت نے کہا: اِذْ حُلِيَ الْجَنَّةَ کا معنی ہے تیرے لیے جنت ثابت ہو گئی۔ یہ خبر ہے تو جنت میں داخل ہو جا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اس میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶﴾ جس طرح آل عمران میں پہلے گزر چکا ہے۔

قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ سائل کے سوال کی وجہ سے کلام ذکر کی گئی ہے جو سوال اتنی بڑی کامیابی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جو بخشش اور تکریم کی صورت میں متحقق ہوئی اسے مِنْ مُكْرَمِينَ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس تمنیٰ میں دو قول ہیں:

(1) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے حال سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اس کے حسن انجام اور پسندیدہ عاقبت سے آگہی حاصل کریں (2) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے ایمان کی مثل ایمان لائیں اور اس کی حالت جیسی حالت والے ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے اپنی قوم کو زندہ اور مردہ حالت میں نصیحت کی (1)۔ قشیری نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ ”اس نے اپنی زندگی اور موت کے بعد انہیں نصیحت کی“۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: امتوں کے سابقین تین افراد ہیں (2) انہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما یہ ان میں سے افضل ہیں، آل فرعون کا مومن اور صاحب بیس یہ صدیق ہیں؛ زحشری نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں عظیم تشبیہ ہے (3) اور غصہ پی جانے، جہلاء سے حلم کرنے، جو آدمی اپنے آپ کو شیر اور باغیوں کی آبادی میں پھنسالے اس پر شفقت کرنے، اس کو چھنکارا دلانے میں کوشش کرنے، اس کا فدیہ دینے میں مہربانی کرنے، اس کے دشمنوں کو خوش کرنے والے عمل سے اور اسے بد عادی سے اغراض کرنے کے وجوب پر دلالت موجود ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس نے اپنے قاتلوں کے لیے، اس کے لیے ہلاکت چاہنے والوں کے لیے خیر کی تمنا کی جبکہ وہ کافر تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جب حبیب کو قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے غضبناک ہو گیا اور قوم پر جلد عذاب کو مسلط کر دیا، جبریل امین کو حکم دیا اس نے ان پر ایک چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنُودٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۱۰﴾ کا یہی مفہوم ہے، یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد ان پر کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ کیا؛ یہ قادیہ، مجاہد اور حسن کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جند سے مراد لشکر ہیں (4) یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے لشکروں کو بھیجنے کا محتاج نہیں بلکہ میں انہیں ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دوں گا؛ یہ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے معنی بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ان کے امر کو حقیر قرار دینا ہے یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد یا آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کے پہلوؤں پر اسے نازل کرنے والے نہ تھے۔ زحشری نے کہا: اگر تو یہ کہے: یوم بدر اور یوم خندق کو کیوں لشکر نازل کیے گئے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِرْيَاحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا (الاحزاب: 9) اللہ تعالیٰ کا فرمان: الْفِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۱۱﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ هَذَا يَأْتِيكُمْ مِنْكُمْ بِخَسْفٍ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾ (آل عمران)

میں جواب دوں گا: ایک فرشتہ ہی کافی تھا قوم لوط کے شہر حضرت جبریل امین کے ایک پر سے ہلاک کر دیئے گئے (5)، قوم ثمود کے شہر اور قوم صالح کے شہر ایک چیخ سے برباد کر دیئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور اولی العزم رسولوں پر فضیلت دی۔ حبیب نجار کی کیا حیثیت ہے آپ ﷺ کو کرامت اور اعزاز کے اسباب عطا فرمائے جیسے

اسباب کسی اور کو عطا نہ فرمائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے آسمان سے لشکر نازل فرمائے گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا وَمَا أَنْزَلْنَا۔۔۔ کیونکہ لشکروں کو نازل کرنا عظیم امور میں سے ہے جن کا تیرے سوا کوئی اہل نہیں اور ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے کچھ بھی کرنے والے نہیں۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً عام قراءت واحدۃ نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ماكانت عقوبتهم الا صيحة واحدة۔

ابو جعفر بن قعقاع، شیبہ اور اعرج نے صيحة (مرفوع) پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً میں کون کو وقوع اور حدوث کے معنی میں لیا ہے گویا یوں کلام کی: ما وقعت عليهم الا صيحة واحدة۔ ابو حاتم اور دوسرے بہت سے نحو یوں نے تانیث کے سبب اس قراءت کو ناپسند کیا ہے جبکہ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ما قامت الا هند ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے معنی ہے ما قام احد الا هند۔ ابو حاتم نے کہا: اگر بات اس طرح ہو جس طرح ابو جعفر نے قراءت کی ہے تو کلام یوں ہوتی ان کان الا صيحة نحاس نے کہا: ان میں سے کوئی شے بھی ممتنع نہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما جائتني الا جاريتك تو اس معنی میں ہے ما جائتني امرأة او جاريتك۔ رفع کی صورت میں قراءت میں تقدیر کلام یوں ہوگی جو ابو اسحاق نے کہا ہے کہا: اس کا معنی ہے ان كانت عليهم صيحة واحدة۔ دوسرے علماء نے اس کی یوں تقدیر کلام ذکر کی ہے ما وقعت عليهم صيحة واحدة۔ کان کالفظ وقع کے معنی میں کلام عرب میں اکثر واقع ہوتا ہے: عبد الرحمن ابن اسود نے اس کی یوں قراءت کی۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: حضرت عبد اللہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے ان كانت الا ذقية واحدة یہ مصحف کے مخالف ہے نیز یہ بھی ہے کہ معروف لغت زقا يزقو ہے جس کا معنی ہے چیخنا اس معنی میں ضرب المثل ہے: أثقل من الزواق۔ اس صورت میں نقيبة کی جگہ يزقو زقوة کالفظ ہوگا، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوہری نے کہا الزقوا اور الزقي مصدر ہیں قد زقا الصدى يزقو زقاء اس نے چیخ ماری ہر چیخ مارنے والے کو زاق کہتے ہیں اور ذقية کا معنی چیخ ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ذقوة اور ذقية دو لغتیں ہیں قراءت صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَإِذَا هُمْ خُمُودٌ ﴿٥١﴾ تو اچانک وہ مردہ تھے۔ انہیں ٹھنڈی راکھ کے ساتھ تشبیہ دی قتادہ نے کہا: خُمُودٌ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔

يُحْضِرُونَ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٥٢﴾ أَلَمْ يَرَوْا
كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِنْ كُلُّ لَمَّا حَجِيبٌ
لَدَيْنَا مُخْتَصِرُونَ ﴿٥٤﴾

”صدافسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا

انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور وہ آج تک ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔“

يُحْزِرُكَ عَلَى الْعِبَادِ، حسرت منسوب ہے کیونکہ نکرہ کوندا کی جارہی ہے۔ بصریوں کے نزدیک نصب کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں یا حسرة العباد یعنی حسرت کا لفظ مضاف ہے (1)۔ لغت میں حسرت کا معنی یہ ہے کہ انسان کو شرمندگی لاحق ہو جس کی وجہ سے یہ حسیر یعنی افسوس کرنے والا ہو جائے۔ قراءت نے کہا: پسندیدہ قراءت نصب ہے۔ اگر نکرہ کو رفع دیا جائے جو وصلہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو یہ بھی صورت درست ہے اور چند چیزوں سے دلیل قائم کی ہے ان میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عربوں سے سنایا یا مُهْتَمُّ بَأْمْرِنَا لِتَهْتَمُّ اور یہ مصرعہ پڑھا:

يَادَارُ غَيْرَهَا لِبَيْ تَغْيِيرًا

اے گھر! جسے بوسیدگی نے تبدیل کر دیا۔

نحاس نے کہا: اس میں تو نداء کے تمام احکام یا اکثر احکام کا ابطال ہے کیونکہ وہ خالص نکرہ کو رفع دیتا ہے اور اسے جو اپنی طوالت میں مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے اس کو رفع دیتا ہے اور تنوین کے حذف کے ساتھ رفع دیتا ہے جبکہ وہ متوسط ہو اور اسے رفع دیتا ہے جو معنی میں مفعول ہو جبکہ ایسی علت نہ ہو جو اسے واجب کرے۔

عربوں سے جو کچھ اس نے حکایت بیان کی ہے وہ تو اس کے مشابہ نہیں جس کو اس نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یا مُهْتَمُّ بَأْمْرِنَا لِتَهْتَمُّ کی تقدیر تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے معنی ہے یا ایها المُهْتَمُّ لِتَهْتَمُّ بَأْمْرِنَا اس مصرعہ کی تقدیر کلام یوں ہے یا ایھا الدار پھر خطاب کو تبدیل کیا اور کہا: اے لوگو! اس گھر کو بوسیدگی نے بدل دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرْتِمْ بِهِمْ (یونس: 22) حسرت کا لفظ ندا کی وجہ سے منسوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: یار جلا! اقبل۔ ندا کا مطلب یہ ہوگا یہ حسرت کے حاضر ہونے کی جگہ ہے۔ طبری نے کہا: معنی ہے بندوں کی اپنی ذاتوں پر حسرت اور شرمندگی ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہائے بندوں پر ہلاکت۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ لوگ اس جگہ واقع ہوتے ہیں جن پر حسرت کی جاتی ہے۔

ربیع نے انس سے وہ ابو العالیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: یہاں عباد سے مراد رسول ہیں اس کی وجہ سے کفار نے جب عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: يُحْزِرُكَ عَلَى الْعِبَادِ تو انہوں نے قتل کرنے، ایمان کو ترک کرنے پر حسرت کا اظہار کیا انہوں نے اس وقت ایمان کی تمنا کی جب ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے سکتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: جب کفار نے رسولوں کو جھٹلایا تو فرشتوں نے کفار پر حسرت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ يُحْزِرُكَ عَلَى الْعِبَادِ اس آدمی کا قول تھا جو شہر کے دور دراز حصہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا جب قوم کے لوگ اسے قتل کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ ان تین افراد نے یہ بات کہی تھی جب قوم نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھیجے گئے افراد ان سے جدا ہو گئے تھے یا انہوں نے تین بھیجے گئے افراد کے ساتھ اس آدمی کو بھی قتل کر دیا جس طرح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے: ہائے ان بھیجے گئے افراد پر افسوس! اس آدمی پر افسوس کاش! ہم ان پر اس وقت ایمان لاتے جس وقت ایمان انہیں نفع دیتا۔ اس کے بارے میں گفتگو مکمل ہو چکی ہے پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کی فرمایا: مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ثَمَرٍ مُّسْوًى۔

ابن یزید، مسلم بن جنید اور عکرمہ نے یا حسرة علی العباد پڑھا ہاں کو ساکن پڑھا ہے مقصود بیان پر حرص دلانا اور نفس میں معنی کو پختہ کرنا ہے کیونکہ موقع وعظ ونصیحت کا تھا عرب اس موقع پر اس قسم کا عمل کرتے ہیں اگرچہ وقف کا موقع نہ بھی ہو اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ ایک ایک حرف (1) قراءت کرتے مقصود بیان اور سمجھانے پر حرص دلانا تھا گو یا حسرة پر وقف کو مقدر کیا اور ہاں کو کسرہ دیا پھر کہا: علی العباد یعنی میں بندوں پر حسرت کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس، ضحاک اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے یا حسرة العباد میں حسرة کا لفظ مضاف ہے اور علی کا لفظ مخذوف ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو العباد اس کا فاعل ہوگا گویا جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے حسرت کا اظہار کیا تو یہ کلام تیرے اس قول کی طرح ہوگی: یا قیام زید۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول کی طرف مضاف ہونے سے تعلق رکھتی ہو اس صورت میں عباد کا لفظ مفعول ہوگا گویا بندوں پر وہ حسرت کا اظہار کرتا ہے جو ان پر شفقت کرتا ہے، جس نے یا حسرة علی العباد کی قراءت کی ہے وہ اس معنی کو قوت بخشتی ہے۔ سیبویہ نے کہا اَتَيْتُهُم بِالْيَوْمِ لَا يَرْجِعُونَ ① میں ان، کم اہلکنا سے بدل ہے یہاں کم خبر یہ ہے اس وجہ سے اس سے اس چیز کو بدل بنانا جائز ہے جو استفہام نہ ہو معنی اس کا یہ بن جائے گا: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹنے والے نہیں۔

قراءت نے کہا: کم دو وجہ سے محل نصب میں ہے: (1) یزدا کی وجہ سے، اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے پیش کی ہے وہ قراءت اس طرح ہے الم یزدا من اہلکنا (2) اَھلکنا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔

نحاس نے کہا: پہلا قول محال ہے کیونکہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا کیونکہ یہ استفہامیہ ہے اور یہ بات محال ہے کہ استفہام ماقبل کی خبر پر داخل ہو جب یہ خبر یہ ہو تو اس وقت بھی اس کی صورت حال یہی ہوگی اگرچہ سیبویہ نے ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہم کو کم سے بدل بنایا ہے۔ محمد بن زید نے اس کا شدید ترین رو کیا ہے اور کہا کم اہلکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور انہم محل نصب میں ہے اس کے نزدیک معنی یہ ہوگا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں من اہلکنا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے اِنھم الیہم لایرجعون پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے (2)، یہ آیت اس آدمی کا رد ہے جو

یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو موت کے بعد قیامت سے پہلے لوٹیں گیں۔

وَإِنْ كُنَّ لَتَا جِيئِم لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٠﴾ سے مراد یوم قیامت ہے، جزا کے لیے انہیں حاضر کیا جائے گا۔ ابن عامر، عاصم، اور حمزہ نے لَتَا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لَتَا پڑھا ہے۔ ان مشغلہ سے مخففہ ہے اس کا مابعد مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اس کا مابعد خبر ہے جب اس کا لفظ بدل گیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا لازم ہے تاکہ ان تاکید یہ اور ان تانیہ کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ ابو عبیدہ کے نزدیک ما زائدہ ہے اس کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہوگی وان کل لجیئم۔ فراء نے کہا: جس نے اسے مشدود پڑھا ہے اس نے لَتَا کو اتا کے معنی میں بنایا ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون: 25) وہ نہیں مگر ایسا آدمی جس کو جنون ہے۔ سیبویہ نے سَأَلْتُكَ يَا بَلَاءُ فَعَلْتَ فِي حِكَايَةِ بِيَانِ كِي هِيَ۔ كَسَائِي نِي كَمَا: يِه مَعْرُوفِ نِيَسِي۔ يِهِي بَحْثِ سُوْرَةِ هُوْدٍ مِيَسْ كَذَرِ چَكِي هِيَ۔ حضرت ابی کی قراءت میں وان منهم الا جیئم لدینا محضرون ہے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَبِتُّهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٢﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٣﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾

”اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ ابھی نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہیں مردوں کے زندہ کرنے پر متنب کیا اور ان کے سامنے اپنی توحید اور کمال قدس کا ذکر کیا یہ مردہ زمین ہے جسے نباتات اور نباتات سے دانہ نکالنے کے ساتھ اسے زندہ کیا اس دانہ سے تم غذا حاصل کرتے ہو اہل مدینہ نے المیتة کے لفظ کو مشدود پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور ہم نے اس زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگوروں کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ قسم کے پھل ہیں ان باغات میں ہم نے چشمے جاری کر دیئے ثمرہ میں جو ضمیر ہے وہ عیون کے پانی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ پھل اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جرجانی، مہدوی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کا ہم نے ذکر کیا وہ اس کے پھل کھائیں جس طرح ارشاد فرمایا: وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِمْ (النحل: 66) حمزہ اور کسائی نے اسے من ثمرہ پڑھا ہے

جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اعرش نے یہ لفظ ثناء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بارے میں گفتگو الانعام میں گذر چکی ہے۔

وَمَا عَمِلْتُمْ أَيُّدِيهِمْ فِي مَا كَالْفِظْ مَحَلِّ جَرِّ مِثْلِهِ كَمَا عَمِلْتُمْ أَيُّدِيهِمْ كَوْنِ
 نے اسے ہاء کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے اپنے اصل پر حذف کے بغیر پڑھا ہے۔ کلام میں ضمیر عائد کا حذف اکثر ہوتا ہے کیونکہ اسم طویل ہوتا ہے (کیونکہ اسم موصول صلہ کے ساتھ ملکر ایک اسم کے حکم میں ہوتا ہے) یہ بھی جائز ہے کہ ملٹا فیہ ہو اس کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو اسے صلہ اور ضمیر عائد کی کوئی ضرورت نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اگائی ہے وہ ان کے ہاتھوں کے پیدا کردہ نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا معنی ہے ان پھلوں میں سے جو ان کے ہاتھوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں اور میٹھی اور کھانے کی مختلف اقسام میں سے اور وہ چیزیں جو کسی خاص طریقہ سے دانوں سے بناتے ہو جس طرح روٹی اور تیل جو تلوں اور زیتون سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس طرف راجع ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ کا مفعول نعمة ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَلْهَىٰ قَلْبَهُ لِيَفْجُرَ الْإِنسَانَ مِمَّا حَفِظْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ۗ وَالَّذِي أَحْنَأَ عِزْلَهُ رَجْدًا ۖ فَرَادَىٰ لَهُ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ ۗ
 قدرت کے آثار کو دیکھنے کے بعد غیر اللہ کی عبادت کی۔ اس کلام میں فعل امر کی تقدیر ہے مراد یہ ہے سَجُودًا وَنِزْهُوَةً عَالًا يَلْبِيقُ بِهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی میں تعجب کا معنی ہے یعنی ان کافروں کے کفر پر تعجب ہے جو ان آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو کسی چیز پر تعجب کا اظہار کرتا ہے تو وہ سبحان اللہ کہتا ہے۔ ازواج کا معنی انواع و اقسام ہیں ہر زوج صنف ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ رنگ، ذائقہ، شکل، چھوٹے بڑے ہونے میں مختلف ہوتے ہیں ان کا اختلاف ہی ان کا ازدواج ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد مذکر اور مؤنث ہے۔

وَمَا تُحْمِلُهُ الْأُمُاطُ مِنْ مَنَاقِبِهِمْ أَفَرَأَيْتُمْ لِيَوْمِئَذٍ مَنَاقِبَهُمْ
 جوڑے جوڑے ہیں ان میں سے مذکر اور مؤنث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے خشکی، سمندر، آسمان اور زمین میں ایسی مخلوقات میں سے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے اسے کوئی انسان نہ جانتا ہو اور فرشتے اسے جانتے ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مخلوق کو کوئی دوسری مخلوق نہ جانتی ہو۔ اس آیت میں استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب وہ پیدا کرنے میں مفرد ہے تو مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمُ مُظْلِمُونَ ﴿٦١﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٦٢﴾

”اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یوں وہ یکھنت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف، یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز

(اور) طیم ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی قدرت اور اس کی اہمیت کے ثبوت پر علامت ہے سدح کا معنی اتارنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سلخه من دینہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دین سے الگ کر دیا پھر یہ نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے روشنی جانے اور تاریکی کے آنے کو، کسی شے سے چمڑے کو اتارنے اور جسم کے ظاہر ہونے کی طرح ہے پس یہ اشارہ ہے قُظْلِمُونَ ﴿۱۰﴾ وہ تاریکی میں داخل ہونے والے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اظلمنا ہم رات کی تاریکی میں داخل ہوتے ہیں اظھونا ہم ظہر کے وقت میں ہوتے ہیں اسی طرح أصبحنا، اضحینا اور أمیننا ہے، یعنی ہم صبح کے وقت، چاشت کے وقت اور شام کے وقت میں داخل ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا منہ، عنہ کے معنی میں ہے اس کا معنی ہے ہم نے اس سے دن کی روشنی کو الگ کر دیا تو اچانک وہ تاریکی میں تھے کیونکہ دن کا نور ہوا میں داخل ہوتا ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے جب وہ ہوا سے نکل جاتا ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے (۱)۔
وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِيُسْتَقَرَّ لَهَا يَوْمَ تَقْدِرُ كَلَامِ يَوْمٍ هُوَ آيَةٌ لِّهَم الشَّمْسُ۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس اس فعل کی وجہ سے مرفوع ہو جس کی تفسیر ما بعد فعل کرتا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ تَجْرِي خبر ہے جو جاریہ کے معنی میں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِيُسْتَقَرَّ لَهَا کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا: ”اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے (۲)“ اس بارے میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”یہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے اپنے سفر کی انتہا کرتا ہے پھر وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے وہ اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: تو اٹھ اور جہاں سے تو آیا ہے اس کی طرف واپس لوٹ جا تو وہ صبح کے وقت اپنے مطلع سے طلوع کرتا ہے، پھر وہ چلتا رہتا ہے لوگ اس سے کوئی عجیب چیز نہیں دیکھتے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے اس ٹھکانے تک جا پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اٹھ تو مغرب سے کل صبح طلوع کر تو وہ مغرب سے طلوع کرے گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا اس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر کا عمل نہ کیا تھا۔“

بخاری شریف کے الفاظ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہیں (۳) کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے اس وقت کہا جب سورج غروب ہوا: ”کیا تو جانتا ہے سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ”یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے وہ اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے ممکن ہے وہ سجدہ کرے تو اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اسے کہا جائے: جہاں

سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا تو وہ مغرب کی جانب سے طلوع کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَ الشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا** ذَلِك تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔

ترمذی شریف کے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہیں (1): جب سورج غروب ہو گیا تو میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے ابو ذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ”یہ جاتا ہے سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں سے طلوع ہو تو وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت کی۔“ ذالک مستقرہا کہا: یہ حضرت عبد اللہ کی قراءت ہے۔ امام ترمذی حضرت ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عکرمہ نے کہا: سورج جب غروب ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے ایک محراب میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صبح کرتا ہے جب وہ صبح کرتا ہے تو باہر آنے سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے: کس لیے؟ سورج عرض کرتا ہے: جب میں نکلوں گا تو تیرے سوا میری عبادت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: نکل اس وجہ سے تجھ پر کوئی قدغن نہیں میں ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی طرف جہنم بھیجوں گا وہ اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ فرشتے ان سب کو جہنم میں داخل کریں گے۔ کلبی اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا معنی وہ غروب میں بعید ترین منزل کی طرف چلے گا پھر وہ قریب ترین منزل کی طرف لوٹے گا اس کا ٹھکانہ اس کا اس جگہ تک پہنچنا ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاتا بلکہ اس جگہ سے لوٹ آتا ہے جس طرح ایک انسان ہے وہ مسافت طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری منزل تک پہنچتا ہے اور اپنا کام مکمل کرتا ہے پھر اس پہلی منزل کی طرف لوٹ آتا ہے جہاں سے اس نے اس سفر کا آغاز کیا تھا سورج کا اپنی آخری منزل تک پہنچنا جبکہ وہ اس کا مستقر ہے جب وہ ہنوعہ (جیسے تیس 23 جون) کو طلوع ہوتا ہے یہ سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور اس کی رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی ہوتی ہے پھر دن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سورج لوٹ آتا ہے جب شریا طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں تو رات اور دن میں سے ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں پھر وہ قریب منزل تک پہنچ جاتا ہے اور نعامہ (تیس 23 دسمبر) کو طلوع ہوتا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے اور رات پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے یہاں تک کہ فرغ دلو موخر (تیس 23 مارچ) کو طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں ہر رات دن سے ہر روز گھنٹے کا تیسواں حصہ لیتی ہے ہر دن گھنٹے کا ایک تہائی لیتے ہیں اور ہر ماہ ایک گھنٹہ لیتا ہے یہاں تک کہ رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور رات حصہ لیتی رہتی ہے یہاں تک کہ پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن بھی رات سے اسی طرح حصہ لیتا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج کے سال میں تین سو ساٹھ مطلع ہوتے ہیں ہر روز ایک مطلع میں نزول کرتا ہے پھر ایک سال تک اس میں نزول نہیں کرتا وہ انہیں منازل میں گردش کرتا رہتا ہے (2) یہی

1- جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ یسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3151، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345

اس کا مستقر ہے یہ معنی میں اس جیسا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس جگہ تک جا پہنچتا ہے جس سے آگے تجاوز نہیں کرتا تو وہ طلوع ہونے تک اس کے نیچے قرار پر رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے وہ تمام اقوال کو جامع ہے اس میں غور کرو۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یوں قراءت کی والشمس تجری لمستقر لہا کہ وہ رات اور دن میں جاری رہتا ہے اس میں نہ ٹھہراؤ ہے نہ ہی قرار ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے گرا دے گا۔ جس نے مصحف کی مخالفت کی اس نے کہا: میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت کو پڑھتا ہوں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے یہ قول نقل کیا ہے وہ باطل ہے اس پر اسے لوٹا دیا جائے گا، کیونکہ ابو عمر نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن کثیر نے مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا یہ دونوں سندیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہیں جن کی صحت پر اجماع گواہی دیتا ہے اور جو ضعیف سند کے ساتھ جماعت اور امت کے متفق علیہ مذہب کی مخالفت کرتا ہے یہ دونوں سندیں اس کو باطل کر دیتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ ثابت شدہ احادیث جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے قول کو رد کر دیتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ اللہ پر کتنا جری ہے۔

قول لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا میں لام، الی کے معنی میں ہے۔ مستقر سے مراد قرار کی جگہ ہے یعنی رات، دن اور سورج کا جو مقام ذکر کیا گیا ہے یہ عزیز و عظیم و تقدیر ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّمَ رُؤْيَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝۱۱

”اور ذرا چاند کو دیکھ ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالْقَمَرَ اس کی تقدیر کلام یوں ہے وآیة لهم القمر۔ یہ بھی جائز ہے کہ القمر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو کو فیوں نے اسے والقمر منصوب پڑھا ہے کیونکہ فعل مضمر ہے: یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ مسلک ہے، اس نے کہا: اس سے قبل نسدخ فعل ہے اور اس کے بعد قدرناہ فعل ہے۔ نحاس نے کہا ہے: میرا جہاں تک علم ہے تمام عربی اس قول کی مخالفت کرتے ہیں جو ابو عبیدہ نے کیا۔ ان میں سے ایک فراء ہے اس نے کہا: رفع مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے ان کے نزدیک رفع زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل پر عطف ہے اس سے مراد آیة لهم القمر ہے اس کا قول اس سے پہلے نسدخ فعل ہے اس سے قبل جو فعل زیادہ قریبی ہے وہ تجری ہے اور اس سے قبل والشمس رفع کے ساتھ ہے اس نے اس کے بعد جس فعل کا ذکر کیا ہے وہ قدرناہ ہے وہ ہاء میں عامل ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس میں رفع بہتر ہے کیونکہ تو نے ضمیر کی وجہ سے فعل کو اس سے غافل کر دیا ہے تو تو اسے رفع دے گا۔ یہ قول کیا جاتا ہے: چاند کی منازل نہیں ہوتیں تو پھر کیسے ارشاد فرمایا: قَدَّمَ رُؤْيَاهُ

مَنَازِلِ اس بارے میں دو جواب ہیں: (1) اس سے مراد ہے ہم نے اسے منازل والا بنا دیا ہے جس طرح وَ سَلِّ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) سے مراد اہل قریۃ ہے (2) اصل کلام یوں تھا قدر نالہ منازل پھر لام کو حذف کر دیا گیا اس کا حذف بہت اچھا ہے تاکہ فعل دو مفعولوں کی طرف واسطہ کے بغیر متعدی ہو جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَ اِخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ مَرَجًا (الاعراف: 155) منازل اٹھائیں ہیں۔ چاند ہر روز ایک منزل میں اترتا ہے وہ شيطان، بطین، ثریا، دبران، ہقبعہ، بنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبرہ، خراتان، صرف، عواء، سماک، غفر، زبانیان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد الذانح، سعد بلع، سعد السعو، سعد الاخبیہ، الفرغ المقدم، الفرغ الموتر اور بطن الخوت (1)۔

جب چاند اس آخری منزل میں پہنچتا ہے تو پھر پہلے کی طرف لوٹ آتا ہے وہ فلک کو اٹھائیں راتوں میں طے کرتا ہے پھر چھپ جاتا ہے پھر ہلال کی صورت میں طلوع کرتا ہے اور فلک طے کرنے میں منازل کی طرف لوٹ آتا ہے یہ بروج پر منقسم ہے ہر برج دو منزلیں اور ایک تہائی ہے حمل کے لیے شيطان، بطین اور ثریا ایک تہائی ہے، ثور کے لیے ثریا کے دو ثلث اور دبران اور ہقبعہ کے دو تہائی ہیں ہر باقی کے لیے بھی یہی صورت حال ہے۔ سورہ حجر میں بروج کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ الحمد للہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا ہے پھر طلوع کے وقت انہیں نور کا لباس عطا کیا جہاں تک سورج کے نور کا تعلق ہے تو وہ عرش کے نور سے ہے جہاں تک چاند کے نور کا تعلق ہے تو وہ کرسی کا نور ہے وہ ان کی پیدائش کی اصل اور یہ ان کا لباس ہے جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو اس کے لباس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ شعاع والا اور روشن ہوتا رہے جہاں تک چاند کا تعلق ہے روح الامین نے اپنے پروں کو اس کے چہرہ پر پھیرا تو اس کی روشنی کو پروں کے غلبہ سے مٹا دیا کیونکہ وہ روح ہیں اور روح اس کی سلطان ہے جو تمام اشیاء پر غالب ہے اس کا محو باقی رہا جیسا اسے مخلوق دیکھتی ہے پھر اسے پانی کے غلاف میں رکھ دیا پھر اس کے لیے گذرگاہ بنائی ہر رات مخلوق کے لیے اس غلاف سے اس قدر چاند ظاہر ہوتا ہے جس قدر وہ ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا ظہور ان کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور مخلوق اس چاند کو مکمل اور پورا گول دیکھتی ہے پھر ہر رات اس میں سے کچھ حصہ اس غلاف کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسی مقدار سے دکھائی دینے میں کم ہوتا جاتا ہے جس قدر ظاہر ہونے میں ظاہر ہوا تھا اور اسی جانب سے نقصان میں کمی شروع ہو جاتی ہے جس جانب سورج اسے نہیں دیکھتا وہ اس کی غروب کی جانب ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتی ہے وہ تو سوار ٹہنی ہے اس کی وجہ اس کا خشک ہونا اور باریک ہونا ہے۔ اسے قمر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی سفیدی کی وجہ سے فضا کو سفید کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ چھپ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ زجاج نے کہا: یہ کھجور کی ایسی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں (2) یہ انعراج سے فعلوں کا وزن ہے انعراج کا معنی مڑ جانا ہے یعنی وہ اپنی منازل میں چلتا ہے جب وہ آخری منزل میں پہنچتا ہے تو وہ باریک ہو جاتا ہے،

قوس دار ہو جاتا ہے اور تنگ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نون زائدہ ہے۔ قنادہ نے کہا: عرجون سے مراد کھجور کی خشک مڑی ہوئی شاخ ہے۔ ثعلب نے کہا العرجون سے مراد کھجور کا گھچا جب کاٹا جائے تو جو باقی رہ جائے وہ عرجون ہے القدیم سے مراد بوسیدہ ہے۔ خلیل نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے یہ زرد رنگ کی چوڑی ہوتی ہے جب چاند ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اسے اس شاخ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ جوہری نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے جس کی چھوٹی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں تو وہ کھجور کے درخت پر ہی باقی رہتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَرَجْنَه اسے شاخ کے ساتھ مارا ان لوگوں کے قول کے مطابق نون اصل یہ ہے اسی معنی میں اعشی بن قیس کا شعر ہے:

شرق السُّنُّ والعَبِيرُ بَهَا فَهِيَ صَفْرَاءُ كَعَرَجُونَ الْقَمَرِ

کستوری اور عبیر اس پر چمک اٹھی وہ زرد ہے جس طرح چاند جب شاخ کی طرح ٹیڑھا ہوتا ہے کھجور کی شاخ جب خشک اور قوس دار ہو جاتی ہے تو چاند کی باریکی اور زردی میں اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے ابان، کباسہ اور قنوبھی کہتے ہیں، اہل مصر اسے اسباطہ کہتے ہیں۔ اسے عرجون بھی پڑھتے ہیں (1) یہ فرحون کا وزن ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح بزیون اور یزیون۔ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے اور کہا: عرجون کھجور کی شاخ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کے پتوں کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنا چار موسموں پر منقسم ہے ہر موسم کی سات منازل ہیں پہلا موسم بہار ہے اس کا آغاز آذار (مارچ) کی پندرہ تاریخ سے ہوتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج حمل، ثور، اور جوزاء اور سات منازل سرطان، بطنین، ثریا، دبران، ہقعه، ہنعه اور ذراع کو عبور کرتا ہے پھر موسم گرما حزیران (جون) کی پندرہ تاریخ کو داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج سرطان، اسد اور سنبلہ اور سات منازل کو طے کرتا ہے وہ سات منازل نثرہ، طرف، جبہ، خراتان، صدفہ، عواء اور ساک ہیں، پھر ایلول (ستمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم خزاں داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد اکانوے (91) ہے اس موسم میں سورج تین برج جون یعنی میزان، عقرب اور قوس اور سات منازل یعنی غفر، زبان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم اور بلدہ کو طے کرتا ہے کانون اول (دسمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم سرما داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد نوے ہے بعض اوقات اس کے دنوں کی تعداد اکانوے ہوتی ہے اس موسم میں سورج تین برج جون یعنی جدی، دلو اور حوت کو طے کرتا ہے اور سات منازل کو طے کرتا ہے سعد الذابح، سعد بلع، سعد سعور، سعد اضبیه، فرغ مقدم، فرغ موخر اور بطن حوت۔ یہ سریانیوں کی مہینوں کی تقسیم ہے تشرین الاول (اکتوبر) تشرین الثانی (نومبر) کانون الاول (دسمبر) کانون الثانی (جنوری) اشباط (فروری) آزاد (مارچ) نیسان (اپریل) ایار (مئی) حزیران (جون) تموز (جولائی) آب (اگست) ایلول (ستمبر) سب اکتیس دن کے ہوتے ہیں مگر تشرین ثانی (نومبر) نیسان (اپریل) حزیران (جون) اور ایلول (ستمبر) یہ تیس دن کے ہوتے ہیں اشباط (فروری)

اٹھائیس مکمل اور 1/4 دن کا ہوتا ہے اس سے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقَمَرَ قَدْرُهُ مَنَازِلَ کا یہی مفہوم ہے جب سورج ایک منزل میں ہوتا ہے تو ہلال اس کے بعد والی منزل میں پڑاؤ کرتا ہے اور فجر دو منزلیں اس سے پہلے ہوتی ہیں جب سورج اپریل کی پچیس تاریخ کو ثریا میں ہوتا ہے تو فجر شریطن میں ہوتی ہے اور چاند بران میں پڑاؤ کرتا ہے پھر ہر رات میں اس کی ایک منزل ہوتی ہے یہاں تک کہ اٹھائیس راتوں میں وہ اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے سورج نے دو منزلیں طے کی ہوتی ہیں تو چاند ان دونوں کو طے کرتا ہے پھر وہ سورج کی منزل کی بعد والی میں طلوع کرتا ہے یہی عزیز و علیم کی تقدیر ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ زمخشری نے قدیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ شاخ پرانی ہو جاتی ہے تو وہ بار یک شہری اور زرد ہو جاتی ہے چاند کو اس کے ساتھ تین وجوہ سے تشبیہ دی جاتی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کی صفت قدیم کے لفظ کے ساتھ بیان کی گئی ہو اس کا کم سے کم عرصہ سال ہوتا ہے اگر کوئی آدمی کہے: کل مملوک لی قدیم فہو حسیا اس نے اپنی وصیت میں یہ قول کیا ہو تو جو غلام ایک سال یا اس سے زیادہ اس کی ملک میں رہا ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: چاند پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے الحمد للہ۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۰﴾

”نہ سورج کی یہ مجال کہ پیچھے سے چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔“

لفظ الشَّمْسُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور لامعرفہ میں عمل نہیں کرتا۔ علماء نے اس آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے بعض نے کہا: اس کا معنی سورج چاند کو نہیں پاسکتا کہ اس کی حقیقت اور افادیت کو باطل کر دے ہر ایک کی اپنے دائرہ کار میں حاکمیت ہے ان میں سے کوئی ایک بھی دائرے پر اس طرح داخل نہیں ہو سکتا کہ اس کی حکومت کو ختم کر دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو تدبیر فرمائی ہے اس کو باطل کر دے تو سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو جائے جس طرح اس کی وضاحت سورہ الانعام میں گذر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چاند کی روشنی نہیں ہوتی اور جب چاند طلوع ہوتا ہے تو سورج کی روشنی نہیں ہوتی (2)؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: ایک روشنی دوسرے کی روشنی جیسی نہیں ہوتی (3)۔ قتادہ نے کہا: ہر ایک کی حد اور نشانی ہے نہ وہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے ہی رک جاتا ہے جب ایک کی حکومت آتی ہے تو دوسرے کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ دونوں آسمان میں جمع نہیں ہوتے خصوصاً چاند کی رات جمع نہیں ہوتے یعنی سورج باقی نہیں

رہتا یہاں تک کہ چاند طلوع ہوتا ہے لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو چاند طلوع ہو جاتا ہے (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے چودہویں رات کی چاند خاص کر سورج چاند کو نہیں پاتا کیونکہ چاند سورج کے طلوع ہونے سے قبل غروب ہونے میں جلدی کرتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ آسمان میں جمع ہوتے ہیں وہ منازل میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں دونوں ان میں شریک نہیں ہوتے (3)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے سورج اس کو نہیں پاسکتا؛ یہ نحاس اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے معنی میں جو سب سے اچھا اور واضح قول کیا گیا ہے جس کا رد نہیں کیا جاسکتا کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج چال میں چاند کو نہیں پاسکتا؛ یہ مہدوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** (القیامہ) یہ اس وقت ہوگا جب سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا جائے گا جس کی وضاحت سورہ الانعام کے آخر میں گذر چکی ہے اور سورہ القیامہ میں بھی آئیگی ان دونوں کا جمع ہونا یہ دنیا کہ ختم ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چکر لگا رہے ہیں یہاں تسبیح کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اپنے فعل کے ساتھ صفت بیان کی جس کے ساتھ ذوالعقول کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج، چاند اور ستارے آسمان وزمین کے درمیان فلک میں ہیں اس کے ساتھ چمٹے ہوئے نہیں اگر یہ چمٹے ہوئے ہوتے تو نہ چلتے (4)؛ یہ ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: **وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ** کہ دن کو رات سے قبل بنایا گیا رات خلق میں اس سے سبقت نہیں لے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے ان میں سے کوئی اپنے ساتھی پر سبقت نہیں لے جاتا یہاں تک کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا جس طرح فرمایا: **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** (القیامہ) اس وقت یہ آگے پیچھے اس لیے آرہے ہیں تا کہ بندوں کے مصالح مکمل ہوں اور تا کہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، رات آرام کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمِنْ تَرَحُّمَاتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ** (القصص: 73) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** (النبا) یعنی نیند کو دن کے کام کاج سے تمہارے بدنوں کو آرام پہنچانے کے لیے بنایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ** رات دن پر غالب آنے والی نہیں یہ ہمہ بولا جاتا ہے: سبق فلاں فلاں۔ فلاں فلاں پر غالب آ گیا۔ مبرد نے ذکر کیا ہے میں نے عمارہ کو ولا اللیل سابق النہار پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے سابق النہار کا ارادہ بیان کیا ہے میں نے توین کو حذف کر لیا ہے کیونکہ یہ خفیف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے النہار توین کے بغیر منصوب ہو اور توین اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو۔

وَ آيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الْمَسْحُونِ ﴿٤٠﴾ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا

يَرْكَبُونَ ۝ وَإِنْ نَسَأْتُمْهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَدُونَ ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝

”اور ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں۔“

آیۃ تہم میں تین معانی کا احتمال ہے: (1) یہ ان کے لیے عبرت ہے کیونکہ آیات میں عبرتیں ہیں (2) ان پر نعمت ہے کیونکہ آیات میں انعام ہے (3) انہیں خبردار کرنا ہے کیونکہ آیات میں خبردار کرنے کا پہلو موجود ہوتا ہے (1)۔

أَنَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۝ سورت میں مشکل ترین آیت ہے کیونکہ انہیں ہی کشتی میں سوار کیا گیا تھا، ایک قول یہ کیا گیا: اہل مکہ کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے سابقہ قوموں کی اولادوں کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ دونوں ضمیریں مختلف ہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا ہے اور اس کی حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دونوں ضمیریں اہل مکہ کے لیے ہیں کہ ذُرِّيَّتَهُمْ سے مراد ان کی اولادیں اور ان کے ضعیف لوگ ہیں پہلے قول کے مطابق الفلک سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور دوسری تاویل کی بنا پر یہ اسم جنس ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان کا ذکر کیا کہ اس نے کشتیوں کو پیدا کیا ان میں انہیں سوار کر دیا جس کے لیے چلنا اور سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے جیسے اولادیں اور کمزور لوگ۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں ضمیریں متفق ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ذریۃ سے مراد آباء و اجداد ہیں (2) اللہ تعالیٰ نے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا آباء ذریت ہیں، اور ابناء بھی ذریت ہیں اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے یہ ابو عثمان کا قول ہے۔ آباء کو ذریت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انہیں میں سے بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے: ذریۃ سے مراد نطفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے بیٹوں میں اٹھایا اور ان بیٹوں کو فلک مشحون سے تشبیہ دی؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سورۃ البقرہ میں لفظ ذریۃ کا اشتقاق اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ مشحون کا معنی بھری ہوئی ہے۔ فلک کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ یونس میں اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

صَايِرُ كَبُؤْنَ ۝ اصل میں صایر کبونہ ہے اسم موصول کی طوالت کی وجہ سے صلہ کی ضمیر حذف ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت کا سرا ہے اس کے معنی میں تین قول ہیں: (1) مجاہد، قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من مشلہ سے مراد اونٹ ہے، اونٹ خشکی میں سواری کے لیے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح سمندر میں سواری کے لیے کشتی پیدا کی گئی ہے۔ عرب اونٹوں کو کشتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں، طرفہ نے کہا:

كَانَ حُدُوجَ السَّالِكِيَةِ غُدُوَّةً خَلَايَا سَفِينٍ بِالنَّوَاصِفِ مِنْ دَدٍ (1)

گویا صبح کے وقت مالکیہ کے حودج بڑی کشتیاں ہیں جو دد کے کھلے میدان میں ہیں۔
خلایا، خلیۃ کی جمع ہے جس کا معنی بڑی کشتی ہے۔

(2) اس سے مراد اونٹ، چوپائے اور سواری کا ہر جانور ہے۔

(3) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ قول صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۱۰﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشتیاں بنا لیں جو اونٹوں کی مثل ہیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد چھوٹی کشتیاں ہیں (2) جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی کشتیوں کی طرح بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے۔ سخاک اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد بنایا گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تاویل کے نتیجے میں یہ پانچواں قول سمجھ آتا ہے کہ فَلَكَ مَشْحُونٌ ذَرِيَّةٌ سے مراد وہ نطفے ہیں جو عورتوں کے بطن میں ہیں کہ اس کا معنی یہ ہو کہ عورتیں اس لیے پیدا کی گئیں ہیں تاکہ خاوندان پر سوار ہوں (3)، لیکن مین نے کسی کو یہ بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ ۖ يَعْنِي هُمْ أُنْهَسُوا فِي غَرَقٍ كَرْدِيَّةٍ ۖ ضَمِيرُ اسْحَابِ ذَرِيَّةٍ كِي طَرَفِ لُوْنِي كِي يَاسِبِ كِي طَرَفِ لُوْنِي
گی یہ تاویل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جس نے یہ کہا: مَنْ مِثْلِهِ سے مراد کشتیاں ہیں اونٹ نہیں تو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا (4)؛ یہ سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ شیبان نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ صرّخ، مصرخ کے معنی میں ہے یعنی فَعِيل، مَفْعَل کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے فَلَا صَوْنِيْخَ لَهُمْ کیونکہ اس کے بعد ایسی چیز ہے جس میں رفع کے بغیر کوئی چیز جائز نہیں، نحوی یہ پسند کرتے ہیں لا رجل في الدار ولا زيد۔

لَا هُمْ يُنْقَدُونَ ﴿۱۰﴾ کا معنی ہے انہیں غرق ہونے سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا مگر ہماری رحمت ہی انہیں عذاب سے بچائے گی۔ کسائی نے کہا: إِلَّا رَحْمَةً يَهْتَكِي كِي حَيْثِيَّةً سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: مَفْعُول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی رحمت کے لیے مَتَاعًا اس کا معطوف ہے۔ جین سے مراد موت ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: قیامت تک مراد ہے معنی ہوگا مگر یہ کہ ہم ان پر رحمت کریں اور ان کی آجال تک انہیں لطف اندوز ہونے دیں (5)۔ اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں کا عذاب جلدی لے آیا اور حضرت محمد ﷺ کی امت کے عذاب کو موت اور قیامت تک موخر کر دیا اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلائیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ نَطْعَمُ مِنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَأَطَعْتُمْ ۗ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٢﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٣﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ﴿٣٤﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣٥﴾

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو عذاب سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے، تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو: کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو اور کافر کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو اس کا مقررہ وقت بتا دو۔ یہ ناہنجار نہیں انتظار کر رہے مگر ایک گرج کا جو چانک انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے، پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے۔“

قنادہ نے کہا: مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد تم سے قبل کی امتوں کے واقعات ہیں (1) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد آخرت ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد سابقہ گناہ ہیں (2) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد آنے والے گناہ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد جو تمہاری عمر گزر چکی ہے (3) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد جو باقی ماندہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد دنیا ہے اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد عذاب آخرت ہے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس قول نقل کیا ہے کہ مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد امر آخرت اور اس کے لیے اعمال ہیں اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد دنیاوی امور ہیں ان سے بچو اور اس کے ساتھ دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ أَيُّدِكُمْ سے مراد جو تمہارے لیے ظاہر ہے اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد جو تمہارے لیے مخفی ہے (4)۔ جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: إِذَا قِيلَ لَهُمْ ذَلِكَ أَعْرَضُوا اس کی دلیل مابعد قول ہے: وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٣١﴾ جواب کی بجائے اس دلیل پر اکتفا کیا۔

انْفِقُوا سے مراد فقراء پر صدقہ کرو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہودیوں کو جب فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمیر کا مصداق مشرکین ہیں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ نے یہ کہا (5): تم اپنے اموال میں سے جن کے

1۔ ادکام القرآن للطبری، ج 23، صفحہ 17

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 348

5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 19

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21

بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ہمیں دو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْأَنْعَامِ نَصِيبًا** (الانعام: 136) وہ اسی پر دلالت کرتا ہے، تو انہوں نے فقراء کو محروم رکھا اور مذاق کے طور پر کہا: اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں کھلاتا ہم تمہیں کچھ بھی نہ کھلائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین کی طرف لوٹو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم تمہیں دیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے کھلاتا۔ انہیں مسلمانوں کا یہ قول پہنچا تھا کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو انہوں نے مذاق کے انداز میں کہا: کیا ہم اسے کھلائیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اسے کھلانا چاہتا تو اسے غنی کر دیتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں زنادقہ تھے (1) جب انہیں مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ کہتے: اللہ کی قسم! نہیں کیا اللہ تعالیٰ تو اسے فقیر بنائے اور ہم اسے کھلائیں؟ وہ مومنوں کی باتیں سنا کرتے وہ افعال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کرتے وہ کہتے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو غنی کر دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو عزت دے دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا۔ انہوں نے یہ جواب مومنوں کا استہزاء کرنے کے لیے نکالا اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے دیا جو مومن امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف معلق کر دیتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ قول اس لیے کیا تھا تا کہ مومنوں کے قول کو اپنے ساتھ مشروط کر دیں **أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ** یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہیں بھی رزق دے تو پھر تم ہم سے کیوں رزق طلب کرتے ہو؟ یہ استدلال باطل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مال کا مالک بناتا ہے پھر اس میں حق لازم کر دیتا ہے گویا اتنا حصہ اس سے الگ کر دیا تو اعتراض کی کوئی وجہ نہیں رہتی وہ اپنے اس قول **لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَاطْعَمَهُمْ** میں سچے تھے لیکن دلیل میں جھوٹے تھے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا** (الانعام: 148) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ** ○ (المنافقون) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** ○ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار کا مومنوں کے حق میں قول ہے یعنی تم جو مال کا سوال کرتے ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہو اس میں تم گمراہی میں مبتلا ہو۔ کہا: یہ مقاتل اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کفار کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے حق میں قول ہے جب انہوں نے اس جواب کے ساتھ رد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے تو ابو جہل ان سے ملا اور کہا: اے ابو بکر! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقراء کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا: کیا وجہ ہے اس نے ان کو نہیں کھلایا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو فقر کے ساتھ آزما دیا اور کچھ لوگوں کو غنا کے ساتھ آزما دیا ہے، فقراء کو صبر کا حکم دیا اور غنیا کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا۔ تو ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابو بکر! تو گمراہ ہے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلانے پر قادر ہے اور وہ انہیں نہیں کھلاتا پھر تو انہیں کھلاتا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **فَأَقْصِرْ**

أَعْطَى وَآتَى الْوَعْدَ بِالْحُسْنِ ① (اللیل) نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندیق تھے وہ اس کائنات کے صانع پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس قول کے ذریعے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا (1)۔

جب کفار کو یہ کہا گیا: اتَّقُوا صَابِقِينَ آيِدِيكُمْ وَمَا خَلَقَكُمْ تَوَانِهُونَ نے کہا: مَتَى هَذَا الْوَعْدُ یہ قیامت کب برپا ہوگی؟ یہ کفار کی جانب سے استہزاء تھا یعنی یہ وعید متحقق نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ صرف حضرت اسرافیل کے نغمہ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی جبکہ وہ دنیا کے امور میں جھگڑ رہے ہوں گے تو وہ اسی جگہ مرجائیں گے، یہ صعق کا نغمہ ہے۔

يَخْضِبُونَ میں پانچ قراتیں ہیں: ابو عمرو اور ابن کثیر نے يَخْضِبُونَ پڑھا ہے یعنی یاء اور خاء کو مفتوح اور صاد پر شد پڑھی ہے ورش نے نافع سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اصحاب قراءات اور ورش کے سوا اصحاب نافع نے يَخْضِبُونَ روایت کیا ہے یعنی خاء کو ساکن اور صاد کو مشد پڑھا ہے یعنی دو ساکنوں کو جمع ذکر کیا ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے اسے يَخْضِبُونَ پڑھا ہے خاء کو ساکن اور صاد کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خصبہ سے مشتق ہے۔ عاصم اور کسائی نے اسے يَخْضِبُونَ پڑھا ہے یعنی خاء مکسور اور صاد مشد ہے اس کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا۔ نغمہ انہیں آپہنچے گا جبکہ وہ آپس میں یہ دلائل قائم کر رہے ہوں گے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (2)۔ ابن جبیر، ابو بکر سے وہ عاصم سے اور حماد، عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت ان سب سے واضح ہے اصل میں یہ یختصون تھا تاء کو صاد میں مدغم کر دیا گیا اس کی حرکت خاء کی طرف نقل کر دی گئی۔ ابی کی قراءت میں یختصون خاء کو ساکن کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں دو ساکنوں کا اجتماع ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حرف مدہ اور لین نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خاء کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے ساکن پڑھا ہے معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کلام اس معنی میں ہو يَخْضِبُونَ مجادلہم عند انفسہم تو مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

ثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: يَخْضِبُونَ کی اصل یختصون ہے تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ دیا گیا۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ یہ قراءت سب سے عمدہ اور اکثر مروی ہے اور جو صورت بہتر تھی اس کو ترک کر دیا یعنی تاء کی حرکت خاء کو دی اور اس کے لیے ایک اور حرکت لے آیا اور پھر یاء اور کسرہ کو جمع کر دیا اور گمان یہ کیا۔ یہ عمدہ اور اکثر مستعمل ہے۔ یہ اکثر کی قراءت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ فتح کے ساتھ قراءت اہل مکہ، اہل بصرہ، اور اہل مدینہ کی قراءت ہے؟ عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ کے ساتھ جو مروی ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ بحث یخطف میں سورہ بقرہ میں اور یهدی میں سورہ یونس میں گذر چکی ہے۔

عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِلَّا صَيِّحَةً وَاحِدَةً** کے بارے میں کہا: اس سے مراد صور میں پہلا نوحہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ بازاروں میں ہوں گے کوئی دودھ دودھ رہا ہوگا، کوئی کپڑا ماپ رہا ہوگا اور کوئی کام کاج میں مصروف ہوگا کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت برپا ہو جائے گی جبکہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لیے اسے پھیلائے ہوئے ہوں گے وہ اسے ابھی نہیں لپیٹیں گے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا تاکہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائے ابھی وہ اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا ترازو نیچے جھکائے گا ابھی وہ اسے اوپر نہیں اٹھائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا قلم منہ کی طرف اٹھائے گا ابھی وہ اسے نہیں نکلے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی“ (1)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ”سب سے پہلے جو آدمی صور کی آواز سنے گا وہ وہ آدمی ہوگا جو اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا وہ چیخ مارے گا اور دوسرے لوگ بھی چیخ ماریں گے“ (2)۔

وہ ایک دوسرے کو توبہ وغیرہ کی وصیت کی طاقت نہ رکھیں گے بلکہ اپنے بازاروں اور اپنے اپنے مواقع پر ہی مرجائیں گے جب وہ مرجائیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے لیے **إِنَّا بَنِيهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** نہیں کہیں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے کیونکہ ان کے ساتھ بہت جلد معاملہ کیا گیا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيِّحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظَلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

”اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے: ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہماری خواب گاہوں سے؟ آواز آئے گی: یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا اس کے رسولوں نے: نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے“۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ بِرَبِّهِ دُوبَارَهٗ اِثْمَانَهٗ كِه لِيَهٗ دُوسِرَ اِنْفِخَهٗ هٗ (1)۔ سورہ نمل ميں هم وضاحت كر آئے هيں كه نَفِخَ دُو هيں تَمِنَ نِهِيں هيں، يِهٖ آيَتِ اِسِي مَعْنِي پَر دَال هٗ۔ مَبَارِكُ بِنِ فِضَالَهٗ نِهٖ حَضْرَتِ حَسَنِ بَصْرِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَهٗ رَوَايَتِ نَقْلِ كِي هٗ كِه رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِهٖ اِرْشَادَ فَرَمَا يَا: ”دُو نَفِخُوْنَ كِه دَرْمِيَانِ چَالِيْسِ سَالِ كَا عَرَصَهٗ هُوْكَ اِپْلَهٗ كِه سَاتِهٗ اللهُ تَعَالَى هِر زَنْدَهٗ چِيْزِ كُو مَوْتِ عَطَا فَرَمَائَهٗ كَا اُوْر دُوسِرَهٗ كِه سَاتِهٗ اللهُ تَعَالَى هِر مَرْدَهٗ چِيْزِ كُو زَنْدَهٗ كَرَهٗ كَا“ (2)۔ قَادَهٗ نِهٖ كِهَا: صُوْر، صُوْرَةُ كِي جَمْعِ هٗ صُوْرَةُ اُوْر صُوْرَا سِي طَرَحِ هِيں جِسِ طَرَحِ عِمَارَتِ كِي سُوْرَةُ (دِيُوَارِ) اُوْر سُوْرَهٗ هُوَا كَرْتِي هٗ۔ عَجَاجِ نِهٖ كِهَا:

سَمَتْ اِلَيْهِ فِي اَعَالِي السُّوْرِ

مِيں اِسِ كِي طَرَفِ بَلَنْدِ دِيُوَارُوں مِيں چَلَا۔

حَضْرَتِ اَبُو هِرَيْرَهٗ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَهٗ مَرُوِي هٗ كِه اِنهٗوُنْ نِهٖ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ قِرَاءَتِ كِي۔ نَحَاسِ نِهٖ كِهَا: الصُّوْرُ هٗ لِيَعْنِي وَادِ سَاكِنِ هٗ اِسِ سَهٗ مَرَادِ سِيْنِكِهٗ هٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهٗ اِسِي طَرَحِ مَرُوِي هٗ اُوْر كَلَامِ عَرَبِ مِيں يِهٖ اِسِي طَرَحِ مَرُوِي هٗ۔ اَهْلِ لَفْتِ نِهٖ يُوْنِ كِهَا:

نَحْنُ نَطَّخْنَاهُمْ عِدَاةَ الثُّوْرَيْنِ بِالضَّابِحَاتِ فِي غُبَارِ الثَّقَيْنِ

نَطَّخْنَا شَدِيْدًا اِلَا كَنْطَحِ الصُّوْرَيْنِ

هم نے غورين كِه دن آواز نكالنے والے گھوڑوں كِه سَاتِهٗ شَدِيْدِ جَنْگِ كِي جَبَكِهٗ غَبَارِ شَدِيْدِ تَهَادِهٗ جَنْگِ سِيْنِكِهٗ لُڑَانِهٗ وَالِي جَنْگِ نَهٗ تَهِي۔

يِهٖ بَحْثِ سُوْرَةِ الْاِنْعَامِ مِيں مَفْصَلِ كَنْدَرِ چَكِي هٗ۔ الْاَجْدَاثُ سَهٗ مَرَادِ قَبْرِ سِيں هِيں اِسَهٗ الْاَجْدَاثُ بَهِي پُڑْهَا گِيَا هٗ (3)؛ يِهٖ زَمْحَرِي نِهٖ ذَكْرُ كِيَا هٗ يِهٖ كِهَا جَاتَا هٗ: جَدَثٌ، جَدَفٌ فَصِيحٌ لَفْتِ جَدَثٌ هٗ اِسِ كِي جَمْعِ اَجْدَاثِ اُوْر اَجْدَاثُ آتِي هٗ مَتَمَخَّلٌ هٰذِلِي نِهٖ كِهَا: عَرَفْتُ بِاَجْدُثٍ مِيں نِهٖ قَبْرُوں كُو پُچْپَا نِ لِيَا۔ اَجْدَثٌ لِيَعْنِي اِسِ نِهٖ قَبْرِ بِنَائِي۔

اِلٰى مَا يَبْهَمُ يَنْسِلُوْنَ وَهٗ نَكَلْتَهٗ هِيں؛ يِهٖ حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اُوْر قَادَهٗ كَا قَوْلِ هٗ (4) اِسِ مَعْنِي مِيں بچے كُو نَسْلِ كِهْتَهٗ هِيں كِيونكهٗ وَهٗ مَاں كِه پِيٲ سَهٗ نَكَلْتَا هٗ۔ اِيَكِ قَوْلِ يِهٖ كِيَا گِيَا هٗ كِه اِسِ كَا مَعْنِي هٗ وَهٗ جَلْدِي كَرْتَهٗ هِيں كِيونكهٗ نَسْلَانِ اُوْر عَسْلَانِ جَلْدِي جَلْدِي چَلْنَهٗ كُو كِهْتَهٗ هِيں، اِسِي مَعْنِي مِيں بَهِيْزِيَهٗ كِي چَالِ هٗ۔ شَاعِرِ نِهٖ كِهَا:

بَرَدَ اللَّيْلِ عَلَيْهِ فَتَسَلُّ (5)

رَاَتِ اِسِ پَر تُهْنَدِي هُوِي اُوْر وَهٗ تِيْزِ چَلَا يِهٖ جَمْلَهٗ بُولَا جَاتَا هٗ: عَسَلِ الذَّنْبِ وَنَسْلِ، لِيَعْسَلُ وَنَسْلُ الذَّنْبِ۔ يِهٖ ضَرْبُ يَضْرِبُ كِه بَابِ سَهٗ يِهٖ يَنْسِلُ بَهِي كِهْتَهٗ هِيں اِسِ سَهٗ مَرَادِ تِيْزِ چَلْنَا هٗ، مَعْنِي هٗ وَهٗ تِيْزِي سَهٗ نَكَلْتَهٗ هِيں اِرْشَادِ بَارِي تَعَالَى هٗ: مَا خَلَقْنٰكُمْ وَلَا بَعَثْنٰكُمْ اِلَّا كُنُفُوسٍ وَّ اِحْدَاثًا (لِقْمَانِ: 28) يَخْرُجُوْنَ مِنْ اِلَا جَدَاثٍ كَانْتَهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرًا (الْقَمْرِ) يَوْمَ

3۔ احكام القرآن للطبري، ج 23، صفحہ 21

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 439

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 23

ہے ایک نسل میں ان ہرگز ہے یہی صحیح ہے۔

5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 23

4۔ ایضاً

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٥٦﴾ (المعارج) یعنی وہ بتوں کی طرف جلدی جاتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ہم نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا: ”علیکم بالنسل تم جلدی چلا کرو کیونکہ یہ انسان کو چست بنا دیتا ہے (1)۔“

ابن انباری نے کہا: یُوَيْلِنَا پر وقف اچھا ہے پھر مَنُوعٌ بَعَثْنَا سے آغاز کرے بعض قراء سے مروی ہے یُوَيْلِنَا مَنُوعٌ بَعَثْنَا، من کا میم اور بَعَثْنَا کا ثاء مکسور ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق یُوَيْلِنَا پر وقف کرنا اچھا نہیں یہاں تک کہ وہ پڑھے مِّن مَّرْقَدِنَا۔

حضرت ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق مِّن مَّرْقَدِنَا کے ساتھ وصل ہے تو یہ عام لوگوں کے مذہب کی صحت کی دلیل ہے۔ مہدوی نے کہا: ابن ابی لیلیٰ نے قالوا یا ویدلتنا قراءت کی ہے یہ ویلکی تانیث ہے اس کی مثل یُوَيْلِنَا یُوَيْلِنَا وَاَنَا عَجُوٌّ (ہود: 72) حضرت علی شیر خدا نے یا ویدلتنا من بَعَثْنَا قراءت کی ہے من ویل سے متعلق ہے یا ویدلتنا سے حال ہے تو من محذوف کے متعلق ہوگا گویا یہ کہا یا ویدلتنا کا ثنا من بَعَثْنَا جس طرح جار مجرور کو ویل سے خبر بنانا صحیح ہے اسی طرح اس سے حال بنانا صحیح ہے مِّن مَّرْقَدِنَا جار مجرور بعث کے متعلق ہے پھر یہ کہا گیا: انہوں نے یہ بات کیسے کہی جبکہ وہ تو اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہوں گے؟ اس کا جواب ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا: وہ سورہ ہے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: وہ کہیں گے۔ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے؟ ابو بکر انباری نے کہا: یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ہبنا کا لفظ قرآن کا حصہ ہے جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جو قرآن پر طعن کرتا ہے بلکہ یہ تو بَعَثْنَا کی تفسیر ہے یا یہ اس کے کسی معنی کی تعبیر ہے۔

ابو بکر نے کہا: میں نے من ہبنا الف کے بغیر یاد کیا ہے جبکہ من کا نون ساکن ہے۔ لغت کے طریقہ کے مطابق یہ صحیح ہے من ہبنا لون کو فتح دیا کہ اہب کے ہمزہ کے فتح کو من کے نون کو دیا اور ہمزہ کو ساقط کر دیا جس طرح عرب کہتے ہیں: مَن اخبرك، مَن اعلمت وہ اس سے مراد مَن اخبرك لیتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اہببت النائم فہب النائم میں نے سونے والے کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ احمد بن محمد بن محوی نے ہمیں یہ سنایا:

دَعَاذِلَةَ هَبَّتْ بَلْبَلٌ تَلْوَمُنِي

مجھے ملامت کرنے والی اٹھی اور ملامت کرنے لگی۔

ابوصالح نے کہا: جب پہلا نغمہ ہوگا تو اہل قبور سے عذاب اٹھایا جائے گا تو وہ دوسرے نغمے تک سو جائیں گے دونوں نغموں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی وجہ سے ان کا یہ قول ہوگا مَنُوعٌ بَعَثْنَا مِّن مَّرْقَدِنَا یہ حضرت ابن عباس بن زید اور قتادہ کا قول ہے۔

علماء معانی نے کہا: کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع کو دیکھیں گے تو انہیں قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ جہنم

کے عذاب کے مقابلے میں نیند کی طرح ہوگا۔ مجاہد نے کہا: مومن انہیں کہیں گے: یہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جسے ہدایت دی ہوگی وہ ان کفار کو یہ کہیں گے: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ فراء نے کہا: فرشتے انہیں یہ کہیں گے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال متفق ہیں کیونکہ ملائکہ مومنوں میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ** (البینہ) اسی طرح یہ حدیث ہے **السُّؤْمَنُ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ كُلِّ مَا خَلَقَ** (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں اور دوسرے مومنوں نے انہیں یہ بات کہی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب کفار نے ایک دوسرے کو کہا: کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا تو انہوں نے جب اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کی انبیاء نے انہیں خبر دی تھی تو انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی پھر انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور مرسلین نے سچ بولا تھا اور ہم نے اس کو جھٹلایا تھا، انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بعض قاری یعنی حفص **مِنْ مَرَّقِدِنَا** پر وقف کرنے اور پھر کلام کو شروع کرتے **هَذَا ابوبکر بن انباری نے کہا: مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَرَّقِدِنَا** پر عطف بہت اچھا ہے پھر تو کلام کو شروع کرے **هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** یہ بھی جائز ہے کہ تو **هَذَا** پر وقف کرے اور مرقد کی اتباع میں **هَذَا** کو جردے اور **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** سے کلام کا آغاز کرے معنی ہوگا تمہارا اٹھایا جانا رحمن کا وعدہ ہے۔ نحاس نے کہا: کلام **مِنْ مَرَّقِدِنَا** پر مکمل ہو جاتی ہے اور **هَذَا** مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اور اس کی خبر **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** ہے۔ یہ بھی جائز ہے **هَذَا**، **مَرَّقِدِنَا** کی صفت ہونے کی حیثیت سے مجرور ہو تو اس صورت میں کلام **مِنْ مَرَّقِدِنَا** **هَذَا** پر مکمل ہوگی اور **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** تین وجوہات سے محل رفع میں ہوگی۔

ابو اسحاق نے اس کی دو وجوہ ذکر کی ہیں: (1) **هَذَا** مضمراً ہے (2) کلام اس معنی میں ہو **حَقٌّ مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** بعشکم (3) کلام اس معنی میں ہو **بعشکم** ما وعد الرحمن۔

ان کو دوبارہ اٹھانا اور انہیں زندہ کرنا ایک چیخ کی صورت میں ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے: اے بوسیدہ بڑیو! اے نونے ہوئے جوڑ اور نونے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ، حق کے قول کا بھی یہی معنی ہے **يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** **ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ** (ق) اور **فَهُطِعْنَ إِلَى الدَّاعِ** (القم: 8) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اگر واقعی یہ آپ سے ثابت ہے ان کا **إِلَازِقِيَّةٌ** واحدہ اس میں **ذَقِيَّةٌ** کا معنی چیخ ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَإِذَا هُمْ جَبِيَّةٌ لَدَيْنَا مُحَضَّرُونَ (5) ہم ضمیر مبتدا ہے اس کی خبر جیبیہ ہے جو کمرہ ہے اور **مُحَضَّرُونَ** اس کی صفت ہے محضرون کا معنی ہے انہیں جمع کیا جائے گا، انہیں حساب کے موقف میں حاضر کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلِمَةٍ بَصْرَةٍ** (النحل: 77) کی طرح ہے۔

اس روز ان کے حساب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ میں ماد و وجوہ سے محل نصب میں ہوگی: (1) فعل مجہول کا مفعول ثانی ہے، حرف جر حذف کر دیا گیا اصل میں بسا کنتم تعملون تھا۔ یعنی تعملونہ۔ پس اسے حذف کر دیا گیا۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٦﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى
الْأَرَآءِ بِمَا كَانُوا يَكْفُهُونَ ﴿٥٧﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿٥٨﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ
رَاحِيمٍ ﴿٥٩﴾ وَامْتَاذُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٦٠﴾

”بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرح) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں طرح طرح کے لذیذ پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو انہیں یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے۔ اور حکم ہوگا: اے مجرمو! میرے دوستوں سے آج الگ ہو جاؤ۔“

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ ارمجہد نے کہا: باکرہ عورتوں کے ساتھ حقوق زوجیت نے انہیں غافل کر دیا ہوگا۔ ترمذی حکیم نے اپنی کتاب ”مشکل القرآن“ میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے انہوں نے یعقوب ثقی سے انہوں نے حفص بن حمید سے انہوں نے ہمسر بن عطیہ سے، انہوں نے شفیق بن سلمہ سے انہوں حضرت عبد اللہ بن مسعود بن ہشیر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ باکرہ بیویوں سے حقوق زوجیت نے انہیں مشغول کر رکھا ہوگا (1)۔

محمد بن حمید، ہارون بن مغیرہ سے وہ نبشل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس بنی نبی سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

ابو قتادہ نے کہا: اسی اثنا میں کہ ایک جنتی اپنے اہل کے ساتھ مصروف ہوگا کہ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو وہ کہے گا: اپنے اہل کے ساتھ مشغول ہوں۔ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جنتی جنت کی لذات اور نعمتوں میں مصروف ہوں گے انہیں نافرمانوں کے جہنم میں جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اس میں جو دردناک عذاب ہوگا اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اگرچہ ان لوگوں میں اس کے قریبی رشتہ دار اور گھر والے ہوں گے؛ یہ سعید بن مسیب اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ وکیع نے کہا: شغل کا معنی سماع ہے۔ ابن کیسان نے کہا: فی مشغل کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی ملاقات میں مصروف ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی نیافت میں مصروف ہوں گے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کو یاد رکھا؟ وہ کھڑے ہوں گے گویا ان کے چہرے چودھویں کے چاند اور روشن ستارے ہوں گے وہ نور کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کی لگا میں یا قوت کی ہوگی جو لوگوں کے سروں پر سے انہیں لے کر اڑتی

ہوں گی یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے ان بندوں پر سلام جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کی حفاظت کی، میں نے تمہیں چن لیا، میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور میں نے تمہیں اختیار کیا ہے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ، نہ آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے، وہ پہل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے، ان کے لیے دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر مخلوق ابھی میدان محشر میں کھڑی ہوگی تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے: اے قوم! فلاں کہاں ہے؟ فلاں کہاں ہے؟ جس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكُهُونَ ⑤۔

شُغْل اور شُغْل اس میں دو لغتیں ہیں دونوں کے ساتھ اسے پڑھا بھی گیا ہے جس طرح رُعب اور رُعب، سُخت اور سُخت یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فَاكُهُونَ کا معنی مسادرون ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی فرحون ہے (2)۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی معجبون ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ناعمون ہے۔ سب کا معنی باہم قریب ہے۔ فکاہت کا معنی بھی مزاح اور اچھی گفتگو ہے۔

ابو جعفر، شبیبہ اور اعرج نے کہا فَاكُهُونَ الف کے بغیر ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح فَاكُهُونَ اور فَاكُهُونَ اور حَاذِر اور حَاذِر؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: الفاکہ سے مراد ذوالفاکہۃ ہے یعنی اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے جس طرح شاتم، لاحم، تامر اور لابن ہے اور فَاكُهُونَ سے مراد متفکھ اور متنعم ہے۔ فکھون قتادہ کے قول میں الف کے بغیر ہے جس کا معنی معجبون (خوش ہونے والے) ہے۔ ابو زید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: رجل فکھ جب خوش ہونے والا اور مسکرانے والا ہو۔ طلحہ بن مصرف نے فاکہین پڑھا ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

هُم وَاَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَسْآءِ مُمْسِكُونَ ⑥ مبتدا اور خبر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہما کید ہو اور ازواجہم کا عطف ضمیر پر ہو اور مُمْسِكُونَ، فاکھون کی صفت ہوئی۔ عام لوگوں کی قراءت فِي ظِلِّ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، عیش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے اسے فِي ظِلِّ پڑھا ہے ظاء پر ضمہ ہے اور الف کے بغیر ہے ظلال، ظل کی جمع ہے اور ظلل، ظلۃ کی جمع ہے۔

ارائك سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں اس کا واحد اریکہ ہے جس طرح سفینہ کی جمع سفائن آتی ہے شاعر نے کہا:

كَانَ احْمَرَّ الوَرْدِ فَوْقَ غُصُونِهِ بَوَاقِ الضَّحَى فِي رَوْضَةِ الْمُتَضَاحِكِ
خُدُودُ عِذَارَى قَدْ خَجَلْنَ مِنَ الْحَيَا تَهَادَيْنَ بِالرِّيحَانِ فَوْقَ الْأَرَائِكِ

گویا گلاب کے پھول کی سرخی اس کی ٹہنیوں پر چاشت کے وقت مسکراتے باغیچے میں کنواری عورتوں کے رخسار ہیں جو حیا کی وجہ سے شرمندہ ہیں جو پلنگوں پر ریحان کا پھول باہم تحفہ دیتی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنتی جب بھی اپنی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کر چکیں گے تو ان کی عورتیں باکرہ ہو جائیں گی (1)۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک جنتی ستر سال تک حور سے معاف نہ کرے گا نہ مرد اس سے اکتائے گا اور نہ وہ مرد سے اکتائے گی جب بھی وہ جنتی اس کے پاس آئے گا اسے باکرہ پائے گا جب بھی اس حور کی طرف لوٹے گا تو مرد کی شہوت لوٹ آئے گی وہ اس حور کے ساتھ ستر مردوں کی قوت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے گا ان کے درمیان منی نہ ہوگی وہ منی کے بغیر آئے گا اور وہ منی کے بغیر آئے گی۔

لَهُمْ فِيهَا قَاهَةٌ يَهْتَبُونَ ۝۲۵ لَّهُمْ مَا يَدْعُونَ ۝۲۶ میں دوسرا دال اصل میں تاء ہے کیونکہ دَعَا سے يَفْتَعِدُونَ کے وزن پر ہے یعنی وہ جو طلب کرے گا وہ چیز اسے عطا کر دی جائے گی؛ یہ ابو عبید نے معنی بیان کیا ہے۔ يَدْعُونَ کا معنی ہے وہ آرزو کریں گے یہ دعا سے مشتق ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے جو جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فطرت پر پیدا کیا ہوگا کہ وہ ایسی چیز کا ہی دعویٰ کریں گے جو ان کے لیے جمیل اور حسین ہوگی۔ یحییٰ بن سلام نے کہا يَدْعُونَ کا معنی ہے وہ خواہش کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوال کریں گے۔ معنی قریب قریب ہے ابن انباری نے کہا: وَ لَهُمْ مَا يَدْعُونَ پر وقف کرنا اچھا ہے پھر سَلَّمَ سے تو کلام کو شروع کرے معنی یہ ہوگا: ذَلِكْ لَكُمْ سَلَامٌ، سلام، سلام کو اس طریقہ پر رفع دینا بھی جائز ہے وَ لَهُمْ مَا يَدْعُونَ مسلم خالص جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے لیے وہ مسلم اور خالص ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر مَا يَدْعُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ زجاج نے کہا: سلام یہ ما سے بدل کے طور پر مرفوع ہے معنی یہ بنے گا: وَلَهُمْ اَنْ سَلَّمَ اللهُ عَلَيْهِمْ اِنْ كَانَتْ هِيَ اللهُ تَعَالَى اِنْ سَلَّمَ بِهِيَ جَنَّتِيوْنَ كِي خَوَّاهِشْ هُوْكَى۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے کہ ان کے لیے نور چمکے گا وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب سے ظاہر ہوگا فرمایا: اے جنتیوں! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلَّمَ ۝۲۶ قَوْلًا مِّنْ رَبِّكَ تَرَاهُ فِي سَمْعِكَ ۝۲۷ (3)، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور وہ اس کا دیدار کریں گے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ جنت کی کسی اور نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں ہو جائے گا جبکہ اس کا نور اور اس کی برکات ان کے گھروں میں باقی رہیں گے (4)؛ یہ ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت سورہ یونس آیت 26 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِيَذُنَّ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَزِيَادَةَ ۝۲۶ میں بیان کر دی ہے یہ بھی جائز ہے کہ ما تکرہ ہو اور سلام اس کی صفت ہو معنی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کے لیے مسلم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور سلام اس کی خبر ہو ان صورتوں میں وَ لَهُمْ مَا يَدْعُونَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں سلاما

1۔ مجمع الزوائد، کتاب اهل الجنة، باب ما جاء في نساء اهل الجنة، جلد 10، صفحہ 771

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 26

3۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 479، حدیث نمبر 39339

4۔ سنن ابن ماجہ، باب فيما انكرت الجهمية، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مفعول مطلق ہے اگر تو چاہے تو اسے حال کی حیثیت سے منصوب تسلیم کر لے تقدیر کلام یوں ہوگی ولہم ما یدعون ذالسلام اذ سلامۃ او مسلما اس تاویل کی صورت میں یدعون پر وقف اچھا نہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے سلم پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا: ذلک سلم لہم اس میں وہ کوئی تنازع نہیں کرتے تو اس صورت میں ولہم یدعون مکمل جملہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے سلم، وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ سے بدل ہو اور مَا يَدْعُونَ کی خبر لہم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے سلام دوسری خبر ہو تو اس صورت میں کلام کا معنی ہو وہ انہیں کے لیے خالص ہے اس میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں قَوْلًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قال اللہ ذالک قولاً یا یقولہ قولاً فعل محذوف پر مصدر کا لفظ دلالت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کی بنا پر یدعون پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ سجتانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سلم پر وقف مکمل ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ قول ما قبل سے خارج ہے۔

یہ کہا جاتا ہے: تميزوا، امتازوا اور امتازوا کا معنی ایک ہی ہے اور مجرد سے یوں مطاوعت کا صیغہ آتا ہے مُزْتَه فَا مِازِد امتاز اور تفعیل سے یوں صیغہ آتا ہے میزته فتییز جب جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو سوال کے لیے جب وہ کھڑے ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ بات کہی جائے گی، یعنی ان سے نکل جاؤ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے یہ بہشت سے الگ کر دیئے گئے (1)۔ ضحاک نے کہا: مجرم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے (2)، یہودی ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، نصاریٰ ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، مجوسی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے، صابی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے اور بت پرست ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: ہر جماعت کا جہنم میں ایک کمرہ ہوگا جس میں اسے داخل کر دیا جائے گا اور وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ وہ کسی کو دکھائی دیں گے۔ داؤد بن جراح نے کہا: مسلمان مجرموں سے الگ ہو جائیں گے مگر خواہش کے پجاری مجرموں کے ساتھ ہوں گے (3)۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠﴾ وَأَنْ
اعْبُدُونِي ۗ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۗ أَفَلَمْ تَكُونُوا
تَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٣﴾ اٰصَلُوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٤﴾

”کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے، گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ تا پو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔“

آیت کریم میں عہد سے مراد وصیت ہے کیا میں نے تم کو وصیت نہیں کی اور رسولوں کی زبانوں پر تمہیں پیغام حق نہیں

پہنچایا کہ تم میری نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔ کسائی نے کہا لا نبی کے لیے ہے اِنَا عِبْدُ وُتٰی یہ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنے اصل پر ہے جس نے اسے ضمہ دیا ہے اس نے کسرہ کے بعد ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔

اضل کا معنی اغوی ہے یعنی اس نے گمراہ کیا جبلا کا معنی مخلوق ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی جموعا کثیرہ ہے۔ مکی نے کہا: اس کا معنی امسا کثیرہ ہے معنی سب کا ایک ہی ہے۔ اہل مدینہ اور عاصم نے جبلا پڑھا ہے ابو عمر و اور ابن عامر نے جبلا پڑھا ہے باقی قراء نے جبلا پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، عبد اللہ بن عبید اور نضر بن انس نے اسے مشدد پڑھا ہے یہ پانچ قراء تیں ہیں۔ مہدوی اور ثعلبی نے کہا: سب لغتیں خَلَق کے معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: سب سے واضح پہلی قراءت ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے وَالْحِجَلَّةَ الْاَوْلٰیئِن ﴿۱۰﴾ (الشعرا) پڑھا ہے تو جبلا، جبلة کی جمع ہے سب کا اشتقاق ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس میں چھٹی قراءت بھی ذکر کی گئی ہے وہ ہے جبلا نحاک سے یہ مروی ہے کہ ایک جیل سے مراد ستر ہزار افراد ہیں کثیر سے مراد ہے کہ جس کا شمار اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ کیا تم شیطان کی عداوت کو نہیں جانتے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تو تم نے اسے جھٹلایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں، اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر جہنم کی گردن مخلوقات پر جھانکے گی تو وہ ان سب کو گھیر لے گی پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: هٰذٰۤہٗ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِصْلُوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ اس موقع پر لوگ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائیں گے ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی تو لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھے گا جبکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔“

الْیَوْمَ نَخِیْمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَ کُلِّمْنَا اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا
 یَکْسِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰی اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنْیُّبِصُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ لَوْ
 نَشَاءُ لَسَخَّطْنٰهُمْ عَلٰی مَکَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ مَنْ نُعَبِّرْهُ
 نُنٰکِسْهُ فِی الْخَلْقِ ۗ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

”آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان بدکاریوں پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان اندھوں کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم

انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔“

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”کیا تم جانتے ہو کس وجہ سے میں ہنسا ہوں؟“ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”بندہ اپنے رب سے جس انداز میں خطاب کرتا ہے اس وجہ سے میں ہنسا ہوں بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تم نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے: میں اپنے سوا کسی کو اپنے اوپر گواہ جائز نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تجھ پر تیرا نفس اور کراما کا تین ہی گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بول تو وہ عضو اس کے اعمال کے بارے میں بات کرے گا پھر اس کے اور ان کی گفتگو کے درمیان رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی تو وہ اعضاء کو کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا میں اس لیے تمہاری حفاظت کرتا رہا؟“ (1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اس میں ہے ”پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم تم پر کوئی گواہ لاتے ہیں، وہ اپنے بارے میں سوچ و بچار کرے گا مجھ پر کون گواہی دے گا؟ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: بول تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گی۔ یہی وہ شخص ہے جو گناہ کیا کرتا تھا، یہی منافق تھا اور یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔“

امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: ”یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں سوار اور پیدل جمع کیا جائے گا تمہیں قیامت کے روز کھینچا جائے گا تمہارے مونہوں پر چھینکے ہوں گے تم ستر دیں امت کو پورا کرو گے تم ان میں سے بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہو، تمہارے اعضاء میں سے سب سے پہلے جو اظہار کرے گی وہ اس کی ران ہوگی۔“ دوسری روایت میں ”اس کی ران اور اس کی ہتھیلی ہوگی۔“ فدام سے مراد وہ کپڑا ہے جو کوزے اور لوٹے کے اوپر باندھا جاتا ہے؛ یہ لیٹ نے کہا۔

ابو عبیدہ نے کہا: یعنی انہیں گفتگو سے روک دیا جائیگا یہاں تک کہ ان کی رانیں گفتگو کریں گی۔ تو گفتگو سے روکنے کے عمل کو اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے لوٹے پر باندھا جاتا ہے منہ پر مہر لگانے کی چار وجوہ ذکر کی گئی ہیں: (1) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب ہم شرک کرنے والے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں یہاں تک کہ ان کے اعضاء نے گفتگو کی؛ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے۔

(2) اہل موقف انہیں پہچان لیں اور ان سے ممتاز ہو جائیں گے؛ یہ ابن زیاد کا قول ہے۔

(3) غیر ناطق کا اقرار اس کے اقرار سے دلیل میں یہاں بلیغ ہوتا ہے جو گفتگو کر سکتا ہو کیونکہ اس کی گفتگو معجزہ کے حکم میں

ہوتی ہے اگرچہ اس دن کسی معجزہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(4) تاکہ وہ خود جان لے کہ اس کے اعضاء اس کے بارے میں مددگار تھے تو وہ اس کے رب کے حق میں گواہ ہو گئے اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیوں فرمایا: وَكَلِمَاتٍ آيَاتٍ يُهَيِّمُ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِاتِّهَامِ كَلَامِهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِاتِّهَامِ كَلَامِهِمْ اور پاؤں کے اظہار کو گواہی قرار دی؟ اس کا جواب دیا جائے گا: ہاتھ خود عمل کرتا ہے اور پاؤں حاضر ہوتا ہے اور حاضر کا قول غیر پر گواہ ہوتا ہے فاعل کا اپنے بارے میں قول اقرار ہوا کرتا ہے خواہ وہ قول کرے یا عمل کرے اسی وجہ سے ہاتھوں سے جو کچھ صادر ہوگا اس کو قول سے تعبیر کیا اور جو کچھ پاؤں سے صادر ہو اس کو شہادت کہتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس روز منہ پر مہر لگادی جائے گی اس روز جو ہڈی سب سے پہلے کلام کرے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران ہوگی“، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا: میں جو گمان کرتا ہوں کہ انسان کی ہڈی جو سب سے پہلے گفتگو کرے گی وہ اس کی دائیں ران ہوگی؛ یہ بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا: یہ احتمال موجود ہے کہ اعضاء میں سے پہلے ران گفتگو کرے گی کیونکہ وہ گناہوں کی لذت کا ادراک ان حواس سے کرتا ہے جو اس کے نچلے دھڑ میں ہوتے ہیں ان میں سے ران بھی ہے تو کیونکہ وہ قریب تر عضو ہے اس لیے وہ گواہی دینے میں سب سے پہلے ہوگی کہا: بائیں ران پہلے گواہی دے گی کیونکہ دائیں اعضاء میں شہوت بائیں اعضاء کی نسبت قوی ہوگی اسی وجہ سے بائیں ران، دائیں ران پر گواہی دینے میں مقدم ہوگی کیونکہ اس میں شہوت کم ہوتی ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: یا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ شہوت کا غلبہ ہوگا یا دونوں رانیں اور ہتھیلی اکٹھے گواہی دیں گے کیونکہ اس کے مجموعے سے ہی شہوت اور لذت کھل ہوتی ہے۔

کسائی نے یوں حکایت بیان کی ہے: طَمَسٌ، يَطْبِسُ، يَطْبِسُ اہل لغت کے نزدیک مطموس اور طمس اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں شق ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں ہدایت سے اندھا کر دیا وہ کبھی بھی حق کے راستہ کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے کہا: ہم نے انہیں اندھا بنا کر چھوڑ دیا وہ متردد گھومتے پھرتے ہیں اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اندھا بنا دیا وہ اپنے گھروں اور دوسری جگہ اپنے تصرفات کے طریقہ کو نہیں دیکھتے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پس انہوں نے راستہ کی طرف جلدی کی تاکہ وہ گزر جائیں تو وہ کہاں سے دیکھیں۔ عطا، مقاتل اور قتادہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی گمراہی کی آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہم انہیں ان کی گمراہی سے اندھے کر دیتے اور ان کی نظروں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیتے پس وہ ہدایت پا جاتے، اپنی ہدایت کو دیکھ لیتے اور آخرت

کے راستہ کی طرف جلدی کرتے جبکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا تو وہ کیسے ہدایت پاسکتے تھے جبکہ ہدایت کی آنکھ ہی بند تھی اور گمراہی پر باقی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے سابقہ گفتگو سے مختلف مروی ہے انہوں نے یہ تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کہا: جب قیامت کا دن ہوگا پل کو بچھا دیا جائیگا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کھڑی ہو جائے تو ان میں سے نیک و بد سب کھڑے ہو جائیں گے وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلیں گے تاکہ وہ پل صراط سے گذر جائیں پھر ایک منادی اعلان کرے گا: چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کھڑی ہو۔ آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کھڑی ہوگی تو نیک و گناہگار ان کے پیچھے چل پڑیں گے تو ان کا راستہ وہی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا باقی ماندہ انبیاء کی حالت بھی ایسے ہی ہوگی؛ نحاس نے یہ ذکر کیا ہم نے اس کا ذکر ”تذکرہ“ میں کیا ہے یہ اسی کے مناسب ہے جو ابن مبارک نے ”رقائق“ میں ذکر کیا ہے اور قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسود بن اسود نے ایک پتھر اٹھایا جبکہ اس کے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت تھی اس نے پتھر اس لیے اٹھایا تھا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے پھینکے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو بند کر دیا پتھر کو اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹا دیا نہ اس نے دیکھا اور نہ اس نے ہدایت پائی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مطسوس اسے کہتے ہیں جس کی پلکوں کے درمیان شق نہ ہو یہ طمس الروح الاثر سے مشتق ہے؛ یہ خفش اور قہمی نے کہا۔ مسخ سے مراد خلقت کو تبدیل کر دینا ہے اسے پتھر، جماد یا چوپایا بنا دینا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: معنی ہے ہم نے انہیں بٹھا دیا وہ طاقت نہیں رکھتے کہ آگے گزریں اور پیچھے ہٹیں اسی طرح جامع چیز آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتی بعض اوقات مسخ انسان کو چوپایا بنانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ چوپایا کسی ایسے موقع محل کی سمجھ نہیں رکھتا کہ جس کا وہ قصد کرے پس وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے مسکنوں میں ہی انہیں ہلاک کر دیتے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم اسے اس جگہ پر مسخ کر دیتے جہاں اسے نافرمانی کی جرأت کی تھی۔ حضرت ابن سلام نے کہا: یہ سب کچھ قیامت کے روز ہوگا اللہ تعالیٰ پل صراط پر سے گذرتے وقت ان کی آنکھوں کو مسخ کر دے گا۔ حضرت حسن بصری سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے ابو بکر کی روایت میں مکاناتہم جمع کا صیغہ ہے جبکہ باقی نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے ابو حیوہ نے فَمَا اسْتَظَاعُوا مُضِيًّا قراءت کی ہے۔ المضی جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے جس کا معنی جانا ہے۔

عاصم اور حمزہ نے تُنْكِسُهُ پڑھا ہے یہ تنکيس سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تُنْكِسُهُ پڑھا ہے یہ نکست الشئ انکسہ نکسا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے سر کے بل الٹا یا تو وہ الٹ گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ نے اسے اس بڑھاپے کی حالت کی طرف پھیرا جو بچے کی حالت کے مشابہ ہے۔ سفیان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ اسی سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں تبدیلی آ جاتی ہے اور اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے (3)۔ شاعر نے کہا:

من عاش أخلقت الأيام جدته وخانه ثقتاه السمع والبصر (1)

جو آدمی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے تو ایام اس کی تروتازگی کو بوسیدہ کر دیتے ہیں اور اس کی دو قابل اعتماد چیزیں یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت اس کے ساتھ خیانت کرتی ہیں۔

لمی عمر جوانی کو بڑھا پے، قوت کو ضعف، زیادتی کو نقص میں تبدیل کر دیتی ہے یہی غالب طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی (2)۔ سورہ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس نے ایسا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ نافع اور ابن ذکوان نے تعلقون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یَعْقِلُونَ پڑھا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿١﴾ لِيُنذِرَ مَنِ كَانَ

حَيًّا وَيَحِثُّ الْقَوْلَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٢﴾

”اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے، نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو

بالکل واضح ہے تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ محبت تمام کر دے کفار پر“۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حال کی خبر دی اور کفار کے قول کا رد کیا ہے کہ آپ ﷺ شاعر ہیں اور

قرآن شعر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ اسی طرح رسول اللہ ﷺ شعر نہیں کہتے تھے اور

نہ موزوں کلام کیا کرتے تھے جب آپ کوئی مثال بیان کرنے کے لیے کوئی مصرعہ کہنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے وزن کو توز

دیتے آپ صرف معانی کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے اسکی مثال یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے (3) طرفہ کا شعر پڑھا:

سَتَّبِدِي لَكَ الْاَيَّامَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا وَيَأْتِيكَ مِنْ لَم تَزُوذُهُ بِالْاَخْبَارِ (4)

زمانہ تیرے لیے وہ چیز ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف تھا اور تیرے لیے وہ خبریں لے آئے گا جس کو تو نے زا دراہ نہ

دیا۔ ایک روز آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمْ تَرِيَانِي كَلَّمَا جَنَّتْ طَارِقًا وَجَدْتُ بَهَا وَإِنْ لَمْ تَطَّيَّبْ طَيِّبًا (5)

ایک روز آپ نے یہ شعر پڑھا:

أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعَبِيدِ بَيْنَ الْأَقْرَبِ وَعُيَيْنَه (6)

1۔ النمر، صفحہ 144، مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استعاذۃ من ارذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461 4۔ جامع ترمذی، کتاب الاستبذان، باب ما جاء فی انشاء الشعر، جلد 2، صفحہ 108

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461 6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المولفۃ، جلد 1، صفحہ 339

نبی کریم ﷺ نے شاید ہی کبھی صحیح شعر پڑھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر پڑھا:
 نَبِيْتُ يُجَانِي جَنَبَهُ عَنْ فَرَاشِهِ إِذَا اسْتَشَقَلْتُ بِالْمَشَاكِينِ الْمَضَاجِعُ (1)
 اس کا پہلو بستر سے الگ تھلگ رات گزارتا ہے جبکہ بستر مشرکین سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا:

كَفَى بِالْإِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلدَّرِّ نَاهِيًا (2)

اسلام اور بڑھا پا انسان کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ شاعر نے تو کہا ہے:

هَرِيرَةٌ وَدِغٌ إِنْ تَجَهَّزْتَ غَادِيًا كَفَى الشَّيْبُ وَالْإِسْلَامُ لِلدَّرِّ نَاهِيًا

حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا

عَلَّمَهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ خَلِيلٌ بِنِ اَحْمَدَ سَ مَرُوِي هَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَ هَا شَعْرَ سَبَّ سَ مَرْغُوْبَ كَلَامَ تَهَا لِيَكِنَ اَآپَ ﷺ شَعْرَ كَهْتَبَ نَهِيَسَ تَهَ۔

مسئلہ نمبر 2۔ کبھی کبھی صحیح وزن سے کلام کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ شعر جانتے تھے اس طرح آپ نثر میں سے ایسا کلام کرتے تھے جو موزوں ہوتا جس طرح یوم حنین اور دوسرے مواقع پر فرمایا۔

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيَّتٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيَتْ (3)

تو تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی تو نے اللہ کی راہ میں دشمن سے ملاقات نہیں کی۔

اور آپ ﷺ کا یہ کہنا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ (4)

میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

آپ قرآن کی آیات اور ہر کلام میں اسی طرح کا انداز اپناتے نہ وہ شعر ہوتا اور نہ ہی اس کے معنی میں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَسْأَلُوا النَّبِيَّ حَتَّى تَسْفُقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَصْرًا مِنْ اللَّهِ وَفَتْحًا قَرِيبًا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَفَانَ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْا بِهَا شَامِسِيَّتِ (سبا: 13) اس کے علاوہ کئی اور آیات ہیں۔ ابن عربی نے ان میں سے آیات کا ذکر کیا ہے ان پر گفتگو کی اور وزن سے خارج کیا کہا: ابوالحسن انخفش نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد انا النبى لا كذب کے بارے میں کہا: یہ شعر نہیں۔

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب هجاء المشركين، جلد 2، صفحہ 909

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، جلد 1، صفحہ 393

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من قاد دابة، جلد 1، صفحہ 401

خلیل نے کتاب "العین" میں کہا: جو جمع دو جزوں میں آئے وہ شعر نہیں ہوتا ان سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ منہوک الرجز (1) میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منہوک الرجز میں سے نہیں ہوتا مگر جب لا کذب اور عبد المطلب کی باء پر وقف کیا جائے کسی کو یہ معلوم نہیں نبی کریم ﷺ نے کیسے کہا۔ ابن عربی نے کہا: غالب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لا کذب کی باء کو مرفوع کہا اور عبد المطلب کی باء کو اضافت کی وجہ سے مکور پڑھا ہے۔

نحاس نے کہا: بعض نے کہا روایت اعراب کے ساتھ ہے جب روایت اعراب کے ساتھ ہو تو وہ شعر نہیں ہوگا کیونکہ وہ جب پہلے بیت کی باء کو فتح دیں یا ضمہ دیں یا تنوین دیں اور دوسرے مصرعے کی باء کو کسرہ دیں تو وہ شعر کے وزن سے نکل جائے گا۔ بعض نے کہا: یہ وزن شعر کا نہیں یہ بڑے لوگوں کا مکابرہ ہے کیونکہ عربوں کے اشعار اس وزن پر خلیل اور دوسرے علماء نے روایت کیے ہیں جہاں تک نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے هل أنت إلا صبغ دمیت (2) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ بحر سرج میں سے ہے یہ اس وقت ہوگا جب تو دمیت کی تاء کو کسرہ دے اگر اسے ساکن پڑھا جائے تو کسی صورت میں بھی شعر نہیں ہوگا کیونکہ اس حقیقت پر دونوں کلمے فحول کا وزن ہوتا ہے جبکہ بحر سرج میں فحول کا کوئی دخل نہیں شاید نبی کریم ﷺ نے اسے تاء ساکنہ یا تاء متحرکہ کی اتباع کے بغیر کہا ہو۔ انفعال کی صورت میں اعتماد اس پر ہوگا کہ اسے شعر تسلیم کر لیا جائے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے اس سے پھر بھی لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ شعر کا علم رکھتے تھے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آپ شاعر تھے بیت نزر کی شکل اختیار کرنا اور رجز وغیرہ کے دو قافیوں کا پانا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کا قائل شعر کو جانتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے شاعر نہیں کہتے جس طرح کوئی آدمی ایک دفعہ کپڑا سی لے تو اسے خیاط نہیں کہتے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا کہ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ کا معنی ہے کہ ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا یہ اس کے مانع نہیں کہ آپ ﷺ کو شاعر کہیں۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے یہ اس میں سے بہترین گفتگو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی مگر اس کی خبر نہیں دی کہ آپ شعر نہ کہیں یہی کلام کا ظاہر معنی ہے اس میں ایک واضح قول کیا گیا ہے۔ قول کرنے والے نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ اہل لغت کا اجماع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کہا ہے: جس نے کوئی موزوں کلام کیا جس کے ساتھ وہ شعر کا قصد نہیں کرتا تھا تو وہ شعر نہیں ہوتا وہ شعر کے موافق ہوتا ہے، یہ واضح قول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے جس چیز کی نفی کی ہے وہ شعر اس کے اصناف قوافی کے علم کی نفی ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی نفی کی ہے۔ سرور دو عالم ﷺ اس کے ساتھ متصف نہ تھے کیا تم دیکھتے نہیں کہ قریش آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ موسم حج کے موقع پر جب عرب ان کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں کیا کہیں گے؟ بعض نے کہا: ہم کہیں گے وہ شاعر ہے؛ ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! عرب تم کو جھٹلا دیں گے کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو خوب سمجھتے ہیں اللہ کی قسم! ان کا کلام تو شعروں میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں اور نہ ہی ان کا قول شعر ہے۔ حضرت انیس جو حضرت ابو ذر کے بھائی تھے کہا: تحقیق میں نے ان کے کلام کو

1۔ بحر رجز کے دو ٹکٹ (دو تہائی) کو حذف کرنا جہیہ کو مہوک کہتے ہیں۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیور، باب من ینکب، جلد 1، صفحہ 393

شعر کی اصناف پر پیش کیا تو یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ شعر ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انیس عربوں کے عمدہ شاعر تھے۔ اسی طرح عتبی بن ربیعہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تو کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، وہ کہانت نہیں، وہ جادو نہیں جس کی وضاحت سورہ فصلت میں انشاء اللہ آئے گی اس کے علاوہ بھی عرب کے فصحاء اور بلغاء نے یہی کہا ہے۔ زبان پر جو کلام موزوں جاری ہوتا ہے اسے شعر نہیں کہتے اس موزوں کلام کو شعر شمار کیا جاتا ہے جو شعر کے وزن پر ہو اور شعر کا قصد بھی کیا جائے کوئی کہنے والا کہتا ہے: ایک بزرگ نے ہمیں بیان کیا بنا دی یا صاحب الکسانی۔ اسے شعر شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی اپنی مرض میں یوں ندا کیا کرتا تھا: اذہبوا بی الی الطیب و قولوا قد اکتوی یہ کوئی شعر نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے شعر کہنے کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: زیادہ شعر نہ کہا کرو اس کا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ كَمَا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے پاس شعراء کو جمع کرو اور ان سے شعر کے بارے میں پوچھو کیا ان کے ہاں شعر کی پہچان باقی ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے لبید کو حاضر کیا کہا: اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا: ہم شعر پہچانتے ہیں اور ہم شعر کہتے ہیں، انہوں نے لبید سے سوال کیا تو لبید نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام: اَلَمْ يَكُنْ لَكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سَنَا مِمْسَا: شعر نہیں کہا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت شعر کا عیب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُّهُ بِمِمْسَا (عنکبوت: 48) کتابت کے عیب میں سے نہیں ہے جب امت خط کے عیب میں سے نہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ سے شعر کی نفی شعر کا عیب نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مامون نے ابو علی منقری سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو امی ہے تو شعر صحیح نہیں کہہ سکتا اور تو غلطی کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! جہاں تک غلطی کا تعلق ہے بعض اوقات سبقت لسانی سے ایسا ہو جاتا ہے جہاں تک امی ہونے اور شعر کو توڑ دینے کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ بھی تو نہیں لکھتے تھے اور شعر درست نہیں پڑھتے تھے تو مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تین عیبوں کے بارے میں پوچھا تھا تو نے چوتھے کا اضافہ کر دیا ہے وہ جہالت ہے اے جاہل! جہاں تک نبی کریم ﷺ میں اس وصف کا تعلق ہے وہ فضیلت ہے جبکہ تجھ میں اور تیرے جیسے دوسرے افراد میں نقص ہے، نبی کریم ﷺ کو اس سے روکا گیا تھا تا کہ آپ ﷺ سے ایک تہمت کو ختم کیا جائے شعر اور کتابت میں کسی عیب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ شعر کہنا آپ کے لیے مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم ﷺ کی علامات میں سے ایک علامت بنایا ہے تاکہ جن کی طرف آپ ﷺ کو معبود کیا گیا ہے انہیں اشتباہ نہ ہو تو اس سے یہ گمان پیدا نہ ہو کہ آپ قرآن پر اس لیے قوی تھے کیونکہ آپ کو شعر کہنے کی قوت حاصل ہے لہذا کو اس بنا پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں وزن اتفاقاً پایا جا رہا ہے کیونکہ جس کا وزن شعر کے وزن کے موافق ہے جبکہ شعر کا قصد نہیں کیا تو وہ شعر نہیں ہوتا تو عام لوگوں میں سے جو بھی موزوں کلام کرتا وہ شعر ہوتا جبکہ لوگ اسے شاعر نہیں کہتے، جس کی وضاحت پہلے

گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کسی کا شعر دہرانا اور اپنی جانب سے شعر کہنا آپ ﷺ کے لیے آسان نہیں رسول اللہ ﷺ جو تم پر تلاوت کرتے ہیں وہ ذکر اور قرآن حکیم ہے۔

حَيًّا سے مراد دل کا زندہ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ نحاک نے کہا: حَيًّا سے مراد دانشمند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ آپ ﷺ سے ڈرائیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب تاء کے ساتھ قراءت ہو اور خطاب نبی کریم ﷺ کو ہو۔ باقی قراءت نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹے گا یا فعل نبی کریم ﷺ یا قرآن حکیم کی طرف منسوب ہوگا۔ ابن سمیع سے لِيَنْذَرَ مَرْدِيَّ ہے۔ وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی کافروں پر قرآن کے ذریعے حجت ثابت ہو چکی ہے۔

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا عِمَلًا آيِدِيْنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُونَ ۝ وَ ذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ ۝ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝

”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشی پھر اب یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔“

آیت میں رؤیت سے مراد دل کا دیکھنا ہے یعنی کیا وہ نظر و فکر نہیں کرتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچ و بچار نہیں کرتے ان اعمال میں جو ہم نے بغیر مثال کے کیے ہیں اور واسطہ، وکالت اور شراکت کے بغیر کیے ہیں مِنَّا میں ما، الذی کے معنی میں ہے ضمیر ناسم کی طوالت کی وجہ سے حذف کر دی گئی اگر ما کو مصدر یہ بنایا جائے تو ضمیر حذف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انعام یہ نعم کی جمع ہے اور نعم مذکر ہے۔ اب یہ لوگ ان جانوروں کے مالک ہیں اور ان پر غالب ہیں (1)۔ ہم نے ان جانوروں کو ان کے لیے مسخر کیا ہے (2) یہاں تک کہ ایک بچہ بڑے اونٹ کی مہار کو پکڑ کر چلتا ہے، اسے مارتا ہے جیسے چاہتا ہے اس سے کام لیتا ہے اور اس کی طاعت سے نہیں نکلتا ان جانوروں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے رکوب کی عام قراءت راء کے فتح کے ساتھ ہے جس طرح حلوب مخلوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اعمش، حسن بصری اور ابن سمیع نے رُكُوبُهُمْ پڑھا ہے یعنی راء منضموم ہے اور مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے رُكُوبُهُمْ پڑھا ہے ان کے مصحف میں بھی ایسا ہے۔ رُكُوبٌ اور رُكُوبَةٌ کا معنی ایک ہی ہے جس طرح حلوب اور حلوبہ، حملول اور حملولہ۔

نحوی کو فیوں نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: امرأة صبور، شکور اس کے آخر میں ہا ذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں شاة حلوبة، ناقۃ رکوبۃ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر میں فرق کریں کہ کس کا فعل ہے اور کس پر فعل واقع ہو رہا ہے؟ فاعل سے انہوں نے ہاء کو حذف کر دیا ہے اور مفعول میں اسے ثابت رکھا جس طرح شاعر نے کہا:

فيها اثنتان وأربعون حلوبة سودا كخافية الغراب الأشحم (1)

”ان میں بیالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جنہیں دو ہا گیا ہے وہ سیاہ رنگ کی ہیں جس طرح سیاہ کوئے کے پر ہیں۔“ اس تعبیر کی بنا پر رکوبتہم ہونا واجب ہے۔ جہاں تک بھریوں کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں: ہاء تانیث نسبت کی وجہ سے حذف ہے۔ پہلے قول کی دلیل وہ ہے جو جرمی نے ابو عبیدہ سے نقل کی ہے کہا: رکوبۃ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہے اور رکوب صرف جمع کے لیے ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ جمع کے مذکور ہونے کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا: فَمِنْهَا مَا كُوبُهُمْ راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصدر ہے اور رکوب اسے کہتے ہیں جس پر سوار ہوا جاتا ہے، فراء نے اسے جائز قرار دیا ہے یعنی راء کے ضمہ کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فَمِنْهَا أَكْلُهُمْ وَمِنْهَا شَرِبُهُمْ ان میں سے کچھ ان کا کھانا ہے اور ان میں سے کچھ ان کا مشروب ہے اور ان کے گوشت تم کھاتے ہو ان کے کئی اور منافع بھی ہیں یعنی اون، بال وغیرہ ان کی جربیاں اور گوشت وغیرہ۔ مشارب سے مراد ان کے دودھ ہیں (2)۔ یہ منصرف نہیں کیونکہ دونوں جمع ہیں واحد میں ان کی کوئی مثال نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَكْبِرُونَ تَضَرُّهُمْ وَ هُمْ لَهُمْ

جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ۝ فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ ۚ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَ مَا يُعْلِنُونَ ۝

”اور ان ظالموں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو اسے حبیب! ان کا قول، ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔“

ان لوگوں نے ہماری قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھا ہے پھر انہوں نے ہمیں چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی فعل پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ وہ ان کی اس وقت مدد کی امید رکھتے ہیں اگر ان پر عذاب نازل ہو عرب یوں کلام کرتے ہیں لعلة ان يفعل جبکہ وہ معبودان باطلہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ بتوں کے لیے فعل واوون کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جس طرح انسانوں کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

جبکہ کفار ان جھوٹے معبودوں کے حاضر لشکر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان معبودوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: کفار دنیا میں ان کے لیے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں پس کفار ان کے لیے لشکر کے حکم میں ہوتے ہیں جبکہ یہ

معبودان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معبودان باطلہ، اپنے عبادت گزاروں کے لشکر ہوں گے ان کے ساتھ جہنم میں حاضر ہوں گے ان میں سے بعض کا دفاع نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے بت جہنم میں ان کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوں گے کیونکہ یہ بت ان مشرکوں پر لعن طعن کریں گے اور ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معبودان باطلہ ان کے لشکر ہوں گے قیامت کے روز انہیں حاضر کیا جائیگا تاکہ یہ بت ان کے گناہات میں ان کی مدد کریں۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”یہ قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کیا کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت دی جائیگی وہ قوم جہنم کی طرف اس معبود کے پیچھے پیچھے چلے گی پس وہ کفار ان کے حاضر لشکر ہوں گے۔“

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور ترمذی شریف میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ قوموں کو کھلے میدان میں جمع کرنے کا پھر اللہ رب العالمین ان کی طرف جھانکے گا ارشاد فرمائے گا: خبردار! ہر انسان اس کے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا، صلیب کی پوجا کرنے والے کے لیے صلیب کو مثالی صورت دی جائے گی، تصاویر کی پوجا کرنے والے کے لیے تصویر کو مثالی صورت دی جائیگی اور آگ کی پرستش کرنے والے کے لیے آگ کو مثالی صورت دی جائے گی تو جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے پیچھے چلیں گے اور مسلمان باقی رہ جائیں گے (1)“ اور طویل حدیث ذکر کی۔

اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو ٹمگین نہ کرے یَخْرُثُكَ كَوْجَرُكَ سے معروف پڑھنا یہ فصیح لغت ہے عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یُخْرِثُكَ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی ان کا یہ کہنا: وہ شاعر ہے، جادوگر ہے تجھے ٹمگین نہ کرے گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُبْسِرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ قول و عمل کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں پس ہم اس کے مطابق انہیں بدلہ دیں گے۔

أَوْلَمْ يَرَ الْإِنْسَانَ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ لُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝

”کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے لطف سے پیدا کیا ہے پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ عاصی بن وائل سہمی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ابی بن خلف جمحی ہے؛ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

لطف سے مراد تھوڑا سا پانی ہے لطف سے مراد ہے جب وہ ٹپکائے۔ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ سے مراد ہے (3) وہ خصومت میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء من علو أهل الجنة وأهل النار، جلد 2، صفحہ 79، ایضاً، حدیث 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر باوردی، جلد 5، صفحہ 33

2۔ احکام القرآن للطبری، ج 23، صفحہ 38

جدال کرنے والے اور حجت کو بیان کرنے والا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ بعد اس کے کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اب جھگڑنے والا اور حجت کو بیان کرنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک پرانی ہڈی لایا اس نے کہا: اے محمد! کیا تیری یہ رائے ہے کہ اس ہڈی کے بوسیدہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اللہ تعالیٰ تجھے زندہ کرے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا“ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَصْرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٥٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا
الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

”اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے عجیب و غریب مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو، گستاخ کہتا ہے: اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ آپ فرمائیے: اے گستاخ! سن زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وہ بھول گیا کہ ہم نے اسے مردہ نطفہ سے پیدا کیا اور ہم نے اس میں زندگی کو رکھ دیا یعنی اس کی ذات میں ہی جو اب موجود ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا (1)“ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین بعثت کے خلاف پہلی دفعہ پیدا کرنے سے استدلال کیا ہے۔

رَمِيمٌ کا معنی بوسیدہ ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: رَمِيمٌ فَهُوَ رَمِيمٌ وَرَمِيمٌ۔ رَمِيمٌ فرمایا رَمِيمٌ نہیں کہا کیونکہ یہ فاعل سے معدول ہے جو کلمہ اپنے وزن سے معدول ہو اسے اعراب سے بھی پھیر دیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَتْ أُمَّلًا بَغِيًّا ﴿٥٨﴾ (مریم) بَغِيًّا کے آخر سے یاء کو گرا دیا کیونکہ اسے باغیۃ سے پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کافر نے نبی کریم ﷺ سے کہا: بتائیے اگر میں اسے پس دوں اور ہو میں بکھیر دوں کیا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا (2)؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فرمادیتے: وہ ذات اسے زندہ کرے گی جس نے اسے پہلی بار بغیر مثال کے پیدا کیا تو وہ دوبارہ کسی شے کو پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے (3) وہ شے عَجْمُ الذَّنْبِ ہے اسے عَجْبُ الذَّنْبِ بھی کہتے ہیں۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ وہ ہر چیز کو جانتا ہے یعنی کیسے اسے پہلی دفعہ پیدا کرنا ہے اور کیسے اسے دوبارہ پیدا کرنا ہے (4)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہڈیوں میں زندگی ہے اور موت کے ساتھ وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؛ یہ امام ابوحنیفہ اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: ہڈی میں کوئی زندگی نہیں۔ یہ بحث سورہ نحل میں پہلے گذر چکی ہے۔

اگر یہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ سے مراد اصحاب عظام لیے ہیں اور مضاف الیہ کا مضاف کی جگہ واقع ہونا

لغت میں بہت زیادہ ہے اور شریعت میں بھی موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت ہو جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں جو اس اضمار کا باعث ہو یہاں تک کہ اس تقدیر کلام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اس پر قادر ہے حقیقت اس کی گواہی دیتی ہے کیونکہ احساس جو زندگی کی علامت ہے اس میں موجود ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٥﴾ أَوَلَيْسَ
الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ ۚ وَهُوَ الْخَلَّاقُ
الْعَلِيمُ ﴿٦﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٧﴾ فَسُبْحَانَ
الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨﴾

”جس نے اپنی حکمت سے رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی چھوٹی سے مخلوق بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس۔ وہ برعیب سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹا یا جائیگا۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متنبہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی کمال قدرت پر دلیل قائم کی ان چیزوں سے جنہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تر لکڑی سے ایسی چیز نکالی جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور خشک ہوتی ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے کہا: نطفہ زندگی کی طبیعت کی وجہ سے گرم تر ہے اور ہڈی موت کی طبیعت کی بنا پر ٹھنڈی اور خشک ہے تو اس سے زندگی کیسے نکلتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ سرسبز درخت پانی سے جنم لیتا ہے پانی ٹھنڈا تر ہے جو آگ کی ضد ہے یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ نے اس سے آگ کو پیدا کیا تو وہ اس پر قادر ہے کہ ضد کو ضد سے نکالے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد مَرْمَرٌ اور عَفَّارٌ میں جو آگ ہے، یہ عربوں کی زنادہ ہے؛ اسی سے ان کا قول ہے: نَفِي كُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَشْجَدُ الْمَرْمَرُ وَالْعَفَّارُ۔ (1) ہر درخت میں آگ ہے مرمخ اور عفار نے خوب حصہ لیا عفار کو زندہ کہتے ہیں یہ اوپر والی لکڑی ہے مرمخ زندہ ہے یہ نیچے والی لکڑی ہے؛ دونوں سے دو ٹہنیاں لی جاتی ہیں جس طرح دو مسواک ہوتے ہیں دونوں پانی گرا رہی ہوتی ہیں ایک کو دوسری کے ساتھ رگڑا جاتا ہے تو ان دونوں سے آگ نکلتی ہے۔

الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ فرمایا الخضراء نہیں فرمایا جبکہ یہ جمع ہے (2) کیونکہ اسے (الأخضر) کے لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ عربوں میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں: الشجر الخضراء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِنْ شَجَرٍ مِنْ زُقُومٍ ﴿٦﴾ فَمَا لِيُونِ

مِنْهَا الْبُطُونُ ﴿٥٦﴾ (الواقعہ) پھر اللہ تعالیٰ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ، مثلہم سے مراد بعث کا انکار کرنے والوں کی مثل ہے سلام، ابو منذر اور یعقوب حضرمی نے یَقْدِرُ عَلٰی أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ پڑھا ہے کہ یقدر فعل ہے۔ بتلی: کیوں نہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ان کو پیدا کرنے سے بہت بڑھ کر ہے وہ ذات پاک جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ انہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿٥٧﴾ وہ خلاق و علیم ہے حضرت حسن بصری نے اسے خالق پڑھا ہے (1)۔

کسائی نے فیکون نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا عطف یقول پر ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشقت و تھکاوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْ كَرَّ لِيْٓعِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اپنی ذات کی عجز و انکساری سے پاکی بیان کی ہے ملکوت اور ملکوتی عربوں کے کلام ہیں ملک کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں: جبوتی خید من رحبوتی۔ میرا جبروت، میرا رحوت سے بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مَلَكُوتٌ كُلُّ شَيْءٍ سے مراد ہر شے کی چابیاں ہیں۔ طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور اعش نے اسے مدکۃ پڑھا ہے یہ ملکوت کے معنی میں ہے مگر یہ مصحف کے خلاف ہے۔

وَالْيَوْمِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٨﴾ تمہاری موت کے بعد اسی کی طرف تمہیں لوٹا یا جائے گا عام قراءت تاء کے ساتھ ہے اور خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمی، زر بن جیش اور حضرت عبد اللہ کے شاگردوں نے یرجعون پڑھا ہے۔

سورۃ الصافات

﴿سبأ ۱۸۲﴾ ﴿سورة الصافات ۵۲﴾ ﴿مکوعا ۵﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰفّٰتِ صَفّٰٓٔ ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ۙ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوٰحِدٌ ۙ رَبُّ

السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۗ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۙ

”قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑکنے والوں کی، پھر قرآن

کی تلاوت کرنے والوں کی کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے

درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا۔“

ان تین آیات کی جو قراءت مردج ہے۔ یہی اکثر قراءت کی قراءت ہے۔ حمزہ نے ان میں ادغام کے ساتھ قراءت کی ہے یہ وہ قراءت ہے جب امام احمد بن حنبل نے اسے سنا تو اسے ناپسند کیا۔ نحاس نے کہا: تین وجوہ سے لغت عربی میں یہ بعید ہے: (1) تاء صاد کے مخرج میں سے نہیں، زاء کے مخرج میں سے نہیں، ذال کے مخرج میں سے نہیں نہ ہی ان کے اخوات کے مخرج میں سے ہے اس تاء کی اخت، طاء اور ذال ہے زاء کی اخت، صاد اور سین ہے ذال کی اخت، ظاء اور ثاء ہے۔ (2) تاء ایک کلمہ میں ہے اور دوسرے حروف دوسرے کلمہ میں ہیں۔ (3) جب تو انہیں جمع کرے گا تو تو دو کلموں کے دو ساکنوں کو جمع کریگا اس جیسی صورت میں دو ساکنوں کو اس وقت جمع کرنا جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں جس طرح دابة، شابه۔ حمزہ کی قراءت کے جواز کی صورت یہ بنتی ہے کہ تاء ان حروف کا قریب الخرج ہے الصّٰفّٰتِ یہ قسم ہے یہاں واو، باء کا بدل ہے معنی ہے صافات کے رب کی قسم فالزّٰجِرٰتِ کا اس پر عطف ہے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوٰحِدٌ ۙ یہ جواب قسم ہے کسائی نے قسم میں ان کے حمزہ کو فتح دینا جائز قرار دیا ہے الصافات سے لے کر التالیات تک سے مراد فرشتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ فرشتے آسمان میں اسی طرح صف باندھتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوقات نماز کے لیے صفیں باندھتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فضا میں اپنے پروں کو صف در صف کیے ہوتے ہیں (2) وہ فضا میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح غلام اپنے مالکوں کے سامنے صفیں بنائے کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لیے صفیں بناتے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ قَوْقُثَهُمُ (الملک: 19)** صف کا معنی ہے جمعیت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے۔
الصافات اس کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: جماعة صافة پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **الضَّفَّتِ** سے مراد مومنوں کی جماعت ہے (1) جب وہ نماز یا جہاد میں صف میں کھڑے ہوتے ہیں؛ یہ امام قشیری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، مسروق اور دوسرے علماء کے نزدیک **فَالْزُّجُورِ** سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے یا اس لیے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔

فَالْتَلَيْتِ ذِكْرًا ① سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، جبیر اور سدی کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور قبعین سے خالی نہیں ہوتے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَنْقُضُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ (نمل: 76)** قرآن کی آیات کو تالیات کہنا اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صفات میں فاء عاطفہ کس حیثیت سے آئی ہے؟ اسے کہا جائے گا: یا تو یہ وجود (پائے جانے) میں معانی کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے جس طرح یہ شعر ہے:

يَأْتِيكَ زَيَابَةٌ لِلْحَارِثِ الصَّابِحِ فَالْغَائِمِ فَالْأَيِّبِ (3)

”زیابہ کا حارث کے لیے افسوس جس نے صبح کے وقت حملہ کیا غنیمت حاصل کی اور صبح و سالم واپس لوٹ گیا“۔ یا بعض اعتبارات سے باہم فرق کی بنا پر انہیں مرتب کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: **عِذَ الْاَفْضَلِ فَالْاَكْمَلِ**۔ و **اَسْبَلِ الْاَحْسَنِ وَالْاَجْمَلِ**۔ افضل کو پھر اکمل کو لو۔ احسن پھر اجمل کام کرو یا صفات کے موصوفات میں ترتیب ثابت کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: **رَحِمَ اللهُ الْمُحَلِّقِينَ فَالْمَقْصَرِينَ (4)** حلق کرانے والوں پر رحم فرما پھر قصر کرانے والوں پر رحم فرما۔ ان تین قوانین کی بناء پر صفات میں فاء عاطفہ لایا جاتا ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ یہ جواب قسم ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کفار نے کہا: تو تمام معبودوں کو ایک معبود بناتا ہے وہ ایک خدا تمام مخلوقات کو کیسے کافی ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے عظمت و شان کو ظاہر کرنے کے لیے ان صفات کے ساتھ قسم اٹھائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن انباری نے کہا: یہاں پر وقف کرنا اچھا ہے پھر رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے تو ابتدا کرے معنی یہ ہوگا وہ آسمانوں کا رب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد سے بدل ہو۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں صورتوں میں لو احد پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ انفس نے رب السموات و رب المشارق پڑھا ہے اس صورت میں یہ ان کے اسم کی صفت ہوگی یعنی آسمان اور زمین کا خالق اور ان لوگوں کا مالک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا کہ وہ رب السموات و الارض یعنی ان کا خالق و مالک ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ یعنی سورج کے مطلع کا مالک۔ حضرت ابن عباس نے کہا: سورج کا ہر روز ایک مشرق اور مغرب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے مطلع کے لیے تین سو پینسٹھ روشن دان بنائے ہیں اسی طرح مغرب میں دنوں کی تعداد کے مطابق غروب ہونے کے لیے روشن دان بنائے ہیں ہر روز ان میں سے ایک روشن دان سے وہ طلوع ہوتا ہے اور ایک روشن دان میں غائب ہوتا ہے۔ وہ اگلے سال اسی روشن دان سے طلوع ہوتا ہے وہ طلوع نہیں ہوتا مگر مجبوری کے عالم میں ہی طلوع ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے اپنے بندوں پر طلوع نہ کر کیونکہ وہ تیری نافرمانی کرتے ہیں: ابو عمر نے اسے کتاب التہید میں ذکر کیا ہے۔ ابن انباری نے کتاب الرد میں عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: مجھے بتائیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امیہ بن صلت کے بارے میں مروی ہے امن شعرة و كفر قلبه فرمایا: وہ حق ہے تم نے اس میں سے کس چیز کو عجیب جانا ہے؟ میں نے کہا: ہم نے اس کے اس قول کو عجیب و غریب جانا ہے:

وَالشَّمْسُ تَطْغَمُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ حَمَاءً يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَزَّدُ
لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهُمْ فِي رَسِيلِهَا إِلَّا مُعَذِّبَةٌ وَإِلَّا تُجَلِّدُ

”سورج ہر رات کے آخر میں سرخ طلوع ہوتا ہے صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کے پھول کی طرح ہو جاتا ہے وہ ان پر طلوع نہیں ہوتا مگر اسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے اور کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں۔“ کیا وجہ ہے کہ سورج کو کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! سورج کبھی بھی طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اسے کچو کے دیتے ہیں، فرشتے اسے کہتے ہیں: تو طلوع ہو، تو طلوع ہو۔ وہ کہتا ہے: میں اس قوم پر طلوع نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری اطاعت کرتی ہے۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور انسانوں کی روشنی کے لیے اسے اوپر اٹھاتا ہے، شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے طلوع ہونے سے روکنے کا ارادہ کرتا ہے سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سورج کے نیچے جلا دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی یہی

مطلب ہے؛ ”یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور جب بھی غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتا ہے، شیطان اس کے پاس اسے سجدے سے روکنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیچے جلا دیتا ہے۔“ یہ انباری کے الفاظ ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ بن ابی صلت کے اس شعر کی تصدیق کی۔

زُحَلٌ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِينِهِ وَالنَّسَاءُ لِأَخْرَى وَلَيْثٌ مُرْصَدٌ
وَالنَّسَسُ تَطْلَعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ حَمَاءٌ يَصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ
لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهَا فِي رِسْلِهَا إِلَّا مُعَذِّبَةٌ وَإِلَّا تُجَدُّ

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: اے میرے آقا! کیا سورج کو بھی کوڑے مارے جاتے ہیں؟ فرمایا: اسے سیرابی نے کوڑوں پر مجبور کر لیا لیکن وہ عقاب سے ڈرتا ہے مطالع کا ذکر مغارب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: سَمَاءٍ بِيَلِّ تَقِيكُمْ الْخَرَّ (النحل: 81) مشارق کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ طلوع غروب سے پہلے ہوتا ہے۔ سورہ الرحمن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ مشرقین سے مراد وہ دور دراز کا مطلع ہے جہاں سے طویل ترین دن سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھوٹے ترین دن میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے جس طرح سورہ یس میں گزرا ہے۔

إِنَّا زَيْنًا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَا
يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَاِئِطِ وَيُقَدِّفُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۝ لَهُمْ عَذَابٌ
وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَن خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

”بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور اسے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان کی رسائی سے نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ۔“

قتادہ نے کہا: ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں (1)، شیطین کو رجم کرنے کے لیے، ایسے نور کے لیے جس کیساتھ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آسمان دنیا کی زینت کے لیے۔ مسروق، اعش، نخعی، عاصم اور حمزہ نے بزینۃ پڑھا ہے یعنی مجرور اور منون اور الکواکب کو زینۃ سے بدل کے طور پر مجرور پڑھا ہے کیونکہ کواکب ہی زینت ہیں۔ ابوبکر نے اسی طرح پڑھا ہے مگر الکواکب کو زینۃ مصدر کی وجہ سے نصب دی ہے اس کا معنی ہے ہم نے آسمانوں سے ستاروں کو مزین کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کی وجہ سے منصوب ہو گیا کہا: ہم نے اسے زینت سے مزین کیا ہے یعنی ستاروں سے مزین کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زینۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے زینۃ الکواکب پڑھا جائے معنی ہوگا اس کی زینت

ستارے ہیں یا معنی ہو۔ یہی کواکب ہیں۔ باقی قراء نے اسے اضافت کے ساتھ بزینۃ الکواکب پڑھا ہے معنی ہے ہم نے آسمان دنیا کو کواکب کی تزئین کے ساتھ مزین کیا یعنی ان کے حسن کے ساتھ مزین کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ قراءت تو اس کی قراءت کی طرح ہو جس نے اسے تنوین دی مگر تخفیف کے لیے اسے حذف کر دیا و حفظاً یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی حفظناہ حفظاً۔

قَوْلُ كَلَّمَ شَيْطَانٍ مَا يَرِدُ ۝ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ فرشتے آسمان سے وحی کے ساتھ نازل ہوتے ہیں تو یہ بھی واضح کیا اللہ تعالیٰ نے کواکب کے ساتھ آسمان کو مزین کرنے کے بعد آسمان کی اس چیز سے حفاظت کا اہتمام کیا کہ کوئی چوری چھپے آسمان کی خبریں سن لے۔ مار دجنوں اور انسانوں میں سے جو سرکش ہوتا ہے اسے کہتے ہیں، عرب اسے شیطان کہتے ہیں۔ لَا يَسْتَعُونَ إِلَىٰ الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ ابُو حَاتِمٍ نے کہا کلام اس طرح ہے لثلاً يسعوا پھر ان کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو رفع دیا گیا الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ سے مراد آسمان دنیا اور دوسرے آسمانوں والے ہیں۔ تمام کو اعلیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین کے مکینوں کی نسبت وہ اعلیٰ ہیں يَسْتَعُونَ میں ضمیر شياطين کے لیے ہے جمہور نے اسے يَسْتَعُونَ پڑھا ہے یعنی سین ساکن ہے اور میم مخفف ہے حمزہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں لَا يَسْتَعُونَ پڑھا ہے اس وقت یہ تسمیع سے مشتق ہے ۞، پہلی قراءت کی صورت میں اس کے سماع کی نفی کر دی ہے اگرچہ وہ سننے کی کوشش کریں گے۔ یہی صحیح معنی ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء)

دوسری قراءت کی صورت میں ان سے استماع اور سماع دونوں کی نفی واقع ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سننے کی کوشش کریں گے اور سن نہ سکیں گے يَسْتَعُونَ کی اصل يَتَسَمَعُونَ ہے (1) تاء کو سین میں مدغم کر دیا گیا ہے کیونکہ تاء سین کا قریب المخرج ہے؛ ابو عبیدہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کم ہی کہتے ہیں: سمعت إليه وہ کہتے ہیں سمعت إليه و يقذفون من كل جانب انہیں ہر جانب سے شہانچے مارے جائیں گے۔ دحور مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ يُقَذِّفُونَ کا معنی بھی یدحرون ہے دحرتہ دحرا و دحورا یعنی میں نے اسے دھتکار دیا۔ سلمیٰ اور یعقوب حضرمی نے دَحْوَرًا پڑھا ہے اس وقت یہ فَعُول کے وزن پر مصدر ہوگا جہاں تک فراء کا تعلق ہے انہوں نے اسے اسم فاعل کی حیثیت دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقذفون بسا یدحروہم یعنی دحور سے پہلے باء حذف ہے کوئی اس کو اکثر استعمال کرتے ہیں جس طرح انہوں نے یہ شعر کہا:

تَسْرُؤُنُ الدِّيَارِ وَلَمْ تَعُوجُوا

یہاں الدیار سے پہلے باء حذف ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شہانچوں کے ساتھ مارنا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھا یا بعثت کی وجہ سے اس کے بعد تھا اس بارے میں دو قول ہیں: اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے روایات سورہ جن میں آئیں گی۔ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے جنہوں نے یہ کہا: شياطين کونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت سے قبل نہیں مارا جاتا تھا پھر انہیں مارا جانے لگا یعنی انہیں ایسا نہیں مارا جاتا تھا جو انہیں سننے سے روک دے لیکن انہیں کسی وقت مارا جاتا اور کسی وقت نہ مارا جاتا، ایک جانب سے مارا جاتا اور دوسری طرف سے نہ مارا جاتا شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝** سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے انہیں بعض جوانب سے ہی مارا جاتا تھا تو اب ان کے لیے دائمی عذاب ہے اس سے قبل وہ انسانوں کی جانب سے جاسوسی کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی اس کی حاجت پوری کر دیتا اور کوئی اسے پورا نہ کر سکتا کوئی محفوظ رہتا اور کوئی محفوظ نہ رہتا بلکہ اسے پکڑ لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت میں اضافہ کر دیا گیا ان کے لیے ایسے شہانچے تیار کیے گئے جو پہلے تیار نہیں کیے گئے تھے تاکہ آسمان کی تمام جوانب سے انہیں پتھر مارے جائیں پہلے جن جگہوں پر وہ بیٹھتے تھے وہ اب وہاں نہ بیٹھ سکیں جو چیز آسمان میں جاری ہوتی اب وہ اس کے سماع پر قادر نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز تیزی سے اچک لیں تو زمین کی طرف آنے اور اپنے دوستوں تک اسے القاء کرنے سے قبل کوئی شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرے اور اسے جلا دے اس طرح کہانت باطل ہوگئی اور رسالت و نبوت حاصل ہوگئی۔

اگر سوال کیا جائے: اگر یہ شہانچوں کے ساتھ مارنا نبوت کی وجہ سے تھا تو نبی کریم ﷺ کے بعد بھی یہ سلسلہ کیوں جاری رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی قائم و دائم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کہانت کے باطل ہونے کی خبر دی ہے فرمایا: لیس منا من تکهن جس نے کہانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔ اگر سرور و عالم ﷺ کے بعد حفاظت و نگہبانی کا سلسلہ نہ ہوتا تو جن پھر سننا شروع کر دیتے اور کہانت لوٹ آتی تو یہ باطل ہونے کے بعد جائز نہیں کیونکہ جب حفاظت نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی تو حفاظت و نگہداشت کا ختم ہونا اور کہانت کا دوبارہ شروع ہونا ضعیف مسلمانوں کے لیے شبہ کا باعث ہوتا اور اس کا خوف موجود تھا کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ کہانت اس لیے لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا **وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝**۔ واصب کا معنی دائم ہے یہ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی شدید ہے۔ کلبی، سدی اور صالح نے اس کا معنی موجد کیا ہے یعنی جس کا درد دل تک جا پہنچتا ہے۔ یہ وصب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مرض ہے (1)۔

إِلَّا مَنْ خَطَفَ الْخَطْفَةَ يَوْمَ يُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: استثناء غیر وحی کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْرُؤُونَ ۝** فرشتے ایک دوسرے کو جو بات پہنچاتے یہ ان میں سے کوئی چیز چوری چھپے سن لیتے یہ ان امور میں سے ہوتے جو عالم میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے جبکہ اہل زمین کو اس کا

ابھی علم نہ ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ شیاطین کے اجسام خفیف ہوتے تو اس وقت انہیں شہا بچوں سے مارا جاتا۔ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں کی طرف بلند ہوتے (1) وہ ایک دوسرے کے اوپر سننے کے لیے بیٹھتے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا آسمان کے زیادہ قریب ہوتا پھر اس طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ہوتے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے بارے میں حکم دیتے اہل سموات اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے تو قریبی شیطان اسے سن لیتا اور وہ اسے نیچے والے کی جانب القا کرتا کبھی شہا بچہ اسے جلا دیتا اور بعض اوقات وہ کلام القا کر لیتا اور شہا بچہ اسے نہ جلاتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو وہ بات کاہنوں تک جا پہنچتی وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے اور وہ بات سچی ہوتی جس طرح ہم نے سورہ الانعام میں بیان کیا ہے جاہل سب کو سچ تسلیم کر لیتے۔

جب اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی تو کوئی شیطان نہ بچا جس نے کوئی حتمی بات سنی مارے جانے والے ستارے وہی ہیں جنہیں لوگ ٹوٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نقاش اور کئی نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان میں جاری ہیں کیونکہ ان کی حرکت نہیں دیکھی جاتی یہ پھینکے جانے والے ستارے ہیں جن کی حرکت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان ستاروں میں سے قریب ترین ہیں۔ سورہ حجر میں اس کے بارے میں کافی وضاحت گذر چکی ہے۔ ہم نے سورہ سباء میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے اس میں ہے: ”شیاطین ایک دوسرے کے اوپر تھے“۔ (2) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”شیاطین تیزی سے اچک لیتے ہیں (3) تو انہیں شہا بچے مارے جاتے ہیں وہ ان باتوں کو اپنے دوستوں کی طرف القا کرتے ہیں جو وہ بات اس طریقہ پر کریں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں“ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ خطف کا معنی تیزی سے کسی چیز کو لے لینا ہے۔ یہ لفظ یوں استعمال ہوتا ہے خُطِفَ، خَطِفَ، خَطَفَ اور خِطَفَ۔ مشد میں اصل اختطف ہے تاء کو طاء میں مدغم کیا گیا کیونکہ یہ اس کی اخت ہے خاء کو فتح دیا گیا ہے کیونکہ تاء کی حرکت اس پر ڈالی گئی ہے۔ جس نے اسے کسرہ دیا تو وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جس نے طاء کو کسرہ دیا ہے تو اس نے کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔

ثاقب سے مراد روشن ہے؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد آگ کے ستارے ہیں جو ان کا پیچھا کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الشہب کے بارے میں فرمایا: وہ ان شیاطین کو موت کے بغیر جلاتے ہیں وہ شہا بچے جن کے ساتھ لوگوں کو مارا جاتا ہے وہ ان ثابت ستاروں سے نہیں ہوتے اس پر ان کی حرکات کا دکھائی دینا دلالت کرتا ہے ثابت کو اکب چلتے ہیں ان کی دوری کی وجہ سے ان کی حرکات دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بحث بھی گذر چکی ہے۔

شہاب کی جمع شہب ہے جمع قلت میں قیاس اشبہ ہے اگرچہ عربوں سے یہ جمع کا وزن نہیں سنا گیا۔ ثاقب کا معنی روشن ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابو مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے:

وَ زَنْدُكَ أَثْقَبُ أَزْنَادِهَا

یعنی تیری زند (وہ لکڑی جس سے آگ روشن کی جاتی تھی) تمام زندوں سے زیادہ روشن ہے انفس نے اس کی جمع کے بارے میں کہا شُهْبٌ ثُقُبٌ، ثواقب اور ثقباب۔ نسائی نے کہا: ثقتبت النار تثقب ثقابة وثقوبا، جب وہ روشن ہو اثنقتبتھا انا میں نے اسے روشن کیا۔ زید بن اسلم نے ثاقب کے بارے میں کہا: وہ روشن ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے اَثْقَبُ زَنْدُكَ یعنی اپنی آگ روشن کر، یہ انفس کا قول ہے اور شاعر کا قول پڑھا:

بَيْنَا السَّرُّ شِهَابٌ ثاقِبٌ ضَرَبَ الدَّهْرُ سَنَاةً فَخَذَ (1)

اس اثناء میں کہ انسان ایک روشن ستارہ ہوتا ہے زمانہ اس کی چمک کو ضرب لگاتا ہے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

فَأَسْتَفْتِيهِمْ أَهْمٌ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ
وَيَسْخَرُونَ ۝ وَإِذَا دُكِرُوا لَا يَدْرِكُونَ ۝ وَإِذَا سَأُوا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝
وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ عَرَادًا مِثْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۚ إِنَّا
لَسَبْعُوثُونَ ۝ أَوْ آبَاءُؤُنَا الْأَوْلُونَ ۝

”پس آپ ان سے پوچھیے: آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا دوسری چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں قدرت کے کرشمے دیکھ کر اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: نہیں ہے مگر یہ کھلا جادو، کیا جب ہم مرجائیں گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟“۔

یعنی اہل مکہ سے پوچھیے۔ یہ مفتی سے فتویٰ طلب کرنے سے ماخوذ ہے اَمْ مَنْ خَلَقْنَا سے مراد آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں فرشتے اور سابقہ امتیں داخل ہیں اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: من سے مراد سابقہ امتیں ہیں (3) جو ہلاک ہو چکیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے یہ آیت اشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسے ابوایشد اس لیے کہا گیا کیونکہ اس کی پلڑ اور قوت بہت زیادہ تھی اس کا ذکر سورہ البلد میں آئیگا اس کی مثل یہ آیت ہے: لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: 57) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ السَّمَاءُ (النازعات: 27)

لَا زِبَّ كَالْمَعْنَى لَيْسَ دَارِ مَثَلِي هِيَ؛ يَهْ بِهْ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهَذَا مِمَّا كَا قَوْلُ هِيَ۔ اِسْ مَعْنَى مِثْلِ حَضْرَتِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي تَالِبٍ كَا قَوْلُ هِيَ:

تَعَلَّمْ فَإِنَّ اللَّهَ زَادَكَ بَسْطَةً وَأَخْلَقَ خَيْرَ كُلِّهَا لَكَ لَا زِبُّ (1)

علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تیرے جسم اور بھلائی کے اعمال میں اضافہ کرے وہ سب تیرے ساتھ واسطہ ہوں۔

قنادہ ابن زید نے کہا: لَا زِبَّ كَالْمَعْنَى ہے چمٹنے والی۔ ماوردی نے کہا: لاصق اور لاذق میں فرق یہ ہے (2) کہ لاصق اسے کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ دوسرے کے ساتھ چمٹنا ہو اور لاذق اسے کہتے ہیں جو جس چیز کے ساتھ لگتا ہے اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ نکرہ نے کہا: لَا زِبَّ كَالْمَعْنَى لَزِجٌ ہے یعنی لیسدار۔ سعید بن جبیر نے کہا: گرم گوند جو ہاتھ سے چمٹ جائے۔ مجاہد نے کہا: لَا زِبَّ سے مراد لازم ہے عرب کہتے ہیں: طین لاذب، لازم۔ باء میم سے بدلی ہوئی ہے اس کی مثل ان کا قول ہے: لاتب، لاتب باء میم سے بدلی ہوئی ہے لاذب کا معنی ثابت ہے تو کہتا ہے: صار الشئ ضرباً لاذب۔ یہ ضربہ لازم سے زیادہ بلیغ ہے تاغی نے کہا:

وَلَا تُحْسِبُونَ الْخَيْرَ لِأَشَرٍ بَعْدَهُ وَلَا تُحْسِبُونَ الشَّرَّ ضَرْبَةً لَّازِبٌ (3)

تم خیر کو گمان نہیں کرتے اس کے بعد شر نہیں ہوگی اور تم شر کو ضرب لاذب خیال نہیں کرتے۔

فراء نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے: طین لاتب یہ لازم کے معنی میں ہے لاتب کا معنی ثابت ہے اسی سے تو یہ باب ذکر کرتا ہے لَتَّبَ يَلْتَبُّ لَتَّبًا وَتُثْبَا وَتُثْبَا يَهْ لَزَبٌ يَلْزُبُ لَزُوبًا كِي طَرْحِ هِيَ۔ ابوجراح نے لاتب کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے:

فَإِنَّ يَكُ هَذَا مِنْ نَبِيذٍ شَرِبْتَهُ فَإِنَّ مِنْ شَرِبِ النَّبِيذِ لَتَائِبُ

صَدَاعٌ وَتَوَصِيمٌ الْعِظَامِ وَفَقْرَةٌ وَغَمٌّ مَعَ الْإِشْرَاقِ فِي الْجَوْفِ لِاتِبُ (4)

”اگر یہ اس نبیذ سے ہے جسے میں نے پیا ہے تو میں نبیذ کو پینے سے تائب ہوں سر درد، ہڈیوں میں سراخ، شگستگی اور چمٹ جانے والا غم جبکہ پیٹ میں آگ روشن ہے۔“ لاتب سے مراد لاحق ہے جو لاذب کی مثل ہے؛ اصمعی سے جوہری نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی اور کلیبی نے کہا: لاذب سے مراد خالص ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد بد بودار ہے۔

بَلِّ عَجِبْتُ وَيَسْخَرُونَ ۝ اہل مدینہ، ابو عمر و اور عاصم نے عجبیت کو تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی قرآن میں سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے آپ تعجب کا اظہار کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ شریع کی قراءت ہے اور ضمہ والی قراءت کرنا پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بلکہ وہ جو بعث کا انکار کرتے ہیں اس پر آپ تعجب اظہار کرتے ہیں۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور فراء نے اسے پسند کیا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے اسے بل عجبیت پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

فراء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ** ① کے بارے میں کہا: لوگوں نے اسے تاء کے رفع اور نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ رفع مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا، حضرت عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابو زکریا فراء نے کہا: فعل عجب کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو اس کا وہ معنی نہ ہوگا جو معنی اس وقت ہوگا جب اسے بندوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمُ (البقرة: 15)** اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی صورت میں اس کا وہ معنی نہیں ہوگا جو معنی بندوں کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں شرح کے قول کا رد ہے جب اس نے اس قراءت کا انکار کیا۔

جریر اور اعمش نے ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے بل عجبت ویسخرون پڑھا ہے۔ شرح نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی وجہ سے تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا (1)۔ اعمش نے کہا: میں نے ابراہیم کے سامنے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: شرح کو اپنی رائے اچھی لگتی ہوگی بے شک حضرت عبداللہ شرح سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ اسے بل عجبت پڑھتے۔ ہر وی نے کہا: بعض ائمہ نے کہا بل عجبت کا معنی ہے بلکہ میں انہیں کے تعجب پر بدلہ دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مواقع پر ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ حق سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں: **وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ (ص: 3)** فرمایا: **إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ** ② ارشاد فرمایا: **أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِنْهُمْ (يونس: 2)** اللہ تعالیٰ کا فرمان: **بَلْ عَجِبْتَ** بلکہ میں نے انہیں ان کے تعجب پر سزا دی۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کے قول کا خلاصہ ہے؛ بیہقی نے اسے پسند کیا۔ علی بن سلیمان نے کہا: دونوں قراءتوں کا معنی ایک ہی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قل ای محمد بل عجبت، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ نوح اس نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے۔ قول اکثر مضمحل ہوتا ہے بیہقی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے نفس کے بارے میں تعجب کے اظہار کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جس نے اس کا انکار کیا اس کے بارے میں اس نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے اسے مخلوق کی جانب سے تعجب کے قائم مقام رکھ دیا جائے جس طرح جس بات پر وہ راضی ہوتا ہے اس کے بارے میں خبر دینے کو ضحک پر محمول کیا جاتا ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا ہے کہ جس سے وہ راضی ہو اس کے اظہار کو مجازاً مخلوقات کے ضحک کے قائم مقام رکھا۔

ہر وی نے کہا: عجب ربکم کا معنی ہے تمہارا رب راضی ہو اور اس نے بدلہ دیا اسے عجب کا نام دیا مگر حقیقت میں وہ عجب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَيَمَكُرُ اللَّهُ (انفال: 30)** اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مکر پر بدلہ دیتا ہے اس کی مثل حدیث ہے: عجب ربکم من انکم و قنوطکم (2) تمہارا رب تمہاری آواز آری اور تمہاری مایوسی پر تمہیں بدلہ دیتا ہے۔ بعض اوقات عجب کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتا ہے اس صورت میں بل

قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٩٧﴾ وَقَالُوا

يَوْمَئِذٍ هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٩٨﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٩٩﴾

”فرمائیے: ہاں ضرور اسی حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے۔ پس قیامت تو ایک جھڑکی ہوگی پس وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے: ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے۔ ہاں ہاں یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

قُلْ نَعَمْ ہاں تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٩٦﴾ جبکہ تم ذلیل و خوار ہو گے کیونکہ جس چیز کا انہوں نے انکار کیا تھا اس کے وقوع کو دیکھیں گے تو لامحالہ وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عنقریب قیامت برپا ہوگی اگرچہ تم ناپسند کرو تمہارے نہ چاہتے ہوئے یہ امر واقع ہوگا اگرچہ تم اپنے گمان کے مطابق اس کا انکار کرو۔

یہ تو ایک چیخ ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ اس سے مراد دوسرا نغمہ ہے۔ صیغہ کوز جرحہ کا نام دیا ہے (2) کیونکہ اس سے مقصود جھڑکنا ہی ہے یعنی اس کے ساتھ انہیں جھڑکا جائے گا جس طرح ہاتکتے وقت اونٹوں اور گھوڑوں کو جھڑکا جاتا ہے تو وہ کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انتظار کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کہا گیا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا (انبیاء: 97) ایک قول یہ کہا گیا ہے: وہ اس بعث کو دیکھیں گے جس کا انہوں نے انکار کیا۔

وَقَالُوا يَوْمَئِذٍ هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٩٨﴾ وہ اپنے لیے ہلاکت کو پکاریں گے کیونکہ اس روز انہیں علم ہے جو ان پر واقع ہونے والا ہے۔ بصریوں کے نزدیک دیل کا لفظ منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا ہے: اس کی تقدیر کلام یوں ہوگی یاد ی لنا اور دی، حزن کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: اگر یہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا تو یہ الگ ہوتا جبکہ مصحف میں یہ متصل ہے ہم بر کسی کو جانتے ہیں کہ وہ اسے متصل ہی لکھتا ہے يَوْمُ الدِّينِ سے مراد یوم حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم جزا ہے۔

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٩٩﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کا ایک دوسرے کے لیے قول ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس کو ہم نے جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے یہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے وہ حق پرست کو باطل پرست سے الگ کر دے گا پس ایک جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ہوگا۔

أَحْسَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَرْوَاهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿١٠٠﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ
إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿١٠١﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ ﴿١٠٢﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ﴿١٠٣﴾ بَلْ

هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَلِمُونَ ﴿١١﴾ وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٢﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا
 كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿١٣﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ
 مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِينَ ﴿١٥﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۗ إِنَّا لَذٰ آيِقُونَ ﴿١٦﴾
 فَاَعْوَيْنَاكُمْ ۖ إِنَّا كُنَّا غٰوِينَ ﴿١٧﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ
 نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ ۗ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٠﴾

”اے فرشتو! جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو جہنم کی راہ کی طرف اور (اب ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی، تمہیں کیا ہو گیا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے جائیں گے اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف اور سوال و جواب کیے جائیں گے۔ پیر و کار سرداروں سے کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفرے سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کیا کرتے تھے) وہ جواب دیں گے: بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خواہ مخواہ) ہم عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اس طرح سلوک کرتے تھے مجرموں کے ساتھ (کفار کا یہ حال ہے کہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔“

أَحْسَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ وَأَرْوَاهُمْ يَهْلِكُوا بِعَذَابِ اللَّهِ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ (لقمان) کافر کو کافر کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ قنادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر کرتے ہوئے کہا: بدکار کو بدکار کے ساتھ، شرابی کو شرابی کے ساتھ اور چور کو چور کے ساتھ اٹھایا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آروا جہم سے مراد ان کی مثل ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آروا جہم سے مراد ان کی وہ بیویاں ہیں جو شرک میں ان کے موافق ہیں (2)؛ یہ مجاہد اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمر بن خطاب سے یہی روایت کیا ہے ضحاک نے کہا: آروا جہم سے مراد شیاطین میں سے ان کے ساتھی ہیں (3)؛ یہ مقاتل کا بھی قول ہے۔ یہ کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر اٹھایا جائے گا وَمَا كَانُوا يَعْْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ سے مراد بت، شیطان اور ابلیس ہے (4)۔ فَاَهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ انہیں جہنم کی طرف لے چلو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

ان کی راہنمائی کرو، یوں کہا جاتا ہے: ہدیتہ الی الطریق، ہدیتہ الطریق، یعنی میں نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی اس طرح اھدیت الھدیتۃ وھدیت العروس۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: اھدیتھا یعنی میں نے اسے ہدیہ کے قائم مقام بنا دیا۔

وَقَفُّوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ﴿۱۰﴾ کے بارے میں عیسیٰ بن عمر نے کہا: ان فتح کے ساتھ ہے۔ کسائی نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لانہم، بانہم، یوں باب بیان کیا ہے وقفت الدابة اقفھا وقفھا فوقفتمہا وقفا۔ کبھی یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی استعمال ہوتا ہے یعنی انہیں روک۔ یہ انہیں جہنم کی طرف ہانکے جانے سے قبل ہوگا؛ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی انہیں حساب کے لیے روکو پھر انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جاؤ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: پہلے انہیں آگ کی طرف ہانکا جائے گا پھر وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو انہیں سوال و جواب کے لیے روک لیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ان سے ان کے اعمال، اقوال اور افعال کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ یہ قرظی، کلبی اور ضحاک نے کہا: ان سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان سے لَا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کے بارے میں پوچھا جائے گا ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اسے مخلوق پر ظلم کی جانب سے پوچھا جائے گا۔ ان سب میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سورۃ الحجر میں اس کے بارے میں گفتگو پیچھے گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے سوال یہ ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے یہ حجت قائم کرنے کے لیے ہوگا انہیں کہا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنصُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا کہ تم میں سے بعض بعض کی مدد کرتا اور اسے اللہ کے عذاب سے محفوظ کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کے قول کی طرف اشارہ ہے (1) نَحْنُ جَبِيْمٌ مُّتَنَبِّئُوْنَا ﴿۱۰﴾ (القمر) اصل میں تتناصرون تھا تخفیف کے طریقہ پر ایک طاء کو حذف کر دیا گیا۔ بزی نے وصل کی صورت میں تاء کو مشدود پڑھا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ذلیل و عاجز ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اطاعت شعار ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

وَ اَقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ رُّؤْسًا وَّ اُخْرٰی وَّ اُخْرٰی وَّ اُخْرٰی جَهَنَّمَ لِيُكْفَرُوا بِمَا كَفَرُوا بِهٖمْ ﴿۱۰﴾ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اصل میں لا يتساءلون ہے لا ساقط ہو گیا۔

نحاس نے کہا: لغت سے ناواقف آدمی نے غلطی کی ہے اس نے یہ وہم کیا ہے اس کلام کا تعلق بھی اس قول سے ہے فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَاءَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ (مومنون) جبکہ یہ اصل میں لا يتساءلون بالارحام ہے ان میں سے ایک کہتا ہے: میں تجھ سے اس رشتہ داری کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے جس کے باعث تو نے مجھے نفع دیا یا تیرا حق جو مجھ پر تھا اسے ساقط کر دیا یا تو نے مجھے نیکی سبب کر دی یہ واضح ہے کیونکہ اس سے قبل فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (مومنون: 101) ہے یعنی وہ اس نسب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو ان کے درمیان ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا

ہے: ”بے شک انسان اس امر سے خوش ہوگا کہ اس کا اپنے باپ یا بیٹے پر حق ثابت ہو تو وہ اس سے لے کیونکہ وہ نیکیاں ہوں گی یا برائیاں ہوں گی“۔ ایک حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس کا اپنے بھائی کے ہاں کوئی حق تھا وہ مال سے متعلق تھا یا عزت سے متعلق تھا وہ اس بھائی کے پاس آیا اور اپنے مطالبہ سے پہلے اس کو اپنے لیے حلال جان لیا تو وہ اس کی نیکیوں میں سے لے گا اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مطالبہ کرنے والے کی برائیوں میں سے اس پر اضافہ کر دیا جائے گا“۔ یہاں یَتَسَاءَلُونَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اس بارے میں شرمندہ کریں گے کہ اس نے اسے گمراہ کر دیا یا اس کے لیے معصیت کا دروازہ کھول دیا یا بعد کلام اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَ نَاعِنِ الْيَمِيْنِ ۝ اس کی وضاحت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَ نَاعِنِ الْيَمِيْنِ ۝

مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ انسانوں کا جنوں کے لیے قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیر و کاروں کا سرداروں کے لیے قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَوْ تَرَىٰ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ الْقَوْلِ (سبا: 31) سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تم ہمارے پاس بھلائی کے راستے سے آتے تھے اور ہمیں اس سے روک دیتے تھے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تم ہمارے پاس قسم کے طریقہ سے آتے تھے جسے ہم پسند کرتے اور جس سے ہم فال لیا کرتے تھے تاکہ نصیحت کے انداز میں ہمارے ساتھ دھوکہ کریں۔ قسم کے انداز میں جو کلام لائی جاتی عرب اس سے فال لیا کرتے اور اسے سانح کا نام دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس اس آدمی کے آنے کی طرح آتے جو ہمارے سامنے قسم اٹھاتا تو ہم اس کی تصدیق کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس دین کا لبادہ اوڑھ کر آتے تو ہم پر شریعت کے معاملہ کو ہلکا کر دیتے اور تم ہمیں اس سے نفرت دلاتے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قول بہت اچھا ہے کیونکہ دین کے واسطے سے خیر اور شر کی پہچان ہوا کرتی ہے یمین، دین کے معنی میں ہے یعنی تم ہمارے سامنے گمراہی کو مزین کر کے پیش کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمین کا معنی قوت ہے یعنی تم ہمیں قوت، غلبہ اور قہر سے روک دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (صافات) یہاں یمین قوت کے معنی میں ہے اور انسان کی طاقت اس کی قسم میں ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

اِذَا مَا رَاٰهُ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِيْنِ (3)

جب کوئی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا جاتا ہے عرابہ اسے بڑی قوت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تم ہمارے پاس حق کے راستہ سے آتے تھے اور یہ ظاہر کرتے کہ حق تمہارے ساتھ ہے (4)۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

انہوں نے کہا بلکہ تم تو مومن ہی نہ تھے یہ شیاطین کا ان لوگوں کے حق میں اہمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رؤساء کا قول ہے یعنی تم تو کبھی بھی مومن نہ تھے کہ ہم تمہیں ایمان سے کفر کی طرف منتقل کرتے بلکہ تم تو کفر پر ہی تھے اور اس کے ساتھ مانوس ہوئے اور عادت کی وجہ سے اسی پر قائم رہے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اَوْ حَقٍّ اَوْ تَرْكٍ كَرِهْنَا لَكُمْ فِيهِ مَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ اَوْ كَرِهْنَا لَكُمْ فِيهِ مَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ۔ فَحَقٌّ عَلَيْنَا قَوْلُ مَا يَتَّبِعُنَا بِمَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ اَوْ كَرِهْنَا لَكُمْ فِيهِ مَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ۔ بلکہ تم گمراہ اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ فَحَقٌّ عَلَيْنَا قَوْلُ مَا يَتَّبِعُنَا بِمَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ اَوْ كَرِهْنَا لَكُمْ فِيهِ مَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ۔ رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ یہ بھی پیروکاروں کا قول ہے یعنی ہم پر اور تم پر ہمارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہم میں سے ہر ایک عذاب چکھنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور رسولوں کی زبانوں سے ہمیں خبردار کیا ہے: لَا تَلْمِزْنَ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْعِلْنَ ۝ (ص) یہ حدیث کے موافق ہے ”اللہ تعالیٰ نے جہنم کے اہل لکھ دیئے ہیں اور جنت کے اہل لکھ دیئے ہیں نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی“۔ فَاعْتَوَيْنَاكُمْ بِمَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ اَوْ كَرِهْنَا لَكُمْ فِيهِ مَا نَدَّاهُمْ عَلَيْهِمْ۔ ہم تو دوسوہ اور استدعاء کر کے گمراہ کیا کرتے تھے پھر ان سب کے بارے میں خبر دی کہ اس روز گمراہ اور گمراہ کرنے والے عذاب میں شریک ہوں گے ہم مشرکوں کے ساتھ اسی قسم کا فعل کرتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں یہاں قول مضمحل ہے۔

يَسْتَكْبِرُونَ ۝ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ ان کی خبر ہے اور کان ملغا ہے جب نبی کریم ﷺ نے ابوطالب کی وفات اور قریش کے اجتماع کے موقع پر کہا: قولا لا اله الا الله تسلكوا بها العرب وتدين لکم بها العجم، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو اس کلمہ کے واسطے سے تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اس سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت ابویرہرہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا تو فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوا اِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْهَابِلِيَّةَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاَعْلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَاَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (فتح: 26) کلمہ تقویٰ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ہے مشرکوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس سے تکبر کا اظہار کیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کی مدت کے حوالے سے یہ کلمہ لکھوایا تھا! اس خبر کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل کو قشیری نے ذکر کیا ہے۔

وَيَقُولُونَ اِنَّا لَتَارِكُوْا اِلٰهِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۱۱۱ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۱۲ اِنَّكُمْ لَذٰلِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۱۱۳ وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۴ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِيْنَ ۝۱۱۵

”اور کہتے ہیں: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔ اے مجرمو! تم ضرور چکھو

گے دردناک عذاب کو اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسکا جو تم کیا کرتے تھے البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔“

کیا ہم شاعر و مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قول کو رد کر دیا۔ حق سے مراد قرآن اور توحید ہے بلکہ وہ تو قرآن لایا اور توحید کا سبق دیا اور رسول جو توحید کا پیغام لائے تھے ان کی تصدیق کی انکم لذاتقوا العذاب الالیم تم عذاب الیم چکھنے والے ہو۔ لَذَّ آتَقُوا اصل میں لذاتقون تھا نون استخفاف کے لیے حذف کر دی گئی اور اضافت کی وجہ سے مابعد کو العذاب الالیم کسرہ دیا گیا۔ اس میں نصب پڑھنا بھی جائز ہے جس طرح سبویہ نے شعر کو پڑھا:

فَأَلْفَيْتُهُ غَيْرَ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا ذَاكِرٍ اللَّهُ إِلَّا قَلِيلًا

”میں نے اسے پایا کہ وہ رضامندی کا طالب نہیں تھا اور وہ اللہ کا ذکر بھی تھوڑا کرتا تھا“ سبویہ نے اس وجہ سے والقیسی الصلاة کو جائز قرار دیا ہے۔ اور تم جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہو اس کا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ جو عذاب چکھتا ہے اس سے یہ مستثنیٰ ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی قراءت المخلصین یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے دین اور اپنی دوستی کے لیے خالص کر لیا ہے باقی قراء نے اسے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا جنہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اے مجرمو! تم عذاب کا ذائقہ چکھنے والے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝ فَوَاكِهُ ۝ وَهُمْ فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكُلِّ فَاكِهَةٍ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّرِيبِينَ ۝ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ۝ كَأَنَّهُمْ يَبِضُّونَ مَكْنُونٌ ۝

”وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا اور وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے زرخار پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھر اے جائیں گے ان پر تھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے دودھ سے زیادہ سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔“

لہم سے مراد مخلصین ہیں یعنی ان کے لیے معلوم عطیہ ہے جو ختم نہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد جنت کا رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ پھل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ اس کی خواہش کریں گے۔ ابن سائب نے کہا: یہ صبح اور شام کے کھانے کی مقدار کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةٌ وَعِشْيًا ۝ (مریم) فَوَاكِهُ یہ فاکہہ کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَمْدَادُهُمْ بِفَاكِهَتِهِ

(طور: 22) اس سے مراد سب پھل ہیں وہ تر ہوں یا خشک ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات کی بلندی، کلام کے سننے اور اس کی ملاقات کے ذریعے اکرام ہے۔ جنات نعیم سے مراد ایسے باغات ہیں جن میں وہ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ سورہ یونس میں ان کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے نعیم بھی ہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے کہا: وہ باہمی تعلق اور باہمی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: پلنگ جس طرح وہ چاہیں گے گھومتے پھریں گے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسے پلنگوں پر ہوں گے جن پر موتیوں، یاقوت اور زبرجد کے تاج ہوں گے چار پائی صنعا سے جا بیہ تک ہوگی اور عدن سے ایلہ تک ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک منزل کے اہل پر وہ گھومتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانوں کا ذکر کیا تو ان کے مشروبات کا بھی ذکر کیا۔ اہل لغت کے نزدیک کاس سے مراد وہ برتن ہے جس میں مشروب بھی ہو اگر وہ برتن مشروب سے خالی ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی کاس کا ذکر ہے اس سے مراد شراب ہے۔ عرب اس برتن کو کاس کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں مشروب نہ ہو تو اسے اناؤ اور قدح کہتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل لغت میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب پیالے کو اس وقت کاس کہتے ہیں جب اس میں شراب ہو، جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے قدح کہتے ہیں جس طرح دسترخوان پر جب کھانا ہو تو اسے ماندہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا نہ ہو تو اسے ماندہ نہیں کہتے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: اسی سے ظعینہ کا لفظ ہے جب ہودج میں عورت ہو۔ زجاج نے کہا: پچاس قِن قَعْدِیْن ⑤ سے مراد ہے کہ شراب یوں جاری ہوگی جس طرح چشمے زمین پر جاری ہوتے ہیں۔ معین سے مراد وہ جاری پانی ہے جو ظاہر ہے بیضاء یہ کاس کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شراب ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ زجاج نے کہا: لذۃ سے مراد ذات لذۃ ہے تو مضاف کو حذف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصل میں مصدر ہے جسے اسم بنا دیا گیا ہے یعنی وہ سفید اور لذیذ ہوگی، یوں قول کیا جاتا ہے: شراب لذیذ، شراب لذیذ، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: نبات غض، غضیض۔

جہاں تک شاعر کا شعر ہے:

وَلِذِ كَطْعِمِ الصَّرْخِدِيِّ تَرَكَتَهُ بَارِضِ الْعِدَا مِنْ حَشِيَّةِ الْحَدَثَانِ (1)

کتنی ہی نیندیں ہیں جو صرخدی شراب کی مانند تھیں جن کو میں نے دشمن کے علاقہ میں حادثہ کے ڈر سے ترک کر دیا۔ یہاں لذ سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے انہیں اپنے قدموں سے پامال نہیں کیا۔

اس جنت میں ان کی عقلیں خراب نہ ہوگی انہیں کوئی مرض اور سردرد نہیں ہوگا اور اس شراب کو پینے کی وجہ سے انکی عقلیں ضائع نہ ہوں گی؛ یہ قول کیا جاتا ہے: الخمر غول للحلم والحرب غول للنفوس یعنی شراب حلم کو ختم کر دیتی ہے اور جنگ نفوس کو تباہ کر دیتی ہے؛ یہ قول بھی کیا جاتا ہے: نَزِفَ الرَّجُلُ يُنْزَفُ فَهُوَ مَنْزُوفٌ وَنَزِيفٌ يَهْ أَسْ وَقْتُ كَهْتَبْ هِيْ جَبْ اَسْ نَشْرَ هُوْ جَايْ - امرء القیس نے کہا:

وَإِذَا هِيَ تَشَى كَمَشَى النَّزِيفُ يَفُ يَصْرَعُهُ بِالْكَشِيبِ الْبَهْرُ

جب وہ مدہوش کی چال کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے پر سانسوں کا انقطاع اسے گرا دیتا ہے۔

بعد والے شعروں میں بھی نزیف اسی معنی میں ہے:

نَزِيفٌ إِذَا قَامَتْ لَوَجْهِ تَمَايَلَتْ تُرَاثِي الْفَوَادِ الرَّحَضُ أَلَّا تَخْتَنَّا

فَلَشْتُ فَاخَا آخِذَا بَقَرْدِنَهَا شُرْبُ النَّزِيفِ بَبَرْدِ مَاءِ الْحَشْرِجِ (1)

حزہ اور کسائی نے زاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ انزف القوم سے مشتق ہے جب ان کے نشہ کا وقت ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: احصد الزرع جب فصل کاٹنے کا وقت ہو گیا۔ أَقْطَفَ الْكُرْمُ جَبْ اَنْگُورِ كِي بِيْلُوں كُو كَاٹْنِي كَا وَقْتُ اَگِيَا، اَزْ كَبِ السَّهْرُ جَبْ اِنْ پَر سُوَارِ هُوْنِي كَا وَقْتُ هُوْ كِيَا۔ اِيْ كُوْلُ يِهْ كِيَا كِيَا: مَعْنِي هُوْ اِبْنِي شَرَابِ كُو خْتَمِ نِهِيْ كَرْتِي كِيُوْنَكْ يِهْ اِنْ كِي عَادَتِ هُوْ يِهْ جَمْلِيُوں بُوْلَا جَاتَا هُوْ: اِنْزَفِ الرَّجُلِ، فَهُوَ مَنْزُوفٌ يِهْ اِسْ وَقْتُ كَهْتَبْ هِيْ: جَبْ اِسْ كِي شَرَابِ خْتَمِ هُوْ جَايْ - خَطِيْئِيْ نِيْ كَهَا:

لَعَشْرِي لَنْ اَنْزِفْتُمْ اَوْصَحَوْتُمْ لَبْسُ الشَّدَامِي كَنْتُمْ اَلْ اَبْجَزَا (2)

میری زندگی کی قسم! اگر شراب کو ختم کر دو یا تم ہوش میں آ جاؤ تو تم کتنے برے شرابی ہو اے آل ابجر۔

نحاس نے کہا: پہلی قراءت معنی میں زیادہ واضح ہے اور صحیح ہے کیونکہ جلیل القدر مفسرین کے نزدیک يُنْزَفُونَ کا معنی ہے ان کی عقلیں ختم نہیں ہوتیں، ان مفسرین میں سے مجاہد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے ان آفات کو ختم کر دیا جو دنیا میں شراب کی وجہ سے سردرد اور نشہ وغیرہ کی صورت میں پہنچتی ہیں۔

يُنْزَفُونَ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے: انزف الرجل جب اس کی شراب ختم ہو جائے، یہ بعید ہے کہ جنت کی شراب کی یہ صفت ذکر کی جائے لیکن مجازی معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا ينزفون کا معنی ہے انہیں نشہ نہیں ہوگا؛ یہ معنی زجاج اور ابوعلی نے ذکر کیا ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نشہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے قبل لَا فِيهَا غَوْلٌ ہے یعنی ان کی عقلوں میں خلل نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکرار آتا ہے ہاں سورہ واقعہ میں یہ معنی کرنا درست ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہے لَا فِيهَا غَوْلٌ وہ مریض نہ ہوں گے تو معنی ہوگا نہ انہیں نشہ ہوگا اور نہ ان کی شراب ختم ہوگی۔ قتادہ نے کہا: غول کا معنی پیٹ کا درد ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے لَا فِيهَا غَوْلٌ کا یہ معنی نقل کیا ہے اس میں پیٹ درد نہیں ہوگا (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا یہ قول حضرت ابن عباس

بنائے نہا کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اس میں کوئی سردرد نہیں ہوگا (1)۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں۔ نشہ، سردرد، آبی اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور ان خصلتوں سے اسے پاک قرار دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بیماری ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ کلبی نے کہا: غول کا معنی گناہ ہے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيهِمَا ۖ (واقعہ) شعبی، سدی اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ ان کی عقلوں میں خلل نہیں ڈالے گی کہ انہیں لے ہی جائے (4)؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وما زالت الكأس تغتالنا وتذهبُ بالاولِ الاولِ

لگا تار جام ہماری عقلوں کو مختل ہی کرتا رہا اور ایک ایک کر کے انہیں پچھاڑتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے نشہ کو دور کر دیا ہے تاکہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں ہیں ان سے لذت کا حصول ان سے منقطع نہ ہو۔ علماء معانی نے کہا: غول سے مراد ایسا فساد ہے جو خفیہ طریقہ سے لاحق ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: اغتالہ اغتیا لا جب اس پر معاملہ خفیہ طریقہ سے فاسد ہو جائے، اسی سے غول اور غیلہ ہے جس کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے قتل کرنا۔

ان کے پاس ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظروں کو اپنے خاوند تک محدود رکھیں گی وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھیں گی؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، محمد بن کعب، اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: قَصْرَاتِ الطَّرْفِ کا معنی ہے وہ اپنے خاوند پر محبوس ہوں گی۔ پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے کیونکہ آیت میں لفظ مقصورات نہیں لیکن دوسری جگہ مقصورات ہے جس کی وضاحت آئے گی۔ قاصرات یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قد اقتصر علی کذا جب وہ اسی پر قناعت کرے اور غیر سے رخ پھیر لے۔ امرء القیس نے کہا:

من القاصراتِ الطَّرْفِ لودبَ مَحْوِلُ من الذَّرِّ فَوْقَ الإِثْبِ مِنْهَا لِأَثْرَا

ایسی عورتوں میں سے ہیں جو اپنی نظروں کو محدود رکھتی ہیں اگر انتہائی باریک چیونٹی بھی ان کی قمیص پر ریگے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ شعر میں فوق الاثب کی جگہ فوق الحذم روی ہے۔ اثب کا معنی قمیص ہے، محول کا معنی چھوٹی چیونٹی ہے۔ مجاہد نے بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے وہ دوسری بیویوں پر غیرت نہیں کرتیں بلکہ وفادار و تابعدار ہیں۔

عین اس سے مراد بڑی آنکھوں والی ہیں اس کا واحد عیناء ہے؛ یہ سدی نے کہا: مجاہد نے کہا عین کا معنی ہے وہ خوبصورت آنکھوں والی ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی سیاہی بھی شدید ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل عین جس کی آنکھ کھلی ہو آنکھ واضح ہو۔ اس کی جمع عین آتی ہے اس کی اصل فعل ہے تو عین کو کسرہ دیا گیا تاکہ یاء کو واو سے نہ بدل دیا جائے، اسی سے ایک لفظ عین ہے وحشی گائے کو کہتے ہیں اور اسی طرح کہتے ہیں: الشوراعین والبقرہ عیناہ۔

مَتْنُونُ کا معنی محفوظ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے کہا: ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں (5) سے تشبیہ دی گئی

ہے شتر مرغ جسے ہوا اور غبار سے پروں میں چھپائے رکھتا ہے اس کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے یہ عورت کے رنگوں میں سے سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور سدی نے کہا، ان عورتوں کو انڈے کے بطن سے تشبیہ دی قبل اس کے کہ ان کا چھلکا پھاڑا جائے اور ہاتھ سے مس کریں (1)۔ عطا نے کہا: ان عورتوں کو اس جھلی سے تشبیہ دی جو اوپر والے پردے اور انڈے کے مغز کے درمیان ہوتا ہے (2)۔ ہر شے کا سماہ اس کا چھلکا ہوتا ہے اس کی جمع سما ہے؛ یہ جوہری نے کہا، اسی کی مثل طبری کا قول ہے کہا: یہ رقتی پردہ ہے جو انڈے کے اوپر ہوتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ عرب عورتوں کو صفائی اور سفیدی میں انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ امرء القیس نے کہا:

بَيْضَةُ خِدْرِ دَلَايِرٍ خِبَائِهَا

کتنے ہی پردے کے انڈے ہیں (عورتیں ہیں) جنکے خیمہ کا قصد نہیں کیا جاتا۔

عرب جب کسی چیز کی حسن و نظافت میں صفت بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: کانه بيض النعام المغطى بالريش ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکنون سے مراد ہے جو توڑنے سے محفوظ ہو، یعنی وہ کنواری ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بيض سے مراد موتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ حُورٌ مَعِينٌ ﴿٤٠﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٤١﴾ (واقعہ) یعنی جو سیپوں میں ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:-

هي بيضاء مثل لؤلؤة القواص ميّزت من جواهر مكنون (3)

وہ غواص کے موتی کی طرح سفید ہے جسے جوہر مکنون سے الگ کیا گیا ہو۔

مکنون کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ بیض جمع ہے کیونکہ صفت کو لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٤١﴾
يَقُولُ أَهْلَكَ لَمَنِ الْمَصْدِقَيْنِ ﴿٤٢﴾ عَرَادًا مِّثْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَ عِظَامًا عَرَانَا
لَمَبْدِيُونِ ﴿٤٣﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ ﴿٤٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٥﴾ قَالَ
تَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَتُرْدِينِ ﴿٤٦﴾ وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ﴿٤٧﴾ أَلَمَّا
نَحْنُ بِسَبْتَيْنِ ﴿٤٨﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَدِّينَ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَذَا لَهَوَ الْفُؤُزِ
الْعَظِيمِ ﴿٥٠﴾ لَيْسَ هَذَا فَلَئِمَعَلِ الْعِبْلُونَ ﴿٥١﴾

”پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا وہ مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت پر ایمان لانے والوں میں سے ہے، کیا جب

ہم مریں گے اور مر کر مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائی گی؟ ارشاد ہوگا: کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا: بخدا! تو تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ جنتی کہے گا: کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

وہ آپس میں گفتگو شروع کر دیں گے جو دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ یہ جنت میں ان کے حد درجہ انس کا اظہار ہے اسکا عطف یُطَافُ عَلَيْهِمْ کے معنی پر ہے معنی یہ بنے گا وہ پیس گے اور شراب پر باہم گفتگو کریں گے جس طرح شراب نوشوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وما بقیت من اللذاتِ إلا أحادیثُ الکرامِ علی الندامِ (1)

لوگوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر یہ کہ کریم لوگ شراب پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور جو اچھی یا بری صورت حال گذری ہوگی اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مگر اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا خبر دیتے وقت معمول ہے۔

ایک جنتی کہے گا: میرا ایک دوست تھا وہ کہتا تھا تو دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا کی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرینہ سے مراد اس کا ساتھی ہے۔ سورہ کہف میں ان کا ذکر، ان کا قصہ اور ان کے ناموں میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے فرمان: اضربْ لَهُمْ مَثَلًا رَّا جُلُودَہُمْ مَّا کَانُوا یَکْفُرُونَ ﴿۳۲﴾ کے تحت گذر چکا ہے ان دو کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۳۱﴾ یَقُولُ اٰهٰنٰکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ اِذَا مَثَلْنَا وَاٰتٰنَا رَاٰنَا لَمَّا یُنۡوَن ﴿۲۹﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّظَلِّعُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَاظَلَمَ فَرَاہُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۷﴾ قَالَ تَاللّٰہِ اِنْ کَذَبْتَ لَتُرۡوِیۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ لَوۡلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَکُنۡتُ مِنَ الْمُحْضَرِّیۡنَ ﴿۲۵﴾

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان دوست ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا وسوسہ پیدا کرتا تھا اسے اٰهٰنٰکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ بھی پڑھا گیا ہے؛ اسے علی بن کیسہ نے سلیم سے وہ حمزہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہاں اسے المصدقین پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں صدقہ کا کوئی معنی نہیں۔

قشیری نے کہا: حمزہ کی قراءت میں ائناک لمن المصدقین ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ تصدیق سے ہے تصدیق سے نہیں جبکہ اعتراض باطل ہے کیونکہ قراءت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے معنی یہ بنے گا تو ثواب کی طلب کے لیے مال کا صدقہ کرنے والا ہے۔

کیا جب ہم مرجائیں گے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہمیں بدلہ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں سے فرمایا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن جنت میں اپنے مومن بھائیوں سے کہے گا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہوتا کہ ہم دیکھیں تو سہی اس دوست کا کیا حال ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے اور **هَلْ أَنْتُمْ مُّظَلِّعُونَ** ⑤ استفہام نہیں یہ تو امر کے معنی میں ہے یعنی جھانکو؛ یہ ابن عربی اور دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر ہے، اس معنی میں ہے جب شراب کے حکم والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر کہا: اے میرے رب! شراب کے بارے میں ایسا حکم نازل فرما جو اس سے بھی زیادہ واضح ہو تو **فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنتَهُونَ** ⑥ (ماندہ) نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اے ہمارے رب! ہم رک گئے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **هَلْ أَنْتُمْ مُّظَلِّعُونَ** ⑤ مشد نہیں اور **فَأُطِّع** پڑھا یعنی ہمزہ قطعی ہے اور طاء مخففہ ہے معنی ہوگا **هل انتم مقبلون فاقبل**۔ نحاس نے کہا: **فأطعم** فراه میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فعل مستقبل ہے اسکا معنی پس میں جھانکوں گا، تو یہ استفہام کے جواب میں ہونے سے منصوب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے تو **أطعم** اور **أطعم** ایک ہے۔ زجاج نے کہا: **أطعم**، **أطعم** اور **أطعم** سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بھی حکایت بیان کی گئی ہے **هَلْ أَنْتُمْ مُّظَلِّعُونَ** ⑤ یعنی نون مکسور ہے۔ ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سراسر غلط ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں نون اور اضافت کو جمع کر دیا گیا ہے اگر یہ مضاف ہوتا تو یہ ہوتا **هل انتم مطلق** اگر چہ سیبویہ اور فراء نے اس کی مثل حکایت بیان کی ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

هُمُ الْقَائِلُونَ الْخِيَرَةَ الْمَرْوَنَةَ وہ بھلائی کی بات کہنے والے اور اس کا حکم دینے والے ہیں۔

فراء نے **وَالْفَاعِلُونَ** پڑھا۔ سیبویہ نے اکیلے یہ پڑھا: **ولم يترفق والناس مختصرونه محل استدلال مختصرونه** ہے۔ یہ شاذ ہے اور کلام عرب سے خارج ہے۔ جو اس قسم کا کلام ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ میں استدلال نہیں کیا جاسکتا اور یہ کلام فصیح میں داخل بھی نہیں۔

اس کی توجیہ میں ایک قول یہ کیا جاتا ہے: امم فاعل کو فعل مضارع کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے پس **مُطَّلِعُونَ** کو **يُطَّلِعُونَ** کے قائم مقام رکھا؛ یہ ابو الفتح عثمان بن جنی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا: **أَقَائِلُنَّ** **أَحْضَرُ** **وَالشُّهُودَا** کیا تم یہ کہو گے گواہوں کو حاضر کرو۔ محل استدلال **أَقَائِلُنَّ** ہے جو **أَتَقُولُنَّ** کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **هَلْ أَنْتُمْ مُّظَلِّعُونَ** ⑤ **فَأُطِّعَ قَرَأَهُ** کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جنت میں ایک روشن دان ہے جنتی جس سے جہنم اور جہنمیوں کو دیکھیں گے۔

ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے اس میں کعب نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہا: جنت اور دوزخ میں ایک روشن دان ہے جب کوئی

مومن ارادہ کرتا ہے کہ اس دشمن کو دیکھے جو دنیا میں اس کا دشمن تھا تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاظْلَمَ فَرَاةً فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝**، سَوَاءِ الْجَحِيمِ سے مراد جہنم کا وسط ہے جبکہ کانٹے دار پودے اس کے ارد گرد ہوں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعبت حتی انقطع سَوَاءٍ میں تھکا یہاں تک کہ میری کمر ٹوٹ گئی، یہاں بھی سَوَاءٍ سے مراد وسط ہے۔

قتادہ سے مروی ہے کہ بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ اس جہنمی کی اس جنتی کو پہچان نہ کرے تو وہ اسے نہ پہچان سکے گا اس کا رنگ اور اس کی حالت بدل جائے گی (1) اس موقع پر وہ کہے گا: **تَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَتُرْدِيْنَ ۝** اس میں ان مشغلہ سے مخففہ ہے یہ کاد پر اسی طرح داخل ہے جس طرح کان پر داخل ہے اسی کی مثل **اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا (الفرقان: 42)** ہے لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی جہنم میں حاضر ہوتا۔ کسائی نے کہا: لتردین کا معنی ہے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔ الردی کا معنی ہلاکت ہے مبرد نے کہا: اگر کہا جاتا **لَتُرْدِيْنَ** یعنی تو ضرور مجھے آگ میں گرا دیتا تو یہ بھی جائز تھا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عصمت اور اسلام کا حلقہ مضبوطی سے پکڑنے کی اور برے دوست سے براءت کی توفیق مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں جہنم میں ہوتا۔ لولا کا مابعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے **لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ۝** فراء نے کہا: تو میں بھی جہنم میں تمہارے ساتھ حاضر ہوتا۔ احضرا کا لفظ صرف شر میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (2)۔

بِمَيِّتَيْنِ کو بمسائتین بھی پڑھتے ہیں افسا ہمزہ استفہام کے لیے ہے جو فاء عاطفہ پر داخل ہے معطوف اس کا محذوف ہے اس کا معنی ہوگا: کیا ہم ہمیشہ رہیں گے، نعمتیں دیئے جاتے رہیں گے، ہمیں موت نہ آئے گی اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا **اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُولٰٓئِیْ** یہ استثناء ہے یہ پہلی کلام سے استثناء نہیں۔ موتہ سے مصدر ہے کیونکہ یہ موصوف ہے یہ جنتیوں کی فرشتوں کے سامنے گفتگو ہوگی موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اے جنتیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کی گفتگو متحدیت نعمت کے طور پر ہوگی کہ وہ نہ مریں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی یہ ہماری حالت اور ہماری صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن کی کافر کے لیے گفتگو ہوگی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا اور موت صرف دنیا کی ہی موت ہے جنت میں جو کچھ ہوگا مومن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گا: **اِنَّ هٰذَا هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝** ہو مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر فصل ہے۔

لِيَسْئَلْ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَمَلُوْنَ ۝ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مومن کا کلام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں جو کچھ تیار کیا اور جو کچھ اسے عطا کیا جب اسے دیکھا تو یہ کہا کہا: **لِيَسْئَلْ هٰذَا** سے مراد عطا اور فضل ہے **فَلْيَعْمَلِ الْعَمَلُوْنَ** یہ اسی کی

مثل ہے جو کافر نے اسے کہا: اَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَ أَعَزُّ نَفَرًا ۝ (الکہف) یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو۔ ایک قول یہ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل دنیا کے لیے قول ہے یعنی جنت میں جو خیرات اور جزا ہے اس کو تم نے سنا تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یوں ہوگی فلیعمل العاملون لمثل هذا۔

اگر کوئی سوال کرے: عربی زبان میں فاء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا اول کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس کی بعد والے کو پہلے کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ تقدیم تاخیر کی طرح ہے کیونکہ حروف جارہ اور ان کے ما بعد کا حق یہ ہوتا ہے کہ وہ متاخر ہوں۔

أَذْلِكَ خَيْرٌ نُزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوِمِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۝ إِنهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۝ فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُ مِنْهَا قَمَائِثُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَبِيبٍ ۝ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝

”بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہہ میں، اس کے شگونے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہنم کی طرف۔“

أَذْلِكَ خَيْرٌ یہ مبتدا اور خبر ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: نُزُلًا اس کا بیان ہے اس کا معنی ہے کیا جنت کی نعمتیں بہتریں ضیافتیں ہیں یا زقوم کا درخت بہترین ضیافت ہے؟ نُزُلٌ لغت میں اس رزق کو کہتے ہیں جس میں وسعت ہو۔ نحاس نے کہا: اسی طرح النزل اور نُزُلٌ ہے مگر یہ بھی جائز ہے کہ نُزُلٌ بھی اس کی ایک لغت ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں یہ نُزُلٌ ہو اس سے یہ جملہ ہو اقیم للقوم نزلہم قوم کے لیے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا اشتقاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ غذا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ وہ پڑاؤ کرتے اور اس ہی میں مقیم رہتے۔ سورہ آل عمران کے آخر میں یہ گذر چکا ہے۔ شجرة الزقوم یہ تزقم سے مشتق ہے یہ مشقت کے ساتھ نکلنا ہے کیونکہ وہ ناپسندیدہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مفسرین نے کہا: یہ جہنم کی لپک کے ساتھ اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح درخت پانی کی ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اس کے اوپر والے حصے میں رہتے ہیں ان جہنمیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف نیچے اتریں اور اس سے کھائیں اسی طرح جو اس سے نیچے والے حصے میں رہتے ہیں وہ اس کی طرف اوپر چڑھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد دنیا کا درخت ہے جسے عرب پچھانتے ہیں یا نہیں پچھانتے (1)؟ اس کے بارے

میں دو قول ہیں: (1) یہ وہی درخت ہے جو دنیا میں معروف ہے۔ جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ قطرب نے کہا: یہ سخت کڑوا درخت ہے جو تہامہ میں ہوتا ہے اور خبیث ترین درخت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ قاتل نبات ہے۔ (2) دنیا کے درختوں میں یہ معروف نہیں۔ جب زقوم کے درخت کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تو قریش نے کہا: ہم تو اس درخت کو نہیں پہچانتے تو افریقہ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا قریش نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس سے مراد مکھن اور کھجور کے مجموعے کو کہتے ہیں تو ابن زبیری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم کی کثرت کرے۔ ابو جہل نے اپنی لونڈی سے کہا: ہمیں زقوم کھلاؤ تو وہ اس کے پاس مکھن اور کھجور لے آئی پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: زقوم سے لطف اندوز ہو یہ وہ چیز ہے جس سے ”محمد“ ہمیں ڈراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ آگ درخت کو اگاتی ہے جبکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

فِتْنَةٌ لِلظَّالِمِينَ ۝۱۱ میں ظالمین سے مردشرکین ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے؟ یہ بحث سبحان کے لفظ کے ضمن میں گذر چکی ہے انہوں نے اس کو خفیف اسی طرح جانا تھا جس طرح انہوں نے عَلِيهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۱۰ (المدثر) کو خفیف جانا تھا وہ کیا معاملہ ہے جس نے اس عدد کو خاص کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا تھا میں انہوں کو تو تمہاری طرف سے کافی ہوں باقی کو تم میری طرف سے کافی ہو جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا عَدَاتِهِمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا (مدثر: 31) فتنہ کا معنی آزمائش ہے ان کی طرف سے یہ قول سراسر جہالت تھی کیونکہ عقلاً ایسا محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ آگ میں اس کی جنس سے ایسا درخت پیدا کرے جسے آگ نہ کھاتی ہو جس طرح جہنم میں اللہ تعالیٰ بیڑیاں، طوق، سانپ، بچھو اور جہنم کے داروغے پیدا فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب جس طرح کفار کو ہوا تھا اسی طرح اس وقت ملاحظہ کو بھی ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو انہوں نے ایسی نعمت اور عقاب پر محمول کیا ہے جس میں رو میں داخل ہوتی ہیں انہوں نے اعمال کے وزن کرنے، صراط، لوح اور قلم کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو انہوں نے خود اپنے دلوں میں تصور کیے نہ کہ ان کی وہ تعبیر کرتے ہیں جو مسلمان شرعی دلائل سے سمجھے ہیں۔ جب صادق و امین کی خبر ایسی چیز کے بارے میں وارد ہو جس کا عقل و ہم ہی کر سکے تو اس کی تصدیق واجب ہے اگرچہ یہ جائز ہو کہ اسکی کوئی تاویل کی جاسکے پھر ایسی تاویل باطل ہوگی جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ تاویل باطل ہے مسلمان ان اشیاء کو حاصل ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اسے باطن کے علم کی طرف نہیں پھیرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظالمین کے لیے سزا ہے جس طرح فرمایا: ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۚ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (ذاریات)

أَصْلُ الْجَعْنِيمِ ۝۱۱ سے مراد جہنم کی گہرائی ہے یہاں سے ہی یہ جنم لے گا پھر یہ جہنم میں پھیل جائے گا۔ طلوع سے مراد اسی کا پھل ہے۔ پھل کو طلع کا نام اس لیے دیا کیونکہ یہ طلوع کرے گا۔

رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۝۱۲ سے مراد شیاطین کی ذاتیں ہیں ان کی قباحت کی وجہ سے ان پھلوں کو رؤوس سے تشبیہ دی گئی شیاطین کے سروں کا تصور نفوس میں ہی ہوگا اگرچہ وہ دکھائی نہ دیں گے اس معنی میں عربوں کا قول یہ ہے کہ ہر قبیح کے لیے وہ یہ

کہتے ہیں: ہو کسورۃ الشیطان اور ہر خوبصورت شے کو کہتے ہیں: ہی کسورۃ الملک اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے ان عورتوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا: **إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ** (یوسف: 31) یہ تشبیہ تمثیلی ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس اور قرظی سے منقول ہے اسی معنی میں امراء القیس کا قول ہے:

مَسْنُونَةٌ زُرَّاقٌ كَأَنْيَابِ إِغْوَالٍ

مسنونۃ زرق سے مراد ایسے تیر ہیں جنہیں تیز کیا گیا ہو البتہ غول (جن بھوت) معروف نہیں لیکن نفوس میں ان کی قباحت متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **شَیْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ** (انعام: 112) انسانوں میں سے تو سرکش ایسے شیاطین ہیں جو دکھائی دیتے ہیں حدیث صحیح میں ہے **لَكَانَ نَخْلَهَا رَعْدُ** الشیاطین (1) گویا اس کی کھجوریں شیاطین کے سر ہیں۔ بہت سے عربوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شیاطین اور جنوں کو دیکھا ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: شیاطین سے مراد سانپ ہیں جن کے سر اور کلغیاں ہوتی ہیں یہ سانپوں میں سے قبیح ترین، خبیث ترین اور جسموں میں سے سب سے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا: عورت کو ایسے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کی کلغی ہو۔

عَنْجَرَةٌ تَخْلِفُ حِدْنَ أَحِلْفٍ كَشَلِّ شَيْطَانِ الْحَمَاطِ أَعْرَفُ

کلغی والی عنجرہ جو حماط کے شیطان کی مثل ہے وہ اس وقت قسم اٹھاتی ہے جب میں قسم اٹھاتا ہوں۔
شاعر اپنی اونٹنی کی صفت بیان کرتا ہے:

تَلَاعِبُ مَشْنَى حَضْرَمِيٍّ كَأَنَّهُ تَعْتَبُ شَيْطَانِ بَدِيٍّ خِرْدِيٍّ قَفْرٍ

تعب سے مراد چال میں ٹیڑھا پن ہے، ہم عموج اس تیر کو کہتے ہیں جو جاتے وقت مڑ جاتا ہے تعجبت الحیة۔ جو چلتے ہوئے مڑ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس قبیح بوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو یمن میں ہوتی ہے جسے استن اور شیطان کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربوں کے ہاں معروف نہ تھا۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو کھردرا، کڑوا اور ناپسندیدہ صورت والا ہو۔ اس کے پھل کو رءوس الشیاطین کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شیاطین سے مراد سانپوں کی ایسی قسم ہے جو بہت ہی قبیح ہوتی ہے۔

اہل جنت کے مقابلہ میں ان کا یہ کھانا اور پھل ہوگا، سورہ غاشیہ میں آیا ہے **لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ** (1) اس کا ذکر بعد میں آئے گا اس درخت کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا شوب سے مراد آمیزہ ہے شوب اور شوب سے مراد دونوں لغتیں ہیں جس طرح فقرا اور فقرا ہے اور فتح زیادہ مشہور ہے۔ فراء نے کہا: شاب طعامہ وشرابہ۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ان دونوں کے ساتھ کوئی چیز ملائی جائے اس کا مصدر شوبا اور شیاہ آتا ہے یہ خبر دی کہ ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کو ملا یا جائے گا حمیم سے مراد گرم پانی ہے تاکہ یہ کھانا ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے: **وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ** ⑤ (محمد)

سدی نے کہا: ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ان کی آنکھوں کے پانی انکی پیپ اور ان کے خون کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے زقوم کو کھولتے ہوئے پانی میں ملا دیا جائے گا تاکہ ان کے لیے زقوم کی کڑواہٹ اور کھولتے ہوئے پانی کی گرمی کو جمع کر دیا جائے مقصود ان کے عذاب میں سختی اور ان کی آزمائش میں جدت پیدا کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **ثُمَّ إِنَّ مَرَجَهُمْ لِأَلَى الْجَحِيمِ** ⑥ اس امر پر دلالت کرتا ہے جب وہ جہنم کے عذاب کے علاوہ زقوم کو کھالیں گے پھر انہیں جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا: حمیم، حمیم سے باہر ہوگا وہ پانی پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے پر وارد ہوں گے پھر انہیں جہنم (جحیم) کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ** ⑦ **يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ** ⑧ (رحمن) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے مرجعہم کی بجائے منقلبہم پڑھا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں حم کا لفظ واد کے معنی میں ہو۔ قشیری نے کہا: شاید حمیم جہنم کی ایک طرف میں ہو۔

إِنَّهُمْ أَلَفُوا آبَاءَهُمْ صَالِينَ ⑨ **فَهُمْ عَلَىٰ آثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ** ⑩ **وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ**
أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ⑪ **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّندِرِينَ** ⑫ **فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ**
الْمُنذِرِينَ ⑬ **إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ** ⑭

”انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے پس (اے مخاطب!) ذرا دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے۔“

یعنی انہوں نے آباء کو گمراہ پایا تو ان کی اقتدا کی تو یہ ان کے پیچھے تیزی سے بھاگے جا رہے ہیں! یہ قتادہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ہردلہ (چال کا انداز) کے انداز میں جا رہے ہیں۔ فراء نے کہا: اھراع سے مراد کانپتے ہوئے تیز چلنا۔ ابو عبیدہ نے کہا: یھرعون کا معنی ہے پیچھے سے ان پر مٹی ڈالی جا رہی ہوگی اسی کی مثل مبرد کا قول ہے۔ الھرع سے مراد ہے جس کو تیزی سے چلایا جا رہا ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان یھرع الی النار۔ فلاں آیا اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جایا جا رہا تھا یہ اس وقت بولتے ہیں جب سردی اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تیزی کی سختی کی وجہ سے دھتکارا جا رہا ہو! یہ فضل کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے ہرع و اھرع جب اسے پیچھے سے تیز چلایا جائے اور دھتکارا جائے۔

أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ⑩ سے مراد ہے سابقہ امتیں۔ **مُنذِرِينَ** ⑫ سے مراد ہے ایسے رسول جنہوں نے ان لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا تھا تو ان لوگوں نے کفر کیا۔ **عَاقِبَةُ** سے مراد ان کے امر کا انجام ہے۔ **عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ** ⑭ سے مراد ہے اللہ

تعالیٰ نے جنہیں کفر سے بچالیا۔ یہ بحث گذر چکی ہے پھر یہ کہا گیا یہ المُنذِرِیْنَ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوْلَادِ ۝۱۰ سے مستثنیٰ ہے۔

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُوْنَ ۝۱۰ وَ نَجَّيْنَاهُ وَ أَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۱۱ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ ۝۱۲ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ۝۱۳ سَلَّمَ عَلٰی نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ ۝۱۴ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۵ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۶ ثُمَّ اَغْرَقْنٰ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷

”اور فریاد کرتے ہوئے پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریادرس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی اور ہم نے بنا دیا فقط اس کی نسل کو باقی رہنے والا اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو“۔

یہاں ندا سے مراد استغاثہ ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی اور یوں عرض کی: تَرٰبٌ لَا تَدْرُ عَلٰی الْاَرْضِ مِنْ الْكٰفِرِيْنَ دَيًّا مَّا ۝۱۰ (نوح) ہم کتنے ہی اچھے دعا قبول کرنے والے تھے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُوْنَ لَه كِنَاہِم نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا چکے تھے جس طرح پہلے گذر چکا ہے ان کی تعداد اسی تھی۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۱۰ سے مراد غرق ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے تو جو مرد اور عورتیں آپ کے ساتھ تھے سب فوت ہو گئے صرف آپ کا بیٹا اور اس کی بیویاں تھیں؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ ۝۱۲ سے یہی مراد ہے۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے (1) لوگ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں سام عربوں، ایرانیوں، رومیوں، اور یہود و نصاریٰ کے جدا علی ہیں حام کالون کے جدا علی ہیں یہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں جیسے سندھی، ہندی، نوبی، زنجی، حبشی، قبلی اور بربری وغیرہ۔ یافت صقالہ، ترکوں، ابر، خرز، یا جوج اور ماجوج کے جدا علی ہیں۔

ایک قوم نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ بھی نسل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَبِيْلٌ يُّنُوْحًا اَهْبَطَ بِسَلِيْمٍ مِّنَّا وَ بَرَكَتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰی اُمَّةٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

وَأُمَّمُ سُنَّتِهِمْ ثُمَّ يَسْتَهْمُونَ عَذَابَ الْيَوْمِ ۝ (ہود) اس معنی پر یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ یہ کافروں کی اولاد سے الگ ہیں کیونکہ ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ یعنی ہر قوم میں اس کے لیے ہم نے اچھی تعریف چھوڑی ہے کیونکہ وہ سب کا محبوب ہے یہاں تک کہ مجوسی بھی انہیں کہتے ہیں وہ افریدون ہے؛ یہی معنی مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے گمان کیا ہے اس میں دو تقدیریں ہیں: (1) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝، يقال سَلَّمَ عَلَى نُوْحٍ یعنی ہم نے اس کے لیے اچھی تعریف چھوڑی ہے؛ یہ ابو العباس مبرد کا قول ہے یعنی ہم نے اس پر یہ کلمہ باقی چھوڑا ہے یعنی لوگ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ یہ اس کلام میں سے ہے جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُوْرًاۃً أَنْزَلْنَاهَا (نور: 1)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ہم نے اس پر باقی رکھا اور گفتگو مکمل ہو گئی پھر کلام نئے انداز میں شروع کی اور کہا سَلَّمَ عَلَى نُوْحٍ یعنی اس کے لیے سلامتی ہے اس چیز سے کہ اس کے بارے میں بعد کے لوگوں میں برا ذکر ہو۔ کسائی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں سلاما منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہے تَرَكَنا عَلَيْهِ ثناء حسنا سلاما۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْآخِرِينَ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انبیاء میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں کیا گیا مگر اسے حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: سَرَّعْ لَكُمْ مِنَ التَّائِينَ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا (شوری: 13)

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جو شام کے وقت یہ کہے: سَلَّمَ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَلَمِينَ ۝ اسے بچھو نہیں کانے گا۔ ابو عمر نے اسے التعمید میں ذکر کیا ہے۔ موطا میں حضرت خولہ بنت حکیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو وہ یہ پڑھے اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تَوَّاسِعُ كُوْنِيْ حَيْزِ نَقْصَانٍ نَدَّعِيْ كِيْ يِهَآءُ تَكْ كِهْ وَهَآءُ سَعُوْجِ كَرَّعِيْ كَا“۔ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ بنو اسلم کے ایک آدمی نے کہا: میں رات سو نہ سکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کس وجہ سے؟“ عرض کی: مجھے ایک بچھونے ڈس لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خبردار! اگر تو شام کے وقت یہ پڑھے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“ (1)۔

إِنَّا كَذَّبْنَاكَ بِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ یعنی ہم ان پر اچھی جزا باقی رکھیں گے۔ کاف محل نصب میں ہے یعنی جزاء كذلك۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ یہ اس کے احسان کا بیان ہے۔

جنہوں نے کفر کیا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ الآخِرِينَ کی جمع آخر ہے ۞ اس میں اصل تو یہ ہے من الآخِرِينَ مگر من کو حذف کر دیا کیونکہ معنی معروف ہے۔ آخر کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے اس کی جنس میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ثم

یہاں تراخی کے لیے نہیں بلکہ یہ نعمتوں کا شمار کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَوْسِكِينَا ذَا مَثْوَاهِ ۖ ۝۱۰** **لَمْ يَكُنْ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا (البلد) پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں نے دوسروں کو غرق کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔**

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۖ ۝۱۱ **إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۖ ۝۱۲** **إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ**
مَاذَا تَعْبُدُونَ ۖ ۝۱۳ **أَبْغَا إِلَهَةَ دُونِ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۖ ۝۱۴** **فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ ۝۱۵**
فَنظَرَ نَظْرًا فِي السُّجُومِ ۖ ۝۱۶ **فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۖ ۝۱۷** **فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۖ ۝۱۸**

”اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو؟ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔ جو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر میلہ دیکھنے چلے گئے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **مِنْ شِيعَتِهِ** سے مراد ہے ان کے دین والے (1)۔ مجاہد نے کہا: اسکا معنی ہے اس کے طریقہ اور سنت پر ہیں (2)۔ اصمعی نے کہا: شیعہ سے مراد حمایتی و مددگار ہیں (3)۔ یہ شیعہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چھوٹی لکڑیاں ہیں جو بڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہیں تاکہ آگ روشن ہو۔

کلبی اور فراء نے کہا: معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعوان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (4)۔ شیعہ میں ضمیر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں یہ تعبیر زیادہ نمایاں ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی پہلے ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو نبی تھے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار، چھ سو چالیس سال کا عرصہ ہے: یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

قلب سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ عوف اعرابی نے کہا میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونا۔ طبری نے غالب قطان سے، عوف اور دوسرے علماء نے محمد بن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حجاج کو کہتے ہیں: ابو محمد مسکین ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا تو اس کے گناہ کے باعث دے گا اور اگر اسے بخش دے تو اس کے لیے مبارک ہے اگر اس کا دل سلیم ہے تو گناہ تو اسے بھی پہنچے ہیں جو اس سے بہتر تھے۔ عوف نے کہا: میں نے محمد سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت قائم ہونے والی ہے قبروں میں جو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھانے والا ہے۔

ہشام بن عروہ نے کہا: ہمارے والد ہمیں کہا کرتے تھے اے بیٹو! تم لعن طعن کرنے والے نہ ہو جانا، کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی کسی چیز پر لعن طعن نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِذْ جَاءَ رَبَّاهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۱۵﴾ ان کا اپنے رب کی طرف آنا (۱) اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دعوت دیتے تھے (۲) جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ مِمَّنْ بَدَلَهُمْ هُنَالِكَ لَتَبَتَ الَّذِينَ كَرِهُوا آلَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَهُمْ بِبَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ لِتَعْبُدُوا اللَّهَ مُنْجِبِينَ كُلَّ بَدْعٍ كَرِهَ اللَّهُ مُطَاعًا ثَمَّ لَا يَأْتِيَنَّكَ السَّاعَةُ بِضُلُوبٍ وَأَسَاسٍ إِنَّكَ كَانَتْ تَكْفُرًا ﴿۱۶﴾ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۷﴾ میں مابتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذال اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ماذا، تعبدون کی وجہ سے منسوب ہو۔ انفقالیہ مفعول بہ کی حیثیت سے منسوب ہے یہ کلام اس معنی میں ہے اتریدون افکا کیا تم بہتان کا ارادہ کرتے ہو۔ مبرد نے کہا افک یہ بہت برا جھوٹ ہوتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اور مضطرب رہتا ہے اس سے اتفکت بہم الارض ہے۔ آلہۃ یہ افک سے بدل ہے۔ تریدون کا معنی ہے تم عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو معنی ہو کیا تم بہتان لگاتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہو جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو اس بارے میں کیا گمان ہو گا جبکہ تم نے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہوگی؟ یہ خبر دار کرنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا عَرَفَكَ بِإِذِكَ الْكَلِيمِ ﴿۱۸﴾ (انفقار) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کس وجہ سے تم وہم کا شکار ہوئے یہاں تک کہ تم نے دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا؟ ابن زید نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے ہمارے ساتھ چلیے تو آپ علیہ السلام نے ایک طلوع ہونے والے ستارے کی طرف دیکھا فرمایا: یہ ستارہ میری بیماری کے ساتھ طلوع ہوتا ہے (۲)۔ علم نجوم ان لوگوں میں استعمال ہوتا تھا اس میں نظر و فکر کی جاتی تھی تو آپ نے انہیں اس طریقہ سے وہم میں مبتلا کر دیا اور ان کے اعتقادات کے باعث اپنے لیے عذر پیش کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مویشی پالتے اور زراعت کیا کرتے تھے یہ دونوں ذریعہ معاش ایسے تھے جن میں ستاروں کی چال میں نظر و فکر کی ضرورت ہوا کرتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علم نجوم بھی نبوت میں سے تھا جب اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت یوشع بن نون پر روک دیا تو اس علم کو باطل کر دیا (۳)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں علم نبوی کی حیثیت سے غور کیا تھا۔

جویر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: علم نجوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی جگہ داخل ہوتے جس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ تھی (۴)۔ حضرت مریم نے لوگوں سے پوچھا: تم نے اس کی جگہ کا علم کیسے حاصل کیا؟ تو لوگوں نے بتایا: ستاروں کے ذریعے، اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! انہیں علم نجوم کا فہم نصیب نہ کرنا تو کوئی بھی علم نجوم کو نہیں جانتا۔ شرع میں اس کا حکم ممنوع ہو گیا اور لوگوں میں اس کا علم مجہول ہو گیا۔ کلبی نے کہا: وہ لوگ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک دیہات میں رہتے جسے ہرمز جرد کہا جاتا وہ ستاروں میں نظر و فکر کیا کرتے تھے؛ یہ ایک قول ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جب لوگوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو آپ نے اپنے معمولات میں غور و فکر کیا اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو رائے ظاہر ہوئی اس میں غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہوا کہ ہر زندہ آدمی بیمار ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا **إِنِّي سَقِيمٌ** میں بیمار ہوں۔ خلیل اور مبرد نے کہا: جبکہ کوئی آدمی کسی چیز میں غور کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کہا جاتا ہے: **نظرفى النجوم**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گھڑی جس میں انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کو کہا تھا یہ وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو بخار نے آیا تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اشیاء میں سے جو چیزیں ظاہر ہوئیں تو ان میں آپ نے غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہو گیا کہ ان کا ایک خالق اور مدبر ہے اور ان میں اسی طرح تبدیلی واقع ہوگی جس طرح ان اشیاء میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو کہا **إِنِّي سَقِيمٌ**۔ ضحاک نے کہا سقیم کا معنی ہے مجھے عنقریب موت کی بیماری لگے گی کیونکہ جس پر موت لکھ دی گئی ہو عموماً وہ بیمار ہوتا ہے پھر وہ مرجاتا ہے۔ یہاں تو یہ اور تعریض کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح آپ نے بادشاہ سے اس وقت کہا تھا: میری بہن ہے جب اس نے سارہ کے بارے میں پوچھا تھا یعنی دینی اخوت ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ضحاک نے یہ بھی کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ایسی مرض اور سقیم کا اشارہ کیا جو متعدی ہوتا ہے جس طرح طاعون۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے وہ اس عدوی کے خوف سے آپ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ترمذی حکیم نے یہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے روایت کی انہیں عمرو بن حماد نے انہیں اسباط نے انہیں سدی نے انہیں ابومالک اور ابوصالح نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے۔ سمرہ نے ہمدانی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو ابراہیم نے کہا: ہماری ایک عید ہوتی ہے کاش! تم ہمارے ساتھ نکلتے تو ہمارا طریقہ تمہیں خوش کرتا، جب عید کا دن ہوا تو وہ لوگ عید کے لیے نکلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ نکلے ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ آپ گر گئے اور فرمایا: میں تو بیمار ہوں، میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے آپ کی ٹانگ پر قدم رکھے جبکہ آپ نیچے گرے پڑے تھے جب وہ آگے چلے گئے تو پیچھے آپ نے آواز دی: **تَاللّٰهِ لَا كَيْدَانَ اَصْنَامَكُمْ** (انبیاء: 57) ابو عبد اللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے لیے دو امر جمع ہو گئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین خلاف واقع باتیں کی ہیں (1)“ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آپ مریض تو نہ تھے آپ نے تعریض سے کام لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ** (زمر)

اس کا معنی ہے زمانہ آئندہ میں میں مریض ہوں انہوں نے یہ گمان کیا آپ اس وقت بیمار ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ کلام میں تعریض کی صورت ہے اس معنی میں مشہور مثل ہے کفی بالسلامۃ داء، سلامتی بیماری کے طور پر کافی ہے۔ لبید کا

بھی ایک شعر ہے:

فَدَعَوْتُ رَبِّي بِالسَّلَامَةِ جَاهِدًا لِيُصِحِّي فَإِذَا السَّلَامَةُ دَاءٌ (1)

میں نے کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے سلامتی کی دعا کی تاکہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے کیونکہ سلامتی بھی بیماری ہے۔ ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے اس پر بھیڑ کر لی لوگوں نے کہا: وہ مر گیا ہے جبکہ وہ صحت مند تھا تو ایک بندہ نے کہا: اصحیح من الموت فی عنقه۔ کیا وہ آدمی جس کی گردن میں موت ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے تھے مگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور وہ چنے ہوئے تھے تو اسے بھی گناہ شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يُغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٠﴾ (شعراء) اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے کفر کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں اضطراب تھا۔ نجوم یہ نجوم کی جمع ہے واحد ہو تو اصل میں یہ مصدر ہے۔

فَرَاغَ إِلَى إِلِهِتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿١١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿١٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿١٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْجُونَ ﴿١٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

”پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم یہ مٹھائیاں نہ کھاؤ گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں۔ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ رنگ رلیاں منانے کے بعد آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

سدی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کی طرف گئے (2)۔ ابو مالک نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: وہ ان کی طرف مائل ہوئے۔ کلبی نے کہا: ان کی طرف آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: راغ کا معنی ہے پھرے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے راغ یروغ روغانا جب وہ جھکا۔ طریق راغ یعنی ایسا راستہ جو ایک طرف جھکا ہوا ہو۔ شاعر نے کہا:

وَيُرِيكَ مِنْ طَرَفِ اللِّسَانِ حَلَاوَةً وَيَرُودُ عَنْكَ كَمَا يَرُودُ الشَّعْبُ

وہ زبان کی ایک جانب سے تیرے لیے مٹھاس دکھاتا ہے اور تم سے یوں مکر کرتا ہے جس طرح لومڑی کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یوں خطاب کیا جس طرح عقلاء کو خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ بت پرست بتوں کو عقلاء کا درجہ دیا کرتے تھے اسی طرح: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿١١﴾ میں عقلاء جیسا خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں کے سامنے کھانا پڑا ہوا تھا لوگوں نے وہ کھانا اس کے لیے رکھ چھوڑا تھا تاکہ جب وہ عید سے واپس لوٹیں گے تو وہ

اس کھانے کو کھلائیں گے انہوں نے یہ کھانا اس لیے رکھا تھا تا کہ ان کے اعتقاد کے مطابق کھانے میں بتوں کی برکت حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کھانا بتوں کے خدام کے لیے چھوڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر وہ کھانا بتوں کے قریب کیا اور کہا: **اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۗ مَا لَكُمْ لَا تَنْطُقُوْنَ ۗ** (صافات)

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۗ دائیں ہاتھ سے ضرب کو خاص کیا کیونکہ اس کی ضرب قوی اور سخت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یمن بمعنی عدل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۗ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۗ** (الحاقہ) عدل، یمن کے لیے اور جور شمال کے لیے استعمال ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ دشمنی اور معاصی کا ذکر کرنا ہو تو شمال کا ذکر کرتے ہیں اور طاعت کا ذکر کرنا ہو تو یمن کا ذکر کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: **إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۗ** (صافات) یعنی طاعت کے طریقہ پر، یمن عدل کی جگہ ہے اور شمال، ظلم کی جگہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پس بیعت دائیں ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے قیامت کے روز کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائیگی کیونکہ اس نے بیعت کا حق ادا کیا بیعت کو توڑنے والے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والے کو بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی کیونکہ وہاں ظلم کا تصور موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۗ** یعنی اس عدل کے ساتھ جس پر یوم میثاق اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پھر اسے یہاں پورا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس طرح جدیدہ ہے اس سے مراد ستو ہے۔ یہاں یمن قوت کے معنی میں نہیں۔

فَأَقْبَهُوْا إِلَيْهِمْ يَوْمَ ۗ حمزہ نے پڑھا یُزْفُونَ باقی قراء نے یُزْفُونَ پڑھا ہے وہ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: معنی ہے وہ چلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب آرام سے چل رہے تھے، وہ اس سے بے خوف تھے کہ کسی نے ان کے معبودوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال میں چلتے ہیں اسی سے **ذَفِيفَ النِّعَامِ** ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ دوڑتے ہیں (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ غصہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر کے انداز میں چلتے ہیں (3)؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے: **زَفَافَ الْعُرُوسِ** الی زوجہا دلہن کا اپنے خاوند کی طرف ناز و ادا سے چلنا۔ فرزدق نے کہا:

دَجَاءَ قَرِيْبِ السُّوْلِ قَبْلَ إِفْقَالِهَا
يَرِيْفٌ وَجَاءَتْ خَلْقَهُ وَهِيَ زُفْفُ

جس نے اسے یُزْفُونَ پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا وہ دوسرے لوگوں کو تزخیف پر ابھارتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مفعول محذوف ہے۔ اصمعی نے کہا: ازففت الابل میں نے اونٹ کو تیز چلنے پر برا بھیختے کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں یوں کہا جاتا ہے: **زَفَ الْقَوْمِ وَأَزْفُوا**، **زَفَفَتِ الْعُرُوسُ** ازففتھا و ازدفثھا۔ سب کا ایک ہی معنی ہے، مزفہ سے مراد وہ پاکی ہے جس میں دلہن کو لایا جاتا ہے؛ یہ خلیل سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: یُزْفُونَ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا ہے: یہ لغت معروف نہیں جبکہ علماء کی ایک جماعت اس معنی سے آگاہ ہے ان میں فراء بھی ہے اس نے اسے ان

کے اس قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے: اطردت الرجل میں نے اسے دھتکارا گیا بنا دیا۔ طردتہ میں نے اسے ایک طرف کر دیا اس نے اور دوسرے علماء نے یہ شعر ذکر کیا:

تَسْنَى حُصَيْنٌ أَنْ يَسُودَ جِذَاعَةٌ فَامَسَى حُصَيْنٌ قَدْ أُذِلَّ وَأَقْبَهَرَ

حُصَيْنٌ نے آرزو کی کہ وہ بنی جزاعہ کا سردار بنے حُصَيْنٌ ذلیل کیا گیا اور مجبور کیا گیا ہو گیا یعنی اسے یوں بنا دیا گیا اسی طرح یُزْفُونُ ہے انہیں جلدی چلنے والا بنا دیا گیا (یعنی باب افعال میں صیروت کا خاصہ پایا جا رہا ہے) محمد بن زید نے کہا: زَفِيفٌ کا معنی تیز چلنا ہے۔ ابواسحاق نے کہا: زَفِيفٌ سے مراد چوپائے کے دوڑنے کے آغاز کو کہتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: کَسَائِي نے یہ گمان کیا ہے کہ ایک قوم نے پڑھا فاقبلوا اليه يزفون اس وقت یہ وزن يزف سے مشتق ہوگا جس طرح وزن يزف ہے نحاس نے کہا: یہ ابو حاتم کی حکایت ہے اور ابو حاتم نے کَسَائِي سے کوئی چیز نہیں سنی ہے۔ فراء نے کَسَائِي سے سنا کہ وہ يزفون کو مخفف نہیں پہچانتے۔ فراء نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ ابواسحاق نے کہا: ان دونوں کے علاوہ علماء جو اسے پہچانتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: وزف يزف جب وہ تیزی کرے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے يزفون پڑھا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ عبد اللہ بن زید کی قراءت ہے جو مہدوی نے ذکر کی ہے۔ زمخشری نے کہا يزفون مجہول کا صیغہ ہے اور يزفون یہ زفا سے مشتق ہے جب وہ اس کے لیے حدی خوانی کرے گویا ان میں سے بعض بعض کے لیے حدی خوانی کرتے ہیں تاکہ وہ سب اس کی طرف جلدی چلیں۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن سمیع سے يزفون ذکر کیا ہے یعنی یہ راء کے ساتھ ہے یہ رفیف النعام سے مشتق ہے اس سے مراد چلنے اور اڑنے کے درمیان دوڑنے کا عمل ہے۔

قَالَ اَلتَّعْبُدُونَ مَا تَشْكُونَ ۝ اس کلام میں حذف ہے قالوا من فعل هذا بالهتتا انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ اَلتَّعْبُدُونَ مَا تَشْكُونَ تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ نعت کا معنی چھیلنا ہے نعتہ ینعتہ نعتا۔ اسے چھیلنا نعتہ: البرایة والمنعت۔ جس کے ساتھ چھیلنا جائے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ ما کل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم بناتے ہو مراد لکڑی، پتھر وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ تَرَبُّوا لَكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ الَّذِي فَطَرَ هُنَّ (انبیاء: 56) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے اس سے مقصود ان کے عمل کی حقارت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما نافیہ ہے معنی ہے کہ تم تو انہیں نہیں بناتے بلکہ ان سب چیزوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے زیادہ بہتر ہے کہ مافعل کے ساتھ مصدر کے حکم میں ہو تقدیر کلام یہ ہو واللہ خلقکم وعلیکم یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندے کا کسب ہے اس میں قدر یہ اور جبر یہ کا ابطال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے ان اللہ خالق کل صانع وصنعة (1) اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے: یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے حدیفہ کی حدیث سے اسے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ عزوجل صنع کل صانع وصنعة فهو الخالق

وہو الصانع سبحانہ اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی خالق و صانع ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے یہ تمام چیزیں کتاب الاسفی فی شرح أسماء اللہ الحسنى میں بیان کر دی ہیں۔

قَالُوا اٰتٰوْا لَہٗ بُنِیَآئِنَا فَاَلْقَوْہَا فِی الْجَحِیْمِ ﴿۱۵﴾ فَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰہُمْ
الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۱۶﴾

”انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔“
جس طرح یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر دلیل کے ساتھ غالب آگئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اسے دہکاؤ پھر اسے اس آگ میں پھینک دو یہی جحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی انہوں نے اسے آگ سے بھر دیا اور اس آگ میں پھینک دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: جب آپ آگ میں پہنچے تو کہا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ الجحیم میں الف لام ضمیر پر دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فی جحیمہ یعنی اس مکان کی آگ میں؛ طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

طبری نے یہ ذکر کیا ہے: اس کہنے والے کا نام ہیزن تھا جو فارس کے دیہاتی علاقوں کا تھا جو ترک ہیں وہ وہی آدی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے ”اسی اثنا میں ایک آدی اپنے حلقہ میں چل رہا ہوگا وہ اس حلقہ میں تکبر کر رہا ہوگا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو روز قیامت تک وہ زمین میں دھنسا ہی چلا جائے گا“ (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مکر کیا۔ کید سے مراد مکر ہے یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تو ہم نے ان لوگوں کو مقہور و مغلوب بنا دیا کیونکہ ان پر ایسی جگہ سے اسکی محبت نافذ ہوگئی جہاں سے اسے دور کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس کا مکر اور خفیہ تدبیر نافذ نہ ہوئی۔

وَ قَالَ اِنِّیْ ذٰہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیِّدِیْنِ ﴿۱۷﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَبَشَّرْنٰہُ
بِعُلْمِ حَلِیْمِ ﴿۱۹﴾

”اور آپ نے کہا: میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ دعا مانگی: میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔“
اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت ہجرت میں اصل ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ عمل کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یہ

اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے چھٹکارا دیا تو آپ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں یعنی میں اپنی قوم کے شہر اور جائے پیدائش سے ہجرت کرنے والا ہوں جہاں میرے لیے اپنے رب کی عبادت کرنا ممکن ہوگا میں نے جب صحیح عمل کی نیت کی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ہدایت دینے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مخلوقات میں سے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ ارض مقدسہ یعنی شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں اپنے عمل، اپنی عبادت، اپنے دل اور نیت کو اپنے رب کی طرف لے جانے والا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ عمل کو لے جانے والے تھے، بدن کو لے جانے والے نہیں تھے۔ سورت کہف میں اس کی وضاحت مکمل گزر چکی ہے۔ پہلی ہجرت شام اور بیت المقدس کی طرف تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ حران کی طرف نکلے وہاں ایک عرصہ تک رہے اسے پھر یہ کہا گیا: یہ بات آپ نے اس شخص سے کی تھی جو آپ کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اسی نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی، یہ قول اس کے لیے تو بیخ کے طور پر تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے یہ بات اس شخص سے کی تھی جس نے آپ کی معیت میں ہجرت کی تھی مقصود اسے رغبت دلانا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات آپ نے آگ میں پھینکے جانے سے قبل کی تھی اس قول کی بنا پر اس میں دو تاویلیں ہیں: (1) میرے رب نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے میں اس کی طرف جانے والا ہوں (2) میں مرنے والا ہوں جس طرح آدمی فوت ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے: قد ذهب الی اللہ۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے سے ہی وہ مرجائیں گے کیونکہ آگ کے بارے میں معمول یہی ہے کہ جس آدمی کو آگ میں پھینکا جاتا ہے وہ مر جاتا ہے یہاں تک کہ آگ کو فرمایا گیا: کُنُوْنِیْ بَدْرًا وَاَوْسَلْمًا (الانبیاء: 69) اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام محفوظ ہو گئے۔ اس تاویل کی بنا پر سیدہ بنین میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں: (1) اس آگ سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائے گا (2) جنت کی طرف جانے کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

سلیمان بن مرد نے کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو وہ آپ کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے، ایک بوڑھی عورت اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھائے ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی: اذهب بہ الی هذا الذی ینذک الہتنا میں یہ اس کی طرف لے جا رہی ہوں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جایا گیا تا کہ آگ میں پھینکا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا انی اذهب الی ربی جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۰﴾ (آل عمران) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاِبْرٰہِیْمُ کُنُوْنِیْ بَدْرًا وَاَوْسَلْمًا تو حضرت لوط علیہ السلام کے باپ نے کہا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ اسے آگ نے اس لیے نہیں جلایا کیونکہ ات مجھ سے قرابت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک تنا نما انگارہ بھیجا جس نے اسے جلا دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے پہچان کر آدمی کہ وہ حضرت ابراہیم کو چھٹکارا دلانے والا ہے تو حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ایک بچے سے اس کی مدد فرمائے جو اس کی تنہائی میں انس کا باعث ہو۔ اس بارے میں گفتگو سورہ آل عمران میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے ہب لی ولدا صالحا من الصالحین۔ اس قسم کا حذف بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَبَشْرَانُهُ بِعَلِيمٍ حَلِيمٍ** یعنی وہ بڑا ہو کر حلیم ہوگا گویا اس بچے کی بقا کی خوشخبری دی کیونکہ چھوٹے بچے کی اس صفت کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ سورہ ہود میں جس طرح گزر چکا ہے یہ بشارت فرشتوں کی زبانی ہوئی تھی، سورہ الذاریات میں بھی اس کا ذکر ہوگا۔

فَلَمَّا بَدَأْتُمْ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يُبَيِّنُ لِي أَرَأَيْتَ إِنِّي أَرَامِي فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَأْتِي ۗ
 قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَ
 تَكَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَ نَادَيْتُهُ أَنْ يَا بُرْهَيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقَت الرُّعْيَاءُ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَ قَدَيْتُهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَ تَرَكْنَا
 عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ
 عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَ بَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَ بَرَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ
 إِسْحَاقَ ۗ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

”اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سراطعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو!) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے پھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر، اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔“

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچہ عطا فرمایا جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ وہ مددگار کے طور پر اپنے باپ کے ساتھ معاملات میں دوڑ دھوپ کرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں

دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ مجاہد نے کہا: جب وہ جوان ہو گیا اور اس کی قد و کاوش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد و کاوش تک جا پہنچی۔ فراء نے کہا: وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ اپنے باپ کے ساتھ چلے (1)۔ حضرت حسن بصری اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد دانش اور سمجھ بوجھ ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو۔ ابن زید نے کہا: جب وہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب انہوں نے نماز و روزہ رکھنا شروع کر دیا (2) کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے: **وَسَعَىٰ لَهَا سَعِيًّا** (بنی اسرائیل: 19)

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا؟ اکثر کی رائے یہ ہے اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ قول جنہوں نے کیا ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ سے صحیح یہی ہے۔ ثوری اور ابن جریج حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا: ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی یہی منقول ہے ایک آدمی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا: یا بنی الاشیاء الکرام تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں کہا: وہ حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حماد بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ان الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں (3)۔ یعنی کریم بن کریم بن کریم بن کریم حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں۔

ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی قول حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین اور دوسرے علماء نے بھی یہ قول کیا ہے جن میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب الاحبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزہ، عطاء، مقاتل، عبد الرحمن بن سابط، زہری، سدی، عبد اللہ بن ہزیرل اور امام مالک بن انس ہیں سب نے کہا: ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی نقطہ نظر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ کئی علماء نے اسی کو اختیار کیا ان میں حضرت نحاس، طبری اور دوسرے علماء ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دکھائے گئے آپ قربان گاہ میں آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرائی یہاں تک کہ منیٰ میں مینڈھے کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مینڈھے کو ذبح کیا آپ نے ایک ماہ کی مسافت ایک رات میں کھل کی آپ کے لیے واویاں اور پہاڑ لپیٹ دیئے گئے تھے؛ یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے نقل کرنے میں بہت قوی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا: ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن علماء نے یہ بات کہی ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل عامر بن داؤد ہیں یہی قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے تابعین میں سے سعید بن مسیب، شعبی،

یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ سے مروی ہے۔ ابو سعید خدری سے ذبیح کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

إِنَّ الذَّبِيحَ هُدَيْتَ إِسْعِيلُ نَطَقَ الْكِتَابُ بِذَلِكَ وَالتَّنْزِيلُ
شَرَفٌ بِهِ خَصَّ الْإِلَهَ نَبِينَا وَأَتَى بِهِ التَّفْسِيرُ وَالتَّأْوِيلُ
إِنْ كُنْتَ أُمَّتَهُ فَلَا تُنْكِرْ لَهُ شَرَفًا بِهِ قَدْ خَصَّهُ التَّفْضِيلُ

تجھے ہدایت نصیب ہو بے شک ذبیح حضرت اسماعیل ہیں کتاب و سنت اس کے بارے میں ناطق ہیں یہ ایسا شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو خاص کیا تفسیر و تاویل اسی بارے میں آئی ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو تو ان کے لیے ایسے شرف کا انکار نہ کر جسے فضیلت نے خاص کیا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ابو عمرو بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تیری عقل تجھ سے کہاں چلی گئی؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کہاں تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ تھے انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ مکرمہ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ”ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں“۔

پہلی تعبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین سے بہت زیادہ سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

ان علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ہاں ہجرت کی تو آپ نے شام کی جانب اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، مجھے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۹﴾ اے اللہ! مجھے ایک صالح بچہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَ مَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَ هَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ (مریم: 49) اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ قَدْ آتَيْنَاهُ بِنَبِيٍّ عَظِيمٍ ﴿۲۰﴾ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ فد یہ حلیم بچہ میں ہوا جس حلیم بچے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی کیونکہ ارشاد فرمایا: وَ بَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ اور یہاں فرمایا: يُعْلِمُ حَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ یہ واقعہ اس سے قبل کا ہے جب آپ نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قرآن میں صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی گئی۔

جس نے یہ کہا: اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر سے بیان کی حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بیان نہیں کی ارشاد فرمایا: وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِدْرِيسَ وَ ذَا الْكُفْلِ ﴿۲۲﴾ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۳﴾ (الانبیاء) وہ ان کا ذبیح پر صبر کرنا تھا اس کی صفت صدق وعد سے بیان کی فرمایا: إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس نے اپنے باپ سے صبر پر وعدہ کیا اور اسے پورا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا

تو اسے ذبح کرنے کا کیسے حکم دے سکتے تھے جبکہ ان کے بارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نبی ہونگے نیز یہ ارشاد فرمایا:
فَبَشِّرْ نَهَا بِاسْحَقٍ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ اسْحَقُ يَعْقُوبُ ﴿٧١﴾ (ہود: 71) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں وعدہ پورا ہونے سے قبل کیسے انہیں ذبح کا حکم ہو سکتا تھا۔

نیز یہ بھی وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا۔ پس یہ استدلال نزاع کو ختم نہیں کرتا۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے؟ کیونکہ اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ذبح کے حکم کے بعد ان کے لیے نبوت کی بشارت دی گئی ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئیگی ممکن ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ہو تو یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں یہ تو مذکور نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوگی۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اگر ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا؟ اس کا جواب وہ ہے جو سعید بن جبیر نے دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ذبح دونوں میں سے کون ہے؟ یہ تیسرا مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین راتیں پورے خواب دیکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولوں کے پاس وحی بیداری اور نیند کی حالت میں آتی ہے کیونکہ انبیاء کے دل نہیں سوتے یہ حدیث میں ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ سدی نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت سے قبل ہی ان کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پھر وہ اللہ کے لیے ذبح ہے انہیں خواب میں کہا گیا: تو نے ایک نذر مانی تھی تو اپنی نذر پوری کرو (1)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اپنا میٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو آپ نے اپنے دل میں سوچا کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے ہے؟ تو اس کو یوم ترویہ کا نام دیا گیا جب اگلی رات ہوئی تو آپ نے وہی خواب دیکھا تو آپ کو وعدہ یاد دلا یا گیا جب صبح کی تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ہے تو اسے یوم عرفہ کا نام دیا گیا پھر تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو آپ نے ذبح کا ارادہ کیا تو اسے یوم نحر کا نام دیا گیا۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تو حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت ذبح علیہ السلام نے کہا: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر واللہ الحمد۔ تو یہ تکبیر سنت بن گئی۔ اس امر کے وقوع میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اہل سنت نے کہا: نفس ذبح واقع نہیں ہوا ذبح کا امر ذبح کے وقوع سے پہلے واقع ہو گیا اگر یہ ذبح کا عمل ہو جاتا تو اس کے اٹھانے کا تصور نہ ہوتا یہ چیز فعل کے وقوع سے پہلے نسخ کے باب سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر ذبح کے امر کی اطاعت سے فراغت حاصل ہو جاتی تو فد یہ کا ثبوت نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو جس سے آگاہ کیا اس کو آپ نے ثابت کر دیا جو آپ کے لیے ممکن تھا وہ آپ کر گزرے پھر جب ہم نے تجھے روک دیا تو تم رک گئے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا یہ اس میں صحیح ترین ہے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو کسی وجہ سے منسوخ ہو کیونکہ ذبحت الشئ کا معنی ہے میں نے اسے نکلنے نکلنے کیا؛ مجاہد کے قول سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم سے عرض کی: لا تنظرا ان فتوحنی ولكن اجعل وجهی الی الارض میری طرف مت دیکھنا کہ کہیں تمہیں مجھ پر رحم آجائے بلکہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری لی اسے حضرت اسحاق کے حلق پر پھیرا تو وہ الٹی ہو گئی تو حضرت اسحاق نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ فرمایا: چھری الٹ گئی ہے۔ حضرت اسحاق نے کہا: اسے نیزے کی طرح مجھ میں چبھو دیں۔ بعض نے کہا: جب بھی آپ کوئی حصہ کاٹتے تو وہ جڑ جاتا۔ ایک طائفہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حلق تانے کا پایا یا تانے سے ڈھکا ہوا پایا جب آپ اسے کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اسے محفوظ پاتے۔ یہ سب قدرت البیہ میں جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سند صحیح ہو کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کو نظر و فکر سے نہیں جانا جاسکتا اس کے جاننے کا طریقہ خبر ہی ہے اگر یہ ایسا ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے ضرور بیان کرتا اور فد یہ کو بیان کرنے سے اس کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہوتی۔

بعض علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح حقیقی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے مراد رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لیے لٹایا ہے تو انہیں وہم ہوا کہ اسے ذبح حقیقی کا حکم دیا گیا ہے جب آپ نے وہ کام کر دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یعنی پہلو کے بل لٹانے کا تو آپ کو کہہ دیا گیا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ تعبیر مفہوم ہے خارج ہے؛ خلیل اور ذبح کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں اس امر سے وہ سمجھیں جو اس کا حقیقی معنی و مفہوم نہ ہو یہاں تک کہ دونوں کو وہم ہوا ہو۔ اگر یہ چیزیں صحیح ہوں تو فد یہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ عاصم کے علاوہ دوسرے کوفہ کے علماء نے اسے ماذا اثری پڑھا ہے یعنی تاء مضموم ہے اور راء مکسور ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے دیکھ تو کسی تو اپنے صبر اور جزع میں سے کیا دیکھتا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ قول اس کے علاوہ کسی

اور نے نہیں کیا۔ علماء نے کہا: تو کیا رائے رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ نے تری کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ آنکھ کے ساتھ دیکھنے کو خاص ہے۔ ابو حاتم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ آنکھ سے اور دوسری چیز سے دیکھنا ہے؛ یہی مشہور ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اُرَيْتَ فَلَانَ الصَّوَابِ اُرَيْتَهُ رُشِدَةً تَوْنَةَ فِلَانٍ كَوْحُوحٍ خِيَالٍ كَمَا هِيَ، تو نے اسے ہدایت یافتہ خیال کیا ہے؛ یہ آنکھ سے دیکھنا تو نہیں۔ باقی قراء نے تری پڑھا ہے جو روایت کا مضارع ہے۔ ضحاک اور اعمش سے تری مجہول کا صیغہ مروی ہے۔ حضرت ابراہم علیہ السلام نے انہیں یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں مشورہ کریں آپ نے ان سے اس لیے مشورہ کیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں اس کے صبر کو جان لیں یا تا کہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کو دیکھیں۔

قَالَ يَا هَبْتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اصل میں ما تو مریہ ہے یہاں سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اس قول سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے

امرُتكَ الخَيْرَ فافعل ما أمرتُ به (1)

اصل میں بالخیر تھا فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ تو مریہ ہو گیا پھر ضمیر کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (النمل: 59) اصل میں اصطفاهم تھا جس طرح پہلے بحث گذر چکی ہے ما، الذی کے معنی میں ہے یعنی اہل اشارہ نے کہا: جب ان شاء اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق دی۔ یا ایت اور یا بنی کے بارے میں گفتگو پہلے سورہ یس وغیرہ میں گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب دونوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم نے فلما سلما قراءت کی انہوں نے اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے جب دونوں نے تابعداری کی۔ قتادہ نے کہا: جب ان دونوں میں سے ایک نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کیا اور دوسرے نے اپنا بیٹا سپرد کر دیا۔ وَ تَلَّكَ لِنَجْمِيْنَ ۝ قتادہ نے کہا: اسے منہ کے بل گرایا اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا۔ بصریوں کے نزدیک لسا کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فَلَمَّا آسَلَمَا وَ تَلَّكَ لِنَجْمِيْنَ فدیناہ بکبش۔ کو فیوں نے کہا جواب: تَادِيْتُهُ ہے واؤزاندہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِمْ وَ اجْمَعُوا اَنْ يَّجْعَلُوْا فِيْ غَيْبَتِ الْجُبِّ ۗ وَاَوْحَيْنَا (یوسف: 15) یہ اوحینا ہے واؤزاندہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ هُمْ مِنْ كَلِمٍ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ ۝ وَاَقْتَرَبَ (الانبیاء) یہ بھی اقترب تھا واؤزاندہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَلَقَىٰ اِذَا جَاءَ عُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ (الزمر: 73) اصل میں قال تھا واؤزاندہ ہے یعنی قال لهم۔ امر و القیس نے کہا:

فلما اجزنا ساحة واتسحی

اصل میں اتسحی تھا واؤزاندہ ہے یہ بھی کہا:

حَتَّىٰ إِذَا حَصَلَتْ بُطُونُكُمْ وَرَأَيْتُمْ أَبْنَاءَكُمْ شَبِيحًا
وَقَلْبَتُمْ ظَهَرَ السَّجِينُ لَنَا إِنَّ اللَّئِيمَ الْفَاجِرَ الْخَبِيثُ

یہاں تک کہ تمہارے پیٹوں نے اٹھایا اور تم نے اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور تم نے ہمارے لیے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا بے شک کمینہ فاجر نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔

یہاں بھی اصل میں قلبتہم تھا واؤ زائدہ ہے۔

نحاس نے کہا: واؤ حروف معانی میں سے ہے اسے زائد کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ ذبیح نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اے میرے والد! میرے اعضاء کو باندھ دو تا کہ میں نہ پھڑکوں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ لو تا کہ میرے خون کا کوئی چھینٹا اس پر نہ پڑے کہ میری ماں دیکھے اور وہ غمگین ہو جائے، چھری کو میرے حلق پر جلدی چلانا تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے، مجھے منہ کے بل لٹانا تا کہ تو میرے چہرے کو نہ دیکھے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے اور میں چھری کو نہ دیکھوں کہ میں گھبرا جاؤں، جب تو میری ماں کے پاس جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن پر تانبا چڑھا دیا چھری نے کچھ عمل نہ کیا پھر اس کی پیشانی پر مارا اور پھر اس کی گدی میں اسے چلایا تو چھری نے کچھ عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَتَكَلَّمْنَا بِالنَّجْوَىٰ** کا یہی معنی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس کا معنی ہے اسے اس کے منہ بل گرا دیا تو ندا دی گئی: **يَا بُرْهَيْمُ لِي قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا** آپ متوجہ ہوئے تو وہاں ایک مینڈھا کھڑا تھا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عدم صحت کے بارے میں اشارہ پہلے گذر چکا ہے، معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجوب کا اعتقاد کر لیا اور عمل کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ ذبح کی حالت ہے اور یہ مذبح کی صورت ہے دونوں نے ذبح کی جگہ فدیہ دے دیا وہاں چھری کا چلنا نہیں۔ اس تاویل کی بنا پر فعل کے بجالانے سے قبل نسخ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جوہری نے کہا: **وَتَكَلَّمْنَا بِالنَّجْوَىٰ** یعنی اسے نیچے لٹایا جس طرح تو کہتا ہے: کبہ لوجہہ اسے منہ کے بل گرا دیا۔ مہدوی نے کہا: تل کا معنی دھکا دینا اور گرانا ہے، اسی معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **وَتَرَكَوكَ لِمَتَلِّكَ** یہ لمصرعک کے معنی میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: **فَجَاءَ بِنَاقَةٍ كَوْمَاءَ فَتَلَّهَا** وہ اونچی کہاں والی اونٹنی لایا تو اسے بٹھایا۔ حدیث طیبہ میں ہے **بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أْتَيْتُ بِهَفَاتِيمَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَتَلَّتْ فِي يَدِي (1)** اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو وہ میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔ ابن انباری نے کہا: میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: **تَلَّتْ الرَّجُلُ** جب تو اسے گرائے۔ ابن اعرابی نے کہا: تو تیرے ہاتھ میں ڈال دی گئیں۔ تل کا معنی ڈالنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: **تَلَّ يَتَلُّ** جب اسے انڈیلا جائے **تَلَّ يَتَلُّ** جب وہ گر جائے۔

بعض اہل اشارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا پھر اپنے بچے کو محبت کی نظر سے دیکھا

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبوب مشترک محبت پر راضی نہ ہوا، اسے حکم دیا گیا: اے ابراہیم! میری رضا کی خاطر اپنے بچے کو ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آستین چڑھالیں، چھری پکڑ لی، اپنے بچے کو پہلو کے بل لٹا دیا پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اپنی رضا کی خاطر مجھ سے یہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے ابراہیم! مقصود بچے کو ذبح کرنا نہیں تھا، مقصود یہ تھا کہ تو اپنے دل کو میری طرف پھیر دے جب تو نے اپنے دل کو کلیتہً میری طرف پھیر دیا تو ہم نے تیرا بچہ تیری طرف لوٹا دیا ہے۔

کعب اور دوسرے علماء نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ان کے بچے کے ذبح کو دکھایا گیا تو شیطان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے اس مرحلہ میں آل ابراہیم کو آزمائش میں نہ ڈالا تو میں ان میں سے کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈال سکوں گا، شیطان نے ان کے سامنے ایک انسان کی شکل اختیار کی پھر اس بچے کی ماں کے پاس آیا پوچھا: کیا تو جانتی ہے ابراہیم تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: ہرگز نہیں وہ اس کے بارے میں اس سے زیادہ شفیق ہے۔ شیطان نے کہا: ابراہیم کا خیال ہے اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: اگر اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے تو اس کا اپنے رب کی اطاعت کرنا بہت اچھا ہے۔ پھر شیطان بچے کے پاس آیا کہا: کیا تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہا: وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس کا گمان ہے کہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ بچے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے وہ اسے ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا: تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ شیطان تیرے پاس نیند کی حالت میں آیا ہے اس نے تجھے تیرا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو پہچان گئے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! مجھ سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! میں اپنے رب کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ ملعون نے ان سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ☆ پھر درمیانی جمرہ کے پاس شیطان آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر آخری جمرہ کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے (1)۔

اس جگہ کے بارے میں اختلاف ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم پر۔ ایک قول یہ کیا گیا: منیٰ میں قربان گاہ میں جمروں کے پاس جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

☆ تو جمرہ عقبہ کے پاس شیطان کے سامنے آیا تو آپ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔

سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ آپ نے منیٰ میں شبیر پہاڑ کے نیچے چٹان پر ذبح کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: آپ نے شام میں ذبح کیا تھا جو بیت المقدس سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

پہلا قول اکثر بیان کیا گیا ہے کیونکہ احادیث میں یہ وارد ہے کی مینڈھے کے سینگوں کو کعبہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اسلام کا ابتدائی دور تھا اس مینڈھے کا سر اپنے دونوں سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا وہ خشک تھا۔

جس نے یہ کہا کہ ذبح کا عمل شام میں ہوا تھا اس نے سر کے لٹکانے کا یہ جواب دیا: ممکن ہے یہ سر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف لایا گیا ہو؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ دینا و آخرت میں شہداء سے چھٹکارے کے ساتھ انہیں جزا دیں گے یہ ظاہر و باہر نعمت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَبْلَاةَ اللّٰهِ اِبْلَاءٌ وَّ بِلَاءٌ جَبَّوْهُ اس پر احسان کرے۔ بعض اوقات بلا بھی کہا جاتا ہے، زبیر نے کہا: فَا بْلَا هَا خَيْرٌ مِنَ الْبِلَاءِ الَّذِي يَنْبُو اس نے ان دونوں پر بہترین احسان و انعام کیا۔

ایک قوم کا گمان ہے یہ دونوں لغتوں کے ساتھ آیا ہے، دوسرے علماء نے کہا: بَلَاةٌ يَنْبُو اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کا امتحان لے، اختبار کے لیے بَلَاةٌ يَنْبُو استعمال کرتے ہیں بِلَاءٌ کے لیے يَنْبُو کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اختیار کی اصل یہ ہے کہ وہ بھلائی کی صورت میں ہو یا شر کی صورت میں ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَبَلُّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 35) ابوزید نے کہا: یہ بھی اسی آزمائش میں سے تھا کہ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ کہا: یہ ایسی آزمائش تھی جو پسندیدہ نہ تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ ذبح مذہب کا اسم ہے اس کی جمع ذبوح آتی ہے جس طرح طحن مطحون کا اسم ہے۔ ذبح فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے، عظیم سے مراد قدر و منزلت کی عظمت ہے اس سے عظیم الجثہ مراد نہیں اس کی قدر کو عظیم قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ذبح کا فد یہ دیا اس وجہ سے اس کی عظیم صفت ذکر کی کیونکہ وہ عمل قبول ہوا۔ نحاس نے کہا: لغت میں عظیم کا لفظ کبیر اور شریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا: یہاں یہ شریف کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا جو قبول ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو حضرت ہابیل نے قربانی کے طور پر دیا تھا، یہ جنت میں چرتا پھرتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت اسماعیل کا فد یہ دیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا، یہ چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فد یہ پہاڑی بکروں میں سے نر کو دیا گیا جو شبیر پہاڑ سے نیچے اترتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے کے فد یہ کے طور پر ذبح کیا تھا؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا، اسے پکڑا اسے ذبح کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کر دیا اے بیٹے! آج تو مجھے بہ کیا گیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ قول

کیا گیا ہے آپ نے وعل فدیہ دیا، وعل سے مراد پہاڑی نر ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ مینڈھے کو فدیہ کے طور پر دیا گیا۔
مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ غنم (بھیڑ بکری) کی قربانی اونٹ اور گائے سے افضل ہے؛ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: قربانیوں میں سے بہترین بھیڑوں میں سے نر ہے بھیڑوں میں سے مادہ، بکری کے نر سے بہتر ہے اور بکریوں میں سے نر، اونٹ اور گائے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَقَدْ يَنْبَغُ عَظِيمٌ** ①۔ یعنی جس کا جسم بھاری اور موٹا تھا یہ مینڈھا تو ہو سکتا ہے اونٹ اور گائے نہیں ہو سکتی۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: میں نے نذرمانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کروں؟ فرمایا: تیرے لیے موٹا مینڈھا کافی ہے پھر یہ آیت پڑھی: **وَقَدْ يَنْبَغُ عَظِيمٌ** ②۔

بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں مینڈھے سے افضل حیوان ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت اسحاق کا فدیہ دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مینڈھوں کی قربانی دی جس کی اکثر قربانی دی جاتی ہے وہ مینڈھا ہی ہوتا ہے۔
 ابن ابی شیبہ، ابن علیہ سے وہ لیث سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ذبح سے مراد بڑی بکری ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کونسی چیز افضل ہے قربانی یا اس کی قیمت کا صدقہ؟ امام مالک اور آپ کے شاگردوں کا نقطہ نظر ہے: قربانی افضل ہے مگر منیٰ میں کیونکہ وہ قربانی کی جگہ نہیں؛ یہ ابو عمر نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسے ہم نے بلال سے روایت کیا ہے کہ کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ایک مرغے کی قربانی کروں ایک یتیم کے ہاتھ میں دے دینا جو خاک نشین ہے، محدث نے اس طرح کہا ہے، مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کی قربانی دوں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ صدقہ افضل ہے یہی امام مالک اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس میں دوسرا قول بھی ہے ابو عمر اور امام احمد بن حنبل نے کچھ اضافہ کیا ہے انہوں نے کہا: قربانی صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی نماز عید کی طرح سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ نماز عید تمام نوافل سے افضل ہے اسی طرح سنن تمام نوافل سے افضل ہے۔ ابو عمر نے کہا: قربانی کی فضیلت میں آثار حسن مروی ہیں ان میں سے ایک سعید بن داؤد سے مروی ہے وہ ابو زبیر سے وہ مالک سے وہ ثور بن زید سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”صلہ رحمی کے بعد کوئی نفع اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی کرنے) سے افضل نہیں“ (1)۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے جو مالک سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: اے لوگو! قربانی دو اور خوش دلی سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے بھی اپنی قربانی کو قبلہ رو لٹایا اس کا خون، اس کے سینگ اور اس کی اون قیامت کے روز اس کے میزان میں حاضر کیے جائیں گے کیونکہ خون اگر مٹی میں واقع ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا حساب دیا جاتا ہے“ ابو عمر نے یہ روایت کتاب ”التمہید“ میں ذکر کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یوم نحر کے اعمال

میں سے کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے، قربانی دینے سے بہتر نہیں قیامت کے روز وہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذیشان مقام تک جا پہنچتا ہے، خوش دلی سے قربانی دیا کرو (1)۔“ کہا اس باب میں عمران بن حسین زید بن ارقم سے بھی یہ روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 10۔ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت اور معروف ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانی والے دن دو درہم دے کر مجھے بھیجتے ہیں ان کے لیے گوشت خرید کر لاتا اور کہتے: جس سے تو ملے تو اسے کہنا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قربانی ہے۔

ابو عمر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ قربانی نہیں دیا کرتے تھے اہل علم کے نزدیک اس کا مصداق یہ ہے کہ اس عمل پر دوام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ عمل واجب و فرض ہے، وہ ائمہ تھے، مابعد لوگ ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، دینی معاملات میں ان کی طرف دیکھا جاتا تھا کیونکہ یہ ہستیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے درمیان واسطہ تھیں ان کے لیے اس بارے میں ایسا اجتہاد جائز تھا جو کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

امام طحاوی نے اپنی مختصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا: قربانی مقیم لوگوں پر واجب ہے جبکہ وہ قربانی پاتے ہوں اور شہروں میں مقیم ہوں مسافر پر واجب نہیں کہا: آدمی پر اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر اپنی ذات کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

ابو عمر نے کہا: یہ امام مالک کا قول ہے۔ کہا: کسی کے لیے اسے ترک کرنا مناسب نہیں وہ مسافر یا مقیم ہو اگر اسے ترک کیا تو اس نے کتنا ہی برا عمل کیا ہاں جب اس کے لیے عذر ہو مگر منیٰ میں حاجی کے لیے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام شافعی نے کہا: تمام لوگوں پر سنت ہے منیٰ میں حاجیوں پر قربانی کرنا سنت ہے یہ واجب نہیں جو علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو حکم دیا کہ دوبارہ قربانی دے کیونکہ جو واجب نہ ہو اس کے دوبارہ بجالانے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسرے علماء نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی دینے کا ارادہ کرے (3)“ انہوں نے استدلال کیا: اگر قربانی واجب ہوتی تو اس امر کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا؛ یہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال کا نقطہ نظر ہے۔

1- جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ما جاء في فضل الأضاحی، جلد 1، صفحہ 180

2- جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ما جاء في فضل الأضاحی، حدیث نمبر 1413، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3- سنن ابن ماجہ، کتاب الأضاحی، من اراد ان یضحی، صفحہ 234

مسئلہ نمبر 11۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی قربانی دی جاسکتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (یعنی اس میں سے مذکر اور مونث)۔ ابن منذر نے کہا: حسن بن صالح سے مروی ہے کہا: جنگلی گائے کی سات افراد کی جانب سے قربانی دی جاسکتی ہے۔ ہرن کو ایک آدمی کی جانب سے قربانی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر جنگلی بیل، پالتو گائے پر واقع ہوتا ہے یا پالتو بیل جنگلی گائے پر واقع ہوتا ہے تو ان سے جنم لینے والا جانور قربانی نہیں دیا جاسکتا۔ اصحاب رائے نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ اس کا بچہ ماں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ابو ثور نے کہا: اس کی قربانی جائز ہے جب وہ انعام کی طرف منسوب ہے (یعنی جب وہ انعام میں داخل ہے)۔

مسئلہ نمبر 12۔ ذبح کے وقت اور قربانی کا گوشت کھانے کے بارے میں مفصل گفتگو سورہ الحج میں گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گیس سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے بسم اللہ شریف پڑھی اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں کو اس کی پسلیوں پر رکھا (1)۔“ ایک روایت میں ہے کہ آپ کہہ رہے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر۔ سورہ الانعام میں حضرت عمران بن حصین کی حدیث گذر چکی ہے اور سورہ مائدہ میں ذبح کرنے کا طریقہ، اس کی وضاحت، جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے مفصل گذر چکا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ فرمایا ”اے عائشہ! چھری لاؤ“ پھر فرمایا: ”اسے پتھر پر تیز کر دو“ تو میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور اس مینڈھے کو پکڑا اسے پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا پھر کہا: بسم اللہ اللہم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمۃ محمد (2)۔ بسم اللہ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبول فرما پھر اسے چاشت کے وقت کھایا۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن بصری قربانی کے بارے میں کہا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر هذا منك ولک تقبل من فلان، بسم اللہ اکبر، یہ تیری جانب سے ہے، تیرے لیے ہے اسے فلاں سے قبول فرما۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے ایسا کیا تو بہت اچھا کیا اگر اس نے اس طرح نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو یہ اسے کافی ہو جائے گا۔ امام شافعی نے کہا: ذبیحہ پر تسمیہ صرف بسم اللہ کے الفاظ ہیں اگر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے کسی چیز کا اضافہ کیا یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درود شریف پڑھا تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا یا کہا: اے اللہ! اسے مجھ سے قبول فرمایا فلاں کی جانب سے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا میرے نزدیک مکروہ ہے میرے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت کہے: اے اللہ! فلاں کی جانب سے اسے قبول فرما اگر اس نے بسم اللہ کہنے سے قبل یا ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ایسا کہا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث اس قول کا رد کرتی ہے یہ بات پہلے گذر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأضاس، التکبیر عند الذبح، جلد 2، ص 835

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یتعجب من الضحایا، جلد 2، ص 30

چکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا تھا: اللہ اکبر والحمد للہ تو یہ سنت کے طور پر باقی رہا۔

مسئلہ نمبر 13۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کن کن جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہا: ”چار“ حضرت براء اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور کہتے میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے چھوٹا ہے لنگڑی: ”جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، کمزور جس کی ہڈیوں میں گودانہ ہو“ (1)۔ امام مالک کے الفاظ ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھوڑے سے عیب میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھیں اور ہم مقابلہ، مدابره اور خرقاء کی قربانی نہ دیں کہا: ”مقابلہ سے مراد ہے جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو، مدابره جس کے کان کی جانب کٹی ہوئی ہو، خرقاء جس میں سوراخ ہو“ (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مؤطا شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسی ضحایا اور بدن سے بچتے جو مسنہ نہ ہوں اور جن میں کوئی عیب ہو۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ قتیبی نے کہا: لم تُسنن کا معنی ہے جس کے دانت نہ اگے ہوں گویا ابے دانت دیئے ہی نہیں گئے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فلان لم یلدن یعنی اسے دودھ نہیں دیا گیا، لم یُسنن اسے گھی نہیں دیا گیا، لم یُعسل اسے شہد نہیں دیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے قربانیوں میں ہتماء (جس کے اگلے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوں) سے منع کیا گیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی بکری کو قربانی دیا جائے جس کے سامنے کے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں جبکہ اس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے ٹوٹے ہوں اور وہ موٹی ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے اگر وہ بکری ابھی جوان ہو اور اس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اسے قربانی دینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا عیب خفیف نہیں نقصان سب کا سب مکردہ ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے ”اپنی سواریوں کو موٹا کرو کیونکہ یہی پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں“ (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو نحر کرے گا یا اسے ذبح کرے گا تو وہ ایک مینڈھا اس کا فد یہ دے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فد یہ دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے دوسری روایت بھی مروی ہے: وہ سوادنٹ ذبح کرے جس طرح عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا فد یہ دیا تھا۔ امام شافعی نے یہ دونوں روایتیں ان سے نقل کی ہیں۔ قاسم بن محمد نے ان سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ کفارہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاس، مالایعوز من الأضاس، جلد 1، صفحہ 181۔ ایضاً، حدیث 1417، ابوداؤد، حدیث 2420، نسیاء القرآن، جلی کیشنز

3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 55

2۔ مؤطا امام مالک، کتاب الضحایا، صفحہ 495

یمین کافی ہو جائے گا۔ مسروق نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ امام شافعی نے کہا: یہ معصیت ہے وہ ایسی نذر ماننے پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے اولاد کے حق میں تو اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہوگی اولاد کے علاوہ میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ امام محمد نے کہا: جس نے اپنے غلام کو نحر کرنے کی قسم اٹھائی تو اس پر اسی قسم کی چیز لازم ہوگی جیسی چیز اپنے بیٹے کو نحر کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی تھی جب وہ اس قسم کو توڑے۔

ابن عبدالحکم نے امام مالک سے اس آدی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جو یہ کہتا ہے: میں اپنا بچہ مقام ابراہیم پر ذبح کروں گا، وہ یہ قسم اٹھاتا ہے پھر وہ اس قسم کو توڑ دیتا ہے تو اس پر ہدی لازم ہوگی۔ کہا: جس نے یہ نذر مانا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرے گا اور مقام ابراہیم کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ کہا: جس نے اپنے بیٹے کو ہدی بنایا تو اس کی جانب سے ہدی دے۔ قاضی ابن عربی نے کہا: اس پر بکری لازم ہوگی جس طرح امام ابوحنیفہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی طور پر بچے کے ذبح کرنے کو بکری کا ذبح کرنا بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بچے کو ذبح کرنا لازم کیا تھا اور مینڈھے کے ذبح کرنے کے ساتھ اسے اس حکم سے فارغ کر دیا اسی طرح اگر کوئی غلام اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ بکری بھیڑ وغیرہ ذبح کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَمَّا آتَيْنَاكَ الْبُرْهَانِ (الحج: 78)** ایمان ایسی چیز ہے جو اصلاً لازم ہے اور نذر ایسی چیز ہے جو فرعی طور پر لازم ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ذبح کا حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کا حکم جائز نہیں ہوتا؟

ہم کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ پر اعتراض ہے جو آدی اسلام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ حلال و حرام کے بارے میں کیسے فتویٰ دے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **الْفَعْلُ مَا تُؤْمَرُ اس بارے میں جو چیز لوگوں کے دلوں سے اس التباس کو دور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معاصی اور طاعات اعیان کے ذاتی اوصاف نہیں۔ بے شک طاعات وہ چیزیں ہیں کہ جس فعل کے ساتھ امر متعلق ہو اور معصیت سے مراد وہ چیز ہے کہ جس فعل کے ساتھ نہی متعلق ہو جب امر اس چیز سے متعلق تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں تو یہی طاعت اور آزمائش ہوگئی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ** ۱۵ کیونکہ بچے اور نفس کو ذبح کرنے پر صبر کرنا تھا جب ہمارے بارے میں اس چیز سے متعلق ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں تو یہی معصیت ہوگی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ نذر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ معصیت ہے؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے: یہ معصیت ہوگی اگر وہ نذر کی وجہ سے بچے کے ذبح کا قصد کرتے اور اور فد یہ کی نیت نہ کرتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر ایسا واقع ہو جائے اس نے معصیت کا قصد کیا ہو اور فد یہ کی نیت نہ کی ہو؟ ہم کہیں گے: اگر اس نے اس کا قصد کیا ہو تو یہ چیز اس کے قصد میں اسے کوئی نقصان نہ دے گی اور اس کی نذر میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ بچے کی نذر شرعی طور پر بھیڑ، بکری کے ذبح کی صورت بن گئی ہے۔**

مسئلہ نمبر 15۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۱۵ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی ہم نے

ان کے بعد کی امتوں میں اچھی تعریف چھوڑی ہے کوئی بھی امت نہیں مگر وہ آپ پر درود پڑھتی ہے اور ان سے محبت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے **وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ** (الشعراء) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے یعنی ہماری طرف سے سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آفات سے سلامتی ہے جس طرح ارشاد فرمایا: **سَلِّمْ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ** (جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (یعنی ان مومن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبودیت کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے مستحق بن گئے۔

مسئلہ نمبر 16۔ **وَبَشِّرُنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ** (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی نبوت کی بشارت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بشارت دو دفعہ دی گئی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کہ انہیں نبوت کی بشارت اس بنا پر دی گئی کہ انہوں نے صبر کیا، اپنے رب کے حکم پر راضی ہوئے اور سراطاعت خم کر دیا تو جزا کے طور پر یہ انعام ہوا۔

وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ یعنی ہم نے ان دونوں پر نعمت کو دگنا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کی اولاد کو زیادہ کر دیا یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر برکتیں نازل کیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو ان کی پشت سے نکالا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ مفضل نے کہا: صحیح جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیح کے قصہ کو بیان کیا جب قصہ کے آخر میں کہا: **وَقَدْ يَنْبُؤُهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ** (پھر فرمایا: **سَلِّمْ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ**) **كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ** (فرمایا: **وَبَشِّرُنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ**) **وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ**۔ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا پھر کہا: **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا يَهُدَا** اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ راوی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی جب نص سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی تو بے شک ذبیح بھی حضرت اسحاق علیہ السلام ہونگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دو دفعہ دی گئی: (1) بچے کی ولادت کی (2) اس کی نبوت کی جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اور نبوت بڑھاپے میں ہوگی۔

نَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور **عَلَيْهِ** میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ضمیر ان کی طرف اونے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ کی سند سے یہ مروی ہے کہا میں نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں خطاب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الذبیحین نبی کریم ﷺ ہنس پڑے پھر حضرت معاویہ نے کہا: حضرت عبدالمطلب نے جب بیزمزم کو کھودا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرمانی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس معاملہ کو آسان کر دیا تو وہ ضرور اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنویں کے معاملہ کو ان کے لئے آسان کر دیا تو قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نکالا ان کے ماموؤں نے حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے روکا انہوں نے کہا: اپنے بیٹے کا فد یہ دو۔ حضرت عبدالمطلب نے سواونٹوں کا فد یہ دیا پھر حضرت عبد اللہ ذبح ہوئے حضرت اسماعیل دوسرے ذبح ہیں۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں جس طرح ہم نے کتاب الأعلام فی معرفة مولد المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (البقرة: 133)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَرَفَعْنَا آيَاتِهِ عَلَى الْعَرْشِ (يوسف: 100)** وہ دونوں اس کے والد اور اس کی خالہ تھی اسی طرح فرزدق شاعر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر اس کی سند صحیح ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرزدق کی ذات میں ہی اعتراض کی گنجائش موجود ہے؟

مسئلہ نمبر 17۔ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ** جب اولاد میں کثرت اور برکت کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے کچھ سیاہ کار ہونگے، سیاہ کار کو نبی کا بیٹا ہونا کوئی نفع نہ دے گا (1) یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اور عرب اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تب بھی محسن اور مسی، مومن اور کافر میں فرق ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے: **قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ: 18)**

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ وَ نَجَّيْنَاهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۗ وَ نَصَرْنَا لَهُمْ فَاكُنُوا لَهُمُ الْغَالِبِينَ ۗ وَ اتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَمِينَ ۗ وَ هَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۗ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۗ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ ۗ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۗ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۗ

”ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔ اور ہم نے بچالیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخش دی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام

کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔“

جب اس امر کا ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح ہونے سے نجات دی اور نبوت کے بعد جو ان پر احسان کیا ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر جو احسان کیا۔ اَنْكُرِبِ الْعَظِيمِ ⑤ سے مراد وہ غلامی ہے جو بنی اسرائیل کو لاحق ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس سے بچ گئے تھے۔ وَنَصَرْنَا لَهُمْ فِرْعَوْنَ ⑥ کہا: ضمیر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بھی جمع ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاتَيْنَاهُمَا اور وَهَدَيْنَاهُمَا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم ضمیر حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے لئے ہے، یہی درست ہے کیونکہ اس سے قبل وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا ⑦ ہے۔

الْكِتَابِ الْمُنْتَهَى ⑧ سے مراد تورات ہے یوں کہا جاتا ہے، داستبان کذا یعنی وہ واضح ہو گیا استبانہ فلان فلان نے اسے واضح کر دیا۔ یہ اس کی مثل ہے تبین الشئ بنفسه اور تبينه فلاں۔

الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ⑨ سے مراد دین تویم ہے جس میں کوئی کجی نہیں وہ دین اسلام ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ⑩ سے مراد اچھی تعریف ہے۔

سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ⑪ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑫ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑬ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ⑭ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَلَا تَتَّقُونَ ⑮ اَتَدْعُونَ بَعْلًا
وَ تَذُرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ⑯ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اَبَائِكُمْ الْاَوْلٰئِينَ ⑰
فَلَمَّا بُوِّهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ⑱ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ ⑲ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
الْاٰخِرِينَ ⑳ سَلَّمَ عَلٰى اِلٰى يٰسِيْنَ ㉑ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ㉒ اِنَّهُ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ㉓

”اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں، کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں پکڑ کر حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔“

مفسرین نے کہا: حضرت الیاس بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسرائیل

سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یوں قراءت کی وان ادریس؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ کہا: حضرت عبداللہ کے مصحف میں وإن ادریس لمن المرسلین تھا حضرت عبداللہ بن مسعود یہ قول کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس سے مراد حضرت یسع کے چچا ہیں (1)۔ ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے نگران حضرت کالب بن یوقنا تھے پھر حضرت حزقیل تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل نبی کو موت عطا کر دی تو بنی اسرائیل میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو نبی بنا کر معبوث کیا اور حضرت یسع ان کے پیچھے آئے وہ حضرت الیاس پر ایمان لائے جب بنو اسرائیل نے ان پر سرکشی کی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نجات عطا کریں تو انہیں کہا گیا: فلاں دن فلاں جگہ کی طرف نکلو جو چیز بھی تیرے سامنے آئے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس سے خوفزدہ نہ ہونا۔ آپ نکلے اور ان کے ساتھ حضرت یسع بھی تھے عرض کی: اے الیاس! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت الیاس نے اوپر کی جانب سے ان کے اوپر اپنی چادر پھینک دی۔ یہ بنی اسرائیل پر انہیں نایب بنانے کی علامت تھی۔ یہ حضرت الیاس کا حضرت یسع کے ساتھ آخری وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کھانے اور پینے کی لذت کو ختم کر دیا اسے پر عطا کئے اور نور کا لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ گئے وہ انسان، فرشتہ آسمانی اور زمینی ہو گئے (2)۔

ابن قتیبہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا: مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی: تو مجھے اپنی طرف اٹھالے اور مجھ سے موت کے ذائقے کو موخر کر دے تو وہ فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ بعض نے کہا: آپ مریض ہوئے اور موت کی آہٹ کو محسوس کیا اور روئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: تو کیوں روتا ہے؟ دنیا کی حرص میں یا موت کی گھبراہٹ سے یا آگ کے ڈر سے؟ عرض کی: نہیں تیری عظمت و جلال کی قسم! ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، میری گھبراہٹ یہ ہے میرے بعد حمد کرنے والے کیسے حمد کریں گے جبکہ میں تیری حمد نہیں کروں گا؟ میرے بعد ذکر کرنے والے کیسے تیرا ذکر کریں گے جبکہ میں تیرا ذکر نہیں کروں گا؟ میرے بعد روزے دار کیسے روزے رکھیں گے جبکہ میں روزہ نہ رکھوں گا؟ وہ کیسے تیری نماز پڑھیں گے جبکہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؟ اسے کہا گیا: اے الیاس! میری عزت کی قسم میں تجھے اس وقت تک مہلت دوں گا جس میں کوئی ذاکر میرا ذکر نہیں کرے گا یعنی قیامت کے دن تک تجھے مہلت دوں گا۔

عبدالعزیز بن رواد نے کہا: حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت المقدس میں رمضان شریف کے مہینہ میں روزے رکھتے ہیں، وہ ہر سال حج کرتے ہیں۔ ابن ابی دینار نے ذکر کیا ہے کہ جب حج کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ماشاء اللہ ماشاء اللہ جو نعمت بھی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ تو کلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سورہ کہف میں گزر چکا ہے۔

مکحول کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا یہاں تک کہ ہم ایک پتھر کے پاس اونٹنی کی گذرگاہ میں تھے اچانک ہم آواز سن رہے تھے جو آدمی کہہ رہا تھا: اللہم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفورة لها التوب عليها المستجاب لها۔ اے اللہ مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے جو مرحومہ، مغفورہ ہے جس کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور جس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے انس! دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟“ تو میں پہاڑ کے اندر چلا گیا تو اچانک میں ایک آدمی کے پاس تھا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے جس کے جسم پر سفید کپڑے تھے اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: تو نبی کا بھیجا ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس کی طرف واپس جائے اسے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا: یہ تیرا بھائی الیاس ہے جو تیری ملاقات چاہتا ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ جب ہم ان کے قریب ہوئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگے بڑھے اور میں پیچھے ہٹ گیا، دونوں نے طویل گفتگو کی، دونوں پر آسمان سے کوئی چیز نازل ہوئی جو دسترخوان کے مشابہ تھی، دونوں نے مجھے بلایا تو میں نے ان دونوں کے ساتھ کھایا اس میں کھمبی، انار اور اجوائن تھی۔ جب میں نے کھانا کھالیا تو میں اٹھ گیا اور ایک طرف ہو گیا۔ ایک بادل آیا جس نے اسے اٹھالیا جبکہ میں ان کے کپڑوں کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں یہ کھانا جو ہم نے کھایا ہے کیا یہ آسمان سے نازل ہوا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل امین ہر چالیس دنوں میں ایک دفعہ کھانا لاتے ہیں اور ہر سال میں ایک دفعہ زمزم کا پانی لاتے ہیں بعض اوقات میں نے انہیں گہرے کنویں پر دیکھا وہ ڈول بھرتے اور خود پیتے اور بعض اوقات مجھے بھی پلایا“ (1)۔

ثعلب نے کہا: علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان بعلا میں اختلاف کیا ہے۔ ایک طا کفہ نے کہا: یہاں بعلا سے مراد بت ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہاں بعلا سے مراد فرشتہ ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: اس سے مراد عورت ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

حکم بن ابان، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں بعلا سے مراد بت ہے۔ عطا بن سائب، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بعلا کا معنی رب ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قول صحیح ہیں کہا: تم بت کی عبادت کرتے ہو جسے تم نے رب بنایا ہوا ہے یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: هذا بعلا الدار یہ گھر کا مالک ہے معنی ہوگا: کیا تم اسے رب کہتے ہو جسے تم نے خود گھڑا ہے؟ اتدعون یہ اتسمون کے معنی میں ہے کیا تم اسے یہ نام دیتے ہو، یہ سیبویہ نے بیان کیا ہے۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی نے کہا: یمن کی لغت میں بعلا کا معنی رب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی آدمی

1۔ امام ذہبی نے ”المنعمین“ میں اسی روایت پر سخت جرح کی ہے۔

کو کہتے ہوئے سنا جو منیٰ میں اونٹنی چرا رہا تھا: من بعل ہذہ یعنی اسکا مالک کون ہے؟ اسی وجہ سے خاوند کو بعل کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا:

دَرَأَيْتُ بَعْلَكَ فِي الْوَعَى مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَرُمْحًا

میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزہ سنبھالے ہوئے تھا۔

مقاتل نے کہا: بعل سے مراد وہ بت ہے جسے حضرت الیاس نے توڑا اور ان لوگوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بت سونے کا تھا، اس کی لمبائی بیس ہاتھ تھی اس کے چار منہ تھے اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے اس بت کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی خدمت پر سو آدمی لگائے اور ان افراد کو اس کے انبیاء بنایا شیطان بعل کے پیٹ میں داخل ہوتا اور گمراہی کی باتیں کرتا خدام انہیں یاد کرتے اور لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے یہی لوگ شام کے علاقہ میں اہل بعلبک کہلاتے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک پڑ گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ اس کے لئے جو نام ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بہترین خالق ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ معنی ہے وہ بہترین صانع ہے کیونکہ لوگ بناتے ہیں تخلیق نہیں کرتے۔

اللَّهُ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ تینوں اسماء منصوب ہیں۔ ربیع بن خثیم، حسن بصری، ابن ابی اسحاق، ابن وثاب، اعمش، حمزہ اور نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: یہ صفت ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ بدل کی حیثیت سے منصوب ہیں یہاں صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہاں تخلیق نہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم، ابو جعفر، شیبہ اور نافع نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے ہو اللہ ربکم نحاس نے کہا: جو کہا اس میں سے بہترین یہ ہے یہ کلام مبتدأ خبر ہے نہ اضمار ہے اور نہ ہی حذف ہے۔

میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا کہ وہ اس طرف گئے ہیں رفع دینا زیادہ بہتر اور اچھا ہے کیونکہ اس سے قبل آیت کا سرا ہے پس نئے سرے سے کلام شروع کرنا اولیٰ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے نصب دی یا رفع دیا اس نے أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ پر مکمل وقف نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سے مراد ہے۔

حضرت الیاس کی قوم کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے حضرت الیاس کو جھٹلایا پس وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے مگر ان کی قوم کے مخلص لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اسے المخلصین پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

اعرج، شیبہ اور نافع کی قراءت آل یاسین۔ عکرمہ، ابو عمرو، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الیاسین قراءت کی ہے حضرت حسن بصری نے سلام علی الیاسین الف کو وصلیہ کرتے ہوئے پڑھا ہے گویا اصل میں یاسین تھا اس پر الف، لام تعریف کا داخل ہوا ہے اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اسی پر سلام واقع ہوا ہے لیکن یہ عجمی اسماء میں منصوب ہو جاتے ہیں وہ اکثر اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔

ابن جنی نے کہا: عرب عجمی اسماء میں کھیلتے رہتے ہیں یاسین، الیاس اور الیاسین ایک ہی چیز ہے۔ زمخشری نے کہا: جب وصل کرتے تو نصب دیتے اور جب وقف کرتے تو رفع دیتے اسے علی الیاسین ادریسین، ادراسین اور ادراسین پڑھتے یہ الیاس اور ادریس کی لغتیں ہیں شاید سریانی زبان میں یاء اور نون کی زیادتی کی کوئی حکمت ہو۔ نحاس نے کہا: جس نے سلام عدل آل یاسین پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس نے اس کا اسم الیاس اور یاسین بنایا ہے پھر اس کی آل یعنی اس کے شہر والوں اور جو اس کے مذہب والے تھے ان پر سلام بھیجا اس سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے جب اس کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا گیا تو وہ اس سلامتی میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہم صل علی آل ابی اوفیٰ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ** ① (غافر) جس نے الیاسین پڑھا ہے علماء کے اس میں کئی اقوال ہیں۔ ہارون نے ابن ابی اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ الیاسین، ابراہیم کی مثل ہے وہ اس طرف گیا ہے کہ یہ نام ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ جمع سالم ہے کیونکہ ان پر اور ان کے اہل بیت پر سلام بھیجا گیا ہے اس نے یہ شعر پڑھا ہے:

قَدِينٍ مِنْ نَصْرِ الْخُبَيْبِينَ قَدِي

یہ کہا جاتا ہے قَدِينٍ اور قَدِي دو لغتیں ہیں ان کا معنی حسب یعنی کافی ہے وہ ابو حبیب عبد اللہ بن زبیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو جمع بنانا کہ جو بھی ان کے طریقہ پر تھا وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابو عبیدہ کے علاوہ علماء نے اسے الْخُبَيْبِينَ تشبیہ نقل کیا ہے اس سے مراد عبد اللہ اور مصعب ہیں علی بن سلیمان اس سے زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ کہا: عرب کسی قوم کا نام اپنے میں سے جلیل القدر آدمی کے نام پر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: مہالب انہوں نے اپنے میں سے ہر آدمی کا نام مہلب کے نام پر رکھ دیا کہا اسی تاویل پر **سَلَّمَ عَلَيَّ يَا مَعْزَنَ** ② ہے۔ ان میں سے یہ ایک الیاس کا نام دیا گیا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ ذکر کیا عرب اس نسبت کے طریقہ پر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اشعرون اس سے وہ نسبت کا ارادہ کرتے ہیں۔

مہدوی نے کہا: جس نے الیاسین پڑھا تو یہ جمع کا صیغہ ہے جس طرح جمع مکسر میں سے یاء نسبت حذف ہو جاتی ہے جس طرح مہالب، مہلبی کی جمع ہے اسی طرح جمع سالم میں بھی اسی طرح حذف ہے پس مہلبون کہا گیا سیبویہ نے حکایت کی ہے۔ اشعرون، نمیدون اس سے وہ اشعرین اور نمیدین مراد لیتے ہیں۔

سہیلی نے کہا: یہ صحیح نہیں بلکہ یہ الیاس میں لغت ہے جو کچھ انہوں نے کہا اگر اس کا ارادہ ہوتا تو الف، لام داخل کیا جاتا جس طرح المہالبہ اور الاشعرین میں داخل کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: **سَلَّمَ عَلَيَّ يَا مَعْزَنَ** ③ کیونکہ علم کی جب جمع بنا دی جاتی ہے تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر الف، لام داخل کیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا: سلام علی زیدین بلکہ تو کہتا ہے: سلام علی الذیدین۔

الیاس کے لفظ میں تین لغتیں ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ نے اپنی قراءت میں سلام علی الیاسین سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بھی آپ کا نام ہے جس طرح الیاس ان کا نام ہے کیونکہ سورت میں ان کے علاوہ کسی آل پر سلام نہیں جس طرح دوسرے انبیاء کا نام ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استدلال اصل میں ابو عمرو کا ہے جو غیر لازم ہے

کیونکہ اہل لغت کے قول کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا جائے تو اس کی ذات پر بھی سلام ہوتا ہے۔ یہ قول کہ اس کا نام الیاسین تھا وہ دلیل اور روایت کا محتاج ہے اس معاملہ میں اشکال واقع ہو گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے سلام علی یاسین اس میں الف اور لام کو ساقط کر دیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (1) ان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) ان سے مراد حضرت یاسین کی آل ہے اس تعبیر کی بنا پر یاسین میں زیادتی میں دو جمعیں ہیں: (1) اس لئے زیادتی کی گئی تاکہ آیات برابر ہو جائیں جس طرح ایک موقع پر طور سیناء اور دوسرے موقع پر طور سینین فرمایا، اس صورت میں سلام ان کے اہل پر ہوگا اور ان کی ذات پر نہیں ہوگا، اس صورت میں اضافت شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

(2) جمع کرنے کے لیے داخل ہوا ہے پس حضرت یاسین بھی ان میں داخل ہیں پس سلام ان پر اور ان کی آل پر ہوگا سہلی نے کہا: متکلمین نے معانی القرآن میں کہا: آل یاسین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ اس قول کی طرف وہ گئے ہیں جنہوں نے یس کی تفسیر میں کہا: یا محمد! یہ قول بہت سی وجوہ سے باطل ہے۔

(1) سیاق کلام الیاسین کے قصہ میں ہے تو لازم ہے کہ یہ اس طرح ہو جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصہ میں ہے اور سلام ان پر لوٹ رہا ہے یہاں بھی سلام الیاس کی طرف لوٹے گا کلام کو مقصود سے نکالنے کا کوئی معنی نہیں، اگر یہ قول کیا بھی جائے تو یہ کسی اور آیت میں بھی کہا جاسکتا ہے جبکہ اس قول میں ضعف موجود ہے کیونکہ یس حم اور الم وغیرہ ان سب میں ایک قول ہے وہ یہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ماخوذ ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا قرآن کی صفات سے ماخوذ ہیں یا اس طرح جس طرح امام شعبی نے کہا ہے: اللہ کی ہر کتاب میں راز ہیں قرآن حکیم میں اس کا راز سورتوں کے آغاز ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لی خمسة اسماء (1) میرے پانچ نام ہیں ان میں یس، کا ذکر نہیں ہے نیز یس میں تلاوت سکون اور وقف کی صورت میں آتی ہے اگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہوتا تو یہ مضموم ہوتا یسین جس طرح فرمایا: **يُؤَسِّفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ (يوسف: 46)** پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے یہ قول باطل ہو گیا تو الیاسین وہ مذکورہ الیاس ہے اور اسی پر سلام ہے۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا: یہ ادریس اور ادراسین کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ اس طرح ہے وان ادریس لمن المرسلین پھر فرمایا: سلام علی ادراسین۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لِّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۳ اِذْ نَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ اَجْمَعِيْنَ ۝۷۴ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغَابِرِيْنَ ۝۷۵ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۷۶ وَاِنَّكُمْ لَسَمُرُوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝۷۷ وَاِلَّا لَوْلَا اَنْقَاةُ الْعٰقِلُوْنَ ۝۷۸

”اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ یاد کرو جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ

کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی، پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے گزر چکا ہے یعنی بعد والوں کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا وَاِنَّكُمْ مِّنْ عَرَبُوں کو خطاب ہے یعنی تم صبح کے وقت ان کے مکانات اور آثار کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کے وقت بھی تم گزرتے رہتے ہو کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور تدبر نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۰۲﴾ فَسَاقَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ فَلَوْلَا اَنْهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلَى يَوْمٍ مَّيْبُوْتُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

”اور بے شک یونس بھی ہمارے رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف سوار ہونے کے لئے پھر قریب اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے، پس نکل لیا انہیں حوت نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔“

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت یونس ہی ذوالنون ہیں جو متی کے بیٹے ہیں یہ اسی بوڑھی کے بیٹے ہیں جس کے پاس حضرت الیاس علیہ السلام ٹھہرے تھے چھ ماہ تک حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپے رہے جبکہ حضرت یونس دودھ پیتے بچے تھے حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ خود ہی ان کی خدمت کرتی اور موانست کیا کرتی تھی اور جس پر بھی قادر ہوتی حضرت الیاس کی مکریم کی خاطر ذخیرہ نہ کرتی۔ حضرت الیاس علیہ السلام گھر والوں کی تنگی سے اکتا گئے اور پہاڑوں کی طرف چل دیئے، اس عورت کا بیٹا حضرت یونس فوت ہو گیا وہ عورت حضرت الیاس کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی وہ ان کے پیچھے پہاڑوں میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ انہیں تلاش کر لیا اس عورت نے سوال کیا کہ وہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو زندہ کر دے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بچے کی وفات کے چودہ ماہ بعد آئے وضو کیا، نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی کو حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوی کی جانب بھیجا جو موصل کے علاقہ میں بستی تھی وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر وہ توبہ تائب ہوئے جیسا کہ اس کی وضاحت سورہ یونس میں اور سورہ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے غصہ کی حالت میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں گزر چکی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس سے قبل تھی جب مچھلی نے انہیں نگلا تھا یا اس کے بعد ہوئی تھی۔

طبری نے شہر بن حوشب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے فرمایا: نینوی کے پاس جاؤ انہیں خبردار کرو کہ عذاب ان کے پاس آنا چاہتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں سواری تلاش کر لوں حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں جوتے تلاش کر لوں؟ حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں آگے کشتی کی طرف چلے اور اس میں سوار ہو گئے جب کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی نہ آگے جاتی تھی اور نہ پیچھے ہوتی تھی کہا: انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا مچھلی دنب ہلاتی ہوئی آئی تو مچھلی کوندا کی گئی: اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کے لئے پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے مچھلی نے انہیں وہاں سے لقمہ بنا لیا یہاں تک کہ وہ ابلہ سے گزری پھر وہ انہیں لے کر چلی یہاں تک کہ دجلہ کے پاس سے گزری پھر وہ چلی یہاں تک کہ انہیں نینوی میں جا پھینکا۔

حرث، حسن سے وہ ابو ہلال سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت شروع ہو گئی تھی جب مچھلی نے انہیں باہر پھینکا تھا۔ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ رسول، اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر نہیں نکلتا جو کچھ ہوا وہ نبوت سے پہلے تھا۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: یہ واقعہ اس کے بعد ہوا کہ آپ نے لوگوں کو دعوت دی جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا آپ نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا انہیں رسالت کی تبلیغ کی تھی لیکن ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جس سے انہیں وہ ڈرار ہے ہیں ایک مخصوص وقت میں ان پر نازل ہوگا۔ جب لوگ توبہ تائب نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف نہ لوئے تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے جب قوم پر عذاب سایہ فلکس ہو گیا اور ان پر چھا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب کو اٹھالیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا اس عذاب کے اٹھ جانے اور ان کی سلامتی کی خبر پہنچی تو اس وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے کہا: میں نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس نے مجھے جھٹلادیا اور زیادتی کی، وہ اپنے رب سے سخت ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور ان کی طرف لوٹنے کو ناپسند کیا جبکہ لوگوں نے ان کے جھوٹے ہونے کا تجربہ کر لیا تھا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے اور وہی صحیح ہے جس طرح اس کا ذکر: **وَ اٰتٰرَسَلْنٰہٗ اِلٰی مَا سَلٰہٗ اَلْفِ اَوْ یَزِیْدُوْنَ** ۴۰ میں آئے گا لفظ یونس منصرف نہیں کیونکہ یہ عجمی نام ہے اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا اگرچہ اس کے آغاز میں یاء ہے کیونکہ افعال میں یفعل کا وزن نہیں جس طرح تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف پڑھے گا اگر تو کسی کا نام یعفر پڑھے تو تو اسے منصرف نہیں پڑھے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مبرد نے کہا: ابق کا اصل معنی دور ہونا ہے اسی سے غلام آبق ہے دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: حضرت یونس علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر لوگوں سے چھپتے ہوئے نکل گئے تھے۔

مشحون کا معنی ہے بھری ہوئی فلک مذکور مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے یہ واحد جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ترمذی حکیم نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کا نام آبق رکھا کیونکہ وہ عبودیت سے بھاگے تھے کیونکہ عبودیت کا مفہوم ہے خواہش نفس کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کے امور کے موقع پر اپنی جان قربان کر دینا۔ جب فرشتے کی جانب سے سختی ہوئی تو انہوں نے اپنے نفس کی قربانی نہ دی جس کی وضاحت سورۃ الانبیاء میں پہلے گذر چکی ہے اور اپنی خواہش نفس کو ترجیح دی تو ان پر آبق کا نام لازم آ گیا۔ فرشتے کی جانب سے سختی اللہ تعالیٰ کے امر میں تھی اپنے ذاتی امر میں نہ تھی اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق تھی اپنے حق کے متعلق نہ تھی حضرت یونس علیہ السلام نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو درست بات تھی اس کو نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آبق اور ملیم کا نام دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ مبرو نے فسامہ کا معنی کیا ہے اس نے قرعہ اندازی کی اس کی اصل وہ تیر ہیں جو گھمائے جاتے ہیں تو وہ مغلوبین میں سے ہو گیا (1)، فراء نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے دحضت حجتہ وادحضها اللہ۔ اس کا اصل معنی پھسلنا ہے؛ شاعر نے کہا:

قَتَلْنَا الْمُذْخِنِينَ بِكُلِّ فَيْجٍ فَقَدْ قَتَلَتْ بِقَتْلِهِمُ الْعَيُونَ (2)

ہم نے ہر ایک راستہ پر مغلوبین کو قتل کیا ان کے قتل سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ مچھلی نے اسے نکل لیا جبکہ اس نے ایسا کام کیا جس پر ملامت کی جاتی ہے: مملوم اسے کہتے ہیں جس کی ملامت کی جائے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملیم کا معنی جس میں عیب ہو جب کوئی آدمی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے: لام الرجل۔

فَلَوْلَا أَلْتُهُ كَسَائِي نَعَمَ: کہا: یہاں ان کے ہمزہ کو لام کے داخل ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں دیا کیونکہ یہ اس کے لئے نہیں۔ نحاس نے کہا: بات اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہی لام یہ تو لولا کے جواب میں ہے مسبحین کا معنی ہے نماز پڑھنے والے۔

اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتا تو بطور سزا قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتا یعنی مچھلی کا پیٹ قیامت تک اس کی قبر ہوتا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ سدی، قلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: چالیس دن۔ ضحاک نے کہا: بیس دن۔ عطاء نے کہا: سات دن (3)۔ مقاتل بن حبان نے کہا: تین دن (4)۔ ایک قول کیا گیا: ایک ساعت۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس کو محبوس کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ اسے پکڑ لے اس

کے گوشت کو خراش نہ لگانا اور اس کی ہڈی کو نہ توڑنا۔ مچھلی نے اسے پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں جا بیٹھی جب وہ سمندر کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کچھ آواز محسوس کی تو اپنے دل میں خیال کیا یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی فرشتوں نے اس کی تسبیح سنی انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سے تسبیح سن رہے ہیں فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: تیرا وہ نیک بندہ جس کے ہر روز تیری بارگاہ میں نیک اعمال بلند ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں، فرشتوں نے اس کے حق میں سفارش کی، مچھلی کو حکم دے دیا گیا کہ اسے ساحل پر اس بچے کی طرح پھینک دے جس کا نفس ہو جس کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہو چکی ہوں۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس نے اپنا سراو پر کواٹھایا ہوا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام سانس لے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر رہے تھے وہ مچھلی ان سے جدا نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ خشکی تک جا پہنچے مچھلی نے آپ کو صحیح و سالم باہر پھینک دیا ان کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے؛ زمحشری نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مجھے کئی ساتھیوں نے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف جوینی سے یہ واقعہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سمت میں ہے؟ فرمایا: نہیں وہ اس سے بالا ہے۔ پوچھا گیا: اس پر دلیل کیا ہے؟ فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی تم مجھے حضرت یونس متی پر فضیلت نہ دو۔ ان سے پوچھا گیا: اس حدیث میں دلیل کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: میں وہ نہیں بتاؤں گا یہاں تک کہ میرا یہ مہمان ہزار دینار لے لے جس کے ساتھ اپنا قرضہ ادا کر لے۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے کہا: یہ ہم پر لازم ہے، آپ نے فرمایا: وہ دو کا پیچھا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر شاق گذرے گا ان میں سے ایک نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔

آپ نے فرمایا: حضرت یونس بن متی نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا مچھلی نے انہیں لقمہ بنا لیا وہ سمندر کی گہرائی میں تین تارکیوں میں جا پہنچے اور یوں ندا کی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۱﴾ (الانبیاء) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سبز رُفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے بلند یوں پر چڑھے یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے کلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے مناجات کی جو مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی اس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ قریب نہ تھے جبکہ وہ سمندر کی تاریکی میں مچھلی کے پیٹ میں تھے۔

مسئلہ نمبر 6۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کے سواروں کو سخت ہوانے آلیا انہوں نے کہا: یہ تم میں سے کسی کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا جبکہ وہ جان چکے

تھے کہ غلطی انہی کی ہے: یہ میری غلطی ہے مجھے سمندر میں پھینک دو، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ قرعہ اندازی کر لیں انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ مصیبت میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ قرعہ ڈالیں تو قرعہ انہیں کے نام نکلا انہوں نے پھر بھی انہیں سمندر میں پھینکنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ تیسری بار قرعہ ڈالیں تو پھر بھی قرعہ انہیں کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا یہ رات کا وقت تھا تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ کشتی میں موار ہوئے تو نقاب اوڑھ لیا اور سو گئے کشتی والے چلے ابھی تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ ہوانے انہیں آلیا قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی کشتی والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی انہوں نے کہا: اس سوئے آدمی کو جگایے وہ بھی ہمارے ساتھ دعا مانگے حضرت یونس نے ان کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو دور کر دیا حضرت یونس علیہ السلام پھر اپنی جگہ کی طرف چلے گئے اور سو گئے پھر ہوا آگئی قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو بیدار کیا اور سب نے دعا کی تو ہوا ختم ہو گئی کہا: وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک مچھلی جس کا سر بہت بڑا تھا بلند ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ کشتی کو ہی نگل جائے تو حضرت یونس علیہ السلام نے لوگوں کو کہا: اے میری قوم! یہ میری وجہ سے ہے اگر تم مجھے سمندر میں پھینک دو تو تم چلتے رہو گے اور تم سے ہوا اور خوف دور ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کر لیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اسے سمندر میں پھینک دیں گے لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت آئی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم ایک دفعہ پھر قرعہ ڈال لیں انہوں نے ایسا ہی کیا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۰﴾ کا یہی معنی ہے یعنی قرعہ ان کے نام پڑا وہ اسے لے کر کشتی کے سامنے والے حصہ کی طرف گئے تاکہ اسے پھینک دیں کہ اچانک ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی پھر وہ اسے کشتی کی ایک طرف لے گئے تو وہاں ایک مچھلی تھی پھر اسے لے کر دوسری جانب گئے تو وہاں بھی ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی جب یہ دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا تو مچھلی نے انہیں نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی: میں نے اسے تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کا برتن بنا دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے تو انہوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے (1)، پھر بھی آئے گی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتوں میں قرعہ کا عام معمول تھا ہماری شریعت میں بھی یہ معمول ہے جس طرح سورہ آل عمران میں آیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: شرع میں تین مقامات پر قرعہ کا ذکر آیا ہے (1): (1) نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(2) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک آدمی نے چھ غلام آزاد کر دیئے ان کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رہنے دیا۔

(3) دو آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں میراث کا جھگڑا کیا جس کے آثار مٹ چکے تھے فرمایا: ”دونوں جاؤ حق کو تلاش کرو قرعہ ڈالو اور تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے اس کو حلال کر دے“۔ یہ تین مواقع ہیں وہ نکاح میں باری، آزادی اور تقسیم ان میں قرعہ کا اجراء، اشکال کو دور کرنے اور خواہش کی مرض کو ختم کرنے کے لئے ہے۔

جنگ کے موقع پر بیویوں میں قرعہ اندازی نکالنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے (2) اس بارے میں دو قول ہیں: (1) صحیح یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے؛ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کو سفر پر لے جانا ممکن نہیں ان میں سے ایک کا انتخاب ترجیح بنتی ہے اس لیے قرعہ کی صورت ہی رہ جاتی ہے، چھ غلاموں میں بھی یہی صورتحال تھی کیونکہ ان میں سے دو، ایک تہائی بنتا ہے یہ وہ مقدار ہے جس کی مرض موت میں آزادی جائز ہے محض خواہش نفس اور من پسندی شرعاً جائز نہیں تو قرعہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہی اسی طرح وہ جھگڑا جو وراثت کے مال کی ذاتوں میں ہوا تھا تو قرعہ کے بغیر حق کو کوئی امتیاز عطا نہیں کرتا تھا پس جب مشکل پڑ جائے تو قرعہ ہی مستحق کی تعیین میں اصل بن گیا۔

کہا: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر مشکل میں یہ جاری ہوگا پس یہی اس کو زیادہ واضح کرنے والا، حکم میں قوی، اشکال کی صورت کو دور کرنے میں نمایاں ہوگا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: بیویوں میں طلاق میں قرعہ، لونڈی میں آزادی میں قرعہ کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ سمندر میں کسی آدمی کو پھینکنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا جائز نہیں یہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے زمانہ میں دلیل کے ثبوت اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے تھا جو آدمی گناہگار ہو اسے قتل کرنا اور اسے آگ یا سمندر میں پھینک دینا جائز نہیں بلکہ اس کے جرم کے مطابق حد یا تعزیر جاری ہوگی۔ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ سمندر جب قوم کو خوفزدہ کر دے وہ کشتی کو ہلکا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ بعض افراد کو سمندر میں پھینک دینے سے بوجھ ہلکا نہیں ہوگا بلکہ یہ طریقہ اموال کو پھینکنے میں اپنا یا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تسبیح ہی ان کی نجات کا باعث بنی تھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عمل صالح عمل کرنے والے کو اوپر اٹھاتا ہے جب وہ لڑکھڑا کر گر پڑے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا من السَّحَابِ کا معنی ہے نمازیوں میں سے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی نماز اس لیے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی۔

ربیع بن انس نے کہا: اگر انہوں نے اس سے قبل عمل صالح نہ کیا ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے کہا: حکمت میں لکھا ہوا ہے جب کوئی بندہ پھسلتا ہے تو عمل صالح اسے اٹھا دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: **مِنَ الْمُسْبِحِينَ** سے مراد ہے وہ معصیت سے پہلے نمازیوں اور اطاعت شعاروں میں سے تھے۔ وہب نے کہا: معنی ہے وہ عبادت گزاروں میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مچھلی کے پیٹ میں ان کی کوئی نماز نہ تھی بلکہ انہوں نے آسودگی کے دور میں اچھا عمل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حالت آزمائش میں اس کا ذکر کیا، بے شک عمل صالح عامل کو اٹھاتا ہے جب وہ لغزش کھاتا ہے تو یہ عمل اس کا سہارا بن جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **مِنَ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ خَبِيئَةٌ مِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلْيَفْعَلْ (1)** جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کے لیے عمل صالح میں سے کوئی پوشیدہ عمل ہو تو وہ ایسا کرے یعنی بندے کو یہ کوشش کرنی چاہیے اور عمل صالح میں سے کسی عمل پر حریص ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خالص ہو اپنی ضرورت کے دن کے لئے وہ اسے ذخیرہ کرے اپنی کدو کاوش کے ساتھ اسے چھپائے مخلوق سے اسے چھپائے اس کا نفع اسے پہنچے گا جبکہ وہ اس کا زیادہ ضرورت مند ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ تین آدمی چل رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ تم سے قبل کے زمانہ میں انہیں بارش نے آیا انہوں نے ایک پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینی چاہی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان گر پڑی جس نے ان پر غار کا منہ بند کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: ان اعمال پر غور و فکر کرو جو تم نے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس معصیت کو دور کر دے“ (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی شہرت نے تمام حدیث کو بیان کرنے سے ہمیں غنی کر دیا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** (الانبیاء) مچھلی نے انہیں پھینک دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **مِنَ الْمُسْبِحِينَ** سے مراد مچھلی کے پیٹ میں سے نماز پڑھنے والے تھے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ زبان سے تسبیح تھی جو دل کے موافق تھی اسی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تو فرشتوں نے اس کی تسبیح کو سنا فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سی تسبیح کی آواز سنتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر کان زائدہ ہے کلام اس طرح ہوگی **فلولا انہ من المسبحین**۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعاء

ذی النون فی بطن الحوت لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

جب مسلمان نے کسی بھی مصیبت پر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ یہ بحث سورہ انبیاء میں گذر چکی ہے حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی نمازی اور تسبیح کرنے والے تھے مچھلی کے پیٹ میں بھی معاملہ اسی طرح ہے حدیث میں ہے: ”مچھلی کوندا کی گئی: ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کی جائے پناہ اور مسجد بنائی ہے۔“ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۗ وَأَنْثَبْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ۗ وَأَرْسَلْنَاهُ

إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۗ فَامْتَرُوا فَسْتَعْنَهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۗ

”پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے ہم نے اگادی ان پر کدو کی نیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔“

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مچھلی نے انہیں موصل کی ایک دیہات کے ایک ساحل پر پھینک دیا۔ ابن قسیط نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ”حضرت یونس علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی نیل اگادی ہم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ یقیناً کیا ہے؟ کہا: کدو کا درخت، اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری ان کے لیے تیار کر دی جو زمین کا گھاس پھوس کھاتی وہ ان پر اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی اور ہر صبح اور شام انہیں دودھ پلایا کرتی یہاں تک کہ وہ پردان چڑھے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مچھلی انہیں لے کر نکلی یہاں تک کہ انہیں سمندر کے ساحل پر پھینکا اللہ تعالیٰ نے اس پر کدو کی نیل اگادی۔ اس کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے شجرة القرم کے الفاظ ہیں جو اس پر دودھ ٹپکتا یہاں تک کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوت لوٹ آئی پھر ایک روز وہ نیل کی طرف لوٹے تو اسے خشک پایا وہ غمگین ہو گئے اور اس پر روئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو عتاب کیا گیا ان سے کہا گیا: تم ایک نیل پر غمگین ہوئے اور اس پر روئے اور بنی اسرائیل کے لاکھ سے زیادہ افراد کی ہلاکت پر غمگین نہ ہوئے جو میرے خلیل حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور تو نے سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔“

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول کیا گیا ہے کہ وہ کیلے کا درخت تھا جو اپنے پتوں سے اسے ڈھانپتا، آپ اس کی شاخوں سے سایہ حاصل کرتے اور اس کے پھل سے افطار کرتے، اکثر علماء کی رائے ہے وہ کدو کی نیل تھی جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صالحین میں سے بنا دیا پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کا قصد کیا یہاں تک کہ ایک چرواہے سے ملے حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور ان کے حال کے بارے میں پوچھا، اس چرواہے نے

انہیں بتایا کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور وہ اس امید میں ہیں کہ ان کا رسول ان کی طرف لوٹ آئے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس چرواہے سے فرمایا انہیں بتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا: میں گواہی کے بغیر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے ریوڑ میں سے ایک بکری کو منتخب کیا فرمایا: یہ تیرے حق میں گواہی دے گی تو واقعی حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا اور کیا؟ کہا: زمین کا قطعہ تمہارے حق میں گواہی دے گا کہ تو نے حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات کی اس نے کہا اور کیا؟ فرمایا: یہ درخت تیرے حق میں گواہی دے گا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔ وہ چرواہا اپنی قوم کی طرف آیا اور انہیں بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے تو قوم کے افراد نے اسے جھٹلایا اور اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اس نے کہا: مجھ پر جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں صبح کروں جب اس نے صبح کی تو وہ انہیں اس قطعہ زمین پر لے آیا جہاں اسے حضرت یونس علیہ السلام ملے تھے اس نے قطعہ زمین سے بولنے کا مطالبہ کیا تو اس قطعہ زمین نے خبر دی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے اس نے بکری اور درخت سے بولنے کا مطالبہ کیا تو دونوں نے اسے بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے پھر اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آگئے، یہ اور اس سے ما قبل خبر طبری نے بیان کی ہے فَتَبَيَّنَهُمْ لَهُمْ نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے صحراء میں چھوڑ دیا؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ انفس نے کہا: کھلی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: کھلی زمین۔ فراء نے کہا: خالی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: عراء سے مراد روئے زمین ہے۔ خزاعہ کے ایک آدمی نے یہ شعر پڑھا:

دَرَفَعْتُ رِجْلًا لَا أَخَافُ عِشْرًا وَنَهَضْتُ بِالْبَلَدِ الْعَرَاءِ ثِيَابِي (1)

میں نے قدم اٹھایا جس کی لغزش کا مجھے خوف نہیں اور میں نے سطح زمین پر اپنے کپڑے پھینک دیے۔

انفس نے وَهُوَ سَوِيٌّ کے بارے میں حکایت بیان کی ہے سقیم کی جمع سقمی، سقامی اور سقام ہے اس سورت میں فَتَبَيَّنَهُ بِالْعَرَاءِ کہا اور سورہ القلم میں لَوْلَا أَنْ تَدَارَاكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبِّذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ☺ آیت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی کہ انہیں کھلی جگہ پھینکا گیا جبکہ وہ مذموم نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَأَنْهَبْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ☺ اس میں علیہ، عندہ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبِهِمْ (الشعراء: 14) اس میں بھی عدل عندی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ، لہ کے معنی میں ہے يَقْطِينٍ سے مراد کدو کی نمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن اعرابی نے اس کا ذکر کیا ہے حدیث میں یہ بھی ہے ”کدو اور تربوز جنت کے پھل ہیں“ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

مبرد نے کہا: ہر وہ پودا جس کا تنا نہ ہو جن کے پتے زمین پر بچھ جائیں اسے یقطینہ کہتے ہیں جس طرح کدو، تربوز، خر بوزہ اور تنبہ۔ اگر اس کا تنا ہو جو اسے اٹھائے ہوئے ہو تو اسے شجرہ کہتے ہیں، اگر بچھی ہوئی جڑوں پر کھڑا ہو تو اسے نجمہ کہتے ہیں جس

کی جمع نجم آتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ** ① (رحمن) اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور مقاتل سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر جڑی بوٹی جو لمبی ہو جائے اور زمین پر بچھ جائے صحیح و سالم باقی نہ رہے اور اس کا تاناہ ہو جس طرح گلڑی، خر بوزہ، تر بوز، کدو اور تمبہ تو وہ یقطین ہوگی۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہر وہ شے جو آگے پھر اسی سال مر جائے اس تعریف کی بنا پر کیلا بھی اس میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: **يَقْطِئِينَ** اسے کہتے ہیں جس کا تناہو۔ جوہری نے کہا: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تناہو ہو جس طرح کدو کی تیل۔ زجاج نے کہا: یقطین، قطن سے مشتق ہے یہ قطن بالمانکان سے مشتق ہے جب وہ اسی جگہ مقیم ہو یہ یفعلیل کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عجمی نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یقطین کا خصوصاً ذکر ہوا ہے کیونکہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی یقطین نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے اگادیا آیت میں ایسی چیز کا ذکر ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ چیز بچھی ہوتی تھی تاکہ اس کا سایہ ہو۔

ثعلبی نے کہا: وہ اسے سایہ عطا کرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کی سرسبزی کو دیکھا تو اس کی سرسبزی نے اسے خوش کر دیا تو وہ خشک ہو گئی تو آپ اس پر غمگین ہونے لگے اسے کہا گیا: اے یونس! نہ تو تو نے اسے پیدا کیا، نہ تو نے اسے پانی دیا اور نہ ہی تو نے اسے اگایا تو ایک چھوٹے سے درخت پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد پیدا کئے تو مجھ سے یہ ارادہ کرتا تھا کہ میں انہیں لمحہ بھر میں جڑ سے اکھیڑ دوں انہوں نے توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی تو سیری رحمت کہاں گئی اے یونس! جبکہ میں تو ارحم الراحمین ہوں ☆۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ گوشت اور کدو کے ساتھ بنایا گیا شرید کھاتے تھے آپ کدو کو پسند کرتے آپ فرماتے: یہ سیرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے آپ پیالے کے اطراف میں کدو کو تلاش کرتے تھے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو ائمہ نے روایت کیا ہے۔

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس کے بعد شروع ہوئی جب مچھلی نے انہیں چھینک دیا تھا اس کی سند حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے کہ حسن بن محمد، عمرو بن عنقری سے وہ اسرائیل سے وہ اسحاق سے وہ عمرو بن میمون سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے نبی کریم ﷺ سے وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ عذاب تین دن میں آجائے گا لوگوں نے ہر والدہ اور اس کے بچے کو الگ کر دیا وہ بستی سے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہاں کا قانون تھا جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

اسے قتل کر دیا جاتا ہے تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت اور یہ قطعہ زمین۔ اس نے عرض کی: ان دونوں کو حکم دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے دونوں سے کہا: جب تم دونوں کے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ لڑکا آپ کی قوم کے پاس آیا اس کے پاس قوت تھی اور اس کے بھائی تھے وہ بادشاہ کے پاس آیا اس نے کہا: میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں وہ تجھے سلام کہتے تھے، بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا: اس کے پاس گواہ ہیں لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دو وہ درخت اور اس قطعہ زمین کے پاس آیا اور دونوں نے کہا: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے حق میں گواہی دو کہ واقعی میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں؟ دونوں نے کہا: ہاں لوگ گھبرائے ہوئے واپس آئے کہہ رہے تھے: درخت اور زمین نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دی۔

حضرت عبداللہ نے کہا: بادشاہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور کہا: تو میری بنسبت اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اس لڑکے نے چالیس سال تک ان کے امور مملکت چلائے۔

ابو جعفر نوحا نے کہا: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے مبعوث کیا گیا تھا، یہ امر قیاس سے نہیں لیا جاسکتا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی تھی اور شرمندگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ عذاب تین دن تک ان پر آجائے گا تو انہوں نے ہر والدہ اور بچے کو الگ الگ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و زاری کی۔ اس باب میں یہ صحیح ہے ان کے بارے میں حق دوسروں کے حکم جیسا نہیں تھا ارشاد باری

☆ حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکل پڑے آپ ایک کشتی میں لوگوں کے پاس آئے لوگوں نے آپ کو کشتی پر سوار کر لیا اور آپ کو پہچان لیا جب کشتی میں داخل ہوئے تو کشتی رک گئی کشتی دائیں بائیں ڈولتی۔ لوگوں نے کہا: تمہاری کشتی کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اس میں ایک غلام اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی نہیں چلے گی یہاں تک کہ تم اس کو پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینکے گے آپ نے فرمایا: تم قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے تو وہ اس میں چھلانگ لگا دے لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگوں نے آپ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تین دفعہ قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے وہ اس میں چھلانگ لگا دے۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا تو تین دفعہ قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مچھلی کے سپرد کر دیا اور مچھلی آپ کو نکل گئی اور زمین کی تہ تک آپ کو لے گئی حضرت یونس علیہ السلام نے سگریزوں کی تسبیح کو سنا، فَمَا ذِي فِي الْقُلُوبِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ (الانبیاء: ۸۷) کہا: رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ فرمایا: فَتَبَدُّهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۸۸﴾، کہا: آپ اس پرندے کے بچے کی طرح تھے جس کے پر نوج لے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی ایک بیل کو آگیا تو وہ آگ آئی۔ حضرت یونس اس سے سایہ حاصل کرتے، وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ اس پر روئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کیا تو ایک درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد افراد پر نہیں روتا جن کو تو نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نکلے تو وہ ایک چرواہے بچے کے پاس پہنچے۔ پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے عرض کی یونس علیہ السلام کی قوم سے۔ فرمایا جب تو قوم کے پاس جائے تو انہیں بتانا کہ تو یونس علیہ السلام سے ملا ہے۔ بچے نے کہا: اگر آپ یونس ہیں تو آپ کو علم ہے کہ جو آدمی مبعوث ہوتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاسَنَا (الغافر) وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (النساء: 18)

بعض علماء نے کہا: انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ کر لی یہ کوئی ممنوع نہیں اس بارے میں علماء کی آراء سورہ یونس میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لو۔

اَوْ يَزِيْدُوْنَ سورہ بقرہ میں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اد کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: اد، بل کے معنی میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ ادواؤ کے معنی میں ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فلنا اشتد امر الحرب فينا تأملنا رياحا او زنا ما (1)

اس شعر میں ادواؤ کے معنی میں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اس زبان کی طرح ہے: وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: 77)

جعفر بن محمد نے اِلَى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ① ہمزہ کے بغیر صرف واؤ پڑھی ہے یَزِيْدُوْنَ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں کلام یوں تھی ہم یزیدون۔ نحاس نے کہا: بھریوں کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح نہیں انہوں نے اد کو بل اور واؤ کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے بلکہ بل پہلے کلام سے اضراب اور مابعد کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے یا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلنے کے لئے ہوتا ہے یہ بھی اس کا موقع محل نہیں واؤ کا معنی اد کے خلاف ہے اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے معنی میں ہو تو معانی باطل ہو جائیں گے اگر ایسا جائز ہوتا تو وارسلناہ الی اکثر مائتی الف زیادہ مختصر ہوتا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے ہم نے اسے ایسی جماعت کی طرف بھیجا اگر تم نہیں دیکھتے تو تم کہتے یہ ایک لاکھ یا اس سے زائد ہیں کیونکہ لوگوں کو خطاب اس انداز سے کیا جاتا ہے جس سے وہ واقف ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: جاعن زید او عمرو جبکہ تو جانتا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون تیرے پاس آیا ہے مگر تو نے مخاطب پر اس معاملہ کو مبہم کر دیا ہے۔

انفش اور زجاج نے کہا: معنی ہے یا تمہارے اندازے کے مطابق اس سے زائد ہونگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے مرفوع نقل کیا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے وہ بیس ہزار تھے۔ حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: وہ بیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ستر ہزار تھے۔ اِلَى حِيْنٍ سے مراد ان کی عمروں کی انتہا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمُ الرِّبِّيَّاتُ وَ لَهُمُ الْبُيُوتُ ① اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَ هُمْ شٰهِدُوْنَ ② اَلَا اِنَّهُمْ مِّنْ اِنْفِكِهِمْ لَيَقُولُوْنَ ③ وَ لَدَا اللّٰهِ ④ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑤

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿٥٦﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٥٧﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَنٌ مُّبِينٌ ﴿٥٩﴾ فَآتُوا بِكُتُبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٠﴾

”ذرا پوچھیے ان نادانوں سے: کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جننے اور وہ بلاشبہ جھوٹ کہتے ہیں، کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لئے بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو۔“

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ قوموں کی خبروں کو ذکر کیا تو اب کفار کے قول کے خلاف استدلال کیا ہے وہ یہ کہتے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں فَاسْتَفْتِهِمْ سورت کے آغاز میں جو اس قسم کا کلام ہے اس پر معطوف ہے اگرچہ دونوں میں طویل مسافت ہے اے محمد! ﷺ اہل مکہ سے پوچھو! کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جبینہ، خزاعہ، بنو سلیم، بنو سلمہ اور بنو عبد الدار نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، یہ سوال زجر و توبیح کے لئے ہے۔

شَهِدُونَ کا معنی ہے جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا اس وقت وہ حاضر تھے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا كُنَّا أَشْهَادًا وَخَلَقْنَاهُمْ (الزخرف: 19) اِنْفِكِهِمْ کا معنی ہے وہ بڑا برا جھوٹ تھا وہ اس بات میں جھوٹے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے اَلَا کے بعد ان کا ہمزہ مکسور ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ اَمَّا کے بعد اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے یا مکسور ہوتا ہے جب ہمزہ مفتوح ہو تو اَمَّا، حقا کے معنی میں ہوگا جب ہمزہ مکسور ہو تو اَمَّا، الا کے معنی میں ہوگا۔

نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اَلَا کے بعد ان کے ہمزہ کو فتح دینا جائز ہے اس صورت میں الا، اَمَّا کے مشابہ ہوگا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں ہمزہ کے نیچے کسرہ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے بعد اسم مرفوع ہے الکاذبون پر کلام کھل ہو جاتی ہے پھر اصطفیٰ سے نئی کلام شروع ہو جاتی ہے مقصود تقریب و توبیح ہے۔ (شرمندہ کرنا ہے) گویا فرمایا: تم پر افسوس اس نے بیٹیاں منتخب کیں اور بیٹوں کو ترک کر دیا عام قراء کی قراءت اصطفیٰ ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہام ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہے ہمزہ وصلی حذف ہو گیا اور ہمزہ استفہام مفتوح باقی رہا جس طرح أَظْلَمَ الْغَيْبِ (مریم: 78) ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ ابو جعفر، شیب، نافع اور حمزہ نے ہمزہ وصلی کے ساتھ اسے پڑھا ہے یہ جملہ خبریہ ہے یہاں استفہام نہیں کیونکہ اس کا مابعد مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٥٧﴾ ہے کلام توبیح کے طریقہ پر دو جہتوں سے جاری ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جو جھوٹ بولا ہے یہ اس کا بیان و تفسیر ہو اور مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٥٧﴾

ما قبل سے منقطع ہو دوسری یہ ہے کہ نحو یوں نے حکایت بیان کی ہے ان میں فراء بھی ہے کہ تو بیخ استفہام اور بغیر استفہام کے ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (الاحقاف: 20)** ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام مضمر ہے تقدیر کلام یوں ہے ویقولون اصطفی البنات یا یہ ولد اللہ سے بدل ہے کیونکہ بچیوں کو جننا اور انہیں بیٹیاں بنانا ان کو منتخب کرنا ہی ہے فعل ماضی کو فعل ماضی سے بدل بنایا گیا ہے اس وجہ سے لکاذبون پر وقف نہیں کیا جائے گا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ جائز نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل اور برہان موجود ہے اگر تم سچے ہو تو دلائل لے آؤ۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا ۝۷۰ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الْجِنَّةَ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝۷۱

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝۷۱ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۷۲

”اور ٹھہرا دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ، حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں پکڑ کر پیش کیا جائے گا، پاک ہے اللہ تعالیٰ لغویات سے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)۔“

اکثر اہل تفسیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں الجنہ سے مراد فرشتے ہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کفار نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ان کی مائیں کونسی ہیں؟ تو قریش نے جواب دیا: ان کی باپردہ۔ اہل اشتقاق نے کہا: انہیں جن اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ مجاہد نے کہا: فرشتوں کے خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے جنہیں الجنہ کہتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسرائیل، سدی سے وہ ابو مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: انہیں جنہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ جنوں کے خازن ہیں تمام فرشتے جنہ ہیں نسبا سے مراد رشتہ مصاہرت ہے۔

قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم کیا ہے فرشتے انہیں میں سے ہیں (2)؛ مجاہد، سدی اور مقاتل نے بھی یہ کہا ہے یہ بات کرنے والے کنانہ اور خزاعہ تھے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کی سردار عورتوں کو دعوت نکاح دی تو جنوں نے اللہ تعالیٰ کی شادی اپنی بامروت بیٹیوں سے کر دی فرشتے جنوں کی بامروت عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شیطان کو شریک کیا تو وہ نسب ہے جو انہوں نے قائم کیا (3)۔

میں کہتا ہوں: حضرت حسن بصری کا قول اس بارے میں بہت ہی اچھا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **إِذْ لَسْتُمْ يَوْمًا يَوْمَ الْعَالَمِينَ ۝۷۱ (الشعراء)** یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر قرار دیتے ہیں حضرت عباس، ضحاک اور حضرت حسن نے کہا: اس سے مراد ان کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹے قول سے بہت ہی بالا ہے (4)۔

ملائکہ کو علم ہے کہ ایسا قول کرنے والے جہنم میں موجود ہونگے، یہ قنادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ حساب کے لئے حاضر ہوں گے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت میں احضار کا لفظ مکرر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کے علاوہ کی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔

جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

فَاتَّكُمُ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿٦٤﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ﴿٦٥﴾ إِلَّا مَنْ هُرِّصَ عَلَيْهِ الْجَحِيمُ ﴿٦٦﴾

”پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم سب مگر اللہ کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَا تَعْبُدُونَ میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر یہ ہے یعنی تم اور تمہاری ان بتوں کی عبادت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے ان معبودوں کے ساتھ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یہ کہا جاتا ہے: جاء فلان وفلان، جاء فلان مع فلان دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

عَلَيْهِ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بِفِتْنِينَ یعنی گمراہ کرنے والے۔ نحاس نے کہا: جتنا مجھے علم ہے اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مقدر کر دے کہ وہ اسے گمراہ کریں۔ شاعر نے کہا:

فَرْدٌ بِنَعْتِهِ كَيْدًا عَلَيْهِ وَكَانَ لَنَا فَاتِنًا (1)

اس نے اپنی نعمت سے اس کا مکر اسی پر لوٹا دیا جبکہ وہ ہمیں گمراہ کرنے والا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں قدر یہ وارد ہے۔ عمرو بن ذر نے کہا: ہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوئے ان کے سامنے تقدیر کا ذکر کیا گیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ اطمینان کو پیدا نہ فرماتا جبکہ وہ گناہ کی جڑ ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں علم ہے اسے پہچان لیا اور جاہل رہ گیا جو جاہل رہ گیا پھر یہ آیت پڑھی فَاتَّكُمُ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿٦٤﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ﴿٦٥﴾ مگر وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں لکھ دیا فرمایا: اس آیت نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا ہے اس میں یہ راز ہے شیاطین کسی کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو کہ وہ ہدایت نہ پائیں اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا تو وہ ہدایت پائے گا تو اس بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخُلُوكِ وَرَمَحِكَ (الاسراء: 64) یعنی تو ان تک کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا مگر جو میرے علم میں ہے۔

لبید بن ربیعہ نے تقدیر کی حقانیت کے بارے میں کہا اور خوب کہا:

إِنْ تَقْوَى رَبَّنَا خَيْرٌ نَفَلْنَا بِإِذْنِ اللَّهِ رِيشِي وَعَجَلْنَا

أَحْمَدُ اللَّهُ فَلَا نِدَّ لَهُ بِبَيْدِهِ الْخَيْدُ مَا شَاءَ فَعَلَنْ
مَنْ هَدَاةَ سُبُلَ الْخَيْدِ اهْتَدَى نَاعِمَ الْبَالِ وَمَنْ شَاءَ أَضَلَّ

بے شک تقویٰ بہترین احسان ہے اللہ کے اذن سے میری سستی اور تیزی ہے میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کا کوئی مد مقابل نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں خیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے وہ بھلائی کے راستہ کی طرف ہدایت دے وہ بڑی آسانی سے ہدایت پا جاتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے۔

فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتننت الرجل میں نے انسان کو گمراہ کر دیا۔ اہل نجد مزید فیہ کا فعل ذکر کرتے ہیں اَفْتَنْتُهُ میں نے اسے گمراہ کر دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ پڑھا: إِلَّا مَنْ هُوَ صَالٌ الْجَحِيمِ یعنی لام مضموم ہے۔ نحاس نے کہا: مفسرین کی جماعت کا کہنا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں: هذا قاض المدينة۔ اس بارے میں میں نے جو علی بن سلیمان سے سنا ہے وہ سب سے بہترین ہے کہا: ہو معنی پر محمول ہے کیونکہ من کا معنی جماعت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی صالون اضافت کی وجہ سے نون حذف ہے اور واو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں یہ فاعل کے وزن پر تھا مگر اسے صال سے صایل کی طرف قلب کیا گیا یا کو حذف کر دیا گیا اور لام مضموم ہی رہ گیا شَفَا جُرْفٌ هَايِرًا (التوبہ: 109) کی مثل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صال کا لام کلمہ تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا گیا اور اعراب اس کے عین کلمہ پر جاری ہوا جس طرح عربوں کے اس قول سے حذف ہے مابالیت بہ بالة اصل میں یہ بالیة تھا یہ بالی سے ماخوذ ہے جس طرح عافیة، عافی سے ماخوذ ہے اس کی مثل اس کی قراءت ہے وَجَنَّ الْجَنَّتَيْنِ دَانَ ﴿٥٦﴾ (الرحمن) اور وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ (الرحمن): (24) یہاں بھی عین کلمہ پر اعراب جاری کیا گیا ہے جماعت کی قراءت میں صالی یاء کے ساتھ ہے کاتب نے تحریر میں اسے حذف کر دیا کیونکہ تلفظ میں یہ ساقط ہے۔

وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ﴿١٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿١٦﴾

”اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اسی کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرے باندھے

(مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بے شک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔“

یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کہا ہے اور جنہوں نے ان کی عبادت کی تھی ان کے انکار کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ تین آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے حضرت جبریل امین پیچھے ہٹ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”یہاں تو مجھے چھوڑ جائے گا“ حضرت جبریل امین نے عرض کی کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں ﴿٥٦﴾۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے ان

آیات کو نازل فرمایا: وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ①۔

کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وَمَا مَنَّا إِلَّا مِنْ لَه مَقَامٌ مَّعْلُومٌ تو اسم موصول کو حذف کر دیا گیا۔ بھریوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے وَمَا مَنَّا مَلَكَ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ یعنی عبادت میں اس کا معین مکان ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں بالشت بھرا ایسی زمیں نہیں مگر اس پر ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ سجدہ ریز ہے یا کھڑا ہے" حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے وہ آواز نکال رہا ہے اس کا حق ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگل کے برابر جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے، بستروں پر تم اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے، تم پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گزرتے میں تو خواہش کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (1)"۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس بارے میں کہا یہ حدیث حسن غریب ہے ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے کہ حضرت ابو ذر نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا؛ حضرت ابو ذر سے یہ موقوف مروی ہے۔

قادر نے کہا: آپ مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ① کہا: تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

کلبی نے کہا: فرشتوں کی صفیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں اہل دنیا کی صفیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسجد میں تھے فرمایا: "کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں (2)" ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ "پہلی صفوں کو مکمل کرتے اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتے تو کہتے: اپنی صفوں کو سیدھا کر دو اور سیدھے ہو جاؤ (3) اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اس ہدایت کا ارادہ کرتا ہے جو فرشتوں کو ان کے رب کے ہاں حاصل ہے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے وَإِنَّا لَنَعْنُ الصَّالِحُونَ ① اے فلاں پیچھے ہٹ، اے فلاں آگے ہو پھر آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے: سورہ حجر میں اس کی وضاحت گندر چکی ہے۔

ابو مالک نے کہا: لوگ الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَإِنَّا لَنَعْنُ الصَّالِحُونَ ①

1- جامع ترمذی، کتاب الزہد، فضل البکاء من خشية الله، جلد 2، صفحہ 55۔ ایضاً حدیث نمبر 2234، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- صحیح مسلم، کتاب السنن، الأمر بانسكون في الصلاة، جلد 1، صفحہ 181

3- تفسیر الما، جلد 5، صفحہ 72

تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو صفیں بنانے کا حکم دیا۔ شعبی نے کہا: جبریل امین یا ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: آپ رات کے دو تہائی اس کا نصف اور اس کا ایک تہائی قیام کرتے ہیں فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان میں کوئی فرشتہ فارغ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہمیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم عرش کے ارد گرد صفیں بنائے ہوئے ہوتے ہیں وانا لنحن المسبحون اور ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں: یہ قنادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اس کی طرف جو بات منسوب کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پاکی بیان کرتے ہیں (1) مراد یہ ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ وہ تسبیح اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ فرشتے معبود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَا مِمَّا آتَاكُم مَّقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۰﴾ یہ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کا مشرکین کے لیے قول ہے، یعنی ہمارا اور تمہارا آخرت میں معین مقام ہے اور وہ مقام حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام خوف ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام رجا ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام اخلاص ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام شکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں یہ کہتا ہوں یہ ملائکہ کے قول وَمَا مِمَّا آتَاكُم مَّقَامٌ مَّعْلُومٌ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿۱۰﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْآوَالِينَ ﴿۱۱﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ

الْمُخْلِصِينَ ﴿۱۲﴾ فَكُفِّرُوا بِنِجْمِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

”اور وہ (بعث نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے: اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو اسے ماننے سے) انکار کر دیا وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے۔“

مشرکین نے جو باتیں کہیں ان کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا یعنی جب حضور ﷺ کی بعثت سے قبل انہیں جہالت کے ساتھ عار دلانی جاتی تو مشرکین مکہ کہتے: لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْآوَالِينَ ﴿۱۱﴾ یعنی وہ کہتے اگر ہماری طرف کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جو شرعی احکام کی وضاحت کرتا تو ہم اس کی اتباع کرتے جب ان کو مخفف کیا تو وہ فعل پر داخل ہوا اور اسے لام لازم ہو گیا تا کہ نفی اور ایجاب میں فرق ہو۔ کوئی کہتے ہیں ان، ما کے معنی میں ہے اور لام، الا کی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارے پاس انبیاء کی کتب میں سے ایک کتاب ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے یعنی ہمارے پاس ذکر آتا جس طرح پہلے لوگوں کے پاس ذکر آیا ہے تو عہادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے، تو انہوں نے ذکر کا انکار کیا۔ فراء حذف کی

صورت میں تقدیر کلام کرتے ہیں یعنی حضرت محمد ﷺ ذکر لائے تو انہوں نے انکار کر دیا ان پر تعجب کا اظہار ہے یعنی ان کے پاس نبی آیا اور ان پر کتاب نازل کی گئی۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج تھے پس انہوں نے کفر کیا اور جو بات کہی تھی اسکو پورا نہ کیا۔

زجاج نے کہا: وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿٤٦﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّ
جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٨﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٩﴾ وَأَبْصُرْ هُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿٥٠﴾
أَفَعَدَّابْنَايَاسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْدَرِينَ ﴿٥٢﴾ وَتَوَلَّ
عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٣﴾ وَأَبْصُرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾

”اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرورت مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر تیری غالب ہوا کرتا ہے، پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور ملاحظہ فرماتے رہیے ان کے حالات کو وہ خود بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کے اترنے کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور قدرت الہی کا تماشا دیکھتے رہیے۔ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔“

فراء نے بالسعادة کا لفظ مقدر مانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کَتَبَ اللَّهُ لَا غُلْبَةَ لَنَا وَالْمُرْسَلِينَ (المجادلہ: 21) حضرت حسن بصری نے کہا: صاحب شریعت کو کبھی بھی قتل نہیں کیا گیا حجت اور غلبہ کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے آیت میں الغالبون کا لفظ ذکر ہوا یہ جند کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اگر لفظ کا اعتبار ہوتا تو جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے جُنْدًا مَا هُنَّ لَكَ مَهْرٌ وَمَنْ لَكَ مِنَ الْأَخْرَابِ ﴿٥١﴾ (ص) شیبانی نے کہا: یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

آپ ان سے موت کے وقت تک اعراض کریں۔ قتادہ نے حین کا معنی موت کیا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: اس وقت تک ان سے اعراض کریں جتنا عرصہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ عنقریب سب کچھ دیکھ لیں گے جب انہیں دیکھنا کچھ نفع نہ دے گا عس (2) جب اللہ تعالیٰ کی جانب

سے ہو تو یہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ البصار کے ساتھ اسے تعبیر کیا گیا تاکہ امر کی تقریب کا اظہار ہو یعنی وہ قریب ہی دیکھ لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

وہ جھٹلانے کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے متی هذا العذاب یہ عذاب کب ہوگا یعنی تم عذاب کے بارے میں جلدی نہ کرو وہ ضرور وقوع پذیر ہوگا۔

جب عذاب ان کے آنکھن میں اترے گا۔ زجاج نے کہا: ان لوگوں کا عذاب قتل کی صورت میں تھا۔ بِسَاحَتِهِمْ کا معنی ہے ان کے گھر میں۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: الساحة اور الساحة سے مراد گھر کا وسیع آنکھن ہے۔ فراء نے کہا: ان پر عذاب برابر طور پر نازل ہوا۔

جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری ہوئی۔ اس میں اضمار ہے یعنی فساء الصباح صباح صباح کا خصوصاً ذکر ہوا ہے ان پر عذاب اسی وقت آیا تھا اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر آئے تو وہ لوگ اپنی اپنی کھیتوں کی جانب جا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں انہوں نے کہا: محمد اور بڑا لشکر اور وہ اپنے اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر خربت خیبر اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين (1) اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے لوگوں کی صبح کتنی بری ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ساحہ کا معنی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں مراد لیا ہے۔

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٥﴾ اسے تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا اسی طرح ﴿وَأَنبَهُرُ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ﴾ ﴿١٦﴾ بھی تاکید کے لیے ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٥﴾ وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٧﴾

”پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان ناسزا باتوں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اپنی ان چیزوں سے پاکی زیادہ بیان کی ہے جو مشرکوں نے ان کی طرف منسوب کی تھیں رَبِّ الْعِزَّةِ یہ ربک سے بدل ہے مدح کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت یہ ہو رب العزّة کے معنی میں ہوگا۔

عَمَّا يَصِفُونَ یعنی بیوی اور بچے سے پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا

فرمایا: ”ہر برائی و عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا“۔ سورہ بقرہ میں بحث گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ محمد بن سحنون سے رَبِّ الْعِزَّةِ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کس طرح جائز ہے جبکہ عزت تو صفات ذات میں سے ہے یہ کہنا جائز نہیں رب القدرة اسی طرح دوسری صفات ذات کی طرف رب کی وضاحت کرنا درست نہیں۔

محمد بن سحنون نے جواب دیا: العزة یہ صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی ہے صفت ذات جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا** (فاطر: 10) اور صفت فعل جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ الْعِزَّةِ معنی ہوگا اس عزت کے رب جس عزت سے مخلوق باہم ایک دوسرے پر غلبہ چاہتی ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کے خلق میں سے ہوئی۔

کہا: تفسیر میں آیا ہے یہاں عزت سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا ہمارے بعض علماء نے کہا: جس نے بعزة اللہ کے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی اگر اس نے عزت سے مراد وہ عزت لی جو اس کی صفت ہے اس نے قسم کو توڑا تو اس پر کفارہ ہوگا اگر اس نے اس معنی کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان عزت بنا دی ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

ماوردی نے کہا: رَبِّ الْعِزَّةِ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (1) مالک العزة (2) رب کل شیء متعزز۔ ہر عزت والی چیز کا رب خواہ وہ چیز بادشاہ ہو یا جبروت والی ہو۔ میں کہتا ہوں: دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا جب کوئی قسم اٹھانے والا قسم اٹھائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا کرتے تھے: **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ اِلٰى آخِرِ السُّورَةِ** یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے شیخ، امام، محدث، حافظ ابوعلی حسن بن محمد بن محمد بن عمرو کبریٰ پر جزیرہ میں جو منصورہ کے سامنے تھا جو دیار مصر سے تعلق رکھتا ہے انہوں نے حرہ ام المویذ زینب بنت عبدالرحمن بن حسن شعری سے پہلی دفعہ نیشاپور میں سنا انہوں نے کہا ہمیں ابو محمد اسماعیل بن ابی بکر قاری نے بتایا کہا ہمیں ابوالحسن عبدالقادر بن محمد فارسی نے کہا ہمیں ابوہل بشر بن احمد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابو داؤد بن حسین بیہقی نے بیان کیا ہے کہا ہمیں ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن عبدالتیسی نیشاپوری نے بیان کیا کہا ہمیں ہشیم نے انہوں نے کہا ابو ہارون عبدی سے انہوں نے کہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ نماز کے آخر میں یا جب آپ پھرتے تو یہ کہتے ہوئے سنا: **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝**

ماوردی نے کہا: جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے قیامت کے دن پورا پورا کیل دیا جائے تو جب وہ مجلس کے اختتام پر مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو کہے (1): **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ**

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷﴾ ثعلبی نے حضرت علی شیر خدا کے واسطے سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ الْمُرْسَلِينَ سے مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام کہو تو مرسلین پر بھی سلام کیا کرو بے شک میں رسولوں میں سے ایک رسول ہوں“ (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے امن ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر جو بھیجا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر جو انعامات کیے ہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس کی دلیل قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷﴾ (الانعام) ہے۔

میں کہتا ہوں: سب مراد ہے اور حمد عام ہے یوصفون کا معنی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی عتایصفون من الکذب۔

سورہ ص

﴿سورة ص ۸۸﴾ ﴿سورة ص ۲۸﴾ ﴿سورة ص ۲۸﴾ ﴿سورة ص ۵﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے اس کی چھپاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ

قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَ ذُؤَالًا تُحِينُ مَنَاصِ ۝

”ص قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو گئے

ہیں۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اس سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا“۔

عام قراءت دال کی جزم کے ساتھ وقف کی صورت میں ہے کیونکہ یہ حروف جہی میں سے ایک ہے جس طرح الیم اور التیز

ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن بصری، ابن اسحاق اور نصر بن عاصم نے صاد پڑھا ہے یعنی دال کے نیچے کسرہ ہے اور

تنوین نہیں۔ اس کی قراءت کی وجہ سے دو مذہب ہیں: (1) یہ صَادِی یُصَادِی سے مشتق ہے جب یہ عارض کے معنی میں ہو

اسی سے فَاَنْتَ لَهٗ تَصْدِی ۝ (عبرس) ہے یعنی تو اس کا سامنا کرتا ہے مصاداۃ کا معنی معارضہ ہے اسی سے ایک لفظ صدی

ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو خالی جگہوں میں آواز کے مقابل ہوتی ہے اس کا معنی ہے قرآن کے مقابل ہوا اپنے عمل کے ساتھ

اور اس کے اوامر پر عمل کر اور اس کی نواہی سے رک جا۔

نحاس نے کہا: یہ مذہب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے ان کی قراءت

صحیح روایت ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور اس کی قراءت کا سامنا کیجئے۔ دوسرا مذہب

یہ ہے کہ دال اجتماع ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے عیسیٰ بن عمر نے صاد یعنی دال کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس کی مثل قاف اور

نون ہے اس کا آخر مفتوح ہے اس بارے میں بھی تین مذہب ہیں: (1) یہ اثل کے معنی میں ہو (2) فتح اجتماع ساکنین کی

وجہ سے ہو اور فتح کو اتہاع کی وجہ سے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حرکات میں سے خفیف ترین حرکت ہے (3) یہ قسم کی بنا

پر حذف ہے اور فعل قسم موجود نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: اللہ لأفعلن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب

ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے دلوں کو شکار کیا اور انہیں مائل کیا یہاں تک کہ وہ

آپ پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی اسحاق نے صاد پڑھا ہے یعنی دال مکسور ہے اور اس پر تنوین ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حرف قسم کے

حذف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہ قول بعید ہے اگرچہ سیبویہ نے اس کی مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے ان اصوات کے مشابہ قرار دیا گیا ہو جو غیر منصرف ہیں ہارون اعمور اور محمد بن سمیع نے اسے صاد، قاف اور نون پڑھا ہے کیونکہ یہ اکثر مبنی ہوتا ہے جس طرح منذ، قط، قبل، بعد۔

ص کو جب تو سورت کا نام بنائے تو یہ منصرف نہ ہوگا جس طرح جب تو کسی مؤنث کا نام اسم مذکر سے رکھے تو وہ منصرف نہیں ہوتا اگرچہ اس کے حروف قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے ص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ص کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ص مکہ مکرمہ میں ایک سمندر تھا اسی پر رحمن کا عرش تھا جب رات اور دن نہیں تھا۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ص سے مراد وہ سمندر ہے جس کے ذریعے دو نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخلوقات کو زندہ کرے گا۔

ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ص ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے؛ یہ سدی نے کہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے جو صمد، صانع المصنوعات اور صادق الوعد ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ رحمن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

وَالْقُرْآنِ دَاوُكِي وَجہ سے یہ اسم مجرور ہے دَاوُ، بَاء کا بدل ہے۔ قرآن کی قسم اٹھائی مقصد اس کی عظمت شان پر آگاہی تھی کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یہ سینوں میں موجود ہر مرض کی شفا ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

ذِي الْذِكْرِ ① صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت یاء ہے یہ ایسا اسم ہے جس میں حرف علت ہے اس میں اصل ذَوِي ہے جو فعل کا وزن ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: ذِي الْذِكْرِ کا معنی ہے ذِي الْبَيَانِ۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے ذِي الشَّرَفِ یعنی جو اس پر ایمان لایا وہ اس کے لیے دارین میں شرف کا باعث ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) اس آیت میں ذِكْرُكُمْ سے مراد تمہارے لیے شرف ہے۔ قرآن بذات خود شریف ہے کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں پر مشتمل ہے جس پر غیر مشتمل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِي الْذِكْرِ سے مراد ہے اس میں اس چیز کا ذکر ہے امور دین میں سے جس چیز کے وہ محتاج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِي الْذِكْرِ سے مراد ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موعظت اور ذکر والا ہے جو اب قسم محذوف ہے۔ کئی وجوہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم ص ہے

کیونکہ اس کا معنی ہے حق پس یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقُرْآنِ کا جواب ہے جس طرح تو کہتا ہے: حقا واللہ، نزل واللہ، وحب واللہ۔ اس صورت میں وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ پر عطف کرنا بہت اچھا ہے اور فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ پر وقف تام ہوگا؛ یہ ابن انباری کا قول ہے اور ثعلبی نے یہی معنی فراء سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ ہوگا کیونکہ بل سابقہ امر کی نثی اور اس کے غیر کا اثبات ہے، یہ قسمی نے کہا گویا یوں کلام کی وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ یعنی وہ حق قبول کرنے اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی میں اندھے ہو گئے ہیں یا وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تو جادوگر، جھوٹا ہے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو پہچانتے ہیں بلکہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قَدْ أَفْلَحَ الْمُجِدُّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۝ بَلِ عَجِبُوا ۝ اس کا جواب کَمْ أَهْلَكْنَا هَبْ أَوْ يَا كَلَامِ يَوْمِ هُوَ الْقُرْآنُ لَكُمْ أَهْلَكْنَا جَبْ كَمْ كَوْمُوخْرِيَا تَوْلَامِ كَوْحَذَفْ كَرْدِيَا جَسْ طَرَحِ اللّٰهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هَبْ وَ الشَّيْءِ وَصُحُفَهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ (الشمس: 9) اصل میں لقد افلح تھا۔

مہدوی نے کہا: یہ فراء کا مذہب ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس توجیہ کی بنا پر فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ پر وقف مکمل نہ ہوگا۔ انفس نے کہا: جواب قسم اِنْ كَلِمٌ اِلَّا كَذَّبَ التَّرْسُلُ فَحَشَّ عِقَابِ ۝ ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَنَفِي صَلَاتٍ مُّؤْمِنٍ ۝ (الشعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَاءَ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ (الطارق) ابن انباری نے کہا: یہ تسبیح ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کلام طویل ہو گئی ہے اور آیات و قصص بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ کسائی نے کہا: جواب قسم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنْ ذٰلِكَ لَحَقِي تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۔

ابن انباری نے کہا: یہ پہلے سے بھی زیادہ تسبیح ہے کیونکہ کلام قسم اور جواب قسم میں بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا الرَّؤُفَا مَالَهُ مِنْ نَّفَاوٍ ۝ ہے۔ قتادہ نے کہا: جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ، لتبعثن ہے۔

فِي عِزَّةٍ بَلْ كَا فَر تَكْبَرِ مِيں جَمَلَا هِيں اَوْر حَق كُو قَبُول كَرْنِي سِي ر كِي هُوِي هِيں جَس طَرَحِ اللّٰهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هَبْ ۝ اِذَا قِيْلَ لَهَا اللّٰهُ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرة: 206) عربوں کے ہاں عزت سے مراد غلبہ اور قہر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَزَّتْ۔ یعنی غالب ہوا اور مال سلب کر لیا اسی معنی میں وَعَرَّتِي فِي الْخِطَابِ ۝ ہے یعنی وہ مجھ پر غالب آ گیا جریر نے کہا۔

يَعْلَى عَلَى الطَّرِيقِ بِسُنْبِيهِ

وہ اونٹ اپنے دونوں کندھوں کے ساتھ راستے پر غالب آ جاتا ہے۔

شِقَاقٍ یعنی اختلاف اور جدائی کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ یہ شق سے ماخوذ ہے گویا یہ ایک حصہ میں ہیں اور وہ دوسرے حصہ میں ہیں اور سورہ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو مفصل گذر چکی ہے۔

قُرْنِ سے مراد قوم ہے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے کم کثرت کا معنی دے رہا ہے۔ انہوں نے مدد چاہتے ہوئے اور توبہ

کرتے ہوئے ندا کی۔ ندا کا اصل معنی آواز کا بلند کرنا ہے اس معنی میں حدیث ہے اَلْقَه عَلٰی بِلَالٍ فَرَانَهُ اُنْدٰی مَنْكَ صَوْتَا بِلَالٍ پر یہ کلمات پیش کرو کیونکہ اس کی آواز تجھ سے بلند ہے ☆۔

وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ آواز کو بلند کیا جبکہ یہ توبہ کا وقت نہ تھا اور نہ ہی یہ وہ وقت تھا جب عمل نفع دے۔ نحاس نے کہا: یہ حضرت حسن بصری کی جانب سے وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کی تفسیر ہے جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس نے ابو اسحاق سے وہ تمیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کا معنی ہے یہ کوئی بھاگنے کا وقت نہیں۔ کہا: تمام قوم روک دی گئی۔ کلبی نے کہا: جب وہ جنگ کرتے اور بے بس ہو جاتے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے مَنَاصٍ یعنی تم پر بھاگ جانا لازم ہے جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے کہا: بھاگ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی فنادوا مناص کیونکہ باقی کلام فنادوا پر دلالت کرتی تھی اسی لیے اسے حذف کر دیا گیا یعنی جو تم آوازیں لگا رہے ہو یہ اس کا وقت نہیں۔ اس میں ایک قسم کا استہزاء ہے کیونکہ یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ سابقہ قوموں میں سے جو بھی ہلاک ہو اوہ اضطرار کے وقت یہ کہتا ہو۔ مناص ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کا معنی یہ ہو یعنی کوئی چھٹکارے کی صورت نہیں اس کو نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اس پر لا واقع ہے۔

قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ اس صورت میں وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ میں واؤ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ جرجانی نے کہا: معنی ہے انہوں نے اس گھڑی کی ندا کی جس ساعت کوئی نجات نہیں جب لا کو مقدم کیا اور حین کو موخر کیا تو اس نے واؤ کا تقاضا کیا جس طرح حال تقاضا کرتا ہے جب اسے مبتدا اور خبر بنا دیا جائے جس طرح تیرا یہ قول ہے: جاء زید راکباً۔ جب تو اسے مبتدا اور خبر بنا دے گا تو یہ واؤ کا تقاضا کرے گا جس طرح جاء عن زید وهو راکب ہے حین یہ فنادوا کی طرف ہے مناص یہ پیچھے ہٹنے، بھاگ جانے اور چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اس وقت نجات پانے کے لیے ندا کی جس وقت میں ان کے لیے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فراء نے کہا:

أَمِنْ ذَكَرَ لَيْلِي إِذْ نَأْتِكَ تَنُوصُ (1)

کیا پہلی کو یاد کر کے جب وہ تجھ سے دور ہو گئی تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے کہا جاتا ہے: ناص عن قمرانه ينووص نوصاً و مناصاً یعنی بھاگ کھڑا ہوا۔ نحاس نے کہا: کہا جاتا ہے ناص ينووص جب وہ آگے بڑھے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اضداد میں سے ہے۔ نوص سے مراد وحشی گدھے ہیں استناص یعنی پیچھے ہٹ گیا۔ نحویوں نے وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ اور اس پر وقف کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کتاب القراءات میں اس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔ سوائے چند باتوں کے جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ سب مردود ہے۔ سیبویہ نے کہا: لات یہ مشابہ بلیس ہے اس میں اسم ضمیر ہے تقدیر کلام یوں ہے لیست أحيانا حين مناص۔

حکایت بیان کی گئی ہے کہ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے ساتھ اسم کو رفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں وَلَاتِ حَيْنُ مَنَاصٍ۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رفع قلیل ہے اور خبر محذوف ہے جس طرح کہ نصب اسم میں محذوف تھا یعنی تقدیر کلام یوں تھی ولات حین مناص لنا۔ سیبویہ اور فراء کے نزدیک ولات کی تاء پر عطف ہوگا پھر حین مناص سے تو نئی کلام شروع کرے گا؛ یہ ابن کیسان اور زجاج کا قول ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: قول اسی طرح ہے جس طرح سیبویہ نے کہا کیونکہ اس نے اسے یس کے مشابہ قرار دیا تو جس طرح لیست کہا جاتا ہے اسی طرح ولات کہا جاتا ہے۔ کسائی کے نزدیک اس پر وقف ہاء پر ہوگا یعنی ولاہ یہی مبرد بن محمد بن یزید کا قول ہے علی بن سلیمان نے اس سے حکایت بیان کی کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اس پر ہاء کلمہ کی تانیث کے لیے داخل ہوئی ہے جس طرح شہ اور ربہ کہا جاتا ہے۔ قشیری نے کہا: بعض اوقات شت، شہ کے معنی میں کہا جاتا ہے اور ربت، ربہ کے معنی میں کہا جاتا ہے گویا انہوں نے لامیں ہاء کا اضافہ کر دیا اور انہوں نے لاہ کہا انہوں نے ثم میں شہ کہا ہے جب وصل ہو تو یہ تاء ہو گئی۔

ثعلبی نے کہا: اہل لغت نے کہا وَلَاتِ حَيْنُ دونوں مفتوح ہیں گویا یہ دونوں ایک کلمہ ہیں بے شک یہ اصل میں لا ہے جس میں تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس طرح رب اور ربت، شہ اور شت ابوزبید طائی نے کہا:

طَلَبُوا! صَلَحْنَا وَلَاتِ اُدَانِ فَأَجَبْنَا أَنْ لَيْسَ حَيْنَ بَقَاءٍ

انہوں نے ہماری صلح کا مطالبہ کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا ہم نے جواب دیا کہ یہ بقاء کا وقت نہیں۔
ایک اور شاعر نے کہا:

تَذَكَّرْ حُبَّ لَيْلٍ لَاتِ حَيْنَا دَامِيَ الشَّيْبِ قَدْ قَطَعَ الْقَرِينَا

اس نے لیلیٰ کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا بڑھاپے نے دوستی کو قطع کر دیا۔

کچھ عرب اس لفظ کے ساتھ ما بعد اسم کو جردیتے ہیں: فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَلتَعْرِفَنَّ حَلَاتِنَا سَنُوْلَةً وَلتَتَدَمَّنَّ وَلَاتِ سَاعَةِ مَثَدِمٍ

تو جمع شدہ مخلوقات کو پہچان لے گا اور تو شرمندہ ہوگا جبکہ وہ شرمندگی کا وقت نہیں۔

کسائی، فراء، خلیل، سیبویہ اور انخفش اس طرف گئے ہیں وَلَاتِ حَيْنُ میں تاء، حین سے منقطع ہے وہ کہتے ہیں: اس کا معنی لیست ہے۔ مصاحف جدد اور عتق میں اسی طرح ہے یعنی حین سے تاء کو الگ کر دیا گیا ہے، ابو عبیدہ معمر بن ثنی اسی طرف گیا کہا ہے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: میرے نزدیک ولا پر وقف ہے اور ابتدا حین مناص سے ہے اس صورت میں تاء حین کے ساتھ ہوگی۔ بعض نے کہا: ولات پھر وہ کلام کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے: حین مناص مہدوی نے کہا: ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ مصحف میں تاء حین کے ساتھ متصل ہے جبکہ نحو یوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور مفسرین کے قول کے خلاف ہے، ابو عبیدہ کی حجت یہ ہے کہ اس نے کہا: ہم عربوں کو نہیں پاتے کہ وہ اس تاء کو زائد کرتے ہوں مگر وہ حین، ادان اور الان میں زائد کرتے

ہیں؛ اور ابو وجزہ سعدی کا شعر ذکر کیا:

العاطفون تحین ما من عاطف والمطعمون زمان آین المطعم
وہ اس وقت مہربانی کرتے ہیں جب مہربانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ زمانے کو کھلاتے ہیں جب کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ابو زبید طائی نے شعر ذکر کیا:

طلبوا صلحنا ولا تآوان فأجبنا أن لیس حین بقاء (1)

انہوں نے ہماری صلح کو طلب کیا جبکہ وہ صلح کا وقت نہ تھا تو ہم نے جواب دیا اب بقاء کا وقت نہیں۔ یہاں او ان میں تاء کو داخل کیا۔ ابو عبید نے کہا: الان میں تاء کو داخل کرنے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے ان سے ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں پوچھا تھا تو حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان کے مناقب کا ذکر کیا پھر فرمایا: اذهب بہا تلتان معک۔ اسے لے جا اب وہ تیرے ساتھ ہیں۔ اس قول میں تلتان محل استدلال ہے۔ اسی طرح شاعر نے کہا:

نوی قبل نای داری جمانا و صلینا کما زعت تلتانا

ابو عبید نے کہا: اس سبب بحث کے باوجود میں نے اس مصحف میں نظر کی جسے امام ”مصحف عثمان“ کہا جاتا ہے تو میں نے پایا کہ تاء حین کے ساتھ متصل ہے وہاں تحین لکھا ہوا ہے۔ ابو جعفر نخاس نے کہا: جہاں تک پہلے شعر کا تعلق ہے جو اس نے ابو وجزہ کا ذکر کیا ہے علماء لغت نے اسے چار طریقوں سے روایت کیا ہے سب اس کے برعکس ہیں جو اس نے کہا اس میں دو تقدیریں ہیں ابو العباس محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے العاطفون ولات مامن عاطف۔ دوسری روایت العاطفون ولات حین تعاطف۔ تیسری روایت جسے ابن کیسان نے روایت کیا ہے العاطفونہ حین مامن عاطف۔ اس نے اسے وقف میں ہاء اور درمیان کلام میں تاء بنا دیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہے اور اسے ہاء تانیث کے مشابہ قرار دیا ہے۔ چوتھی روایت العاطفونہ حین مامن عاطف۔ اس روایت میں دو تقدیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور وہی اسماعیل بن اسحاق کا مذہب ہے کہ ہاء نصب کے محل میں ہے جس طرح تم کہتے ہو الضاربون زیدا جب تو ضمیر ذکر کرے گا تو تو کہے گا الضاربونہ سیبویہ نے شعر میں الضاربونہ جائز قرار دیا ہے۔ اسماعیل، سیبویہ کے مذہب کے موافق تانیث کے ساتھ لایا ہے جس طرح اس نے اس کی مثل میں اجازت دی ہے۔

دوسری تقدیر یہ ہے کہ العاطفونہ میں ہاء حرکت کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مرینا المسلمونہ یہ وقف کی صورت میں ہے پھر وصل میں بھی اسے اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح وقف میں رکھا گیا تھا جس طرح اہل مدینہ نے

پڑھا: أَعْنَى عَنَى مَالِيَةَ ۖ هَلَكَ عَنَى سُلْطَانِيَةَ ۖ (الحاقہ)

جہاں تک دوسرے شعر کا تعلق ہے اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ولات اوان پر وقف ہے مگر اس میں ایک مشکل ہے

ہے کیونکہ اس میں ولات اوان مجرور مروی ہے، جبکہ لات کے بعد جو چیز واقع ہے وہ مرفوع یا منصوب ہے اگرچہ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے یعنی لات کی تاء اور حین کی نون پر کسرہ پڑھا ہے جبکہ ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے لات کو مبنی بر کسرہ اور حین کو نصب دی گئی جہاں تک ولات اوان کا تعلق ہے اس میں دو تقدیریں ہیں۔

انفخس نے کہا: اس میں لفظ مضمّر ہے یعنی کلام یوں تھی ولات حین اوان۔ نحاس نے کہا: اس قول میں واضح خطا موجود ہے ابواسحاق سے دوسری تقدیر مروی ہے ولات اوانتا مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو ضروری ہو گیا کہ اس کو اعراب نہ دیا جائے اور اس پر کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ محمد بن یزید نے ولات اوان رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک تیسرے شعر کا تعلق ہے یہ دور اسلام کے شاعر کا شعر ہے جس کے قائل کا کوئی پتہ نہیں اس کے ساتھ دلیل قائم کرنا صحیح نہیں کہ محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے کما زعمت انت الان اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے کما زعمت انت الان اس نے انت سے ہمزہ اور نون کو حذف کر دیا ہے۔

جہاں تک ان کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال ہے جب آپ نے اس آدمی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ذکر کیا تو اسے کہا اذهب بہا تلان الی اصحابک تو اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ محدث اس حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس میں ہے اذهب فاجهد جھدک ایک اور نے اسے روایت کیا ہے اذهب بہا الان معک جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے امام میں تحین پایا ہے تو اس میں بھی ان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کا معنی ہے کہ وہ مصاحف کا امام ہے اگر وہ مصاحف کے خلاف ہوگا تو وہ مصاحف کا امام تو نہ ہوا تمام مصاحف میں ولات ہے اگر اس میں صرف یہی استدلال ہوتا تو وہ کافی ہوتا مناص کی جمع مناص ہے۔

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سِحْرٌ كٰذِبٌ ۝۱۰۱

الْاٰلِهَةُ الْاٰهًا وَّاجِدًا ۝۱۰۲ اِنَّ هٰذَا شَيْءٌ عَجَابٌ ۝۱۰۳

”اور وہ اس پر حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے، کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔“

اَنْ جَاءَهُمْ مِنْ اَنْ مَحَلْ نَصْبٍ مِّنْ اَسْمَاءٍ مِّنْ اَنْ جَاءَهُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق فی عَزَّةٍ وَوَدِّ شَقَاۗئِیْ کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ بنے گی فی عَزَّةٍ وَوَدِّ شَقَاۗئِیْ وَعَجِبُوا اور کم اھلکنا جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہاں سے کلام کا آغاز ہے یعنی ان کی جہالت میں سے یہ بات ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔

کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے یہ آراستہ کلام لاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے جادو کے ذریعے والد اور اس کے بچے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے گدّاب یعنی دعوی نبوت میں جھوٹا ہے۔

أَجَعَلَ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا یہ دونوں مفعول ہیں یعنی اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے بے شک یہ تو عجیب و غریب چیز ہے سلمیٰ نے عَجَاب پڑھا ہے عَجَاب، عَجَاب اور عَجَب سب کا معنی ایک ہی ہے۔ ظلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے کہا عجیب، عجب ہی ہے عجاب عجب کی حد کو تجاوز کرنا ہے۔ طویل جس میں طول ہو طوال سے کہتے ہیں جس نے طول کی حد کو تجاوز کیا ہو۔

جوہری نے کہا: عجیب اس امر کو کہتے ہیں جس سے تعجب کا اظہار کیا جائے اسی طرح عجاب ضمہ کے ساتھ ہے عجاب جب شد کے ساتھ ہو تو وہ اس سے بڑھ کر ہے اسی طرح أعجوبہ ہے۔ مقاتل نے کہا: عجاب یہ ازد و شہو کی لغت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب مریض ہوئے (1) تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے جبکہ ابوطالب کے سر کی طرف ایک آدی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل اپنی جگہ سے اٹھاتا کہ آپ ﷺ کو اس جگہ سے رو کے قریش نے ابوطالب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی، ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: ”اے میرے چچا جان! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کی خواہش کرتا ہوں جس کے باعث تمام عرب ان کی اطاعت کریں گے اور انہیں جزیہ دیں گے۔“ پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قریش نے کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَذَابٍ وَشِقَاقٍ ۝ كُمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَنَادَ ذَاذِلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرًا مِنْهُمْ ۝ وَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ ۝ أَجَعَلَ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۝ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امشُرُوا وَاصِبُوا عَلَىٰ الصِّتَمِ ۝ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمَلَأِ الْأَخْدَةِ ۝ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝ امام ترمذی نے بالمعنی روایت کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے تو قریش پر ان کا اسلام بڑا شاق گذرا تو قریش ابوطالب کی خدمت میں جمع ہوئے کہا: ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: اے بھتیجے! یہ تیری قوم مجھ سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے اپنی قوم پر ظلم نہ کر۔“ پوچھا وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو ہم تجھے اور تیرے معبود کو چھوڑتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم مجھے ایک کلمہ دیتے ہو جس کے باعث تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور مجھی تمہاری اطاعت کریں گے“ ابو جہل نے کہا: تیرا بھلا ہو ہم تجھے وہ کلمہ اور دس اس جیسے اور کلمات دینے کو تیار ہیں نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وہ اس سے بدک گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا اس نے تمام خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے اس تمام مخلوق کو ایک خدا کیسے پورا ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق گَدَابَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُوحٍ تَحْتِ آيَاتٍ كُنَّا نُنزِلُ فَرَمَايَا۔

وَأَنطَلَقَ الْمَلَائِكَةُ مِنْهُمْ أَنْ أَمْشُوا وَأَصْبُرُوا عَلَىٰ إِلَهَيْكُمْ ۚ إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَرِيضٌ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمَلَكَةِ الْأَخْرَجَةِ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۚ وَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَمَّا يَدُوقُوا عَذَابِ ۚ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۚ أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَزْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۚ جُنْدًا مَا هُنَالِكَ مَهْرُومٌ مِنَ الْآخِرَابِ ۚ

”اور تیزی سے چل دیے قوم کے سردار رسول کے پاس سے (اور قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جے رہو اپنے بتوں پر بے شک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر الذکر (قرآن) ہمارے درمیان میں سے، بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا ہے بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، پس چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمانوں پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں بدر میں شکست دی جائے گی۔“

المَلَائِكَةُ کا معنی اشراف ہیں انطَلَقَ کا معنی تیزی سے جانا ہے یعنی یہ کفار رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکلے وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: جس طریقہ پر تم پہلے ہو اسی پر گامزن رہو اور اس کے دین میں داخل نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابو طالب بن ہشام، شیبہ اور عتبہ جو ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے تھے امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور ابو معیط تھے وہ ابو طالب کے پاس آئے تھے انہوں نے کہا: تو ہمارا سردار ہے اور ہمارے بارے میں بہتر انصاف کرنے والا ہے اپنے بھتیجے اور اس کے ساتھ جو بے وقوف لوگ ہیں ان کے ساتھ ہمارے بارے میں معاملات اپنے ہاتھ میں لیں انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا اور ہمارے دین میں طعن کیا۔ ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: تیری قوم تجھے انصاف کی طرف دعوت دیتی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں انہیں ایک بات کی دعوت دیتا ہوں“۔ ابو جہل نے کہا: ایک کیا دس۔ فرمایا: تم کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔

أَنْ أَمْشُوا میں ان کلم نصب میں ہے معنی ہان امشوا یعنی باء حرف جار محذوف ہے اور اس کے حذف کی وجہ سے محل

نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُن، اسی کے معنی میں ہے یعنی امشوا، انطلق کی تفسیر ہے اس کا مطلب ہے یہ نہیں کہ انہوں نے یہ لفظ بولا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان میں سے معززین چلے اور انہوں نے عوام سے کہا: امشوا و اصبوا و اعلیٰ الصبکم یعنی اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرو اِنَّ هَذَا یعنی جو حضرت محمد ﷺ لائے ہیں جس کے ساتھ اہل زمین کے بارے میں اس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے کہ قوم سے نعمتوں کا زوال ہو اور جو ان پر نازل ہوا ہے ان کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عِيْرَادُ ① کلمہ تخدیر ہے یعنی محمد ﷺ جو کہتے ہیں اس کے ساتھ وہ ہم سے اطاعت کے طالب ہیں تاکہ وہ ہم پر غالب آجائیں اور ہم اس کے پیروکار بن جائیں تو اس طریقہ سے جو وہ چاہے اس پر حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرنے سے بچو۔ مقاتل نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعے سے اسلام کو قوت و شوکت نصیب ہوئی تو یہ امر قریش پر شاق گذرا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو ایسی قوت حاصل ہوئی ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا تھا (1)۔

حضرت ابن عباس، قرظی، مقاتل، کلبی، اور سدی نے کہا: وہ ملة آخراہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت مراد لیتے ہیں یہ ملتوں میں سے آخری ملت ہے، نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الہ بناتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا: وہ قریش کی ملت مراد لیتے تھے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم نے یہ نہیں سنا تھا کہ یہ آخری زمانہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اہل کتاب سے یہ نہیں سنا تھا کہ حضرت محمد ﷺ رسول حق ہیں۔

یہ تو سراسر جھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: خلق و اخلق یعنی اس نے نیا کام شروع کیا خلق اللہ الخلق اسی معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مثال کے پیدا کیا۔

ءَاُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا يَهْدِيهِ لَكُلِّ شَيْءٍ اسْتَفْهَامٌ انکاری ہے، ذکر سے یہاں مراد قرآن ہے یعنی انہوں نے آپ کو وحی کے ساتھ خاص کرنے کا انکار کیا قِنْ ذِكْرِي سے مراد میری وحی ہے وہ قرآن ہے یعنی وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ ہمیشہ سے ان کے درمیان سچے رہے ہیں میں نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس کے بارے میں انہوں نے شک کیا کہا: وہ میری جانب سے ہے یا میری جانب سے نہیں۔

اصل میں لمبی مہلت کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہوئے ہیں اگر شرک کی بنا پر میرا عذاب چکھ لیتے تو ان سے شک زائل ہو جاتا اور وہ یہ بات نہ کرتے لیکن اس وقت انہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا لہذا یہ لم کے معنی میں ہے اور ما زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَمَّا قَلِيلٍ (المومنون: 40) اور فَمَا نَقْضِهِمْ (المائدہ: 13)

کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں تو وہ محمد ﷺ سے ان نعمتوں خصوصاً نبوت کو روک لیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی ہے۔ ام کا لفظ کبھی تفریح کے معنی میں آتا ہے جب کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: التَّمَّ ۝ تَنْزِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ (السجدہ)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ اللّٰهُ تَعَالٰی کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے وَعَجِبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرًا مِّنْهُمْ معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں یا زمین و آسمان کے خزانے ان کی ملکیت ہیں اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں پس انہیں چاہیے آسمانوں کی طرف چڑھیں اور فرشتوں کو اس بات سے روک دیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئیں۔ یہ کہا جاتا ہے: رقی بوق اور ارقی یعنی وہ بلند ہو گئے رقی، بوق اور رقی یہ رمی یرمی اور رمیا کی طرح ہے یہ رقیۃ سے مشتق ہے ربیع بن انس نے کہا: اسباب بال سے باریک اور لوہے سے مضبوط ہیں لیکن وہ دکھائی نہیں دیتے۔ لغت میں سبب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو وہ رسی ہو یا کوئی اور چیز۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان کے ابواب یا اسباب ہیں جن سے فرشتے اترتے ہیں: یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

لَوْرَامَ اَسْبَابِ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ

کاش وہ سیزمی کے ذریعے آسمان اسباب کا قصد کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان ہیں یعنی انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایک آسمان پر چڑھیں۔ سدی نے کہا: فی اسباب سے مراد فضل اور دین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد رسیاں ہیں (1) یعنی اگر وہ رسیاں اور سبب پائیں جن میں وہ آسمان کی طرف بلند ہوں تو وہ چڑھیں۔ یہ امر تو شیخ اور تعجیز کے لیے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف اپنے نبی کی مدد کا وعدہ کیا جُنْدًا مَّا هُنَالِكَ يٰهَا مَا زَاوَدَهُ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ہم جند پس جند مبتدا محذوف کی خبر ہے مہزوم یعنی ذلیل اور رسوا ہونگے ان کی دلیل ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اس مرحلہ تک نہیں پہنچیں گے کہ وہ یہ کہیں یہ ہمارے لیے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تَهَزَمَتِ الْقَرَابَةُ جب وہ مشکیزہ ٹوٹ جائے، هَزَمَتِ الْجَيْشُ میں نے لشکر کو شکست دے دی کلسا ماقبل کے ساتھ مربوط ہے یعنی وہ شکست خوردہ لشکر ہیں تو ان کا تکبر اور قبول حق سے رکنا تجھے غم میں نہ ڈالے بے شک میں ان کی جمعیتوں کو شکست دے دوں گا ورنہ ان کی عزت کو سلب کر دوں گا یہ نبی کریم ﷺ کو انس عطا کرنا ہے بدر کے روز آپ کے ساتھ ساتھ ایسا کیا بھی گیا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں شکست دے گا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے تو اس کی تاویل بدر کے روز سامنے آئی هُنَالِكَ میں بدر کی طرف اشارہ ہے یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: احزاب سے مراد وہ گروہ ہیں جو مدینہ طیبہ آئے اور نبی کریم ﷺ سے برسر پیکار ہوئے۔ یہ بحث سورہ احزاب میں گذر چکی ہے۔ احزاب کا معنی لشکر ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جند من قبائل شتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی گزشتہ قومیں ہیں یعنی یہ لشکر ان کے طریقہ پر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنِ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ (البقرہ: 249) من سے مراد ہے وہ میرے دین اور مذہب پر ہے۔ فراء نے کہا: وہ مغلوب لشکر ہیں یعنی انہیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوں۔ قسبی

نے کہا: یعنی وہ ان معبودوں کے شکست خوردہ لشکر ہیں وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ سے کسی چیز کا مطالبہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں سے اپنے لیے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمین سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٣﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ
نَيْلِقَةَ ۗ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٤﴾ إِنَّ كُلًّا إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُولَ فَحَسَّ عِقَابُ ﴿١٥﴾

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میمونوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے، یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گذر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر لازم ہو گیا میرا عذاب۔“

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعزیت اور آپ کی تسلی کے لیے کیا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تیری قوم کے لوگ ہیں متقدمہ قوموں کے لشکر ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے خلاف لشکر کشی کی وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے پس انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تانیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا (1) علماء عرب نے اس بارے میں دو قول نقل کیے ہیں:

(1) اس میں تذکیر و تانیث جائز ہے (2) یہ مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی عشیرہ اور قبیلہ پر واقع ہو تو لفظ میں اس معنی کا حکم غالب ہوگا جو معنی مضر ہے مقصود اس پر تشبیہ کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْتَهُ ﴿١٥﴾ (عبس) یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ جب اس پر مضر معنی مذکر تھا تو اسے مذکر ذکر کیا گیا اگرچہ لفظ تانیث کا تقاضا کرتا ہے۔

فرعون کی صفت ذُو الْأَوْتَادِ سے ذکر کی اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے مضبوط عمارتوں والا۔ ضحاک نے کہا: وہ بے شمار عمارتوں والا تھا اور عمارتوں کو اوتاد کہتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے کیل، رسیاں اور کھیل کے میدان تھے جن پر اس کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ قوت و پکڑ والا تھا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو کیلوں کے ذریعے عذاب دیا کرتا تھا جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو زمین پر چار کیل گاڑھ کے ان کے درمیان چت لٹا دیتا تھا اور اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب دیے جانے والے شخص کو چار ستونوں پر تان دیتا اس انسان کی ایک جانب ایک ستون کی طرف ہوتی جس میں لوہے کا ایک کیل گڑھا ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذُو الْأَوْتَادِ سے مراد کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس امر کو قوی بناتا ہے جس طرح کیل گھر کو قوی بناتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: ہم لی عز شابت الاوتاد وہ ارادہ کرتے ہیں ان کے لیے دائمی اور قوی عزت ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھر بالوں کے خیمے ہوتے وہ میٹھوں کے ساتھ ہی مضبوط اور قوی ہوتے۔ اسود بن یعلتر نے کہا:

وَلَقَدْ غَنَوْا فِيهَا بِأَنْعَمِ عَيْشَةٍ لِّى ظَلَّ مُنْذِرٌ مِّنَ الْأَوْتَادِ (1)

وہ زندگی کی نعمتوں کے ساتھ اس میں مستغنی ہوئے ایسے ملک کے سایہ میں جو مضبوط ہے۔

اوتاد کی واحد وتد ہے یہ تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وتد بھی اس میں ایک لغت ہے۔ اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وتد واتد جس طرح یہ کہا جاتا ہے: شغل شاغل۔ کہا: بعض اوقات آدمی کو جذل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

أَصْحَابُ لَيْكَةِ سے مراد اصحاب غیضہ ہیں اس کا ذکر سورہ شعراء میں گذر چکا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے لیکہ ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔

یہی لوگ قوت اور کثرت سے متصف تھے جس طرح تو کہتا ہے: فلان هو الرجل، اِنْ كُنَّ يِهَابِ ان، ما کے معنی میں ہے مَعَى عِقَابٍ یعنی اس جھلانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا یعقوب نے عذاب اور عقاب میں یاء کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَالَ النَّبِيُّ آمَنَ يُقْوِرُ اِيَّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ وَمِثْلُ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿١٠﴾ وَمِثْلُ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ (غافر) ان امتوں کو احزاب کا نام دیا گیا۔

وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٠﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا

وَقَنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١١﴾

”اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ کفار مکہ مگر ایک کڑک کا جن کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ وہ (مذاقاً) کہتے

ہیں: اے ہمارے رب! جلدی دے دے ہمارے حصہ کا عذاب یوم حساب سے پہلے۔“

یہاں يَنْظُرُ ينتظر کے معنی میں ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنْظُرُوْنَا نَقْتِسِسُ مِنْ نُورِكُمْ (الحديد: 13) هَؤُلَاءِ سے مراد کفار مکہ ہیں اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً سے مراد قیامت کا نغمہ ہے یعنی غزوہ بدر میں جو مصیبت انہیں پہنچی اس کے بعد وہ قیامت کے نغمہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے زندہ لوگ اس وقت صرف صیحہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں صیحہ سے مراد صور پھونکنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَنْظُرُونَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّوْنَ ﴿١٠﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً (يس) یہ قیامت اور موت کے قریب ہونے کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس امت کے آخر کے کفار جو ان لوگوں کے طریقہ کو اپنائے ہوئے ہونگے وہ انتظار نہیں کرتے ہونگے مگر ایک صیحہ کا انتظار کر رہے ہونگے جو نغمہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: آسمان میں صیحہ نہیں ہوتا مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر غضبناک ہوتا ہے۔

مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٠﴾ جس کو لوٹا یا نہیں جاسکے گا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ مروی ہے کہ اس کے لیے لوٹنا نہیں۔ قتادہ نے کہا: اس کے لیے واپس آنا نہیں ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے افاقہ کی سورت نہ ہوگی۔ حمزہ اور کسائی نے

اسے مالہا من فواق پڑھا ہے باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

جوہری نے کہا: فواق اور فواق سے مراد دو دفعہ دوہنے کے درمیان کا جو عرصہ ہوتا ہے کیونکہ جانور کو دوہا جاتا ہے پھر اسے تھوڑا ترک کیا جاتا ہے تاکہ بچہ دودھ پیے تاکہ جانور دودھ اتارے پھر اسے دوبارہ دوہا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما اقام عندہ الا فواقا یعنی وہ گھڑی بھرا اس کے پاس ٹھہرا۔ حدیث طیبہ میں ہے العیادۃ قدر فواق الناقۃ (1) عیادت اونٹنی دوہنے کے وقت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ اسے فتح اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے واقع ہونے پر راحت اور افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ الفیقۃ اس دودھ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان جمع ہو جاتا ہے واویاء ہوگئی ہے کیونکہ اس کا ما قبل مکسور ہے۔ ائشی گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا فِيقَةً فِي ضَرَعِهَا اجْتَمَعَتْ جَاءَتْ لِتَرْضِعَ شِقَّ النَّفْسِ لَوْرَضَعَا

یہاں تک کہ اس کی کھیری میں دودھ جمع ہوتا وہ آئی تاکہ نفس کے حصہ کو دودھ پلائے۔

فیقۃ کی جمع فیق ہے پھر اس کی جمع افواق ہے جس طرح شبر کی جمع اشبار ہے پھر اس کی جمع افادیق ہوتی ہے؛ ابن ہمام سلوی نے کہا:

وَذَمُّوْنَا الدُّنْيَا وَهُمْ يَرْضَعُونَهَا أَفَاقِيْقٌ حَتَّىٰ مَا يَدْرُلُّهَا تُغْلُ

وہ ہمارے سامنے دنیا کی مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ خود اس کے جمع شدہ دودھ چوستے ہیں یہاں تک کہ نعل اس کے لیے دودھ نہیں دیتا۔

افادیق اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو بادل میں جمع ہو جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے بارش برساتا ہے افاقۃ الفاقۃ۔ اونٹنی کی کھیری میں دودھ جمع ہو گیا اس سے اسم فاعل مفیق اور مفیقہ ہے۔ ابو عمرو سے مروی ہے کہ اس کی جمع مفادیق ہے فراء ابو عبیدہ اور دوسرے علماء نے کہا: من فواق ہے یعنی فاء کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی راحت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ طویل ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جبکہ ہم آپ کے صحابہ کے ایک طائفہ میں تھے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو نوحی اولیٰ کا حکم دے گا ارشاد فرمائے گا: نوحی فزع پھونکو تو تمام آسمان وزمین والے خوف زدہ ہو جائیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا وہ اسے پھیلائے گا، اسے دوام دے گا اور اسے طویل کرے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿٥﴾ اور حدیث کو ذکر کیا اسے علی بن معبد اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

مجاہد نے کہا قَطْنَا کا معنی ہے ہمارا عذاب؛ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے یعنی عذاب میں سے ہمارا حصہ۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنت میں ہمارا حصہ تاکہ دنیا میں اس سے لطف اندوز ہوں۔ یہی سعید بن جبیر نے کہا: لغت میں یہ معروف ہے کہ

نصیب (حصہ) کو قَط کہتے ہیں اور وہ کتاب جو انعام کے لیے لکھی گئی ہو اسے بھی قَط کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں قَط سے مراد حصہ ہے اسی معنی میں رجسٹری کو قَط کہتے ہیں۔ ابو عبید اور کسائی نے کہا: قَط سے مراد وہ تحریر ہے جو انعامات کے لیے لکھی گئی ہو اس کی جمع قَطوط ہے۔ ائشی نے کہا:

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ لَقِيْتَهُ بِغِيْطَتِهِ يُعْطَى الْقَطُوْطَ وَيَأْفِقُ (1)

قَطوط سے مراد انعامات کی تحریر ہیں۔ بغیطتہ کی جگہ بنعمتہ کے الفاظ ہیں یعنی اپنے احسان کے ساتھ جلیل القدر حالت کے ساتھ یا فقی یعنی اصلاح احوال کرتا ہے قَط کی جمع میں قَطَطہ کہتے ہیں اور جمع قلت اقط اور اقطاط ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جنت میں ان کی جو منازل ہیں ان کی مثالی شکل دکھائی جائے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: معنی ہے ہمارے رزق ہمیں جلدی دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمیں وہ چیز جلدی دی جائے جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو یہ عربوں کے قول قَطی سے ماخوذ ہے یعنی یہ میرے لیے کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ بات ان کتابوں کے بارے میں کی تھی جو ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دی جانی تھیں ان پر یہ قرآن پڑھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاما من اوق کتابہ بیمنہ۔ واما من اوق کتابہ وراء ظہرہ۔ قَط کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے قَط القلم قَط کسی شے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس طرح قَسَم اور قَسَم ہے اس کا اطلاق، نصیب، کتاب اور رزق پر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر سے الگ ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق کتاب (تحریر) میں زیادہ استعمال ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے قوی ہے؛ امیہ بن ابی صلت نے اسی معنی میں یہ شعر کہا ہے:

قَوْمٌ لَهُمْ سَاحَةُ الْعِرَاقِ وَمَا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ وَالْقَلَمُ (2)

وہ ایسی قوم ہیں جن کے لیے عراق کا علاقہ اور جو اس کے لیے اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے لیے تحریر اور قلم ہے۔ قَبْلُ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑤ یعنی دنیا میں ہی قیامت سے قبل اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح محمد ﷺ کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی جانب سے استہزاء کے طور پر تھا۔

إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدًا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ⑥ إِنَّهُ أَوَّابٌ ⑦

”(اے صیب!) صبر کرو ان کی نامعقول باتوں پر اور یاد فرمائیے ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

جب کفار نے مذاق کیا تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے واقعات اور ان کی دشمنی کا ذکر کیا اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے انہیں خبردار کیا تو نبی کریم ﷺ کو ان کی اذیتوں پر صبر کا حکم دیا اور جو کچھ پہلے مذکور ہوا اس کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی، پھر حضرت داؤد علیہ

السلام اور انبیاء کا ذکر شروع کیا تاکہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے صبر سے آپ بھی تسلی پائیں اور آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آخرت میں آپ کے لیے کئی گنا اجر ہوگا اس اجر کی بنسبت جو حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو عطاء کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قول پر صبر کیجئے اور ان کے لیے انبیاء کے قصے بیان کیجئے تاکہ وہ قصے آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل بن جائیں۔

ذَٰلَآلِیْدٍ سے مراد ”عبادت میں قوی“ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ روزہ سب سے مشکل اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات نماز پڑھا کرتے تھے جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو نہیں بھاگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے میں بڑے قوی تھے۔ عِبْدَانَا کا قول اضافت کے ساتھ شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

اسے الاید اور الایدھی کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: العیب والعیاب شاعر نے کہا:

لَمْ یَنْکُ یَنْادِ فَاْمَسَى اِنَادَا۔ وہ لکڑی ٹیڑھی نہیں تھی وہ اب ٹیڑھی ہوگئی۔

اسی سے رجل ایڈ ہے یعنی قوی آدمی۔ تایدا الشئ۔ شی قوی ہوگئی اس معنی میں شاعر نے کہا:

اِذَا الْقَوْسُ وَشَرَّهَا اَيْدٌ رَمَى فَاَصَابَ الْكُلَّ وَالزُّرَا

شاعر کہتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کمان کی تانت کو کسا جو بادلوں میں ہے اور اسے پھینکا تو وہ اونٹوں کے گردوں کو جاگا اور انہیں جربہ کے ساتھ موٹا کر دیا۔ مراد اس سے نباتات ہے جو بارش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّكَ اَوَْابٌ ضْحَاکُ نے کہا: اس کا معنی تو بہ کرنے والا (1)۔ اور دوسروں سے مروی ہے کہ جب بھی وہ کسی لغزش کو یاد کرتے یا ان کے دل میں ان کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں دن اور رات میں سو فحہ استغفار کرتا ہوں، اب یثوب اس وقت کہتے ہیں جب وہ لوٹ آئے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وَكُلُّ ذِي غَيْبَةٍ يَثُوبُ وَغَائِبُ الْمَوْتِ لَا يَثُوبُ

ہر غائب لوٹ آتا ہے اور موت کی وجہ سے غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا کی طرف لوٹنے والے تھے وہ اس لائق تھے کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

اِنَّا سَعَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿٦﴾

”ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يُسَبِّحْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے جو وہ برہان اور معجزہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے

اس کا ذکر فرمایا وہ پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یُسَبِّحُنَّ کا معنی ہے وہ نماز پڑھتے تھے ہر چیز مجزہ ہو گئی جب لوگوں نے اسے دیکھا اور اسے پہچانا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو خوبصورت آواز دی گئی تھی پہاڑوں میں اس کی وجہ سے جو ہلکی آواز پیدا ہوتی ہے اور پرندے اس کی طرف جو کان لگاتے اور اس کے ساتھ آوازیں نکالتے جو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں تو یہ ان پہاڑوں کی تسبیح ہوگی کیونکہ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اس کے بارے میں گفتگو سورہ سبا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبُحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ** (الاسراء: 44) میں گذر چکی ہے۔ اقوال میں سے صحیح ترین قول وہ ہے: جو قولی تسبیح ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اشراق سے مراد سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کا سفید ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شراقت الشمس جب وہ طلوع ہو اشراقت جب وہ خوب روشن ہو جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: میں اس آیت **بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ** کے پاس سے گذرتا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے آپ نے پانی منگوا یا وضو کیا پھر چاشت کی نماز پڑھی فرمایا: ”ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے“ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صلاة الضحیٰ کے بارے میں میرے ذہن میں الجھن سی تھی یہاں تک کہ میں نے اسے قرآن میں پایا **يُسَبِّحُنَّ بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ**۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے پھر اسے بعد میں پڑھنے لگے۔ روایت کی گئی ہے کہ کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سورج کے طلوع ہونے کے بعد ایک نماز پاتا ہوں وہ اوامین کی نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تجھے قرآن دکھاتا ہوں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے **يُسَبِّحُنَّ بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ**۔

مسئلہ نمبر 3۔ چاشت (1) کی نماز نفل اور مستحب ہے (2) یہ دن کے پہلے پہر میں اسی طرح ہے جس طرح دن کے پچھلے پہر میں عصر ہے۔ نماز پڑھنا مناسب نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد سفید ہو جائے اس کا گدلا پن ختم ہو جائے وہ اپنی روشنی کی وجہ سے منور ہو جائے جس طرح عصر کی نماز اس وقت پڑھنا مناسب نہیں جب سورج زرد ہو جائے۔

1۔ من صلاة الضحیٰ کے الفاظ ہیں جس کا لغوی معنی چاشت کی نماز ہے لیکن جو تعبیر کی گئی ہے وہ اشراق کے نوافل بنتے ہیں جو سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً بیس منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔ صلاة الضحیٰ تو تقریباً دو، اڑھائی گھنٹے بعد پڑھی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صلاة الاوابین حين ترمض الفصال اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں۔ فصال اور فصلان، فصیل کی جمع ہے اس سے مراد اونٹ کا وہ بچہ ہوتا ہے جسے دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ رمضاء سے مراد زمین میں گرمی کی شدت ہے۔ یہاں فصال کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس وقت گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ابھی گرمی کی شدت انتہاء کو نہیں پہنچتی جس وقت ان کی مائیں گرمی محسوس کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں قوت برداشت کم ہوتی ہے یہ چاشت کے وقت اور اس کے تھوڑا وقت بعد ہوتا ہے، یہ سورج کے طلوع ہونے اور زوال کے درمیان کا وقت ہوتا ہے؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: لوگوں میں سے اس سے کچھ تھوڑا پہلے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ انہیں جلدی ہوتی ہے کیونکہ انہیں کوئی مصروفیت ہوتی ہے پس اس وجہ سے عمل میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ ممنوع وقت میں نماز پڑھتا ہے اور وہ ایسا بھی کرتا ہے جو اس کے خلاف چلا جاتا ہے وہ اس کے حق نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من صلى الضعیثی عشراً رکعة بنی الله له قصراً من ذهب فی الجنة (1) جو چاشت کے بارہ نوافل پڑھے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک محل بنا دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”تمہاری ہڈیوں میں سے چھوٹی ہڈی پر صدقہ ہے پس ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے ہر تہلیل (لا اِلهَ اِلاَ اللهُ) صدقہ ہے ہر تکبیر (الله اکبر) صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے نبی عن المنکر صدقہ ہے دو رکعتیں ان کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے“ (2)۔

ترمذی نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے چاشت کے دو نفلوں میں مواظبت اختیار کی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں“ (3)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ”میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی، میں اپنی موت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا ہر ماہ تین روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا“ (4)۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے: چاشت کے دو نفل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ذر سے روایت نقل کی ہے جس طرح امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ یہ سب بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چاشت کی نماز کی کم سے کم رکعتیں دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جامل صلوة الضعیث، جلد 1، صفحہ 62

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوة، استحباب الصلوة الضعیث، جلد 1، صفحہ 250

3۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جامل صلوة الضعیث، جلد 1، صفحہ 63

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، صلوة الضعیث لالضعیث، جلد 1، صفحہ 157

سُلافی کا اصل معنی انگلیوں، ہتھیلیوں اور پاؤں کی ہڈیاں ہیں پھر اس کا استعمال جسم کی تمام ہڈیوں اور جوڑوں میں ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بنی آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ اکبر، الحمد للہ، لا إله إلا الله، سبحان الله، أستغفر الله کہا، راستہ سے کوئی پتھر، کوئی کانٹا یا راستہ سے کوئی ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اس نے یہ عمل تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کیا تو وہ اس روز چلے گا جبکہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا ہوگا (1)“ ابو توبہ نے کہا: بعض اوقات یسعی کا لفظ ذکر کیا۔ امام مسلم نے اسی طرح نقل کیا ہے ان کا قول ہے ویجزی من ذلك رکعتان یعنی ان اعضاء کی جانب سے ان صدقات کے لیے دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ کیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جسم کا ہر عضو وہ فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ الطَّيْرَ مَحْشُورًا ۚ كُلٌّ لَّكَ آوَابٌ ۝۱۱ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهُ ۚ وَ اتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ ۚ

فصل الخطاب ۝۱۱

”اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لیے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔“

وَ الطَّيْرَ مَحْشُورًا اس کا عطف الجبال پر ہے۔ فراء نے کہا: اگر اسے وَالطَّيْرَ مَحْشُورًا پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں فعل ظاہر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پہاڑ انہیں جواب دیتے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح کہتے، ان کا آپ کے پاس جمع ہونا ہی ان کا حشر ہے معنی ہے کہ ہم نے پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ آپ کے پاس جمع ہوتے تاکہ وہ آپ کے ساتھ ملکر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے ہوا کو مسخر کیا تاکہ پرندے ان کے پاس جمع ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں یا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ پرندوں کو جمع کریں ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کا تابع رہتا یعنی ان کے پاس آتا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وَ شَدَدْنَا مُلْكَهُ یعنی ہم نے اسے قوی کیا یہاں تک کہ وہ پختہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ہیبت اور دلوں میں رعب ڈال کر ان کی حکومت کو پختہ کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لشکروں کی زیادتی کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو پختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تائید اور نصرت کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا: یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی بادشاہ تھے ہر رات ان کی عبادت گاہ کی تیس ہزار سے اوپر لوگ نگہبانی کیا کرتے تھے جب آپ صبح کرتے تو کہا جاتا واپس چلو تم سے اللہ کا نبی راضی ہے۔ ملک کا معنی ملکیت کی زیادتی ہے آدمی کی ملکیت ہوتی ہے مگر اس وقت ملک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی مملوکہ

چیزیں کثیر نہ ہو جائیں اگر ایک آدمی گھر اور بیوی کا مالک ہو جائے تو وہ اس وقت تک ملک نہیں کہلاتا یہاں تک کہ اس کے پاس خادم ہو جو منافع میں تصرف کی ذمہ داری کو کافی ہو جس کا ایک انسان محتاج ہوا کرتا ہے یہ معنی سورہ براءہ میں گذر چکا ہے اور ملک کی حقیقت سورہ نمل میں گذر چکی ہے۔

وَآتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْكُتُبِ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **آتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ** حکومت سے مراد نبوت ہے (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد عدل ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سنت ہے۔ شرح نے کہا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے۔ **وَفَصَّلَ الْكُتُبِ** ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور قتادہ نے کہا: قضاء میں فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بیان کلام ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا: اس سے مراد یہ ارشاد ہے **الْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ شَرِيحًا**، قتادہ اور شعبی کا قول ہے: ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا یہ ان کا قول اما بعد ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا کلمہ استعمال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَفَصَّلَ الْكُتُبِ** سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثیر معانی کا قلیل الفاظ میں سمودینا ہے۔ ان اقوال کے معنی قریب قریب ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کا قول اس کو جامع ہے کیونکہ فیصلہ کا وارو مدار اسی پر ہوتا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول اس سے مختلف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: جہاں تک علم قضا کا تعلق ہے (2) تیرے معبود کی قسم! یہ علم کی ایک انوکھی قسم ہے اور اس کی موکد فصل ہے، یہ احکام کی معرفت اور حلال و حرام کی بصیرت سے الگ ہے حدیث طیبہ میں ہے **أَقْضَاكُمْ عَلَى وَأَعْلَمَكُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ** معاذ بن جبل (3) تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی افعال کے احکام کو جانتا ہے حلال و حرام کو پہچانتا ہے وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا کچھ لوگوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اس میں شیر گر پڑا لوگ اس گڑھے پر اکٹھے ہو گئے اس گڑھے میں ایک آدمی گرا وہ ایک اور آدمی کے ساتھ چمٹ گیا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا یہاں تک کہ وہ کل چار آدمی ہو گئے شیر نے انہیں زخمی کر دیا تو وہ ہلاک ہو گئے لوگوں نے اسلحہ تھام لیا قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی فرمایا: میں ان کے پاس آیا اور میں نے کہا: کیا تم چار آدمیوں کی وجہ سے دو سو آدمیوں کو قتل کرتے ہو آؤ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو تو وہ تمہارے درمیان فیصلہ ہوگا اگر تم وہ فیصلہ ماننے سے انکار کرو تو تم وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت علی شیر

خدا نے پہلے کے لیے چوتھائی دیت، دوسرے کے لیے ایک تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے پوری دیت کا فیصلہ کیا اور تمام دیتیں ان افراد پر لازم کر دیں جنہوں نے وہ گڑھا کھودا تھا اور اسے ان چار قبائل پر تقسیم کر دیا کچھ لوگ راضی ہو گئے اور کچھ لوگ ناراض ہو گئے پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات بیان کیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا ایک آدمی نے عرض کی: حضرت علی شیر خدا نے ہمارے درمیان ایک فیصلہ کیا ہے، حضرت علی شیر خدا نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فیصلہ تو وہی ہے جو حضرت شیر خدا نے کیا ہے۔“ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا کا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اسی طرح المعرفة بالقضاء میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک آدمی آیا عرض کی کہ ابن ابی لیلیٰ جو کوفہ کے قاضی تھے نے ایک مجنونہ عورت کو دو حدیں جاری کرتے ہوئے کوڑے مارے جس نے ایک آدمی کو کہا: اے دو بدکاری کرنے والوں کے بیٹے جبکہ وہ عورت کھڑی تھی حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس نے چہرہ جوہ سے غلطی کی ہے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے یہ قول بدیہی طور پر کر دیا علماء کے علاوہ کوئی آدمی روایت کو نہیں جانتا۔ جہاں تک حضرت علی شیر خدا کے فیصلہ کا تعلق ہے اس کو تھورا علم رکھنے والا نہیں جان سکتا اور احکام میں تجربہ رکھنے والا اس کا ادراک نہیں کر سکتا مگر وہ جو طویل عرصہ تک اس پر اپنی توجہات کو مرکوز کیے ہوئے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ جو چار مقتول ہیں خطا قتل ہوئے کیونکہ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان میں دھکم پیل ہوئی اور جن لوگوں نے اس گڑھے کو کھودا ان پر ان مرنے والوں کی دیت خطا لازم ہو گئی مگر جو پہلا ہے دھکم پیل کی وجہ سے مقتول ہے جس نے تین دوسرے افراد کو کھینچے ہوئے قتل کیا اس کے لیے قتل ہونے کی وجہ سے دیت ہوگی اور اس پر تین چوتھائی دیت لازم ہوگی ان افراد کی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا ہے جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے اس کے لیے ایک تہائی دیت ہوگی اور اس پر ان دو افراد کی دو تہائی دیت لازم ہوگی جن دو کو اس نے کھینچ کر قتل کیا۔۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے اسکے لیے نصف دیت ہوگی اور اس پر بھی نصف دیت ہوگی کیونکہ اس نے ایک آدمی کو کھینچ کر قتل کیا تھا اس طرح ان میں تقسیم ہوگی اور اور عاقلہ جاری قصاص کے بعد اس طرح چٹی بھریں گے یہ بہت عمدہ استنباط ہے۔ جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے متعلقہ اسباب کو دیکھا تو آپ نے غلطی کی چہرہ جوہ کو دیکھا۔

(1) مجنون پر کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ جنون احکام کے مکلف ہونے کے حکم کو ساقط کر دیتا ہے یہ اس وقت ہوتا جب تہمت جنون کی حالت میں لگائی ہو جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جسے کسی وقت جنون لاحق ہوتا ہو اور کسی وقت افاقہ ہوتا ہو تو اسے افاقہ کی حالت میں حد قذف لگائی جائے گی۔ (2) اس کا قول: اے دو بدکاروں کے بیٹے! تو اس کے کوڑے دو حدوں کی صورت میں لگنے چاہئیں تھے ہر اک کی وجہ سے ایک حد جاری ہونی تھی، امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کے مطابق اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ حد قذف میں تدخل واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح شراب اور بدکاری کی حد ہے جہاں تک امام شافعی اور امام مالک کا تعلق ہے دونوں کی رائے یہ ہے کہ حد قذف یہ بندے کا حق ہے اس وجہ سے

جب وہ افراد متعدد ہیں جن پر تہمت لگائی گئی ہے تو حدیں بھی متعدد ہوں گی۔ (3) قاضی نے مقذوف کے مطالبہ کے بغیر حد لگائی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ حد قذف مطالبہ کے بعد ہی جائز ہے خواہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ دلیل قائم ہو جاتی ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا تو مطالبہ پر موقوف نہ ہوگی جس طرح کہ حد زنا ہے۔ (4) اس نے پے در پے دو حدیں جاری کیں جبکہ جس پر حدیں واجب ہوں انہیں پے در پے جاری نہیں کیا جاتا بلکہ ایک حد جاری کی جاتی ہے پھر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ زخم مندمل ہو جائیں پھر اس پر دوسری حد جاری کی جائے گی۔ (5) اس نے عورت پر حد جاری کی ہے جبکہ وہ کھڑی تھی جبکہ عورت پر حد اس وقت جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور پردے میں ہو۔ (6) اس نے مسجد میں حد جاری کی ہے جبکہ مسجد میں حد جاری نہیں کی جاتی جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حد مسجد میں جاری نہیں کی جاتی۔

مسجد میں فیصلہ کرنے اور تعزیر کرنے میں اختلاف ہے۔

قاضی نے کہا: یہی مفصل خطاب اور علم قضاء ہے حدیث افضاکم علیٰ کی جو تاویل کی گئی ہیں ان میں سے ایک تاویل کی بنا پر اسی علم کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا: اس سے مراد ایجاز ہے۔ تو وہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا اسی طرح ایجاز سرور دو عالم ﷺ کے لیے ہوگا دوسرے عربوں کے لیے نہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے: وأدیت جوامع الکلم (1) مجھے جوامع کلم سے نوازا گیا۔ جس نے کہا: اس سے مراد اما بعد ہے تو نبی کریم ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اما بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں سب سے پہلے جس آدمی نے یہ لفظ استعمال کیا وہ سبحان بن وائل تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جو بعثت بعد الموت پر ایمان لایا تھا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے عصا پر ٹیک لگائی تھی اور اس کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی اگر یہ درست ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو وہ عربی زبان میں نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوگا۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصِيمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْبِحَرَابِ ۖ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصِمِينَ ۗ بَعْضًا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاخْتُمُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُسْطِطْ وَاهِدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۗ إِنَّ هَذَا آءِ آخِرِي ۗ لَهُ تَسْمَعُ وَتَسْعُونَ نَعْمَةً ۗ وَبِئْسَ نَعْمَةً ۗ وَاحِدَةً ۗ فَقَالَ أَلْغَيْنِيهَا وَعَرَّنِي فِي الْخُطَابِ ۗ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْمَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لِيَبْغِيَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَن مَّا فَتَنَتْهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا ۗ وَأَنَابَ ۗ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۗ

”اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا: ذریعے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور ان کی نانوائے دنیا ہیں اور میرے پاس صرف ایک دینی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بے شک اس نے ظلم کیا تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دینی کو اپنی دنیا میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آگیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر، اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔“

اس میں جو بیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ خصم کا لفظ ایک، دو اور جماعت پر واقع ہوتا ہے (1) کیونکہ اصل میں یہ مصدر ہے۔ شاعر نے کہا:

وَعَصِمَ غَضَابٌ يَنْفُضُونَ لِحَاظَهُمْ كَنْفِضِ الْبِكَادِيزِ الْعِرَابِ السَّخَالِيَا

وہ غصیلے دشمن ہیں وہ اپنی داڑھیوں کو یوں جھاڑتے ہیں جس طرح ترکی و عربی گھوڑے تو بروں کو جھاڑتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں خصم سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تَسْوُؤًا وَايَ لَفْظِ عَصِمَ پرمحمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اگرچہ جھگڑا کرنے والے دو تھے کیونکہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ ہے اور اس کے مشابہ ہے جس طرح الركب اور الصحب ہے۔ اس کی تقدیر پر دو کے لیے ذو اخصم ہوگی اور جماعت کے لیے ذو وخصم ہوگی۔

تَسْوُؤًا وَالنَّهْرَابِ وَهِيَ دِيْوَارُ كَمَا عَلَّمَنَا فِي سُوْرَةِ الْحَائِطِ وَهِيَ اس پر چڑھا السور شہر کی فصیل کو کہتے ہیں یہ ہمزہ کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح السور ہے یہ سورۃ کی جمع ہے جس طرح بسماۃ کی جمع بسما آتی ہے یہ تعمیر کی ہر منزل کو کہتے ہیں اسی سے سورۃ القرآن ہے کیونکہ یہ بھی ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہوتی ہے جو دوسری سے الگ ہوتی ہے اس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی ہے۔ تا بعد کا قول ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْعَمَ عَلَيْكَ سُوْرَةَ تَرَى كُلَّ مَنْكَ دَدْنَهَا يَتَذَبذَبُ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مرتبہ عطا کیا ہے تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذبذب دیکھے گا۔

اس شعر میں سورۃ سے مراد شرف اور منزلت ہے۔

جہاں تک اس سورۃ کا تعلق ہے جو ہمزہ کے ساتھ ہے اس سے مراد برتن میں بچا کچا کھانا ہے۔

ابن عربی نے کہا: فارسی زبان میں سور سے مراد ولیمہ ہے حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: ان جابرا قد صنع لکم سور افحی ہلابکم (1)۔

یہاں محراب سے مراد کمرہ ہے کیونکہ وہ کمرہ میں ہی ان کے پاس آئے تھے؛ یہ یعنی بن سلام کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد صدر مجلس ہے؛ اسی معنی میں مسجد کا محراب ہوتا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِذْ دَخَلُوا عَلٰی دَاوُدَ يٰهَا اِذْ دُوِدُ فَعَا يٰهَا كَيْوَنَكَمْ يٰهَا دُوِنُوْنَ فَعَلْ يٰهَا۔ فَرَا دَ نَ كَمَا نَ كَيْهَا كَ اِن دُوِنُوْنَ
میں سے ایک لسا کے معنی میں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا اذ اپنے مابعد سے مل کر اپنے ماقبل کا بیان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں انسان تھے؛ یہ نقاشی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

ایک جماعت نے ان دونوں کو معین کیا ہے انہوں نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے جو دو انسانوں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں، حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے روز، ان کے پاس بھیجے تھے نگہبانوں نے اندر جانے سے انہیں روکا تھا تو وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس حاضر ہو گئے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو محسوس تک نہ ہوا کیونکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَهَلْ أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ** ① کا بھی یہی مطلب ہے یعنی وہ اوپر چڑھے اور عبادت والے کمرے کے اوپر سے نیچے اترے؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا۔

اس کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے اگر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہیں کہا گیا: تجھے آزما یا جائے گا تو اس دن کو بھی جان لے گا جس میں تجھے آزما یا جانا ہے تو اپنی احتیاط کر لینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور لی، عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور کسی کو بھی اندر داخل ہونے سے منع کر دیا اسی اثنا میں کہ وہ زبور پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک پرندہ آیا جو پرندوں میں سے حسین ترین تھا وہ پرندہ آہستہ آہستہ قریب ہونے لگا حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ اس پرندے کو پکڑ لیں وہ مزید آگے ہوا یہاں تک کہ وہ عبادت گاہ کے روشن دان میں جا کر حضرت داؤد علیہ السلام اس کے قریب ہوئے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ اڑ گیا آپ جھانکے تاکہ اس پرندے کو دیکھیں تو آپ کی نظر ایک عورت پر جا پڑی جو غسل کر رہی تھی جب عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے جسم کو اپنے بالوں سے ڈھانپ لیا۔ سدی نے کہا: وہ عورت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا خاوند اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی تھا جس کا نام اوریا بن حنان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے مجاہدین کے امیر کو خط لکھا کہ وہ اس کے خاوند کو تابوت اٹھانے والوں میں معین کرے تابوت اٹھانے والوں کو یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرتا ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں امیر نے اسے آگے رکھا تو وہ قتل ہو گیا جب اس عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دعوت نکاح دی، اس عورت نے یہ شرط لگائی: اگر اس کا لڑکا ہو تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کا

خليفة ہوگا اس نے اس بارے میں باقاعدہ تحریر لکھی اور بنی اسرائیل کے پچاس آدمیوں کو گواہ بنایا تھوڑا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور وہ جوان ہو گئے اور دو فرشتے دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے ان دونوں کا وہی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے؛ ماوردی اور دوسرے علماء نے اسے ذکر کیا وہ صحیح (1) نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جو کچھ اس بارے میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ مناسب ترین ہے۔

میں کہتا ہوں ترمذی حکیم نے نوادرا اصول میں اس کی ہم معنی مرفوع روایت نقل کی ہے وہ یزید رقاشی سے مروی ہے کہ اس نے حضرت انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اس عورت کو دیکھا اور اس سے محبت کرنے لگے تو آپ نے بنی اسرائیل کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور امیر لشکر کو حکم دیا جب دشمن حاضر ہو تو فلاں کو دشمن کے قریب معین کرنا اس آدمی کا نام بھیجا میر نے اسے تابوت کے قریب معین کیا (2)۔

اس زمانہ میں تابوت کے ذریعے نصرت طلب کی جاتی تھی جسے تابوت کے سامنے رکھا جاتا تو وہ واپس نہیں لوٹتا تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے یا وہ لشکر شکست کھا جائے جس سے وہ برسر پیکار ہے اس آدمی کو آگے رکھا گیا تو اس عورت کا خاوند قتل ہو گیا تو دو فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔

سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کی طرف خط لکھا جبکہ وہ بلقاء شہر کے قلعہ میں تھا کہ وہ دروازے کا حلقہ پکڑے اس میں موت احر تھی وہ آگے بڑھا اور قتل ہو گیا۔

ثعلبی نے کہا علماء کی ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ایک خطا کے ساتھ لیا کیونکہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی عرض کی: اے میرے رب! سب بھلائی میرے آباؤ اجداد لے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی انہیں ایسے امتحان میں ڈالا گیا جیسے امتحان میں کسی اور کو نہ ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان نمرود، آگ اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی صورت میں لیا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام کا امتحان ذبح ہونے کی صورت میں لیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان حضرت یوسف علیہ السلام پر غم اور بیتائی چلی جانے کی صورت میں لیا گیا تمہارا تو ان میں سے کسی چیز کے

1۔ امام قرطبی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اسرائیلیات میں سے ہے ان کی صحت کا کوئی اعتبار نہیں یہ محض افتراء ہے جس طرح امام بیضاوی نے کہا اور یہ روایت ان چیزوں میں سے ہے جو عصمت انبیاء پر قدح کا باعث ہیں ابو حیان نے بہت عمدہ بات کی ہے وہ کہتے ہیں: یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء گناہوں سے محفوظ ہیں ان میں سے کوئی چیز انبیاء سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اگر ہم ان میں سے کسی چیز کو ان پر جائز قرار دیں گے تو شرعی احکام باطل ہو جائیں گے اور جو وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے ہم ان میں سے کسی بات پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے ہم اسے اسی پر محمول کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے اور جو قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں اور ان باتوں میں منصب نبوت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہوگا تو ہم اسے ترک کر دیں گے تحقیق کے مطابق نقاشی کی روایات مطروح ہیں مفسر نے خود بھی بعد میں نحاس کا قول نقل کیا ہے جو ہمارے قول کی تائید کرتا ہے۔

ساتھ امتحان نہیں لیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرا بھی امتحان لے جس طرح ان کا امتحان لیا اور مجھے بھی وہ مقام عطا کر جو تو نے انہیں مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی: تیرا فلاں مہینہ میں جمعہ کے روز امتحان ہوگا جب وہ دن آیا تو آپ عبادت گاہ میں چلے گئے دروازہ بند کر لیا نماز پڑھنے لگے اور زبور کی تلاوت کرنے لگے اسی اثنا میں کہ آپ یہ کام کر رہے تھے کہ شیطان نے ان کے لیے سونے کی کبوتری کی صورت اختیار کی اس میں ہر قسم کا خوبصورت رنگ موجود تھا وہ آپ کے قدموں کے ساتھ ٹھہر گئی آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اسے پکڑ لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں وہ تھوڑی دور تک اڑ گئی مگر اپنی ذات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو مایوس نہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ تھوڑی اور دور چلی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے ہوئے وہ اڑی یہاں تک کہ وہ روشن دان میں جا گری حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے تاکہ اسے پکڑیں تو وہ اڑ گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اس کے پیچھے بلند ہو رہی تھی تاکہ اس کے پیچھے کسی کو بھیجیں جو اسے پکڑ لے تو آپ نے ایک تالاب کے کنارے ایک عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا: یہ کلبی کا قول ہے۔

سدی نے کہا: وہ عورت چھت پر بے لباس غسل کر رہی تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے بہت خوبصورت پایا اس عورت نے آپ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بالوں کو جھاڑا تو اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اور بھی بھلا لگا اس عورت کا خاوند اور یا بن حنان تھا جو ایوب بن صوریہ کے ساتھ جنگ میں شامل تھا حضرت ایوب حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت ایوب کی طرف خط لکھا کہ اور یا کوفلاں فلاں جگہ متعین کرے ایوب نے اسے تابوت کے سامنے متعین کر دیا۔ جس آدمی کو تابوت کے سامنے متعین کیا جاتا اس کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا شہید ہو جائے۔ ایوب نے اسے آگے رکھا تو اسے فتح نصیب ہوئی تو ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام حالات لکھ بھیجے۔

کلبی نے کہا: اور یا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھی جب وہ کوئی وار کرتے اور اللہ اکبر کہتے تو حضرت جبریل ان کی دائیں جانب اور حضرت میکائیل ان کی بائیں جانب اللہ اکبر کہتے اور اس کی تکبیر کی وجہ سے آسمان کے فرشتے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عرش تک جا پہنچتا تو عرش کے فرشتے اس کی تکبیر سے اللہ اکبر کہتے اللہ تعالیٰ کی تلواریں تین تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کالب بن یوفنا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اور یا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

جب ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اور یا کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کو خط لکھا کہ اسے فلاں لشکر میں بھیج دو اور تابوت کے آگے متعین کرو اللہ تعالیٰ نے اس مہم میں بھی آپ کو فتح عطا فرمائی اور تیسری دفعہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کر لی یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ ایک دن بغیر کوئی چیز کھائے گزار سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عورتوں کے لیے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ بنی اسرائیل کے لیے وہ آپ کے ساتھ مذاکرہ کرتے اور آپ ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے وہ آپ کو لاتے اور آپ ان کو لاتے تھے اور ایک حصہ فیصلوں کے لیے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے گفتگو کی: کیا انسان پر کوئی ایسا دن بھی گذر سکتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں خیال کیا کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں آپ نے عبادت والے دن دروازہ بند کر لیا اور حکم دیا کہ آج ان کی خدمت میں کوئی حاضر نہ ہو آپ نے زبور کی تلاوت میں اپنی توجہات مذکور کر لیں تو سونے کی ایک چڑیا آپ کے سامنے گری اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے ہمارے علماء نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے (2) کہ حاکم پر کوئی لازم نہیں کہ ہر روز وہ لوگوں کے لیے متعین کرے اور انسان کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیویوں سے وطی کرنا ترک کرے اگرچہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کعب الاحبار نے حضرت عمر بن عبد العاص کے زمانے میں آپ کی موجودگی میں اسی امر کا فیصلہ کیا نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا: ان لزوجك عليك حقا بے شک بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہیں خلیفہ بنایا گیا اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان عدل کروں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ ابو بکر وراق نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے آپ پر عجب کا اظہار کیا اور کہا: کیا زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسا عمل کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان کی طرف بھیجا فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تو نے اپنی عبادت پر عجب کا اظہار کیا ہے عجب عبادت کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اگر تو نے دوبارہ عجب کا اظہار کیا تو میں تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ایک سال تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے فرمایا: یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ عرض کی: ایک مہینہ تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: یہ بھی زیادہ عرصہ ہے عرض کی: ایک دن۔ فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ عرض کی: یا رب مجھے ایک ساعت کے لیے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: ایک ساعت کے لیے تیرا نفس تیرے حوالے ہے۔ آپ نے معاملہ نگہبانوں کے حوالے کر دیا خود ان کا لباس پہنا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے زبور اپنے ساتھ رکھ لی اسی اثنا میں کہ وہ عبادت میں مصروف تھے کہ ایک پرندہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تو عورت کا واقعہ ہوا جو ہوا۔

سفیان ثوری نے کہا: ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی اے میرے رب! کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر داؤد کے خاندان میں سے کوئی فرد روزے سے ہوتا ہے اور کوئی رات نہیں ہوتی مگر آل داؤد میں سے کوئی تیرے، حضور قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے داؤد! یہ تیری وجہ سے ہے یا میری وجہ سے ہے میری عزت کی قسم! میں ضرور تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب!

مجھے معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک سال تک کے لیے تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ماہ۔ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ہفتہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک دن، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! ایک گھنٹہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک لمحہ، شیطان نے کہا: ایک لمحہ کی کیا حیثیت ہے؟ عرض کی: ایک لمحہ کے لیے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ کے لیے اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا اسے کہا گیا: فلاں دن فلاں وقت میں جب وہ دن آیا تو آپ نے وہ دن عبادت کے لیے خاص کر دیا آپ نے نگہبانوں کو اس مکان کے ارد گرد معین کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ تیس ہزار یا تینتیس ہزار تھے۔ اپنے رب کی عبادت کے لیے خلوت گزریں ہو گئے اور اپنے سامنے زبور کو پھیلا دیا ایک کبوتری آئی اور آپ پر آگری تو اس لمحہ اس عورت کا معاملہ ہوا جو ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ان کی طرف بھیجے ان دونوں نے انبیاء کی مثال پیش کی جب مثال کو سنا تو اپنی خطا یاد آئی حتیٰ کہ چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَغَزَمَ مِنْهُمْ آپ ان سے گھبرائے کیونکہ دونوں رات کے وقت اس وقت داخل ہوئے جس وقت جھگڑے والے لوگ داخل نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس لیے گھبرائے تھے کیونکہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہوئے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ عبادت گاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دیوار پھلانگ کر آئے تھے وہ دروازے سے داخل نہ ہوئے تھے۔

ابن عربی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت خانہ اوپر چڑھ کر داخل ہونے سے محفوظ تھا کیونکہ آدی کسی حیلہ سے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا مگر اس صورت میں کہ وہ کئی دنوں یا کئی مہینوں تک اس کے لیے تگ و دو کرتا جبکہ اس کے ساتھ کئی مددگار بھی ہوں اور مختلف انواع کے آلات ہوں۔ اگر ہم کہیں کہ وہ محراب کے دروازے سے اس تک پہنچے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دینے کے لیے یہ ارشاد نہ فرماتا تَسْوُرُوا الْمِحْرَابَ کیونکہ جو آدی سیرھی کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے اوپر آئے تو اس کے لیے تسور المحراب والغرفۃ کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر بطور مجاز ایسا کہا جاسکتا ہے جب تو روشن دان کو دیکھے جس سے دو جھگڑا کرنے والے داخل ہوں تو تجھے قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے اور وہاں تک کوئی عالم بالا کا مکین ہی پہنچ سکتا ہے۔ ثعلبی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہونے والے بنی اسرائیل میں سے دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو ایک فرشتہ نے کہا: اے داؤد! تو نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پہلی تعبیر زیادہ اچھی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اکثر اہل تاویل نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ فرشتے کہیں: حَصْنِ بَنِي بَعْضًا عَلٰی بَعْضٍ یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور فرشتے اس قسم کے جھوٹ سے منزہ ہیں۔

اسکا جواب یہ ہوگا: کلام میں تقدیر ضروری ہے گویا دونوں نے کہا: قدرنا کانتا خصمان بغی بعضنا علی بعض ہمارے بارے میں مقدر کیجئے گویا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر بغاوت کی ہے۔ اسی معنی پر ان دونوں کے قول کو محمول کیا جائے گا اِنَّ هَذَا آخِرُ لَهٗ تَسْمَعُ وَتَسْمَعُونَ نَعَجَةً کیونکہ یہ اگرچہ خبر کی صورت میں تھا مگر مقصود تقدیر میں لانا تھا تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس پر انہیں آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر یہ سوال کیا جائے: حضرت داؤد علیہ السلام کیوں گھبرائے جبکہ وہ نبی تھے جبکہ ان کا نفس نبوت کے ساتھ قوی ہو گیا تھا اور وحی کی وجہ سے مطمئن تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ آپ کو عطا کیا تھا اس پر پورا بھروسہ تھا آپ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر فرمائے تھے اور شجاعت میں بڑے مقام و مرتبہ پر فائز تھے؟

اسے جواب دیا جائے گا: ان سے قبل کے انبیاء کا طریقہ بھی یہی تھا وہ قتل اور اذیت سے محفوظ نہ تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام تو ان سے خوفزدہ ہوئے تھے کیا تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نہیں دیکھتے دونوں نے کیسے کہا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْلُقَ ۙ (ط) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَخَفْ (ہود: 70) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: اِنَّا مُرْسَلٌ مِّنْ رَبِّكَ لِنُيَسِّلَنَّ اِلَيْكَ (ہود: 81) اسی طرح دو فرشتوں نے یہاں کہا لَا تَخَفْ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے جبکہ آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے ایک اسی مثال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور اوریا کے لیے بیان فرمائی آپ نے دونوں کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا کونسی چیز تمہیں میرے پاس لے آئی؟ دونوں نے کہا لَا تَخَفْ خَصْمِنِ بَغِي بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے آپ نے دونوں کو نکل جانے کا حکم کیوں نہ دیا جبکہ آپ نے آنے کا مدعا جان لیا تھا ان دونوں کو ادب کیوں نہ سکھایا جبکہ دونوں اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے؟

اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جاسکتا ہے: (1) ہم نہیں جانتے کہ حجاب اور اذن کے کیا احکام تھے جو اب اسی کے مطابق ہوگا جیسے احکام ہونگے ہماری شریعت کے آغاز میں اسکے بارے میں واضح احکام موجود نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح کیا۔ (2) اگر ہم حجاب کے احکام پر جواب دینا چاہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ وقتی گھبراہٹ نے آپ کو اس چیز سے غافل کر دیا ہو جو امر اس بارے میں آپ پر واجب تھا۔ (3) آپ نے ارادہ کیا کہ آپ ان کی پوری گفتگو سن لیں جس وجہ سے وہ دونوں داخل ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی حقیقت سے آپ آگاہ ہو جائیں اور یہ دیکھ لیں کہ کیا بغیر اجازت کے داخل ہونا لازم آتا ہے یا کہ نہیں، کیا اس کے ساتھ کوئی عذر بھی ہوا ہے یا ان کے لیے کوئی عذر نہیں آخری صورت حال یہ ظاہر ہوئی کہ یہ تو محض آزمائش اور امتحان تھا اور مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے قصہ میں بیان کرنا چاہی اور یہ ایک ادب تھا جو دعویٰ عصمت واقع ہوا تھا۔ (4) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مسجد میں ہوا ہو اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی کو روکنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ پانچواں قول ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں نے کہا: جب پہرے داروں نے ہمیں اجازت نہ دی تو ہم دیواریں پھلانگ کر پہنچ گئے اور ہمیں ڈرتھا کہ معاملہ ہمارے درمیان سرپٹول کا باعث بن جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عذر کو قبول کیا اور ان کے قول کی طرف توجہ کی۔

مسئلہ نمبر 6۔ حَصْنِ اِذَا تَسَوُّمُوا الْبِحْرَابِ ① ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو دو بھی جمع ہے۔ خلیل نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے: نحن فعلنا جب تم دو ہوتے ہو۔ کسائی نے کہا: جب خبر تھی تو جمع کا ذکر کیا جب خبر ختم ہو گئی اور مخاطبہ شروع ہو تو دونوں نے اپنے بارے میں خبر دی تو کہا: حَصْنِ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے نحن خصمان دوسرے علماء نے کہا: قول محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يقول خصمان بغنی بعضنا علی بعض۔ کسائی نے کہا: اگر کلام یوں ہو بغنی بعضنا علی بعض تو یہ بھی جائز ہوتا۔ ماوردی نے کہا: دونوں فرشتے تھے وہ نہ جھگڑا کرنے والے تھے اور نہ ہی باغی تھے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹی بات واقع ہوئی تھی (1)۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ان اتاک خصمان قلابغنی بعضنا علی بعض۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے نحن فریقان من الخصوم بغنی بعضنا علی بعض اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ خصومت دو افراد کے درمیان ہو اور ہر ایک کے ساتھ ایک جمعیت ہو۔ یہ احتمال بھی موجود ہے ایک فریق کے ہر ایک فرد کی دوسرے فریق کے ہر ایک آدمی کے ساتھ خصومت ہو وہ اپنی اپنی خصومتوں کے لیے حاضر ہوئے ہوں لیکن ان میں سے دو افراد نے آغاز کیا ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام نکاح کے ذکر سے تمام قصہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس چیز نے انہیں دوسری خصومات سے مستغنی کر دیا ہے۔ بغنی کا معنی تعدی کرنا اور فریضہ سے نکلنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے بغنی الجرم۔ جب ورد بڑھ جائے اور بہت بڑا ہو جائے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: بغت المرأة۔ جب وہ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

مسئلہ نمبر 7۔ فَاخْلَمَ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِظْ یعنی نا انصافی نہ کیجئے؛ یہ سدی نے کہا ہے۔ ابو عبید نے کہا: شططت علیہ واشططت۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ تمیم داری کی حدیث میں ہے انک لشاطی یعنی تو حکم میں مجھ پر ظلم کرنے والا ہے۔ قوادہ نے کہا: معنی ہے تو مائل نہ ہو۔ انخفش نے کہا: آپ اسراف سے کام نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ افراط سے کام نہ لیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے یہ شطت الدار سے ماخوذ ہے یعنی گھر دور ہے شطت الدار تشط، تشط شطا و شطوطا گھر دور ہے اشط فی القضیتہ۔ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا اشط فی السوم و اشط۔ بھاؤ لگانے میں بہت دور چلا گیا۔ اشطوانی طلبی انہوں نے میری طلب میں بہت کوشش کی۔ ابو عمرو نے کہا شطط کا معنی ہے ہر شے میں حد سے بڑھنا حدیث طیبہ میں ہے لہا مہر مثلها لاوکس ولا شطط اسی کے لیے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن حکیم میں ہے: لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطَا ② (الکہف) یعنی ہم نے ظلم کیا اور حق سے بہت بعید بات کی اور ہماری سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرما۔ سواء الصراط سے مراد قصد السبیل ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس فرشتہ نے کہا جس نے اور یا کی جانب سے گفتگو کی: یہ میرا دینی بھائی ہے اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اُس سے مراد میرا ساتھی ہے۔ حضرت حسن بصری نے تسع و تسعون پڑھا ہے۔ یہ شاذ لغت ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت میں یہی صحیح ہے؛ یہی نحاس نے کہا ہے۔ عرب عورت کو کفایۃ، نعبۃ اور شاقۃ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس میں سکون، عجز اور کمزوری پائی جاتی ہے بعض اوقات اسے بقرہ، حجرہ اور ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سواریاں ہیں۔ ابن عون نے اسی حوالے سے کہا:

أنا أبوهن ثلاث هنة رابعة في البيت صغرا هنة
ونعجتى خسا توفيهنة ألا فتى سمع يغذيهنة
طئ النقا في الجوع يطويهنة ويل الرغيف ويله منهنة

عشرہ نے کہا:

يا شاة ما تنص لىن حلت له حرمت عن وليتها لم تخبر
فبعثت جاريتى فقلت لها اذهبي فتجسسى اخبارها لى واعلم
قالت رأيت من الأعداء غزاة والشاة منكنة لىن هو مرمم
فكأننا التفتت بجيد جدية رشاء من الغزلان حرا أزمم

ایک اور شاعر نے کہا:

فَرَمَيْتُ غَفْلَةً عَيْنِهِ عَنِ شَاتِهِ فَأَصَبْتُ حَبَّةَ قَلْبِهَا وَطَحَّالَهَا (1)

میں نے اس کی آنکھ کو اپنے بیوی سے غافل پایا تو میں اس کے دل کے نقطہ اور اس کی تلی تک جا پہنچا۔

یہ بہت ہی اچھی تعریض ہے کہ عورتوں کو دنیویوں سے تعبیر کیا۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ دونوں فرشتوں کی جانب سے تعریض اور تنبیہ ہے جس طرح ان کا قول ہے ضرب زید عمرو جبکہ وہاں مارنے کا کوئی تصور نہ تھا جبکہ وہاں دنیویاں حقیقت میں نہ تھیں گویا یوں کہا: نحن خصمان هذه حالنا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں یہ ہماری حالت ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو بہترین گفتگو کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دو جھگڑا کرنے والے کہتے ہیں: ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے یہ سوال کے انداز میں تھا جس طرح تو کہتا ہے: ایک آدمی ہے جو عورت کو یہ کہتا ہے تو اس مرد پر کیا چیز واجب ہوئی؟

میں کہتا ہوں: امام شافعی کے ایک مقلد المزنی نے اس آیت اور ابن شہاب سے مروی حدیث جو موطا امام مالک میں ہے ہو لک یا عبد بن زمنعة کی تاویل ایک جیسی کی ہے۔ مزنی نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث کا یہ احتمال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سوال کا جواب دیا اور انہیں حکم سے آگاہ کیا کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب ایک آدمی صاحب فراش ہونے اور دوسرا بدکار ہونے کا دعویٰ کرے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے عقبہ کے خلاف سعد کا قول قبول کیا اور نہ

ہی زمعہ کے خلاف اس کا قول قبول کیا کہ وہ ولد زنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کسی ایک آدمی کا اقرار کسی دوسرے فرد کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت داؤد اور فرشتوں کے قصہ میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا: خوف زدہ نہ ہوں وہ جھگڑا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ جھگڑا کرنے والے نہ تھے نہ ان میں سے ایک کی ننانوے دنیاں تھیں لیکن انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو کی تاکہ وہ پہچان لیں جس کی پہچان کرانے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں سوال کے بارے میں حکم لگایا ہو اگرچہ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حدیث میں اس تاویل پر میری موافقت کرتا ہو کیونکہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ہے **إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً** انہی اس آیت میں کان اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا** (النساء) جہاں تک اس آیت میں انہی کا تعلق ہے تو یہ تاکید کے لیے ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے: ہو رجل ذکر یہ بھی تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ کہا جائے **هَذَا مِائَةٌ نَعْجَةٍ** اگرچہ ان میں کچھ تھوڑے سے مذکر بھی ہوں تو یہ کہنا جائز ہوگا، انہی تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان میں کوئی بھی مذکر نہیں تفسیر میں ہے اس کی ننانوے بیویاں ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اگر وہ ساری آزاد ہوں تو یہ انکا شرعی حکم ہوگا اگر وہ لونڈیاں ہوں تو یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے ظاہر بات یہ ہے کہ ہم سے قبل شریعتوں میں یہ حکم کسی عدد میں محصور نہ تھا یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شریعت میں ہے کیونکہ بدن کمزور ہیں اور عمر کم ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے یہ معین عدد نہ ہو بلکہ مقصود ضرب المثل ہو جس طرح تو کہتا ہے: **لَوْ جِئْتَنِي مِائَةً مَرَّةً لَمْ أَقْضِ حَاجَتَكَ** مراد ہے اگر آپ کئی دفعہ آئیں تو تب بھی میں تمہارا کام نہ کروں گا۔

ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں نہ تھیں یہ ننانوے کا ذکر بطور مثال ہے معنی ہے یہ بیوی سے غنی ہے اور میں بیوی کا محتاج ہوں یہ دو وجوہ سے فاسد ہے: (1) بغیر دلیل کے ظاہر معنی سے عدل کسی بھی حوالے سے درست نہیں اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے قبل کی شریعتیں عورتوں کی تعداد کے بارے میں مخصوص حکم دیتی ہوں جس طرح ہماری شریعت میں ہے۔ (2) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات سو عورتوں پر چکر لگاؤں گا ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

مسئلہ نمبر 10۔ **وَلِي نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ** یعنی میری ایک بیوی ہے اب اس نے کہا ہے میرے لیے اس سے الگ ہو جا یہاں تک کہ میں اس کی کفالت کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو یہ مجھے دے دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: تو میرے لیے اس سے الگ تھلگ ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے میرے حوالے

کردے تاکہ میں اس کا کفیل بن جاؤں۔ ابن کیسان نے کہا: اسے میرا حصہ بنا دے۔

وَعَرَفَنِي وَهُوَ مَجْهُورٌ غَالِبٌ آغْيَا هُوَ۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے اگر یہ گفتگو کرے تو یہ مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اگر یہ جنگ کرے تو مجھ سے زیادہ طاقتور ہے یوں کہا جاتا ہے عَزَّةٌ يِعْزُّهُ عَزًّا۔ اس پر غالب آگیا۔ ضرب المثل ہے مَنْ عَزَّزْتُ جَوْنًا آيَا اس نے مال سلب کر لیا اسی سے اسم عَزَّةٌ ہے جس کا معنی قوت اور غلبہ ہے۔ شاعر نے کہا:

قَطَاةٌ عَزَّهَا شَرَكٌ فَبَاتَتْ تُجَاذِبُهُ وَقَدْ عَلِقَ الْجَنَانُ

کونج پر پھندا غالب آگیا اس نے جال کو کھینچتے ہوئے رات گزاری جبکہ پر جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبید بن عمیر نے دعازنی فی الخطاب قراءت کی جس کا معنی ہے اس نے مجھ پر غلبہ پایا یہ معاذہ سے مشتق ہے جس کا معنی مغالبہ ہے عاذہ، اس پر غلبہ پایا۔ ابن عربی نے کہا: غلبہ کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے بیان کے ذریعے مجھ پر غالب پا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی حکومت کی وجہ سے مجھ پر غالب ہے کیونکہ جب یہ اس سے سوال کرے تو وہ اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارے شہر میں ایک امیر تھا جسے سیر بن ابی بکر کہتے ہیں اس نے اس سے گفتگو کی کہ وہ میرے لیے ایک آدی سے ضرورت کا سوال کرے اس نے مجھے کہا کیا تجھے علم نہیں کہ حاکم کا کسی کام کا مطالبہ اس کا غضب ہوا کرتا ہے میں نے کہا: جب وہ عدل ہو تو وہ غضب نہیں ہوگا میں اس کے عجی ہونے، ضرب المثل کے یاد کرنے اور اس کی ذہانت پر متعجب ہوا جس طرح وہ میرے جواب سے متعجب ہوا اور اسے غریب جانا۔

مسئلہ نمبر 11۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلَى نَعَا جِهٍ نَحَاسٌ نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا تھی کیونکہ آپ نے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ کیونکہ دعویٰ گواہوں سے ثابت نہ ہوا تھا اور نہ ہی خصم کا اقرار ہوا تھا کہ کیا بات اسی طرح ہوئی تھی یا نہ ہوئی تھی۔ یہ ایک بحث ہے۔

اس کے بعد مسئلہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ وہ بہت اچھی گفتگو ہوگی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک ان علماء کے قول کا تعلق ہے جس کے قول کو رد نہیں کیا جاسکتا ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ میرے لیے اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔ ابو جعفر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو عتاب کیا اور اس پر انہیں متنبہ کیا یہ گناہ کبیرہ نہیں۔ جس نے اس کے علاوہ میں گفتگو کی تو بے شک وہ ایسی بات لاتا ہے جو عالم سے صحیح تصور نہیں کی جاسکتی اور اس کی وجہ سے عظیم گناہ بھی لاحق ہوتا ہے اسی کتاب اعراب قرآن میں کہا: اور اپنی کتاب معانی القرآن میں بھی اسی کی مثل کہا۔ کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے بارے میں جو قصے اور روایات آتی ہیں ان میں سے اکثر صحیح نہیں اور ان کی سند متصل نہیں جب تک ان کی صحت کی پہچان نہ ہو اس جیسی گفتگو پر جرات نہیں کرنی چاہئے ☆۔

ان روایات میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کلام نہیں کی **أَكْفَلْنِيهَا** یعنی میرے لیے اس سے الگ ہو جا۔ منہال نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کچھ نہیں کہا **أَكْفَلْنِيهَا** یعنی اسے میرے حوالے کر دے اور اسے میرے ساتھ ملا دے (1)۔ ابو جعفر نے کہا: اس بارے میں روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے یہ عظیم روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یا سے سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بیچ۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ کیا اور اس لیے عتاب فرمایا کیونکہ ان کی نانوائے بیویاں تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ مطالبہ اس لیے ناپسند کیا کہ وہ عورتوں میں اضافہ کے ساتھ دنیا میں مشغول ہو جائیں جہاں تک اس کے علاوہ واقعات کا تعلق ہے اس میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جب وہ عورت آپ کو اچھی لگی تو آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں حکم دیا کہ جہاد میں اسے آگے رکھا جائے سب باطل ہے (2) کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام محض اپنی ذاتی غرض سے کسی کا خون بہانے والے نہ تھے صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کسی ساتھی سے کہا میرے لیے اپنے گھر والے سے لا تعلق ہو جاؤ۔ اور اس بارے میں پختہ عزم کیا جس طرح ایک آدمی دوسرے سے سچی رغبت کے ساتھ کسی ضرورت کا مطالبہ کرتا ہے خواہ وہ ضرورت اہل میں ہو یا مال میں ہو۔

حضرت سعید بن ربیع نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا تھا میری دو بیویاں ہیں میں تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سے الگ ہوتا ہوں تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تیرے اہل میں تیرے لیے برکت ڈالے جو فعل ابتداء جائز ہو اسکی طلب بھی جائز ہوتی ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی کوئی تصریح نہیں نہ اس کی وضاحت ہے کہ اس مرد کی عصمت کے بعد آپ نے شادی کی ہونہ یہ تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس عورت سے ولادت ہوئی تھی یہ کس سے روایت کی جاتی ہے اور کس کی سند چلتی ہے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے کوئی آدمی بھی ثقہ لوگوں سے اسے بیان نہیں کرتا۔

سورت احزاب میں ایک نکتہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک عورت حضرت داؤد علیہ السلام کی بیوی بنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَدٍّ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: 38)** یعنی ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جس کو آپ نے دیکھا تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی مگر حضرت زینب سے شادی اس کے بغیر ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کے خاوند سے جدائی کا مطالبہ کیا ہونہ نبی کریم ﷺ کو حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضیلت ان فضائل عالیہ کی طرف

منسوب ہے جو نبی کریم ﷺ کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ بات کی جاسکتی ہے **سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ** (احزاب: 388) کا معنی یہ ہو کہ انبیاء نے ان عورتوں سے مہر کے بغیر شادیاں کی ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کے حضور پیش کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ** سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وہ طبقہ ہے جو نکاح اور دوسرے معاملات اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں کرتے ہیں؛ یہ قول صحیح ترین ہے۔

مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو عورتوں سے شادی کی یہ قرآن کی نص ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

طبری نے احکام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَهَلْ أَشْكُ نَبِئًا الْخَصِيمِ إِذْ تَسْوَمُوا وَالْبَحْرَابِ** ① میں بیان کیا ہے، محققین جو انبیاء کے بارے میں گناہ گیرہ سے پاک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت کو دعوت نکاح دی جس کو ایک اور آدمی نے دعوت نکاح دی تھی جو ”اوریا“ تھا اس عورت کے رشتہ داروں نے حضرت داؤد علیہ السلام میں رغبت اور پہلے مرد سے اعراض کی وجہ سے اس عورت کی شادی آپ سے کر دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اس سے آگاہی حاصل کرتے تو اس رغبت سے اعراض کرتے اور اس رغبت سے اعراض کرتے، اس دعوت نکاح سے اعراض کرتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ عورت آپ کو اچھی لگی تھی یا تو کسی نے اس کے اوصاف بیان کیے تھے یا بغیر ارادہ کے مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کثیر بیویاں تھیں دوسرے دعوت نکاح دینے والے کی کوئی بیوی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے سے اس امر پر آپ کو آگاہ کیا اور انہوں نے جو مثال بیان کی بطور تعریض حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر آگاہ کیا تا کہ اس کے واسطے سے وہ عتاب کے موقع کو پہچان لیں اور اس طریقہ سے ہٹ جائیں اور اس چھوٹے گناہ سے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔

مسئلہ نمبر 12۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِفِي نَعَا جِهَ اس جھگڑے میں ایک فریق کی گفتگو سننے اور دوسرے کی گفتگو سننے سے قبل فتویٰ دے دیا اس قول کا ظاہر مفہوم یہی ہے (1)۔

ابن عربی نے کہا: یہ طریقہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، کسی ملت میں جائز نہیں اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں تقدیر کلام یہ ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے دعویٰ کو تسلیم کر لیا تو اس کے بعد فتویٰ داغ ہوا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اِذَا جَلَسَ الْبَيْتُ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضُ لِأَحَدِهِمَا حَتَّى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرَ**۔ (2) جب تیرے پاس دو جھگڑے والے آئیں تو آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں یہاں تک کہ آپ دوسرے کی بات سنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1637

2۔ سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 3111، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ما جعل القاضی لایقض بون الخصمین، حدیث نمبر 1252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے فریق نے اعتراف نہیں کر لیا (1)۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لَقَدْ ظَلَمَكَ بِانْكَارِكَ لَكَ اِنْ كُنَّا لَمَعْلَمِينَ اِنْ كُنَّا لَمَعْلَمِينَ۔

میں نے کہا: ان دونوں توجیہات کا ذکر قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ قشیری نے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْتِكَ خَصْمِكَ كَالْاَمْرِ بِغَيْرِ فَيْصَلَةٍ كَرْنًا مَشْكَلًا۔ یہ کہنا ممکن ہے: آپ نے یہ بات دوسرے فریق کی گفتگو سننے اور اس کے اعتراف کے بعد فیصلہ کیا ہو یہ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی روایت ثابت نہیں یہ قرآن حال سے مفہوم ہے۔ یا یہ ارادہ کیا ہو اگر بات اس طرح ہو جس طرح تو کہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا آپ نے یہ قول کر کے اس کو خاموش کرایا ہو اور اسے صبر کی تلقین کی تاکہ دوسرے فریق سے بات پوچھ لیں۔ کہا: یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے ان کا قانون یہ ہو جب مدعی علیہ خاموش ہو جائے تو مدعی کے قول پر اعتماد کیا جائے جب قول کا انکار ظاہر نہ ہو۔

حلیسی ابو عبد اللہ نے کتاب منهاج الدین میں کہا: وہ نعمت جس کا انتظار ہو جب وہ حاضر ہو یا پوشیدہ ہو تو ظاہر ہو جائے تو اس کے شکر میں حکم آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ کہا: اس میں اصل وَهَلْ اَشْكُ نَبُوًّا الْاَخْصِيْمِ۔۔۔ وَحُسْنِ مَا پ ۵ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے مظلوم بننے والے فرد کی گفتگو سنی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کسی دوسرے سے سوال کیا یہ بیان کیا کہ اس نے ظلم کیا ہے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ نے گفتگو کرنے والے میں کمزوری کی علامات دیکھیں تو آپ نے اس کے معاملہ کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ مظلوم ہے جس طرح وہ کہتا ہے اس چیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرف دعوت دی کہ آپ خصم سے نہ پوچھیں تو آپ نے جلدی کرتے ہوئے اسے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ جبکہ یہ امکان تھا کہ اگر آپ اس سے پوچھتے تو وہ کہتا: میری سو دنیاں تھیں اور اس کی کوئی چیز نہ تھی اس نے میری ایک دہی چوری کی تھی۔ جب میں نے وہ دہی اس کے پاس پائی تو میں نے اسے کہا: اسے میری طرف لوٹا دو میں نے اسے اَكْفَلْنِيهَا نہیں کہا اسے علم تھا کہ میں یہ مسئلہ آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا تو قبل اس کے کہ میں اسے آپ کے پاس لاتا یہ مجھے آپ کے پاس کھینچ کر لے آیا ہے اور میرے حاضر کرنے سے پہلے یہ مظلوم بن کر آ گیا ہے تاکہ آپ یہ گمان کریں کہ یہ حق پر ہے اور میں ظالم ہوں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے گفتگو کی جس گفتگو پر جلد بازی نے آپ کو مجبور کیا تھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اسے اور اس کے نفس کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ وہی آزمائش تھی جس کا ہم نے ذکر کیا اور یہ امر ان کی ایک لغزش سے ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے کہ اس نے انہیں محفوظ رکھا کہ انہوں نے اس آدی کے بارے میں ظالم ہونے کے قول پر اکتفا کیا اس سے بڑھ کر انہیں جھڑکنا، مارنا وغیرہ کا عمل نہیں کیا جو اس کے مناسب تھا جو دل میں سوچتا ہے کہ واقعی وہ ظالم ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی معاف کر دی پھر عتاب کے انداز میں اس کی طرف توجہ کی فرمایا: لِيَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ۔

اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت آموز قصہ بیان کیا جسے مغفرت کے بعد انہوں نے پہچانا تھا کہ خطا حکم میں تقصیر اور اس آدمی کو ظالم قرار دینے میں جلدی کرنے میں تھی جس کا ظلم ان کے نزدیک ثابت نہ تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع میں سجدہ کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ شکر انبیاء علیہم السلام کی سنت متواترہ ہے۔

سؤال تَعَبُّكَ مِنْ مَّصَدْرٍ اِنْفِعالٍ مَفْعُولٍ كِي طرف مضاف ہے سوال سے ہاء ضمیر کو گرا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَا يَسْتَمِ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ (حم السجدہ: 49) اس میں یہ دعائہ الخیر تھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ، خلیط کی جمع خلطاء ہے مگر طویل کی جمع طولاء نہیں کہتے کیونکہ داؤد پر حرکت ثقیل ہے اس میں دو تو جہیں ہو سکتی ہیں: (1) وہ دونوں ساتھی تھے (2) وہ دونوں شریک تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: خلطاء کا اطلاق شرکاء پر بہت ہی بعید ہے، علماء نے خلطاء کی صفت میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء نے ذکر کیا ہے یہ ایک آدمی اپنا ریوڑ لائے، ان سب کو ایک چرواہا، ایک ڈول اور چراگاہ جمع کرے۔ طاؤس اور عطانے کہا: خلطاء، شرکاء ہی ہوتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف ہے وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مَفْتَرٍ وَلَا يَفْتَرِي بَيْنَ مَجْتَمَعِ خَشِيَةِ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَرَأَتْهُمَا يَتَرَا جَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسُّبُوتِ (2) صدقہ کے ڈر سے جو الگ الگ کی ملکیت ہیں ان کو جمع نہیں کیا جائے گا اور جو ایک کی ملکیت ہیں ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا جو دو خلیطوں کی ہیں ان پر برابر حکم ہوگا۔ روایت بیان کی گئی: فانہما يترا دان الفضل۔ جبکہ شریکوں میں زائد چیز کو لوٹانے کا کوئی عمل نہیں اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ خلطہ کے احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ امام مالک، آپ کے اصحاب اور علماء کی ایک جمعیت کا نقطہ نظر ہے اس آدمی پر زکوٰۃ نہیں جس کے حصہ میں اتنا مال نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ربیع ہلیف اور علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں: جب تمام مال اتنا ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ امام مالک کا کہنا ہے: اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے تو وہ آپس میں اسے باہم حصہ کے مطابق تقسیم کریں گے کیونکہ اس میں اختلاف ہے یہ بھی حاکم کے اس حکم کی طرح ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہو۔

مسئلہ نمبر 14۔ لِيَبْنِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَهُوَ تَعَدِي كرتا ہے اور ظلم کرتا ہے إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ یعنی وہ صالحین تھوڑے ہیں یہاں ما زائدہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا، الذین کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قلیل الذین ہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اللہم اجعلنی من عبادک القلیل اے اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: یہ دعا کیسی ہے تو اس آدمی نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا

ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 15۔ وَظَنَّ دَاوُدُ اَنْتَمَا فَتْنَةُ لَيْعِنِ هِمْنِ نِيْءٍ اَسْمٰوِيٍّ (1) وَظَنَّ كَايْهٰنَ مَعْنٰى هٖ اَسَ لَيْعِيْنَ هُوَ كَيَا۔ ابو

عمر اور فرما نے کہا: ظن، ايقن کے معنی میں ہے مگر فرما نے یہ وضاحت کی ہے جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو اس میں ظن، یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قراءت نون کی تشدید کے ساتھ ہے تاہم مشد نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فتناہ پڑھا ہے یہ مبالغہ کے لیے ہوگا۔ قتادہ، عبید، ابن عمیر اور ابن سمیع نے فتناہ پڑھا ہے۔ علی بن نصر نے ابو عمرو سے اسی طرح روایت کی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد میں دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ان میں سے ایک نے

دوسرے کو دیکھا اور ہنس دیا، حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ نہ سکے دونوں نے پسند کیا کہ ان دونوں کو پہچان کر اکیں تو دونوں ان کے سامنے آسمان میں بلند ہو گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے اور اس آزمائش پر حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مسجد میں فیصلہ پر دلالت کرتی ہو مگر یہ آیت دلالت کرتی ہے جو آدمی

یہ کہتا ہے کہ مسجد میں فیصلہ کرنا درست ہے وہ اسی آیت سے استدلال کرتا ہے امام شافعی جس طرح کہتے ہیں اس طرح اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام انہیں وہاں نہ ٹھہراتے بلکہ ارشاد فرماتے: فیصلہ کی جگہ چلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء مساجد میں فیصلہ کرتے۔ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں فیصلہ قدیمی معاملہ ہے (2) یعنی بہت سے امور میں ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد کے صحن میں قاضی بیٹھے تاکہ کمزور، مشرک اور حائضہ عورت وہاں تک پہنچ سکے اس میں حدود قائم نہ کرے تھوڑی بہت تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔ اشہب نے کہا: وہ اپنے گھر میں اور جہاں چاہے فیصلہ کرے۔

مسئلہ نمبر 17۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خلفاء خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ امراء میں سے سب سے پہلے جس

نے فیصلہ کرنا چاہا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ امام مالک نے کہا: قاضیوں کو چاہیے کہ علماء سے مشورہ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: وہ فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ گذشتہ قاضیوں کے آثار سے آگاہ نہ ہو، اصحاب رائے سے مشورہ لے، حلیم، پاکدامن ہو کہا: وہ متقی ہو۔ امام مالک نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، حیلوں بہانوں سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، وہ شروط سے واقف ہو، جتنی عربی کے بغیر چارہ نہ ہوا اتنا اسے جانتا ہو کیونکہ عبارات، دعووں، اقرار، شہادت جو محکوم علیہ کے حقوق کو متضمن ہوں ان کے مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ مطلوب کو حکم نافذ کرنے سے پہلے کہے: کیا تیری کوئی دلیل باقی ہے۔

اگر وہ کہے کہ کوئی دلیل باقی نہیں تو وہ اس پر حکم لگا دے وہ حکم کے نفاذ کے بعد کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا، مگر اس صورت میں کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا دلیل ہو۔ قضا اور قاضیوں کے احکام جو ان کے حق میں ہیں یا خلاف ہیں کسی اور جگہ مذکور ہیں۔

مسئلہ نمبر 18۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ مفسرین نے اس خطا کی تفسیر میں اختلاف کیا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام نے مغفرت طلب کی تھی انہوں نے کہا: اس کی چھ صورتیں ہیں:

1۔ آپ نے اس عورت کو دیکھا یہاں تک کہ سیر ہوئے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کی آزمائش دیکھنا ہی تھی۔ ابو اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے عورت کو ارادۃً نہیں دیکھا تھا لیکن نظر دوبارہ اس کی طرف لوٹ گئی۔ پہلی نظر ان کے حق میں رہی اور دوسری نظر ان کے خلاف ہوئی۔

2۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تابوت کے حملہ میں اس عورت کے خاوند کو جنگ میں بھیجا (2)۔

3۔ انہوں نے یہ نیت کی تھی اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے (3)۔

4۔ اور یا نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تھی جب وہ کہیں چلا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تو اس عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جلالت شان کی وجہ سے آپ سے شادی کر لی، اور یا اس وجہ سے غمگین ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر عتاب کیا کہ آپ نے اس کے منگیتر کے لیے اسے کیوں نہ چھوڑا جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہلے سے ننانوے بیویاں تھیں۔

5۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یا کے قتل پر ایسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا جس طرح آپ اس وقت پریشانی کا اظہار کرتے تھے جبکہ کوئی لشکر میں سے آدمی قتل ہوتا، پھر اس کی بیوی سے شادی کر لی اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے انہیں عتاب کیا، کیونکہ انبیاء کے گناہ اگر چہ چھوٹے ہوں تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتے ہیں۔

6۔ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

قاضی ابن عربی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا تو یہ بات انبیاء کے بارے میں کہنا جائز نہیں اسی طرح اس کے خاوند کو قتل کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں (4)۔

جہاں تک اس آدمی کے قول کا تعلق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھا اور جی بھر کر دیکھا تو میرے نزدیک یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ نظر کا سرکش ہونا ان اولیاء کے حق میں مناسب نہیں جو عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں تو ان انبیاء کے حق میں کیسے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور غیب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

سدی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: اگر میں نے کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا کیونکہ عام انسانوں پر تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے اور انبیاء پر تہمت لگانے والوں کے لیے ایک سو ساٹھ کوڑے ہوں گے؛ اسے ماوروی اور ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

ثعلبی نے کہا: حرث اعور نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اس انداز میں بیان کیا جس طرح قصہ گو آدمی بیان کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا، کیونکہ اس نے اس ہستی جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے، اپنی مخلوق میں سے جس پر راضی ہوا ہے تو اسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت اور مجتہدین کے لیے حجت بنایا ہے، اس ہستی پر اس نے تہمت لائی ہے تو اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ روایت ان میں سے نہیں جو حضرت علی شیر خدا سے صحیح منسوب ہے (1) اگر یہ سوال کیا جائے: تمہارے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟

ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو یہ کہے: نبی نے بدکاری کی ہے، تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے اس سے کم درجہ کا جرم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے دیکھنا اور ہاتھ سے چھونا ہے تو لوگوں سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں: اگر ایک آدمی آپ کے بارے میں قطعی رائے کا اظہار کرے اور اس امر کو ان کی طرف منسوب کرے تو میں اسے قتل کر دوں گا، کیونکہ یہ اس تعزیر کے خلاف ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی نظر ایسی عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور ننگی تھی۔ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے بال بکھیر لیے اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ اجماع امت کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پہلی نظر نے ان کے لیے دیکھی جانے والی چیز کو ظاہر کیا اسے دیکھنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری نظر کا تعلق ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اگر اس کا خاندان فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اسے موت کے لیے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے اور یا کی دعوت نکاح کے بعد دعوت نکاح دی تو یہ باطل ہے۔ قرآن اور تمام تفسیری آثار اس کو رد کرتے ہیں۔

اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ جو کبوتری آئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب گری وہ سونے کی تھی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بھلی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے تاکہ اسے پکڑ لیں وہ ہاتھ بھر ہی دور تھی پھر آپ نے یہ عمل دو دفعہ کیا پھر وہ اڑ گئی آپ کی نظر اس کے پیچھے گئی تو آپ کی نظر اس عورت پر جا پڑی جبکہ وہ عورت غسل کر رہی تھی اور اس کے لمبے بال تھے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ چالیس دن تک سجدہ ریز رہے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک پرندہ آپ کے پاس داخل ہوا آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا آپ نے اس کا پیچھا کیا تو یہ عبادت کے منافی نہیں کیونکہ اس کا کرنا مباح ہے خصوصاً وہ چیز حلال ہو اور حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ آپ نے اس کا پیچھا اس پرندے کی ذات کی وجہ سے کیا تھا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی میں

آپ کے لیے کوئی نفع نہ تھا۔ مفسرین کا پرندے کے حسن کا ذکر کرنا یہ جہالت میں اختراع ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ پرندہ سونے کا تھا آپ نے اس کا پیچھا کیا تاکہ اسے پکڑ لیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس طرح صحیح میں مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل کر رہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں (1) آپ ان سے چلو بھرنے لگے اور اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکت سے بے نیاز نہیں۔“

قتیری نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑیں تاکہ اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں تو وہ پرندہ اڑ گیا اور کمرے کے روشن دان میں جاگرا؛ یہ ثعلبی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ وَخَذَرَهَا كَعَاؤَ آثَابٍ وَه سجدہ میں گر گئے سجدہ کو رکوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا:

فغنا على وجهه رَاكِعًا وِتَابَ إِلَى اللَّهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ (2)

وہ منہ کے بل سجدہ میں گر گیا اور اس نے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔

ابن عربی نے کہا: علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں رکوع سے مراد سجدہ ہے (3) کیونکہ سجدہ سے مراد مائل ہونا اور رکوع سے مراد دہرا ہونا ہے، ان میں سے ایک دوسرے میں داخل ہے لیکن بعض اوقات ان میں سے ہر ایک اپنی نیت کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر یہ ایک دوسرے کے نام کے ساتھ واقع ہوا ہے اور سجدہ کو رکوع کا نام دیا ہے۔

مہدوی نے کہا: ان کا رکوع میں سجدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا سجدہ رکوع تھا۔ مقاتل نے کہا: وہ اپنے رکوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے، یعنی جب آپ نے معاملہ کو محسوس کیا تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر رکوع سے سجدہ میں گرے کیونکہ دونوں دہرا ہونے پر مشتمل ہیں۔

وَآثَابٍ یعنی اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے۔ حسین بن فضل نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ بن طاہر (جو والی تھا) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَخَذَرَهَا كَعَاؤَ آثَابٍ کے بارے میں پوچھا: کیا رکوع کرنے والے کو خض سے تعبیر کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا: اس آیت کا معنی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کا معنی ہے پہلے رکوع میں تھے پھر سجدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 20۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ میں اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ ان فرائض سے ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے یا نہیں؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قَصَّ وَ الْقُرْآنِ ذِي الْوَكْرِ ○ کی تلاوت کی جب سجدہ تک پہنچے تو نیچے اترے سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ایوب اذنادی رہہ ان مسنی الضم، جلد 1، صفحہ 480

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 40-1639

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

اس کی قراءت کی تو پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ ایک نبی کی توبہ تھی لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نے سجدہ کا ارادہ کیا ہے“ آپ اترے اور سجدہ کیا؛ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں (2)۔

بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: سورہ ص کا سجدہ قرآن کے فرائض میں سے نہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: ”ص“ کا سجدہ ایک نبی کی توبہ تھی اور آپ اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک نبی اور تمہارے نبی کی توبہ ہے؛ جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ سجدہ کی جگہ نہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو ہم نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ سجدہ کا معنی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنی خطا سے توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جب کوئی اس میں سجدہ کرے تو اسی نیت سے اس میں سجدہ کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اتباع کے واسطے سے اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مسئلہ برابر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ہر امت میں ہر ایک کے لیے مشروع ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ ابن خويز منداد نے کہا: وَخَرَّهَا كَعَاذِ اَنْبَاٍ میں یہ دلیل موجود ہے کہ اکیلا سجدہ شکر جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا ذکر موجود ہے جو جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز پڑھے۔ جہاں تک اکیلے سجدہ کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کو بھی آتی رہی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ نبیوں نے سجدہ شکر کیا ہو۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر طور پر عمل ہوتا کیونکہ عام لوگوں کو اس کی حاجت تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ قربت تھی۔

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس روز آپ کو ابو جہل کے مرنے کی بشارت دی گئی (3)۔ ابو بکرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تک اگر کوئی ایسا امر پہنچتا جو آپ کو خوش کرتا تو شکر بجالاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے (4)؛ یہ امام شافعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ امام ترمذی اور دوسرے علماء نے روایت کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حاجت کی نماز پڑھتا اور ایک درخت کی اوٹ لیتا وہ پڑھا کرتا ص وَالْقُرْآنِ ذِي النِّبَاتِ ۝ جب سجدہ تک پہنچتا تو سجدہ کرتا اور اس کے ساتھ درخت بھی سجدہ کرتا۔ اس صحابی نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے ساتھ میرے اجر کو بڑا کر دے اور اس کے بدلے میں شکر کی توفیق نصیب فرما (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1640 2۔ سنن ابی داؤد، باب السجود، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200، ایضاً، حدیث 1201

3۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء في الصلاة والسجدة عند الشكر، حدیث 1380، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1383۔ ایضاً ابوداؤد، باب سجود الشکر، 2393، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ سنن الترمذی، باب ما يقول في سجود القرآن، حدیث نمبر 528، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں نے کہا: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا عرض کی: میں نے آج رات وہ دیکھا ہے جو سونے والا دیکھتا ہے گویا میں ایک درخت کے تنے کے پاس نماز پڑھتا ہوں میں نے آیت سجدہ پڑھی تو میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس کے وسیلہ سے مجھ سے گناہ کو دور کر دے، اس کے بدلہ میں میرے لیے اجر لکھ دے، اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنا دے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں اس قسم کے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت کے کلمات بتائے تھے: تعلیٰ نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورہ ص کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ آیت سجدہ تک پہنچا تو اس میں درخت نے سجدہ کیا تو میں نے اسے سجدہ میں کہتے ہوئے سنا: میرے لیے اس کے بدلے میں اجر لکھ دے، اس کی وجہ سے مجھ سے گناہ کو اتار دے، اس کے بدلہ میں مجھے شکر کی توفیق نصیب فرما، اسے مجھ سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد کے سجدہ کو قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ”اے ابوسعید! تو نے سجدہ کیا؟“ میں نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو درخت کی نسبت سجدہ کرنے کا زیادہ مستحق تھا“۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص کی تلاوت کی یہاں تک کہ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا پھر اس کی مثل کہا جس طرح درخت نے کہا تھا۔

مسئلہ نمبر 23۔ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكْ یعنی ہم نے اس کا گناہ بخش دیا (2)۔ ابن انباری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكْ پر وقف تام ہے پھر تَوَوَّأَنَّ لَهُ سے کلام شروع کرے گا۔ قشیری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهُ پر عطف کرنا جائز ہے پھر ذَلِكْ وَإِنَّ لَهُ سے تامل کر شروع کرے گا جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَذَا وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ یعنی امر یہ ہے۔

عطا خراسانی اور دوسری علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدہ ریز رہے (3) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کے ارد گرد کھیتی اگ گئی اور آپ کے سر کو ڈھانپ لیا اور یہ ندا کی گئی کہ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھلایا جائے۔ کیا تو ننگا ہے کہ تجھے پہنایا جائے تو آپ نے ایک آہ بھری تو گھاس آپ کے پیٹ کی گرمی سے خشک ہو گئی تو آپ کو بخش دیا گیا اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ میرے اور تیرے درمیان گناہ تھا جسے تو نے بخش دیا ہے تو فلاں فلاں کا کیا بنے گا؟ آپ نے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ذکر کیا جس کی اولادوں کو میں نے یتیم چھوڑا اور ان کی بیویوں کو بیوہ چھوڑا؟ فرمایا: اے داؤد! قیامت کے روز کوئی ظلم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا جس پر میں نے تجھے اختیار دیا پھر میں تجھے

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر ما یدعو المرء بہ فی سجود التلاوة فی صلوٰتہ، جلد 6، صفحہ 473

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

2۔ تفسیر طبری، ج 23، صفحہ 178

۶۶ سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر 1042، خبایہ القرآن، ہجلی کیشنز

اس کے بدلے میں جنت کا ثواب دوں گا عرض کی: اے میرے رب! اس طرح تو مغفرت آسان ہو جائے گی پھر کہا جائے گا: اے داؤد! اپنے سر کو اٹھاؤ وہ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کریں گے تو وہ زمین سے چمٹ چکا ہوگا جبریل امین تشریف لائیں گے اور زمین سے الگ کریں گے جس طرح درخت سے اس کی گوند کو الگ کیا جاتا ہے؛ اسے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں۔

ولید نے کہا مجھے منیر بن زبیر نے خبر دی ہے کہ آپ کی سجدہ گاہیں زمین کے ساتھ چمٹ چکی تھیں جتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا ولید نے کہا ابن لہیعہ نے کہا آپ اپنے سجدہ میں کہا کرتے تھے: تو پاک ہے یہ میرے آنسو میرے مشروب ہیں۔ یہ میرا کھانا ہے جو میرے ہاتھوں میں راکھ کی صورت میں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چالیس روز تک سجدہ ریز رہے وہ فرض نماز کے سوا اپنا سر نہیں اٹھاتے تھے آپ روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے (1) یہاں تک کہ آنسوؤں کی وجہ سے سر پر گھاس اگ آئی اور زمین نے آپ کی پیشانی کا حصہ کھالیا تھا جبکہ آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے: اے میرے رب! داؤد نے لغزش کی جس کے باعث وہ اللہ کی رحمت سے اتنا دور ہو گیا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کی درمیان ہے اے میرے رب اگر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کمزوری پر رحم نہ فرمائے اور اس کا گناہ نہ بخشے تو اس کے گناہ کو اس کے بعد مخلوقات میں زبان زد خاص و عام کر دے۔ حضرت جبریل امین نے چالیس سال کے بعد انہیں کہا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیرے ارادہ کو معاف کر دیا جو تو نے کیا تھا۔

وہب نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا کی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر بھی اپنا سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ جبریل امین آئے کہا: تو نے اپنا سر کیوں نہ اٹھایا جبکہ تیرے رب نے تجھے بخش دیا تھا؟ عرض کی: اے میرے رب! کیسے جبکہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا داؤد کی طرف جاؤ اور اسے کہو اور یا کی قبر کی طرف جاؤ اور اس سے فراغت پاؤ میں اس کی ندا کو سنوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور اور یا کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آواز لگائی اور یا! اس نے جواب دیا: لبتیک۔ کس نے میری لذت کو مجھ پر قطع کیا ہے اور مجھے بیدار کیا ہے؟ کہا: میں تیرا بھائی داؤد ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے کیونکہ میں نے تجھے قتل پر پیش کیا تھا اور یا نے کہا: تو نے تو مجھے جنت پر پیش کیا تھا تو مجھ سے بری ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام خطا کے بعد خطا کاروں کے پاس بیٹھتے تھے اور کہتے تھے: داؤد خطا کار کے پاس آؤ، کوئی مشروب نہ پیئے (2) مگر اپنے آنسوؤں کو اس میں ملاتے آپ جو کی خشک روٹی ایک پیالہ میں رکھتے لگا تار روتے رہتے یہاں تک کہ وہ روٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی آپ اس پر راکھ اور نمک بکھیر دیتے اور اسے کھاتے تھے اور یہ کہتے: یہ خطا کاروں کا کھانا ہے۔ آپ خطا سے پہلے نصف رات قیام کیا کرتے تھے اور نصف زمانہ روزہ رکھا کرتے پھر آپ نے ہمیشہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور ساری رات قیام کیا کرتے

عرض کی: اے میرے رب! میری غلطی کو میرے ہاتھ میں رکھ دے تو ان کی خطا ان کی ہتھیلی پر نقش ہو گئی آپ ہتھیلی کو کھانے پینے اور کسی اور چیز کے لیے نہ پھیلاتے مگر اسے دیکھتے تو وہ خطا آپ کو رلا دیتی اگر ان کے پاس پیالہ لایا جاتا جس کا دو ٹلٹ پانی ہوتا جب آپ اسے لیتے تو اپنی خطا دیکھتے تو ابھی اپنے ہونٹوں سے الگ نہ کرتے مگر وہ آپ کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔

ولید بن مسلم نے روایت بیان کی ہے کہ مجھے ابو عمرو و اوزاعی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو آنکھوں کی مثال دو مشکیزوں جیسی ہے جن سے پانی نپکتا رہتا ہے۔ آنسوؤں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے چہرے میں یوں گڑھے بنا دیئے تھے جس طرح پانی زمین میں گڑھے بنا دیتا ہے۔

ولید نے کہا ہمیں عثمان بن ابی عاتکہ نے بیان کیا: حضرت داؤد علیہ السلام جبکہ آپ خطا سے خالی تھے ان کے قول میں خطا کاروں کے بارے میں شدت تھی وہ کہا کرتے: اللھم لاتغفر للخطائیس اے اللہ! خطا کاروں کو نہ بخش، پھر آپ یہ کہنے لگے: اے اللہ! خطا کاروں کو بخش دے تاکہ تو ان کے ساتھ داؤد کو بخش دے (1)، اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! میں تیرے بندوں میں سے اطباء میں سے سوال کرنے کے لیے نکلا کہ وہ میری کی دعا کریں سب نے میری تیری طرف راہنمائی کی اے میرے اللہ! میں نے ایسی خطا کی ہے مجھے ڈر ہے کہ تو اسی کا پھل قیامت کے روز اپنے عذاب کو بنائے گا اور تو اسے نہ بخشے اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح لوٹ آتی ہے۔

حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب منبر پر چڑھتے تو دایاں ہاتھ اٹھاتے اور لوگوں کے سامنے اسے کرتے تاکہ اپنی خطا کا نقش انہیں دکھائیں آپ یوں ندا کیا کرتے: اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح میری طرف لوٹ آتی ہے اے میرے رب! خطا کاروں کو بخش دے (2) تاکہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے ساتھ بخش دے۔ آپ چھال کے سات بستروں پر بیٹھا کرتے تھے جن میں راکھ بھری ہوتی آپ اپنے آنسو اپنے پاؤں کے نیچے گراتے یہاں تک کہ وہ سات بستروں سے نیچے چلے جاتے جب حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کا دن ہوتا تو ان کا منادی کرنے والا راستوں، بازاروں، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے مونہوں پر اعلان کرتا خبردار! یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نوحہ کا دن ہے جو اپنے گناہ پر رونا چاہتا ہے تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی مدد کرے غاروں اور وادیوں سے سیاح نیچے اترتے آپ کے منبر کے ارد گرد آوازیں بلند ہوتیں، وحشی جانور، درندے اور پرندے سر جھکائے ہوتے اور بنی اسرائیل آپ کے منبر کے ارد گرد ہوتے جب آپ رونا شروع کرتے اور اندرونی آگ آنسوؤں کے منابع کو جوش دیتی تو ساری جماعت رونے اور چیخنے میں یک آواز ہوتی یہاں تک کہ اس روز انسانوں کی ایک بڑی جماعت مرجاتی اچانک ہنستہ کے دن حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہو گئے ملک الموت آیا جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ میں اوپر چڑھ رہے تھے یا نیچے اتر رہے

تھے فرمایا: میں تو تیری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں نیچے اتر آؤں یا اوپر چڑھ جاؤں عرض کی: میرا اس میں کوئی اختیار نہیں ایام، مہینے، سال، آثار اور رزق ختم ہو چکے ہیں آپ اس کے بعد کوئی اثر چھوڑنے والے نہیں کہا: حضرت داؤد علیہ السلام سیزھی کے زینے پر سجدہ ریز ہو گئے تو ملک الموت نے اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو ننانوے سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ سو اسی سال کا عرصہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال تک زندہ رہے اور اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں خلافت کی وصیت کی۔

مسئلہ نمبر 24۔ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُفْلًا وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۲۴﴾ محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: کُفْلًا سے مراد ہے مغفرت کے بعد قربت ہوگی دونوں نے یہ بھی کہا: اللہ کی قسم! قیامت کے روز سب سے پہلے جو جام پیے گا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہوں گے۔ مجاہد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے زلفی سے مراد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو اٹھایا جائے گا جبکہ ان کی خطا ان کے ہاتھ میں نقش ہوگی جب آپ قیامت کی ہولنا کیوں کو دیکھیں گے تو ان سے بچنے کی کوئی پناہ نہ پائیں گے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی پناہ چاہیں گے کہا: پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہو گئے تو انہیں کہا جائے گا۔ یہاں یہاں، پھر وہ اپنی خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہو گئے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں، پھر وہ خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہو گئے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں۔ یہاں تک کہ انہیں قریب کر دیا جائے گا تو وہ سکون پائیں گے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُفْلًا وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۲۴﴾ یہ ترمذی حکیم نے ذکر کیا ہے۔ کہا: فضل بن محمد، عبد الملک بن اصغ سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ابراہیم بن محمد فزاری سے وہ عبد الملک بن ابی سلیمان سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسے ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا: میں طویل عرصہ تک ان آیات کو پڑھتا رہا میرے لیے مراد اور معنی ظاہر نہ ہوا رَأَيْنَا عَجَلًا لَنَا وَقَطْنَا لَغْتًا مِّنْ قَطْعٍ مَّرَادٌ صَحِيفَةٌ هِيَ كَيُونُكَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَسْ بِرِ تَلَاوَتِ كِي قَائِمًا مِّنْ أُوْدِي كِتَابَهُ بِبَيِّنَةٍ ﴿۲۴﴾ (الانشاق) حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: انکم ستجدون هذا كله في صحائفكم تعطونها بشا لكم۔ انہوں نے عرض کی رَأَيْنَا عَجَلًا لَنَا وَقَطْنَا، وَقَطْنَا سے مراد ہمارے صحیفہ۔ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۴﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدًا نَادَا وَذَا الْآلَاءِ يَوْمَ۔ ان کی خطا والے قصہ کو آخر تک بیان کیا میں کہا کرتا تھا جو ان کفار نے کہا اس پر صبر کا حکم دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کا حکم دیا تو اس ذکر سے کیا مراد ہے اس صبر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کو کیسے جوڑوں میں کسی ایسی چیز پر مطلع نہیں ہوتا تھا جو میرے دل کو سکون عطا کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دن ہدایت عطا فرمائی اور مجھے الہام کیا گیا کہ ان لوگوں نے ان کے قول کا انکار کیا ہے ان کی کتابیں ان کے بائیں ہاتھ میں دی جائیں گی ان میں ان کے گناہ اور خطائیں ہوں گی انہوں نے یہ باتیں استہزاء کے طور پر کی تھیں انہوں نے کہا: رَأَيْنَا عَجَلًا لَنَا وَقَطْنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۴﴾ ان کے استہزاء نے آپ ﷺ کو دکھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو پر آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں

جنہوں نے خطا کے بارے میں جلدی کی تھی کہ وہ اپنی خطا کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں تو اس وجہ سے ان پر وہ مصیبت آئی جو مصیبت آئی جب حضرت داؤد علیہ السلام اسے دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور پیالہ ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا جب آپ اس خطا کو دیکھتے تو روتے یہاں تک کہ وہ آنسو چھال سے بنے ان سات بستروں سے پار ہو جاتے جن میں راکھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مطالبہ مغفرت اور خصمہ سے جو چچی لازم آتی تھی اس کی ضمانت کے بعد یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ اللہ کے حبیب، اس کے ولی اور صفی بھی تھے اس مرتبہ کے باوجود خطا کے نقش کو دیکھنا ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتا تھا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوتا جب یہی چیز اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مخلوقات اور ذلیل و رسوا لوگوں میں سے کسی کو لاحق ہوتی اگر ان کے صحائف جلدی دے دیے جاتے تو ان خطاؤں کی سورتوں کو دیکھتے جو انہوں نے کفر و انکار کی صورت میں کیے اور ان پر کیا گزرتی جب وہ ان صحیفوں میں ان خطاؤں کو دیکھتے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی: فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُمْسِقِينَ وَمَتَأَنَّهُمْ وَيَقُولُونَ لَوْلَا يُؤْتِيْنَا مَالًا هَذَا الْكِتَابُ لَا نُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْضَبْنَا (الکہف: 49) حضرت داؤد علیہ السلام مغفرت، بشارت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے باوجود اپنی حالت پر نہ رہتے جبکہ ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کے روز وہ اپنی غلطی کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے یہاں تک کہ اسے کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے پھر انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو وہ مضطرب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قرب عطا کرے گا تو وہ سکون پا جائیں گے۔

يٰۤاٰدٰوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

”اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو اپنا نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ ہیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے، بے شک جو لوگ بہک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ہم نے تمہیں مالک بنایا تاکہ تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تاکہ تو اپنے سے قبل انبیاء اور صالحین کی نیابت کرے۔ سورہ بقرہ میں خلیفہ اور اس کے متعلقہ احکام مفصل گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو (1)۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے، یہ کلام اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب اس وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ نے ایک خاوند سے اس کی عورت کا مطالبہ کیا تھا یہ عدل نہ تھا اس کے بعد انہیں فرمایا گیا: لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور اپنی اس خواہش

کی اقتدانہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے کہ وہ تجھے جنت کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ اس راستے کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے جہنم میں دردناک عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستے پر چلنے کو ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَسُوا سے مراد ہے انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا یا اس پر عمل کو ترک کر دیا (1) تو وہ بھولنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم اس وقت ہوا جب ان کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کی خطا معاف کر دی۔

مسئلہ نمبر 3۔ فیصلوں کے بارے میں اصل احکام یہ ہیں **يٰۤاٰدٰوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ**۔ **وَ اِن اَحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلْنَا اللّٰهُ (المائدہ: 49) لَتَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوِّمِيْنَ لِلّٰهِ شٰهِدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ: 8)** اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **يٰۤاٰدٰوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** کے بارے میں کہا: اگر دو آدمی جھگڑالے کر تیرے پاس آئیں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق تمہارے دل میں میلان ہو تو اپنے دل میں یہ خواہش نہ کر کہ حق اس کے لیے ہوتا کہ وہ اپنے مد مقابل پر غالب آجائے اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرا نام نبوت سے خارج کر دوں گا پھر نہ تو تو میرا خلیفہ ہوگا اور نہ ہی اہل کرامت ہوگا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور وہ دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف قرابت نفع کی امید کی وجہ سے میلان نہ رکھے اور نہ کسی سبب کی طرف رجحان رکھے جو میلان کا تقاضا کریں جیسے صحبت، دوستی اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد محض اس وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے کیونکہ ان کے پاس دو فریق آئے تو حضرت سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حق فلاں کے لیے ہو۔

عبدالعزیز بن سدا نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک قاضی تھا وہ اپنی کوشش سے اس مقام تک جا پہنچا کہ اپنے رب سے اس کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان علامت بنا دے۔ جب وہ حق کا فیصلہ کرے تو وہ اسے پہچان جائے۔ جب وہ کوتاہی کرے تب بھی اسے پہچان لے۔ اسے کہا گیا: اپنے گھر داخل ہو جا پھر دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو لمبا کر پھر دیکھ تیری انگلیاں کہاں تک پہنچتی ہیں وہاں ایک خط کھینچ لے جب تو مجلس قضا سے اٹھے تو اس خط کی طرف لوٹ اس کی طرف ہاتھ کو لمبا کر جب تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہوگا تو وہاں تک پہنچ جائے گا اگر تو نے حق میں کوتاہی کی ہوگی تو تیری انگلیاں نیچے رہ جائیں گی۔

وہ صبح کو قضا کے لیے جاتا جبکہ وہ مجتہد تھا وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا جب مجلس سے اٹھتا اور فارغ ہوتا نہ کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا نہ گھروالوں کا کوئی کام کرتا یہاں تک کہ اس خط کے پاس آتا جب اس خط تک پہنچ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اللہ تعالیٰ

نے اہل، کھانے اور پینے میں جس چیز کو حلال کیا تھا اس تک رسائی حاصل کرتا جب ایک دن وہ مجلس قضا میں مصروف تھا تو دو آدمی اس کے پاس آئے جو اس سے فیصلہ کے طالب تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دونوں اس کے پاس (قضیہ) پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے ایک اس کا دوست تھا اس قاضی کا دل اس محبت کی وجہ سے متحرک ہوا کہ حق اس کے دوست کے حق میں ہوتا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے جب دونوں نے گفتگو کی تو حق دوست کے خلاف چلا گیا تو اس نے دوست کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ جب وہ مجلس قضا سے اٹھا تو اس خط کی طرف گیا جس طرح ہر روز جایا کرتا تھا تو اس نے خط کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خط دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ چھت تک سمٹ گیا وہ اس تک نہیں پہنچ پارہا تھا تو وہ سجدہ میں گر گیا وہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا اور نہ میں نے ارادہ کیا ہے جو ہے اسے میرے لیے واضح کر دے۔ اسے کہا گیا: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی خیانت پر آگاہ نہیں جب تو نے چاہا تھا کہ حق تیرے دوست کے حق میں ہوتا کہ تو اس کے حق میں فیصلہ کرے، تو نے اس کا ارادہ کیا تھا اور تو نے یہ پسند کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حق حقدار کو لوٹا دیا جبکہ تو یہ ناپسند کرتا تھا۔

لیث سے مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا، پھر وہ واپس لوٹے تو آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا پھر وہ لوٹے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ فرمایا: وہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان دونوں میں سے ایک کے حق میں وہ چیز پائی جو میں نے دوسرے کے حق میں نہ پائی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو ناپسند کیا، وہ پھر واپس آئے تو میں نے ایک کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات پائے وہ پھر آئے جبکہ وہ چیز جا چکی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا دونوں نے حضرت زید بن ثابت سے فیصلہ کرانا چاہا جب دونوں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید نے حضرت عمر کو اپنے تکیہ کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تیرا پہلا ظلم ہے، مجھے اور اسے ایک ہی مجلس میں بٹھاؤ، تو دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ آیت اس امر سے منع کرتی ہے کہ حاکم اپنے علم سے فیصلہ کرے کیونکہ حاکموں کو اگر یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں تو جب ان میں سے کوئی اپنے دوست کی حفاظت اور اپنے دشمن کی ہلاکت کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے فیصلہ کے بارے میں اپنے علم کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ اس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد جاری ہوتی ہے تو میں اس کا مواخذہ نہ کروں گا یہاں تک کہ کوئی اور آدمی میرے پاس گواہی دے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: فلاں کے خلاف میرے دعویٰ کا فیصلہ کر دیجئے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا فلاں پر حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تو یہ ارادہ کرے کہ میں تیرے حق میں گواہی دوں تو ٹھیک ہے جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ کی وجہ سے فیصلہ کیا۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھوڑا خرید تو بیچنے والے نے انکار کر دیا حضور ﷺ نے اپنے علم کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا حضرت خذیمہ اٹھے انہوں نے حضور ﷺ کے حق میں گواہی دی تو حضور ﷺ نے فیصلہ کیا اس حدیث کو ابو داؤد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے (1)۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۗ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۗ ۝۱۷ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۗ ۝۱۸ كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ
مُبْرَكًا لِّيُبَيِّنَ لَكَ آيَاتِهِ وَيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ ۝۱۹

”اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ، یہ تو کفار کا گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔ کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند“۔

باطلاً سے مراد ہے مقصد اور کھیل تماشا ہے یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو محض امر صحیح کے لیے پیدا کیا ہے وہ ہماری قدرت پر دلالت ہے یہ کفار کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے۔ کفار کو پوٹا بندہ کرنے کے لیے فرمایا: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا۔ اور میں میں زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے أنجعل الذین اس آیت میں مراد ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ جائز ہے کہ مفسد، صالح کی طرح ہو یا اس سے درجہ میں بلند ہو بعد والی کلام نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ بھی اسی طرح ہے یعنی کیا ہم سرور دو عالم ﷺ کے صحابہ کو کفار کی طرح بنادیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ متقین، فجار اور کفار کو عام ہے۔ یہ تعبیر سب سے اچھی ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں ان کا بھی اس میں رد ہے جنہوں نے مطیع اور عاصی کا ٹھکانا ایک چیز بنایا ہے۔

کتب یہ خبر ہے اس کا مبتدا مخدوف ہے لِيُبَيِّنَ لَكَ آيَاتِهِ اصل میں ليتدبروا تھا تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے معانی کی معرفت واجب ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکار میں بیان کیا ہے تیز پڑھنے کی صورت میں تدبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: آیات میں تدبر سے مراد ان کی اتباع ہے (2) عام قراءت لیدہوا ہے۔ ابو جعفر اور شیبہ نے لیدہوا یعنی دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے؛ حضرت علی شیر خدا کی قراءت بھی یہی ہے اصل میں لتدبروا تھا

1۔ ابو داؤد، کتاب الاقضية باب اذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له ان يحكم به، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 383

تخفیف کی وجہ سے ایک تاء حذف ہے۔

أُولُو الْأَلْبَابِ سے مراد اصحاب عقول ہیں اس کا واحد لب ہے اس کی جمع أَلْبَابٌ بھی آتی ہے جس طرح بؤس کی جمع ابؤس آتی ہے اور نعم کی جمع انعم آتی ہے۔ ابوطالب نے کہا:

قلبي إليه مُشرفُ الألبِ

محل استدلال الب ہے بعض اوقات ضرورت شعری کی بنا پر تضعیف کو ظاہر کرتے ہیں کیت نے کہا:

إليكم ذوى آلِ النبي تطلعت نوازمُ من قلبى ظمأً وألبُ

محل استدلال الب ہے۔

وَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعَمَ الْعَبْدِ ۗ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٦٠﴾ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

الضفیفُ الْجِيَادُ ﴿٦١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۗ حَتَّى تَوَارَتْ

بِالْحِجَابِ ﴿٦٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۗ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٦٣﴾

”اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان جیسا فرزند بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا، جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے تو آپ نے کہا: مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے نیچے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔“

جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر چکے تو حضرت سلیمان السلام کا ذکر کیا۔ اَوَّابٌ کا معنی مطیع ہے الْجِيَادُ کا معنی گھوڑے ہیں یہ جواد کی جمع ہے جس کا معنی گھوڑا ہے جس طرح انسان کو جواد کہتے ہیں جب وہ طبعاً بہت ہی سخی ہو یہ کہا جاتا ہے: قوم اجواد خیل جیاد یہ بھی کہا جاتا ہے: جاد الرجل بسالہ یجود جوداً فهو جواد۔ یعنی آدمی اپنے مال کے ساتھ سخاوت کرتا ہے قوم جود جس طرح قذال کی جمع قذال آتی ہے یہاں واؤ کو ساکن کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرف علت ہے اس کی جمع اجواد، اجواد، جوداء بھی آتی ہے اسی طرح یہ کہتے ہیں: امرأة جواد، نسوة جود جس طرح نوار اور نور آتی ہے شاعر نے کہا:

مناعٌ بِإِشْفَاهَا حَصَانٌ بِشَكْرِهَا جَوَادٌ بِقُوَّةِ الْبَطْنِ وَالْعِرْقِ زَاخِرٌ

محل استدلال جواد ہے جب اسے شدید بھوک لگی ہوتی ہے تب اپنے بطن کی قوت کو بھی سخاوت کرنے والی ہے اور تو کہتا ہے: سمرنا عقیبة جواد او عقیبتین جوادین وعقبها جیادا۔ یہ کہا جاتا ہے: جاد الفرس یعنی وہ خوبصورت ہو گیا جود جوداً فهو جواد یہ جواد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے یوں بھی استعمال کیا جاتا ہے خیل جیاد و اجیاد دوا جاوید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لمبی گردن والے ہیں یہ جید سے مشتق ہے جس کا معنی گردن ہے کیونکہ گھوڑوں میں گردنوں کا لمبا ہونا ان کی عمرگی کی صفات ہیں الضفیفُ میں دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صفوں سے مراد ان کا کھڑا ہونا ہے۔ قسمی اور فراء نے کہا کہ کلام عرب میں صافن سے مراد کھڑا ہونا ہے وہ گھوڑے ہوں یا کوئی

اور چیز ہو اسی معنی میں نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے من سترہ ان یقوم له الرجال صفونا فلیتبعوا مقعدہ من النار (1) جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہی رہیں تو وہ اپنا ٹھکانے جہنم میں بنالے قطرب نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے اور نابغہ کا قول ذکر کیا ہے:

لنا قُبَّةٌ مَضْرُوبَةٌ بِفَنَائِهَا عِتَاقُ الْمَهَارِي وَالْحَيَادِ الصَّوْافِنِ (2)

ہمارا ایک قبہ تھا جو ان کے صحن میں لگا ہوا تھا اعلیٰ نسل کے بچھیرے اور ہمیشہ کھڑے رہنے والے عمدہ گھوڑے؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صفون سے مراد یہ ہے کہ دونوں اگلے پاؤں میں سے ایک کے کھر کو اٹھانا یہاں تک کہ باقی تین پاؤں پر کھڑا ہونا جس طرح شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفُونَ فَمَا يَزَالُ كَانَهُ مِمَّا يَقُومُ عَلَى الثَّلَاثِ كَسِيرًا

عمر و بن کلثوم نے کہا:

تَرَكْنَا الْخَيْلَ عَاكِفَةً عَلَيْهِ مُقَدَّدَةً أَعْتَتَهَا صُفُونًا

”ہم نے گھوڑوں کو اس پر جھکے ہوئے دیکھا ہے ان کی لگا میں ان کا قنادہ تھیں وہ تین پاؤں پر کھڑے تھے“ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تو ان سے ایک ہزار گھوڑے پائے (3)۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے ان کے والد نے یہ گھوڑے عمالقد سے حاصل کیے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جو سمندر سے نکلے تھے (4)؛ ان کے پر تھے یہ ضحاک کا قول ہے۔ وہ ایسے گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے نکالے گئے تھے وہ منقوش تھے وہ پہلے پروں والے تھے۔ ابن زید نے کہا: شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے گھوڑے نکالے تھے جن کے پر تھے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا: وہ بیس گھوڑے تھے جو پروں والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں ابراہیم تیمی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ گھوڑے بیس ہزار تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْلِ عَنْ ذِكْرِ سَائِرِ النَّاسِ۔ الْخَيْلُ مَرَادُ الْغُحُورِ هِيَ عَرَبٌ أَيْ نَحْسٌ هِيَ نَمٌ دِيْتِ هِيَ وَه رَاءُ أَوْرَامِ كَوَيْكِي بَعْدَ دِغْرِ لَاتِ هِيَ تَو كَهْتَا هِيَ: اِنْهَمَلَتِ الْعَيْنُ، اِنْهَمَرْتُ، اِحْتَلْتُ وَخَتَرْتُ جَب تَو دُحُو كَو دَعِي۔ دُونُوں جِگہ پَر لَامِ اَوْر رَاءُ اَيْكِ دُوسرے كِي جِگہ اِسْتِعْمَالِ هُوئے هِيں۔ فَرَاءُ نِي كَہَا: كَلَامِ عَرَبِ مِيں خَيْرِ اَوْر خَيْلِ اَيْكِ هِي چِيزِ هِي۔ نَحْسُ نِي كَہَا: حَدِيثِ طَيْبِہ مِيں هِي كَہ الْخَيْلُ مَعْقُودِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (5) گھوڑوں كِي پيشانيوں مِيں قِيَامَتِ تَكِ كِي لِيے بھلائی رَكھ دِي گئی هِي گُويَا گھوڑوں كو خَيْرِ اِي وَجِہِ سِي كَہَا جَاتَا هِي حَدِيثِ مِيں هِي كَہ جَب زِيْدُ الْخَيْلِ نَبِي كَرِيْمِ ﷺ كِي بَارِگَاہِ مِيں حَاضِرِ

ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت زید الخیر وہ حقیقت میں زید بن مہلب شاعر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیر اس لیے نام دیا گیا کیونکہ اس کی ذات میں کئی منافع تھے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام جانور پیش کیے ان سے کہا گیا: ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں تو انہوں نے گھوڑا پسند کیا تو انہیں کہا گیا: تم نے اپنی ذات کو اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے اس کا نام خیر پڑ گیا اور اسے خیل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قوت اور غلبہ کے ساتھ موسوم ہے۔ اسے فرس اس لیے نام دیا گیا کیونکہ یہ فضا کی مسافتوں کو چیرتا ہے جس طرح شیر شکار کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور ان مسافتوں کو یوں طے کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر شے کو لقمہ بنا لیتا ہے۔ اسے عربی نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جزا کے طور پر دیا گیا حضرت اسماعیل عربی تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے عطیہ تھا تو اس گھوڑے کو عربی کہا گیا: لفظ حبنفرا کے قول کے مطابق مفعول ہے معنی ہے ان اثرت حب الخیر فالہانی عن ذکرہ میں نے گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی تو اس محبت نے مجھے میرے رب کے ذکر سے غافل کر دیا۔

دوسرے علماء اسے مفعول مطلق تسلیم کرتے ہیں جو مفعول کی اضافت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یعنی أحببت الخیر حبا فالہانی عن ذکرہ ایک قول یہ کیا گیا: أحببت کا معنی ہے میں بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے احب البعیر یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بیٹھ جائے اور پیچھے ہٹ جائے أحب فلان اس نے اپنا سر جھکا یا۔ ابو زید نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعیر محب، وقد أحب احبا بابا یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی مرض لاحق ہو یا عضو ٹوٹ جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے یا مر جائے۔ ثعلب نے کہا: بعیر حسیر کے لیے کہا جاتا ہے محب معنی ہوگا تو میرے رب کے ذکر سے بیٹھ گیا اس تعبیر کی بنا پر حب کا لفظ مفعول لہ ہوگا۔ ابو فتح ہمدانی نے کتاب التبیان میں یہ ذکر کیا ہے۔ أحببت یہ لزمت کے معنی میں ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

مِثْلَ بَعِيرِ الشَّوْءِ إِذَا حَبَّتَا

اس برے اونٹ کی مثل جب وہ ایک جگہ کو لازم پکڑے۔

حَتَّى تَوَاصَلَ بِالْحَجَابِ ⑤ یعنی سورج چھپ گیا۔ یہاں ذکر کے بغیر ضمیر ذکر کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمْ دَابَّةً (فاطر: 45) اس میں ما ضمیر سے مراد الارض ہے عرب کہتے ہیں: حاجبت باردة معنی ہے حاجت الريح باردة اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْخُلُقُومَ ⑥ (الواقعة) یعنی نفس حلقوم تک جا پہنچا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّهَا كَالْقَصْرِ ⑦ (المرسلات) یہاں نار کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ زجاج نے کہا: ضمیر کا ذکر کرنا جائز نہیں جب کسی چیز کا ذکر ہو یا دلیل کا ذکر ہو یا وہاں دلیل موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

بِالْعَشِيِّ عَشِيٌّ سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے تواری سے مراد آنکھوں سے چھپ جانا ہے، حجاب سے مراد سبز پہاڑ ہے جو تمام مخلوق کو محیط ہے (1)؛ یہ قنادہ اور کعب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبل قاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

یہ ایسا پہاڑ ہے جو قاف کے علاوہ ہے۔ حجاب سے مراد رات ہے۔ اسے حجاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس چیز کو چھپا لیتا ہے جو اس میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حَلْبِي تَوَاتَرَتْ سے مراد گھوڑے دوڑ میں چھپ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں گھوڑوں میں مقابلہ کرایا جاتا یہاں تک کہ وہ مسابقت میں آپ کی آنکھ سے چھپ جاتے کیونکہ سورج کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

نحاس نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز میں تھے آپ کی خدمت میں گھوڑے لائے گئے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یہاں تک کہ گھوڑے چھپ گئے اصطبلوں کی دیواروں نے انہیں چھپا دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: **رُدُّوْهُا عَلٰی فُكْفُوْكَ مَسْحًا لِّعَيْنِيْ** ان پر ہاتھ پھیرنے لگے اس کے معنی میں دو قول ہیں: آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ ان کی تکریم کا اہتمام کریں اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ معزز آدمی کے لیے یہ کوئی فتنہ نہیں کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ اس قول کے کرنے والے نے یہ کہا: وہ کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس میں مال برباد کرنا اور جس کا کوئی گناہ نہ ہو اسے سزا دینا لازم آتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مسح سے مراد قتل کرنا ہے آپ کو قتل کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بصری، بکلی اور مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے نماز پڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے جبکہ گھوڑے آپ پر پیش کیے جا رہے تھے وہ ایک ہزار گھوڑے تھے آپ پر نو سو گھوڑے پیش کیے جا چکے تھے تو آپ نماز عصر کے لیے متوجہ ہوئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کو آگاہ نہ کیا گیا تو آپ غمگین ہوئے تو فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ تو گھوڑوں کو آپ پر دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کی کونچیں کاٹ دیں ان میں سے سو گھوڑے بچ گئے آج لوگوں کے پاس جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں وہ انہیں گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس وقت نہ ظہر کی نماز تھی اور نہ عصر کی نماز ہوتی تھی بلکہ وہ نماز نفل نماز تھی تو آپ اس سے غافل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جاہ و جلال والے تھے تو کسی نے بھی انہیں آگاہ نہیں کیا خواہ وہ فرض نماز تھی یا نفل نماز تھی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ تاخیر مباح ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ فوت شدہ نماز یاد کی اور بطور افسوس کہا: **اِلٰی اَحَبِّتْ حُبَّ الْخَيْْرِ عَنْ ذِكْرِ مَا فِيْهَا** یہاں ذکر سے مراد نماز ہے (1)۔ آپ نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا اور ان کی کونچیں اور ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا، یہ کوئی گھوڑے کو عذاب دینا نہیں تھا جب جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو تو ان جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا کہ اس کے بعد گھوڑے آپ کو نماز سے غافل نہ کریں شاید آپ نے ان کی کونچیں اس لیے کاٹیں تاکہ ان کو ذبح کریں آپ نے انہیں بھاگنے سے روکنے کے لیے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر انہیں اسی وقت ذبح کر دیا تاکہ ان کا گوشت صدقہ کریں یا ان کی شریعت میں یہ امر مباح تھا تو جس چیز نے آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اس کو تلف کر دیا تاکہ اس چیز کا تعلق اپنے آپ سے ختم کر دیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے

اس وجہ سے ان کی تعریف کی اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں انہیں یہ بدلہ دیا کہ ان کے لیے ہوا کو مسخ کر دیا آپ ہوا کے دوش پر ایک دن میں اتنا سفر طے کر لیتے جتنا سفر گھوڑے پر دو ماہ صبح و شام سفر کرتے ہوئے طے کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **رُدُّوْهَا عَلٰی** میں ہاء سورج کے لیے ہے گھوڑوں کے لیے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا: تجھے اس بارے میں کیا خبر پہنچی ہے؟ میں نے کہا: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑے کے معائنہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا اور ان سے نماز فوت ہو گئی کہا: **اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَبْرِ** **هٰنَ ذٰکُمَا تَرٰقٰی** یعنی میں نے ترجیح دی گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے **رُدُّوْهَا عَلٰی** یعنی گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹاؤ۔ گھوڑے چودہ تھے تو آپ نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا اللہ تعالیٰ نے چودہ دن تک ان سے حکومت کو چھین لیا کیونکہ انہوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کعب نے جھوٹ بولا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد کی تیاری کی وجہ سے گھوڑوں کے معائنہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان فرشتوں کو حکم دیا جو سورج پر معین ہیں: سورج کو لوٹاؤ تو فرشتوں نے سورج کو ان پر لوٹا دیا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عصر کے وقت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء ظلم نہیں کرتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جو چیز حجاب میں چھپی تھی وہ سورج تھا اور سورج کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ منافع کے لیے اس پر دلالت موجود ہے کیونکہ اسے ذکر کیا گیا ہے جس کا سورج کے ساتھ تعلق ہے جس طرح اس کا بیان گذر چکا ہے اکثر لوگ سورج کو ذکر کیے بغیر مضمحل کر دیتے ہیں۔ لبید نے کہا:

حتى إذا ألقث يذًا لى كافر وأجتن عوزات الشُّعورِ ظلامها (1)

اس شعر میں بھی الشمس کے لیے ہے اور اس کے ذکر سے پہلے ضمیر لائی گئی ہے۔

رددھا میں ہا گھوڑوں کے لیے ہے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے زہری اور ابن کیسان نے یہ مراد لیا ہے کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ان سے غبار کو دور کرتے کیونکہ آپ کو گھوڑوں سے محبت تھی؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خواب دکھایا گیا جبکہ آپ اپنے گھوڑے کو اپنی چادر سے پونچھ رہے تھے اور فرمایا: ”آج رات مجھے گھوڑوں کے بارے میں عتاب کیا گیا (2)“ موطا میں یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت نقل کی گئی ہے اور موطا کے علاوہ میں مسند اور متصل سند سے مروی ہے امام مالک، یحییٰ بن سعید سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں سورۃ الانفال میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گذر چکا ہے۔ **وامسحوا بنوا صیہا** **واکھالہا** ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تلواروں سے کاٹ دیا۔

میں کہتا ہوں: شبلی اور دوسرے صوفیاء نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اسی فعل سے کپڑوں کے پھاڑ دینے کا استدلال

کیا ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی معصوم کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے فساد والا فعل کیا ہے۔ مفسرین نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: آپ نے گھوڑوں کی تکریم کی خاطر ان کی گردنوں اور ان کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے تو یہ اچھا عمل ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: آپ نے ان کی کوچھیں کاٹیں پھر انہیں ذبح کر دیا۔ گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سورہ نخل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آپ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس پر قدغن لگائی جاسکتی ہو۔ جہاں تک صحیح کپڑے کے پھاڑنے کا تعلق ہے جبکہ غرض صحیح نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کیا ہو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو جبکہ یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے گھوڑوں کے ساتھ جو بھی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے گھوڑوں کے مسح کرنے سے مراد کاویہ سے انہیں نشان لگانا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں معین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ پنڈلیاں کسی حال میں بھی نشان لگانے کا محل نہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے: پنڈلی پر کاویہ سے نشان لگانا علاط کہلاتا ہے اور گردن پر نشان لگانا وثاق کہلاتا ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے عَلَطُ الْبَعِيدِ عَلَطَ اس نے اونٹ کی گردن میں نشان لگایا۔ علاطان سے مراد گردن کی دونوں جانبیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: مُدُّوْهَا میں ہانپیر کو جس نے سورج کی طرف لوٹا یا ہے تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔ اسی کی مثل ہمارے نبی ﷺ کے لیے بھی واقع ہوا امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو سندوں سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جارہی تھی جبکہ حضور ﷺ کا سر مبارک حضرت علی شیر خدا کی گود میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”اے علی! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟“ عرض کی: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! اگر یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر لوٹا دے“۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے اسے غروب ہوتا ہوا دیکھا تھا پھر میں نے غروب ہونے کے بعد پہاڑوں اور زمین پر اسے طلوع حالت میں دیکھا جبکہ آپ خیبر میں صہباء کے مقام پر تھے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں ثقہ لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو فرج ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہا: حضرت علی شیر خدا کی محبت میں رافضیوں کے غلو نے انہیں اس امر پر برا بیچتے کیا کہ وہ آپ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کریں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج غائب ہو گیا تو حضرت علی شیر خدا کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ کے لیے سورج کو لوٹا یا گیا (1)۔ از روئے نقل کے محال ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی محال ہے کیونکہ وقت فوت ہو چکا تھا اور اس کا لوٹنا نیا طلوع تھا جو وقت کو نہیں لوٹاتا جس نے کہا تھا: خیبر گھوڑوں کی طرف لوٹی ہے وہ گھوڑے دوڑ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اس میں گھوڑوں

1۔ حضرت مفسر نے یہ رائے قائم کی اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ کی رائے کو اہمیت دی جب کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: ابن جوزی نے یہ غلط کہا ہے نور الانور میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

کی دوز میں دلیل موجود ہے۔ یہ مشروع امر ہے اس کے بارے میں گفتگو سورہ یوسف میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي
 وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۖ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ
 تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۖ وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ لِّهِنَّ أَصْحَابٌ ۖ وَالْآخِرِينَ
 مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَإِنَّ لَهُ
 عِنْدَنَا لَكُزْنًا وَحُسْنَ مَّآبٍ ۖ

”اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرمادے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیوبھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں، (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام“۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ۖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۖ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۖ وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ لِّهِنَّ أَصْحَابٌ ۖ وَالْآخِرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُزْنًا وَحُسْنَ مَّآبٍ ۖ

ڈالا گیا اور آزمائش کے بعد آپ بیس سال تک حاکم رہے؛ یہ زنجیروں نے ذکر کیا ہے۔ فَتَنَّا یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ہم نے سزا دی (1)۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے ان میں سے ایک فریق جرادہ کے خاندان سے تھا جو آپ کی بیوی تھی۔ حضرت سلیمان اس سے محبت کرتے تھے تو آپ نے خواہش کی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ پھر دونوں کے درمیان فیصلہ انصاف سے کیا۔ آپ کو جو بھی مصیبت پہنچی اسی خواہش کی بنا پر تھی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے حجاب میں رہے آپ نے کسی کے درمیان فیصلہ نہ کیا نہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: میں نے تجھے خلیفہ اس لیے نہیں بنایا کہ تو میرے بندوں سے حجاب کرے بلکہ اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ تو ان کے درمیان فیصلہ کرے اور مظلوم کو انصاف دلائے۔

شہر بن حوشب اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو گرفتار کیا جس کے ساتھ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں جہاد کیا تھا (2)، جس بادشاہ کو صیدون کہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس

کی محبت ڈال دی گئی جبکہ وہ آپ سے اعراض کرتی تھی، وہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھتی اور الٹی سیدھی باتیں کرتی تھی، اس کی آنکھوں سے اپنے والد کے غم میں آنسو نہ پھوٹتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت تھی پھر اس نے یہ سوال کیا کہ وہ اس کے باپ کا اس کی صورت کے مطابق بت بنا دے تاکہ وہ اسے دیکھا کرے۔ حضرت سلیمان نے اس کا حکم دیا تو اس کے لیے مجسمہ بنا دیا گیا اس عورت نے اس کی تعظیم کی اور اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس کی لونڈیوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔ وہ ایک ایسا بت بن گیا جس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں عبادت کی جا رہی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا یہاں تک کہ چالیس دن گذر گئے۔ اس کی خبر بنی اسرائیل میں عام ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی علم ہو گیا تو آپ نے اسے توڑ دیا پھر اسے جلادیا پھر اس کے ذرات سمندر میں بکھیر دیئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت سلیمان نے صیدون کی بیٹی کو پایا جس کا نام جرادہ تھا جس طرح کہ زمخشری نے ذکر کیا ہے تو وہ عورت آپ کو بہت اچھی لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اسلام کو پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ڈرایا تو اس عورت نے کہا: مجھے قتل کرو میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی جبکہ وہ مشرک تھی۔ وہ یا قوت کے بنے بت کی چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوشیدہ عبادت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس روز تک حکومت کے زوال کے ساتھ سزا دی گئی۔ کعب الاحبار نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ظلم کیا تو آپ کی حکومت سلب کر لی گئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیض یا کسی اور عارضہ کی صورت میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی عورت سے شادی نہ کریں تو آپ نے ان کے علاوہ کسی اور عورت سے شادی کر لی تو اس وجہ سے انہیں سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَالْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖمْ جَسَدًا اَكْثَرُ مَفْسَرِيْنَ كَے نزدیک وہ شیطان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی شبیہ اس پر ڈالی اس کا نام صخر بن عمیر صاحب السحر تھا یہی وہ تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی الماس (ہیرہ) پر کی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب پتھروں کو لوہے سے تراشا جاتا تو ان میں آواز پیدا ہوتی انہوں نے الماس (ہیرہ) لیا اور اس کے ساتھ پتھر، گننے اور دوسری چیزیں کاٹنے لگے تو کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سرکش جن تھا تمام شیاطین بھی اس پر غالب نہ آتے وہ ہمیشہ حیلہ سازی کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت الخلا میں انگوٹھی کے ساتھ داخل نہیں ہوتے تھے۔ صخر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں سے ایک عورت، جسے امینہ کہا جاتا، سے انگوٹھی لی جو آپ کی تھی؛ یہ شہر بن حوشب اور وہب کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: اس کا نام جرادہ تھا وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر قابض رہا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھاگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی اور بادشاہت انہیں واپس کر دی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی اپنے بستر کے نیچے رکھ دی اور شیطان نے اسے اٹھالیا۔ مجاہد نے کہا: شیطان نے انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے لے لی تھی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا جبکہ اس کا نام آصف تھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے آپ سے کہا: مجھے اپنی انگوٹھی دوتا کہ میں تمہیں بتا دوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ جب شیطان نے انگوٹھی لے لی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا وہ آپ کی بیویوں کے پاس جاتا ناحق فیصلے کرتا اور غلط احکامات دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ ان کے پاس ان کے حیض کے دنوں میں آیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اسے آپ کی بیویوں کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکومت زائل ہو گئی تو آپ ساحل سمندر کی طرف بھاگ نکلے آپ وہاں لوگوں سے ضیافت طلب کرتے اور اجرت پر شکاریوں کی مچھلیاں اٹھایا کرتے تھے جب وہ لوگوں کو بتاتے کہ وہ سلیمان بن داؤد ہیں تو لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔

قنادہ نے کہا: جب بنی اسرائیل نے شیطان کے احکامات کو عجیب و غریب جانا تو آپ نے شکاری سے ایک مچھلی لی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ کھانے کے لیے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مچھلیاں اٹھانے کی اجرت کے طور پر لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شکار کیا تھا، جب اس کے پیٹ کو چیرا تو اپنی انگوٹھی اس میں موجود پائی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی بادشاہت کے زائل ہونے سے چالیس دن بعد ہوا تھا یہ دنوں کی وہی تعداد ہے جتنے دنوں میں آپ کے گھر میں بت کی عبادت کی گئی تھی آپ نے وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں پائی تھی کیونکہ شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اسی اثنا میں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمندر کے کنارے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جبکہ ان کی حکومت اس انگوٹھی میں تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ تھا یعنی بن ابی عمرو شیبانی نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی خاطر بیت المقدس کی طرف پیدل گئے۔

حضرت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک لوٹایا تو آپ نے صخر کو پکڑ لیا جس نے انگوٹھی لی تھی اس کے لیے چٹان میں سراخ کیا اور اس میں اسے داخل کیا اور دوسری چٹان کے ساتھ اسے بند کر دیا اور لوہے اور سکہ کے ساتھ اسے جوڑ دیا اس پر اپنی مہر لگائی اور سمندر میں پھینک دیا فرمایا: قیامت تک یہ تیرا قید خانہ ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انگوٹھی لے لی تو شیاطین، جن، انسان، پرندے

وحشی جانور اور ہوا آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ شیطان بھاگ گیا جو آپ کا نائب بنا تھا وہ سمندر میں ایک جزیرہ میں آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو اس کے پاس بھیجا انہوں نے کہا: ہم اس پر قادر نہیں لیکن وہ ہفتہ میں ایک روز جزیرہ کے ایک چشمہ پر آتا ہے ہم اس پر قابو نہیں پاسکتے جب تک وہ نشے میں نہ ہو کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پانی نکلوایا اور اس میں شراب ڈال دی وہ اس چشمہ پر آنے والے دن اس پر آیا تو اس میں شراب تھی اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو عمدہ مشروب ہے مگر تو حلیم کو جوش دلاتی ہے، جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے پھر اسے شدید پیاس لگی پھر وہ اسی چشمہ کے پاس آیا اور اسی جیسی گفتگو کی پھر اسے پیا تو شراب اس کی عقل پر غالب آگئی ان شیاطین نے اسے انگوٹھی دکھائی تو اس نے کہا: ہر حکم سنوں گا اور اطاعت بھی کروں گا۔ وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے آپ نے اسے جکڑ دیا اور ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ دھوئیں کا پہاڑ ہے انہوں نے کہا: وہ دھواں جو تم دیکھتے ہو یہ اس کی سانسیں ہیں اور وہ پانی جو اس پہاڑ سے نکلتا ہے وہ اس کا پیشاب ہے۔

مجاہد نے کہا: اس شیطان کا نام آصف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا نام حقیق ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیطان انبیاء کی صورت نہیں اپنا سکتا، پھر یہ بھی محال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے لوگوں پر شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت اپنا کر معاملہ خلط ملط کر دے یہاں تک کہ وہ اسے یہ گمان کریں کہ یہ نبی برحق ہے اور وہ شیطان کے ساتھ ملکر باطل کام شروع کر دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد سے مراد بچہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا جب وہ پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو گئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو ہم اسکی غلامی اور تسخیر سے آزاد نہ ہونگے آؤ ہم اس کے بیٹے کو قتل کر دیں یا اسے بگاڑ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہو گیا آپ نے ہوا کو حکم دیا تو وہ بچے کو بادلوں میں لے گئی ان کا بیٹا شیاطین کے خوف سے بادلوں میں رہا تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے خوفزدہ ہونے کی بنا پر آپ کو سزا دی آپ نے محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آپ کے تخت پر مردہ پڑا ہوا تھا؛ یہ معنی شعبی نے بیان کیا ہے یہی وہ جسد ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے

وَالْقَيْنَاعِلٰی كُنْ سِوْہٖ جَسَدًا مِّنْ بِيَانِ كَمَا هُوَ۔

نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے: اکثر لونڈیاں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لیے وطی کی تھی کہ ان سے اولاد ہوگی تو آپ کا آدھے جسم والا بچہ پیدا ہوا تو اس کی حیثیت اس جسم والی تھی جسکو آپ کے تخت پر پھینک دیا گیا ہو۔ دائی اسے لائی تھی اور اس نے وہاں پھینک دیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ان میں سے ہر ایک شاہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا آپ کے مصاحب نے کہا: ان شاء اللہ کہو تو آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، آپ نے رات کے وقت اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا تو ایک عورت کے سوا کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ لائی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے!

اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب شاہسوار کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے“ (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جسد سے مراد آصف بن برخیا صدیق تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا گیا تو انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر پڑی اس میں آپ کی بادشاہت تھی آپ نے دوبارہ اسے اپنے ہاتھ میں ڈالا تو وہ پھر گر پڑی تو آپ کو آزمائش کا یقین ہو گیا۔ آصف بن برخیا نے آپ سے عرض کی: آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اس لیے وہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ٹھہرتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہونے کی حیثیت سے رجوع کرو میں تیری حکومت میں تیرے قائم مقام رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے۔ آپ کی آزمائش کے چودہ دور ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ آصف بن برخیا نے انگوٹھی لے لی اسے اپنے ہاتھ میں رکھا تو وہ وہاں ٹھہر گئی ان کے پاس کتاب کا علم تھا آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اور آپ کے عیال میں قائم مقام رہے جیسی چال حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی ایسی چال چلتے اور جو عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا ایسا ہی عمل آصف کا ہوتا یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھر توبہ تائب ہو کر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انہیں لوٹا دیا۔ آصف بن برخیا آپ کی مجلس میں رہے آپ کی کرسی پر بیٹھے اور انگوٹھی اپنے ہاتھ میں رکھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا، اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ محض ایک جسم کی حیثیت سے ہو گئے ایک کمزور مریض کی یوں صفت بیان کی جاتی ہے: کالجسد الملق۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی اور آپ کا ملک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتیں پھر انسانوں میں سے معززین حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کے قریب بیٹھ جاتے پھر جنوں میں سے معززین آتے تو وہ انسانوں کے قریب بیٹھ جاتے پھر پرندے آتے جو ان کو سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو بلاتے جو ان سب کو اٹھا لیتی وہ ایک دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ وہب، کعب اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے باپ کے بعد حاکم بنے تو آپ نے کرسی بنانے کا حکم دیا تا کہ فیصلہ کرنے کے لیے اس پر بیٹھیں اور یہ حکم دیا کہ ایسے خوفناک انداز میں بنایا جائے کہ جب باطل پرست یا جھوٹا گواہ اسے دیکھے تو کانپ جائے اور خوف زدہ ہو جائے آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کرسی کو ہاتھی کے دانتوں سے بنایا جائے جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے نگینے جڑے ہوئے ہوں اسے سونے کے بنے چار درختوں سے گھیرا گیا ہو اسے سونے کی بنی چار کھجوروں کے ساتھ گھیرا گیا جس کی ٹہنیاں سرخ یا قوت اور سبز زبرجد کی تھیں دو کھجوروں کے سروں پر سونے کے دو مور تھے اور دو کھجوروں کے سروں پر سونے کی دو گدھیں تھیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے کرسی بنانے والوں نے کرسی کی دونوں جانب سونے کے دو شیر بنائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے سر پر سبز زبرجد کا ستون تھا، انہوں نے کھجوروں

کے درختوں پر سرخ سونے کی بیلین جوڑ دیں ان کے گچھے سرخ یا قوت کے تھے اس طرح ان بیلوں نے کھجوروں اور کرسی کو راہ کیا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے تو اس کے نیچے والے زینہ پر اپنے دونوں قدم رکھتے تو کرسی اتنی تیزی سے گھوم جاتی جس طرح تیز چکی گھومتی ہے وہ گدھیں اور مور اپنے پر پھیلا دیتے دونوں شیر اپنے ہاتھ پھیلا لیتے اور اپنی دیمیں زمین پر مارتے، جس زینے پر بھی آپ چڑھتے یہ چیزیں اسی طرح کا ہی عمل کرتیں جب اس کے آخری زینے پر بیٹھ جاتے تو وہ دونوں گدھیں جو کھجور کے درختوں کے اوپر ہوتیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج پکڑتیں اور اسے آپ کے سر پر رکھ دیتیں پھر کرسی گھوم جاتی اسی کے ساتھ دونوں گدھیں، دونوں مور اور دونوں شیر اپنے سروں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھکاتے ہوئے گھوم جاتے اور اپنے پیٹوں سے کستوری اور عنبر کو چھڑکتے پھر وہ کبوتری جو سونے کی بنی ہوئی تھی جو کرسی کے اوپر موتیوں اور جواہرات سے بنے ستونوں پر ہوتی تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پکڑاتی حضرت سلیمان علیہ السلام اسے کھولتے اسے لوگوں پر پڑھتے اور لوگوں کو فیصلہ کی طرف دعوت دیتے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: بنی اسرائیل کے علماء سونے کی بنی کرسیوں پر بیٹھتے جن پر جواہرات جڑھے ہوتے یہ آپ کی دائیں جانب ہزار کرسیاں تھیں اور جنوں کے معززین چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے جو ہزار کرسیاں تھیں پھر پرندے انہیں سایہ کرتے ہوئے گھیر لیتے لوگ فیصلوں کے لیے آگے بڑھتے جب گواہ گواہیوں کے لیے آگے بڑھتے تو کرسی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ تیز چکی کے گھومنے کے ساتھ گھوم جاتی دونوں شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا لیتے اور اپنی دیمیں زمین پر مارتے دونوں گدھیں اور دونوں مور اپنے پروں کو پھیلا لیتے گواہ ڈر جاتے اور حق بات کی گواہی دیتے وہ چیز جو اس کی کرسی کو گھماتی وہ سونے کی بنی چھلی تھی وہ کرسی اس پر تھی۔ صخر جنی نے جو آپ کے لیے چیزیں بنائی تھیں ان میں سے یہ ایک عظیم چیز تھی۔

جب کرسی کے گھومنے کا احساس ان گدھوں، شیروں اور موروں کو ہوتا جو کرسی کے اوپر سے نیچے تک تھے تو وہ سب چیزیں گھوم جاتیں جب ٹھہرتیں تو سب چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر ٹھہر جاتیں جبکہ آپ بیٹھے ہوتے پھر ان کے پیٹوں میں مشک اور عنبر میں سے جو ہوتا انہیں آپ پر نچھاور کرتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بخت نصر نے آدمی بھیجے جو کرسی کو لے آئے جب اسے انطاکیہ لے جایا گیا اس نے ارادہ کیا کہ اس پر چڑھے اسے یہ علم نہیں تھا کیسے اس پر چڑھنا ہے جب اس نے ایک قدم اس پر رکھا تو شیر نے اس کے پاؤں پر ضرب لگا دی اور اسے توڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھتے تو دونوں قدم رکھتے بخت نصر مر گیا اور کرسی بیت المقدس کی طرف واپس کر دی گئی کوئی بادشاہ اس پر نہ بیٹھ۔ کا لیکن کوئی اس کے انجام سے بھی آگاہ نہیں ممکن ہے اسے آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا ہو۔

ثُمَّ أَنَابَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي یعنی میرے گناہ بخش دو، وَ هَبْ لِي مَلِكًا لَا يَتَّبِعُنِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے دنیا کو طلب کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی، اس سے ناراضگی کی اور اپنی بارگاہ میں اسے حقیر جانا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: علماء کے نزدیک یہ طلب اس پر محمول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے، ملک کے امور

اجھے انداز میں چلائیں گے، مخلوقات کی منازل کو ترتیب سے رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کریں گے، اس کی رسوم کی حفاظت کریں گے، اس کے شعائر کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت ظاہر کریں گے، اس کی اطاعت کو لازم پکڑیں گے جو حکم اس پر نافذ ہوگا، اس کے قانون کو منظم کریں گے، وعدوں کو ثابت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جسے مخلوقات میں سے کوئی نہیں جانتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے سامنے تصریح کی ہے: **إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** (البقرہ)

حاشا وکلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال محض دنیا کی طلب کے لیے ہو کیونکہ آپ اور انبیاء تمام مخلوقات پر زیادہ زاہد ہوتے ہیں آپ نے مملکت کا سوال محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی تباہی اور ہلاکت کا سوال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا دونوں سوال پسندیدہ تھے اور دونوں مقبول ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عرضداشت مقبول ہوئی تو جو بھی روئے زمین پر تھا اسے ہلاک کر دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مملکت عطا کر دی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تمام بندوں میں سے صرف آپ ہی ان امور کو چلا سکتے ہیں یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کہیں: **عَظِيمٌ مَلِكٌ تَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ** تو کہا: **لَا يَكْفِيكَ إِلَّا حَقٌّ بَعْدَ مَعْنَى** اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: **هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی بھی آدمی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بار ہے مگر حضرت سلیمان بن داؤد کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذَا عَطَاؤُنَا**۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس کو رد کر دیتی ہے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ جنت میں تمام انبیاء کرام میں سے سب سے آخر میں داخل ہونے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ دنیا میں ان کو بادشاہت ملی۔ بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام انبیاء کے جنت میں داخل ہونے کے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہوئے ان سے صاحب قوت نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی روایت ہے جس کی اصل نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ** تو اس پر کوئی بوجھ نہیں کیونکہ یہ بطریق احسان انہیں نصیب ہوئی ہے تو پھر وہ کیسے جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوئے جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَإِنْ لَهُ عُنْدَنَا لَكْرُؤْفَىٰ وَحُسْنُ مَآبٍ** صحیح میں ہے **لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مَسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلْ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ** ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے تو ان کے سوال سے پہلے ہی پوری کی جانے والی حاجت بنا دی گئی اس وجہ سے ان پر اس کا کوئی بوجھ نہیں۔

لَا يَكْفِيكَ إِلَّا حَقٌّ بَعْدَ مَعْنَى کا معنی ہے میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا سوال کرے گویا انہوں نے ایسا سوال کیا جس کا سوال بعد میں ممنوع قرار دیا گیا یہاں تک کہ کسی کی امید اس کے ساتھ متعلق نہ ہوئی اور قبولیت کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اس نے اس کا سوال بھی نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: ان کا بادشاہت کا سوال کرنا آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں ظاہر و عیاں رہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں ایک سبقت موجود ہے ہر

ایک پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے خصوصیت ہو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر استدلال کیا جاسکے یہی وجہ ہے جب نبی کریم ﷺ نے عفریت کو پکڑا جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی نماز کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ نے اس عفریت پر آپ کو قدرت بھی دے دی تو حضور ﷺ نے اسے باندھنے کا ارادہ کیا پھر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (1) تو حضور ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کسی کو یہ حکومت عطا کی جاتی تو خصوصیت ختم ہو جاتی گو یا حضور ﷺ نے اس خصوصیت میں مزاحمت کو ناپسند کیا اس کے بعد کہ آپ نے اس چیز کو جان لیا تھا کہ یہی وجہ ہے جو آپ کی خصوصیت ہے کہ شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے ایسی حکومت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الزَّيْتُونَ تَجْرِبًا بِأَمْرِهِ مُخَافَةً رِخَاءَ كَامَعْنَى هُزْمَ جَبْهَةِ اس میں قوت اور شدت موجود ہے یہاں تک کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہوا آپ کی چھاؤنی، آپ کے لشکروں اور آپ کے تخت کو اٹھا لیتی تھی جس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا تخت فرسخ در فرسخ تھا اس میں سو (100) درجے تھے جو ایک کے اوپر نیچے تھے ہر درجہ میں ایک قسم کے لوگ ہوتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے اوپر والے درجہ میں اپنی عورتوں اور خدام کے ساتھ رہتے تھے۔

ابونعیم حافظ نے ذکر کیا ہے احمد بن جعفر، عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے وہ احمد بن ایوب وہ ابو بکر بن عیاش سے وہ ادریس بن وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سو کمرے تھے ان میں سے سب سے اونچا شیشے کا تھا اور سب سے نچلے والا لوہے کا تھا، ایک روز آپ ہوا کے دوش پر سوار ہوئے تو آپ ایک کسان کے پاس سے گذرے تو کسان نے ان کی طرف دیکھا تو کہا: آل داؤد کو عظیم بادشاہت دی گئی ہے، ہوانے اس کی گفتگو سن لی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالی آپ اترے یہاں تک کہ اس کسان کے پاس آئے فرمایا: میں نے تیری بات سنی ہے میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں تاکہ تو اس چیز کی تمنا نہ کرے جس پر تو قادر نہیں تیرا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول کر لے اس حکومت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی ہے، کسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے غم کو دور کرے تو نے میرے غم کو دور کیا ہے۔

حَيْثُ أَصَابَ ① اصاب کا معنی ارادہ کیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے عرب کہتے ہیں: اصاب الصواب و اخطأ الجواب (2)۔ صحیح کا ارادہ کیا اور جواب میں غلطی کی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

أَصَابَ الْكَلَامَ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَخْطَأَ الْجَوَابَ لَدَى الْمَفْصَلِ

اس نے گفتگو کا ارادہ کیا تو اس نے طاقت نہ رکھی اس نے فیصلہ کے وقت جواب میں غلطی کی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حمیر کی لغت میں اصاب کا معنی ارادہ ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ہجرت کی زبان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: حَيْثُ أَصَابَ كَمَا مَعْنَى هِيَ حِينَ مَقْصَدِيهِ أَمَلٌ فِي إِصَابَةِ السُّهُمِ الْغَرَضُ الْمَقْصُودُ مِنْ مَّا خُوِذَ مِنْ حَيْرَاتِ رِغْثٍ بِرِجَالِكَا۔

وَالشَّيْطَانُ كُلُّ مَنَاءٍ وَذَعَاوِصٍ ۝ یعنی ہم نے اس کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا (1) جبکہ اس سے قبل کسی کے لیے یہ مسخر نہ تھے کُلُّ مَنَاءٍ یہ شیاطین سے بدل ہیں اصل کلام یوں ہے کُلُّ مَنَاءٍ مِنْهُمْ وہ اس کے لیے وہ چیز بناتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

إِلْسَلَيْتَانِ إِذْ قَالَ إِلَهَهُ لَهْ قُمْ فِي الْبَرِّيَةِ فَاخْذُذْهَا عَنِ الْفَنْدِ
وَخَيْسِ الْجِنَّ إِنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ يَبْنُونَ تَدْمُرَ بِالضَّفَاكِ وَالْعُمْدِ

مگر سلیمان علیہ السلام، جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: جنگل میں کھڑے ہو جاؤ، اسے خطا سے پاک کر دو، جنوں کو ذلیل و رسوا کر دو میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ باریک پتلے پتھروں اور ستونوں کے ساتھ عمارتیں بنائیں گے۔ ذَعَاوِصِ وہ سمندروں سے ان کے لیے موتی نکالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص تھے جن کے لیے سمندر سے موتی نکالے گئے۔ اٰخَرَيْنِ مُقَرَّنَيْنِ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ہم نے ان کے لیے سرکش شیاطین کو مسخر کیا یہاں تک کہ آپ نے لوہے کی زنجیروں اور بیڑیوں میں انہیں جکڑ دیا؛ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد طوق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کرسیاں ہیں؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَأَبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالنَّبَايَا وَأَبْنَا بِالْمَلُوكِ مُصَفِّدِينَ

وہ چھینے ہوئے مال، قیدیوں کے ساتھ لوٹے اور ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

یعنی بن سلام نے کہا: آپ یہ معاملہ ان کے کفار کے ساتھ کرتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تو آپ انہیں آزاد چھوڑ دیتے انہیں اپنا مطیع نہیں بناتے۔

هَذَا عَطَاؤُنَا مِنْ اِسْمِ اِسْتِوَاہِ سے مراد بادشاہت ہے، یہ بادشاہت ہماری عطا ہے جسے چاہیں آپ عطا کریں اور جسے چاہیں نہ دیں آپ پر کوئی حساب نہیں۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے، حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس پر بھی جو نعمت کی ہے اس پر اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بوجھ ہوگا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اُصْبِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قتادہ نے کہا: اسم اشارہ سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنے پر قوت ہے آپ کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں آپ کی پشت میں سو آدمیوں کی قوت تھی؛ یہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ اسی کی ہم معنی روایت بخاری میں موجود ہے۔ اس تاویل کی بنا پر فَاْمُنَّنْ مَنِ سے مشتق ہوگا (2) یہ کہا جاتا ہے: اَمْنِيْ يَنْبِيْ، مَنِ يَنْبِيْ دُونِ لَغْتِيْ ہیں جب تو امني سے امر کا صیغہ بنائے گا تو تو کہے گا اَمِنٌ اور مَنِ يَنْبِيْ کا صیغہ اَمِنٌ ہوگا جب تو فعل کے نون کے ساتھ نون خفیہ لائے تو کہے گا اَمِنٌ۔

جو احسان کی طرف گیا ہے اس نے کہا: یہ مَنٌ علیہ سے مشتق ہے، جب وہ اس سے امر کا صیغہ بنائے گا تو دونوں نونوں کو ظاہر

کرے گا کیونکہ یہ مضاعف ہے تو اس نے کہا: اُمَّنُّنْ حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے شیاطین کو مسخر کیا گیا جس کے حق میں آپ چاہیں اسے آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں اور جس کے بارے میں چاہیں آپ اسے روک رکھیں؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کی تعبیر یہ ہے اپنی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہو حقوق زوجیت ادا کرو اور جس کے بارے میں چاہو اس کے ساتھ حقوق زوجیت سے رکے رہو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآءٍ ۖ ۝ یعنی اگر ہم نے ان پر دنیا میں انعام کیا ہے تو اس کے لیے آخرت میں بھی قربت اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہوگی۔

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُوبَ ۚ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۗ ۝

أُرَاكُضُ بِرَجْلِكَ ۖ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۗ ۝ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمُ

مَعَهُمْ رَاحِمَةً مِّنَّا وَإِذْ كَرُمِي لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ ۝

”اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ اور پینے کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے۔“

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُوبَ ۚ یہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مشکلات میں صبر پر ان کی اقتدا کریں ایوب یہ عبدنا سے

بدل ہے۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۗ عیسیٰ بن عمر نے ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء

نے کہا: قراء نے بِنُصْبٍ پر اتفاق کیا ہے یعنی نون مضموم اور صاد ساکن ہے شد نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کے بعد

مناقض ہے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے کہا: قراء نے اس پر اجماع کیا اس کے بعد یہ حکایت کی کہ قراء نے یزید بن عقیق

سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بِنُصْبٍ پڑھا ہے اور ابو جعفر کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، ابو جعفر نے

بِنُصْبٍ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور دوسرے قراء نے اسی طرح بیان کیا ہے؛ حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے جہاں تک

بِنُصْبٍ کا تعلق ہے یہ عاصم جمہری اور یعقوب حضری کی قراءت ہے؛ حضرت حسن بصری سے بھی یہی قراءت مروی ہے

بِنُصْبٍ ابو جعفر سے بھی مروی ہے۔ اکثر نحو یوں کے نزدیک یہ سب نَصْب کے معنی میں ہیں نَصْب اور نَصَب، حُنْ اور حَزْن کی

طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نَصْب، نَصَب کی جمع ہو جس طرح وَثْن کی جمع وَثْن آتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نَصْب، نَصَب

کے معنی میں ہو اس سے ضمہ حذف ہے جہاں تک وَمَا ذُكِرَ عَلَيْهِ مِنَ النُّصَبِ (المائدہ: 3) کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ

نصاب کی جمع ہے۔ ابو عبید اور دوسرے علماء نے کہا: نَصْب کا معنی شر اور آزمائش ہے اور نَصَب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اس آیت سے مراد ہے شیطان جو دوسرے لاحق کرتا ہے اس نے مجھے وہی پہنچایا ہے

کوئی اور چیز اس نے مجھے لاحق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ نوح اس نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نصب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن کو لاحق ہو اور عذاب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے مال کو لاحق ہو اس میں حقیقت سے بعید بات ہے۔

مفسرین نے کہا: ایوب رومی تھے یہ بثنیہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی؛ یہ واقدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے لیے جن لیا ان کے پاس مال اور اولاد کی کثرت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے والے تھے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہمدردی کرتے، نیک، رحم دل تھے۔ تین افراد کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا۔ دنوں میں ایک دن ابلیس کے لیے ساتویں آسمان میں ٹھہرنے کا موقع بنا ابلیس اپنی عادت کے مطابق وہاں بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا یا اسے کہا گیا: کیا تو میرے بندے ایوب پر کوئی قدرت رکھتا ہے؟ ابلیس نے عرض کی اے میرے رب! میں اس پر کس طرح قادر ہو سکتا ہوں جبکہ تو نے اسے مال اور عافیت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا ہے اگر تو نے آزمائش اور فقر کے ذریعے آزمائے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے واپس لے لے تو وہ اپنی حالت سے بدل جائے گا اور تیری اطاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے اہل اور مال پر تسلط دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن آسمان سے نیچے اتر اس نے جنوں میں سے سرکش جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سب کچھ بتایا، ان میں سے ایک نے کہا: میں ایک بگولہ بنوں گا جس میں آگ ہوگی تو میں اس کا مال ہلاک کر دوں گا وہ حضرت ایوب کی خدمت میں مال کے منتظم کی صورت میں آیا اور اس کے مال پر جو کچھ واقع ہوا تھا وہ سب بتایا تو حضرت ایوب نے کہا: الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہی مال عطا کیا ہے اور اسی نے مال روک لیا ہے۔ پھر وہ آپ کے اس محل میں آیا جہاں آپ کے گھر والے اور آپ کی اولاد تھی اس نے محل کو اطراف سے اٹھایا اور اسے آپ کے اہل و اولاد پر دے مارا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو حضرت ایوب نے مٹی اپنے سر پر ڈالی ابلیس آسمان کی طرف چڑھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کی توبہ اس سے سبقت لے جا چکی تھی۔

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس کے بدن پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اس کے بدن پر مسلط کیا مگر اس کی زبان، اس کے دل اور اس کی آنکھ پر تسلط عطا نہیں کیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایک پھونک ماری جس کی وجہ سے آپ کا جسم جل گیا تو آپ کے جسم میں سے نکل آئے آپ نے انہیں اپنے ناخنوں سے رگڑا یہاں تک کہ ان سے خون نکلنے لگا پھر ٹھیکری کے ساتھ ملا تو آپ کا گوشت گر گیا اسی موقع پر کہا تھا: مَسْنَى الشَّيْطَانِ پینٹ کے اندر تک کوئی بیماری نہ پہنچی کیونکہ نفس کی بقاء پیٹ کے اندرونی حصہ سے ہوا کرتی ہے آپ کھاتے اور پیتے آپ تین سال تک اسی طرح رہے جب حضرت ایوب علیہ السلام اس پر غالب آگئے تو وہ آپ کی بیوی کے پاس آیا انسانوں میں سے خوبصورت ترین اور معزز ترین فرد کی صورت میں آیا اس نے آپ کی بیوی سے کہا: میں زمین کا معبود ہوں، میں نے ہی تیرے خاوند کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اگر تو مجھے ایک سجدہ کر دے تو میں اس کے اہل اور اس کا مال اس کی طرف لوٹا دوں گا جبکہ وہ سب میرے پاس ہیں اسی شیطان نے وہ تمام چیزیں ایک وادی میں آپ کی بیوی کے سامنے کر دیں اس عورت نے وہ تمام باتیں حضرت

ایوب کو بتائیں تو حضرت ایوب نے قسم اٹھائی اگر وہ صحت مند ہوئے تو ضرور اس بیوی کو ماریں گے۔ مفسرین نے ان کی آزمائش کے سبب، اپنے رب کی طرف مراجعت، اس مصیبت سے چھٹکارا جو مصیبت ان پر واقع ہوئی تھی اور وہ تین افراد جو آپ پر ایمان لائے جنہوں نے آپ کو اس سے منع کیا تھا اور آپ پر اعتراض کیا تھا پر طویل گفتگو کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک مظلوم نے آپ سے مدد طلب کی تھی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دن آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا تو آپ نے ایک فقیر کو داخل ہونے سے روک دیا اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ ایک بادشاہ سے برسر پیکار تھے جبکہ آپ کے ریوڑ اس کی مملکت میں تھے تو اس ریوڑ کی وجہ سے اس کے ساتھ غزوہ کو ترک کر کے اس کے ساتھ زری کی تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ آپ کی بیوی سے مرض کے پھیل جانے سے دور رہتے وہ کہتے: ہم عدوی سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی بیوی سے نفرت کرتے اسی وجہ سے فرمایا: مَسْنَى الشَّيْطَانِ آپ کی بیوی لیا بنت یعقوب تھی۔ حضرت ایوب، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں تھے ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ایوب کی بیوی رحمہ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام تھی؛ ان دونوں قولوں کو طبری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مفسرین نے جو یہ کہا کہ ابلیس کا سال میں ایک دن ساتویں آسمان میں بیٹھنے کی جگہ تھی تو یہ قول باطل ہے کیونکہ شیطان کو زمین کی طرف لعنت اور ناراضگی کے ساتھ اتارا گیا تو وہ محل رضا کی طرف کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ انبیاء کے مقامات میں کیسے گھوم پھر سکتا تھا؟ وہ آسمانوں کو پھاڑتا تو انبیاء کی منازل کی طرف ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوتا اور حضرت خلیل کی جگہ جا کر ٹھہرتا بے شک یہ بہت بڑی غلطی ہے اور جہالت کی پیداوار ہے۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے مال اور اس کی اولاد پر تسلط عطا کر دیا ہے یہ قدرت میں ممکن ہے لیکن اس قصہ میں بعید ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ شیطان نے آپ کے جسم میں پھونک ماری جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان کے جسم پر غلبہ دیا یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو پیدا فرمائے جبکہ شیطان کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو یہاں تک کہ شیطان کی اس بات سے آنکھ ٹھنڈی ہو کہ اسے انبیاء کے اموال، ان کے اہل اور ان کی ذاتوں میں قدرت حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ شیطان نے آپ کی زوجہ سے یہ بات کی کہ وہ زمین کا الہ ہے اگر تو اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور تو مجھے سجدہ کرے تو میں اسے درست کر دوں گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر وہ تم میں سے کسی کے سامنے آئے جبکہ اس انسان کو درد ہو اور شیطان سے یہ بات کرے تو اس کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس کا زمین میں ایک خدا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ شیطان کو سجدہ کرے اور شیطان اسے مصیبت سے عافیت دلائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کی زوجہ اس سے شک میں مبتلا ہو؟ اگر چہ وہ دیہاتی بیوی ہو یا کم عقل بربری عورت ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

جہاں تک شیطان کے اس معاملہ کا تعلق ہے کہ اس نے حضرت ایوب کی بیوی کے لیے اموال اور ان کے اہل کو ایک

وادی میں مثالی صورت میں پیش کیے ابلیس کسی حال میں بھی اس پر قادر نہیں نہ ہی وہ جادو کے طریقہ پر ایسا کر سکتا ہے ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جنس سے تھا۔ اگر یہ تصور کیا جائے تو آپ کی بیوی پہچان جاتی کہ یہ جادو ہے جس طرح ہم جان لیتے ہیں جبکہ وہ ہماری نسبت اس بارے میں زیادہ پہچان رکھتی تھی کیونکہ جادو، اس کے بارے میں گفتگو، لوگوں کے درمیان اس کے جاری ہونے اور اس کی تصویر کشی سے کوئی زمانہ آج تک خالی نہیں رہا۔

قاضی نے کہا: جس چیز نے ان اقوال پر جری کر دیا ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ گفتگو کی وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَلَيْسَ لِي مَسْنَى الشَّيْطَانِ بِضَبِّ وَعَذَابٍ** ① جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شیطان کے مس کرنے کی شکایت کی تو انہوں نے اپنی رائے سے ان چیزوں کو ملا دیا جن اقوال کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جبکہ معاملہ اس طرح کا نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے جبکہ تمام افعال اچھے ہوں یا برے ہوں ایمان ہو یا کفر، اطاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں اور ان کے علاوہ چیزوں کی تخلیق میں بھی کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں لیکن شرک ذکر میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا اگرچہ خلق میں اسی سے موجود ہے یہ بطور ادب ہے جس کی بطور ادب ہمیں تعلیم دی گئی اور بطور حمد جو ہمیں سکھایا گیا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد اسی معنی میں ہے: **والخبيث لي يديك والشايس اليك**۔ اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے: **وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي** ② (الشعراء) نوجوان نے حضرت کلیم سے یہ کہا تھا: **وَمَا أَنَسْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ** (الکہف: 63)

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ ایک مظلوم نے مدد طلب کی تو آپ نے اس کی مدد نہ کی کون ہمارے لیے اس قول کی صحت کو ثابت کرے گا یہ امر اس سے خالی نہ ہوگا کہ آپ اس کی مدد پر قادر تھے تو کسی کے لیے بھی اس کو ترک کرنا حلال نہیں پس اس پر ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے نافرمانی کی جبکہ حضرت ایوب علیہ السلام اس سے منزہ تھے یا وہ مدد کرنے سے عاجز تھے تو پھر اس وجہ سے ان پر کوئی قدغن نہ ہوئی اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ آپ نے فقیر کو داخل ہونے سے روکا تھا اگر آپ کو علم ہوتا تو یہ ان کے بارے میں کہنا باطل ہے اگر جانتے ہی نہ تھے تو ان پر کوئی قدغن نہیں۔

جہاں تک یہ کہنا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی وجہ سے کافر بادشاہ سے نرمی کی تھی تو تو داہن کا لفظ نہ کہہ بلکہ داری کا لفظ کہہ۔ کافر اور ظالم کو نفس اور مال سے مال کے ذریعے دور کرنا جائز ہے ہاں اچھی گفتگو سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

ابن عربی قاضی ابوبکر نے کہا: حضرت ایوب کے بارے میں کچھ ثابت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو آیات میں جو خبر دی ہے: **وَإِذْ نَادَى رَبَّهُ أَلَيْسَ لِي مَسْنَى الطُّرِّ** (الانبیاء: 83) دوسری سورت میں ہے: **أَلَيْسَ الشَّيْطَانُ بِضَبِّ وَعَذَابٍ** ③

جہاں تک نبی کریم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ سے کوئی چیز صحیح سند کے ثابت نہیں مگر یہ قول ملتا ہے بینا ایوب یغتسل **إِذْ خَرَّ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ (1)**۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں آپ سے نہ قرآن اور نہ حدیث سے کوئی چیز ثابت ہے مگر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ کون ہے جو سامع تک اپنی خبر پہنچا دیتا ہے یا کس زبان سے اس نے یہ بات سنی ہے۔ علماء کے نزدیک اسرائیلی روایات قطعی طور پر ترک کر دی گئی ہیں ان کی تحریروں سے اپنی نظر کو دور رکھو اور ان کو سننے سے اپنے کانوں کو بند رکھو کیونکہ اسرائیلیات تجھے صرف خیال عطا کریں گی اور تیرے دل میں سوائے فساد کے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں گی۔

صحیح میں ہے جبکہ الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے سوال کرتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل کی گئی یہ اللہ تعالیٰ کی خبریں دینے میں سے سب سے نئی ہے تم اسے خالص پڑھتے ہو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں اس نے تمہارے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کی ہے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور کہا: هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (البقرہ: 79)

تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے نہیں روکتا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں سے کسی ایک آدی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو تم پر نازل ہوا جبکہ موطا کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو عجیب جانا کہ حضرت عمر تورات کی قراءت کر رہے تھے۔

أُرْكَضُ بِرُجْلِكَ، رُكْضٌ سے مراد ہے پاؤں سے دھکیلنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رُكْضُ الدَّابَّةِ وَرُكْضُ ثَوْبَةٍ بِرُجْلِهِ اس نے جانور کو پاؤں مارا۔ اس نے کپڑے کو اپنے پاؤں سے پرے کیا۔ مبرد نے کہا: رُكْضٌ کا معنی حرکت دینا ہے اسی وجہ سے اسمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے رُكْضُ الدَّابَّةِ یہ نہیں کہا جاتا: رُكْضٌ ہی کیونکہ رُكْضٌ کا معنی ہے سوار کا اپنی ٹانگوں کو حرکت دینا۔ اس سواری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

سبب یہ ہے کہ: رُكْضُ الدَّابَّةِ فَرُكْضٌ جس طرح یہ جملہ ہے جَبْرُثُ الْعِظَمِ فَجَبْرُ حَزْنَتِهِ فَحَزْنٌ مِّنْ سَوَارِي كُو حَرَكْتُ دِي تُو اس نے حرکت کی میں نے ہڈی کو جوڑا تو وہ جڑ گئی، میں نے اسے غمگین کیا تو وہ غمگین ہو گیا؛ کلام میں اضمار ہے یعنی ہم نے کہا: أُرْكَضُ یہ کسائی کا قول ہے۔

هَذَا مُغْتَسَلٌ بِأَيِّدٍ وَشَرَابٌ ① یہ اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا کر دی۔ حضرت ایوب نے پاؤں مارا تو اسکی وجہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو آپ نے اس سے غسل کیا تو ظاہر سے بیماری چلی گئی پھر آپ نے اس سے پانی پیا تو باطن سے بھی بیماری رفع ہو گئی۔ قتادہ نے کہا: یہ دونوں شام کی سرزمین میں دو چشمے ہیں جس سرزمین کو جابہ کہتے ہیں آپ نے ان میں سے ایک سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر سے بیماری کو دور کر دیا اور دوسرے چشمے سے پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن سے بیماری کو دور کر دیا (1)؛ اسی کی مثل حضرت حسن بصری اور مقاتل سے مروی ہے کہ مقاتل نے کہا: گرم چشمہ پھوٹ پڑا آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا تو صحیح و سالم وہاں سے نکلے پھر دوسرا چشمہ پھوٹا تو آپ نے اس سے میٹھا پانی پیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ آپ کے جسم میں جو بھی بیماری ہے وہ جھڑ جائے۔

مغتسل سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے؛ یہ قسمی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں غسل کیا جاتا ہے۔ مقال کا قول ہے جوہری نے کہا: اغتسلت بالساء، غسول اس پانی کو کہتے ہیں جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح مغتسل بھی وہ پانی ہے جس کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے مغسل اور مغسل مردوں کے غسل کی جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع مغاسل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کتنا عرصہ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام نے سات سال تک بیماری پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے بخضر کو عذاب دیا گیا اور سات سال تک اسے درندوں میں محبوس کیا گیا؛ یہ ابو نعیم نے ذکر کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: دس سال تک آپ کی بیماری رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آٹھ سال تک آپ کی بیماری رہی؛ اسے حضرت انس نے مرفوع نقل کیا ہے جسے ماوردی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے۔ یونس بن یزید، عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام اور انہیں جو آزمائش آئی اس کا ذکر کیا اور یہ ذکر کیا کہ آزمائش جو آپ کو پہنچی تھی وہ اٹھارہ سال تک رہی، قشیری نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عرصہ چالیس سال تھا۔
وَوَهْمَنَالَةَ اَهْلُهُ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ اَسْ کے بارے گفتگو سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے۔ رحمة سے مراد نعمت ہے؛ یہ دانشمندیوں کے لیے عبرت ہے۔

وَ خُذْ بِيَدِكَ ضَعْفًا فَاصْرَبْ بِهِ وَلَا تَحْتَسِبْ اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ
اِنَّهٗ اَدَابٌ ۝

”اور حکم ملا پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بڑا خوبوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔“
اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے بارے میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے اس کے سبب کے بارے میں چار اقوال ہیں: (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی صورت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج معالجہ کے لیے اسے دعوت دی تو ابلیس نے کہا: میں اس کا اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب وہ صحت مند ہو جائے تو وہ یہ کہے: تو نے مجھے شفا دی ہے، اس کے سوا میں اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا بیوی نے کہا: ٹھیک ہے بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام

سے مشورہ کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ میں ضرور اسے ماروں گا فرمایا: تو ہلاک ہو وہ تو شیطان تھا۔

2۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا: پہلے جتنی روٹیاں وہ لاتی تھی اس سے زائد وہ روٹیاں لائی تو آپ کو اس کی خیانت کا خوف ہوا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ وہ ضرور اسے ماریں گے۔

3۔ جو یحییٰ بن سلام اور دوسرے علماء نے کہا ہے: شیطان نے اسے گمراہ کیا کہ وہ حضرت ایوب کو مجبور کرے کہ وہ ایک بکری کا بچہ اس کی عبادت کے طور پر ذبح کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے، بیوی نے اس کا ذکر ان سے کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ اگر وہ صحت مند ہو گئے تو اسے سو کوڑے ماریں گے۔

4۔ اس نے اپنی مینڈھیاں دو روٹیوں کے عوض بیچیں جب اس نے کوئی چیز نہ پائی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس لے جائے حضرت ایوب علیہ السلام جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو وہ ان مینڈھیوں کا سہارا لیتے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مارنے کی قسم اٹھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تو اسے حکم دیا کہ ایک گھٹالیں اور اس کے ساتھ ماریں۔ آپ نے چھوٹی ٹہنیاں لیں ان کی تعداد سو پوری کی اور اسے ایک ہی دفعہ مارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضعف سے مراد گھاس کا مٹھا ہے جس میں تر اور خشک تنکے ملے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ٹہنی جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس بات کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے غلطی کی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کھجوروں کے گچھے سے ماریں؛ یہ حدود میں جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ وہ حد ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو نہ ماریں اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو مارے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **وَاصْرِبْ بَوْنِ فَزْرًا غَيْرَ مُبْرَجٍ** جس طرح سورہ نساء میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے: کہا یہ حکم عام ہے یا صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ یہ حکم صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ مہدوی نے عطاء بن ابی رباح سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم باقی ہے جب کسی نے سوشاخوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ مارا تو وہ آدمی بری ہو جائے گا؛ امام شافعی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے؛ اسی کی مثل ایک اپاہج کے بارے میں حکم دیا جس سے ایک لونڈی حاملہ ہو گئی تھی اور آپ نے حکم دیا کہ آپ سوشاخوں کا گچھا ماریں جس میں چھوٹی سوشاخیں ہوں وہ ایک ہی دفعہ ماریں۔

تیسری نے کہا: عطا سے کہا گیا کیا آج بھی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا: قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر اس لیے تاکہ آج اس پر عمل کیا جائے اور اسکی پیروی کی جائے۔ ابن عربی نے کہا: عطا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا۔ ابوزید نے ابن قاسم سے وہ امام مالک سے روایت نقل کرتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اس نے ان کو جمع کیا اور پھر ایک ہی دفعہ اسے مارا تو وہ بری نہ ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: امام مالک

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے لِيَكُنْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا (المائدہ: 48) یہ حکم ہماری شریعت کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ایسی چھڑی سے مارا جس کی دو شاخیں تھیں اسے چالیس ضربیں لگائیں امام مالک نے اس کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی: فَاجْلِدْ ذَاكُلْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًا (النور: 2) یہ اصحاب الرائی کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال کیا ہے اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب سے وہ یونس سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہوا یہاں تک کہ بہت ہی کمزور ہو گیا وہ محض ہڈی پر چمڑا ہی رہ گیا کسی کی لونڈی اس کے پاس آئی اس کے دل میں لونڈی کے لیے میلان پیدا ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کر بیٹھا جب اس کی قوم کے افراد اس کے پاس آئے تاکہ اس کی عیادت کریں تو اس مریض نے انہیں سب واقعہ بیان کر دیا اور کہا: میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرو میں نے ایک لونڈی سے خواہش پوری کی ہے جو میرے پاس داخل ہوئی تھی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا انہوں نے عرض کی: ہم نے کسی میں ایسی تکلیف نہیں دیکھی جو اس کو لاحق ہے اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جائیں گی وہ محض ہڈیوں پر چمڑا ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سو چھوٹی شاخیں لائیں اور ایک ہی دفعہ اسے ماریں۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا میں فلاں کو سو کوڑے ماروں گا یا سو ضربیں لگاؤں گا اس نے ضربا شدیداً کا ذکر نہیں کیا اور دل میں اس کی نیت بھی نہ کی تو اس کے لیے وہی ضرب کافی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ حادث نہ ہوگا۔

ابن منذر نے کہا: جب ایک آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اور اس نے اسے ہلکے ہلکے کوڑے مارے تو وہ قسم سے بری ہو جائے گا؛ یہ امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے کہا: ضرب وہی ہے جو درد دے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَلَا تَخْنُثْ یہ ارشاد اس عمل پر دلیل ہے کہ قسم میں استثناء حکم کو ختم نہیں کرتی اگرچہ وہ مترانجی ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں بحث سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَنْثٌ لِّيَ يَسِينُهُ يَخْنُثُ جب اس نے قسم کو پورا نہ کیا ہو کو فیوں کے نزدیک داؤد زائدہ ہے کلام یوں ہے فا ضرب لا تخنث۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاضْرِبْ تَبَّهُ وَلَا تَخْنُثْ دو وجہوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے (1): (1) ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا اس میں صرف قسم سے بری ہونا اور قسم توڑنا تھا (2) ان سے نذر صادر ہوئی تھی قسم صادر نہ ہوئی تھی۔ جب نذر معین ہو تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: ہر

نذر میں کفارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جب آٹھ سال تک مصیبت میں رہے جس طرح ابن شہاب کی روایت میں ہے تو آپ کے دو صحابہ نے کہا: تحقیق آپ نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے میرا گمان نہیں کسی کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا تم کیوں کہتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرتا جو ایک دوسرے کی مدد کرتے تو ہر ایک قسم اٹھاتا یا جماعت کے پاس سے گذرتا جو آپس میں مدد کر رہے ہوتے، میں ان کی قسموں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا تا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہو وہ اس کا ذکر کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ۔ تو آپ نے اپنے رب کے حضور یہ ندا کی: **أَلَيْسَ الظُّرُّ وَأَنْتَ أَتْرَحُمُ الثَّرَجِينَ** (الانبیاء) اور حدیث کا ذکر کیا یہ حدیث تجھے یہ فائدہ پہنچاتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں کفارہ تھا جس نے بغیر اجازت کے کفارہ ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے فریضہ ادا کیا اور دوسرے سے کفارہ ساقط ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض جاہل زاہدوں اور صوفیوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جو یہ ارشاد فرمایا: **أُنْمِطْ بِرُجْلِكَ** اس میں رقص کا جواز ہے۔ ابو فرج نے کہا: یہ تو غیر ذمہ دارانہ استدلال ہے کیونکہ اگر آپ کو پاؤں مارنے کا حکم خوشی سے ہوتا تو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا آپ کو پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پانی نکلے۔

ابن عقیل نے کہا: وہ آدمی جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کے بارے میں کہاں دلالت موجود ہے کہ جب مصیبت رفع ہو تو وہ زمین پر اپنا پاؤں مارے تا کہ پانی کا چشمہ اہل پڑے کہ یہ رقص کا اعجاز ہے اگر یہ جائز ہو کہ پاؤں کو حرکت دینا یہ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی جائز ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے صادر ہوا **اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ** (البقرہ: 60) تو اس میں یہ دلالت ہوتی کہ دشمن کو شاخوں سے مارا جائے، ہم شرع کے ساتھ اس کھیل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض کوتاہ اندیشوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: **أَنْتَ مَنِّي وَأَنَا مِنْكَ** تو آپ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت زید سے فرمایا: **أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا** تو وہ ایک ٹانگ پر چلے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ رہے تھے اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ”جبل“ کا تعلق ہے یہ چال کی ایک نوع ہے جو خوشی کے موقع پر اپنائی جاتی ہے یہ چال اور رقص کہاں۔ اسی طرح حبشیوں کا ”زفن“ یہ بھی چال کی ایک صورت ہے جو جنگ کے موقع پر اپنائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ **إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَاهِرًا** یعنی ہم نے اسے آزمائش میں صابر پایا۔ **نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ** وہ توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مطیع ہیں۔ سفیان سے ان دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک کو آزما یا گیا تو اس نے صبر کیا دوسرے پر انعام کیا گیا اس نے شکر کیا تو فرمایا: دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دونوں بندوں کی تعریف کی ہے ان میں سے ایک صابر تھا اور دوسرا شاکر تھا دونوں پر ایک جیسی تعریف کی حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں کہا: نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ آذَابٌ ۝ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں کہا گیا: نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ آذَابٌ ۝۔

میں کہتا ہوں: صاحب القوت نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس فقیر کی غنی پر فضیلت کا ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی جس کے ذریعے اپنی کلام کو قوی کیا ہم نے اس کا ذکر کتاب منہج العباد و محجة السالکین و الزہاد میں کیا ہے ان پر یہ امر مخفی رہا کہ آزمائش سے قبل اور اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام غنی انبیاء میں سے تھے آپ کا امتحان آپ کے مال اور اولاد کے چلے جانے اور جسم میں پڑی بیماری کی صورت میں ہوا تھا اسی طرح دوسرے انبیاء نے بھی صبر کیا جو بھی ان پر امتحان آیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام جس کیفیت میں امتحان میں داخل ہوئے اس کیفیت میں اس سے نکلے نہ ان کی حالت بدلی اور نہ ہی ان کی گفتگو بدلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معنی مقصود میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے وہ تبدیلی کا نہ ہوا تھا جس میں بعض لوگ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں اس اعتبار سے غنی شاکر اور فقیر صابر برابر ہیں بات اسی طرح ہے جس طرح سفیان نے کہی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن شہاب نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نکلے جب وہ اپنی حاجت کے لیے اس کی طرف نکلا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنا پاؤں زمین کی طرف مارو، یہ ٹھنڈا پانی ہے اور مشروب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گوشت، بال اور جلد خوبصورت ترین انداز میں لوٹادی پھر اس پانی کو پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو درد یا کمزوری تھی اس کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان کے لیے سفید کپڑے اتارے ایک کو آپ نے تہبند بنایا اور دوسری کو چادر بنایا پھر چلتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئے اور بیوی پر آنے میں دیر کی وہ بیوی آئی یہاں تک کہ آپ کو ملی جبکہ وہ آپ کو پہچان نہیں رہی تھی اس نے آپ کو سلام کیا پوچھا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے: کیا تو نے اس آزمائش میں پڑے آدمی کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ بیوی نے کہا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی کو تجھ سے بڑھ کر اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ تندرست تھے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک گھٹا لیا اور بیوی کو مارا۔ ابن شہاب نے گمان کیا ہے: وہ گھٹا شامہ بوٹی کا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل اور ان کی مثل ان کی طرف لوٹا دیئے ایک بادل آیا وہ اس جگہ سونے کے ساتھ برساجہاں گندم صاف کی جاتی یہاں تک کہ اس جگہ کو بھر دیا ایک دوسرا بادل اسی جگہ کی طرف آیا جہاں جو صاف کیے جاتے اور قحطانیہ (چنے کی قسم کے دانے) صاف کیے جاتے وہ چاندی کے ساتھ برسایا یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔

وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهٖمَ ۙ وَ اِسْحٰقَ ۙ وَ یَعْقُوْبَ ۙ اُولٰٓئِیْنِیْ ۙ وَ الْاَبْصٰرِیْ ۙ ۝ اِنَّا

اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصٰتِ ذٰکُرِی الدّٰرِیْنِ ۙ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخْیَارِ ۙ ۝

”اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی، اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے تھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدنا پڑھا ہے یہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن عیینہ نے عمرو سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ مجاہد، حمید ابن محییمن اور ابن کثیر کی قراءت ہے اس قراءت کی بنا پر ابراہیم، عبدنا سے بدل ہوگا اور اسحاق و یعقوب اس پر معطوف ہونگے اس صورت میں ابراہیم اور ما بعد اس کا بدل ہونگے۔

عربی لغت کے مطابق اس کی شرح یہ ہوگی جب تو کہے: روایت اصحابنا زید ا و عمرو ا و خالد ا تو اس صورت میں زید، عمرو، خالد بدل ہونگے وہی اصحاب ہیں جب تو کہے: روایت صاحبنا زید ا عمرو ا خالد ا تو صرف زید بدل ہوگا عمرو اور خالد کا عطف صاحبنا پر ہوگا وہ مصابحت میں داخل نہیں مگر اس کے علاوہ دلیل سے، مگر اسے یہ علم ہے و اسحاق و یعقوب عبودیت میں داخل ہیں۔

جس نے یہ کہا تھا کہ ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں اس نے اسی آیت سے استدلال کیا جس طرح ہم نے اپنی کتاب الأعلام ببولد النبی علیہ السلام میں ذکر کیا ہے؛ یہی قول صحیح ہے۔

أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ نَحَاسَ نے کہا: جہاں تک الابصار کا تعلق ہے اس کی تاویل پر تو اتفاق ہے کہ یہاں بصائر سے مراد دین اور علم میں بصیرتیں ہیں جہاں تک الْأَيْدِي کا تعلق ہے تو اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر کہتے ہیں: اس سے مراد قوت ہے ایک قوم کہتی ہے: الْأَيْدِي یہ ید کی جمع ہے جس سے مراد نعمت ہے وہ نعمتوں والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ انعام و احسان کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے احسان کیا اور بھلائی کو آگے بھیجا، یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفِينَ الْآخِيَارِ ① یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اوتاس سے پاک کیا اور اپنی رسالت کے لیے پسند کیا مصطفین یہ مصطفیٰ کی جمع ہے اصل میں مصطفیٰ تھا۔ سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ۔ آیت 132۔ اختیار یہ خیر کی جمع ہے۔

اعمش، عبدالوارث، حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے اولی الایدیاء کے بغیر پڑھا ہے یہ وقف اور وصل کی صورت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہ قوی تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جماعت کی قراءت کے مطابق ہو اور یاء تخفیف کے طور پر حذف ہو۔

إِنَّا آخَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةِ ذِكْرِي الدَّامِرِ ② عام قراءت کی قراءت بخالصۃ تنوین کی صورت میں ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا اختیار ہے۔ نافع، شیبہ، ابو جعفر اور ہشام نے ابن عامر سے بخالصۃ ذکر الدار اضافت کی صورت میں پڑھا ہے جس

نے خالصہ پر تئوین پڑھی ہے اس نے ذکر الہی الہی کو بدل بنایا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنَّا اٰخْلِصْنَا هُمْ بِاَنْ
يَذْكُرُوا الدَّارَ الْاٰخِرَةَ هُمْ نِيْلًا خَالِصًا كَمَا كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ الدَّارَ الْاٰثِرَةَ كَمَا كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ الدَّارَ الْاٰثِرَةَ
اور لوگوں میں رغبت دلائیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ خالصہ، خالص کا مصدر ہو ذکر الہی کے محل میں ہو کیونکہ یہ فاعل ہے معنی ہوگا ہم نے انہیں خالص کیا
یعنی میں نے ان کے لیے دار آخرت کے ذکر کو خالص کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ خالصہ، اخلصت کا مصدر ہو تا زیادتی حذف
ہو گئی اس صورت میں ذکر الہی محل نصب میں ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی بان اخلصوا ذکر الہی۔

دار سے مراد دنیا لینا بھی جائز ہے معنی یہ ہوگا وہ دنیا سے نصیحت حاصل کریں اس میں زہد اپنائیں تاکہ ان کے لیے اچھی
تعریف خالص ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ (مریم: 50) یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد
دار آخرت ہو اور مخلوق کو یاد دلا کر نصیحت کی گئی جس نے خالصہ کو الدار کی طرف مضاف کیا ہے تو اس صورت میں یہ الا خلاص
کے معنی میں مصدر ہے الذکر مفعول بہ ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور خالصہ یہ مصدر ہے خلوص کے معنی میں ہے یعنی
میں نے ان کے لیے دار کا ذکر خالص کر دیا۔ دار سے مراد دنیا ہو یا آخرت ہو جس طرح پہلے گزرا ہے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہوگا وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں وہ اس میں رغبت رکھتے ہیں اور دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ مجاہد
نے کہا: معنی ہے ہم نے ان کے لیے جنت کا ذکر کیا۔

وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِيْسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ۗ وَ كُلُّ مِّنَ الْاٰخِيَارِ ۗ هٰذَا ذِكْرٌ ۗ وَ اِنَّ
لِلْمُتَّقِيْنَ لِحُسْنِ مَّآبٍ ۗ جَنَّتٍ عَدْنٍ مَّفْتُوْحَةٌ لَّهُمْ الْاَبْوَابُ ۗ مُتَّكِفِيْنَ فِيْهَا
يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِقَافٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ۗ وَ عِنْدَهُمْ قُصُوْرٌ الطَّرْفِ اَشْرَابٌ ۗ
هٰذَا مَاتُوْا عَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۗ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَاۗءٍ ۗ

”اور یاد فرمائیے: اسماعیل، یسع، اور ذی الکفل کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں یہ نصیحت ہے، اور بے
شک پر ہیزگاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ ہے، سدابہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے تکیہ
لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات اور ان کے
پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہوں گی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا
کہ روز حساب (تمہیں ملے گا)۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔“

حضرت یسع کا ذکر سورۃ الانعام اور ذی الکفل کا ذکر سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے ان میں سے ہر ایک کو نبوت کے لیے چنا
گیا ہے۔ دنیا میں یہ ان کا ذکر جمیل ہے اور ایسا شرف ہے جس کے ساتھ دنیا میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے گا دنیا میں اس ذکر کے
ساتھ ساتھ قیامت میں اچھا ٹھکانہ ہے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی جنتِ عدن۔ لغت میں عدن کا معنی ٹھہرنا ہے
یہ جملہ بولا جاتا ہے: عدن بالمكان جب وہ مقیم ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہتے ہیں جس کے ارد گرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار دھاری دار یعنی چادریں ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر نبی، صدیق اور شہید۔ مفتحة ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔

الْأَبْوَابُ کورفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ زجاج نے تقدیر کلام یوں کی ہے مفتحة لهم الأبواب منها فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے مفتحة لهم ابواب یعنی ابواب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے اس قراءت کو بھی جائز قرار دیا ہے مُفْتَحَةٌ لَهُمُ الْأَبْوَابُ یعنی الابواب کو نصب دی ہے۔ فراء نے کہا: اصل میں مفتحة الابواب ہے پھر توتونین لایا اور الابواب کو نصب دی۔

فراء اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

وَنَأْخُذُ بَعْدَهُ بِذِنَابِ عَيْشٍ أَجَبَّ الظَّهْرَ لَيْسَ لَهُ سَنَامٌ

ہم اس کے بعد زندگی کی دموں کو پکڑنے والے ہونگے کمزوری کی وجہ سے جس کی کہان نہیں۔

یہاں مفتحة فرمایا مفتوحة نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حکم کے ساتھ کھولا گیا ہے ہاتھ لگانے سے وہ نہیں کھلے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یوں کہا جاتا ہے انفتحي فتنفتخ، انغلقی فتنغلق (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے لیے دروازے کھولیں گے۔

مُتَّكِبِينَ فِيهَا یہ حال ہے جسے عامل پر مقدم کر دیا گیا ہے عامل يَدْعُونَ ہے یعنی وہ جنات میں طلب کرتے ہوں گے، جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے، رنگارنگ پھل اور کثیر مشروب کیونکہ کلام دلالت کر رہی ہے اس لیے کثیر کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَ عِنْدَهُمْ قُصَارَاتُ الظَّرْفِ ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظریں خاوندوں تک محدود رکھتی ہیں کسی اور طرف نظر نہیں کرتیں سورۃ الصافات میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ أَتْرَابٌ ⑤ ہم عمران کی عمریں ایسی ہوں گی گویا سب ایک ہی دن میں پیدا ہوئی ہیں وہ حسن، جوانی میں برابر ہیں اور تینتیس سال کی ہونگی۔

اتراب، ترب کی جمع ہے یہ قاصرات کی صفت ہے کیونکہ قاصرات تکبر ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ الف لام اس پر داخل ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

مِنَ الْقَاصِرَاتِ الظَّرْفِ لَوَدَّبَ مُخَوِّمٌ مِنَ الذَّرِّ فَوْقَ الْإِثْبِ مِنْهَا لِأَثْرًا

وہ جھکی نظروں والی ہیں اگر ایک باریک چیونٹی ان کی قمیص کے اوپر سے گذرے تو وہ بھی اثر چھوڑ جاتی ہے۔

هَذَا مَا تَوَعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ⑥ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے ما وعدون ایہا المؤمنون یعنی اے مومنو! یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ابن کثیر، ابن محیسن، ابو عمرو اور یعقوب نے

اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1)؛ یہ سلمیٰ کی قراءت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآپٍ ۝۱۰ پس یہ خبر ہے لِيَوْمِ الْحِسَابِ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ ائشی نے کہا:

الْمُهَيَّبِينَ مَالَهُمْ لِيَوْمِ السَّوَاءِ حَتَّىٰ إِذَا أَفَاقَ أَفَاقُوا

وہ ذلیل و رسوا ہیں برے زمانے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں جب زمانہ کو افاقہ ہوتا ہے تو انہیں افاقہ ہوتا ہے۔

اس شعر میں لام، فی کے معنی میں ہے۔

إِنَّ هَذَا الرِّزْقُ مَالُهُ مِنْ نَفَادٍ ۝۱۱ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمیشہ ہوگی ختم نہ ہوگی جس طرح فرمایا:

عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُودٍ ۝۱۱ (ہود) فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝۱۱ (التین)

هَذَا ۝ وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَا پٍ ۝۱۲ جَهَنَّمَ ۝ يَصْلَوْنَهَا ۝ فَيَسَّ الْبِهَادُ ۝۱۳ هَذَا ۝

فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ ۝ وَعَسَاقُ ۝۱۴ وَ آخِرُ مِنْ شَكْلَةٍ ۝ أَرْوَاجُ ۝۱۵ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ ۝

مَعَكُمْ ۝ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۱۶ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ ۝ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۝

أَنْتُمْ قَدْ مَسَّوْهُ لَنَا ۝ فَيَسَّ الْقَرَارُ ۝۱۷ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ

عَذَابًا بَأْسَعًا فِي النَّارِ ۝۱۸

”یہ تو پرہیزگاروں کے لیے ہے اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانہ ہوگا یعنی جہنم وہ داخل ہوں گے اس

میں تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھوٹا ہوگا۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں اور اس کے علاوہ

اس کی مانند طرح طرح کا عذاب، یہ لودوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں

یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے: ظالمو! تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے یہی آگے کیا اس

عذاب کے لیے، سو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس بد بخت نے آگے کیا ہے

ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دو گنا آگ میں۔“

جب متقین کا ذکر کیا تو سرکشوں کے انجام کا بھی ذکر کیا۔ زجاج نے کہا: هَذَا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے

الامر هذا من وجه سے هَذَا پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: هَذَا پر وقف اچھا ہے پھر تَوَوَّأَنَّ لِلظَّالِمِينَ سے کلام کا آغاز

کرے گا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

مَآپٍ ۝ سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف وہ لوٹیں گے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی: جَهَنَّمَ ۝

يَصْلَوْنَهَا ۝ فَيَسَّ الْبِهَادُ ۝ انہوں نے جو اپنے لیے ٹھکانہ تیار کیا ہے وہ کتنا برا ہے یا یہ بستر ان کے لیے کتنا برا ہے اسی سے

بچنے کا چنگھوڑا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے بئس موضع المهاد۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ جس کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ان متقین کے لیے ہے پھر فرمایا کہ سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بری جگہ ہے، تو اس صورت میں لُذًا پر وقف کیا جائے گا۔

هَذَا فَلْيُذَوْقُوهُ حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ ﴿٥﴾ هَذَا مَبْتَدَا هُوَ فِي حَيْثِيَّةٍ مِّنْ مَّحَلِّ رَفْعٍ فِيهِ هِيَ اسِّ خَبْرٍ حَمِيمٌ هِيَ كَلَامٌ فِي تَقْدِيمِ وَتَاخِيرِ هِيَ تَقْدِيرٌ كَلَامٌ فِيهِ هَذَا حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ فَلَْيُذَوْقُوهُ مَبْتَدَا هُوَ فِي حَيْثِيَّةٍ مِّنْ مَّحَلِّ رَفْعٍ هِيَ كَلَامٌ فِي تَقْدِيمِ وَتَاخِيرِ هِيَ تَقْدِيرٌ كَلَامٌ فِيهِ هَذَا حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ مَبْتَدَا هُوَ فِي حَيْثِيَّةٍ مِّنْ مَّحَلِّ رَفْعٍ هِيَ كَلَامٌ فِي تَقْدِيمِ وَتَاخِيرِ هِيَ تَقْدِيرٌ كَلَامٌ فِيهِ هَذَا حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ

اس صورت میں فَلْيُذَوْقُوهُ پر عطف کیا جائے گا اور حمیم کو اس تقدیر کی بنا پر رفع دیا جائے گا ہذا حمیم۔
نحس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو الأمر ہذا حمیم اور عساق کو جب تو خبر نہ بنائے تو ان دونوں کا رفع اس تقدیر پر ہوگا
هو حمیم وعساق فراء نے اس تعبیر کی بنا پر دونوں کو رفع دیا ہے۔ منہ حمیم ومنہ عساق اور یہ شعر پڑھا:

حَتَّىٰ إِذَا مَا أَضَاءَ الضُّبْحُ فِي غَلَسِ وَغُودِرَ البَقْلُ مَلَوِيٌّ وَمَحْضُودٌ
جب تاریکی میں صبح روشن ہوئی سبزیوں کو چھوڑ دیا گیا ان میں سے کچھ لپٹی ہوئی تھیں اور کچھ کٹی ہوئی تھیں۔
محل استدلال ملوی و محضود ہے اصل میں منہ ملوی اور منہ محضود تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لَهَا مَتَاعٌ وَاعْوَانَ غَدَاؤُنْ بِهٖ قِشْبٌ وَغَرْبٌ إِذَا مَا أَفْرَغَ انْحَسَفَا

یہ بھی جائز ہے کہ هَذَا محل نصب میں ہو اور فعل مضمر ہو جس کی تفسیر فَلْيُذَوْقُوهُ بیان کرتا ہے اور حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ سے تو نئی کلام شروع کرے گا تقدیر کلام یوں ہوگی الأمر حمیم وعساق۔

اہل مدینہ، اہل بصرہ اور بعض کو فیوں کے نزدیک عساق میں قراءت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعش، حمزہ اور کسائی نے عساق تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعش کے قول میں دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی مختلف ہے جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ محض اسم ہوگا جیسے عذاب، جواب، صواب، جس نے اسے مصدر پڑھا ہے اس نے کہا: یہ اصل میں اسم مبالغہ ہے جو مبالغہ کے طریقہ پر فعال کی طرف نقل کیا گیا ہے جیسے ضرب، قتال۔ یہ غسق یغسق سے فعال کے وزن پر ہے اس سے اسم فاعل غَسَقَ اور غَسَقَ کے وزن پر آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ٹھنڈک ہے جو انہیں اپنی ٹھنڈک کے ساتھ خوفزدہ کرے گی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایسی برف ہے جس کی ٹھنڈک انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی (1)۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ اپنی سردی کے ساتھ اسی طرح جلائے گی جس طرح حمیم اپنی گرمی کے ساتھ جلائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: گاڑھی پیپ ہوگی اگر اس میں کوئی چیز مشرق میں گرے تو جو مغرب میں ہوگا وہ اس کی وجہ سے بدبودار ہو جائے گا اگر اس میں سے کوئی چیز مغرب میں گرے تو جو مشرق میں ہے اس سے بدبودار ہو جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو بدکاروں کی شرمگا ہوں

سے اور کافروں کے گوشتوں اور ان کی جلدوں سے کچ لہو اور پیپ میں سے بد بودار چیز نکلے گی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ جہنمیوں کا پھرن ہے، یہ قول لغت کے زیادہ مشابہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَسَقَ الْجَرَمُ يَغْسِقُ غَسَقًا يَهْ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس سے زیادہ پانی نکلے۔ شاعر نے کہا:

إِذَا مَا تَدَاكَرْتُ الْحَيَاةَ وَطَيْبَهَا إِنَّ جَرَسِي دَمْعٌ مِنَ اللَّيْلِ غَاسِقُ

جب میں نے زندگی اور اس کی اچھائی کو ظاہر کیا تو آنکھ سے ٹھنڈا آنسو بہہ پڑا۔

یہ کہا جاتا ہے لیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: غساق سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی آنکھوں اور آنسوؤں سے بہے جسے وہ حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے ساتھ پیتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: حمیم سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جو جہنم کے حوضوں میں جمع ہونگے جسے وہ پیئیں گے۔ صدید اسے کہتے ہیں جو ان کے چمڑوں سے نکلے گی۔ اس قول کو اختیار کرنے کی بنا پر غساق سیال کی طرح ہوگا۔ کعب نے کہا: غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر اس کی طرف بہتا رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ظلمت اور سواد سے ماخوذ ہے، غسق سے مراد رات کی تاریکی کا آغاز ہے قد غسق الليل اس وقت کہتے ہیں جب وہ تاریک ہو جائے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن دلو من غساق يهراق في الدنيا لانتن اهل الدنيا اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں بہا یا جائے تو دنیا والے بد بودار ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ پہلے اشتقاق کے زیادہ مناسب ہے جس طرح ہم نے بیان کیا مگر یہ احتمال موجود ہے کہ غساق بننے کے ساتھ سیاہ ہو جائے تو دونوں اشتقاق صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَآخِرُ مِنْ شَكْلَةٍ آذْوَا جِ ۝ ابو عمرو نے وَاخِرُ پڑھا ہے یہ اخیری کی جمع ہے جس طرح کُبْرَى کی جمع کُبْرَى آتی ہے۔ باقی قراء نے اسے وَاخِرُ مفرد مذکر پڑھا ہے ابو عمرو نے وَاخِرُ کا انکار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آذْوَا جِ جمع کی خبر واحد سے نہیں لگائی جاتی۔ عاصم جہد ری نے وَاخِرُ کا انکار کیا ہے اگر یہ وَاخِرُ ہوتا تو کلام یوں ہوتی من شکھا دونوں امر لازم نہیں دونوں قراء میں صحیح ہیں وَاخِرُ ہوتو معنی یہ ہوگا حمیم اور غساق کے سوا دوسرا عذاب۔

مِنْ شَكْلَةٍ قَدَّارَہ نے کہا: اسی کی مثل حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ زمہریر ہے وَاخِرُ مرفوع ہے (1) کیونکہ یہ مبتدا ہے آذْوَا جِ یہ دوسرا مبتدا ہے مِنْ شَكْلَةٍ یہ اس کی خبر ہے اور جملہ (آخِرُ) کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ وَاخِرُ مبتدا ہو اور اس کی خبر مضمون ہو جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے هَذَا فَلْيَدُّ قُوَّةَ حَمِيمٍ وَغَسَاقٍ ۝ کیونکہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ انہیں کے لیے ہے گویا یہ کلام کی دلہم آخِرُ تو اس صورت میں مِنْ شَكْلَةٍ آذْوَا جِ، آخِرُ کی صفت ہوگی پس مبتدا صفت کے ساتھ خاص ہو جائے گا آذْوَا جِ ظرف کے ساتھ مرفوع ہے۔ جس نے وَاخِرُ پڑھا اس نے ارادہ کیا عذاب کی اور قسموں کا، جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا اور زمہریر کا ارادہ کیا تو زمہریر کی کئی جنسیں بنائیں تو اسے جمع ذکر کیا کیونکہ جنس مختلف ہیں یا ان سے ہر جز کو

زمہریر بنا دیا پھر اس کی جمع بنائی جس طرح عربوں نے کہا: شابت مفارقة یا جمع کا صیغہ ہے کیونکہ کلام میں جمع کے جواز پر دلالت موجود ہے کیونکہ زمہریر جو سردی کی انتہاء کو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع کے مقابل ہے: **هَذَا فَلْيُنَادُوكُمْ حَمِيمٌ وَعَشَاقٌ** ﴿٥﴾ **شَكْلَةٍ** میں ضمیر جائز ہے کہ وہ حمیم یا عشاق کی طرف لوٹے یا اس معنی کی طرف لوٹے جو ہم نے **وَاحِدٌ** میں **شَكْلَةٍ** کی صفت ہوگا اس میں ضمیر مذکر ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے اور **أَزْوَاجٌ** مبتدا کی خبر ہے یہ جائز نہیں کہ اس تقدیر پر اسے محمول کیا جائے **وَاحِدٌ** کی صفت ہو اور **أَزْوَاجٌ** طرف کے ساتھ مرفوع ہے جس طرح یہ افراد میں جائز ہے کیونکہ جب **أَزْوَاجٌ** مرفوع ہو تو صفت میں کوئی ضمیر نہ ہوگی: یہ ابو علی نے کہا۔ **أَزْوَاجٌ** کا معنی عذاب کی اصناف و الوان ہیں۔ یعقوب نے کہا: جب شکل شین کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہوگا اور جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسی عورت ہوگا جو اچھی گفتگو کرنے والی، اچھے مزاج اور بہت والی ہوگی۔

هَذَا قَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَعَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قائدین جہنم میں داخل ہوں گے (1) پھر ان کے بعد ان کے پیروکار داخل ہونگے تو خازن، سرداروں کو کہیں گے: تمہارے پیروکار ہیں۔ قوج کا معنی جماعت ہے **مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ** تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں تو سردار کہیں گے: ان کی منازل آگ میں خوشگوار نہ ہوں گی۔ الرحب کا معنی وسعت ہے اسی سے **رحبة المسجد** ہے یعنی مسجد کا صحن۔ یہ دعا کے لیے لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے نصب دی جاتی ہے نابغہ نے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِغَدٍ وَلَا أَهْلًا بِهِ **إِنْ كَانَ تَفْرِيقُ الْأَجْبَةِ فِي غَدٍ**

کل کونہ مرحبا ہے اور نہ ہی اہلا و سہلا ہے اگر کل دوستوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے۔

ابو عبید نے کہا: عرب کہتے ہیں لا مرحبا بک۔ نہ تیرے لیے زمین خوشگوار ہوئی اور نہ ہی وسیع ہوئی۔

إِنَّهُمْ صَلَّى الْقَائِمُ ﴿٥﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائدین کا قول ہے: یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں جس طرح ہم نے انہیں جہنم میں داخل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملائکہ کا قول ہے یہ ان کے قول **هَذَا قَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَعَكُمْ** اور **قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَمَرْحَبًا بِكُمْ** کے ساتھ متصل ہے: یہ تبیین کا قول ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ پہلی جماعت مشرکین کے سردار اور بدر کے روز انہیں کھانا کھلانے والوں کی ہوگی، دوسری جماعت بدر میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ہوگی۔ آیت کا ظاہر اس پر دل ہے کہ یہ ہر تابع اور متبوع کو عام ہے۔

أَنْتُمْ قَدْ مُتُّمُوا لَنَا یعنی تم نے ہمیں عصیان کی طرف دعوت دی **فَيُنْزِلُ الْقَرَامُ** ہمارا اور تمہارا ٹھکانہ کتنا برا ہے **قَالُوا** **رَأَيْتُمْ مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا** پیروکاروں نے کہا: فراء نے کہا: جس نے ہمارے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا اور اس کی سنت قائم کی۔ دوسرے علماء نے کہا: جس نے ہمارے حق میں عذاب کو مقدر کیا کہ ہمیں معاصی کی طرف دعوت دی **فَنَزِدُكَ عَذَابًا ضِعْفًا**

فِي النَّاسِ ۝ یعنی ان کے حق میں اس وجہ سے بھی عذاب مقدر ہے کہ انہوں نے ہمیں اس امر کی طرف بلا یا تو اس طرح ان کے حق میں یہ دگنا ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: عَذَابًا ضِعْفًا سَ مَرَادٍ جَوْنًا بَعْضُ بَعْضٍ بِسَبَبِ مَا فِي (1) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَأَيْتُمْ أَهْلَ الْآلَاءِ أَصْلُوْنَا فَإِنَّمَا تَمَّ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّاسِ (الاعراف: 38)

وَقَالُوا مَا لَنَا لَنْزِيلِهِ يَجَالًا كُنَّا نَعْتَدُهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۝ اتَّخَذْتُمْ سِحْرِيًّا أَمْ
رَأَيْتُمْ إِلَّا بَصَارًا ۝ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّاسِ ۝

”اور کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آرہے یہاں وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔“

وَقَالُوا یعنی مشرکین کے اکابر نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم شریر شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اشرار سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لیتے۔ ابو جہل کہے گا: بلال کہاں ہے، صہیب اور عمار کہاں ہے؟ وہ فردوس میں ہونگے۔ ابو جہل پر تعجب ہے وہ بیچارہ مسکین، اس کا بیٹا حضرت عکرمہ مسلمان ہو گیا اسکی بیٹی جو یہ مسلمان ہو گئی اس کی ماں مسلمان ہو گئی اور اس کا بھائی مسلمان ہو گیا جبکہ اس نے کفر کیا۔ شاعر نے کہا:

وَنورًا أضَاءَ الأرضَ شَرْقًا وَمَغْرِبًا وَمَوْضِعُ رِجْلِي مِنْهُ أَسْوَدُ مُظْلِمٌ

وہ نور جس نے زمین کے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور میرے قدم کی جگہ اس سے تاریک و سیاہ ہے۔

اتَّخَذْتُمْ سِحْرِيًّا مجاہد نے کہا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے غلطی کی اَمْ رَأَيْتُمْ إِلَّا بَصَارًا ۝ یا ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں تو ہم ان کا مکان نہیں جانتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، انہوں نے صحابہ کا مذاق اڑایا اور دنیا میں ان کی آنکھیں ان سے پھر گئی تھیں کیونکہ وہ انہیں حقیر خیال کرتے تھے (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ رَأَيْتُمْ إِلَّا بَصَارًا کا معنی ہے کیا وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں ہم انہیں دیکھتے نہیں ابن کثیر، اعمش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی قنن الا شراہ ۝ اتَّخَذْتُمْ سِحْرِيًّا ۝ اتَّخَذْتُمْ سِحْرِيًّا پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ وصلی کو حذف کرتے تھے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، عاصم اور ابن عامر اتخذناہم پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ استفہام کا ہمزہ قطعی پڑھتے اور ہمزہ وصل ساقط ہو گیا کیونکہ اب اس سے استغناء ثابت ہو چکی ہے جس نے الف کے حذف کے ساتھ پڑھا تو وہ الا شراہ پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اتخذناہم حال ہے۔ نوحاس اور سمستانی نے کہا: یہ رجال کی صفت ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ لغت نہ تو ماضی کا صیغہ ہوتا ہے نہ ہی مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے۔

جس نے اتخذناہم ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے اس نے الا شراہ پر وقف کیا۔ فراء نے کہا: یہاں استفہام تو نبح اور

تعب کے لیے ہے جب تو اتنا غذا ہم کو استفہام کے ساتھ پڑھے تو ام تسویہ کے لیے ہوگا جب تو استفہام کے بغیر پڑھے تو یہ بل کے معنی میں ہوگا۔ ابو جعفر، نافع، شیبہ، مفضل، ہبیرہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ اور کسائی نے سخرا پڑھا ہے باقی نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: جس نے اس کو کسرہ دیا اس نے اسے ہزء سے بنایا ہے اور جس نے اس کو ضمہ دیا اس کا معنی تسخیر کیا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۝ لِحَقِّ، إِنَّ کی خبر ہے اور تَخَاصُمُ یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگا ہو تخاصم یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذلک سے بدل ہو معنی ہوگا جہنیوں کا جہنم میں جھگڑا حق ہے جس طرح یہ قول: لَا مَرُحَبًا بَيْنَكُمْ اور اس جیسے دوسرے اقوال۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِّنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَوُّا عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ
مُعْرِضُونَ ۝ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يُخْتَصِمُونَ ۝ إِنَّ يُوحَىٰ إِلَىٰ إِلَّا
أَنْبَاءَ أَنذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

”اے حبیب! آپ فرمائیے: میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بخشنے والا ہے۔ فرمائیے: یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو، مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں۔“

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے وَمَا مِّنْ إِلَٰهٍ کا معنی معبود ہے اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ پر رفع صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اگر تو پہلے کو نصب دے تو اسے بھی نصب دے گا پہلے کو رفع اور مابعد کو مدح کے طور پر نصب دینا بھی جائز ہے الْعَزِيزُ کا معنی محفوظ ہے جس کی کوئی مثل نہ ہو الْعَفَّارُ سے مراد جو مخلوقات کے گناہوں کو بخشنے والا ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَوُّا عَظِيمٌ ۝ اے محمد! انہیں کہو حساب، ثواب اور عقاب کے بارے میں جو تمہیں ڈرا رہا ہوں یہ عظیم الشان خبر ہے مناسب نہیں کہ اسے ہلکا جانا جائے؛ یہ قتادہ نے معنی کیا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبِیِّ الْعَظِيمِ ۝ (النبا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جس نے تمہیں اس کے بارے میں آگاہ کیا ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبأ عظیم سے مراد عظیم منفعت ہے۔

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يُخْتَصِمُونَ ۝ ملا علی سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی

کے قول کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ کو تخلیق کیا گیا فرشتوں نے کہا: **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا (البقرة: 30)** ابلیس نے کہا: **أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ** اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے واقعات کی خبر دی اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا نبی کریم ﷺ کی صداقت پر معجزہ قائم ہے انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے ہیں جبکہ وہ تدبر کر کے آپ کی صداقت کو پہچان سکتے تھے اسی وجہ سے اس قول کو، اس قول: **قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝** جوڑا ہے۔ دوسرا قول جسے ابوالشہب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے رب! نے مجھ سے پوچھا: اے محمد ﷺ فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں پوچھا: کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: جماعت کے لیے قدموں پر چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا اور نماز کے بعد مساجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا، پوچھا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا، رات کے وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (1)۔ امام ترمذی سے اسی معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث غریب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) ہم نے اسے مکمل طور پر کتاب الأسنی فی شراح أسماء اللہ الحسنی میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اس کے اشکال کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ سورہٴ یس میں مساجد کی طرف چلنے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے قدم سیات کا کفارہ بنتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں **يَخْتَصِمُونَ** میں ضمیر دونوں فرقوں کے لیے ہے اس سے مراد ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جس نے یہ کہا وہ ایسے معبود ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملا اعلیٰ سے مراد قریش ہیں ان کے اختصام سے مراد ان کا رازداری سے جھگڑا کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔

إِنْ يُؤْتِحِي إِلَيَّ إِلَّا أَنَا تَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ میری طرف انذار کی وحی کی جاتی۔ ابو جعفر بن قعقاع نے اسے الا انما پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے گویا کہا: میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ جس نے ہمزہ کو نفتح دیا اس نے اسے محل رفع میں رکھا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ فراء نے کہا: گویا آپ نے کہا میری طرف انذار کے سوا وحی نہیں کی گئی۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ انما محل نصب میں ہو۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ ۝ فَاذْاَسَوٰىتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَسَجَدُوْا لَهٗ سَجْدًا ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّا اِبٰلِيسَ ۝
اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

”اے حبیب! یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے خاص روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔“

اِذْ كَاتَلَقَ يَخْتَصِمُونَ کے ساتھ ہے معنی یہ ہے جب وہ جھگڑ رہے تھے تو مجھے ملا اعلیٰ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اِذْ قَالَ یہ اِذْ يَخْتَصِمُونَ سے بدل ہے يَخْتَصِمُونَ مخدوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی ہے جب ملا اعلیٰ والے جھگڑ رہے تھے تو مجھے ان کی گفتگو کا کچھ علم نہ تھا فَاِذَا سَوَّيْتُهُ اِذَا یہ ماضی کے فعل کو مستقبل کی طرف پھیر دیتا ہے کیونکہ یہ حروف شرط کے مشابہ ہے اس کا جواب حرف شرط کے جواب جیسا ہوتا ہے یعنی جب میں نے اسے پیدا کیا مِنْ تُوْجِيْهِ سے مراد ایسی روح ہے جس کا میں مالک ہوں میرے سوا کوئی اس کا مالک نہیں یہ اضافت کا معنی ہے سورۃ النساء آیت 171 میں وَ تُوْجِيْهِ قِنَّهُ کے ضمن میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

سُجُوْدِيْنَ ⑩ حال کی حیثیت سے منصوب ہے یہ اسلام کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُونَ ⑪ انہوں نے حکم کی اطاعت کی اور اس کے سامنے عاجزی کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا اِلَّا ابْلِيْسَ ابلیس جہالت کی بنا پر سجدہ سے رک گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ استکبار کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا کفر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے امر سے استکبار کیا تھا اس لیے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ يَا ابْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۗ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ

الْعَالِيْنَ ⑫ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۗ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ⑬ قَالَ

فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَاجِمٌ ۗ ۙ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ ⑭ قَالَ رَبِّ

فَاَنْظِرْنِيْ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ⑮ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑯ اِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ

الْمَعْلُوْمِ ⑰ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا اُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخَاصِيْنَ ⑲

”ارشاد ہوا: اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا: میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا! تو جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر میری لعنت برے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا: اگر یہی اہل فیعلہ ہے تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روز حشر تک۔ جواب ملا: بے شک تو مہلت دیے

جانے والوں میں سے ہے یہ مہلت مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا۔“

مَا مَنَعَكَ كَسْنِي تَجِبْ عِلْمًا بِجَالَانِي سِيءَ بِمَعْرِفَتِي لِيَا خَلَقْتُ بِمَدَى اللَّهِ تَعَالَى نِي اس کی خلقت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت کا اظہار کا تھا اگرچہ وہ ہر شے کا خالق ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف روح، بیت، ناقہ اور مساجد کو مضاف کیا لوگوں سے اسی طریقہ سے خطاب کیا جس طرح لوگ اپنے معمولات میں آگاہ تھے کیونکہ مخلوقات میں سے رئیس اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا مگر اس شے کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں بھی ید کا ذکر اسی معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا یہاں ید کا ذکر تاکید کے لیے اور زائد ہے اس کا معنی ہے لِمَا خَلَقْتُ أَنَا هِيَ طَرَحَ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا فِيهِ فَرَمَانٌ هِيَ: وَيَبْقَى وَجْهٌ رَبِّكَ (الرحمن: 27) اس سے مراد بقی ربك ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ید کے ذکر میں یہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ نعمت، قوت اور قدرت کے معنی میں نہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ید سے مراد قدرت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالی بھذا الامرید اس کام کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں و مالی بالحمل الثقیل یدان اس بوجھ کو اٹھانے میں میری طاقت نہیں، اس معنی پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ بالا جماع پیدا کرنا قدرت کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تَحَنَّنْتُ مِنْ عَفْرَاءٍ مَالِيَسَ لِي بِهِ دَلَالِ الْجِبَالِ الزَّاسِيَاتِ يَدَانِ

میں نے عفراء سے یہ تکلیفیں اٹھائیں جن کو اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی مضبوط پہاڑوں کو طاقت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِمَا خَلَقْتُ بِمَدَى كَمَا مَعْنَى هِيَ جَسَمِي فِي نِي دَا سَطْرَ كِي بَغِيرِ پید اکیا کہا: تو نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا یا تو اپنے رب پر تکبر کرنے والوں میں سے ہے۔ محمد بن صالح، شبلی سے وہ ابن کثیر اور اہل مکہ سے بیدی استکبرت الف موصولہ کے ساتھ جملہ خبریہ کے طور پر پڑھا اَمْ كُنْتُمْ فِي امْنٍ مِّنْقَطَعٍ هِيَ جَوْبَلِ كَمَا مَعْنَى هِيَ يَا سَطْرَ هِيَ جَسَمِي طَرَحَ اَمْ يَقُولُونَ اِفْتَرَاهُ (ہود: 13) ہے جس نے ہمزہ استفہام پڑھا ہے تو اس کے نزدیک امر متصل ہوگا اور اس کا مابعد ہمزہ کے مابعد کا معاون ہوگا ہمزہ استفہام تقدیر و تو بیخ کے لیے ہوگا یعنی جب تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا جانا یا تو اس قوم سے ہے جو تکبر کرتے ہیں تو تو نے بھی اس وجہ سے تکبر کیا۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ فَرَاءَ نِي كَمَا: عَرَبُونَ سِي كَمَا كَبْتِي هِي اَنَا اَخِيْرَ مِنْهُ دَا سَطْرَ مِنْهُ اَصْلُ يَبِي هِيَ مَكْرُ كَثْرَتِ اسْتِعْمَالِ كِي وَجْهٍ سِي هَمَزَةٍ حَذْفٍ: هُوَ كَمَا۔

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی جبکہ یہ اس کی جانب سے جہالت تھی کیونکہ جو اہر ایک دوسرے کی ہم جنس ہیں۔ اس نے قیاس کیا تو اس نے قیاس میں خطا کی۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تو جنت سے نکل جا اور تو شہا بچوں سے رجم کیا جانے والا ہے تیرے لیے میری رحمت سے دوری قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس نے کیونکہ کفر پر اصرار کیا اس لیے اس امر کی وضاحت کی کیونکہ لعنت تو اس روز منقطع ہو جاتی ہے پھر جب جہنم میں اسے داخل کر دیا جائے گا تو اس کے حق میں لعنت کا ثابت ہونا ظاہر ہو جائے گا قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠﴾ ملعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے موت نہ آئے تو اس کی گزارش قبول نہ کی گئی یہ وہ دن ہے جس میں مخلوق کو موت لاحق ہوئی اس کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اسے مہلت دی گئی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سبب دھتکارا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی کہ وہ شہوات کو مزین کرنے اور ان پر شبہات وارد کرنے کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرے گا لَأُغْوِيَنَّهُمْ کا معنی ہے میں انہیں معاصی کی طرف بلاؤں گا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ وسوسہ کے سوا کسی چیز پر رسائی نہیں رکھتا اگر وہ وسوسہ نہ کرتا تو وہ کسی کی زندگی میں فساد نہیں ڈال سکتا تھا مگر اسی کے لیے ایسا کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اسی وجہ سے فرمایا: إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢﴾ یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو تو نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر دیا ہے اور جس کو تو نے مجھ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقْوَلُ ﴿١٣﴾ لَا مَلَكَيْنَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿١٥﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ وَتَعَلَّمَنَّ نَبَأًا بَعْدَ حِينٍ ﴿١٧﴾

”فرمایا: تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں، میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمائیے: میں نہیں مانگتا تم سے کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور (اے کفار) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد“۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقْوَلُ ﴿١٣﴾ یہ اہل حریمین، اہل بصرہ اور کسائی کی قراءت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عاصم، اعمش اور حمزہ نے پہلے لفظ الحق کو رفع دیا۔ فراء نے اس میں جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اختلاف نہیں کہ وہ اقْوَلُ کی وجہ سے منصوب ہے اور پہلے کو نصب اغراء کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاتبعوا الحق واستمعوا الحق دوسرا لفظ الحق اس وجہ سے منصوب ہے کیونکہ قول کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اِحْقُ الْحَقِّ کے معنی میں ہے۔ ابو علی نے کہا: پہلا الحق فعل مضموم کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يحق الله الحق یا یہ قسم کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: الله لا فعلن معنی ہوگا فرمایا: حق کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی والحق اقْوَلُ یہ جملہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان ہے یہ قصہ تاکید کے لیے آیا ہے جب لفظ الحق کو فعل

مضمر کے ساتھ منصوب بنایا جائے گا تو لَا مُلْتَقٍ قَسَمِ کے ارادہ پر کلام ہوگی۔

فراء اور ابو عبید نے الحق کو حقا کے معنی میں کرتے ہوئے منصوب ذکر کیا ہے یہ تعبیر نحو یوں کی ایک جماعت کے نزدیک غلط ہوگی یہ کہنا جائز نہیں زید الاضربین کیونکہ لام کا مابعد ماقبل سے الگ ہوتا ہے اس لیے مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا دونوں کے قول کے مطابق لا ملتن جہنم حقا۔ جس نے لفظ الحق کو مرفوع پڑھا تو اس نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فانا الحق یا الحق منی۔ دونوں نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو هذا الحق۔

سیبویہ اور فراء کے مذہب کے مطابق تیسرا قول ہے: حق یہ ہے کہ جہنم کو بھر دوں گا، مجرور پڑھنے کی صورت میں دو قول ہیں! یہ ابن سمیع اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے (1) حرف قسم محذوف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے جس طرح وہ کہا کرتے: اللہ عزوجل لافعلن سیبویہ نے اس جیسی صورت کے جواز کا قول کیا ہے۔ ابو العباس نے اس میں غلطی کی ہے وہ جز کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ حروف جار کو مضمر نہیں کیا جاتا (2) دوسرا قول یہ ہے کہ فاء، واو قسم کا بدل ہے جس طرح انہوں نے یہ شعر ذکر کیا:

فَمَثَلِكِ حُبْلَى قَدْ طَرَقَتْ وَمُرْضِعُ

یہاں محل استدلال مشکک ہے۔

لَا مُلْتَقٍ جَهَنَّمَ مَثَلِكِ، مَثَلِكِ سے مراد تیری ذات اور تیری اولاد ہے وَمَثَلِكِ تَبَعَكَ سے مراد بنی آدم ہے قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وحی کی تبلیغ پر کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وحی کے ذکر کی تبلیغ کے بعد علیہ کی ضمیر اس کے لیے ذکر کی ایک قول یہ کیا گیا عَلَيْهِ کی ضمیر اُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا کی طرف لوٹ رہی ہے وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ نہ میں تکلیف کرتا ہوں اور جس کا مجھے حکم نہیں دیا جاتا میں اسے اندازہ نہیں کہتا مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس سے کسی ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے جس کا وہ علم نہ رکھتا ہو وہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور وہ تکلف سے کام نہ لے کیونکہ اس کا کہنا لا اعلم یہ بھی علم ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: للمتكلف ثلاث علامات ينازع من فوقه ويتعاطى ما لا ينال ويقول ما لا يعلم (1) متكلف کی تین علامتیں ہیں وہ اپنے برتر سے جھگڑا کرتا ہے وہ ایسی چیز کا لین دین کرتا ہے جو پاتا نہیں اور وہ کہتا ہے جو نہیں جانتا ہے۔

دارقطنی کی سند سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے آپ رات کو چلتے رہے صحابہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے حوض کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: اے حوض والے! آج رات تیرے حوض پر درندے آئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”اے حوض والے! اسے نہ بتانا یہ تکلف کرنے والا ہے۔ ان درندوں کے لیے وہ ہے جو انہوں نے پی لیا اور ہمارے لیے وہ ہے جو باقی ہے وہ

مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔“

موطا میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک قافلہ میں نکلے ان میں حضرت عمرو بن عاص بنثیبتہ تھے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر وارد ہوئے حضرت عمرو بن عاص بنثیبتہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں؟ حضرت عمر بنثیبتہ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا، ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ سورہ فرقان میں پانیوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ ہو ضمیر سے مراد قرآن ہے، عالمین سے مراد جن اور انسان ہیں وَ لَتَعْلَمَنَّ نَهَأُكَ بَعْدَ حِينٍ ﴿۱۱﴾ ہ ضمیر سے مراد ذکر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی وہ حق ہے (1)۔

بَعْدَ حِينٍ قتادہ نے کہا: موت کے بعد۔ زجاج نے بھی یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس بنیبتہما، عکرمہ اور ابن زید نے کہا: یوم قیامت۔ فراء نے کہا: موت کے بعد موت سے پہلے۔ جب مسلمانوں کی تلواریں تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں گی تو تمہارے لیے اس قول کی حقیقت ظاہر ہوگی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ سدی نے کہا: حین سے مراد یوم بدر ہے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اے انسان! موت کے وقت یقینی خبر تیرے پاس پہنچے گی (2)۔ عکرمہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ قسم اٹھائی لیصنعن کذا الی حین فرمایا: بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک نہیں کر سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَتَعْلَمَنَّ نَهَأُكَ بَعْدَ حِينٍ ﴿۱۱﴾ اور بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُوْتِيْ اَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم: 25) گاہے نکلنے سے کھجور کاٹنے تک چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ اور سورہ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔

سورۃ الزمر

﴿سورۃ الزمر﴾ ﴿سورۃ الزمر﴾ ﴿سورۃ الزمر﴾ ﴿سورۃ الزمر﴾ ﴿سورۃ الزمر﴾

اسے سورہ غرغ کہتے ہیں۔ وہب بن منبہ نے کہا: جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا جو اسکی مخلوق میں ہے، اسے پہچانے تو وہ سورہ غرغ کو پڑھے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء، اور جابر بن زید کے قول میں مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مگردو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں (1) اللہ تَزَلْ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (2) قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ۔ دوسرے علماء نے کہا: مگر سات آیات مدنی ہیں قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ یہ وحشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ بنتیبا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ زمر اور بنی اسرائیل کی تلاوت کے بغیر نہیں سویا کرتے تھے (2)۔ یہ پچھتر آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہتر آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

تَنْزِيلِ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ﴿۳﴾ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ ۗ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقْرَبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِى مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفّٰرٌ ﴿۴﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ سُبْحٰنَهُ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۵﴾

”اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز اور حکیم ہے۔ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو، خبردار! صرف اللہ کے لیے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنالیے اس کے سوا اور والی اور (کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چین لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو

ایک ہے سب سے زبردست“۔

تَنْزِيلُ كُورْفِع، مبتدا کی وجہ سے دیا گیا اس کی خبر مِنْ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس حیثیت سے مرفوع ہو ہذا تنزیل یہ فراء نے کہا۔ کسائی اور فراء نے تنزیل منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے اتبعوا و اقراء و اتنزیل الكتاب۔ فراء نے کہا: یہ اغراء کی حیثیت میں منسوب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (النساء: 24) تقدیر کلام ہے الزموا کتاب اللہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ مکتوب ہے۔

یہ کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے حق سے مراد صدق ہے یعنی یہ باطل اور مذاق نہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مخلصا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو موصد بنتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ التّٰدِيْنُ سے مراد اطاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عبادت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ التّٰدِيْنُ الْخَالِصُ سے مراد ہے جس میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنّہ اللہ! میں کسی شے کو صدقہ کرتا ہوں اور میں کوئی عمل کرتا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی تعریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ رسول اللہ سنّہ اللہ! نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محتد بیدہ لا یقبل اللہ شیاً شورک فیہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا جس میں شراکت کی گئی ہو، پھر رسول اللہ سنّہ اللہ! نے اس آیت کی تلاوت کی اَلَا لِلّٰهِ التّٰدِيْنُ الْخَالِصُ یہ وضاحت سورہ بقرہ، سورہ النساء اور سورہ الکہف میں مفصل گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت اس بارے میں دلیل ہے کہ ہر عمل میں نیت واجب ہے ان اعمال میں سب سے عظیم وضو ہے جو ایمان کا جز ہے (1) جبکہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں کہتے ہیں: وضو نیت کے بغیر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ نیت کے بغیر نہ وہ ایمان کی شرط بنتا ہے اور نہ ہی ناخنوں اور بالوں سے خطائیں نکلتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهَا اَوْلِيَاءَ اُولِيَاءُ سے مراد بت ہیں اس کی خبر محذوف ہے وہ قالوا ہے قتادہ نے کہا: جب انہیں کہا جاتا: من ربکم وخالقکم (2) تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے کس نے پانی نازل کیا؟ سب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ انہیں کہا جاتا: تمہاری بتوں کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ وہ کہتے ہیں: تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں (3)۔ کلبی نے کہا: اس کلام کا

جواب سورہ الاحقاف میں ہے: فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً (الاحقاف: 28) زلفی سے مراد قربت ہے تاکہ وہ ہمیں اس کے قریب کر دیں۔ زلفی مصدر کے حکم میں ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونہ اولیاء قالوا نعبدہم الا لیتقربونا الی اللہ زلفی۔ حضرت ابی کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدکم الا لیتقربونا الی اللہ زلفی، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے کہا: اس میں حکایت واضح ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ قِیَامَتِ کَیَوْمَ اللّٰهِ تَعَالٰی اہل ادیان میں فیصلہ فرمائے گا ہر ایک جس کا مستحق ہوگا اسے جزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ کَذِبٌ کَفَّارٌ ۝ جس کے بارے میں پہلے ہی کفر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس دین کی ہدایت نہیں پائے گا، جس پر وہ راضی ہے وہ دین اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا ضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ: 3) اس آیت میں قدر یہ اور دوسرے مکاتب فکر کا رد ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَعْلَمُ مَا تُکْفِرُوْنَ ۝ اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو یہ نام دیتا تو اللہ تعالیٰ یہ امر ان کے سپرد نہ کرتا سُبْحٰنَہُ ۗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اولاد سے پاکی بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ یَکُوْنُ الَّیْلَ عَلٰی النَّهَارِ ۗ وَ یَکُوْنُ النَّهَارَ عَلٰی
الَّیْلِ ۗ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ کُلٌّ یَجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۗ ۝ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْعَفَّارُ ۝
خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجًا وَّجَهًا ۗ اَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَائِدًا ۗ ثُمَّ
اَنْزَلَ لَکُمُ السَّمَآءَ سَآءًا ۗ اَلَا یَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ وَ یَخْتَارُ ۗ ۝ اَلَا یَعْلَمُ
اَنَّ اللّٰهَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ وَ یَخْتَارُ ۗ ۝ اَلَا یَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ وَ یَخْتَارُ ۗ ۝
رَبُّکُمْ لَہٗ الْمُلْکُ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَآلِی تَصْرِفُوْنَ ۝

”اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپینتا ہے رات کو دن پر اور لپینتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ معیاد تک، غور سے سنو وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے، وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں، یہ قدرت والا اللہ تمہارا رب ہے اس کی حکومت ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو۔“

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ وہ کامل طور پر قادر ہے وہ بیوی اور اولاد سے مستغنی ہے جو اس طرح ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ عبادت کیے جانے میں یکتا ہونہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے ذریعے اس امر پر متنبہ کیا کہ اسے حق حاصل ہے کہ لوگوں سے جو چاہے خدمت لے جبکہ اس نے اس طرح کیا بھی۔

يَكْوُرُ النَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيَكْوُرُ النَّهَارَ عَلَى النَّيْلِ ضحاک نے کہا: اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے اور اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے یہ تعبیر لغت میں تکویر کے معنی میں منحصر ہے جس سے مراد ہے ایک شے کو دوسری پر ڈالنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کور المتاع اس نے کچھ سامان دوسرے سامان پر ڈال دیا، اسی سے کور العمامة ہے یعنی اس نے پگڑی لپیٹی۔ اس آیت کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہا: جو حصہ رات سے کم ہوتا ہے وہ دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جو حصہ دن سے کم ہوتا ہے وہ رات میں داخل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يُؤَلِّجُ النَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي النَّيْلِ (لقمان: 29) کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَكْوُرُ النَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ سے مراد ہے کہ رات دن پر چھا جاتی ہے (1) یہاں تک کہ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے؛ یہ قنادہ کا قول ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَشِيثًا كَمَا يَبْهِي مَطْلَبٌ هُوَ۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بَدْوً لِيَطْلُعَ غُرُوبُهَا سَاكِنَةً وَمَا يَكْوُرُ النَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَبَدْوً لِيَطْلُعَ غُرُوبُهَا سَاكِنَةً اور چاند کو مسخر کر دیا ان میں سے ہر ایک اپنے فلک میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے گی وہ یوم قیامت ہے جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اجل مسمی سے مراد وہ وقت ہے جس میں سورج اور چاند کا سفر ان منازل پر اختتام پذیر ہوتا ہے جو غروب اور طلوع کے لیے ترتیب دی گئی ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ دونوں اپنی بعیدی منزل تک چلتے ہیں پھر دونوں قریبی منازل کی طرف لوٹتے ہیں وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس کی وضاحت سورہ یس میں گزر چکی ہے۔

أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْعَفَاؤُ ﴿٥﴾ الا تمبیہ کے لیے ہے یعنی متنبہ ہو جاؤ میں غالب ہوں اور اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے گناہوں کو چھپانے والا ہوں۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ - نَفْسٍ وَاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے ثُمَّ جَعَلَكُمْ مِنْهَا ذُؤُجَاهًا اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ تناسل کا عمل جاری ہو۔ اعراف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا - أَزْوَاجٍ کی خبر نزول کے ساتھ دی کیونکہ یہ نباتات سے پیدا ہوتے ہیں اور نباتات اس پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اسے ہی تدریج کہتے ہیں اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف: 26) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے أَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا کی معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی پیدا کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چوپاؤں کو جنت میں پیدا کیا پھر انہیں زمین کی طرف اتارا جس طرح اس ارشاد میں فرمایا: وَأَنْزَلْنَا الْحَبِيدَ فِيهِ بَأْسٌ (الحمدید: 25) کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اترے تو ان کے ساتھ ہی لوہا اتارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تمہیں عطا فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیدا کرنے کو انزال قرار دیا کیونکہ پیدائش ایسے امر کے ساتھ ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے معنی ہوگا تمہارے لیے یہ چیزیں نازل ہونے والے امر کے ساتھ پیدا کیں۔ قنادہ نے کہا: اونٹ میں سے دو، گائے میں سے دو، بکری میں سے دو، اور

بھیڑ میں سے دو ان میں سے ایک جوڑا ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

يَخْلُقَكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ قَدَّاهُ اور سدی نے کہا: پہلے نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈی پھر گوشت۔ ابن زید نے کہا: پہلے آباء کی پشتوں پھر تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد باپ کی پشت، پھر ماں کے پیٹ پھر وضع حمل کے بعد پیدائش؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ اس سے مراد پیٹ کی ظلمت، رحم کی ظلمت اور جھلی کی ظلمت ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن جبیر نے کہا: جھلی کی ظلمت، رحم کی ظلمت، اور رات کی ظلمت؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کے پشت کی تاریکی، عورت کے بطن کی تاریکی اور رحم کی تاریکی؛ یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے یعنی تاریکی اسے نہیں روک سکتی جس طرح مخلوق کو روک دیتی ہے ذَلِكُمْ اللَّهُ وَهِيَ هِيَ جس نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا یا وہ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟ حمزہ نے اسے اُمَّهَاتِكُمْ پڑھا ہے یعنی ہمزہ اور میم دونوں مکسور ہیں۔ کسائی نے ہمزہ مکسور اور میم کو مفتوح پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ مضموم اور میم کو مفتوح پڑھا۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

”اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بے شک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے تمہارے لیے، اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے سینے کے رازوں کو۔“

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ یہ کلام شرط و جزا پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الاسراء: 65) اور جس طرح فرمایا: عینا یشرب بها عباد اللہ یہ تعبیر ان علماء کے نزدیک ہے جو رضا اور ارادہ میں فرق نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کفر سے راضی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے کافر نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اسے پسند بھی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ ابلیس پر راضی نہیں پس ارادہ رضا سے مختلف ہے؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ یعنی تمہارے شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ تَشْكُرُوا اس پر دلالت کرتا ہے۔ سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کے بارے میں بحث گزر چکی ہے یرضی کا معنی بدلہ دینا اور تعریف کرنا ہے، اس صورت میں رضا سے مراد یا تو ثواب ہوگا تو اس صورت میں فعل کی صفت ہوگا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: 7) یا اس سے مراد اس کی ثنا ہے تو اس صورت میں وہ ذات کی صفت ہوگا۔ ابو جعفر، ابو عمر، شیبہ، اور ہبیرہ نے عاصم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے دیرضہ پڑھا یعنی ہاء کو ساکن پڑھا۔ ابن ذکوان، ابن کثیر، ابن مہیسن، کسائی اور ورش نے نافع سے ضمہ کے اشباع کے ساتھ قراءت نقل کی ہے باقی قراء نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۗ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوَ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۗ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۗ أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ إِنَّا أَعْيَلْنَا لَكَ أَمْثَالَ ذُرِّيَّتِكَ لِيُرْجَا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ

”اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف اس وقت پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہم مثل تاکہ بہکا دے اس کی راہ سے، (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن، بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص عبادت میں صرف کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے بائیں ہمہ ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی آپ پوچھیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل البتہ عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“

الْإِنْسَانَ سے مراد کافر ہے ضُرٌّ سے مراد فقر اور آزمائش میں سختی ہے مُنِيبًا إِلَيْهِ یعنی اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے، اس کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس شدت کو زائل کرنے میں مدد چاہتے ہوئے خَوَّلَهُ اسے عطا کی اور اسے مالک بنایا، یہ جملہ بولا کہا جاتا ہے: خَوَّلَكَ اللَّهُ الشَّيْءَ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا۔ ابو عمرو بن علاء یہ شعر پڑھا کرتا:

هَذَاكَ إِنْ يُسْتَخْوَلُوا الْمَالُ يُخْوَلُوا (1)

ان سے اگر مال غاریہ مانگا جائے تو وہ ادھار دے دیتے ہیں۔
خَوَّلُ الرَّجُلِ سے مراد اس کے خدام ہیں اس کی واحد خاتل ہے۔
ابو انجم نے کہا:

أَعْطَى فَلَمْ يَبْخُلْ وَلَمْ يُبْخَلْ كَوْمِ الدُّرَى مِنْ خَوَّلِ الْمُخَوَّلِ (1)

نبیؐ ما کان یدعو الیہ من قبل وہ اسی رب کو بھول جاتا ہے جس کو اس سے قبل مصیبت کے دور کرنے میں یاد کیا کرتا تھا۔ اس تعبیر کی صورت میں مَا اللهُ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہوگا اور یہ الذی کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مَا، من کے معنی میں ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا أَنْتُمْ عِبْدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ (الکافرون) معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اس دعا کو بھول جاتا ہے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کیا کرتا تھا یعنی وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہوا کرتی تھی۔ اس تعبیر کی صورت میں ما اور فعل مصدر کے حکم میں ہوں گے۔ اُنْدَادًا سے مراد بت ہیں۔ سدی نے کہا: یہاں انداد سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر وہ اپنے تمام امور میں اعتماد کیا کرتے تھے ان کا مقصود یہ ہے کہ جاہل ان کی اقتدا کریں۔

قُلْ تَسْتَمِعُونَ كُفْرًا قَلِيلًا اس انسان کو کہہ دو: لطف اندوز ہولے۔ یہ امر دھمکانے کے لیے ہے پس دنیا کا سامان قلیل ہے إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ تیرا ٹھکانہ جہنم ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الْيَلِّ اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت کی مومن اس کافر جیسا نہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے حضرت حسن بصری، ابو عمرو، عاصم اور کسائی نے امن تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

نافع، ابن کثیر، یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے امن تخفیف کے ساتھ ندا کے معنی میں پڑھا ہے گویا یوں کلام کی یا امن ہو قانت فراء نے کہا: الف یاء کے قائم مقام ہے تو کہتا ہے: یا زیدُ اقْبِل، اَزْیْدُ اقْبِل سیبویہ اور تمام نحو یوں سے نقل کیا گیا ہے جس طرح اوس بن حجر نے کہا:

أَبْنَى لُبَيْتِي لَسْتُمْ بِيَدٍ إِلَّا يَدًا لَيْسَتْ لَهَا عَضُدٌ

اے لبتنی کی اولاد! تم ایسا ہاتھ ہو جس کا بازو نہیں۔

اس تعبیر کی بنا پر کلام یہ ہوگی قُلْ تَسْتَمِعُونَ كُفْرًا قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وہ شخص جو عبادت میں وقت بسر کرتا رہا تو جنتی ہے جس طرح عام گفتگو کی جاتی ہے: فلان لا یصلی ولا یصوم فیا من یصلی ویصوم أبشرا۔ فلاں نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے اے وہ شخص جو نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے تجھے بشارت ہو۔ کلام کیوں کہ اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: أمن میں الف استفہام کا ہے معنی یہ ہوگا کیا وہ شخص جو رات کو عبادت کرتا ہے وہ افضل ہے یا وہ افضل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے تقدیر کلام یہ ہوگی الذی ہو قانت خیر۔ جو عبادت کرتا ہے وہ

بہتر ہے جس نے امن کو مشدد پڑھا ہے معنی ہوگا وہ نافرمان جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو عبادت کرتا رہا پس وہ جملہ جو امر کا معادل ہے وہ محذوف ہے اصل کلام یوں تھی امر من ایک میم کو دوسری میم میں مدغم کر دیا۔ نحاس نے کہا: امر، بل کے معنی میں ہے اور من الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: امر الذی ہو قانت افضل من ذکر۔

قانت میں چار تو جہیں ہیں: (1) اس کا معنی مطیع ہے (1)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) اپنی نماز میں خشوع کرنے والا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے (3) نماز میں قیام کرنے والا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (4) اپنے رب سے دعا کرنے والا (2)؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول سب کو جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: ”لبا قیام“۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے اس سے مراد لبا قیام اور قرآن کی قراءت ہے۔ مجاہد نے کہا: قنوت سے مراد لبا رکوع اور آنکھ کو جھکانا۔ علماء جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آنکھوں کو جھکا کر رکعت خضوع کا اظہار کرتے، نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ دیتے، فضول عمل نہ کرتے اور امور دنیا میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرتے مگر بھول کر۔

نحاس نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ اس کی تعبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے یہ سب اشیاء اطاعت میں داخل ہیں اور طاعت سے جو بڑھ کر ہیں وہ بھی جس طرح حضرت نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا: اٹھو نماز پڑھو، میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھا جبکہ میرے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے آپ نے مجھے بلایا آپ نے مجھے فرمایا: بتاؤ اگر میں تجھے کسی کام کے لیے بھیجوں کیا تو اسی طرح چلا جائے گا؟ میں نے عرض کی: میں زیب وزینت کا اہتمام کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ اس شان کے لائق ہے کہ تو اس کے لیے زیب وزینت کا اہتمام کرے۔

یہاں قانت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ضحاک آپ سے روایت کرتے ہیں: اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت صہیب، حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اس حال پر ہو۔

اناء التیل حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد اس کی ساعتیں ہیں پہلی، درمیانی اور آخری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اناء التیل سے مراد رات کا درمیانی حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر وقوف کو آسان کر دے تو وہ رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ (سے امید رکھے کہ وہ) اسے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دیکھے جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے۔

يُخَذُّرُ الْأَخْرَجَةَ سَعِيدُ بْنُ جَبْرِ نَعْنُ قَالَ: وَهُوَ آخِرُتُ الْعَذَابِ مِنْ ذُرَّتِهِ وَوَيْزُ جُزْءِ رَحْمَةِ رَبِّهِ يَعْنِي وَهُوَ جَنَّتُ كِي نَعْمَتُونَ كِي أَمِيدُ رَكْمَتِهِ - مَرُودِي هِي كِي حَضْرَتُ حَسَنِ بَصْرِي سِي كِي أَيْسِي آدِي كِي بَارِي سِي مِي پُو چھا گیا جو نافرمانیوں میں بہت آگے بڑھ جاتا ہے اور امید بھی رکھتا ہے فرمایا: وہ تمنا کرنے والا ہے۔ جس نے اَقْنُ هُوَ قَانِتٌ كُونْدَا كِي مَعْنِي مِي لِيَا هِي تُو وَهُوَ رَحْمَةً رَبِّهِ پَرُ وَقْفُ نَبِيں كَرِي كَا كِيونكہ اللہ تعالیٰ كا فرمان: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ متصل ہے مگر اس صورت میں کہ کلام میں حذف مقدر کیا جائے یہ زیادہ آسان ہے جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

زجاج نے کہا: جس طرح علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مطیع اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے علماء نے کہا: جو علم رکھتے ہیں وہی اپنے علم سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں رہا وہ شخص جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل کے قائم مقام ہوئے۔ بے شک مومنوں میں سے اصحاب عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ لِيَعْبُدُوا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَ

أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

”آپ فرمائیے: اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے، اور (یاد کرو) ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے، اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے، مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

اے محمد! سُنِّيْهِ عَلَيْهِم مِيرِي مومن بندوں سے کہہ دو: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اتَّقُوا مِيں تاء واد کا بدل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ حَسَنَةٌ أُولَى سِي مَرَادُ طَاعَتِ أُوْر دُوسری سِي مَرَادُ جَنَّتِ مِيں ثَوَابُ هِي۔ اِيك قَوْلُ يِي كِيَا گِيَا هِي: مَعْنِي هِي جَنُهوں نِي دُنْيَا مِيں نِيكِي كِي اِن كِي لِيِي دُنْيَا مِيں نِيكِي هِي تُو يِي آخِرَتِ كِي ثَوَابُ سِي زِيَادِه هِي (1)۔ دُنْيَا مِيں زَائِدُ حَسَنَةٍ سِي مَرَادُ صَحْتِ، عَافِيَتِ، كَامِيَا بِي أُوْر غَنِيْمَتِ هِي۔ قَشِيْرِي نِي كِيَا: پِهْلَا قَوْلُ زِيَادِه صَحِيْحُ هِي كِيونكہ كَا فَرْنِي دُنْيَا وِي نَعْمَتِيں تُو حَاصِلُ كِي هِيں۔

میں کہتا ہوں: کافر کے ساتھ مومن بھی دنیاوی نعمتیں حاصل کرتا ہے جب وہ ان نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے تو اس کے لیے جنت میں زائد نعمتیں دی جاتی ہیں۔ دنیا میں نعمت اچھی تعریف اور آخرت میں جزا ہے (2)۔

وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ تَمَّ اس مِيں هِجْرَتِ كَرُودِ أُوْر جُو آدِي نَا فَرْمَانِيَاں كَرْتَا هِي تَمَّ اس كِي سَا تَهْ مَقِيْمُ نَرُ هُو۔ اس بَارِي سِي مِيں بَحْثُ سُوْرَةِ النَّسَاءِ مِيں مَفْصَلُ گَزْرُ رُجْكِي هِي۔ اِيك قَوْلُ يِي كِيَا گِيَا هِي: مَرَادُ جَنَّتِ كِي زَمِيْنُ هِي اللہ تعالیٰ نِي اس كِي وَسْعَتِ أُوْر

نعمتوں میں رغبت دلائی ہے جس طرح فرمایا: **وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ** (آل عمران: 133)
جنت کو بعض اوقات ارض کہہ دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةُ
وَأَوْسَاتِنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ** (الزمر: 74)

پہلا قول زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ یہ ہجرت کا حکم ہے یعنی تم مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تمہیں
امن ہو۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال ہے وسعت ارض سے مراد رزق کی وسعت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق زمین سے ہی
عطا کرتا ہے تو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا رزق وسیع ہے؛ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کی وسعت کو احسان جتلانے کے
انداز میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ تم مہنگے علاقہ سے سستے علاقے کی طرف چلے جاؤ جس طرح حضرت سفیان
ثوری نے کہا: تو وہاں رہ، جہاں ایک درہم سے روٹیوں کا تھیلا بھر لے۔

إِنَّمَا يُؤْتِي الضُّبُورَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ① بغیر اندازے کے انہیں پورا اجر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ
انہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا کیونکہ اگر ان کو عمل کے مطابق عطا کیا جائے تو یہ حساب کے مطابق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:
بِغَيْرِ حِسَابٍ کا معنی ہے بغیر مطالبہ کے انہیں اجر دیا جائے گا جس طرح دنیاوی نعمتوں کے بارے میں مطالبہ کیا جاتا ہے۔

الضُّبُورَ سے یہاں مراد روزے دار ہیں، اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خبر
دی گئی ہے الصومی وأنا اجزی بہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دیتا ہوں۔ علماء نے کہا: ہر اجر کا کیل اور وزن
کیا جاتا ہے مگر روزہ اس کا اجر دونوں ہاتھوں سے بغیر حساب کے دیا جاتا ہے (1)؛ حضرت علی شیر خدا سے بھی یہی مروی ہے۔
مالک بن انس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **إِنَّمَا يُؤْتِي الضُّبُورَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد دنیا
کے مصائب اور اخزان پر صبر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جس نے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس سے منع کیا گیا تھا
اس کو چھوڑ دیا تو اس کے اجر کی کوئی مقدار نہیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہاں کوئی پیمانہ اور ترازو نہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا: ”ترازو گاڑھے جائیں گے صدقہ کرنے
والوں کو لایا جائے گا تو ترازووں سے انہیں پورا اجر دیا جائے گا (2) اسی طرح نماز اور حج کا معاملہ ہے مصیبت کے شکار لوگوں
کو لایا جائے گا نہ ان کے لیے ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے لیے دیوان کھولا جائے گا ان کے لیے اجر بغیر حساب کے انڈیلا
جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّمَا يُؤْتِي الضُّبُورَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** یہاں تک کہ دنیا میں سلامتی سے رہنے والے آرزو
کریں گے کہ ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جائیں اس آرزو کی وجہ مصائب کا شکار لوگوں کی فضیلت ہوگی۔“

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”فرائض کو
ادا کر تو لوگوں میں سے زیادہ عبادت گزار ہو جائے گا تجھ پر قناعت کرنا لازم ہے تو لوگوں میں سے سب سے غنی ہو جائے گا

اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرہ بلوی کہتے ہیں اہل بلاء کو بلایا جائے گا ان کے لیے ترازو نصب نہیں کیا جائے گا ان کے دیوان کو نہیں پھیلا یا جائے گا ان پر اجر انڈیا جائے گا۔“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَآ يُوْتَى الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٥٠﴾ لفظ صابر کے ساتھ مدح کی جاتی ہے یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو نافرمانیوں سے صبر کرے جب تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے مصیبت پر صبر کیا ہے تو کہے گا: صابر علی کذا؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لِّهٖ الدِّيْنَ ﴿٥١﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قُلْ اللّٰهُ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لِّهٖ دِيْنِيْ ﴿٥٤﴾ فَاَعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِلَّا ذٰلِكَ هُوَ الْخٰسِرَانِ الْمُبِيْنُ ﴿٥٥﴾ لَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ لِيَعْبَادُوْا تَقْوٰنَ ﴿٥٦﴾

”فرمائیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ آپ فرمائیے: میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے: اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو بس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا، نیز فرمادیجئے: اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھائے میں ڈالے گئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنو یہی پہلا کھلا گھانا ہے۔ ان (بد بختوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی شعلے۔ اس عذاب الیم سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔“

قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لِّهٖ الدِّيْنَ ﴿٥١﴾ سورت کے آغاز میں یہ آرزو پختہ ہے وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ یعنی اس امت کا پہلا مسلمان ہوں بات حقیقت میں ایسے ہی تھے کیونکہ آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے آباء کے دین کی مخالفت کی، بتوں سے لائق ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور اس پر ایمان لائے اور اسی امر کی طرف دعوت دی لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ میں لام زائد ہے؛ یہ جرجانی اور دوسرے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ لام اجل ہے اس کلام میں حذف ہے یعنی مجھے عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بنوں۔

قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥٣﴾ اس سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ یہ اس وقت کہا جب ان کی قوم نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی دعوت دی؛ یہ اکثر اہل تفسیر نے کہا: ابو حمزہ ثمالی اور ابن مسیب نے کہا: یہ آیت اللہ

تعالیٰ کے فرمان لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: 2) کے ساتھ منسوخ ہے، یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کی مغفرت سے قبل کے لیے تھی۔

قُلْ اللَّهُ أَعْبُدُ لَفْظِ اسْمِ جَلَالَتِ پر نصب أَعْبُدُ کی وجہ سے ہے۔ دین سے مراد اطاعت اور عبادت ہے فَأَعْبُدُوا يه امر تہدید کے لیے ہے یہ وعید و توبیخ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (فصلت: 40) ایک قول یہ کہا گیا ہے: یہ آیت سب کے ساتھ منسوخ ہے۔

قُلْ إِنَّ الْخَيْرَ لِنَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ميمون بن مهران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں بیوی پیدا کی جب وہ جہنم میں داخل ہوا تو اس نے اپنی ذات کا اور اپنے اہل کا نقصان کیا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عمل کیا تو اس کے لیے وہ منزل اور اہل ہو گئے مگر جو اس کے لیے اس سے پہلے تھا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ (المومنون)

لَهُمْ مِنْ قَوْقِبِهِمْ ظُلْلٌ مِنَ الثَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلْلٌ ان کے جو نیچے ہیں انہیں ظلل کا نام دیا کیونکہ وہ اپنے سے نیچے والوں کو سایہ دیتے ہیں یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ قَوْقِبِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 40) اور يَوْمَ يَعْشَبُ الْعَذَابُ مِنْ قَوْقِبِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (العنكبوت: 55) کی مثل ہے ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عِبَادًا سے مراد اس کے اولیاء ہیں لِيُعْبَادُوا فَاتَّقُونَ ﴿١٠﴾ اے میرے اولیاء! مجھ سے ڈرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومن اور کافر میں عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يِعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ

عِبَادِ ﴿١١﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ

وَأُولَئِكَ هُمُ الْوَالِدُ الْبَابِ ﴿١٢﴾

”اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور دل سے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے

لیے مژدہ ہے مژدہ سنادیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات

کی، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں۔“

انفخش نے کہا: طاغوت جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد مونث ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ معنی ہے وہ طاغوت

سے دور ہے وہ اس سے ایک طرف ہے انہوں نے طاغوت کی عبادت نہ کی۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد شیطان

ہے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: اس سے مراد بت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کابن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

یہ عجمی نام ہے جس طرح طاغوت، جالوت، ہاروت اور ماروت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربی نام ہے یہ طغیان سے مشتق ہے ان محل نصب میں ہے طاغوت سے بدل ہے، تقدیر کلام یہ ہے والذین اجتنبوا عبادة الطاغوت۔

وَأَنبَأُوا إِلَى اللَّهِ - یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا لہم البشری دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں انہیں جنت کی بشارت ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان شخصیات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے انہیں اپنے ایمان کی خبر دی تو وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اچھی اور بری بات سنتے ہیں پھر اچھی بات کا ذکر کرتے ہیں اور قبیح چیز سے رک جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور غیر قرآن کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن یعنی محکم کی اتباع کرتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عزیمت اور رخصت کو سنتے ہیں وہ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عقوبت اور عفو کو سنتے ہیں اور عفو کو اپناتے ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: بہترین قول اس کا ہے جس نے اس آیت کا مصداق ان لوگوں کو بنایا ہے جو اسلام سے قبل توحید کا اقرار کرتے تھے یعنی یہ کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے دور جاہلیت میں طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا ان تک جو بات پہنچی تھی اس میں سے احسن کی اتباع کی اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ - یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی طرف ہدایت دی جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھایا۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ

”بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں حریص تھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے حق میں شفاعت سبقت لے جا چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابولہب، اس کی اولاد اور خاندان کے وہ افراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے اَفَأَنْتَ میں ہمزہ کو تاکید کے لیے مکسور ذکر کیا ہے کیونکہ کلام بہت طویل ہو گئی ہے۔ سیبویہ نے اللہ تعالیٰ

کے فرمان: **أَيُّدُكُمْ أَتَّكُمُ إِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْتُمْ مُخْرَجُونَ** (المؤمنون) کے بارے میں یہی بات کہی ہے جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

معنی ہے کیا جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے کیا تو اس کو بچانے والا ہے؟ یہ کلام شرط اور اس کے جواب پر مشتمل ہے اسے استفہام کے ساتھ پڑھا گیا ہے تاکہ توقيف و تقدیر پر دلالت کرے۔

فراء نے کہا: اس کا معنی ہے جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے تو اس کو بچائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی **أَفْسِنَ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** بنجومنه اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہے **أَفْسِنَ حَقَّ عَلَيْهِ** دوسری جگہ فرمایا: **حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** کیونکہ فعل جب پہلے ہو اور فعل اور جس اسم کی اس کے ساتھ صفت بیان کی جا رہی ہو کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہو تو اس میں تذکیر و تانیث جائز ہوتی ہے کیونکہ یہاں تانیث حقیقی نہیں بلکہ کلمہ، کلام اور قول کے معنی میں ہے مراد ہوگا **أَفْسِنَ حَقَّ عَلَيْهِ قَوْلَ الْعَذَابِ**۔

**لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ عُرفٌ مِّنْ فَوْقَ غُرْفٍ مَّبِينَةٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَعَدَّ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْبِعَادَ** ①

”البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں جس کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔“

جب یہ بیان کیا کہ کفار کے لیے آگ کے اوپر اور نیچے سے سائے ہونگے اب یہ بیان کیا کہ متقین کے لیے بالا خانوں پر بالا خانے ہیں کیونکہ جنت کے کئی درجات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ لیکن یہاں استدراکیہ نہیں ہے کیونکہ نفی نہیں آئی جس طرح یہ قول ہے: **مَا رَأَيْتَ زَيْدَ الْكِنِ عَمْرًا** اس میں نفی موجود ہے بلکہ یہ ایک قصہ کو ترک کر کے دوسرے قصہ کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے: **وَقَصَّ** پہلے کے مخالف ہوتا ہے جس طرح تیرا قول ہے **جائنی زید لکن عمرو لم یأت**۔

عُرْفٌ مَّبِينَةٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ بالا خانے زبرد اور یا قوت کے بنے ہوئے ہونگے **تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا** یعنی یہ نہر ہت کے اسباب کو جامع ہوں گے **وَعَدَّ اللَّهُ** یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ **لَهُمْ عُرفٌ** کا معنی ہے **وَعَدَّ اللَّهُ** ذلك وعدا اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے **ذَلِكَ وَعَدُّ اللَّهِ**۔

لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْبِعَادَ ① معاد سے مراد ہے جو دونوں جماعتوں سے وعدہ کیا گیا۔

**أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعٌ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ مِنْهُ ذُرْعًا
مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتُرَبُّهُ مُمْصَفًا لَّهُمْ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ** ②

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر آگاتا ہے اس کے ذریعے فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زردی مائل پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، یقیناً اس (کرشمہ قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لیے۔“

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَالَّذِينَ شَاءُوا فَسُكَّتْ فِيهِ الْآبُيَّاتُ (المومنون: 18) یقیناً اللہ تعالیٰ نے بادل سے بارش کو نازل کیا۔

فَسَلَكَهُ مِنَ السَّمَاءِ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسُكَّتْ فِيهِ الْآبُيَّاتُ (المومنون: 18) یہ ینبوع کی جمع ہے یہ یفعول کا وزن ہے یہ نَبْعٌ، يَنْبَعٌ، يَنْبِغٌ اور يَنْبِغٌ کے وزن پر اس کا مضارع آتا ہے۔ نحاس نے کہا: ابن کيسان نے شاعر کے قول میں یوں بھی بیان کیا:

يَنْبِغٌ مِنْ ذِفْرَى غَضُوبٍ جَسْمَةٍ

ینباع کا معنی ینبیع ہے اس کے فتح میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا تو یہ الف ہو گیا جس کا معنی نکلتا ہے ینبوع سے مراد پانی کا چشمہ ہے اس کی جمع ینبایع آتی ہے سبحان سورہ اسراء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

پھر وہ پانی زمین کے چشموں سے نکلتا ہے اس کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے زُرْعًا جنس کے لیے ہے یعنی مختلف کھیتیاں سرخ، زرد، نیلی اور سبز۔ شعبی اور ضحاک نے کہا: ہر وہ پانی جو زمین میں موجود ہے وہ آسمان سے ہی اترتا ہے وہ آسمان سے صحرہ کی طرف نازل ہوتا ہے پھر وہاں سے چشموں اور کنوؤں کی طرف تقسیم ہو جاتا ہے لَمْ يَهْبِجْ پھر وہ خشک ہو جاتا ہے تو تو اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھے گا۔ مبرد نے کہا: اصمعی نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: حاجت الأرض یهيج إذا دب رنبتها وولى کہا اسی طرح: حاجت النبت کا جملہ بولا جاتا ہے کہا: اسی طرح اصمعی کے علاوہ نے بھی کہا: جوہری نے کہا: حاجت النبت ہیا جا یعنی نباتات خشک ہو گئی۔ أرض هائجة جب اس کی نباتات خشک ہو جائے یا وہ زرد ہو جائے حاجت الروح النبت ہو انے نباتات کو خشک کر دیا۔ أهيجنا الأرض یعنی ہم نے زمین کو خشک نباتات والا پایا۔ حاجت هائجة اس کا غضب بھڑک اٹھا ہوا هائجة اس کا جوش کم ہو گیا۔

لَمْ يَجْعَلْهُ حُطَامًا پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے یہ تحطم العود سے مشتق ہے جب وہ خشکی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے معنی اس کا یہ ہے جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور زمین سے جو چیز نکلتی ہے اس کے لیے بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن نازل کیا اور پھر اسے مومنوں کے دلوں میں داخل کیا لَمْ يُخْرِجْهُمْ زُرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ یہاں زرعا سے مراد دین ہے جو مختلف ہوگا ان میں سے بعض بعض سے افضل ہونگے جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے اس کا ایمان و یقین زائد ہوگا جہاں تک اس آدمی کا تعلق

ہے جس کے دل میں مرض ہے تو وہ اسی طرح خشک ہو جائے گا جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بیان فرمائی ہے یعنی جس طرح سبز نباتات متغیر ہو جاتی ہے اور وہ زرد ہو جاتی ہے اسی طرح دنیا اپنی رونق کے بعد ماند پڑ جاتی ہے۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۗ فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِ اللَّوِيْبَةِ قُلُوبُهُمْ
مِنَ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾

”بھلا وہ سعادت مند کشادہ فرمایا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے، پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔“

شرح کا معنی کھولنا اور وسیع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا یہاں تک کہ وہ اس میں مثبت ہو گیا (1)۔ سدی نے کہا: اس کے سینہ کو اسلام کے ساتھ وسیع کر دیا کیونکہ اس پر وہ خوش ہوا اور اس سے اطمینان ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ جائز ہے کہ یہ شرح اسلام کے بعد ہو پہلی تعبیر کی صورت میں یہ جائز ہے کہ شرح اسلام سے قبل ہو۔
فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۗ وہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہے جس طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اس حذف پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِ اللَّوِيْبَةِ قُلُوبُهُمْ دلالت کرتا ہے۔ مبرونے کہا: جب دل سخت ہو جائے تو کہا جاتا ہے: قسا القلب اسی طرح عتا اور عسا اس کے قریب قریب ہیں قلب قاس ایسا دل جو سخت ہو جو نرم نہ ہو۔ مفسرین نے کہا: أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ سے مراد حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ نقاش نے یہ بیان کیا کہ اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ مقاتل اور کلبی سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت ان تمام افراد کے لیے عام ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان تخلیق فرما کر کھلا کر دیا۔
مرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ کو کیسے کھول دیا؟ فرمایا: ”جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے (2)“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: الإِنَابَةُ إِلَىٰ دَارِ الْخُلُودِ وَالتَّجَانُّبُ عَنِ دَارِ الْغُرُورِ وَالِإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزْوِلِهِ جَنَّتِ كِي طَرْفٍ مَّتَوَجِّهًا، دُنْيَا سَے پھلو تھی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین خصلتوں کا ذکر کیا اس میں کوئی شک نہیں جس میں یہ خصلتیں ہوں تو وہ کامل ایمان والا ہے کیونکہ انابہ سے مراد نیکی کے اعمال ہیں کیونکہ جنت نیک اعمال کی جزا کے طور پر بنائی گئی ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مواقع پر کیسے اس کا ذکر کیا پھر اس کے بعد فرمایا: جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ (الواقعة) پس جنت اعمال کی جزا ہے جب بندہ نیکی کے کاموں میں منہمک ہو جاتا ہے تو یہی اس کا دار خلود کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جب دنیا سے اس کی حرص ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس کی طلب

سے غافل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہیں تو وہ اسی پر اکتفا کر لیتا ہے اور قانع ہو جاتا ہے پس وہ دنیا سے پہلو تہی کر لیتا ہے جب وہ اپنے امور کو تقویٰ کے ساتھ پختہ کر لیتا ہے تو وہ ہر امر میں غور و فکر کرنے والا ہوتا ہے وہ ادب کو کام میں لاتا ہے، پختگی سے کام کرتا ہے، احتیاط سے کام لیتا ہے، اس چیز سے بچتا ہے جو اسے شک میں ڈالے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے شک میں نہ ڈالیں، تو تحقیق اس نے موت کے لیے تیاری کر لی یہ ظاہر میں اس کی علامات ہیں کیونکہ وہ موت کو دیکھتا ہے اور دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا کو دار غرور دیکھتا ہے یہ رویت اسے اس لیے حاصل ہوتی ہے کیونکہ نور اس کے دل میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ اِيك قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابولہب اور اس کی اولاد ہے مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں کی سختی قرآن سننے سے بڑھ جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِّنْ، عن کے معنی میں ہے معنی ہوگا اللہ کا ذکر قبول کرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَطْلَبُوا الْحَوَائِجَ مِنَ السَّعَاءِ فَمَا نِي جَعَلت فِيهِمْ رَحْمَتِي وَلَا تَطْلَبُوا مِنَ الْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ فَمَا نِي جَعَلت فِيهِمْ سَخَطِي اللَّهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ بے اپنی ضروریات سختی لوگوں سے طلب کیا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھ دی ہے تم اپنی حاجت سخت دل لوگوں سے نہ مانگا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی ناراضگی رکھ دی ہے۔

مالک بن دینار نے کہا: کسی بندے کو سخت دلی سے بڑھ کر بڑی سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ کسی قول پر ناراض نہیں ہوتا مگر ان کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا ۖ تَشَعَّرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۗ لَمْ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ ذٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَمَن يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ ۗ ﴿١٧﴾

”اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جوڑتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جب یہ ارشاد فرمایا: فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ تُو اس امر کی وضاحت کی کہ جس کو سنا جاتا ہے اس میں سے سب سے بہترین چیز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ قرآن ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمارے سامنے بیان فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا (1) **اللَّهُ لَزَلْ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ** صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں نصیحت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: **الْمَ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذَا كُنِيَ اللَّهُ (الحديد: 16)**

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اکتاہٹ کا شکار ہوئے تو انہوں نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حدیث اسے کہتے ہیں جسے محدث بیان کرتا ہے قرآن کو حدیث کا نام دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ اور اپنی قوم کو یہ بیان کیا کرتے تھے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ ۚ (الاعراف) ۚ أَقَمْنَا هَذَا الْحَدِيثَ لِنَعْلَمَ مَا تَعْبُدُونَ ۚ (النجم) ۚ إِنَّ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَسْفًا ۚ (الكهف) ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۚ (النساء) ۚ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ (القلم: 44)**

قتیری نے کہا: ایک قوم نے وہم کیا ہے کہ حدیث حدیث سے نکلا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کا کلام حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ (الانبیاء: 2)** میں لفظ حدیث کا ارادہ نہیں کرتا جبکہ انہوں نے کہا حدیث یہ تلاوت کی طرف لوٹتا ہے متلو کی طرف نہیں لوٹتا تو یہ مذکور کے ساتھ ذکر کیا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

كُتِبَ، أَحْسَنَ الْحَدِيثِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے حال ہو **مُتَشَابِهًا** حسن اور حکمت میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: آیات اور حروف میں اس کا بعض، بعض کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کتابوں کے مشابہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر نازل کی گئیں کیونکہ یہ امر، نبی، ترغیب اور ترہیب کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگرچہ یہ ان سب کو اعم ہے اور سب سے بڑھ کر عاجز کرنے والی ہے پھر اس کی صفت بیان کی اور فرمایا: **مَثَانِي** اس میں قصے، وعظ اور احکام کو بار بار ذکر کیا جاتا ہے اس کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے مگر اکتایا نہیں جاتا۔

تَقْشُرُ اس میں جو وعید ہے اس سے خوف کی وجہ سے ان کی جلدیں مضطرب اور متحرک ہو جاتی ہیں **لَهُمْ تَلْدِينٌ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** آیت رحمت کے موقع پر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ پر عمل اور اس کی تصدیق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **ذِكْرُ اللَّهِ** سے مراد اسلام ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور ان کی جلدیں کانپنے لگتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے ان سے عرض کی: آج کل کچھ ایسے لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے تو انہوں نے کہا **أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**۔

سعید بن عبدالرحمن نجفی نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اہل قرآن میں سے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گرا ہوا تھا آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا: جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور نہیں گرتے تھے پھر فرمایا: شیطان ان کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کا یہ عمل نہ تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: حضرت ابن سیرین کے ہاں ان لوگوں کا ذکر ہوا جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ گر پڑتے ہیں فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان یہ چیز فیصلہ کرنے والی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مکان کی چھت پر اپنے دونوں قدم نیچے پھیلا کر بیٹھے پھر اس پر ابتدا سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دے تو وہ سچا ہے۔

ابو عمران جوئی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص کو پھاڑ دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی: قمیص والے کو کہہ دو وہ اپنی قمیص نہ پھاڑے میں فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنے دل کو میرے لیے کھولے۔

مسئلہ نمبر 3۔ زید بن اسلم نے کہا: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاں تلاوت کی جبکہ ان کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے ان کے دل نرم پڑ گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دل کی نرمی کے وقت دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ رحمت ہے“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مومن کی جلد اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانٹتی ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح بوسیدہ درخت سے اس کے اوراق جھڑ جاتے ہیں“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی بندے کی جلد نہیں کانٹتی مگر اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دیتا ہے“ (1)۔

شہر بن حوشب نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: انسان کے دل میں خوف شاخوں کے جلنے کی طرح ہے کیا تو کچلی نہیں پاتا؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔

ثابت بنانی سے مروی ہے فلاں نے کہا: میں جانتا ہوں کب میری دعا قبول ہوتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: تجھے اس کا کیسے علم ہوتا ہے؟ کہا: جب میری جلد میں کچلی طاری ہوتی ہے، میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میری آنکھیں بہہ پڑتی ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب میری دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے اِقْشَعَرَ جِلْدُ الرَّجُلِ اِقْشَعَرَ اَفْهَوُ مَقْشَعِرِ اس کی جمع قشاعرا ہے تو اس کی میم حذف کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ زائدہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَخَذَتْهُ قَشَعْرِيَّةٌ امراؤ القميص نے کہا:

فَبِئْسَ اَكْبَدُ لَيْلَ الشَّامِ وَالْقَلْبُ مِنْ خَشِيَةِ مُقْشَعِرُ

میں نے تمام رات بڑی تکلیف میں گزاری جبکہ دل خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن جب بہت ہی ذی شان اور بلند ہے جب وہ اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتے تو اس کی عظمت کی بنا پر اس کے حسن سے تعجب کی خاطر اور اس میں جو کچھ ہے اس سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کی جلدوں میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ** (الحشر: 21) تضرع یہ اقصیٰ کے قریب قریب ہے خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب ہے **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللَّهِ** لیکن قلب کا معنی اس کی نرمی، طمانیت اور اس کا سکون ہے۔

ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰه اسم اشارہ سے مراد قرآن ہے قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عقاب کا خوف اور ثواب کی جو امید عطا کی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے **وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۱۰** یعنی اللہ تعالیٰ جسے بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔ یہ تمام بحث کئی مواقع پر مفصل گزر چکی ہے الحدیث۔

ابن کثیر اور ابن محیصن نے کہا: دونوں مواقع پر ہاء پر یاء کے ساتھ وقف کیا ہے اور باقی قراء نے یاء کے بغیر وقف کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بَوْجِهٖمۡ سُوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۱۱ **كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاْتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲**
فَاذَقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

”بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روز قیامت وہ کتنا بد نصیب ہوگا اور کہا جائے گا ظالموں کو: اب چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جان لیتے۔“

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بَوْجِهٖمۡ سُوْءَ الْعَذَابِ عطا اور ابن زید نے کہا: اس کے ہاتھ جکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا اس کے جسم میں سے جسے سب سے پہلے آگ مس کرے گی وہ اس کا منہ ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اسے منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا (1)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کافر ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہونگے اس کی گردن پر کبریت کی بڑی چٹان ہوگی جس طرح بڑا پہاڑ ہوتا ہے پتھر میں آگ بھڑک اٹھے گی جبکہ وہ اس کی گردن میں معلق ہوگا اس کی گرمی اس کی گردن پر پہنچے گی وہ طوقوں کی وجہ سے آگ کو چہرے سے دور نہ کر سکے گا۔ خبر مخدوف ہے۔ انفس نے کہا تقدیر کلام یہ ہوگی **اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بَوْجِهٖمۡ سُوْءَ الْعَذَابِ اَفْضَلُ اَمْ مِنْ سَعْدٍ**۔ جس طرح یہ ارشاد ہے:

افسن یدلغی النار خیر من یاتی آمنایوم القیمة۔

وَقَتِلَ لِلظَّالِمِينَ خَازِنٌ كَفَّارٌ كُفِّرُوا كَيْفًا ۖ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ یعنی اپنے معاصی کی جزا اُوچکھو۔ اس کی مثل ہذا مَا كُنْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (التوبہ)

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ اسی طرح پہلے گزر چکی ہے۔ مبرد نے کہا: کسی عضو کو چیز لگتی ہے اس کے بارے میں کہتے قد ذاقہ یعنی وہ اس عضو تک اسی طرح پہنچی جس طرح سٹھاس اور کڑواہٹ جکھنے والے کو پہنچتی ہے کہا: خیزی کا لفظ مکروہ کے لیے اور خزیاء کا لفظ استحياء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وَالْعَذَابُ الْأَخْرَجِيُّ أَكْبَرُ جَوْعًا أَوْ عَذَابُ آخِرَتِكَ كَبَرُ مَا كُنْتَ تَكْسِبُ فِي حَيَاتِكَ ۚ

وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

”اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور ہم نے دیا ہے انہیں قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ وہ اللہ سے ڈریں۔“

یعنی ہر ایسی مثال بیان کی ہے جس کے لوگ محتاج ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہم نے سابقہ امتوں کی ہلاکت کا جو ذکر کیا ہے وہ ان کے لیے مثال ہے ممکن ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا حَالٌ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ انفس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فِي هَذَا الْقُرْآنِ معروف ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: عَرَبِيًّا حَالٌ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے قُرْآنًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مردت ہزید رجلا صالحا تو تیرا قول صالحا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: عَرَبِيًّا حَالٌ کی حیثیت سے منصوب ہے اور قُرْآنًا تاکید ہے۔ غَيْرَ ذِي عِوَجٍ محاس نے کہا: ضحاک نے جو کہا وہ سب سے احسن ہے۔ کہا: اس میں اختلاف نہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ غیر مخلوق ہے۔ مہدوی نے اسے ذکر کیا۔ ثعلبی نے جو ذکر کیا ہے اس میں ہے یہی سدی کا قول ہے، حضرت عثمان بن زید نے کہا: اس میں کوئی تضاد نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس میں التباس نہیں (1)۔ بکر بن عبد اللہ مزی نے کہا: اس میں کوئی غلطی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی شک نہیں؛ یہ سدی کا قول ہے جس کا ذکر مہدوی نے کیا ہے کہا:

وَقَدْ أَتَاكَ يَقِينٌ غَيْرُ ذِي عِوَجٍ مِنَ الْإِلَهِ وَقَوْلٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (2)

تیرے پاس اللہ کی طرف سے قرآن آچکا ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ایسا قول آچکا جس میں کوئی جھوٹ نہیں ممکن ہے

وہ کفر اور جھوٹ سے بچیں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا ثَرْجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَثَلًا ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣﴾

”بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بد خو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔“

کسانی نے کہا ثَرْجُلًا کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ مَثَلًا کی تفسیر و وضاحت ہے اگر تو چاہے تو حرف جر کے حذف کے ساتھ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی ضرب اللہ مثلا برجل۔

فراء نے کہا: مُتَشَكِّوْنَ کا معنی ہے مختلفون یعنی مختلف۔ مبرد نے کہا: اس کا معنی ہے سخت ترش۔ یہ شَكْسُ يَشْكُسُ شَكْنَا فهُوَ شَكْسٌ سے مشتق ہے جس طرح عَسَا يَعْصُرُ عَسْرًا فهُوَ عَسْرٌ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل شَكْسٌ، شَرِشٌ، فَرِشٌ، ضَبِشٌ یہ بھی کہا جاتا ہے: رجل ضَبِشٌ و ضَبِيشٌ۔ اس کا معنی ہے بد خلق سخت مزاج ہونا، یہ جوہری نے کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: التَشَاكُسُ اور التَشَاخُسُ کا معنی اختلاف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تَشَاكُسَتْ اَحْوَالُهُ و تَشَاخُسَتْ اَسْنَانُهُ اس کے احوال مختلف ہو گئے اور اس کے دانت بے ترتیب ہو گئے یہ جملہ کہا جاتا ہے: شَاكُسَنِي فُلَانٌ یعنی اس نے میرے حق میں بخل سے کام لیا۔ جوہری نے کہا: رجل شَكْسٌ سخت اخلاق والا۔ راجز نے کہا:

شَكْسٌ عَبُوشٌ عَنَبِسٌ عَدَاوُورٌ

مخل استدلال شکس ہے۔

یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے قوم شَكْسٌ جس طرح رَجُلٌ صَدُوقٌ اور قوم صَدُوقٌ ہے۔

شَكْسٌ شَكَاَسَةٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے حکایت بیان کی ہے رجل شَكْسٌ۔ یہ قیاس ہے یہ اس آدمی کے لیے ضرب المثل ہے جس نے کثیر معبودوں کی عبادت کی۔

وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ جو ایک آقا کا خالص غلام ہو یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا ہے۔ هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَثَلًا کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ غلام جو جماعت کی خدمت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں شریک ہیں ان کے اخلاق مختلف ہیں، نیتیں متضاد ہیں اسے کوئی آدمی نہیں ملتا مگر اسے کھینچتا ہے اور اس سے خدمت لیتا ہے وہ ان سے مشقت، تکلیف اور عظیم مصیبت پاتا ہے اس کے باوجود کسی کو بھی اپنی خدمت کے ساتھ راضی نہیں کر پاتا کیونکہ اس کے ذمہ بہت ہی زیادہ حقوق ہیں۔ وہ غلام جو ایک آقا کی خدمت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا جب وہ اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کا قدر دان ہوگا اور جب وہ لغزش کرے گا تو مالک اس کی لغزش سے درگزر کرے گا تو ان دونوں میں سے کون زیادہ تمہکاوٹ اٹھاتا ہے اور کون زیادہ ہدایت پر ہے۔

اہل کوفہ اور اہل مدینہ نے اسے وَرَجُلًا سَلَمًا پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری، غاصم جمد ری، ابو عمرو، ابن کثیر اور یعقوب نے ورجلا سلسا پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تفسیر صحیح ہے کہا: سالم خالص، مشترک کی ضد ہے اور سلم، حرب (جنگ) کی ضد ہے یہاں جنگ کا کوئی موقع نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ استدلال لازم نہیں کیونکہ جب لفظ کے دو معنی ہوں تو اسے ان میں سے اولیٰ پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ سلم، حرب کی ضد ہے اس کا کوئی اور موقع ہوتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرے لیے یہ کہا جاتا ہے: فِي هَذَا السَّنِئَةِ شَرَّكَاءَ فِصَارٍ سَالِكِ اس گھر میں شریک ہوتے تھے پس یہ تیرے لیے خالص ہو چکا ہے، سالم میں بھی اس پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس نے غیر پر لازم کیا ہے کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ثَمَّ سَالِمٌ یعنی اس میں کوئی بیماری نہیں۔ دونوں قراتیں حسن ہیں آئمہ نے ان کو پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اہل مدینہ کی قراءت سلسا کو پسند کیا ہے کہا: اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو العالیہ اور نصر نے سلسا پڑھا ہے سلسا اور سلسا دونوں مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی رَجُلًا ذَا سَلْمٍ مَضَافٌ كُوْحَدَفٌ كَرْدِيَا مَثَلًا تَمِيْزٌ كِي حَيْثِيْتِ سِے صَفْتِ هِے مَعْنِي هُوْكَ كِيَا اِن دُونُوْ كِي صَفَاتِ اُوْر حَالَاتِ بَرَابِرِ هُوُوْ كِے، تَمِيْزٌ مِيں وَاَحَدٌ پَرَا كُتْفَا كِيَا كِيَا هِے كِيُوْنِكِ جِنْسٌ كُو بِيَا نِ كَرْنَا مَقْصُوْدُ هِے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اِن مِيں سِے اَكْثَرُ حَقِّ كُوْنِيْسِ جَانْتِے كِه اِس كِي اِتْبَاعُ كَرْتِے۔

اِنَّكَ مَوْتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَمِيْتُوْنَ ﴿٦٦﴾ لَمْ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٧﴾

”بے شک آپ نے بھی دنیا سے انتقال فرماتا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر تم سب روز حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔“

ابن محسن، ابن ابی عمیل، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے اسے اِنَّكَ مَائِتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَائِتُوْنَ پڑھا ہے یہ اچھی قراءت ہے؛ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یہی قراءت کی ہے اس قسم کا الف شاذ قراتوں میں حذف کر دیا جاتا ہے مائت زمانہ مستقبل میں کلام عرب میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح جو مریض ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: اِنَّهٗ لَسَارِضٌ مِّنْ هٰذَا الطَّعَامِ۔

حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی نے مینت پڑھا ہے یہ لم یت و سیبوت سے مشتق ہے المینت جب تخفیف کے ساتھ پڑھیں اس سے مراد وہ شخص ہو جس سے روح الگ ہو جائے اسی وجہ سے یہاں اس میں تخفیف نہیں کی گئی۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ذات اور تمہیں تمہاری ذاتوں کی موت کی خبر دی گئی۔

ثابت بنانی نے کہا: ایک آدمی صلہ بن اشیم کو اس کے بھائی کی موت کی خبر دینے کے لیے گیا تو اسے کھانا کھاتے ہوئے پایا صلہ بن اشیم نے اسے کہا: قریب ہو اور کھانا کھاؤ مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر بہت عرصہ پہلے دی گئی آنے والے نے کہا: وہ کیسے جبکہ میں تیرے پاس پہلا خبر لانے والا ہوں۔ صلہ بن اشیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی موت کی خبر دے دی ہے اور یہ پڑھا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَمِيْتُوْنَ ﴿٦٦﴾ (1) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی

موت اور ان کی موت کی خبر دی۔

اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں: (1) آخرت سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے (2) عمل پر برا بیچتہ کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا (3) موت کی تمہید کے طور پر اس کا ذکر کیا (4) آپ کی موت میں اختلاف نہ کریں جس طرح پہلی امتوں نے دوسروں کی موت میں اختلاف کیا یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے (5) تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر سے آگاہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مخلوق کو برابر رکھا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں باہم فضیلت موجود ہے تاکہ تسلی زیادہ ہو جائے اور حسرت کم ہو جائے۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿۱۰﴾ اس سے مراد کافر اور مومن، ظالم اور مظلوم کا جھگڑا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: حدیث میں اس کا طویل ذکر ہے خصوصیت قیامت کے روز اس حد تک جا پہنچے گی کہ روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو معاملات ہمارے درمیان ہوتے رہے خصوصی گناہوں کے ساتھ کیا ان کے بارے میں ہمارے ساتھ تکرار کیا جائے گا؟ فرمایا: ہاں تمہارے ساتھ تکرار کیا جائے گا یہاں تک کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک معاملہ سخت ہے (1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے کچھ وقت گزارا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿۱۰﴾ ہم کہتے: ہم کیسے جھگڑیں گے جبکہ ہمارا نبی ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے یہاں تک کہ ہم نے بعض کوتلو اوروں کے ساتھ بعض کی گردنیں اڑاتے دیکھا تو مجھے علم ہو گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کہا کرتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے تو یہ جھگڑا کیسا۔ جب جنگ صفین کا موقع آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملہ کیا تو ہم نے کہا: ہاں وہ یہی ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہنے لگے: ہمارے درمیان ہماری خصومت کیا ہوگی؟ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو صحابہ نے کہا: یہی ہمارے درمیان خصومت ہوگی۔ ایک قول کیا گیا ہے: ان کے تخاصم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فیصلہ طلب کرنا ہے ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کے برابر حق لیا جائے گا اور جس کے لیے حق ثابت ہو اس کو دے دیا جائے گا یہ حکم تمام مظالم کے بارے میں ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہو اور سامان نہ ہو، فرمایا: ”میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزوں اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا وہ آئے گا کہ اس نے اس کو گالیاں دی ہوگی اس پر تہمت لگائی ہوگی اس کا مال کھایا ہوگا، اس

کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا اس کو اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا اور دوسرے کو اس کی نیکیوں سے دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں واجبات ادا کرنے سے پہلے ختم ہو گئیں تو مظلوم کی برائیاں لی جائیں گی اور ظالم پر پھینک دی جائیں گی پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا“ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے سورہ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس آدمی کا کسی پر عزت یا کسی اور حوالے سے کوئی ظلم ہو تو آج ہی اس سے معافی لے لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ رہے اگر اس کا کوئی عمل صالح ہو گیا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہو گئی تو مظلوم کے گناہ لیے جائیں گے اور ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے“ (1)۔ حدیث مسند یہی ہے ”سب سے پہلے خصومات دنیا میں ہوں گی“۔ ہم نے تمام بحث ”المذکرۃ“ میں ذکر کر دی ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ
مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝
لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ يُكْفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ
الَّذِي عَمِلُوا وَآوِيحُزِّيهِمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا، کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہ صلہ ہے محسنوں کا تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں انکے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد اور شریک ہے اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اَلَيْسَ میں ہمزہ استفہام تقریری ہے یعنی کیا جہنم انکار کرنے والوں کے لیے ٹھکانہ نہیں یہ شوی باللسکان سے مشتق ہے جب وہ وہیں ٹھہرے اس کا قصد ثواء، ثَوِيًّا آتا ہے جس طرح مضی فعل کا مصدر ہے مَضَاءُ اور مُضِيًّا آتا ہے اگر یہ اشوا سے مشتق ہوتا تو مُشْوِي ہوتا یہ اس بات پر دل ہے کہ شوی ہی فصیح لغت ہے۔ ابو عبید نے اَشْوِي نقل کیا ہے، اَشْوِي کا قول ذکر کیا:

أَشْوِي وَقَصْرٌ لَيْلَةٌ لِيَزْدَدَا وَمَضَى وَأَخْلَفَ مِنْ قُتَيْلَةَ مَوْعِدًا

محل استدلال اشوی ہے۔

اصحی صرف شوی کو ہی جانتا ہے اور شعر کو روایت کرتا ہے کہ اَشْوِي استفہام کے طریقہ پر ہے اشویت غیری متعدی ہوتا

ہے اور وہ متعدی نہیں۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٧﴾ - وَالَّذِي مَبْتَدَأُ هُوَ فِي حَيْثِيَّتِهِ فِي مَحَلِّ رَفْعٍ فِي هِيَ اس کی خبر أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ہے الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ بِهِ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔ سدی نے کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد جبریل امین اور الذی صدق بہ سے مراد مومن ہیں (1)، اس پر استدلال أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ سے کیا۔

نخعی اور مجاہد نے کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ سے مراد مومن ہیں جو قیامت کے روز قرآن کے ساتھ آئیں گے اور کہیں گے: یہ ہے وہ چیز جو تم نے ہمیں عطا کی اس میں جو کچھ ہے ہم نے اس کی پیروی کی اس تعبیر کی صورت میں الَّذِي جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح من جمع میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم کی طوالت کی وجہ سے اس کے آخر سے نون حذف ہے۔ شعبی نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ واحد ہے اور کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اسی وجہ سے اس کی خبر جماعت ہے جس طرح جس آدمی کی تعظیم مقصود ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے: هو فعلوا، زید فعلوا کذا کذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر آدمی کے حق میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: طبری نے اسے پسند کیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے ابو صالح کوفی کی قراءت وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ ہے یعنی صدق مخفف ہے یعنی اس کے بدلے میں سچ بولا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سچ کا اظہار کیا۔ سورہ بقرہ میں الَّذِي کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ یہ واحد اور جمع دونوں طرح ہوتا ہے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنت میں نعمتوں میں سے جو چاہیں گے وہ ہونگی جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لَكَ إِكْرَامٌ عِنْدِي یعنی میری طرف سے تجھے اکرام پہنچے گا ذَلِكْ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٨﴾ یعنی دنیا میں سنا اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ یعنی صدقوا۔ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔ انہوں نے صدقہ کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا میں معاف فرمادے، سِوَا الَّذِي عَمِلُوا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عزتوں سے نوازیں گے اور اسلام سے قبل جو عمل وہ کرتے رہے اس پر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو وہ دنیا میں اعمال حسنة کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۗ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ
ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٩﴾

”کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یقیناً کافی ہے) اور وہ نادان ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں

سے جو اللہ کے رسول ہیں اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا - کاف سے یاء حذف کر دی گئی ہے کیونکہ یاء خود بھی ساکن ہے اور اس کے بعد تنوین بھی ساکن ہے اصل تو یہ تھا کہ وقف میں یاء کو حذف نہ کیا جاتا کیونکہ تنوین زائل ہے مگر اسے حذف کر دیا گیا ہے تاکہ علم ہو کہ فصل میں بھی یہی صورتحال ہے عربوں میں ایسے بھی ہیں کہ وقف کی صورت میں بھی یاء کو باقی رکھتے ہیں وجہ اس کی اصل کو ملحوظ رکھنا ہے وہ کہتے ہیں: کافی عام قراءت کی قراءت عبدا ہے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کی ذات مشرکین کی وعید اور ان کے مکر کے لیے کافی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے عبادة پڑھا ہے (1) وہ انبیاء ہیں یا انبیاء اور مومن ہیں۔ ابو عبید نے جمع کے صیغہ کی قراءت کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ قول ہے وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ یہ بھی احتمال ہے العبد لفظ جنس ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٌ ﴿١﴾ (العصر) اس تاویل کی بنا پر پہلی قراءت دوسری قراءت کی طرف راجع ہے کفایت بتوں کے شر کے لیے ہے کیونکہ مشرکین مومنوں کو بتوں کے سامنے ڈرایا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ (الانعام: 81) جرحانی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے اور کافر بندے کو ثواب دے کر اور عقاب دے کر کافی ہے۔

وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی مضرت سے خبردار کیا تھا، انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معبودوں کے ذکر سے نہیں رکھیں گے تو یہ تجھے پاگل کر دیں گے یا تجھے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت خالد بن ولید عزی بت کی طرف گئے تاکہ اسے کلہاڑے کے ساتھ توڑ دیں اس کے خادم نے آپ کو کہا: اے خالد! میں تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں کیونکہ اس میں ایسی طاقت ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضرت خالد عزی بت کی طرف بڑھے اور اس کی ناک توڑ دی یہاں تک کہ کلہاڑے سے اسے توڑ دیا ان کا حضرت خالد بن ولید کو ڈرانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرانا تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انہیں بھیجا تھا آیت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے لشکروں کی زیادتی اور قوت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے جس طرح ارشاد فرمایا أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيحٌ مُّتَّبِعُونَ ﴿١٠٠﴾ (القمر)

وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَافٍ ﴿١٠١﴾ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ﴿١٠٢﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿١٠٣﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھے یا اس کے رسولوں سے دشمنی رکھے کیا اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا نہیں۔

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُسْكِتٌ رَاحَتِهِ ۖ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣١﴾
 قُلْ لِقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ
 يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ
 فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٣٤﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمان اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرمائیے: پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہتا ہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو فرما دیجئے: مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ فرمائیے: اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا پس تم ضرور جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔ اے حبیب! ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے حق کے ساتھ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بہکتا ہے تو وہ بہکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے اور آپ ان بد بختوں کے ذمہ دار نہیں۔“

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان سے پوچھیں لَيَقُولُنَّ یہ امر واضح کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جب اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے تو وہ تجھے اپنے ان معبودوں سے کیسے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جبکہ تو اس کا رسول ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور آسمانوں و زمین کو پیدا کیا۔

قُلْ اَفَرءَ يَنْتُم اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جب انہوں نے یہ اعتراف کر لیا ہے تو اب ان سے کہو: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ بت تکلیف کو رفع کر دیں گے اور اگر وہ مجھے رحمت سے نوازا نا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ کسی ایسی چیز کو دور نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہو لیکن وہ شفاعت کریں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ انکے جواب کو ترک کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ کہیں گے: نہ وہ کسی مصیبت کو دور کر سکتے ہیں اور نہ رحمت کو روک سکتے ہیں تو پس آپ کہیں: مجھے میرا اللہ کافی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور عاصم کے علاوہ کوفیوں نے کاشفات ضرہ پڑھا ہے۔ ابو عمرو، شیبہ اور حضرت حسن کی قراءت میں معروف اور عاصم سے یہی مروی ہے هل هن کاشفات ضرہ اور مسکات رحمتہ اصل کے اعتبار سے اس پر تنوین پڑھی ہے؛ یہی ابو عبید اور ابو حاتم کی قراءت ہے کیونکہ یہ اسم فاعل ہے جو استقبال کے معنی میں ہے جب بات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہے تو تنوین زیادہ مناسب ہے۔

شاعر نے کہا:

الضارِبُونَ عُنَيْراً عَنِ بِيوتِهِمْ بِاللَّيْلِ يَوْمَ عُنَيْرٍ ظَالِمٌ عَادِي
 محل استدلال عیداً ہے وہ رات کے وقت عمیر کو اپنے گھروں سے ہی مارنے والے ہیں عمیر کا دن ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے۔ اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس میں تنوین جائز نہیں ہوتی تنوین کو حذف کر دیا گیا۔ جب تنوین کو حذف کر دیا گیا تو دو اسموں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہی تو دوسرے اسم کو اضافت کی وجہ سے جردی گئی کلام عرب میں تنوین کا حذف بہت زیادہ ہے موجود ہے اور اچھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَذِيَّا لِبَلِيَّةٍ الْكَعْبَةِ (المائدہ: 95) محل استدلال بالذم ہے۔ فرمایا: انا مرسلو الناقة محل استدلال مرسلو ہے سبویہ نے کہا: اس کی مثل غیر محدی الصيد ہے سبویہ نے کہا:

هَلْ أَنْتَ بَاعْتِ دِينَارٍ لِحَاجَتِنَا

کیا تو ہماری ضرورت کے لیے دینار بھیجنے والا ہے۔ محل استدلال باعث ہے۔

تابغہ نے کہا:

أَحْكُمُ كَحُكْمِ فَتَاةِ الْحَيِّ إِذْ نَظَرَتْ إِلَى حَبَابِ شَرَايِعِ وَارِدِ الشَّدِيدِ

اس کا معنی وارد الشدید ہے، تنوین کو حذف کر دیا گیا۔

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَمَلًا مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَاوِلٌ تَمَّ ابْنِي جَلَدٌ كَرْدٌ فِي مِثْلِ ابْنِي جَلَدٌ وَابْنِي جَلَدٌ فِي مِثْلِ ابْنِي جَلَدٌ
 میرے بس میں ہے۔

ابو بکر نے مکاتم پڑھا۔ سورہ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

يُخْزِيهِ اَسَءِ دُنْيَا فِي ذَلِيلٍ وَرَسُوهُ اَسَءُ دُنْيَا فِي ذَلِيلٍ وَرَسُوهُ اَسَءُ دُنْيَا فِي ذَلِيلٍ وَرَسُوهُ اَسَءُ دُنْيَا فِي ذَلِيلٍ

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَتَمَنَّى فَنَفَسَتْ فِي أَنْفُسِهِمْ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ

بِوَكِيلٍ ۝ اس کے بارے میں گفتگو کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسْتَقَرٍّ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

يَتَفَكَّرُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کی روحمیں حالت

نیند میں، پھر روک دیتا ہے ان روحوں کو موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ

میعاد تک، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا ان کی عمروں کے ختم ہونے پر نفوس کو قبض کر لیتا ہے وَالَّتِي لَمْ

تَمُتْ فِي مَنَامِهَا اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے جسموں میں روحوں کے باقی رکھنے کے ساتھ

تصرف سے انہیں روک دیتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْآخِرَىٰ یعنی وہ نفوس جو سوائے ہوتے ہیں انہیں موت کے وقت تک آزاد چھوڑ دیتا ہے؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے وہ نفوس جو نیند میں نہیں مرتے ان کی عمروں کے ختم ہونے پر ان کو قبض کر لیتا ہے۔ کہا: بعض اوقات قبض کرنا اس کی نیند ہی ہوا کرتی ہے تو اس صورت میں تقدیر کلام اس صورت میں ہوگی والقی لم تمت وفاتها نومها۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے کہا: زندوں اور مردوں کی رو میں نیند کی حالت میں ملتی ہیں اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان سب کے اجسام میں رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو انکی طرف بھیج دیتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے جب وہ مر جاتے ہیں (1) اور زندوں کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب وہ سو جاتے ہیں وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ متعارف ہوں یُرْسِلُ کا معنی ہے وہ انہیں واپس کرتا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سونے والے کا نفس جبکہ وہ آسمان میں ہوتا ہے ابھی اسے اس کے جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا تو وہ سچی خوابیں ہوتی ہیں اور جس چیز کو ان کے بھیجنے کے بعد اور جسموں میں قرار پکڑنے سے پہلے دیکھتا ہے وہ شیطان القا کرتا ہے اور باطل ان میں خیال ڈالتے ہیں تو وہ جھوٹے خواب ہیں۔

ابن زید نے کہا: نیند وفات ہے اور موت بھی وفات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تمہیں موت دی جاتی ہے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح تمہیں اٹھایا جائے گا“ (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نیند موت کا بھائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنتی سوئیں گے؟ فرمایا: لا النوم أخو الموت والجنة لاموت فیہا، نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں؛ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان میں نفس اور روح ہے دونوں کے درمیان سورج کی شعاع جیسا تعلق ہے نفس کے ساتھ سمجھ اور تمیز ہوتی ہے اور روح کے ساتھ سانس کی حرکت ہوتی ہے جب بندہ سوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا؛ یہ ابن انباری اور زجاج کا قول ہے۔ قشیری ابونصر نے کہا: یہ بات حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں نفس مقبوض ایک ہی چیز ہے اسی وجہ سے فرمایا: فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْآخِرَىٰ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى پس اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں یعنی نیند اور حالت موت میں روح کو ہی قبض کرتا ہے جسے حالت نیند میں قبض کرتا ہے تو اس کا معنی ہے اسے بھانپ لیتا ہے یعنی تصرف سے اسے روک دیتا ہے گویا وہ بھی ایسی چیز

ہے جس پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور جسے موت کی حالت میں قبض کرنا ہے تو اسے روک لیتا ہے اور قیامت تک اسے نہیں چھوڑتا۔
وَيُزِيلُ الْأُخْرَىٰ جو چیز اسے روک رہی تھی اس کو زائل کر دیتا ہے تو وہ لوٹ آتا ہے جس طرح وہ پہلے تھا نفس کی حالت
 نیند میں وفات حس کو زائل کرنے، غفلت کو پیدا کرنے اور ادراک کے محل میں آفت کو پیدا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور
 حالت نیند میں وفات سے مراد موت پیدا کرنا اور کلی طور پر حس کو ختم کرنا ہوتا ہے **فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ** یعنی اس
 میں ادراک پیدا نہیں کرتا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں موت پیدا کر دی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کی وجہ سے لوگوں نے نفس اور روح میں اختلاف کیا ہے، کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا یہ
 دو چیزیں ہیں جیسے ہم نے ذکر کیا ہے؟ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں اسی پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں جس
 طرح ہم اس باب میں ذکر کریں گے۔

اسی ضمن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ ان کی
 آنکھ کھلی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے انکی آنکھ کو بند کر دیا پھر فرمایا: **الرُّوحُ إِذَا قَبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ** روح جب قبض کی جاتی
 ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ**
إِذَا مَاتَ شَخْصَ بَصُرَهُ کیا تم انسان کو نہیں دیکھتے جب وہ مرتا ہے تو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے فرمایا: ”یہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ
 اس وقت نظر نفس کا پیچھا کرتی ہے“ دونوں روایات کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب بندہ نیک ہوتا ہے تو ملائکہ حاضر ہوتے
 ہیں وہ کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! نکلو جب وہ پاکیزہ جسم میں ہوتا ہے تو نکل جبکہ تو تعریف کی گئی ہے تجھے روح و ریحان کی
 بشارت ہو تجھے راضی رب کی بشارت ہو وہ غصہ میں نہیں، اسے لگا تا رہے بات کی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے آسمان کی طرف
 لے جایا جاتا ہے“ اس کی سند صحیح ہے؛ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ”جب فرشتے کسی شخص کی روح کو نکالتے ہیں تو اسے دو
 فرشتے وصول کر لیتے ہیں جو اسے اوپر کی طرف لے جاتے ہیں“۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی والی حدیث (جس میں حضرت بلال کو ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ نماز کے لیے
 صحابہ کو بیدار کریں) میں کہا: یا رسول اللہ! میرے نفس کو اسی ذات نے اپنی گرفت میں لے لیا جس ذات نے آپ کے نفس کو
 اپنی گرفت میں لے لیا۔ زید بن مسلم کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے مقابل یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ
 نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو انہیں ہماری طرف اس وقت کے علاوہ وقت میں لوٹا دیتا۔“

مسئلہ نمبر 3۔ اس میں صحیح یہ قول ہے کہ ایک لطیف جسم ہے اجسام محسوسہ کے ساتھ چنگل مارے ہوئے ہے اسے کھینچا
 جاتا ہے اور اسے نکالا جاتا ہے اسے کفن میں لپیٹا جاتا ہے اور اسے کفن میں داخل کیا جاتا ہے اسے ہی آسمان کی طرف لے
 جایا جاتا ہے اسے موت نہیں آتی وہ فنا نہیں ہوتا یہ پاکیزہ خوشبو اور خبیث خوشبو والا ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے یہ اجسام کی صفات ہیں اعراض کی صفت نہیں ہم نے اس بارے میں تمام اخبار کتاب التذکرہ باحوال الموت والدار الآخرة میں ذکر کی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ (واقعہ) اس سے مراد نفس ہے جب وہ جسم سے نکلتا ہے یہ جسم کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا أُوِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَأْخُذْ دَاخِلَةَ إِزَارِهِ فَلْيَنْفُضْ بِهَا فِرَاشَهُ وَلْيَسْمِ اللَّهَ فَإِنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا خَلْفَهُ بَعْدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَضْطَجِعَ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَنِ وَلْيَقُلْ سُبْحَانَكَ رَبِّي وَضَعْتَ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكَتَ نَفْسِي فَاعْفُرْ لَهَا (1)۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کا ارادہ کرے تو وہ تہبند کے اندر کا حصہ لے اور اس کے ساتھ اپنے بستر کو جھاڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کون اس کا نائب رہا جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے اور کہے: اے میرے رب! تو پاک ہے میں نے اپنا پہلو رکھ دیا ہے اور تجھی کے سہارے میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میرے نفس کو روک لے تو اسے بخش دے۔

بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی نے فاغفر لہا کی جگہ فارحہا کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ الفاظ بھی ذکر کیے اگر تو اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جن چیزوں سے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: جب وہ بیدار ہو تو کہے: اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت عطا فرمائی میری روح کو میری طرف لوٹا دیا اور اپنے ذکر کا مجھے اذن دیا۔

امام بخاری نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سوتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر کہتے: اللَّهُمَّ بِأَسْمِكَ أَمُوتُ وَأُحْيَا اے میرے اللہ! تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں۔ جب وہ بیدار ہوتے تو کہتے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (2) اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا کی اور اس کی طرف اٹھنا ہے۔

فَيُؤَسِّدُكَ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ بِهَا قَرَأَتْ هِيَ فَعَلَّ مَعْرُوفٌ هِيَ أَوَّلُ السُّورَةِ عَلَى نَسْبِ هِيَ لِعَنِ اللَّهِ تَعَالَىٰ نَسْبِهَا إِلَىٰ مَوْتِهَا كَمَا فَصَّلَهُ كَرَدِيَا: يَهِيَ أَبُو حَاتِمٍ وَأَبُو عُبَيْدٍ كَمَا فَصَّلَهُ نَقَطَ نَظَرَ هِيَ كَيْونَكَ آيَةُ كَيْ شَرُوعٍ فِي أَلَلَّهِ يُتَوَكَّىٰ إِلَىٰ النَّفْسِ هِيَ نَفْسٌ بِرَفِيصَةٍ فَرَمَاتَا هِيَ۔ اَعْمَشٌ، بَيْكِيُّ بْنُ وَثَابٍ، حَزْرَهُ أَوَّلُ كَسَائِي فِي أَسَ قَضَىٰ عَلَيْهَا السُّورَةُ بِرُحَا هِيَ لِعَنِ نَفْعٌ بِجَهْلٍ۔ نَحَّاسٌ فِي كَمَا: مَعْنَىٰ أَيْكٌ هِيَ مَكْرٌ بِرَفِيصَةٍ قَرَأَتْ زِيَادَةٌ وَاضِحٌ أَوَّلُ سِيَاقِ كَلَامِ كَيْ زِيَادَةٌ مَنَاسِبٌ هِيَ كَيْونَكَ سَبُّ فِي أَسَ بَاتٍ بِرَاتِفَاقٍ كَمَا هِيَ وَ يُؤَسِّدُكَ أَسَ فِي رَسَلٍ نَهِيَ بِرُحَا۔ آيَةُ فِي اللَّهِ تَعَالَىٰ كَيْ عَظِيمٌ قَدْرَتِ، أَلُو هَيْتِ فِي مَفْرَدٍ هُونِ، جُو چَا هِيَ كَرْنِ، زَنْدُكِي دِينِ أَوَّلُ مَوْتِ عَطَا كَرْنِ بِرَتَبِيَّةٍ هِيَ أَسَ ذَاتِ كَيْ عِلَاوَهُ كَوْنِي أَسَ بِرَقَادَرٍ نَهِيَ۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّعَنِ مِيْتِ أَوَّلُ سُونِ وَ أَلِ كَا نَفْسٍ قَبْضِ كَرْنِ أَوَّلُ سُونِ وَ أَلِ نَفْسٍ كُو چُو زُو دِينِ أَوَّلُ مِيْتِ كَيْ نَفْسٍ كُو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الغلاء، جلد 2، صفحہ 936

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر البيت والاستعداد له، صفحہ 324

روک لینے میں کئی نشانیاں ہیں۔

اصمعی نے کہا میں نے معتمر کو کہتے ہوئے سنا: انسان کی روح کاتے ہوئے دھاگے کے بنڈل کی طرح ہے روح کو چھوڑا جاتا ہے وہ جاتی ہے پھر اسے لپیٹا جاتا ہے تو وہ آتی ہے اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے حالت نیند میں روح کا کچھ حصہ چھوڑا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ بدن میں ہوتا ہے اس کا جو حصہ جسم سے نکلتا ہے اس کے ساتھ اس کا مخفی اتصال موجود ہوتا ہے انسان جب بیدار ہوتا ہے تو روح کا وہ حصہ جو پھیل چکا تھا جسم میں موجود اکثر حصہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے، اس کے علاوہ بھی بات کی گئی۔ سبحان میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۗ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۗ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۗ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٣٢﴾

”کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی، پوچھیے: اگرچہ وہ مزعومہ سفارشی کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے: سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے آسمان اور زمین کی پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔“

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ بلکہ انہوں نے اپنے تئوں کو شفیع بنا لیا ہے۔ کلام میں ایسی چیز ہے جو لم کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہے لَمْ يَتَّفَكِرُوا لِيَكُنْ انہوں نے اپنے معبودوں کو شفیع بنا لیا ہے قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا اے محمد! انہیں کہو کہ تم انہیں شفیع بناتے ہو اگرچہ یہ شفاعت میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی یہ عقل رکھتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں: یہ استفہام انکاری ہے۔ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا یہ اس میں بیان ہے کہ شفاعت صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ: 255) یعنی اس کی شفاعت کے بغیر کوئی شافع نہیں اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى (الانبیاء: 28) جَمِيعًا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جَمِيعًا دو یا اس سے زائد افراد کے لیے ہوتا ہے جبکہ شفاعت تو واحد ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شفاعت مصدر ہے اور مصدر دو اور جمیع افراد کا معنی دیتا ہے

وَ حِدَةً خَلِيل کے نزدیک مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یونس کے نزدیک حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مبرد نے کہا: اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ کا معنی ہے منقبض ہونا: یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی

ہے نفرت کرنا، تکبر کرنا، کفر کرنا اور نافرمانی کرنا۔ مؤرج نے کہا: اس کا معنی ہے انکار کرنا۔ اشمزاز کا اصل معنی نفور اور ازورار ہے یعنی نفرت کرنا اور ناپسند کرنا۔

عمر و بن مکتوم نے کہا:

إِذَا عَضَّ الثِّقَافُ بِهَا اشْبَازُثُ وَوَلَّتْهُمْ عَمُوزَنَّةٌ زَبُونَا

اور زید نے کہا: اشباز الرجل کا معنی ہے وہ خوف سے گھبرا گیا مشرکوں سے جب کہا جاتا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور کفر کرتے۔

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿٣٥﴾ یعنی جب بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہروں سے خوشی اور مسرت عیاں ہوتی ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِيمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٣٦﴾ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿٣٧﴾ وَبَدَّ اللَّهُ مِنْ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿٣٨﴾ وَبَدَّ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٩﴾

”آپ عرض کیجیے: اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا ان میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کریں اسے میرے عذاب کے عوض، قیامت کے دن اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی ہے اور مضاف ہے اسی طرح عَلِيمَ الْغَيْبِ بھی ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس کا نعت ہونا جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے نماز کا آغاز کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ رات کو اٹھتے تو نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات و الارض عالم الغیب و الشهادة انت تحكم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اے اللہ! جبریل میکائیل و اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کرنے والے! اے غیب و شہادت کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا جِوْجُوثَ بُولِيسَ اَوْ شُرَكَ كَرِيْسَ اِغْرُوْهُ اِسْ دِنِ كِ عَذَابِ سِ بِنْحِنِ كِ لِیْ جُو كَحْ زَمِيْنِ مِیْرِ هِیْ سَبْ نِدِیْ دِیْ دِیْ۔ یہ بحث سورہ آل عمران اور سورہ الرعد میں گزر چکی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۱۰۱ اسی معنی میں وہ روایت کی گئی ہے جسے منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہا: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ نیکیاں ہیں جبکہ وہ برائیاں تھیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ موت سے قبل اس برے عمل سے توبہ کر لیں گے تو توبہ کرنے سے پہلے موت نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا جبکہ وہ گمان کیا کرتے تھے کہ وہ توبہ سے نجات پا جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے یہ وہم کیا تھا کہ انہیں توبہ کے بغیر ہی بخش دیا جائے گا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان نہیں رکھتے تھے، یعنی انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

سفیان ثوری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے، ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے یہ ان کی آیت اور ان کا قصہ ہے۔ عکرمہ بن عمار نے کہا: محمد بن منکدر نے موت کے وقت بڑی جزع و فزع کی آپ سے کہا گیا: یہ جزع و فزع کیسی ہے؟ کہا: میں اللہ تعالیٰ کی ایک آیت سے ڈرتا ہوں وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۱۰۱ میں ڈرتا ہوں کہ میرے لیے وہ چیز ظاہر ہو جس کا میں گمان نہیں رکھتا تھا۔ ان کے لیے کفر و معاصی کا عقاب ظاہر ہوا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کا احاطہ کر لیا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَاثِرًا ۝۱۰۲ اِذَا حَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلٰی عِلْمٍ ۝۱۰۳
بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۴ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا اَغْنٰی
عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۰۵ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتٌ مَّا كَسَبُوْا ۝۱۰۶ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَاءِ
سَيُصِیْبُهُمْ سَيِّاٰتٌ مَّا كَسَبُوْا ۝۱۰۷ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۰۸ اَوْلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۝۱۰۹ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۰

”پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی طرف سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (و فضل) کے باعث (اے غافل! یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کبھی تھی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا، اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب

اپنی بد اعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)، یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔“

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت حذیفہ بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ قتادہ نے کہا: عَلٌّ عَلٌّ یعنی میرے نزدیک کمائی کی کئی صورتیں تھیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ عَلٌّ عَلٌّ کا معنی ہے (1) اس خیر کی وجہ سے جو میرے پاس تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَلٌّ عَلٌّ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کی بنا پر جو میری فضیلت کے بارے میں موجود تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: عَلٌّ عَلٌّ کا معنی ہے اس علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ مجھے علم تھا کہ جب دنیا میں عطا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا مقام و مرتبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی جو نعمتیں تجھے دی گئی ہیں وہ آزمائش ہیں جس کے ساتھ تجھے آزمایا جائے گا۔ فراء نے کہا: یہاں ہی ضمیر مونث ذکر کی گئی ہے کیونکہ فتنہ کا لفظ مونث ہے اگر یہ ہو فتنہ ہوتا تب بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بل أعطیتہ فتنۃ بلکہ اسے جو میں نے عطا کیا ہے وہ آزمائش ہے۔

قَدْ قَالَهَا هَا ضَمِيرٌ اس لیے ذکر کی کیونکہ کلمہ مونث ہے الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس سے مراد کفار ہیں جس طرح قارون وغیرہ جب اس نے یہ کہا تھا: إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلٌّ عَلٌّ عِنْدِي (القصص: 78)

فَمَا آغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑤ مانا یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی اولاد اور اموال نے کچھ نفع نہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے ان کے اموال نے انہیں کس چیز کا نفع دیا قاصابہم سیتات ما کسبوا یعنی ان کے اعمال کی برائیوں کی جزا۔ سید کی جزا کو بھی سید کہتے ہیں وَالَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی جنہوں نے اس امت میں شرک کیا تو انہیں بھوک اور تلوار کی صورت میں اعمال کی سزا ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں نہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائیں گے اور نہ ہی ان کے سابقین نے انہیں ناپید پایا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ⑥ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ⑦ مومن کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہی آیات میں تدبیر کرتا ہے اور ان سے نفع حاصل کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت بعض اوقات خفیہ تدبیر اور استدراج ہوا کرتا ہے اور اس میں کمی رفعت اور عظمت شان ہوا کرتی ہے۔

قُلْ لِيَعْبُدِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ⑧ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
الدُّنُوبَ جَمِيعًا ⑨ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑩ وَ أُنْيَبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلَمُوا لَهُ مِنْ
قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ لَمْ لَا تُصْرَفُونَ ⑪ وَ اتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ

رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بَعْتَهُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٨﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ
يَحْسُرَاتِي عَلَى مَا قَرَرْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿٥٩﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ
أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٦٠﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً
فَأَكُونُ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦١﴾ بَلْ قَدْ جَاءَ ثُكَّانًا مِنْ رَبِّكَ آيَاتٌ فَكَذَّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرَتْ وَكُنْتُ
مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٢﴾

”آپ فرمائیے: اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور سچے دل سے لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سر خم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے اس وقت کوئی شخص یہ کہنے لگے: صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں سے تھا، یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے، یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا، ہاں ہاں آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کر نیوالوں میں سے تھا۔“

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَوَّابِينَ ﴿٦٣﴾ حذف کا موقع ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں نمایاں ترین وہ روایت ہے جسے محمد بن اسحاق نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں (1): جب ہم نے ہجرت کا ارادہ کر لیا تو میں، ہشام بن عاص بن وائل سہمی اور عیاش بن ابی رباح بن عقبہ نے عہد و پیمان کیا کہا: ہمارے اکٹھے ہونے کی جگہ بنو غفار کانواں ہے ہم نے کہا: جو ہم سے پیچھے رہ گیا تو وہ مجھوں سمجھا جائے گا پس اس کا ساتھی اپنا سفر جاری رکھے میں اور عیاش بن عقبہ پہنچ گئے اور ہشام کو ہم سے روک لیا گیا اے آزمائش میں ڈالا گیا پس وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا، ہم مدینہ میں کہا کرتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، اللہ کے رسول پر ایمان لائے پھر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا جو انہیں لاحق ہو گئی ہم ان کے لیے کوئی توبہ نہیں دیکھتے وہ اپنے دلوں میں بھی یہی تصور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ نازل فرمایا: قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَوَّابِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٦٤﴾ وَ أَنْبِئُوا آلِي رِبِّكُمْ وَأَنْ سَأَلْتُمْ مِنَ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ لَمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٦٥﴾ وَ اشْعُرُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ

يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَعَثَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرُنِي عَلَى مَا قَرَأْتُ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿٥١﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٣﴾ بَلَى قَدْ جَاءَ ثَكَ أَيْتِي فَلَكَذَّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرَتْ وَكُنْتُ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهَهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٥٥﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو لکھا پھر اسے ہشام کی طرف بھیج دیا، ہشام نے کہا: جب خط میرے پاس پہنچا تو میں اسے لے کر ذی طوی کی طرف نکلا میں نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما دے تو میں پہچان گیا کہ یہ آیت میرے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے میں لوٹا اپنے اونٹ پر بیٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی (1) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا: جس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ ہمارے لیے توبہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ - امام بخاری نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے وہ سورہ فرقان میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتا ہے کہ جس نے بتوں کی پوجا کی اور جس نے ایسے نفس کو قتل کیا جس کا قتل کرنا حرام تھا اسے نہیں بخشا جائے گا تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کی عبادت کی اور ہم نے ایسے نفوس کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے عبادت کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور انہیں خوف تھا کہ ان کی توبہ ان گناہوں کی وجہ سے قبول نہ ہوگی جو دور جاہلیت میں ان سے ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا: یہ آیت وحشی کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسلام قبول نہیں کرے گا۔ ابن جریج نے عطاء سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وحشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے پناہ مانگنے کے لیے آیا ہوں مجھے پناہ دیجئے تاکہ میں اللہ کا کلام سنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں یہ پسند کرتا تھا کہ میں تجھے پناہ کے بغیر دیکھوں مگر جب تو پناہ چاہتے ہوئے آ گیا ہے تو تو میری پناہ میں ہے یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔“ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، میں نے اس نفس کو قتل کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور میں نے بدکاری کی کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل فرمائی: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ

إِنَّمَا آخِرُ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ (الفرقان: 68) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ آیت تلاوت کی اس نے عرض کی: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں ممکن ہے میں کوئی نیک عمل نہ کر سکوں میں آپ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: 48) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اس پر آیت کی تلاوت کی اس نے عرض کی: ممکن ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں وہ نہ چاہے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ (الزمر: 53) اس نے عرض کی: اب میں کوئی شرط نہیں دیکھتا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت اسماء بنت نبیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا اسے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ غفور رحیم ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ہے إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا لِمَنْ يَشَاءُ۔

ابو جعفر نوحاس نے کہا: یہ دونوں قرأتیں تفسیر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی پہچان کرادی ہے جن کو وہ بخشنا چاہتا ہے وہ توبہ کرنے والا ہے یا جس نے گناہ صغیرہ تو کیا اور اس کا گناہ کبیرہ نہ تھا اور اس پر راہنمائی کی کہ وہ مابعد کلام سے تائب ہونے کا ارادہ کرتا ہے وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ تائب کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (ظہ: 82) یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت سے بڑھ کر کوئی وسعت والی آیت نہیں قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ یہ بحث سورت سبحان (الاسراء) میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت یہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا رد کیا ہے اور کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (الرعد: 6) ہے سورہ الرعد میں یہ بات گزر چکی ہے اسے ولا تقنطوا یعنی لون کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے: سورہ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ یعنی اطاعت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آؤ جب اس امر کی وضاحت کی کہ جس نے شرک سے توبہ کی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اب توبہ اور اس کی بارگاہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔ انابہ کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

وَأَسْأَلُكَ اللَّهُ اس کے سامنے خضوع کا اظہار کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ مِنْ قَبْلِي أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ قبل اس کے کہ دنیا میں عذاب آجائے لَكُمْ لَا تُضْمَرُونَ ﴿۱۰﴾ پھر تمہیں اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من السعادة أن يطيل الله عمر المذنب في الطاعة ويرزقه الإنابة وان من الشقاوة أن يعمل المرء يعجب بعمله (1) یہ سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کی عمر کو لمبا کرے اور اسے انابت (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع) کی توفیق دے اور شقاوت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان عمل کرے اور اپنے عمل پر عجب کا اظہار کرے۔

وَ اتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ③، أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اور یہ سب کا سب حسن ہے حضرت حسن بصری نے جو کہا اس کا معنی ہے اس کی اطاعت کو لازم پکڑو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو (2)۔ سدی نے کہا: احسن سے مراد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد حکمتا ہیں اور تشابہ کا علم اس کے عالم کے سپرد کر دو کہا: اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں نازل کیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم کو نازل کیا اور اس کی اتباع کا حکم دیا؛ یہی احسن ہے اور وہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ احسن ہے کیونکہ یہ تمام کتابوں کے لیے نسخ اور ان پر غالب ہے تمام کتابیں منسوخ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عفو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عفو اور قصاص میں اختیار دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو جس کا علم دیا جبکہ وہ قرآن نہیں ہے پس وہ حسن ہے اور جو قرآن آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ احسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سابقہ امتوں کی جو خبریں نازل کی ہیں وہ احسن ہیں۔

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَمُنِي، ان محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے كراهة أن تقول كوفيوں کے نزدیک یہ تقدیر ہے لئلا تقول بصریوں کے نزدیک حذر أن تقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أن تقول نفس کیونکہ اس سے نفوس میں سے بعض نفوس ہیں وہ کافر کا نفس ہے۔ یہ جائز ہے اس سے مراد وہ نفس ہو جو نفس میں سے ممتاز ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کفر میں شدید جھگڑا کرتا ہے یا اسے عظیم عقاب دیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد کثرت ہو؛ جس طرح اعشی نے کہا:

وَرُبُّ بَقِيْعٍ لَوْ هَتَفْتُ بِحَبْوَةٍ أَتَانِي كَرِيْمٌ يَنْفُضُ الرَّأْسَ مُغْضَبًا (3)

یہاں کریم سے مراد معززین کی جماعتیں ہیں یہاں ایک کریم مراد نہیں جس طرح یہ ہے رب بلد قطعاً، رب بطل قارعت ان دو مثالوں میں بھی کثرت کا ہی ارادہ ہے یا حسرتا اصل میں یا حسرتی تھا یا کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یہ حرف خفیف ہے اور آواز کو لمبا کرنے کے ساتھ استغاثہ میں زیادہ موثر ہے بعض اوقات اس کے آخر میں ہاء لاحق کر دیتے ہیں۔ فراء نے شعر پڑھا ہے:

يَا مَرْحَبًا بِحَارِ نَاجِيَةٍ إِذَا أَلَى قَرْبَتَهُ لَيْسَانِيَّةٌ

محل استدلال مرحبہا ہے۔

بعض اوقات وہ الف کے بعد یا کو لاحق کر دیتے ہیں تاکہ وہ اضافت پر دلالت کرے۔ ابو جعفر نے بھی اسے اسی طرح

پڑھا ہے یا حسرتا یا حسرت سے مراد شرمندگی ہے۔

عَلَى مَا قَرَأْتَ فِي جَنبِ اللَّهِ حضرت حسن بصری نے کہا: فِي جَنبِ اللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اللہ عزوجل کے ذکر میں کہا یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنا۔

ابو عبید نے کہا: فِي جَنبِ اللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثواب میں۔ فراء نے کہا: جنب سے مراد قرب اور پڑوس ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یعیس فی جنب فلان یعنی فلاں، فلاں کے پڑوس یا پناہ میں رہتا ہے اسی سے الصاحب بالجنب ہے یعنی میں نے اس کے جوار اور قرب کی طلب میں یعنی جنت کی طلب میں کوتاہی کی ہے۔ زجاج نے کہا: یعنی میں نے اس راستہ میں کوتاہی کی جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دی۔ عرب کسی شے کی طرف جانے والے راستہ کو جنب کہتے ہیں، تو کہتا ہے: تجرعت فی جنبک غصصا یہاں فِي جَنبِ کا معنی تیرے لیے تیرے سبب سے اور تیری رضا کی خاطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي جَنبِ اللَّهِ سے مراد ہے اس جانب میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طرف لے جاتی ہے عرب جانب کو جنب کہتے ہیں۔

شاعر نے کہا:

النَّاسُ جَنْبٌ وَالْأَمِيرُ جَنْبٌ

یعنی لوگ ایک جانب میں ہیں اور امیر دوسری جانب میں ہے۔

ابن عرفہ نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ترک کر دیا یہ جملہ کہا جاتا ہے ما فعلت ذلك فی جنب حاجتی۔ یعنی میں نے یہ کام اپنی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا؛ کثیر نے کہا:

الْأَسْتَعِينُ اللَّهُ فِي جَنْبِ عَاشِقٍ (2)

کیا تو عاشق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔

مجاہد نے بھی اسی طرح کہا یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ضائع کر دیا (3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”کوئی آدمی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا، نہ چلنے والی جگہ چلا اور نہ کسی بستر پر لیٹا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا مگر قیامت کے روز وہ اس پر حسرت میں ہوگا۔“ ابوداؤد نے اس معنی کی روایت نقل کی ہے ابراہیم تیمی نے کہا: قیامت کے روز حسرتوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ انسان اپنے اس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا قیامت کے روز غیر کے میزان میں دیکھے گا جس کا دوسرا فرد وارث بنا تھا اور اس میں حق کے مطابق عمل کیا تو عمل کرنے والے کے لیے اجر ہوگا اور دوسرے پر بوجھ ہوگا۔ اور حسرتوں میں سے ایک حسرت یہ بھی ہوگی کہ ایک بندہ اپنے غلام کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عطا کیا تھا وہ مقام و مرتبہ میں مالک سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا یا ایک آدمی کو دیکھے گا جسے وہ دنیا میں ناپینا پہچانتا تھا اب قیامت کے روز وہ جینا ہے اور وہ خود ناپینا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الشُّعْرُ ۖ ۝ یعنی تو نہیں ہے مگر دنیا میں قرآن، رسول اور اللہ کے اولیاء سے استہزاء کرنے والوں

میں سے (1)۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضائع کیا یہاں تک کہ اس نے اطاعت گزاروں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ان گنٹھ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے گویا کہا: میں نے کوتاہی کی جبکہ میں مذاق کرنے والا تھا یعنی میں نے مذاق اڑانے کی حالت میں کوتاہی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نہیں تھا مگر مذاق، کھیل اور باطل میں یعنی میری سب کاوش غیر اللہ کی عبادت میں تھیں۔

أَوْ تَقُولُ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۴۸﴾ یا یہ نفس کہے گا: کاش! اللہ تعالیٰ میری راہنمائی اپنے دین کی طرف کرتا تو میں شرک اور معاصی سے بچنے والوں میں سے ہوتا یہ قول ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں ہدایت یافتہ ہو جاتا“ سچا قول ہے یہ شرکین کے اس استدلال کے قریب ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں دی ہے: سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا (الانعام: 148) یہ کلمہ حق ہے جس کے ساتھ باطل کا ارادہ کیا گیا جس طرح حضرت علی شیر خدا ﷺ نے فرمایا جب ایک خارجی نے کہا: لاحکم الا للہ۔

أَوْ تَقُولُ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۹﴾ یعنی جب وہی نفس عذاب دیکھے گا تو وہ کہے گا: کاش! میرے لیے دوبارہ لوٹنا ہوتا فاکون تمہنی کے جواب کے طور پر منسوب ہے اگر تو چاہے تو یہ کمرۃ پر معطوف ہو کیونکہ اس کا معنی ہے اُن اگتہ جس طرح شاعر نے کہا:

لَلْبَسِ عِبَاءَةً وَتَقَرَّ عَيْنِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوفِ

فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَمَا لَكَ مِنْهَا غَيْرُ ذِكْرِي وَخَشْيَةِ وَتَسْأَلُ عَنْ رُكْبَانِهَا أَيْنَ يَسْأَلُونَ (2)

یہاں و تسأل کو نصب الذکری کے محل کی وجہ سے ہے کیونکہ کلام کا معنی ہے فمالک منها الا ان تذکر یہی صورت حال للبس عباۃ و تقراء میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لان البس عباۃ و تقراء ابوصالح نے کہا: بنی اسرائیل کے ایک عالم نے رقعہ پایا کہ ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جہنمی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عمل پیرا رہتا ہے پھر وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جنتی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اس نے کہا: میں کس وجہ سے اپنے آپ کو تھکاؤں اس نے عمل ترک کر دیا اور فسق و معصیت میں شروع ہو گیا ابلیس نے اسے کہا: تیری عمر طویل ہے تو دنیا سے لطف اندوز ہولے پھر تو بہ کر لینا وہ فسق میں شروع ہو گیا اور اپنا مال فحور میں خرچ کرنے لگا موت کا فرشتہ اس کے پاس اس حالت میں آیا جبکہ وہ لذیذ ترین عمل میں مصروف تھا تو اس نے کہا: ہائے میرا فسوس! جو میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی میری عمر شیطان کی اطاعت میں گزر گئی اس نے اس وقت شرمندگی کا اظہار کیا جس وقت شرمندگی اسے نفع دینے والی نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر قرآن میں نازل کی۔ قتادہ نے کہا: اس کی کئی صنفیں ہیں ان میں سے ایک صنف نے کہا: يُحْصِنُ عَلَى مَا كَرِهَتْ فِي

حَسْبُ اللَّهِ اِيك صَنَفَ نِي كُهَا: لَوَ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِيك صَنَفَ نِي كُهَا: لَوَ اَنَّ لِي كَزَّةٌ فَا كُوْنُ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اللّٰه تَعَالٰى نِي اِن كِي كَلَام كَارُو كَرْتِي هُوِي كُهَا: بَلِي قَدْ جَآءَتْكَ اِيْتِيْ -

زجاج نے کہا: بلی، نفی کا جواب ہے کلام میں نفی نہیں لیکن لَوَ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِي کا معنی ہے ماہدان اس نے مجھے ہدایت نہیں دی گویا اس قائل نے کہا: میری راہنمائی نہیں کی گئی تو کہا گیا: کیوں نہیں تیرے لیے ہدایت کا راستہ واضح کیا گیا اگر تو ارادہ کرتا کہ تو ایمان لائے تو تیرے لیے ایمان لانا ممکن تھا ایتھی سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آیات سے مراد معجزات ہیں یعنی دلیل واضح ہوگئی اور تو نے اس کا انکار کر دیا اور اس کو جھٹلا دیا۔

وَاسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ تُوْنِي اِيْمَانُ لَانِي سِي كُكْبَرِيَا كُهَا: وَاسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ يِي مَذْكُرُو كُخَطَابُ يِي كِيُوْنِكِي نَفْسُ كَالْفِظِ مَذْكُرُو كُأُورْمُوْنُثُ پُرُوَا قِعُ هُوَتَا يِي يِي كُهَا جَاتَا يِي: ثَلَاثَةٌ اِنْفُسُ مَبْرُوْدِي نِي كُهَا: عَرَبُ كِيْتِي يِي نَفْسُ وَاْحِدُ يِعْنِي اِيك اِنْسَانُ -

ربیع بن انس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں قراءت کی قَدْ جَآءَتْكَ اِيْتِيْ فَلَذَّبْتُ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَعْمَشُ نِي اَسِي يُوْنُ پڑھا بَلِي قَدْ جَآءَتْكَ اِيْتِيْ يِي مَذْكُرُو كُپُرُوَا لُ يِي (1)۔ ربیع بن انس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ملے مگر قراءت جائز ہے کیونکہ نفس کا لفظ مذکور اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس قراءت کا بعض لوگوں نے انکار کیا ہے اور کہا: پھر اس صورت میں تاء کو کسرہ دیتے ہوئے یہ پڑھنا واجب ہوگا و كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اُو مِنَ الْكٰفِرَاتِ - نحاس نے کہا: یہ لازم نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس سے پہلے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسُ يِي پھر فرمایا: وَ اِنْ كُنْتَ لِمِنَ الشَّجَرِيْنَ - من السواخر اور من الساخرات نہیں فرمایا تاء کے کسرہ کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی وَاَسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْجَمْعِ السَاخِرِيْنَ اُو مِنَ النَّاسِ السَاخِرِيْنَ اُو مِنَ الْقَوْمِ السَاخِرِيْنَ -

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرٰى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى اللّٰهِ وَ جُوْهُهُمْ مُّسْوَدَةٌ ۝ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوٰى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰثَقُوْا بِمَقٰرَتِهِمْ لَا يَسْتَهُمُ الشَّرُّ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَ كِيْلٌ ۝ لَّهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ اَقْعَبِيْرَ اللّٰهَ تَاْمُرُوْنِيْ اَعْبُدُ اِيْهَا الْجَاهِلُوْنَ ۝

”اور روز قیامت آپ دیکھیں گے انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اس حال میں کہ انکے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے

ساتھ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا، اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمائیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔“

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ اِنَّ كَايَ هَالِ اس وَجِهَ سَ هَ كَ اَنِيَسِ اللّٰهَ تَعَالٰى كَ غَضَبِ اور ناراضگی نے گھیر رکھا ہے۔ انفس نے کہا: تَرَى، وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ میں عامل نہیں کیونکہ وہ مبتدا اور خبر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تَرَى سے مراد رویہ بصرا لیا جائے تو یہ جملہ حال ہوگا اگر رویہ قلب مراد ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہوگا (1)۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوٰى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۱۱ رسول اللہ ﷺ نے کبر کے معنی کی وضاحت کی فرمایا: سفہ الحق و غص الناس حق کی ناقدری کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کی حقارت بیان کرنا۔ سورہ بقرہ اور دوسری آیات میں یہ بحث گزر چکی ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: يحسب المتكبرون يوم القيامة كالذئب يلحقهم الصغار حتى يوثق بهم الى سحن جهنم متكبرون كوقيامت کے روز کیرٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا انہیں حقارت لاحق ہوگی یہاں تک کہ انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا (2)۔

وَيُنَادِي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰتَقَوْا اَسَ يٰنَعِيْ هِيْ پڑھا گیا ہے یعنی جو شرک اور نافرمانیوں سے بچتے رہیں بِمَفَاذِ تِهْمِ مَفَاذَ كَا واحد کا صیغہ ہے عام قراءت یہی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ کوفیوں نے بمفاز اتهم پڑھا ہے (3)۔ یہ جائز ہے جس طرح تو کہتا ہے بسعاد اتهم اس آیت کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی کی حدیث میں ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کا عمل بھی اٹھائے گا مومن کا عمل اس کے ساتھ خوبصورت ترین اور عمدہ ترین خوشبو کے ساتھ ہوگا جب کبھی بھی رعب یا خوف ہوگا تو وہ اس آدمی کو کہے گا: تو خوفزدہ نہ ہو تو اس سے مراد نہیں اور نہ ہی تو اس سے مقصود ہے، جب یہ بات کافی دفعہ ہو چکی ہوگی تو وہ کہے گا: تو کتنا ہی خوبصورت ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا نیک عمل ہوں تو نے میرے بوجھل ہونے کے باوجود اٹھائے رکھا اللہ کی قسم! اب میں تجھے اٹھاؤں گا اور تیرا دفاع کروں گا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنَادِي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰتَقَوْا بِمَفَاذِ تِهْمِ لَا يَسْتَهْمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۔“

وکیل سے مراد نگہبان اور امور بجالانے والا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا واحد مقلید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد مقلاد ہے اکثر اس میں اقلید استعمال ہوتا ہے۔ مقلید سے مراد چابیاں ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: آسمان کے خزانوں سے مراد بارش ہے اور

زمین کے خزانوں سے مراد نباتات ہیں اس میں ایک اور لغت اقلید ہے اسی تعبیر کی بنا پر اس کی واحد اقلید ہے۔ جوہری نے کہا: اقلید سے مراد چابی ہے مقلد کا معنی بھی چابی ہے جس طرح منجل ہے بعض اوقات اس کے ساتھ گھاس کو بانا جاتا ہے جس طرح قت (صحرائی بوٹی) کو بانا جاتا ہے جب اس سے رسی بنائی جائے اس کی جمع مقالید ہے اقلد البحر علی خلق کثیر یعنی سمندر نے انہیں غرق کر دیا گویا اس نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا: ”کسی نے بھی مجھے سے اس بارے میں نہیں پوچھا وہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ وبحمدہ، أستغفر اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم هو الاول والاخر والظاهر والباطن یحییٰ ویبیت بیدۃ الخیر وهو علیٰ کل شیء قدير ہے (2) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا: ”جس نے صبح اور شام کے وقت دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) اس کی ابلیس سے حفاظت کرے گا (2) بارہ ہزار فرشتے اس کے پاس حاضر ہوں گے (3) اسے ایک قنطار اجر دیا جائے گا (4) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا (5) اللہ تعالیٰ حور عین سے اس کی شادی کرے گا (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا جتنا اجر اس آدمی کو دیا جائے گا جس نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہوگی اس کے لیے مزید اس آدمی جیسا اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا ہوگا جس کا حج اور عمرہ قبول ہوگا اگر وہ اس رات فوت ہو جائے تو وہ شہید کی موت مرے گا۔“

حارث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مقالید کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا فرمایا: ”اے علی! تو نے عظیم مقالید کے بارے میں سوال کیا (3) جب تو صبح کرے یا شام کرے تو کہے: لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، أستغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ الاول والاخر والظاهر والباطن له الملك وله الحمد بیدۃ الخیر وهو علیٰ کل شیء قدير جس نے صبح کے وقت انہیں دس بار کہا اور جس نے شام کے وقت دس بار کہا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) شیطان اور اس کے لشکروں سے اسے محفوظ رکھے گا انہیں اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں ہوگا (2) اسے جنت میں ایک قنطار دیا جائے گا جو ترازو میں احد پہاڑ سے بڑھ کر ہوگا (3) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا جسے نیک لوگ ہی حاصل کریں گے (4) اللہ تعالیٰ اس کی شادی حور عین سے فرمائے گا (5) اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں جو ان کلمات کو ان کے حق میں ”رق منشور“ میں لکھتے ہیں اور قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گے (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کی قراءت کی ہے اور اس آدمی کی طرح اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا جس کا حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اگر وہ اس دن، اس رات یا اس مہینے میں فوت ہو گیا تو وہ شہید کے طور پر لکھا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقالید سے مراد اطاعت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: القدر الی فلان بالمقالید یعنی اس نے اسے جس بھی امر

کا حکم دیا اس میں اس نے اطاعت کی۔ آیت کا معنی یہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١١﴾ آیات سے مراد قرآن، دلائل اور دلالات ہیں اس کے بارے
میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

قُلْ أَغْفِرُ اللَّهُ تَأْمُرُوْنَیْ اَعْبُدُ یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس امر کی دعوت دی جس پر وہ قائم
تھے یعنی بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا: یہ تیرے آباء کا دین ہے غیر پر نسب اعبدا فعل کی وجہ سے ہے تقدیر
کلام یہ ہوگی اعبدا غیر اللہ فیما تا مردنہی یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی بناء پر تَأْمُرُوْنَیْ سے نصب دے تقدیر
کلام یہ ہوگی اَتَاْمُرُوْنَیْ بغیر اللہ اعبدا کیونکہ ان مقدرہ ہے اور ان اور فعل مصدر ہیں یہ غیر سے بدل ہے تقدیر کلام یہ ہے
اَتَاْمُرُوْنَیْ بعبادة غیر اللہ۔

نافع نے تَأْمُرُوْنَیْ پڑھا ہے یعنی ایک نون مخففہ اور یاء کوفتہ دیا ہے (1) ابن عامر نے تَأْمُرُوْنَیْ اپنے اصل پر پڑھا ہے
باقی قراء نے ایک نون مشددہ پڑھا ہے جس میں ادغام کا قاعدہ جاری ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ
مصحف عثمانی میں اسی طرح ہے۔ نافع نے اسے دوسرے نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے مخذوف دوسرا نون ہوگا کیونکہ
تکرار اور ثقل اسی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ پہلے کا حذف جائز ہی نہیں کیونکہ وہ تورفع کی علامت
ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت اتحاجونی میں گزر چکی ہے اَعْبُدُ اصل میں ان اعبدا تھا جب ان کو حذف کر دیا گیا تو
اسے رفع دیا گیا یہ کسائی کا قول ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَلَا أَيُّهَا الزَّاجِرِيُّ أَحْضُرُ الْوَعَى

محل استدلال احضُرُ الْوَعَى ہے اصل میں اُن احضُرُ تھا۔ اس توجیہ کی صحیح دلیل اس کی قراءت ہے جس نے اسے اعبدا
منصوب پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿١١﴾ بَلِ اللّٰهُ فَاَعْبُدُوْا كُنُّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١١﴾

”اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر آپ نے بھی شرک
کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے بلکہ صرف اللہ کی ہی
عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے۔“

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
کلام یہ ہوئی لقد اوحى إليك لئن أشركت وأوحى إلى الذين من قبلك كذلك ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر
پر ہے۔ مقاتل نے کہا: یعنی آپ کی طرف اور آپ سے قبل انبیاء کی طرف توحید کی وحی کی گئی اور توحید مخذوف ہے پھر فرمایا: لئن

اشراکت یا محمد۔ اے محمد! **لِيَحْضُرَنَّ عَمَلُكَ** تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے یہ خاص نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ شرک نہیں کرتے اور آپ سے شرک واقع نہیں ہوتا۔ احباط کا معنی باطل کرنا اور فاسد کرنا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے ارتداد کیا تو اس کو سابقہ اطاعتیں نفع نہ دیں گی لیکن ارتداد کے ساتھ اعمال کا برباد ہونا کفر پر وفات کے ساتھ مشروط ہے اسی وجہ سے فرمایا: **مَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ** عن دینہ فیست دھو کافر فاولئک حبطت اعمالہم یہاں مطلق، مقید پر محمول ہے اسی وجہ سے ہم نے کہا: جس نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس پر فرض حج کا اعادہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک اس پر حج واجب ہے اس پر گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

بَلِ اللّٰهِ فَاَعْبُدُوْهُ نحاس نے کہا: میری کتاب میں ابو اسحاق سے یہ تحریر ہے کہ لفظ اللہ اسم جلالت منصوب ہے جس کا عامل اعبد ہے اس مسئلہ میں بصریوں اور کوفیوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ نحاس نے کہا: فراء نے کہا یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ مہدوی نے کسائی سے حکایت بیان کی ہے۔ جہاں تک زجاج کا تعلق ہے زجاج نے کہا: یہ مجازات کے لیے ہے۔ انفس نے کہا: یہ زائدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **فَاَعْبُدُوْهُ** کا معنی **فَوَجِدُوْهُ** ہے اس کی وحدانیت بیان کرو۔ دوسرے علماء نے کہا: بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور شرکین کے برعکس اس کے انعامات کا شکر بجالاؤ۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ
مَطْوِيٰتٌ بِيَمِيْنِهِ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۵ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۗ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اٰخَرٰى فَاِذَا
هُمْ قِيٰمٌ يَّنظُرُوْنَ ۝۱۶

”اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا کہ بے ہوش نہ ہوں پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے اور جملگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔“

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ مبرد نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی جس طرح عظمت بجالانا تھی ایسی عظمت بجانہ لائے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان عظیم القدر نحاس نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی

عبادت کے ساتھ دوسرے معبودان باطلہ کی عبادت کی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک اور خالق ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعظیم نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عظمت کا ذکر کیا وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی کہ یہ کسی عضو کے ساتھ ہو فرمایا: سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۱﴾ ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ایک روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور مخلوقات کو ایک انگلی پر روکتا ہے پھر فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں (1) پھر فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَتَّىٰ قَدَرُوا بَآءَ (الانعام: 91) کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین کو قبض کرے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ کے بارے میں پوچھا کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اس روز لوگ کہاں ہوں گے (2)؟ فرمایا: جہنم کے پل پر، ایک روایت میں ہے کہ ”اے عائشہ! صراط پر“ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ، دیکھنا اللہ الارض سے مراد اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کا احاطہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما فلان الا ان قبضتی وہ اس سے مراد لیتے ہیں اشیاء اس کی ملک اور قدرت میں ہیں بعض اوقات قبض اور طے کا معنی کسی شے کو فنا کرنا اور ختم کرنا ہوتا ہے وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام زمین قیامت کے روز تباہ و برباد ہونے والی ہے۔ الارض سے مراد ساتوں زمینیں ہیں اس کی دو شہادتیں ہیں۔ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا کیونکہ یہ موقع تعظیم کا ہے اور وہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سے مراد کسی کدو کاوش سے لپیٹنا نہیں اس سے مراد فنا اور تباہ ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: قد انطوى عنا ما كنا فيه وجاءنا غيرا، انطوى عنادھر کا معنی ہے یعنی زمانہ ہم سے گزر گیا ہے۔ لفظ یمن، کلام عرب میں کبھی قدرت اور ملک کے معنی میں ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء: 3) سے مراد ملک ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا خَدْنَائِمُنْهُ بِالْأَيْمَانِ ﴿۹۱﴾ (الحاقة) یعنی ہم نے اس کی قوت اور قدرت گرفت میں لے لی۔ فراء اور مبرد نے کہا: یمن کا معنی قوت اور قدرت ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

إِذَا مَارَاتُ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلْقَاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِينِ

جب کبھی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا گیا تو عرابہ نے اسے قوت سے پکڑ لیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ زمر، جلد 2، صلو 156۔ ایضاً حدیث نمبر 3162، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، صلو 157۔ ایضاً حدیث نمبر 3164-3165، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک اور شاعر نے کہا:

وَلَمَّا رَأَيْتُ الشَّمْسَ أَشْرَقَ نَوْرُهَا تَنَاوَلْتُ مِنْهَا حَاجَتِي بِسَيِّئِ

جب میں نے سورج کو دیکھا کہ اس کا نور روشن ہے تو میں نے اس سے اپنی حاجت کو بڑی قوت سے لے لیا۔

قَتَلْتُ شُنَيْعًا ثُمَّ فَارَانَ بَعْدَهُ وَكَانَ عَلَى الْآيَاتِ غَيَّرَ أَمِينِ

یہاں قیامت کو خصوصاً ذکر کیا اگرچہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے کیونکہ قیامت کے روز تمام دعوے ختم ہو جائیں گے جس طرح فرمایا: وَالْأَمْزِيُّ مَهْدٍ لِلَّهِ ⑩ (الانفطار: 19) مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ⑪ (فاتحہ: 4) جس طرح سورت فاتحہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اسی وجہ سے حدیث طیبہ میں فرمایا: ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مَلِكُ الْأَرْضِ (1) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ہم نے "التذکرہ" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بطوی الأرض بشمالہ میں شمال کے ذکر پر گفتگو کی ہے۔

وَنُفُوحٌ فِي الصُّوْبِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفُوحٌ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ⑫ زمین کو قبض کرنے اور آسمان کو لپیٹنے کے درمیان صور پھونکا جائے گا یہ دو نفعے ہونگے ان میں سے پہلے نفعہ کے موقع پر مخلوقات مرجائے گی اور دوسرے نفعہ کے موقع پر وہ زندہ ہونگے۔ بحث سورہ نمل اور انعام میں گزر چکی ہے۔ جو صور پھونکنے کا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہونگے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ساتھ حضرت جبریل امین ہونگے جس طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، صور پھونکنے والوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں وہ نظر لگائے ہوئے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے (2)۔ اسے ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابوداؤد کی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صور پھونکنے والے کا ذکر کیا اور کہا: اس کی دائیں جانب حضرت جبریل امین اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں (3)۔

جو لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شہداء ہونگے جو عرش کے ارد گرد اپنی تلواریں گلے میں لٹکائے ہوئے ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جس کا ذکر قشیری نے کیا اور حضرت عبد اللہ کی حدیث ہے جسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرات جبریل امین، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا: وَنُفُوحٌ فِي الصُّوْبِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (الزمر: 68) تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ ہیں جن کی استثناء اللہ تعالیٰ نے کی ہے؟ فرمایا: وہ حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ذکر البعث، صفحہ 326

1- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الأرض، جلد 2، صفحہ 965

3- سنن ابی داؤد، الحروف والقراءات، باب القراءات، جلد 2، صفحہ 199

فرمائے گا: اے ملک الموت! میری مخلوق میں سے کون باقی ہے جبکہ وہ خوب جانتا ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! جبریل، میکائیل اور اسرافیل اور تیرا ضعیف بندہ ملک الموت باقی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اسرافیل اور میکائیل کی روح قبض کر لے تو وہ دونوں مر کر گر پڑیں گے جس طرح وہ پہاڑ ہوں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے ملک الموت! تو بھی مرجا، تو وہ بھی مرجائے گا۔ اللہ تعالیٰ جبریل امین سے فرمائے گا: اے جبریل! کون باقی ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: تو برکتوں والا ہے تو بلند ہے اے صاحب جلال و اکرام! تیری ذات باقی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے جبکہ جبریل مرنے والا فانی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے جبریل! تیری موت ضروری ہے، وہ سجدہ میں گر پڑے گا وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہا ہوگا: وہ کہے گا اے میرے رب! تو پاک ہے تو برکتوں والا ہے تو بلند و بالا ہے اے صاحب جلال و اکرام! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جبریل امین کی تخلیق حضرت میکائیل علیہ السلام کی تخلیق پر یوں فضیلت رکھتی ہے جس طرح بڑے پہاڑ کو چھوٹے ٹیلے پر فضیلت ہوا کرتی ہے“ اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

اسے نحاس نے بھی ذکر کیا ہے کہ محمد بن اسحاق، یزید رقاشی، سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** کا مصداق حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حاملین عرش، ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام ہیں اس حدیث میں ہے: ان میں موت میں سب سے آخر حضرت جبریل علیہ السلام ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو شہداء کے متعلق ہے وہ اصح ہے جس طرح سورہ نمل میں گزر چکا ہے ضحاک نے کہا: مستثنیٰ رضوان حور، مالک اور زبانیہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنمیوں کے بچھو اور اس کے سانپ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ اہل آسمان اور اہل زمین میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا مگر اسے موت کا ذائقہ چکھائے گا (1)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ مستثنیٰ کو خوب جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** میں مستثنیٰ وہ ہیں جو فتح اولیٰ سے پہلے مر گئے یعنی اہل آسمان اور اہل زمین مر جائیں گے مگر جن کو پہلے ہی موت آچکی ہے کیونکہ وہ مردہ تھے۔

صحیحین اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ کے بازار میں یہ کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر انتخاب کے ساتھ فضیلت دی (2)۔ ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے تھپڑ مارا کہا: تو یہ بات کرتا ہے جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **وَنُفَخَ فِي الصُّورِ فَصَوِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفَخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ** (3) میں سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو میں اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہونگا جو عرش کے ایک پائے کو پکڑے ہوئے میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اپنا سر مجھ سے پہلے اٹھایا یا وہ ان افراد میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس نے یہ کہا: میں حضرت یونس بن متی علیہ

السلام سے بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا“ (1)۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے استثناء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شہداء پر محمول کیا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زندہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ صعقہ عققل کے زوال کی صورت میں ہو زندگی کے زوال کی صورت میں نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ موت کی صورت میں ہو یہ کوئی بعید نہیں کہ یہ موت اور حیات کی صورت میں ہو ان میں سے ہر ایک کو عققل جائز قرار دیتی ہے اس کا وقوع خبر صادق پر موقوف ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث میں آیا ہے فرمایا: ”مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگوں پر صعقہ طاری ہوگا میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو اس سے افاقہ پائے گا کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہونگے میں نہیں جانتا کہ کیا وہ ان لوگوں میں سے ہونگے جن پر صعقہ طاری ہوا تو مجھ سے قبل انہیں افاقہ ہوا یا اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو مستثنیٰ کیا“ اسے امام مسلم نے نقل کیا اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے ”فاقہ“ یہ غشی اور زوال عققل سے ہوا کرتا ہے نہ کہ موت کے بعد زندگی کو لوٹانے کی صورت میں ہوا کرتا ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿١٠﴾ تو اچانک اہل زمین اور اہل آسمان کے مردے زندہ ہونگے جنہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ان کے بدن کی روحیں ان کی طرف لوٹادی جائیں گی وہ انھیں گے کہ دیکھیں انہیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونگے وہ اس حشر کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نظر، انتظار کے معنی میں ہوگی یعنی ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جانے والا ہے اس کا انتظار کریں گے۔ کسائی نے قیام کو نصب دینا بھی جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے فاذا زید جالساً (محل استدلال جالساً ہے)۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١﴾ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾

”اور جگمگاٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور دوسرے گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر رتی بھر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں۔“

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا اس کے اشراق سے مراد اس کا روشن ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أشرقت الشمس۔ جب سورج روشن ہو جائے وشرق الشمس جب وہ طلوع ہو جائے اور بِنُورِ رَبِّهَا کا معنی ہے بعدل ربھا یعنی نور کا معنی عدل ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سخاک نے نور کا معنی حکم کیا ہے، معنی ایک ہی ہے یعنی زمین

1- سنن ابن ماجہ، باب ذکر البعث، حدیث 4263۔ جامع ترمذی، باب من سورۃ زمر، حدیث 3168، نساء القرآن پہلی کیشنہ۔

اللہ تعالیٰ کے عدل اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے روشن ہوگی ظلم تاریکیاں ہیں اور عدل نور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نور پیدا کرے گا جو روئے زمین پر پڑے گا تو اس کی وجہ سے زمین روشن ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں جس نور کا ذکر ہے اس سے مراد سورج اور چاند کا نور نہیں ہے بلکہ ایسا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا جس کے ساتھ زمین روشن ہو جائے گی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے: اس روز زمین چاندی کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے جلوہ گر ہوگا اس صورت میں معنی ہوگا کہ زمین ایسے نور سے روشن ہوگی جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے نور کو اپنی ذات کے ساتھ مضاف کیا ہے جس طرح ملک کو مالک کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی رات نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر نے اسے یوں پڑھا ہے واشراقت الارض جبکہ فعل مجہول ہے (1) یہ قراءت تفسیر کی بناء پر ہے یہاں کچھ لوگ گمراہ ہو گئے انہوں نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ نور کی جنس اور محسوس روشنی سے ہے جبکہ وہ محسوسات کی مشابہت سے بالا ہے جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کو منور کرنے والا ہے خلق و انشاء کے اعتبار سے تمام نور اس کی طرف منسوب ہیں۔

ابو جعفر نحاہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورِهَا** اس حدیث مرفوع کی وضاحت کرتا ہے جو کثیر صحیح سندوں سے مروی ہے: **تَنْظُرُونَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَا (2)** اسے چار انداز سے روایت کیا گیا ہے لا تضامون، لا تضارون، لا تضامون، لا تضارون۔ لا تضامون کا معنی ہے انہیں کوئی ظلم لاحق نہیں ہوگا جس طرح تمہیں دنیا میں لاحق ہوتا تھا جب بادشاہوں کو دیکھا جاتا اور لا تضارون تمہیں کوئی تکلیف لاحق نہ ہوگی لا تضامون۔ تم ایک دوسرے کو نہ ملو کے دیکھنے کے لیے اس سے پوچھو۔ لا تضارون تم میں سے بعض بعض کے مخالف نہ ہونگے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ضارہ مضارۃ و ضاراء۔ یعنی اس کی مخالفت کی۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد کتاب اور وہ صحیفے ہیں جس میں انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں انسان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوتا ہے **وَ جَاءَتْ بِالْاَنْبِيَاءِ** انبیاء کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا **وَالشَّهَادَاتِ** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے دوسری امتوں پر گواہی دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ (البقرہ: 143)** ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ کس نے دین کا دفاع کیا: یہ سدی کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ کرانا کاتبین ہیں جو لوگوں کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں

گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ** (ق) سائِق اسے حساب کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور شہید اس پر گواہی دے گا اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان پر مقرر ہے جس کی وضاحت سورہ قاف میں آئیگی و **قَضَىٰ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ** حق سے مراد سچائی اور عدل ہے **وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ** حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور ان کی برائیوں پر اضافہ نہ کیا جائے گا ماعملت سے مراد خیر یا شر ہے **وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ** یعنی وہ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اسے کسی کتاب اور شاہد کی کوئی ضرورت نہیں اس کے باوجود اتمام حجت کے لیے کتابیں اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۗ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۗ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبئسَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۗ

”اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ درگروہ وہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے جہنم کے پہرے دار: کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سنا تے تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے، کہیں گے: بیشک آئے تھے لیکن مثبت ہو چکا تھا لوح محفوظ میں عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا“۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا یہ اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کافر کو آگ کی طرف اور مومن کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا **زُمَرًا** کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد **زُمْرَةٌ** ہے جس طرح ظلمت اور غرطہ ہے۔ انفس اور ابو عبیدہ نے کہا: زمر کا معنی متفرق جماعتیں ہیں جن میں سے بعض بعض کے پیچھے ہوتی ہیں شاعر نے کہا:

وَدَرَى النَّاسَ إِلَىٰ مَنزِلِهِ زُمَرًا تَتَنَابَهُ بَعْدَ زُمَرٍ

تو دیکھے گا لوگ اس کے گھر کی طرف جماعتوں کی صورت میں پے در پے آتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حَتَّىٰ اخْتَالَثَ زُمَرٌ بَعْدَ زُمَرٍ

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ زمر کا معنی ہے آواز کے ساتھ اسے دور کرنا اور جھڑکنا جس طرح مزار کی آواز ہوتی ہے فتحت

ابو ابہا یہ اذکا جواب ہے، یہ کل سات دروازے ہیں سورہ حجر میں اس کی بحث گذر چکی ہے۔

خَزَنَتُهَا اس کی واحد خازن ہے جس طرح سادن کی جمع سدنہ ہوتی ہے یہ بات انہیں دھمکانے اور شرمندہ کرنے کے لیے ہوگی اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ ایتِ رَايْتُمْ سے مراد انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں یُنذِرُكُمْ جو تمہیں خبردار کرتے تھے قَالُوا بَلَىٰ يٰعَسَىٰ اَنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ رِجْسٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا تَلْعَنَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ۝ (السجدہ) انہیں کہا جائے گا: جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے دروازوں کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ وہب نے کہا: جہنم کے داروغے آگ کے ہنٹروں کے ساتھ ان کا سامنا کریں گے اور اپنے ہنٹروں کے ساتھ انہیں دھکا دیں گے وہ ایک ہی دھکے کے ساتھ ربیعہ اور مضر کی تعداد کے برابر انہیں آگ میں پھینک دیں گے یہ متکبروں کا کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مَثْوَى الْمُتَكَبِرِينَ کے بارے میں بھی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَسَبِّحْ اِلٰى رَبِّكَ اَبْحَثُ اَبْوَابَهَا
وَمَا لَكُمْ اَنْ تَقُولُوا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبْتُمْ فَاذْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝
الَّذِيْ صَدَقْنَا وَعٰدَاۗءُ وَاُوْرٰثَنَا الْاَرْضَ نَتَّبِعُوْا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنَعْمَ
اَجْرُ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَرٰى الْمَلٰٓئِكَةَ حَٰقِقِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

”اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے عمر بھر اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ درگروہ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہونگے تو کہیں گے انہیں جنت کے محی فظ: تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے: ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس پاک زمین کا اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے ارد گرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ، اور کہا جائے گا: سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے۔“

وَسَيُتْلٰى اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ رُجْرًا، زمرا سے مراد شہداء، زہداء، علماء، قراء اور دوسرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے رہے دونوں فریقوں کے بارے میں فرمایا: وَسَيُتْلٰى یعنی ایک ہی لفظ ذکر کیا جہنم کو ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں رسوائی اور ذلت کے ساتھ دھتکا جائے جس طرح قیدیوں اور سلطان کے خلاف خروج کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جب انہیں قید کرنے کے لیے اور قتل رہنے کے لیے ہانکا جاتا ہے اور جنتیوں کو

ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سوار یوں کو کرامت اور رضوان کے گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے کیونکہ انہیں سوار کر کے ہی لے جایا جاتا ہے جس طرح اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے جس کی عزت اور تکریم مقصود ہو جس طرح بادشاہ کی خدمت میں جب وفود کو پیش کیا جاتا ہے دونوں طرح کے لے جانے میں کتنا فرق ہے۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَبَحَثُ أَبُوٰبُہَا اِیْکَ قَوْلِیْہِ کِیَا گِیَا ہِ: وَاذِہِہَا عَطْفِ کِی لِی ہِ جِملِہِ کَا عَطْفِ جِملِہِ پَر ہِ جِوَابِ مَحْذُوفِ ہِ۔ مِیْرُذِیْہِہَا: وَہِ سَعَادَتِ مِیْنِہِہَا اُورِ جَنَّتِ کِی دَرِوَازِیْہِہَا اِن پَر کھول دِیئے گئے، کلام عرب میں جواب کا حذف بلیغ ہے:

فَلَوْ اَنَّهَا نَفْسٌ تَبُوْتُ جَبِیْعَةً وَّلِکِنَّہَا نَفْسٌ تَسَاقُطُ اَنْفُسًا

کاش وہ ایسا نفس ہوتا جو ایک ہی بار نہ نکل جاتا لیکن وہ ایسا نفس ہے جو کئی نفسوں کی طرح نکلتا ہے۔

یہاں لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے لکان اروح۔ زجاج نے کہا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا کا معنی ہے وہ اس میں داخل ہوئے۔ یہ پہلے معنی کے قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاذِ زَائِدِہِہَا: یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے جبکہ بصریوں کے نزدیک یہ غلط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاذِ کِی زِیَادِیْہِہَا اِس اِمْرِ پَر دِیْلِہِہَا کہ دروازے ان کے آنے سے پہلے ہی کھول دِیئے جاتے ہیں مقصود ان کی تعظیم ہے تقدیر کلام یہ ہے حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَاَبُوٰبُہَا مِفْتَحُہَا اِس کِی دِیْلِہِہَا اِللہِ تَعَالٰی کَا یہِہَا فِرْمَانِ ہِہَا: جَنَّتِ عَدْنِ مِفْتَحُہَا لَہُمُ الْاَبْوَابُ ۝ (ص) اہل نار کے قصہ میں وَاذِ حَذْفِ ہِہَا کیونکہ وہ جہنم کے پاس کھڑے رہے اور ان کے کھڑے رہنے کے بعد دروازے کھولے گئے مقصود انہیں ذلیل در سوا کرنا ہے اور انہیں خوف زدہ کرنا تھا؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہی معنی نحاس نے بھی اس سے قبل بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: دوسرے سوق میں وَاذِ کِی زِیَادِہِہَا اِس اِمْرِ پَر دِیْلِہِہَا اور پہلے سوق میں وَاذِ کِی زِیَادِہِہَا اِس اِمْرِ پَر دِیْلِہِہَا کی گئی اس بارے میں کچھ علماء نے ایسی گفتگو کی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں کسی اور اہل علم نے اس سے پہلے گفتگو کی ہو وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَبَحَثُ اَبُوٰبُہَا اِس کلام کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ وہ بند تھے اور جب جنتیوں کے بارے میں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفَتَبَحَثُ اَبُوٰبُہَا اِس کلام کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ یہ وَاذِ ثَمَانِیْہِہَا ہے کیونکہ قریش کی عادت تھی وہ ایک سے گنتی شروع کرتے وہ کہتے پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔ جب وہ سات پر پہنچتے تو کہتے اور آٹھ، یہ ابو بکر بن عیاش کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَعَرْنَا عَلَیْہِمُ سَبْعَ لَیَالٍ وَثَمَانِیَّةً اَیَّامٍ (الحاتہ: 7) فرمایا اَللّٰہُ یُؤَنِّعُ الْعَبْدُوْنَ (التوبہ: 112) پھر آٹھویں صفت کے بارے میں فرمایا: وَالتَّاهُونَ عَنِ الْمُنْکَرِ (التوبہ: 112) فرمایا: وَ یَقُولُوْنَ سَبْعَةٌ وَ ثَمَانِیُّہُمْ (الکہف: 22) فرمایا: تَبَحَثُ وَاَبْکَامُہَا ۝ (التحریم) سورہ براءۃ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے اور سورہ کہف میں بھی گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے یہ کہا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس نے اس سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّأُ فِیْہِہَا اَوْ یُسَبِّغُ الوُضُوْ (1)، پھر کہا اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنْ مَحْتَدًا عِبَادَہُ وِرَسُولَہُ اِلَّا فَتَبَحَثُ لَہُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الشَّامِیَةِ یَدْخُلُ مِنْ اَیْہَا

شاء پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس سے چاہے وہ اس میں داخل ہو، اسے امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں کہا: فتح له أبواب الجنة ثمانية أبواب يوم القيامة (1) اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یعنی قیامت کے روز آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس میں من زائد ہے یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے بڑھ کر ہیں ہم نے اس کا ذکر کتاب ”التذکرہ“ میں کیا ہے اس کی تعداد تیرہ ہے ہم نے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دروازے کتنے بڑے اور کتنے وسیع ہیں جس طرح حدیث میں یہ وارد ہوا جو آدمی اس کا ارادہ کرے تو وہاں سے آگاہی حاصل کر لے۔

وَقَالَ لَهُمْ خذْنَهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ اِيك قول یہ کیا گیا ہے: یہ واؤ ملغا ہے تقدیر کلام اس کی یہ ہے حَتَّىٰ اِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خذْنَهَا تَمَّ بِرِسَالَتِي هُو تَم دُنْيَا مِيں پَا كِيْزَه رَهے۔ مَجَاهِد نَے كَهَا: تَم اللّٰه تَعَالَىٰ كِي اِطَاعَت مِيں رَهے (2)۔ اِيك قول يَه كِيَا گِيَا هے: تَم نِيك عَمَل كَرْتَه رَهے۔ نَقَاش نَے يَه بِيَان كِيَا هے جَبْكَ مَعْنَى اِيك هِي هے۔ مَقَاتِل نَے كَهَا: جَب اَنهَوں نَے جَهَنم كَے پَل كُو طَے كَر لِيَا تَو اَنهِيں جَهَنم كَے دَر مِيَان پَل پَر رُوك لِيَا گِيَا تَو اَن كَے اِيك دُوسرَے پَر دُنْيَا مِيں جَو مَظَالَم تَحْه اَن كَا قَصَاص لِيَا جَا ئَے گَا يِهَاں تَك كَه جَب وَه مَهْدَب هُو گَئَے اَو رَا ن كُو پَا كِيْزَه بِنَا دِيَا گِيَا تَو رِضْوَان اَو رَا ن كَے سَا تَهِيَوں نَے كَهَا: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يِهَاں سَلَام، تَحْيِيَه كَے مَعْنَى مِيں هے۔

مِيں كَهْتَا هُوں: اِمَام بَازِي نَے قَطْرَه وَالِي اِس حَدِيْث كُو اِپْنِي جَامِع مِيں حَضْرَت اَبُو سَعِيْد خَدْرِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَے بِيَان كِيَا هے كَه رَسُوْل اللّٰهُ ﷺ نَے اَرشَاد فر مَا يَا: ”مُؤْمِن آگ جَهَنم سَے چَهْكَارَا پَا مِيں گَے تَو اَنهِيں جَهَنم اَو رَجَهَنم كَے دَر مِيَان پَل پَر رُوك لِيَا جَا ئَے گَا تَو اَن كَے اِيك دُوسرَے پَر مَظَالَم كَا قَصَاص لِيَا جَا ئَے گَا جَو مَظَالَم اَن كَے دَر مِيَان دُنْيَا مِيں هُو ئَے تَحْه يِهَاں تَك كَه جَب وَه پَاك صَا ف هُو جَا مِيں گَے تَو اَنهِيں جَهَنم مِيں دَاخِل هُو نَے كِي اِجَا زَت دَے دِي جَا ئَے گِي اِس ذَا ت كِي قَسْم جَس كِي قَدْرَت مِيں مُحَمَّد كِي جَان هے! اَن مِيں سَے هَر كُوْنِي جَهَنم مِيں اِپْنَه كِي طَرَف جَانَے مِيں زِيَادَه هِدَا يَت يَافَتَه هُو گَا جَتَا وَه دُنْيَا مِيں اِپْنَه گَهْر كِي طَرَف جَانَے مِيں هِدَا يَت يَافَتَه هُو گَا“ (3)۔

نَقَاش نَے بِيَان كِيَا: جَهَنم كَے دَر وَا زَے پَر اِيك دَر خَت هے اِس كَے تَنَے سَے دُو چَشْمَے نَكَلْتَه يِهِي مُؤْمِن اَن مِيں سَے اِيك سَے پُؤْنِيں گَے تَو اَن كَے پِيْث پَاك هُو جَا مِيں گَے (4) يِهِي اللّٰه تَعَالَىٰ كَا فَرْمَان هے: وَ سَقَطَهُمْ مَرَابُتُهُمْ سُرَابًا طَهُوْرًا ۝ (دَهْر) پَهْر دُوسرَے چَشْمَے سَے وَه غَسْل كَرِيں گَے اِس سَے اَن كَے چَهْرَے پَا كِيْزَه هُو جَا مِيں گَے اِسِي مَوْقِع پَر جَهَنم كَے دَا رُو نَعْمَے اَن سَے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطهارة، فيما يقال بعد الوضوء، جلد 1، صفحہ 9۔ ایضاً، حدیث نمبر 50، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، القصص، يوم القيامة، جلد 2، صفحہ 967

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

کہیں گے: سَلَّمَ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا خِلَابِنَّ ① یہ معنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةُ الْعَدُوِّ لَنَا وَوَدَّعَيْنَا وَآوَىٰ نَاظِرَاتٍ رَبَّهَا النَّارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيَسْخَرُنَّهُمْ فِي عَذَابِهِمْ وَيَعْلَمُونَ ②

وَأَوْرَثْنَا الْأَرْضَ، الارض سے مراد جنت کی سر زمین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بے شک وہ اس زمین کے وارث بنے جو جنہیوں کی ہوتی اگر وہ ایمان لاتے؛ یہ ابوالعالیہ، ابوصالح، قتادہ، سعدی اور اکثر مفسرین نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دنیا کی زمین ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ③ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنتیوں کا قول ہے یعنی یہ کتنا اچھا ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے معنی ہے محسنوں کو جو ثواب دیا گیا ہے وہ کتنا اچھا ہے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَعْلَىٰ مِنْكُمْ وَأَسْفَلَ مِنْكُمْ خَلْفَهُمْ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ④ اس روز عرش کو گھیرے ہوئے ہونگے وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے وہ اس سے لذت حاصل کر رہے ہونگے نہ کہ عبادت کی غرض سے ایسا کریں گے یعنی وہ اپنے رب کا شکر بجالاتے ہوئے عرش کے ارد گرد نماز پڑھ رہے ہونگے حافون سے مراد ہے کسی شے کی جانب اور طرف کو پکڑ لینا۔ انفس نے کہا: اس کا واحد حاف ہے۔ فراء نے کہا: اس کا کوئی واحد نہیں ان کے لیے اسم واقع نہیں ہوتا مگر جب وہ جمع ہوں حول کے لفظ پر من داخل ہوا ہے کیونکہ حول ظرف ہے اور فعل ظرف کی طرف حرف جار اور حرف جار کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ انفس نے کہا: من زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حافین حول العرش یہ تیرے اس قول کی طرح ہے ما جاعنی من احد، من تاکید یہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: عرب تسبیح میں کبھی باء داخل کرتے ہیں اور کبھی اسے حذف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: سبح بحمد ربك، سبح حمد الله الله تعالیٰ کا فرمان ہے: سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ⑤ (الاعلیٰ)

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ ⑥ اور جنہیوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ گواہیوں کے ساتھ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑦ مومن کہیں گے: اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اپنی نعمتوں اور احسان سے نوازا اور جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ان کے خلاف ہماری مدد کی۔ قتادہ نے اس آیت کی وضاحت میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے آغاز کا ذکر الحمد لله سے کیا فرمایا: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ (الانعام: 1) اور اس کا اختتام بھی الحمد پر کیا فرمایا: وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑧ اس کی اقتداء ضروری ہے ہر امر کا آغاز بھی حمد سے اور اس کا اختتام بھی حمد سے ہونا چاہیے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ ملائکہ کے قول سے ہے۔ تو اس صورت میں فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اس کے عدل اور فیصلہ پر ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورہ زمر کا آخری حصہ پڑھا تو منبر نے دو دفعہ حرکت کی۔

سات خوبصورت آراستہ لونڈیاں ہیں اس نے پوچھا: تم کس کے لیے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے، تو انہوں نے جواب دیا: ہم اس کے لیے ہیں جو تم سورتوں کو پڑھتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَّ قَابِلِ التَّوْبِ
شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۝ ذِی الطَّلُوْلِ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِیْ اٰیٰتِ
اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَلَیَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ ۝

”حامیم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم فرمانے والا ہے، نہیں کوئی معبود اس کے سوا، اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ نہیں تنازع کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا بڑے کر وفر سے آنا جانا مختلف شہروں میں۔“

حَمَّ ۝ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ نکر مہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حَمَّ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے یہ تیرے رب کے خزانوں کی چابیاں ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حَمَّ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ اور ن یہ رَحْمٰن کے حروف ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے آغاز ہیں۔ عطا خراسانی نے کہا: حاء اللہ تعالیٰ کے اسماء حمید، حنان، حلیم اور حکیم کا آغاز ہے میم اس کے اسم ملک، مجید، منان، متکبر اور مصور کا آغاز ہے اس کے اوپر روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت انس نے روایت کی: ایک اعرابی نے پوچھا: حَمَّ کیا ہے؟ ہم اپنی زبان میں اس کا معنی نہیں پہچانتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ اسماء کے آغاز اور سورتوں کے فواتح ہیں۔“ ضحاک اور کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہونا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا گویا حَمَّ کے تجھی کی طرف اشارہ کا ارادہ کیا کیونکہ یہ حَمَّ ہو جاتا ہے جب حاء پر پیش اور میم کو مشدد پڑھا جائے یعنی فیصلہ کیا گیا اور وہ واقع ہو گیا۔ کعب بن مالک نے کہا:

فَلَمَّا تَلَّاقَيْنَاهُمْ دِدَارَتِ بِنَا الرَّحْمٰی وَ لَيْسَ لِأَمْرِئِهِ اللّٰهُ مَذْفَعٌ (1)

جب ہم ان سے ملے اور مصائب کی چکی ہم پر گھومی اللہ تعالیٰ جس امر کا قصد کرے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ حَمَّ امر اللہ کا معنی ہے اللہ کا امر قریب ہو گیا؛ جس طرح شاعر نے کہا:

قَدَحْتُمْ يَوْمِي فَسَاءَ قَوْمٌ

میرا دن قریب ہو گیا تو قوم کو خوشی ہوئی۔

اسی معنی میں حمی (بخار) ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے معنی مراد ہے اس کی مدد اس کے اولیاء کے قریب آگئی اور اس کا انتقام اس کے دشمنوں کے قریب آگیا جس طرح یوم بدر کو ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد حروف ہجاء ہیں۔ جرمی نے کہا: اسی وجہ سے انہیں ساکن پڑھا جاتا ہے تو یہ حروف تہجی ہوئے جب اس کے ساتھ کسی شے کا نام رکھا جائے گا تو انہیں اعراب دیا جائے گا تو کہے گا: قراءت حم تو اسے نصب دے گا۔

عیسیٰ بن عمر ثقفی نے حم میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا معنی ہوگا میں حم پڑھتا ہوں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس پر زبر پڑھتے ہیں۔ ابن ابی اسحاق اور ابوسال نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے امالہ اور کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے یا قسم کے طریقہ پر اسے مجرور پڑھا۔ ابو جعفر نے حاء کو میم سے الگ کر کے پڑھا ہے باقی قراء نے وصل کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح حم، عسقی ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، حمزہ، کسائی، خلف اور ابن ذکوان نے حاء میں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو سے دو لفظوں کے درمیان مروی ہے: یہ نافع، ابو جعفر اور شیبہ کی قراءت ہے جبکہ باقی نے فتح کے ساتھ اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ يَوْمَ تَنْزِيلِ الْغُزِيِّزِ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تَنْزِيلُ مَبْتَدَا مَحذُوفِ كِي خَبْرٌ هُوَ تَقْدِيرُ كَلَامِ يَوْمَ تَنْزِيلِ الْكِتَابِ يَوْمَ تَنْزِيلِ الْغُزِيِّزِ ہے کہ حم مبتدا ہو اور تنزیل اس کی خبر ہو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا یہ منقول نہیں اور نہ ہی اس کو جھٹلانا جائز ہے۔

غَافِرِ الذُّبِّ وَقَابِلِ الثُّوبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ۔ فراء نے کہا: اسے معرفہ کی لغت کی طرح بنا دیا ہے جبکہ یہ نکرہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بدل کے طور پر مجرور ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں کلام کی تحقیق اور تلخیص یہ ہے غَافِرِ الذُّبِّ وَقَابِلِ الثُّوبِ میں جائز یہ ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اس شرط پر کہ اسم کے صیغے ماضی کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نعت ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مستقبل اور حال کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نکرہ ہوں گے، یہ جائز نہیں کہ اس کی تعبیر بنی بناء پر یہ نعت ہوں لیکن بدل ہونے کے اعتبار سے مجرور ہوں گے حال ہونے کی حیثیت سے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے جہاں تک شَدِيدِ الْعِقَابِ کا تعلق ہے تو وہ نکرہ ہے اس کو بدل کی حیثیت سے مجرور پڑھنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اس کے لیے وہ غَافِرِ الذُّبِّ (گناہوں کو بخشنے والا) ہے اور جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اس کے لیے قَابِلِ الثُّوبِ ہے اور جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہیں کہا اس کے لیے شَدِيدِ الْعِقَابِ ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت معصب بن زبیر کے ایسے خیمہ میں ایسی جگہ تھا جہاں سے جانور نہیں گزرتے تھے میں نے کہا حَمَّ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ کو شروع کیا ایک آدمی میرے پاس سے ایک چوپائے پر سوار ہو کر گزرا جب میں نے غَافِرِ الذُّبِّ پڑھا اس نے کہا: کہو یا غافر الذنب! اغفر لي ذنبي! اے گناہوں کو بخشنے والے! مجھ کو بخش

دے میں نے کہا: **قَابِلُ التَّوْبِ** تو اس نے کہا: کہو! یا قَابِلُ التَّوْبِ! **تَقْبَلُ تَوْبَتِي** اے توبہ کو قبول کرنے والے! میری توبہ قبول فرما۔ جب میں نے کہا: **شَدِيدُ الْعِقَابِ** اس نے کہا: کہو یا شَدِيدُ الْعِقَابِ! اعف عنی اے سخت عذاب والے! مجھے معاف فرما دے جب میں نے کہا: **ذِي الطَّوْلِ** اس نے کہا: کہو یا ذَا الطَّوْلِ! طَلِّعِي بِخَيْرِ اے فضل و احسان کرنے والے! مجھ پر بھلائی کے ساتھ فضل و احسان فرما۔ میں اس کی طرف اٹھا تو میری نظر سب کر لی گئی میں دائیں بائیں متوجہ ہوا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ اہل اشارہ نے کہا: **غَافِرُ الذَّنْبِ فَضْلٌ** ہے **قَابِلُ التَّوْبِ** وعدہ ہے **شَدِيدُ الْعِقَابِ** عدل ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** **إِلَهُوا التَّوْبَةُ** فرد ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو شام کے علاقہ کاربنے والا تھا وہ بڑا قوی اور بہادر تھا آپ سے عرض کی گئی: وہ تو لگا تا شراب پیتا رہتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: لکھو عمر کی جانب سے فلاں کی طرف، تجھ پر سلام ہو میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** **حَمْدٌ** **تَنْزِيلُ الْكِتَابِ** **مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ** **غَافِرُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ التَّوْبِ شَدِيدُ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ** **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** **إِلَهُوا التَّوْبَةُ** پھر خط پر مہر لگائی اور اپنے قاصد سے فرمایا: تو خط اسے نہ دینا مگر جب شور مچا رہا ہو، پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے لوگوں سے کہا: اس کے حق میں توبہ کی دعا کرو۔ جب اس آدمی کے پاس خط پہنچا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور وہ کہتا: میرے رب نے مجھ سے بخشش کا وعدہ کیا ہے اور اپنے عقاب سے مجھے ڈرایا، وہ اسے لگا تا رہا تا رہا یہاں تک کہ رونے لگا پھر اس نے شراب کو چھوڑا تو اچھی طرح چھوڑا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس کی خبر پہنچی فرمایا: اس طرح کیا کرو جب تم کسی کو دیکھو کہ اس سے لغزش ہو گئی ہے تو اس کی راہنمائی کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے تم اس کے خلاف شیاطین کے مددگار نہ بنو (1) التوب اس میں یہ جائز ہے کہ یہ تابیتوب کا مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ توبہ کی جمع ہے جس طرح **ذَمَمَةٌ** سے **ذَمَمٌ**، **عِزْمَةٌ** سے **عِزْمٌ** جمع آتی ہے اسی معنی میں یہ قول ہے:

فَيَخْبُو سَاعَةً وَيَهْبُ سَاعًا

محل استدلال ساعۃ اور ساعا ہے وہ کسی لمحہ دنگی چال چلتا ہے اور کبھی تیز قدموں سے چلتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ التوب، توبہ کے معنی میں ہو۔ ابو العباس نے کہا: میرے دل میں جو خیال آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مصدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس فعل کو قبول فرماتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: قال قولاً جب یہ جمع کا صیغہ ہو تو اس کا معنی ہوگا بہت زیادہ کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

ذِي الطَّوْلِ یہ بدل یا صفت کے طور پر محل جر میں ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے۔ طول کا اصل معنی انعام اور فضل ہے اسی معنی میں یہ دعا کی جاتی ہے: **اللّٰهُمَّ طَلِّعِنَا** یعنی اے اللہ! ہم پر انعام فرما اور فضل فرما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **ذِي الطَّوْلِ** کا معنی ہے نعمتوں والا۔ مجاہد نے کہا: معنی غنا اور وسعت والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: **ذِي الطَّوْلِ** یعنی جو **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** نہیں کہتا اس سے غنی ہے۔ عکرمہ نے کہا: **ذِي الطَّوْلِ** کا معنی ہے احسان والا (2)۔ جوہری نے

کہا: طول کا معنی احسان ہے، اسی معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے: طَال عَلَيْهِ وَتَطْوَل عَلَيْهِ۔ جب اس پر احسان کرے۔ محمد بن کعب نے کہا: ذِي الطَّوْلِ کا معنی ہے فضل و احسان فرمانے والا (1)۔ ماوردی نے کہا: مَنْ اور تَفَضَّل میں فرق یہ ہے کہ مَنْ کا معنی ہے گناہ سے بخشا اور تَفَضَّل کا معنی ہے غیر مستحق پر احسان کرنا (2)۔ طُول، طُول سے ماخوذ ہے گویا وہ غیر پر احسان کرنے کے لیے طویل ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے انعام کی مدت طویل ہو گئی۔ الْمَصِيدُ کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔ مَا يُجَادِلُ فِي آيَةِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کی مہر لگا دی ہے مراد ہے باطل کے ذریعے جھگڑا کرنا، اللہ تعالیٰ کی آیات میں طعن کرنا، حق کو رسوا کرنے کا ارادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دینا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُذْخَبُوا بِهِ الْحَقُّ۔ جہاں تک آیات میں اس وجہ سے جدال کرنا تا کہ التباس کو واضح کیا جائے، اس کی پیچیدگی کو حل کیا جائے، اس کے معانی کے استنباط میں علماء کا بحث و تمحیص کرنا اور کج رولوگوں کا رد کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت بڑا جہاد ہے۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں آیت أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَآجَمُوا إِبْرَاهِيمَ فِي رَأْيِهِ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ (بقرہ: 258) سے گزر چکی ہے (بقرہ: 258)

فَلَا يَغْنُرُكَ اِسْءَاغُكَ فَلَا يَغْنُرُكَ اِسْءَاغُكَ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ کا معنی ان کا گھومنا پھرنا، اگر تو انہیں مہلت بھی دے تو میں انہیں مہلت نہ دوں گا بلکہ میں انہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مراد مکہ مکرمہ سے شام اور یمن کی طرف ان کا تجارتی سفر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا یغردک ان کے پاس جو مال و متاع اور رزق میں وسعت ہے یہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ یہ دنیا میں قلیل ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے ان کا کفر کے باوجود سلامت رہنا تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ ان کے انجام میں ہلاکت ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: جو لوگ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں یہ دو آیتیں ان کے لیے کتنی ہی شدید ہیں مَا يُجَادِلُ فِي آيَةِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا۔ وَإِنَّ الَّذِينَ اِخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ (البقرہ)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَيَجْعَلُوهُ بِالْبَاطِلِ لِيُذْخَبُوا بِهِ الْحَقُّ فَآخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَأْحَمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَاحِمْتَهُ ۝ وَذَلِكَ هُوَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١﴾

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے اس کے ساتھ ناحق تا کہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نے پکڑ لیا، پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر وہ دوزخی ہیں۔ جو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے عرش کو اور جو عرش کے ارد گرد حلقہ زن ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لیے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو اپنی رحمت و علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے۔ اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے، بے شک تو ہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے، اور بچالے انہیں سزاؤں سے، اور جس کو تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر، اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔“

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ جَمَاعَتٍ كَافِرِينَ كَذَّبَتْ الرُّسُلَ - وَالْأَحْزَابُ
مِنْ بَعْدِهِمْ يَعْنِي وَهِيَ قَوْمٌ فِي جَنَّةٍ كَانُوا فِيهَا قَوْمًا عَادًا قَوْمٌ شَمُودًا وَرِجَالًا كَانُوا فِيهَا قَوْمًا
قَوْمٌ هُوَ فِيهَا

لِيَأْخُذُوا يَعْنِي نَبِيٍّ كَوَجَّهَتْ قَوْمًا كَذَّبَتْ الرُّسُلَ - وَالْأَحْزَابُ
مِنْ بَعْدِهِمْ يَعْنِي وَهِيَ قَوْمٌ فِي جَنَّةٍ كَانُوا فِيهَا قَوْمًا عَادًا قَوْمٌ شَمُودًا وَرِجَالًا كَانُوا فِيهَا قَوْمًا
قَوْمٌ هُوَ فِيهَا

فَلَمَّا تَأْخُذُونِ تَقْتُلُونِ فَكَمْ مِنْ آخِذٍ يَهْوَى خُلُودِي (2)

اگر تم مجھے پکڑو گے تو تم مجھے قتل کرو گے اور کتنے ہی پکڑنے والے میری دائمی زندگی کو چاہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے رسول کو کب پکڑا (3) اس کے بارے میں دو قول ہیں: (1) جب اس رسول نے انہیں دعوت دی (2)
جب ان پر عذاب نازل ہوا۔

لِيَأْخُذُوا بِالْحَقِّ يَعْنِي اس کے ذریعے وہ حق کو زائل کر دیں، اسی معنی میں یہ لفظ بولا جاتا ہے مکان دحض ایسی جگہ
جو پھسلا ہٹ والی ہو۔ باطل کو داحض بھی کہتے ہیں، کیونکہ وہ پھسل جاتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے ایک جگہ قرار نہیں پاتا۔ یحییٰ بن
سلام نے کہا: انہوں نے شرک کر کے انبیاء کے ساتھ مجادلہ کیا تا کہ اس کے ذریعے ایمان کو باطل کر دیں انہیں عذاب نے

پکڑ لیا تو جھٹلانے والی قوموں کے لیے میرا عذاب کیسا تھا (1)، کہا: انہوں نے اسے حق نہیں پایا۔

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ لِعٰمِيٍّ وَاجِبٌ هُوَ لِيَوْمِ الْاٰخِرَةِ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَا نِعْمَتُهُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا يٰۤاٰمِنُوْا
قراءت ہے یعنی واحد کا صیغہ ہے۔ نافع اور ابن عامر نے اسے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

عَلَىٰ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنَّهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ لَآ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا اِنَّهُمْ فِيْهَا مُّجْرِمُوْنَ
ہوئے انہم پڑھا جائے اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا گفتگو مکمل ہوئی، پھر نئے سرے سے کلام شروع ہوئی اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ لَآ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا اِنَّهُمْ فِيْهَا مُّجْرِمُوْنَ
روایت کی جاتی ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑنے والے ہیں وہ سر جھکائے ہوئے ہیں وہ اپنی نظریں اٹھائے ہوئے نہیں وہ ملائکہ میں سے سب سے اشرف اور افضل ہیں (2)۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح و شام حالمین عرش کو سلام پیش کریں مقصود تمام فرشتوں پر ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے عرش کو سبز موتی سے پیدا کیا ہے اس کے پایوں میں سے دو پایوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کو اسی ہزار سال لگتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کے ارد گرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں جو عرش کا طواف کرتے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے پیچھے ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں جو کھڑے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوتے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ اکبر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں ان کے پیچھے ایک لاکھ صفیں ہیں جنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے جن کے الفاظ کے ساتھ دوسرا تسبیح نہیں کر رہا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے العرش پڑھا ہے۔ زمخشری نے ان تمام چیزوں کو ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ذکر کے ساتھ متصل ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، کیونکہ اَلَّذِيْنَ يَخْبِتُوْنَ اَلْعَرْشَ وَ
مَنْ حَوْلَهُ كَامِعْنٍ اِنَّ اللّٰهَ لَیَّوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ
اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مفسرین کے اقوال یہ ہیں کہ عرش ایک چار پائی ہے، ایک عظیم جسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے فرشتوں کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا اور ان پر لازم کیا کہ وہ عرش کی تعظیم بجالائیں اور اس کا طواف کریں جس طرح زمین میں ایک گھر بنایا اور انسانوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں قبلہ رو ہوں۔

ابن طہمان، موسیٰ بن عقبہ سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حالمین عرش فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا ذکر کروں کہ اس کے کانوں کی لوؤں سے لے کر اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے (3)؛ یہ یہی نے ذکر کیا سورہ بقرہ

کی آیت الکرسی میں عرش کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہ سب سے عظیم مخلوق ہے۔

ثور بن یزید، خالد بن معدان سے وہ کعب الاحبار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کبھی بھی مجھ سے بڑی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا تو وہ لرز نے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سانپ کا طوق پہنایا سانپ کے ستر ہزار بازو ہیں ایک بازو میں ستر ہزار پر ہیں ہر پر میں ستر ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ ستر ہزار زبانیں ہیں ہر روز ہر منہ سے، بارش کے قطرات کے برابر، درختوں کے پتوں کے برابر، سنگریزوں اور مٹی کی تعداد برابر، دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر فرشتوں کی تعداد کے برابر نکلتی ہے سانپ عرش کے ساتھ لپٹا ہوا ہے۔ عرش سانپ کے نصف کے برابر ہے سانپ اس عرش کے ساتھ لپٹا ہوا (1) ہے۔ مجاہد نے کہا: ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں نور کا حجاب ہے، ظلمت کا حجاب ہے اور ظلمت کا حجاب ہے۔

وہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا تَعْلَمُ تِئْرِي رَحْمَتِ اور علم ہر شے کو وسیع ہے جب فعل کو رحمت اور علم سے نقل کیا گیا تو یہ دونوں تفسیر کے طور پر منصوب ہوئے۔

فَاَغْفِرْ لِمَنْ تَابُوا یعنی جنہوں نے شرک اور معاصی سے توبہ کی انہیں بخش دے سَبِّيلِكَ سے مراد دین اسلام ہے وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۞ عذاب جہنم کو ان سے دور کر دے یہاں تک کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ ابراہیم نخعی نے کہا: اصحاب عبد اللہ کہا کرتے تھے ملائکہ ابن کواء سے بہتر ہیں وہ اہل زمین کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں جبکہ ابن کواء ان کے بارے میں کفر کی گواہی دیتا ہے۔ ابراہیم نے کہا: وہ کہا کرتے تھے وہ اہل قبلہ سے استغفار کو نہیں روکتے۔ مطرف بن عبد اللہ نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور ہم نے اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیاطین پائے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کی۔ یحییٰ بن معاذ رازی نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اسے خوب سمجھو، عالم میں کوئی جنت نہیں جس کی اس سے امید کی جاتی ہو بیشک ایک فرشتہ اگر اللہ تعالیٰ سے تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے تو پھر کیا حال ہوگا جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مومنوں کے لیے استغفار کر رہے ہوں۔ خلف بن ہشام بزار قاری نے کہا: میں سلیم بن عیسیٰ کو قرآن سنایا کرتا تھا جب میں اس آیت پر پہنچا تو رونے لگے پھر فرمایا: اے خلف! مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا معزز ہے وہ اپنے بستر پر سویا ہوا ہے جبکہ فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا وَاَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتٍ وَعْدْنَاهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے فرمایا: جنات عدن کیا ہے؟ اس نے کہا: جنت میں سونے کے محلات ہیں جن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور عادل امام داخل ہوں گے التَّيِّبُ وَعَدْنَهُم التَّيِّبُ محل نصب میں ہے جو جنات کی صفت ہے وَمَنْ صَدَحَ مِنْ مَحَلِّ نَصَبٍ میں ہے اس کا عطف ہم پر ہے جو وَاَدْخَلْنَاهُمْ میں ہے وَمَنْ صَدَحَ یعنی ایمان کے ساتھ صالح ہو گئے۔

مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ سورہ رعد میں اس آیت کی مثل گزر چکی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے باپ، دادا اور میری ماں کہاں ہے؟ میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد اور میری بیویاں کہاں ہیں؟ تو کہا جائے گا: انہوں نے تیرے عمل جیسا عمل نہیں کیا تھا، تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کرتا تھا، تو اسے کہا جائے گا: انہیں جنت میں داخل کر دو پھر یہ آیت تلاوت کی اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ آیت کے قریب یہ آیت ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور: 21)

وَقِهِمُ السَّوَابَ قوادہ نے کہا: انہیں ان چیزوں سے بچا جو انہیں تکلیف دیتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں گناہوں کے عذاب سے بچا یہ وقاہ اللہ یقیہ وقایہ سے امر ہے یعنی اس کی حفاظت کر فقد رخصتہ یعنی جنت میں داخل کر کے ان پر قوم نے رحم فرمایا، وہ عظیم نجات ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا ائْتِنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۗ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کہتے ہیں اپنے گناہوں کا سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر و بزرگ ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ انفس نے کہا: لَمَقْتُ میں لام ابتدائیہ ہے جو يُنَادُونَ کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے يقال لهم ندا بھی ایک قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے انہیں کہا جائے گا: لَمَقْتُ اللہ ایام فی الذنبا اکبر من مقت بعضکم بعضا یوم القیمة دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی اس سے بڑھ کر ہوگی جو قیامت کے روز تمہاری ایک دوسرے سے ناراضگی ہوگی کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے قیادت کے روز دشمنی کریں گے

اور ناراضگی کا اظہار کریں گے اس موقع پر وہ مطیع و فرمانبردار بنیں گے عاجزی کریں گے اور جہنم سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے۔ کلبی نے کہا: جہنمیوں میں سے ہر ایک انسان اپنے آپ سے کہے گا: اے نفس! میں تجھ سے ناراض ہوں ملائکہ انہیں کہیں گے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے: جب تم دنیا میں تھے جبکہ تمہاری طرف رسول مبعوث کیے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی آج تمہاری اپنے نفسوں سے ناراضگی سے بڑھ کر تھی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں ان کی کتاب دی جائے گی جب وہ اپنی برائیوں کو دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہوں گے تو انہیں ندا دی جائے گی دنیا میں تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے، آج تمہاری اپنی ذاتوں سے جو ناراضگی ہے اس سے بڑھ کر تھی: یہ مجاہد نے معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے اس سے بڑھ کر تھی جو تم اپنی ذاتوں سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہو جب تم نے جہنم کی آگ کو دیکھا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے ناراض ہوئے؟ اس میں دو وجوہ ہیں: (1) انہوں نے اپنے نفوس کو گناہ کی جگہ رکھا جو اس کا محل ہے جس سے ناراض ہو جاتا ہے (2) جب وہ اس حالت تک جا پہنچے جن سے خواہش نفس زائل ہو گئی اور انہیں علم ہو گیا کہ ان کے نفوس نے ہی انہیں نافرمانیوں میں رکھا تو وہ اس پر ناراض ہوئے۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: جب جہنمی اس چیز سے مایوس ہو گئے جو جہنم کے دروازوں کے پاس تھی تو مالک نے انہیں کہا تم اسی میں رہو گے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اے ساتھیو! تم پر عذاب اور آزمائش نازل ہو چکی ہے جسے تم دیکھتے ہو آؤ ہم صبر کریں ممکن ہے صبر ہمیں کچھ نفع دے جس طرح اہل طاعت نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کیا۔ جب انہوں نے صبر کیا تو صبر نے انہیں نفع دیا پس سب نے صبر پر اتفاق کیا انہوں نے صبر کیا تو ان کا صبر ان پر طویل ہو گیا پھر انہوں نے جزع فزع شروع کر دی اور یوں ندا کی: سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرًا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ○ (ابراہیم) محیص کا معنی پناہ گاہ ہے اس موقع پر ابلیس نے کہا: إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُكُمْ مَا أَنَا بِبَصِيرٍ خَلْمٌ وَمَا أَنْتُمْ بِبَصِيرٍ ○ (ابراہیم: 22) اِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم: 22) جب انہوں نے شیطان کا قول سنا تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہو گئے تو انہیں یوں ندا کی گئی: لَقَدْ أَخْلَفْنَا لَكَ نُفُوسَ الْكَافِرِينَ إِذْ يُدْعُونَ إِلَى الْإِيمَانِ لِيَكْفُرُوا ○ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتْنَا الْإِنْسَانِ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ○ تو ان کا رد اس طرح کیا گیا: ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ○ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ○ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ○ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا۔

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتْنَا الْإِنْسَانِ ال تاویل نے اس کی کئی تعبیریں کی ہیں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور ضحاک نے کہا: وہ اپنے آباء کی پشتوں میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی پھر انہیں دنیا میں وہ دعوت دی (1) جس

کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں پھر انہیں بعث اور قیامت کے لیے دوبارہ زندہ کیا یہی دوزندگیاں اور دو موتیں ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان: **كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَ كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (البقرہ: 28)** میں یہی مراد ہے۔

سدی نے کہا: انہیں دنیا میں موت دی گئی پھر سوال و جواب کے لیے قبروں میں انہیں زندہ کیا گیا پھر انہیں موت دی گئی پھر انہیں آخرت میں زندہ کیا گیا (1)، یہ تعبیر اس لیے کی گئی کیونکہ عرف میں نطفہ پر میت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ علماء نے اس آیت سے قبر میں سوال کے اثبات کا استدلال کیا ہے اگر ثواب صرف روح کو ہونا ہوتا جسم کو نہ ہونا ہوتا تو زندہ کرنے اور مارنے کا کیا معنی تھا۔ جو لوگ آخرت کے احکام صرف ارواح تک محدود رکھتے ہیں اسے نہ موت آتی ہے نہ اس میں تغیر واقع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خراب ہوتی ہے وہ بذات خود زندہ ہے اسے موت، غشی اور فنا لاحق نہیں ہوتی ابن زید نے **رَبَّنَا آمَنَّا بِأَنَّكَ تَأْتِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَكَ مِنْ خَلْفِ ظُهُورِهِمْ يُحَافِظُونَ أَنِ تُنَادِيَهُمْ بِأَلْسِنَتِهِمْ لِنَبَأِ الَّذِي آمَنُوا بِهِ وَالَّذِينَ نَفَرُوا بِهَا جَاءُوا بِهَا حِقًّا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ عَمَلَ يُحِبُّونَ** ان سے وعدہ لیا پھر انہیں موت دی پھر انہیں دنیا میں زندہ کیا پھر انہیں موت دی۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا إِنَّهُنَّ لَكُنَّ نُورًا لِّلْعَالَمِينَ نے اس وقت اعتراف کیا جب اعتراف انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ اس وقت شرمندہ ہوئے جب شرمندگی انہیں کوئی نفع نہ دیتی تھی **فَهَلْ إِلَى خُذُوعٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝** کیا ہمیں دنیا کی طرف لوٹنا یا جائے گا تاکہ ہم آپ کی اطاعت کے مطابق عمل کریں، اس کی آیات یہ ہیں **هَلْ إِلَى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ۝ (الشوری) فَأَنزَلْنَا نَعْمًا صَالِحًا (السجدة: 12) يَلَيِّنَنَّ رُذُوكَ (الانعام: 27)**

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ - ذَلِكُمْ مَحَلُّ رَفْعٍ میں ہے تقدیر کلام یہ ہے الامر ذلکم یا تقدیر کلام یہ ہوئی ذلکم العذاب الذی اتم فیہ بکفر کم کلام میں اس کی تقدیر متروک ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ لوٹنے کی کوئی راہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا تو تم نے اس امر کا انکار کر دیا کہ الوہیت صرف اس کے لیے ہو اگر کوئی مشرک اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اس کے قول پر ایمان لاتے ہو۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ایک عالم کو کہتے ہوئے سنا: اگر دنیا کی طرف لوٹائے جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم شرک کی تصدیق کرتے ہو اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: **وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام: 28) - قَالَ حُكْمُ اللَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ ان کی کوئی بیوی یا اولاد ہو۔

**هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ رَافِعٌ
الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۝ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْزِلَ
يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بَرْزُورٌ ۝ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۝ لِمَنِ الْمُلْكُ**

الْيَوْمَ - لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ
الْيَوْمَ - إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے، تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار۔ بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے، وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے، کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ تعالیٰ کی جو واحد اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا، ذرا ظلم نہیں ہوگا آج، بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔“

آیتوں سے مراد اس کی توحید اور قدرت کے دلائل ہیں۔ یہاں آیات کو ظاہر کرنا اور رزق کے نازل کرنے کو جمع کیا کیونکہ آیات کے ساتھ ادیان کا قوام ہوتا ہے اور رزق کے ساتھ ابدان کا قوام ہوتا ہے یہ آیات جو آسمان اور زمین ہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہیں اور ان میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، بخارات، نہریں، چشمے، پہاڑ، درخت اور ہلاک ہونے والی قوم کے آثار ہیں۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝ ان آیات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کرتا مگر جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت سے مراد اطاعت ہے اگرچہ کافر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ناپسند کریں تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ - ذُو الْعَرْشِ مَبْدَاً كَمَا مَضَى مَرْفُوعٌ هُوَ - انفس نے کہا: مدح کی بنا پر نصب دینا بھی جائز ہے رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ کا معنی ہے بلند صفات والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور سعید بن جبیر نے کہا: سات آسمانوں کو بلند کرنے والا (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: جنت میں اپنے اولیاء کے درجہ کو بلند کرنے والا، اس صورت میں رفیع، رافع کے معنی میں ہوگا یعنی فاعل کے معنی میں ہے، پہلے قول کی بنا پر صفات ذات مراد ہونگی معنی ہوگا اس سے قدر و منزلت میں بڑھ کر کوئی نہیں وہی مدح و ثنا کے درجات کا مستحق ہے یہی درجات اس کی اصناف اور ابواب ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی ان کا مستحق نہیں؛ یہ حلیسی کا قول ہے ہم نے اس کا ذکر ”الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنى“ میں کیا ہے۔ الحمد للہ - ذُو الْعَرْشِ وہ عرش کا خالق اور مالک ہے وہ عرش کا محتاج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ثَلَّ عَرْشِ فَلَإِ یعنی اس کا مالک اور غلبہ زائل ہو گیا جبکہ اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ ہے معنی ہے اس کی حکومت اور سلطنت قائم و ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت

بھی ”شرح اسماء اللہ الحسنی“ میں کی ہے۔

يُنْفِى الرُّوحَ مِنْ أَمْرٍ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادٍ رُوحٌ مِنْ أَمْرٍ رُوحٌ كَمَا نَمُو دِيَاغِيَا كِيُونَكُه لُوْكَ
روح کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس طرح بدن رُوْحُوں سے زندہ ہوتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: روح سے مراد قرآن ہے اللہ
تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوری: 52) ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح سے مراد
جبریل امین ہے (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَزَّلْنَا بِرُوْحِنَا اِلَّا مِثْقٰلَ ذَرَّةٍ مِّنْهُنَّ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء: 194) فرمایا: قُلْ نَزَّلْنٰهُ رُوْحًا
الْقُدْسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل: 102)

مِنْ اَمْرٍ امر سے مراد قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من بَاء کے معنی
میں ہے یعنی اس کے امر سے۔ مَنْ يَشَاءُ سے مراد انبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انبیاء ہو جائیں۔ اس میں کسی نبی کی
مشیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لِيُنْزِلَ رَايَوْمَ التَّلَاقِ ۝ اللہ تعالیٰ رسول اس لیے مبعوث کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن سے
ذُرَايَ۔ لِيُنْزِلَ رَايَوْمَ التَّلَاقِ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے، معنی ہوگا
اللہ تعالیٰ رسولوں کو مخلوقات کی طرف مبعوث کر کے انہیں ڈراتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے لِيُنْزِلَ رَايَوْمَ التَّلَاقِ پڑھا ہے، اس
میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: يَوْمَ التَّلَاقِ سے مراد ہے جس روز آسمان اور زمین والے
آپس میں ملیں گے۔ قتادہ، ابوالعالیہ اور مقاتل نے کہا: جس میں مخلوق اور خالق ملیں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس
روز عابد اور معبود ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ظالم اور مظلوم ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر انسان اپنے عمل کی جزا
پائے گا۔ ایک ہی میدان میں پہلے اور بعد والے ملیں گے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کا معنی صحیح
ہے يَوْمَ هُمْ بَرْزُؤُنَ يَوْمَ يَوْمٍ سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم محل رفع میں ہے مبتدا ہونے کی حیثیت سے
مرفوع ہے اور بَرْزُؤُنَ اس کی خبر ہے جملہ اضافت کی وجہ سے محل رفع میں ہے اسی وجہ سے یوم سے تنوین کو حذف کر دیا گیا
ہے۔ یہ تعبیر سیبویہ کے نزدیک اس وقت ہوگی جب ظرف اذ کے معنی میں ہو تو کہتا ہے: لَقِيْتِكَ يَوْمَ زِيْدًا امِيْرًا جَبَّ يَوْمَ اِذَاكَ
معنی میں ہو تو پھر جائز نہیں جس طرح یہ ہے اَنَا اَلْقَاكَ يَوْمَ زِيْدًا امِيْرًا بَرْزُؤُنَ کا معنی ہے وہ قبروں سے نکلیں گے انہیں کوئی
چیز پوشیدہ نہ رکھے گی کیونکہ اس روز زمین کھلا میدان ہوگی، اس میں کوئی کجی اور نشیب و فراز نہ ہوگا، جس طرح اس کی
وضاحت سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔

لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَوْمَ هُمْ بَرْزُؤُنَ میں یہی عامل ہے یعنی جس روز وہ نکلیں گے اس
پران میں سے اور ان کے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہ ہوگی۔

لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ يَوْمَ يَوْمٍ کے فنا ہونے پر بات ہوگی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سوال کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ اور

جواب دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہوگا، کیونکہ یہ اس وقت فرمائے گا جس وقت کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، تو وہ خود ہی جواب دے گا (1)، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۤنَ اٰمَنُوۡا اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ عَزَمَ النَّصۡرَۃُ**۔

نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے صحیح ترین ابوداؤد کی روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لوگوں کو چاندی کی مثل سفید زین پر جمع کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی، ایک منادی کو ندا کرنے کا حکم ہوگا جو اعلان کرے گا: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** تو مومن و کافر سب بندے کہیں گے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۤنَ اٰمَنُوۡا** مومن خوشی اور لذت حاصل کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور کافر، غم، عاجزی اور اطاعت کے طور پر کہیں گے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ سوال ہو اور مخلوق موجود نہ ہو تو یہ امر بعید ہے کیونکہ اس میں تو کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے وہ قول صحیح ہے یہ قول قیاس اور تاویل سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کیونکہ مقصود بادشاہت میں انفرادیت کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ مدعیوں کے دعوے، اغتساب کرنے والوں کے اغتساب ختم ہو چکے ہیں کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کا ملک، ہر متکبر اور اس کا ملک جاچکا ان کے نسب اور دعویٰ ختم ہو چکے ہیں۔ اسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ زمین کو لپیٹ لیا جائے گا رو صیں قبض کر لی جائیں گی اور آسمان بھی لپیٹ لیے جائیں گے: **اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مَلِكِ الْاَرْضِ** (2) میں بادشاہ ہوں اور زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جس طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر کی حدیث میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ زمین کو بائیں ہاتھ اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا: پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں جبار کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** یہ دنیا کے زمانہ کا انقطاع ہے اس کے بعد دوبارہ اٹھانا اور نشتر ہوگا۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ ارشاد و نغموں کے درمیان ہوگا جب مخلوقات فنا ہو جائیں گی اور خالق باقی رہے گا وہ اپنی ذات کے سوا نہ کوئی مالک اور نہ کوئی مملوک دیکھے گا (3) اسے کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ تمام مخلوق مردہ ہوگی تو وہ خود ہی جواب دے گا وہ ارشاد فرمائے گا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۤنَ اٰمَنُوۡا** کیونکہ وہ خود ہی باقی ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا وہ کہے گا: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** تو جنتی اسے جواب دیں گے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۤنَ اٰمَنُوۡا** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے! یہ زمشری نے ذکر کیا ہے (4)۔

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ انہیں یہ کہا جائے گا جب وہ اللہ وحدہ لا شریک کے لیے بادشاہت کا اقرار کر لیں گے یعنی ہر نفس نے خیر اور شر میں سے جو کچھ عمل کیا ہوگا اسے آج جزا دی جائے گی لا ظلم الیومہ ہر ایک نے جو عمل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الْحِسَابِ (5) اسے تفکر اور گننے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی جس طرح حساب کرنے والے کرتے ہیں کیونکہ وہ

2- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الارض، جلد 2، صفحہ 965

1- تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 405

4- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 157

3- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 148

ایسا عالم ہے جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی تو وہ کسی کی جزا میں تاخیر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ کسی اور کو جزا دینے میں مشغول ہوتا ہے جس طرح وہ ایک ساعت میں سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ساعت میں سب کا محاسبہ کرے گا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”ابھی نصف النہار کا وقت نہیں ہوگا کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے۔“

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظِيمِينَ ۝ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيِّمٍ وَلَا سَفِيحٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ أَوْلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا ۚ وَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”اور آپ ڈرائیے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں اٹک جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے، نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ، اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ قوت کے لحاظ سے بھی طاقتور تھے اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے ہر بات سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے، بے شک وہ بڑا طاقتور سخت سزا دینے والا ہے۔“

يَوْمَ الْأَزْفَةِ سے مراد یوم قیامت ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ قریب ہے کیونکہ ہر وہ امر جو وقوع پذیر ہونے والا ہو وہ قریب ہی ہوا کرتا ہے اذف فلان یعنی فلاں قریب ہو اس کا مضارع یأذف اذفا کے وزن پر آتا ہے۔ نابغہ نے کہا:

أَذْفُ الثَّرْحُلُ غَيْرُ أَنْ رِكَابَنَا لَنَا نَزَلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنَّ قَدِ

اس میں اذف کے لفظ کا قریب معنی ہے یعنی ہمارے کوچ کا وقت قریب آ گیا اس آیت کی مثل اذفت الازفة ۝ (النجم) ہے یعنی قیامت قریب آگئی، ایک شاعر کہتا ہے:

أَزِفَ الرَّحِيلُ وَلَيْسَ لِي مِنْ زَادٍ غَيْرَ الذُّنُوبِ لِشِقْوَتِي وَنَكَادِي

کوچ کا وقت قریب آ گیا میرے لیے میرے گناہوں کے سوا کوئی زاد نہیں یہ میری بدبختی اور محرومی کا باعث ہے۔

إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَاجِرِ كَظْمِينَ۔ کاظمین حال ہے معنی پر محمول ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے دل غصے کی حالت میں گلے میں ہوں گے۔ فراء نے اس کو جائز قرار دیا کہ یہ تقدیر ہو وانذرهم کاظمین، کاظمین کو مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یوم الآزفة سے مراد موت کے حاضر ہونے کا دن ہے (1)؛ یہ قطرب کا قول ہے اسی طرح إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَاجِرِ سے مراد بھی موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے، پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ قتادہ نے کہا: خوف کی وجہ سے گلے میں انک جائے گا نہ یہ نکلے گا اور نہ ہی وہ اپنی جگہ واپس جائے گا (2) یہ قیامت کی گھبراہٹ کی خبر ہے جس طرح فرمایا وَبَقَعَتِ الْقُلُوبُ الْحَاجِرَ (الاحزاب: 10) یوم کو الآزفة کی طرف مضاف کیا تقدیر کلام یوں ہوگی یوم القيامة أو یوم المجادلة۔

کو فیوں کے نزدیک یہ إضافة الشئ إلى نفسه کے باب سے ہے جس طرح مسجد الجامع، صلاة الاولى۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيٍّ، حیم کا معنی قرسی ہے جو نفع دے وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ① اور نہ کوئی ایسا شفیع ہے جو ان کے بارے میں شفاعت کرے۔

يَعْلَمُ خَاطِئَةَ الْعَاثِمِينَ مَوْجِزًا نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام یوں ہے يعلم الأعمى الخائنة وہ خائن آنکھوں کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا ہو ایک عورت ان کے پاس سے گزرے وہ اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو ایک عورت کی طرف دیکھتا ہے جب اس کے ساتھی اسے دیکھیں تو وہ اپنی نظریں جھکا لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا ہے کہ وہ آدمی پسند کرتا کہ اس کی بے پردگی کو دیکھے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھنا (3)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے ما رايت جبکہ اس نے دیکھا تھا یا رايت جبکہ اس نے نہیں دیکھا تھا۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آنکھ سے اشارہ کرنا ہے۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد ایک نظر کے بعد دوسری نظر کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ مُعْنَى ہے اگر اس کے ساتھ خلوت کرتا تو اس کے ساتھ بدکاری کرتا یا نہ کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ مُعْنَى ہے جس کو چھپائے ہوئے ہیں۔

جب عبد اللہ بن ابی سرح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جبکہ اہل مکہ مطمئن ہو چکے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے امان طلب کی تھی رسول اللہ ﷺ طویل وقت تک خاموش رہے تھے پھر فرمایا: ”ہاں“۔ جب عبد اللہ بن ابی سرح چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے صحابہ سے فرمایا: ”میں خاموش نہیں ہوا تھا مگر اس لیے کہ تم میں سے کوئی ایک اٹھے اور اس کی گردن مار ڈالے“۔ ایک انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ

کر دیا تو فرمایا: "اللہ کا نبی خائن آنکھ والا نہیں ہوتا" وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ جَوَادِمِ مَحَارِمٍ سے اپنی نظر کو جھکا کر رکھتا ہے اور جو ان کی طرف دیکھتا ہے اور جو آدمی موقع ملنے پر فواحش کا ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ان کو جزا دے گا۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ مِنْ دُونِهِ سے مراد بت ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے کیونکہ وہ کسی چیز کو نہیں جانتے اس پر قادر نہیں اور اس کے مالک نہیں۔ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے: یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ مسلک ہے۔ نافع، شیبہ اور ہشام نے تدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۰﴾ ہوزائد ہے اور فاصلہ کے لیے آئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور اس کا مابعد خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہے۔

أَوْلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا، فَيَنْظُرُوا جزم کے محل میں ہے اس کا عطف يَسِيرُوا پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ جواب ہے تشبیہ اور جمع میں جزم اور نصب ایک ہی ہے كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ، عَاقِبَةُ، كَانَ كاسم ہے اور اس کی خبر کیف ہے وَاِذَا جِئْتُمْ مَلَأَ مَلَأَ جزم میں ہے لفظ پر عطف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اس کے رفع اور جر کی حالت ایک ہی ہے کیونکہ یاء حذف ہو جاتی ہے اور کسرہ اس پر دلالت کرتا ہے کئی مواقع پر اس آیت کے معنی میں گفتگو گزر چکی ہے پس اس نے اعادہ سے ہمیں غنی کر دیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ
فَقَالُوا سِحْرٌ كَذٰبٌ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ
آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ﴿۱۳﴾ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ذُرِّيَّتِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ﴿۱۵﴾ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفُسَادَ ﴿۱۶﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ
بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

”بے شک بھیجا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ، فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادو گر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا: قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو، اور نہیں کافروں کا ہر مکر مکر رائیگاں۔ اور فرعون نے جھنجھلا کر کہا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو اپنی مدد کے لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا يٰ نُونِ نِشَانِيَاں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزر چکا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ

تَسْمِ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ (الاسراء: 101) ان کی تعین بھی گزر چکی ہے: وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اس سے مراد واضح حجت ہے، سلطان یہ مذکر اور مونث دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هٰاَمٰنَ وَ قٰاِرُوْنَ ان کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی تدبیر کا دار و مدار انہیں افراد پر تھا فرعون بادشاہ تھا، ہامان وزیر تھا اور قارون اموال اور خزانوں والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے ان دونوں کے ساتھ جمع کر دیا کفر اور تکذیب میں اس کا عمل ان دونوں کے اعمال جیسا تھا فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰاِبٌ ۝ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے معجزات کو جادو پر محمول کر دیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا يٰہاں حق سے مراد ظاہر معجزہ ہے قَالُوْا اَقْتُلُوْا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ قٰادہ نے کہا: یہ قتل پہلے قتل سے مختلف ہے کیونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو سزا کے طور پر دوبارہ بنی اسرائیل کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا تا کہ لوگ ایمان لانے سے رک جائیں اور ان کی جمعیت میں اضافہ نہ ہو کہ وہ اپنی اولادوں میں سے مذکر افراد سے قوت حاصل نہ کریں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو مختلف قسم کے عذاب نازل کیے جیسے مینڈکوں کی صورت میں عذاب، جوؤں کی صورت میں عذاب، خون اور طوفان کی صورت میں عذاب اس وجہ سے فرعون بنی اسرائیل سے غافل ہو گئے یہاں تک کہ بنی اسرائیل مصر سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے: وَ هٰا كَيْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلاّ فِی ضَلٰلٍ ۝ ضلال کا معنی خسارہ اور ہلاکت ہے۔ لوگ ایمان لانے سے نہیں رکتے اگرچہ وہ اس قسم کا عمل کرے تو اس کا مکر باطل چلا جاتا ہے۔

وَ قٰالَ فِرْعَوْنُ ذٰمُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوسٰی وَ لِيَدْعُ رَبَّہٗ اَقْتُلْ فَعَلَ مَجْرُوْمٌ ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے وَ لِيَدْعُ مَجْرُوْمٌ ہے کیونکہ وہ امر ہے ذٰمُوْنِیْ مَجْرُوْمٌ نہیں اگرچہ امر ہے لیکن اس کا لفظ مجرّم کا لفظ ہے جبکہ وہ جہنی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون کو کہا گیا ہم ڈرتے ہیں کہ وہ تیرے خلاف بددعا کریں تو اس کی دعا قبول ہو جائے تو اس نے کہا: وہ اپنے رب کو بلائے یعنی وہ اپنے رب کا جو ذکر کرتا ہے وہ تمہیں خوفزدہ نہ کرے کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں میں تمہارا بڑا رب ہوں اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِیْنَكُمْ میں تو صرف اسی سے ڈرتا ہوں کہ تم جو میری عبادت کرتے ہو وہ اسے اپنے رب کی طرف نہ پھیر دے اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ اگر وہ تمہارے دین کو تبدیل کر سکے تو وہ زمین میں ضرور فساد برپا کر دے گا یعنی اس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ کوفیوں کی قرأت ہے اَوْ اَنْ يُظْهِرَ یعنی یا کونفخ اور الفساد کورفع۔ کوفیوں کے مصاحف میں اسی طرح ہے اور الف کے ساتھ ہے؛ ابو عبید بھی اسی طرف گئے ہیں کہا: اس میں حرف زائدہ ہے اس میں فصل ہے اور او، واؤ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ او واؤ کے معنی میں ہو کیونکہ اس میں وضعی معنی کا بطلان ہوتا ہے اگر یہ جائز ہو کہ او واؤ کے معنی میں ہو تو یہاں استدلال کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیونکہ واؤ کا معنی ہے میں دونوں امروں سے خوف کھاتا ہوں او کا معنی ہے دونوں میں سے ایک سے ڈرتا ہوں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اگر یہ امر اس کے لیے مشکل ہو گیا تو وہ زمین

میں فساد کو ظاہر کر دے گا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ جَب فرعون نے آپ کو قتل سے دھمکایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ مِّنْ كَلِّ مُتَكَبِّرٍ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبُكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٠﴾

”اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپا۔ ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے: میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے، اسے اپنے حال پر رہنے دو اگر وہ جھوٹا جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے) (انکو) گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب اس کا جس نے تم سے وعدہ کیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعان تھا۔ سہیلی نے کہا: یہ سب۔ صحیح قول ہے، تاریخ طبری میں ہے اس کا نام فیر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا؛ ثعلبی نے یہ قول حضرت ابن عباس اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اس کا حبیب یا شمعان تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام خزبیل یا حزبیل تھا۔ یہ اختلاف ہے کہ وہ قبلی تھا یا اسرائیلی تھا۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبلی تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فرعون کا چچا زاد تھا (4)؛ یہ سدی کا قول ہے کہا: یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يُسْئَلُ قَالَ يُمُوسَىٰ (القصص: 20) یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آل فرعون میں اس کے فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں (5)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: صدیقین، حبیب نجار جو آل یس کا مومن تھا آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا: کیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 162

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 407

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152

5۔ ایضاً

تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے تیسرا ابو بکر صدیق ہے یہ ان سب سے افضل ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنی قوم کے مشرکوں پر تعجب نہ کریں اس آدمی کو فرعون کے ہاں بڑی وجاہت حاصل تھی اس لیے فرعون نے اس آدمی کے ساتھ کوئی برادر یہ نہ اپنایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی بنی اسرائیل میں سے تھا وہ اپنا ایمان آل فرعون سے چھپاتا تھا؛ سدی سے بھی یہی قول مروی ہے اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يَكْتُمُ اٰيٰمَهُ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ۔

جس نے اس آدمی کو قطبی بنایا تو اس کے نزدیک من اس محذوف کے متعلق ہے جو رجل کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ یعنی وہ فرعون کے اہل اور قریبیوں میں سے تھا۔ جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے تو اس صورت میں من، یکتُم کے متعلق ہوگا یہ یکتُم کا مفعول ثانی ہوگا۔ قشیری نے کہا: جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے اس میں بعد ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کتُمہ امر کذا یہ نہیں کہا جاتا: کتُم منہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا (النساء) نیز یہ بات بھی ہے فرعون بنی اسرائیل میں سے کسی سے اس قسم کا قول برداشت نہیں کرتا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَتَقْتُلُونَ رَاجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ يٰهَا اَنْ سَلِمَ لَام مَحذوف ہے یا من اجل یہ محذوف ہے ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار محذوف ہے وَقَدْ جَاءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بَيِّنَاتٍ سے مراد نشانیاں ہیں وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور صداقت میں کوئی شک نہ تھا لیکن جو کچھ وہ کر رہے تھے اس سے روکنے میں اور اذیت سے دور کرنے میں نرمی چاہی۔ اگر یہ ان یکن ہوتا تو بھی یہ جائز تھا لیکن سیبویہ کے قول کے مطابق کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حذف کرویا گیا ہے کیونکہ سیبویہ کے قول کے مطابق یہ نون اعرابی ہے۔

يُؤْيِيكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَبْعُدُكُمْ اے اگر تمہیں ان وعیدوں میں سے ایک ہی آپہنچے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابو عبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ بَعْضُ الَّذِي يَبْعُدُكُمْ کا معنی ہے کل الذی یبعدکم یعنی بعض، کل کے معنی میں ہے۔ لبید کا شعر ذکر کیا:

تَرَكَ امِڪْنَةً اِذَا لَمْ اَرْضَهَا اَوْ يَرْتَبِطُ بَعْضُ النّفوسِ جَمَامَهَا

جب میں راضی نہ ہوں تو میں کئی جگہوں کو چھوڑ دیتا ہوں یا ان کی موت تمام نفوس کو جکڑ لے۔

یہاں بھی بعض، کل کے معنی میں ہے کیونکہ بعض جب نہیں لاحق: دوگی تو لامحالہ کل کو لاحق ہوگی کیونکہ وہ وعید میں داخل ہے وعظ میں کلام میں نرمی پیدا کرنا ہوتا ہے ماوردی نے ذکر کیا بعض کا لفظ کل کی جگہ استعمال ہوتا ہے مقصود خطاب اور کلام میں وسعت ہوتی ہے (1)؛ جس طرح شاعر نے کہا:

قَدْ يُذِرِكِ الْمَتَانِ بَعْضَ حَاجَتِهِ قَدِيكُونَ مَعَ السُّتْعَجِلِ الْزَّلْ

بعض اوقات سستی کرنے والا اپنی حاجت پالیتا ہے اور جلد باز سے لغزشیں ہو جاتی ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے انہیں عذاب کی کئی انواع سے خبردار کیا تھا ان میں سے ہر نوع ہلاک

کردینے والی تھی گویا انہیں اس چیز سے خبردار کیا کہ انہیں ان انواع میں سے کچھ لاحق ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عذاب دنیا یا عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اگر وہ کفر کریں معنی یہ ہوگا تمہیں ان میں سے ایک عذاب لاحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمہیں عذاب پہنچے گا وہ یہ دنیا میں کہتے تھے یہ بعض وعید ہے پھر آخرت میں اس کے مترادف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر کفر کریں تو عذاب کا وعدہ کیا اور اگر ایمان لائیں تو ثواب کا وعدہ کیا جب انہوں نے کفر کیا تو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس کا بعض انہیں پہنچا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو اپنی ذات پر اسراف کرنے والا تھا كَذَّابٌ ⑤ اپنے رب پر جھوٹ بولنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، یہ مومن کے قول میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے عناد میں اسراف کرنے والا ہے كَذَّابٌ وہ اپنے دعویٰ میں کذاب ہے، اس سے فرعون کی طرف اشارہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ يَكْتُمُ اٰيٰتِنَا قَاضِي ابوبکر بن عربی نے کہا: بعض نے یہ گمان کیا کہ مکلف جب اپنے ایمان کو چھپائے زبان سے اس کا اظہار نہ کرے تو وہ محض اپنے اعتقاد کی وجہ سے مومن نہ ہوگا (1)۔ امام مالک نے کہا: ایک آدمی جب اپنے دل سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرتا ہے اور اپنی زبان سے طلاق نہ کہے تو طلاق اسے لازم ہو جائے گی جس طرح وہ اپنے دل کے اعتقاد کے ساتھ مومن اور کافر ہو جاتا ہے ایمان کا مدار دل پر ہے حقیقت میں معاملہ اسی طرح ہے لیکن علی الاطلاق ایسا نہیں ہم نے اس کی وضاحت اصول فقہ میں بیان کر دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مکلف جب اپنے دل سے کفر کا ارادہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اپنی زبان سے اظہار نہ کرے مگر جب وہ اپنے دل سے ایمان کی نیت کرے تو وہ کسی حال میں بھی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ زبان سے اس کا اظہار کرے تقیہ اور خوف اس بات سے مانع نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس چیز کا اظہار کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات ہیں۔ تقیہ اس چیز سے مانع ہوتا ہے جسے غیر کو سنائے ایمان کی یہ شرط نہیں کہ کسی اور کو وہ سنائے غیر کا سماع اس لیے شرط ہے کہ وہ اپنا اور مال کا دفاع کرے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بخاری اور مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت نقل کی کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے وہ واقعہ سناؤ (2) جس میں مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت ترین رویہ اپنایا ہو کہا: اسی اثنا میں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے صحن میں موجود تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے رسول اللہ ﷺ کا کندھا پکڑا آپ کا کپڑا گردن میں لپیٹا اور سختی سے آپ کا گلا دبایا حضرت ابوبکر صدیق آئے اس کا کندھا پکڑا اور رسول اللہ ﷺ سے ان کو دور کیا فرمایا: کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بیانات لایا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

ترمذی حکیم نے "نوادرا اصول" (3) میں جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل

کرتے ہیں کہ قریش ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد اکٹھے ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک آٹا آپ کو مارتا اور یہ آٹا آپ کو دھکے دیتا اس روز نبی کریم ﷺ نے مدد چاہی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے آپ ﷺ کی مدد نہ کی آپ کی دو منیڈھیاں تھیں آپ آگے بڑھے اس کو مارتے اور دوسرے کو پرے ہٹاتے اور بلند آواز سے کہتے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اللہ کی قسم! وہ رسول ہیں اس دن حضرت ابو بکر صدیق کی ایک مینڈھی کٹ گئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ابو بکر کا وہ دن آل فرعون کے مومن سے بہتر تھا، آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی تعریف کی یہ ابو بکر صدیق ہیں جس نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اپنے مال اور جان کو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول اس آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ آپ نے اس کے ابتدائی مرحلہ کا ارادہ کیا تھا جبکہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اور اسے نہ چھپایا اور نہ قرآن اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ آل فرعون کے مومن نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کی وضاحت آنے والی ہے۔

”نوادر الاصول“ (1) میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لوگوں نے حضرت اسماء سے پوچھا: وہ کون سا تکلیف دہ امر ہے جو تم نے دیکھا جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا یا؟ حضرت اسماء نے کہا: مشرک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ وہ کیا کچھ ان کے معبودوں کے بارے میں کہتے ہیں ابھی وہ اسی طرح تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے سب اٹھ کھڑے ہوئے جب وہ آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تو آپ ان کی تصدیق کرتے انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے معبودوں کے بارے میں یہ نہیں کہتا؟ فرمایا: کیوں نہیں، تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے ایک خبر دینے والا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ سے کہا: اپنے ساتھی تک پہنچو۔ وہ ہمارے پاس سے نکلے جبکہ ان کی مینڈھیاں تھیں وہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ وہ کہہ رہے تھے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے جینات لایا ہے؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہماری طرف لوٹے آپ اپنی مینڈھیوں میں سے کسی کو ہاتھ نہ لگاتے مگر وہ آپ کے ساتھ ہی آجاتی آپ کہتے: تبارکت یا ذا الجلال والاکرام: اکرام اکرام۔

لِقَوْمٍ لَّكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرْنَا فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا ۗ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝

قَالَ الَّذِي آمَنَ يَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۚ ﴿٥٦﴾ مِثْلَ ذَابِ
 قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ۚ ﴿٥٧﴾
 يَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۚ ﴿٥٨﴾ يَوْمَ تُكَلِّمُونَ مُدْبِرِينَ ۗ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ
 مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ ﴿٥٩﴾

”اے میری قوم! (مانا) آج حکومت تمہاری ہے نیز تمہیں غلبہ حاصل ہے اس ملک میں لیکن مجھے یہ بتاؤ
 کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے۔ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی
 مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف اور
 کہنے لگا وہی ایمان والا: اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی کہیں پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن
 نہ آجائے جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے اور اللہ نہیں چاہتا
 بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے جس روز تم
 بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا اور جسے گمراہ
 کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

يَقُولُ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ يَوْمَ آلِ فِرْعَوْنَ کے مومن کا قول ہے اس کا یہ قول يَقُولُ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ قبطنی تھا اسی وجہ
 سے اس نے انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اس نے کہا: يَقُولُ تاکہ اس کے وعظ کو قبول کرنے کے قریب ہو جائیں آج
 حکومت تمہاری ہے اس لیے تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ ظَهْرَيْنِ فِي الْأَرْضِ یعنی غالب۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے
 منصوب ہے یعنی تمہارے غلبہ کی حالت میں یہاں ارض سے مراد ارض مصر ہے؛ یہ سدی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اسی
 طرح فرمایا: وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ (یوسف: 56) مصر کے علاقہ میں فَمَنْ يَتُّصِرْنَا مِنْ هَاهُنَا اللَّهُ إِنْ جَاءَنَا
 (المومن: 29) باس سے مراد عذاب ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خبردار کرنا مقصود تھا اگرچہ حضرت موسیٰ سچے ہوں اس نے
 نصیحت کی اور خبردار کیا تو فرعون کو ان کی دلیل کے غلبہ کا علم ہو گیا تو اس نے کہا: مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ۔ عبدالرحمن بن زید بن
 اسلم نے کہا: میں تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جو میں بہتر خیال کرتا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے
 سے منع کرنے میں صحیح راستہ کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہوں (1)۔

وَيَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٥٨﴾ وعظ اور تخویف میں زیادتی کی اور اپنے ایمان کی وضاحت کی یا تو اس لیے
 یہ کہا کہ اپنے نفس کو قتل ہونے پر تیار کر رہے تھے یا یہ اعتماد تھا کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے
 سچے قول کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

عام قراءت التناد ہے دال مخفف ہے وہ یوم قیامت ہے۔ امیہ بن ابی صلت نے کہا:
وَبَثَّ الْخَلْقَ فِيهَا إِذْ دَحَاهَا فَهُمْ سُكَّانُهَا حَتَّى التَّنَادِ (1)

جب اس زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا وہ قیامت تک اس کے رہائشی ہیں۔

اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو بلائیں گے اصحاب اعراف ایسے لوگوں کو بلائیں گے جن کو وہ چہروں سے پہچانتے ہوں گے اصحاب جنت اصحاب النار کو آواز دیں گے: أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا (الاعراف: 44) اور جہنمی اصحاب جنت کو ندا کریں گے: أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ (الاعراف: 50) ایک منادی کرنے والا بد بختی اور سعادت کے حوالے سے اعلان کرے گا خبردار! فلان بن فلان ایسی بد بختی کے ساتھ بد بخت ہوا جس کے بعد وہ کبھی بھی سعادت مند نہ ہوگا خبردار فلان بن فلان ایسی سعادت کے ساتھ سعادت مند ہوا ہے جس کے بعد وہ بد بخت نہیں ہوگا یہ اعمال کے وزن کے بعد ہوگا ملائکہ جنتیوں کو ندا کریں: أَنْ تِلْكَمُ الْجَنَّةُ أُوْرِثْتُمْوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف)

جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ندا کی جائے گی: اے جنتیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں اے جہنمیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں۔ اس ندا کے علاوہ ہر قوم کو اپنے امام کے ساتھ ندا کی جائے گی۔ حضرت حسن بصری، ابن سمیع، یعقوب، ابن کثیر اور مجاہد نے التناد وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یاء کو ثابت رکھنے کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور عکرمہ نے یوم التناد دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے بعض اہل عربیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ یہ ندا، یندا سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسی طرف بھاگتا چلا جائے جس طرف اس کا منہ ہو۔ کہا: قیامت میں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کی قراءت اچھی ہے جبکہ اس کا معنی یوم تنافر ہے۔ ضحاک نے کہا: جب وہ جہنم کی آواز کو نہیں گے تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے وہ زمین کے جس حصہ میں آئیں گے وہ فرشتوں کی صفیں پائیں گے تو اسی جگہ کی طرف لوٹ جائیں گے جہاں سے آئے تھے (2) یہی یوم التناد اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِيَعْتَصِرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الرحمن: 33) سے مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْمَلِكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا (الحاقة: 17) ابن مبارک نے اس کے معنی کا ذکر کیا۔ عبدالرحمن بن یزید بن جابر، عبدالجبار بن عبداللہ بن سلمان نے آیت: إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ (3) یَوْمَ تُولَوْنَ مُدْبِرِينَ ان کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر آنکھیں خون کے ساتھ انہیں جواب دیں گی تو وہ روئیں گے یہاں تک کہ خون ختم ہو جائے گا پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ جواب دیں گی کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر بھیجا جائے گا تو وہ منہ پھیر لیں گے پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ پیپ ختم ہو جائے گی ان کی آنکھیں اتنی گہری ہو جائیں گی جس طرح مٹی میں شق ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل فزع کا نوحہ پھونکیں گے: اے علی بن معبد، طبری اور دوسرے علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے

ذکر کیا ہے اس میں ہے زمین اس کشتی کی مانند ہوگی جو سمندر میں ہوتی ہے جسے موجیں تھپیرے مارتی ہیں لوگ اس پر کانپنے لگیں گے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ اپنے حملوں کو گرا دیں گی بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین بھاگتے ہوئے اڑ رہے ہوں گے فرشتے انہیں ملیں گے ان کے منہ پر ماریں گے جبکہ ایک دوسرے کو ندا کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے: **يَوْمَ التَّنَادِ ۝۱۰۱** **يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ ۝۱۰۲ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۝۱۰۳ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۱۰۴** ہم نے اس کا ذکر کتاب ”التذکرہ“ میں کیا وہاں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

علی بن نصر نے ابو عمرو سے وصل کی صورت میں خاص طور پر التناد دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمر نے عبدالوارث سے وصل کی صورت میں خاص کر یاء کا اضافہ کیا ہے؛ یہ ورش کا مذہب ہے۔ ابو عمر سے دونوں حالت میں اس کا حذف مشہور ہے۔ ورش اور ابن کثیر کے علاوہ سب نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے **يَوْمَ التَّنَادِ** اس لیے نام دیا گیا کیونکہ کافر اسی دن اپنے لیے ویل، ثبور اور حسرت کو پکارے گا؛ یہ ابن صریح نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یوں ہے **إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے **يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ** یہ **يَوْمَ التَّنَادِ** سے بدل ہے۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۱۰۴ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے دل میں گمراہی پیدا کر دے تو اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (1) اس کے قائل کے بارے میں دو قول ہیں: (1) حضرت موسیٰ علیہ السلام (2) آل فرعون کا مومن؛ یہی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۝۱۰۵ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلُوبُكُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۝۱۰۶ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ۝۱۰۷ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۝۱۰۸ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۝۱۰۹ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۱۱۰

”(اے میری قوم!) بے شک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ علیہما السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آتے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا یونہی گمراہ کرتا ہے انہیں جو جھگڑتے رہتے اللہ کی آیتوں میں کسی معقول دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو یہ طریقہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش دل پر۔“

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: یہ آل فرعون کے مومن کی نصیحت کا کلمہ ہے انہیں یاد دلایا کہ وہ انبیاء پر پہلے بھی سرکشی کرتے آتے ہیں یہ ارادہ کیا کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ان کے پاس مینات لائے: **ءَأَرْبَابٌ مُّتَّفَرِّقُونَ خَيْرًا أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ﴿۱﴾ (یوسف) ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حضرت یوسف بن یعقوب ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں قبٹیوں کی طرف بھیجا تھا جبکہ بادشاہ فوت ہو چکا تھا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوا، مینات سے مراد خواب ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یوسف بن افرانیم ہیں۔ حضرت یوسف بن یعقوب ان کے درمیان بیس سال تک نبی کی حیثیت سے مقیم رہے نقاش نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جنوں میں سے ایک رسول بھیجا جسے یوسف کہا جاتا ہے (2)۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون حضرت یوسف کا ہی فرعون تھا اسے طویل عمر دی گئی تھی (3)۔ دوسرے علماء کہتے ہیں وہ کوئی اور تھا۔ نحاس نے کہا: آیت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ وہی فرعون تھا کیونکہ جب نبی مینات لایا ان کے لیے جو اس کے ساتھ ہیں اور ان کے لیے جو ان کے بعد ہیں تو وہ ان سب کے پاس لایا تو سب پر لازم ہے کہ وہ ان کی وجہ سے اس کی تصدیق کریں۔

فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ یعنی تمہارے اسلاف شک میں تھے حتیٰ اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا یعنی جو رسالت کا دعویٰ کرے **كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ** اس گمراہی کی طرح۔ **يُضِلُّ اللَّهُ** مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُسْرِفٌ سے مراد مشرک ہے **مُزْتَابٌ** جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک کرے۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ یعنی غالب دلائل۔ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** بغیر حجت اور برہان کے **الَّذِينَ** یہ من سے بدل ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتا ہے **الَّذِينَ** محل نصب میں ہے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام ہم الذین ہے، یا یہ مبتدا ہو اور خبر **كَبُرَ مَقْتًا** ہو پھر کہا گیا: یہ آل فرعون کے مومن کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب کا آغاز ہے **مَقْتًا** بیان کے طور پر منصوب ہے یعنی **كَبُرَ جِدَالُهُمْ** مقتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **كَبُرَتْ كَلِمَةً** (الکہف: 5) مقت اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا ان کی مذمت کرنا، اللہ تعالیٰ کا انہیں اپنی رحمتوں سے دور کرنا اور ان پر عذاب کو نازل کرنا۔

كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ **جَبَّارًا** ﴿۲﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھگڑا کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگائی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ہدایت کو سمجھتا ہی نہیں اور حق کو قبول نہیں کرتا۔ عام قراءت **عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ** ہے یعنی قلب، متکبر کی طرف مضاف ہے: ابو حاتم اور ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے **كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ** عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ **جَبَّارًا** دوسرا کل حذف کر دیا گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ گزر چکا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے جب کل کو حذف نہ کیا جائے تو معنی درست نہیں رہتا کیونکہ اس کا معنی بنتا ہے کہ وہ اس کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے معنی اس طرح نہیں معنی اس کا یہ ہے کہ وہ متکبرین جبارین کے دلوں میں سے ایک ایک

دل پر مہر لگا دیتا ہے ابوداؤد کا قول بھی کل کے حذف پر دلالت کرتا ہے:

أَكَلَّ أَمْرِي تَحْسِبِينَ أَمْرًا وَنَارٍ تَتَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا

کیا تو ہر انسان کو انسان گمان کرتا ہے اور میرا آگ جو رات کو روشن ہوتی ہے تو اسے ضیافت کی آگ سمجھتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی قراءت میں علی قلب کل متکبر ہے یہ قراءت تفسیر اور اضافت کی بنا پر ہے۔ اور عمرو، ابن محیصن اور ابن ذکوان نے اہل شام سے قلب نقل کیا ہے کہ متکبر قلب کی صفت ہے، قلب سے مراد پوری ذات ہے کیونکہ دل تکبر کرتا ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ فِي الْجَسَدِ لِبُضْغَةَ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (1) بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَامُنُ ابْنِ لِي صَرًّا حَالَعِيٍّ أَبْلَغُ الْأَسْبَابِ ۝١٦٠ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ

فَأُظْلِمَ إِلَىٰ آلِهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۖ وَكَذَلِكَ نُزِّلْنَا لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ وَ

صَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝١٦١

”اور فرعون نے کہا: اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل اس پر چڑھ کر میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل۔ اور روک دیا گیا اسے راہ راست سے، اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے۔“

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَامُنُ ابْنِ لِي صَرًّا حَالَعِيٍّ أَبْلَغُ الْأَسْبَابِ ۝١٦٠ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ
میں اثر انداز ہوگا تو اسے خیال گزرا کہ وہ اس چیز کا امتحان لے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام توحید کا پیغام لائے ہیں اگر اس کا درست ہونا واضح ہو گیا تو وہ ان سے مخفی نہیں رکھے گا اگر وہ درست نہ ہو تو وہ انہیں ان کے دین پر پختہ رکھے گا اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ محل بنائے۔ سورہ قصص میں اس کا ذکر گزر چکا۔

لَعَلِّي أَبْلَغُ الْأَسْبَابِ ۝١٦٠ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ - أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ پہلے الْأَسْبَابِ سے بدل ہے۔ قتادہ، زہری، سدی اور خفش کے قول کے مطابق اسباب السماء سے مراد اس کے دروازے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا:

وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنْلُثُ ۖ وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ (2)

جو موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ اسے پالیسی ہیں اگرچہ آسمان کے دروازوں کا سیرھی کے ذریعے قصد کرے۔

ابوصالح نے کہا: أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ سے مراد اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ امور ہیں جن کے وسیلہ سے آسمان مضبوط ہوتے ہیں۔ اسباب کو عظمت شان کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ جب کسی چیز کو مبہم ذکر کیا جائے

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٣١﴾

فَسْتَدْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۗ وَأَفِوْضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٢﴾

”اور کہنے لگا تھا جو ایمان لایا تھا: اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو چند (روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔ اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلا تے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلا تے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں آج تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو“۔

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكُنَّا لَكَ خَافِينَ ۖ وَقَالَ اللَّهُ لَمَّا بَدَأْنَا أَفْئِدَةً فَخَرْنَا أُولَٰئِكَ ۖ سَٰبِقَاتٍ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِمَّا قَدْ جَاءَ الْمُكْفِرِينَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ شَٰرِعًا مَّا بَدَأْنَا ۚ وَكُنَّا لَهُمْ نَاصِبًا ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ فَقُلْنَا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا مِنَ الْخَائِبِينَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ نَاصِبًا ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ فَقُلْنَا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا مِنَ الْخَائِبِينَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ نَاصِبًا ۚ

یہ زشد یرشد سے ہو جس کا معنی صاحب رشاد ہو۔ جس طرح کسی نے کہا:

كَلَيْبِنِي لَهُمْ يَا أَمِينَةَ نَاصِبٍ

زمحشری نے کہا: اے الرشاد بھی پڑھا گیا ہے یہ فعال کا وزن ہے یہ رشد سے مشتق ہے جس طرح علامہ، علم سے مشتق ہے یا یہ رشد سے مشتق ہو جس طرح عباد ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشد سے مشتق ہے جس طرح جبار، اجبر سے مشتق ہے یہ اس طرح نہیں کیونکہ فعل سے فعال چند کلمات سے ہی آتا ہے جس طرح دران، شارب، قفسار اور جباران تلیل کلمات پر قیاس صحیح نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رشد کی طرف منسوب ہو جس طرح عواجر اور ہتات ہے اس میں فعل کی طرف نہیں دیکھا جاتا مصحف میں اَتَّعُونَ ياء کے

بغیر ہے یعقوب اور ابن کثیر نے وصل اور وقف میں یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو اور نافع نے وقف میں اسے حذف کیا ہے اور وصل میں اسے ثابت رکھا ہے مگر ورش نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

لِقَوْمٍ اِيْمَانِهِمْ وَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَتَاعٌ یعنی تھوڑا سا اس سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے پھر یہ دنیا منقطع ہو جاتی ہے اور زائل ہو جاتی ہے وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ یعنی آخرت قرار اور ہمیشگی کا گھر ہے۔ دار آخرت سے مراد جنت اور دوزخ ہے کیونکہ یہ دونوں فانی نہیں اس ارشاد کے ساتھ اس کی وضاحت کی مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً جَسَّ نَشْرًا كَمَا مِثْلَهَا سے مراد عذاب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمل صالح سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جبکہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کی تصدیق کرنے والا ہو يَدْخُلُوْنَ يَهْمُولٌ كَمَا صَيِّغٌ ہے؛ یہ ابن کثیر، ابن محصین، ابو عمرو، یعقوب اور ابو بکر کی عاصم سے روایت ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی يَدْخُلُوْنَ۔

وَلِيَقُوْمَ مَالِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوٰى نجات سے مراد ایمان کا راستہ ہے جو جنتیوں تک پہنچانے والا ہے وَ تَدْعُوْنِنِيْ اِلَى الْقَابِ اِسْمِ اس میں اس امر کی وضاحت کی کہ فرعون نے جو کہا تھا: وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الزَّشٰوٰى ۝۔ یہ وہ گمراہی کا راستہ تھا جس کا انجام جہنم ہے انہوں نے آپ کو فرعون کی اتباع کی دعوت دی تھی اسی وجہ سے کہا: تَدْعُوْنِنِيْ لِيَاكْفُرًا بِاللّٰهِ وَاُشْرٰكًا بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ اس سے مراد فرعون ہے۔ اور میں تمہیں عزیز و غفار کی طرف دعوت دیتا ہوں لَا جَرَمَ اِسْمِ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس کا معنی ہے حقا، ان ما اس میں ما، الذی کے معنی میں ہے لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ زَجٰجٌ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے (1) لیس لہ استجابہ دعوة تنفع اس کے لیے دعوت کی قبولیت نہیں جو نفع دے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کی ایسی دعوت نہیں جو اس کے لیے الوہیت کو ثابت کرے۔

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ کبھی نے کہا: اس کے لیے دنیا و آخرت میں کوئی شفاعت نہیں، فرعون پہلے بتوں کی عبادت کی طرف بلاتا تھا پھر لوگوں کو گائے کی پوجا کی دعوت دی جب تک وہ زندہ ہوتی اس کی عبادت کی جاتی جب وہ بوڑھی ہو جاتی تو اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیتا پھر دوسری گائے لے آتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ جب اس پر طویل زمانہ گزر چکا تو کہا: میں تمہارا بڑا رب ہوں۔

وَ اَنَّ السُّرَفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ الْقَابِ ۝ قادمہ اور ابن سیرین نے کہا: مسرفین سے مراد مشرک ہیں (2)۔ مجاہد اور شعبی نے کہا: اس سے مراد سببہاء اور ناحق خون بہانے والے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد جبار اور متکبر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔ اس کی تعبیر میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں یہ ان سب سے جامع ہے۔ ان جتنے بھی مواقع پر آیا ہے وہاں یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار ساقط ہے۔ سیبویہ نے ظلیل سے یہ قول نقل کیا ہے کہ لَا جَرَمَ کلام کا رد ہے اور ان کا محل رفع میں ہونا بھی جائز ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی وجب ان ما تدعون الیہ یعنی جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ثابت ہے گویا فرمایا: جس امر کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس کا بطلان، اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور

مسرین کا اصحاب نار میں سے ہونا ثابت ہے۔

فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولَ لَكُمْ يَوْمَ تَكْفُرُونَ اور وعید ہے اور ما کا الذی کے معنی میں ہونا بھی جائز ہے یعنی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر یہ ہو جو میں نے تمہیں کہا ہے جب تم پر عذاب واقع ہوگا اس وقت تم میرا قول یاد کرو گے۔

وَأَفْوُضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ فِي اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ مومن پہاڑ کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہ اسے پکڑنے پر قادر نہ ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ بات کہنے والا آل فرعون کا مومن تھا (1)، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ⑤

عَلَيْهَا غُذُوًا وَعِشْيَا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ⑥ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ⑦

”پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونوں کو سخت عذاب میں۔“

فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَاللَّهُ تَعَالَى نے اسے بچالیا عذاب کی جو انواع انہوں نے آپ کو پہنچانے کا مکر کیا تھا انہوں نے اسے تلاش کیا اور نہ پایا کیونکہ اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ قبلی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اسرائیل کے ساتھ نجات دی، اس تعبیر کی بنا پر ہاء ضمیر آل فرعون کے مومن کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوگی جس طرح یہ اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ⑤ کسائی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے حَاقٌ يَحِيقُ حَيْثُ وَحْيُ قَائِلِ كَوْنِي حَيْثُ نَازِلٌ هُوَ اور لازم ہو پھر عذاب کی وضاحت کی اور فرمایا: أَلْتَأْتُرُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا اس میں چھ وجوہ ہیں: یہ مرفوع ہو اور سوء سے بدل ہو یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو ہو النار یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو۔ فراء نے کہا: یہ ضمیر عائد کی وجہ سے مرفوع ہو تقدیر کلام یوں ہو النار علیہا يعرضون رفع میں یہ چار وجوہ ہیں۔ فراء نے اس میں نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے مابعد ضمیر عائد ہے اور اس سے ماقبل وہ چیز ہے جس کے ساتھ یہ متصل ہے۔ انفس نے العذاب سے بدل کے طور پر جر کو جائز قرار دیا ہے۔ جمہور نے کہا ہے یہ پیشی برزخ میں ہے۔

بعض علماء نے أَلْتَأْتُرُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُذُوًا وَعِشْيَا سے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے جب تک دنیا قائم ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا: مجاہد، عکرمہ، مقاتل اور محمد بن کعب نے اسی طرح کا قول کیا ہے سب نے کہا: یہ آیت دنیا میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عذاب آخرت کے بارے میں فرمایا: وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ⑥ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ

العذاب ۵ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حدیث طیبہ میں ہے: ”آل فرعون اور جو ان کی مثل کافر ہیں ان کی روحوں کو صبح اور شام کے وقت آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں کہا جاتا ہے: یہ تمہارا گھر ہے۔“ ان سے یہ بھی مروی ہے: ”ان کی روحمیں سیاہ پرندوں کے بیٹوں میں ہیں وہ ہر روز صبح اور شام کے وقت دو دفعہ جہنم پر جاتے ہیں“ یہی ان کی پیشی ہے۔ شعبہ نے یعلیٰ بن عطا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے میمون بن مہران کو کہتے ہوئے سنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما صبح کے وقت یہ اعلان کرتے: الحمد للہ ہم نے صبح کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا جب شام ہوتی تو اعلان کرتے الحمد للہ ہم نے شام کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا: کوئی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو نہ سنا مگر آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا۔

صحیح بن جویریہ، نافع سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کافر جب فوت ہوتا ہے تو اسے صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا جب مومن فوت ہوتا تو اس کی روح صبح و شام جنت پر پیش کی جاتی ہے۔“ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو صبح اور شام کو اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہو تو جنتی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جہنمی ہو تو جہنمی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے دوبارہ اٹھائے گا“ (1)۔

فراء نے کہا: غداة اور عشیہ یہ اس دنیا کے اعتبار سے ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا: غُدُوًّا وَعَشِيًّا یہ دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہے۔ حماد بن محمد فزاری نے کہا: ایک آدمی نے اوزاعی سے کہا ہم پرندے دیکھتے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں جو مغرب کی سمت کو جاتے ہیں وہ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں وہ فوج در فوج ہوتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا جب پھلا پہر ہوتا ہے تو اسی کی مثل سیاہ پرندے لوٹتے ہیں فرمایا: یہی وہ پرندے ہیں جن کی پوٹوں میں آل فرعون کی روحمیں ہیں جنہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ ان کے پر جل چکے ہوتے ہیں اور وہ سیاہ ہو جاتے ہیں رات کے وقت ان کے سفید پر اگتے ہیں پھر وہ صبح کرتے ہیں تو انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب تک دنیا رہے گی ان کا یہ معمول رہے گا جب قیامت ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۵۔ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے مراد ہادیہ ہے۔ اوزاعی نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ چھبیس لاکھ ہیں غُدُوًّا اصل میں مصدر ہے مجازاً اسے ظرف بنایا گیا ہے وَعَشِيًّا کا اس پر عطف کیا گیا ہے گفتگو یہاں کھل ہوئی پھر تونی کلام شروع کرے گا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومَ كُونُصَبِ اَدْخِلُوا کے قول سے دی گئی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ يُعْرَضُونَ کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہوگا دنیا میں انہیں آگ پر پیش کیا جائے گا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اس پر وقف نہ کیا جائے گا۔

نافع، اہل مدینہ، حمزہ اور کسائی نے ادخلوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے اور خاء مکسور ہے یہ ادخل سے مشتق ہے؛ یہ ابو عبید

کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ انہیں جہنم میں داخل کریں اس کی دلیل اَلتَّائِبُ يُعْرَضُ صُورًا عَلَيْهَا ہے باقی قراء نے اسے اُدخلوا پڑھا ہے یہ دخل سے مشتق ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: اے آل فرعون! شدید ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: پہلی قراءت کے مطابق آل مفعول اول ہے اور اشد مفعول ثانی ہے یہاں حرف جار حذف ہے دوسری قراءت میں یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی مضاف ہے اور آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے دین اور مذہب پر تھے۔ وہ لوگ جو اس کے مذہب اور دین پر تھے ان کا عذاب شدید ترین تھا تو اس کے اپنے عذاب کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے: ”بے شک بندہ جو مومن کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے حضرت یحییٰ بن زکریا ہیں وہ مومن کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں، مومن کی حیثیت سے زندہ رہے اور مومن کی حیثیت سے فوت ہوئے اور ایک بندہ کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کافر کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے ایک فرعون ہے کافر کی حیثیت سے پیدا ہوا، کافر کی حیثیت سے زندہ رہا اور کافر کی حیثیت سے مرا“۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔

قراء نے آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ جاری کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے اَدْخَلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ۔ اَلتَّائِبُ يُعْرَضُ صُورًا عَلَيْهَا عُدُوًّا وَعَشِيًّا عرض آخر میں رکھا یہ نقطہ نظر اس کے خلاف ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ کلام کو اس کے سیاق پر رکھتے ہیں، جس طرح یہ گنگلو پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ يَتَحَفَّصُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفُو الَّذِي نَسْتَكْبِرُ وَاِذَا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَمَهْلُكُمْ
 اَنْتُمْ مُعْتَدُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِي نَسْتَكْبِرُ وَاِذَا كُنَّا فِيهَا اِنَّ اللّٰهَ
 قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِي نَسْتَكْبِرُ فِي النَّارِ لِحَزْنَةٍ جَهَنَّمَ اذْ عُرِيتُمْ بِخَفْئِكُمْ
 عَنَّا يَوْمَ مِيقَاتِ الْعَذَابِ ۝ قَالُوا اَوْلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۝ قَالُوا بَلٰ
 قَالُوْا فَاذْعُوْا ۝ وَمَا دَعَا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۝

” (اور کتنا ہوش رہا ماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ (میں بھن) رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، وہ کہیں گے بے شک! داروغے کہیں

گے خود ہی دعا مانگو اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے سود۔

وَإِذْ يَتَحَاكَمُونَ فِي النَّارِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿١٠٠﴾ کہتے تھے: ہم دنیا میں تمہاری ان معاملات میں پیروی کیا کرتے تھے جس شرک کی طرف تم ہمیں بلایا کرتے تھے کیا تم ہم سے اس چیز کو اٹھاتے ہو جو عذاب میں سے جزا کی صورت میں ہمیں ملا ہے۔ جمع یہ واحد ہے اور بصریوں کے قول کے مطابق یہ جمع ہے اس کی واحد تابع ہے۔ اہل کوفہ نے کہا: یہ جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں جس طرح مصدر ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی اگر اس کی جمع بناتے تو کہتے: اتباع۔ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا فِيهَا آءِ مِيسِرٍ مِّمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿١٠١﴾ کہتے تھے: ہم نے اس میں جو ضمیر ہے اس سے کلافت اور تاکید ہے۔ ابن سميع اور عیسیٰ بن عمر نے اسی طرح پڑھا ہے۔ کوفی تاکید کو لغت کہتے ہیں۔ سبویہ نے اس سے منع کیا ہے اس نے کہا کل صفت بیان نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے اس میں بدل بھی جائز نہیں کیونکہ جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہو اسکو کسی غیر کا بدل نہیں بنایا جاسکتا؛ مبرد نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے یہاں اسم ضمیر کا بدل ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مخاطب ہے اور مخاطب کا بدل ذکر نہیں کیا جاتا اور اسی طرح مخاطب کا بدل بھی ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ ان دونوں میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ ان کا بدل ذکر کیا جائے؛ یہ اس کی کلام کی نص ہے۔

إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿١٠٢﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کسی کا دوسرے کے گناہ کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرے گا پس ہم میں سے ہر ایک کافر ہے (اس لیے ہم دونوں طبقات کو جہنم میں ڈالا گیا ہے)۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لَئِنِ كُنَّا نَدْرِكُكَ يَا رَبِّ لَنَمُنَّ بِكَ لَئِنِ كُنَّا نَدْرِكُكَ ﴿١٠٣﴾ کہتے تھے: ہم نے کہا: اگر ہم آپ کو پہنچ سکتے تو ہم آپ کو مانگتے اور اگر ہم آپ کو پہنچ سکتے تو ہم آپ کو مانگتے۔ یہ جمع سالم ہے معرب ہے اور جس نے حالت رفع میں الَّذِينَ کہا تو اس نے اسے مبنی قرار دیا ہے جس طرح وہ واحد میں مبنی تھا انفس نے کہا: الذی کے ساتھ نون ملایا گیا ہے تو یہ خمسة عشر کی طرح ہو گیا اور یہ مبنی برفتح ہو گیا خزنہ یہ خازن کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: خزان، خزن۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ يَخْشَوْا مَا يَوْمَ الْعَذَابِ ﴿١٠٤﴾ یخفف جواب ہے اور مجزوم ہے اگر یہ فاء کے ساتھ ہو تو یہ منصوب ہوگا مگر کلام میں اکثر جواب امر اور اس جیسی صورتوں میں فاء کے بغیر آتا ہے اسی وجہ سے قرآن فصیح ترین لغت میں آیا ہے جس طرح کہا:

قَفَانَبِكَ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٍ وَمَنْزِلٍ تَمَّ دُونَ مَثْبُورٍ! ﴿١٠٥﴾ ہم محبوب اور منزل کو یاد کر کے رو لیں۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے جہنم کے داروغوں سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لَئِنِ كُنَّا نَدْرِكُكَ يَا رَبِّ لَنَمُنَّ بِكَ لَئِنِ كُنَّا نَدْرِكُكَ ﴿١٠٣﴾ انہوں نے ایک دن سوال کیا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے تو ان کے مطالبہ رد کر دیا گیا۔

أَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا أَفَأَدْعُوا غَوَاةً أَلْفَرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٠٦﴾ حدیث میں ہے

امام ترمذی اور دوسرے محدثین حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ بھوک ان کے ہم پلہ ہو جائے گی جس عذاب میں وہ مبتلا ہو جائیں گے (1) وہ مدد طلب کریں گے تو انکی ضریح کے ساتھ مدد کی جائے گی نہ وہ جسم کو موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے نفع دے گا وہ اسے کھائیں گے وہ انہیں کچھ نفع نہ دے گا وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد ایسے کھانے سے کی جائے گی جو گلے میں اٹک جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان کے گلے اٹک جائیں گے وہ یاد کریں گے کہ وہ گلے میں رکاوٹ کو پانی سے ختم کرتے تھے وہ مشروب طلب کریں گے تو ٹکڑوں کے ساتھ کھولتا ہوا پانی ان کی طرف بلند کیا جائے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے مونہوں کے قریب ہوگا تو وہ انہیں جلادے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی انتڑیوں اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اس کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ وہ فرشتوں سے مدد طلب کریں گے وہ کہیں گے: اذْعُوا رَأْسَيْكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمَ مَآئِنِ الْعَذَابِ ﴿۵۱﴾ فرشتے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴿۵۲﴾ قَالُوا اِنَّا دَعَاؤُا وَمَا دَعَاؤُا الْكَافِرِينَ اِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿۵۳﴾ ضلال کا معنی گھانا اور ہلاکت ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
 يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ مَعْنٰ رَآئِهِمْ وَ لَهُمْ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَ لَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِي اِسْرٰءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدٰى وَ ذِكْرٰى
 لِاُولٰٓئِ الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

”بے شک ہم اب بھی مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی ان کی دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے، اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو نور ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے۔“

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا رُسُلَنَا کے ضمہ کو اس کے نقل کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے تو کہا جائے گا: رُسُلَنَا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اہم موصول محل نصب میں ہے اس کا عطف الرسل پر ہے اس سے مراد وہ مومن ہے جس نے وعظ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسل اور مومنین میں عام ہے۔ ابو العالیہ کے قول کے مطابق ان کی مدد سے مراد ان کے دلائل کو غلبہ دینا اور ان کو کامیابی دینا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔ سدی نے کہا: کسی قوم نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا یا ایسی قوم کو قتل نہیں کیا جو مومن تھے (3) اور حق کی طرف دعوت دے رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان پر ایسے آدمی کو مسلط کر دیتا ہے جو ان سے انتقام لیتا ہے تو وہ سب رحمت سے دور کیے گئے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة جہنم، ما جاء من صفة الطعام، جلد 2، صفحہ 82

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 181

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 160

ہوتے ہیں اگر چہ قتل ہی کیے جائیں۔

وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥٠﴾ قیامت کے روز وہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ زید بن اسلم نے کہا: اشہاد چار ہیں فرشتے، انبیاء، مومن اور جسم (1)۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اشہاد سے مراد ملائکہ ہیں جو انبیاء کے بارے میں یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے پیغام حق پہنچایا اور امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ملائکہ اور انبیاء ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْأَشْهَادُ شہید کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشرف آتی ہے۔ زجاج نے کہا: الاشہاد، شاہد کی جمع ہے جس طرح اصحاب، صاحب کی جمع ہے (4)۔ نحاس نے کہا: فاعل کے وزن کی جمع فعل کے وزن پر نہیں آتی اور نہ ہی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر جو الفاظ اس بارے میں مسموع ہیں انہیں اس طرح ادا کیا جائے گا جس طرح انہیں سنا گیا اس میں حروف زائد کو حذف کر دیا گیا ہے۔ انفس اور فراء نے ویوم تقوم الاشہاد فعل کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جمع مونث ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے محدثین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے جہنم کی آگ کو دور کرے پھر یہ آیت تلاوت کی۔“ اِنَّا لَنْنَصُرَنَّ مُسْلِمًا وَالَّذِينَ آمَنُوا نَبِيٌّ كَرِيمٌ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے یہ روایت مروی ہے: ”جس نے کسی مومن کی ایسے منافق کے مقابلہ میں حمایت کی جو منافق مومن کی غیبت کیا کرتا تھا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو آگ سے اس کو بچائے گا۔ جس نے کسی مسلمان کا ذکر کسی ایسی چیز کے ساتھ کیا جو اس کے لیے عیب کا باعث تھا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے نقل کیا جائے گا“ (5)۔ يَوْمَ يَهْرَعُ مِنْهُمُ الْمُدْحَجُونَ لَا يَتَفَعَّلُونَ الظلمین مَعْنَى رَأَتْهُمْ نَارَ اور کوفیوں نے یاء کے ساتھ اسے ینفع پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥١﴾ لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے اور سُوءُ الدَّارِ اسے مراد جہنم ہے۔

وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ فِي دُنْيَا وَاٰخِرَتِمْ فِي رَسُوْلٍ مِّنْ دُوْنِنَا لِيُوْخِذَ بِحِكْمِ الْوَرْدِ الْوَّاسِعِ الَّذِيْ يُرْوٰى سَاعِدًا يَّوْمَ الضُّرِّ اَوْ يَطْوٰى حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْبَحْرَ الْمَوْجِيِّ فَسَيُنْجِي الْغَلِيْلَ مِنَ الْوَدْحِ الَّذِيْ يَخْسِفُ الْبَحْرَ وَيَجْعَلُ الْوَارِدَ الْوَدْحِ الَّذِيْ يَكْسِفُ الْبَحْرَ ﴿٤٤﴾ فرمائی۔ تورات کو ہدیٰ کہا گیا کیونکہ تورات میں ہدایت اور نور ہے قرآن حکیم میں ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدہ: 44)

وَاَوْسَمٰنًا بَنِيَّ اِسْرٰٓءٰلَ الْكُتٰبِ ﴿٥٢﴾ کتاب سے مراد تورات ہے یعنی ہم نے تورات کو ان کی میراث بنایا ہے ہدیٰ یہ الکتب سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اصل میں ہو ہدیٰ ہو یعنی ذلك الكتاب اور اصحاب عقول کے لیے نصیحت ہے۔

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَّعْدَةَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَّ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

وَالْاَبْحَامِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اٰتٰهُمْ اِنْ فِيْ

صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبٰلِغِيْهِ ؕ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٤﴾

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 161

2- ایضاً، جلد 5، صفحہ 160

3- ایضاً

4- ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

5- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، الرجل ددب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً حدیث نمبر 4230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَكْبَرَ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا السُّيِّئُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

”پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں) پر بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہیے اپنی کاتاہیوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو پانہیں سکیں گے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے بے شک وہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ بے شک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کو پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکو کار اور بدکار یکساں نہیں، تم بہت کم غور کرتے ہو۔ یقیناً قیامت آکر رہے گی ذرا شک نہیں اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے۔“

فَأَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اے محمد! صَلَّیْ لَیْلَہُمْ مُشْرَکِیْنَ کی اذیتوں پر صبر کیجئے جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا جو آپ سے پہلے تھے تیری مدد اور تیری جانب سے غلبہ کا وعدہ حق ہے جس طرح تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد کی۔ کلبی نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں لذنب امتک ہے مضاف حذف کر دیا گیا ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لذنب نفسک ہے جو صغائر کو انبیاء کے لیے جائز سمجھتا ہے جس نے کہا: صغیرہ بھی انبیاء کے لیے جائز نہیں یہ نبی کریم صَلَّی لَیْلَہُمْ مُشْرَکِیْنَ کو دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس طرح فرمایا: وَاتَّقُوا مَا وَعَدْنَا (آل عمران: 194) اس کا فائدہ یہ ہے کہ درجات زیادہ ہو جائیں اور دعا ما بعد لوگوں کے لیے سنت ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی بخشش طلب کریں جو نبوت سے قبل آپ سے صادر ہوئے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٢﴾ اس سے فجر کی نماز اور عصر کی نماز مراد ہے (1)۔ حضرت حسن بصری، اور قتادہ نے کہا۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد وہ نماز ہے جو پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے قبل مکہ میں پڑھی جاتی تھی دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے جسے ماوردی نے ذکر کیا ہے (2)۔ یہ ان آیات میں سے ہے جس کا حکم منسوخ ہے بِحَمْدِ رَبِّكَ اس کا شکر بجالانا اور اس کی ثناء کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے

مراد نماز میں اور نماز کے باہر بھی تسبیح پر دوام اختیار کرو تا کہ اس کے ذریعے جلد مدد چاہنے سے مشرف ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ بَشَكَّ وَهَ لُوكَ جَوَّجْجًا كَرْتَتِ هِي اللّٰهَ تَعَالَى كِي آيَاتِ مِي بَغِيرِ دَلِيلِ كِي جَوَانِ كِي پَاسِ آئِي هُو

ان کے سینوں میں کبر ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں کبر ہی ہے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے والے نہیں۔ زجاج نے کلام میں حذف تسلیم کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے ماہم ببالدغی اِرَادَتِهِمْ فِيهِ دُوسَرِ عِلْمَاءِ نَعْنَى كَمَا: مَعْنَى هُوَ وَهَ اِپْنَى كَبْرٍ كُو پَانَى وَالَى نَهِيں اِس مِي حَذْفِ نَهِيں كِيونكہ يه ايسى قوم هِيں جنہوں نے يه اے قائم كِي اكر انہوں نے نبى كريم سُنِّيْتِيَهْم كِي اتباع كِي تو ان كِي بلندی ميں كمي واقع ہو جائے گی اور ان كے حالات خراب ہو جائیں گے جب وہ آپ كِي تابعداری نهيں كريں گے تو وہ بلند مقام پائیں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ كيا كہ وہ جس بلندی كِي اميد ركھتے تھے جھٹلانے كِي صورت ميں اِس بلندی تك نهيں پہنچ پائیں گے مراد مشرك هِيں۔ ايك قول يه كيا گيا هے: مراد يهودي هِيں، آيت مدني هے جس طرح سورت كے آغاز ميں يه بحث گزر چكي هے معنی اِس كا يه بنتا هے اكر وہ حضرت محمد صلي اللہ عليہ وسلم سے اپنے آپ كو عظيم خيال كرتے هِيں اور كہتے هِيں كہ دجال عنقریب ظاہر ہوگا اور ملك هماري طرف لوٹا ديا جائے گا اور اِس كے ساتھ نهریں چليں گی جبكہ وہ اللہ تعالیٰ كِي آيات ميں سے ايك آيت هے تو وہ ايسا كبر هے جس تك وہ پہنچ سكيں گے تو يه آيت ان كے بارے ميں نازل ہوئی؛ يه ابو العالیہ اور دوسرے علماء نے بات كي هے۔ سورہ آل عمران ميں يه بحث گزر چكي هے كہ وہ نكلے گا اور مكہ مكرمه اور مدينه طيبه كے سوا تمام علاقوں كو روندے گا، ہم نے كتاب ”التذكرة“ ميں اِس كا مفصل ذكر كر ديا هے وہ يهودي هے اِس كا نام صاف هے اِس كِي كنيت ابو يوسف هے۔ ايك قول يه كيا گيا هے: مراد هروه شخص هے جو نبى كريم صلي اللہ عليہ وسلم كا انكار كرے؛ يه اچھي تعبير هے كيونكہ يه عام هے۔ مجاہد نے كہا: اِس كا معنی هے ان كے سينوں ميں عظمت هے وه اِسے پانے والے نهيں معنی ايك هے۔ ايك قول يه كيا گيا هے: كبر سے مراد بڑا امر هے يعنی وه نبوت كا مطالب كرتے هِيں يا بڑے امور كو طلب كرتے هِيں جس كے ذريعے وه آپ تك رسائی حاصل كرنا چاہتے هِيں يعنی قتل وغيره۔ وه اِس كو پانے والے نهيں يا آپ كا دين مكمل ہونے سے قبل آپ كِي موت كِي آرزو كرتے هِيں جبكہ وه اِسكو پانے والے نهيں۔

فَأَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ ايك قول يه كيا گيا: دجال كے فتنہ سے اللہ تعالیٰ كِي پناہ چاہيے يه اِس كے قول كے مطابق هے جو كہتا هے كہ آيت يهوديوں كے بارے ميں نازل ہوئی۔ دوسرے قول كے مطابق كفار كے شر سے اللہ تعالیٰ كِي پناہ چاہ۔ ايك قول يه كيا گيا هے: وه كفر اور كبر جھسي جس مصيبت ميں مبتلا ہوئے اِس سے اللہ تعالیٰ كِي پناہ چاہ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥١﴾۔ وه سمع و بصير هے إِنَّهُ هُوَ ميں هُو ضمير فصل هے يه مبتدا هوگی اور اِس كا مابعد خبر هوگی اور جمله ان كي خبر هوگا جس طرح پہلے بحث گزر چكي هے۔

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ يه مبتدا اور خبر هے؛ يه ابو العالیہ كا قول هے يعنی آسمانوں اور زمين كِي تخليق دجال كِي تخليق سے بڑھ كر هے جب يهوديوں نے اِس كِي عظمت بيان كِي (1)۔ يحيى بن سلام نے كہا: يه منكرين بعث كے خلاف استدلال هے يعنی وه دونوں انسانوں كو دوباره تخليق كرنے سے بڑھ كر هِيں تو انہوں نے كيوں يه اعتقاد ركھا كہ

میں اس سے عاجز ہوں۔

وَلٰكِنَّا كَثَرْنَا لِنَاسٍ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۰ يَعْلَمُوْنَ كَامِفْعُولٍ بِهٖ ذٰلِكَ هِيَ لِيَكْنَ اَكْثَرُ لَوْ اَسَّ نَهِيَس جَانْتِ-

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ لَعْنَى مَوْسٍ اَوْر كَافِرٌ، كِرَاهِ اَوْر هِدَايْتِ يَافْتَهٗ بَرَابَر نَهِيَس هُو سَكْتِهٗ - وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا النَّسِيْءِ جَوَاجِهٖ اَعْمَالٌ كَرْتَا هٗ اَوْر جَوْبَرَهٗ اَعْمَالٌ كَرْتَا هٗ وَهٗ بَرَابَر نَهِيَس هُو سَكْتِهٗ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۱۰۰ عَام قِرَاةٖ يَآءُ كَهٗ سَاثَهٗ هٗ؛ اَبُو عَبِيْدٍ اَوْر اَبُو حَاثِمٌ نَهٗ اَسَّ پَسْنَدُ كِيَا كِيُوْنَكِهٗ اَسَّ سَهٗ قَبْلُ اَوْر مَابَعْدُ غَايِبُ كَهٗ صَيَغَةُ هِيَس - كُوْفِيُوْنَ نَهٗ تَاءُ كَهٗ سَاثَهٗ خَطَابُ كَا صَيَغَةُ پْرُ هَا هٗ -

اِنَّ السَّاعَةَ لَا تِيْءُ يَهٗ لَامُ تَاكِيْدُ هٗ جَوَانِكِيْ خَبْرٍ پَرْدَاخِلٌ هٗ اَسَّ كَا اَصْلُ طَرِيْقَةُ تُو يَهٗ هٗ كَهٗ كَلَامُ كَهٗ شَرْوَعٌ مِيَس هُو كِيُوْنَكِهٗ يَهٗ جَمْلَهٗ كِي تَاكِيْدُ كَهٗ لِيَهٗ آتَا هٗ مَكْرَا سَهٗ اِبْنِيْ جَلْهٗ سَهٗ هٗنَا دِيَا كِيَا هٗ سِيَبُو يَهٗ نَهٗ بَهِيْ اَسِي طَرَحُ كِهَا هٗ تُو كِهْتَا هٗ؛ اِنَّ عَمْرَ الْخَارِجِ عَمْرُو جَانَهٗ وَالا هٗ - اَسَّ اِبْنِيْ جَلْهٗ سَهٗ مَوْخَرُ كِيَا كِيَا هٗ تَا كَهٗ لَامُ مَفْتُوحٌ اَوْر اِنَّ دُوْنُوْنَ جَمْعٌ نَهٗ هُو جَا مِيَس كِيُوْنَكِهٗ يَهٗ دُوْنُوْنَ اِيَكٌ هِي مَعْنَى دِيَهٗ هِيَس اَسِي طَرَحُ بَصْرِيُوْنَ كَهٗ زَوْدِيَكٌ اِنَّ كُوْنُ جَمْعٌ نَهِيَس كِيَا جَا تَا - هَشَامٌ نَهٗ اَسَّ كُو جَا زَقْرَارُ دِيَا هٗ كَهٗ اِنَّ اَنْ زِيْدًا مَنطَلَقٌ حَقٌّ اَكْر تُو حَقُّ كَهٗ لَفْظٌ كُو حَذْفٌ كَرْدَهٗ تُو مِيَس كِي سِيْ نَحْوِيْ كُو نَهِيَس جَا نَسَا كَهٗ جَسٌ نَهٗ كِهَا هُو كَهٗ يَهٗ جَا زَهٗ جَتْنَا مِيَس عِلْمٌ رَكِهْتَا هُوْنَ؛ يَهٗ نَحَا سٌ كَا قَوْلٌ هٗ -

لَا رَايِبَ فِيْهَا اَسَّ مِيَس كُوْنِيْ شَكٌّ نَهِيَس وَ لٰكِنَّا كَثَرْنَا لِنَاسٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰ لَعْنَى وَهٗ اَسَّ كِي تَصْدِيْقٌ نَهِيَس كَرْتِهٗ اَسَّ سَهٗ اَطَاعَتِ شَعَارٍ اَوْر كِنَا هَكَارُ كَهٗ دَرْمِيَانٌ جَو فَرْقٌ هٗ وَاضِحٌ هُو جَا تَا هٗ -

وَ قَالَ رَبُّكُمْ اَدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۙ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۱۰۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ اَلْيَلَّ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ۙ اِنَّ اللّٰهَ لَدُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَ لٰكِنَّا كَثَرْنَا لِنَاسٍ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۱۰۲ ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ قَالِيْ تُوْفِكُوْنَ ۝۱۰۳ كَذٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا يٰٓاِيْتِ اللّٰهَ يَجْحَدُوْنَ ۝۱۰۴ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ اَلْاَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمٰوٰتِ بِنَآءٍ ۙ وَ صَوَّرَكُمْ فَا حَسَنَ صُوْرًا كُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيْبٰتِ ۙ ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ ۙ فَتَبٰرَكَ اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۵ هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهٗ الدِّيْنَ ۙ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۶

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ اللہ ہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے راہت تاکہ تم آرام کرو اور (بنایا ہے) دن کو روشن، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (و کرم)

کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں) کا شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بجز اس کے پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بد نصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی، حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا اللہ تمہارا پروردگار ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں، بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”دعائی عبادت ہے (1)“ پھر اس آیت وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرًا ۖ تِلَاوَت کی۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ دعائی عبادت ہے؛ اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا معنی یہ ہے تم میری وحدانیت کو بیان کرو اور میری عبادت کرو میں تمہاری عبادت کروں گا اور میں تمہیں بخش دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ذکر دعا اور سوال ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کو اپنی حاجت کا سوال اپنے رب سے کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس کی جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو اس کا سوال بھی اپنے رب سے کرے“ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: دعا سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: اس امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں کہ ان سے قبل نبی کے سوا کسی امت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں جب کسی نبی کو بھیجا جاتا تو اسے کہا جاتا تو اپنی امت پر شاہد ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں فرمایا: لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ: 143) نبی کو کہا جاتا تھا: لیس علیک فی الدین من حرم اور اس امت کو کہا گیا وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) ایک نبی کو کہا جاتا تھا مجھ سے دعا کر میں تیری دعا کو قبول کروں گا جبکہ اس امت سے فرمایا گیا: ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔

میں کہتا ہوں: اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کی جاسکتی، ایک مرفوع حدیث ہے جسے لیث، شہر بن حوشب وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جیسی مجھ سے قبل انبیاء کو دی گئیں اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے: مجھ سے دعا مانگ میں تیری دعا قبول کروں گا اور اس امت کے بارے میں فرمایا: مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں

1- جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ بقرہ، جلد 2، صفحہ 121

2- جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، حدیث نمبر 3294، نسیاء القرآن پبلی کیشنز

گا، اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث کرتا تو ارشاد فرماتا: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور اس امت کے لیے فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اسے اپنی قوم پر گواہ بناتا اور اس امت کو لوگوں پر گواہ بنایا۔ اسے ترمذی حکیم نے ”نوادرا اصول“ میں ذکر کیا ہے۔

خالد بن ربیع کہا کرتے تھے: اس امت کی عجیب شان ہے اس امت کو کہا گیا: اذْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ انہیں دعا کا حکم دیا اور قبول کرنے کا وعدہ کیا دونوں کے درمیان کوئی شرط نہیں۔ ایک قائل نے اسے کہا: اس کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (البقرہ: 25) یہاں شرط ذکر کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا اَنَّ لَهُمْ قَدَمٌ صَدِيقٍ (یونس: 2) اس میں عمل کی شرط نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اس میں شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: اذْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں کوئی شرط نہیں۔ امتی گھبراہٹ میں ضرورتوں کے وقت اپنے انبیاء کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ انبیاء ان کے حق میں سوال کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے جبکہ سورہ بقرہ میں مقید ہے جو بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی اَسْتَجِبْ لَكُمْ ان شئت۔ اگر میں چاہوں گا تو تمہاری دعا قبول کروں گا جس طرح ارشاد فرمایا: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ (انعام: 41) بعض اوقات دعا کی قبولیت عین مطلوب کے علاوہ میں ہوتی ہے جس کی وضاحت سورہ بقرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے وہاں ہی اس میں غور کر لو۔ ابن کثیر، ابن محیسن، رویس نے یعقوب سے، عیاش نے ابو عمرو سے ابو بکر اور مفضل نے عاصم سے قراءت نقل کی ہے کہ سَيِّدٌ خُلُوْنَ یہ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے داخرین کا معنی ہے وہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لَتَسْكُنُوْا فِيْهِ اس میں جعل، خلق کے معنی میں ہے جب جعل، خلق کے معنی میں ہو اور جب وہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو عرب ان میں فرق کرتے ہیں جب یہ خلق کے معنی میں ہو تو اس وقت یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب یہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو اس وقت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف: 3) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَالنَّهَارَ مُنْصَرًّا یعنی دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس دن میں اپنی ضروریات کو دیکھو اور اپنی معاش کی طلب میں چل پھر سکو اِنَّ اللّٰهَ لَكُنُوْا فَضْلٌ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ⑩ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کا شکر بجا نہیں لاتے۔

ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللّٰهُ تَعَالٰى نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلالت کو واضح کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَآئِلٌ تُوْفِكُوْنَ ⑪ جب تمہارے لیے دلائل واضح ہو چکے ہیں تو تم ایمان سے کیسے پھرتے ہو یعنی جس طرح دلیل کے قائم ہونے کے باوجود تم حق سے پھرتے ہو اسی طرح ان لوگوں کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہیں۔

اللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الِّاْرَضَ قَرًا مَّا تَعْرِفُوْنَ اور دلیل کی تاکید میں زیادتی کی، زمین کو تمہاری زندگی اور تمہاری موت کے بعد ٹھکانہ بنا دیا وَالسَّمَآءَ بَنَآءً، کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمْ یعنی تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا۔ ابورزین اشہب عقیلی نے صوْر کم پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: صوْر میں صوْر بھی ایک قراءت ہے یہ صوْرۃ کی جمع ہے اس شعر کو اس لغت پر پڑھا جاتا ہے وہ لوندیوں کی تعریف کرتا ہے:

أَشْبَهْنَ مِنْ بَقْرِ الْخَلْصَاءِ أَعْيُنَهَا وَهِنَّ أَحْسَنُ مِنْ صَيْرَانِهَا صَوْرًا

محل استدلال صوْر ہے صیران یہ صوْر یا صوْر کی جمع ہے یہ گائیوں کا ریوڑ ہے صوْر کا معنی کستوری کا برتن بھی ہے شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کیا:

إِذَا مَعَ الصَّوْرِ ذَكَرْتُ لَيْسَى وَأَذْكُرُهَا إِذَا نَفَحَ الصَّوْرُ

جب گائیوں کا ایک ریوڑ ظاہر ہوتا ہے تو میں لیسلی کو یاد کرتا ہوں اور جب کستوری کا برتن مہکے تو تو اسے یاد کر۔

الصیار بھی اس میں ایک لغت ہے۔

وَرَزَقْتُمْ مِنَ الظَّوْبِ ذَلِكُمْ اللهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَكِ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ اس کے بارے میں بھی گفتگو پہلے گزر چکی ہے ہُوَالْحَىٰ وہ باقی رہنے والا ہے مرے گانہیں لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ دین سے مراد اطاعت و عبادت ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ فراء نے کہا: یہ جملہ خبریہ ہے اور اس میں فعل امر مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ادعوہ واحد وہ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ تو وہ کہے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (1)

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ هُوَالَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَلَّى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجْلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥﴾ هُوَالَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَمَا يَنْقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿١٦﴾

”آپ فرمادیجئے: مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں) جب آگنی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کر دوں رب العالمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر تمہیں زندہ رکھا تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی

اور (یہ سارا نظام اس لیے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تاکہ (تم اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے مارتا ہے پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَعْمَارِي بِاللَّهِ نَهْيًا كَمَا نَهَيْتُ النَّاسَ بِرَبِّهِمْ فَاتَّبِعُوا أَمْرًا مِّنْ رَبِّي وَمَا أُخِيتُ بِهِ لَئِن كُنْتُ مِنَ الْمُدَّاعِينَ لَأَكْفُرَنَّ بِاللَّهِ فَاسْتَجِيبُوا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ اور لا الہ الاغیرہ ہے کہ میں کسی اور کی عبادت کروں لَمَّا جَاءَنِي الْهَيِّتُ مِنْ رَبِّي یہاں بینات سے مراد توحید کے دلائل ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عاجزی کا اظہار کروں رب العالمین کے لیے۔ مشرکین نے نبی کریم ﷺ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ یہ کہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ لُطْفِهِ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا یہاں طفل بمعنی اطفال ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے ثُمَّ لِيَتَّبِعُوا الشَّدَّاءَ کہ یہ وہ حالت ہے جس میں قوت مجتمع ہو جاتی ہے اور عقل مکمل ہو جاتی ہے۔ سورہ الانعام میں یہ وضاحت گزر چکی ہے۔

ثُمَّ لِيَتَّكِفُوا سِيُوحًا، شیوخا میں شین کے ضمہ کے ساتھ۔ نافع، ابن محیصن، حفص، ہشام، یعقوب اور ابو عمرو نے اپنے اصل پر پڑھا ہے کیونکہ یہ فعل کی جمع ہے جس طرح قلب کی جمع قلوب ہے اور راس کی جمع رؤس آتی ہے باقی قراء نے یاء کی رعایت کرتے ہوئے شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں جمع کثرت کے صیغے ہیں بہت تھوڑی تعداد میں اشیاء کا وزن آتا ہے جو اصل میں اشیاء تھا جس طرح فلس کی جمع فلس ہے مگر یاء میں حرکت ثقیل ہے اسے شیخ واحد بھی پڑھا گیا ہے جس طرح طفلا۔ یعنی تم میں سے ہر ایک۔ واحد پر اقتصار کیا گیا ہے کیونکہ غرض جنس کا بیان ہے۔ صحاح میں ہے شیخ کی جمع شیوخ، اشیاء، شَيْخَةٌ، شَيْخَانٌ، مَشِيخَةٌ، مَشَايِخٌ اور مَشِيخَةٌ آتی ہے عورت کے لیے شَيْخَةٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے عبید نے کہا: كَانَهَا شَيْخَةً رَقُوبٌ گویا وہ نگاہ رکھنے والی بڑھیا ہے۔

یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے شاخ الرجلُ شَيْخٌ شَيْخَانٌ اپنے اصل پر حرکت کے ساتھ ہے شَيْخُوخَةٌ۔ اصل میں یاء متحرک ہے تو اسے کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام میں مفعول کا وزن نہیں شَيْخٌ، تَشْيِخًا۔ یعنی وہ بوڑھا ہو گیا۔ و شَيْخَتُهُ۔ میں نے اس کی تکریم کی خاطر اس کو شیخ کے طور پر بلایا۔ شیخ کی تصغیر شَيْخٌ ہے شَيْخَانٌ شین کے کسرہ کے ساتھ ہے تو شونخ نہ کہہ۔ نحاس نے کہا: اگر شاعر مجبور ہو تو اس کے لیے شیخ کہنا جائز ہے جس طرح عین اور اعین ہے کیونکہ عین میں حسن ہے کیونکہ یہ مونث ہے۔ شیخ اسے کہتے ہیں جس کی عمر چالیس سال سے بڑھ جائے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُتَوَلَّىٰ مِنْ قَبْلُ مَجَاهِدٌ نے کہا: اس سے مراد قبل اس کے کہ وہ بوڑھا ہو جائے یا ان احوال سے قبل جب وہ ماں کے پیٹ سے ناکمل بچہ کی حیثیت سے نکلے وَلِيَتَّبِعُوا أَجْلًا مَّسِيًّا۔ مجاہد نے کہا: موت تو سب کے لیے ہے اور فعل میں لام عاقبت کا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ اس کا مفعول ذلک ہے پس تم جانو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِي يُخِي وَيُيْتُّ تَبِيهٌ میں اضافہ کیا یعنی وہی ذات ہے جو زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر ہے فَاذًا قَضَىٰ

اُمراً یعنی جب وہ کسی عمل کو کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے فرماتا ہے كُنْ فَيَكُونُ ﴿١٥﴾ بن عامر نے جواب امر کے طور پر یوں کہا ہے۔
نفس دی ہے۔ سورہ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ اَتٰى يُّصْرَقُوْنَ ﴿١٦﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِالْكِتٰبِ وَ بِمَا اُرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۗ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧﴾ اِذَا الْاَغْلٰلُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ
وَ السَّلٰسِلُ ۗ يُسْحَبُوْنَ ﴿١٨﴾ فِي الْحَبِيْمِ ۗ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قَبِيْلٌ لَّهُمْ اٰمِيْنَ ۗ مَا
كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٢٠﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوْا مِنْ قَبْلُ
شَيْئًا ۗ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢١﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٢٢﴾ اُدْخِلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ فَبِئْسَ
مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۗ فَاَمَّا نُرِّيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفِّيَنَّكَ فَاَلَيْنَا يُّرْجَعُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَ لَقَدْ اُرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ
مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاتِيَ
بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ فَاِذَا جَاءَ اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنٰلِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٥﴾

”کیا تم نہیں دیکھتے ان نادانوں کی طرف جو گھڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں، یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔
جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا انہیں (اپنی تکذیب
کا انجام) معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے
جایا جائے گا کھولتے ہوئے پانی میں پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر پوچھا جائے گا ان
سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ کے سوا؟ (بھد یا اس) کہیں گے: وہ تو گم ہو گئے ہم سے
بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے، اس سے پہلے اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔ یہ سزا (اور رسوائی)
بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے آپس میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو
تم (اپنے فانی اموال و املاک پر) اترا یا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں
ہمیشہ رہنے والے ہو پس یہ بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر و غرور کرنے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ ان کی نازیبا
حرکتوں پر صبر فرمائیے اللہ کا وعدہ سچا ہے سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے وعدہ
کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف لوٹائے
جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور
ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی

نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر پس جب آجائے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں سراسر گھانے میں رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۖ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٥٠﴾ ابن زید نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِأَنزَالِنَا إِلَيْهِمْ مُرْسَلًا ۖ كَثُرَ مَفْسِرِينَ نے کہا: یہ آیت قدریہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تو میں نہیں جانتا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟ ابوقبیل نے کہا: میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہی ایمان والوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی“ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ إِذَا لَأَغْلَلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ یعنی عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ جس عقیدہ کو انہوں نے اپنا رکھا تھا اس میں وہ باطل ہیں جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے جکڑ دیئے جائیں گے۔ تیسری نے کہا: اگر جہنم کے طوقوں میں سے ایک طوق پہاڑ پر رکھا جائے تو اسے ریزہ ریزہ کر دے گا یہاں تک کہ سیاہ پانی تک پہنچ جائے گا۔

السَّلِيلُ عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف الَاغْلَلُ پر ہے ابو حاتم نے کہا: يُسْحَبُونَ اس قراءت کی بنا پر جملہ مستانفہ ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے إِذَا لَأَغْلَلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلِيلُ مسحوبین حضرت ابن عباس، ابو جوزاء، عکرمہ اور حضرت ابن مسعود نے السَّلِيلُ کو منصوب پڑھا ہے اور يُسْحَبُونَ کو یا، کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس قراءت کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی يسحبون السلاسل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اسے کھینچیں گے تو یہ ان پر بہت سخت ہوگا بعض سے یہ السلاسل جر کی صورت میں مروی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ معنی پر محمول ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہیں؛ یہ فراء نے کہا: زجاج نے کہا: جس نے وَالسَّلِيلُ يُسْحَبُونَ جر کی صورت میں پڑھا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے زنجیروں میں انہیں گھسیٹا جائے گا۔ ابن انباری نے کہا: اس معنی کی بنا پر جر جائز نہیں کیونکہ جب تو یہ کہے زید فی الدار تو یہ اچھا نہیں کہ توفی کو مضمحل کر دے اور تو کہے زید الدار لیکن معنی کے اعتبار سے جر دینا جائز ہے کیونکہ ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہونگی تو سلاسل کو عطف کی وجہ سے جر دینا جائز ہے کیونکہ اغلال جر کی تاویل میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: خصم عبد الله زيدا العاقلین تو تو العاقلین کو نصب دے دونوں کو رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ دونوں میں سے جب ایک اپنے ساتھی سے مخالفت کرے تو اس کا ساتھی بھی اس سے مخالفت کرے گا؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

قد سألتم الحياتِ منه القداما الأفعوان الشجاع الشجعنا

الافعوان کو نصب، حیات کی اتباع میں دی گئی جب انہوں نے قدم سے صلح کر لی تو قدم نے بھی ان سے صلح کر لی۔ جو آدمی السلاسل کو نصب دے گا یا اس کو جر دے گا تو وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔ حمیم اسے کہتے ہیں جو گرمی میں اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد کھولتی ہوئی پیپ ہے۔

لَمْ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٥٠﴾ یعنی اس آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ اس کے لیے ایندھن ہوں گے، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے سجرت، التنور میں نے نور کو روشن کیا، سجرتہ۔ میں نے اسے بھر دیا۔ اسی سے وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿٥١﴾ (الطور) ہے یعنی بھرا ہوا سمندر۔ اس تعبیر کی صورت میں معنی یہ ہوگا ان کے ساتھ جہنم بھر جائے گی۔ شاعر ایک پہاڑی بکرے کی تعریف کرتا ہے:

إِذَا شَاءَ طَاعَ مَسْجُورَةً تَرَى حَوْلَهَا الثَّبَعَ وَالسَّمِيَةَ

جب وہ چاہتا ہے تو بھرے ہوئے چشمے پر جا پہنچتا ہے تو اس چشمے کے ارد گرد بیج کے درخت اور تل کے پودے دیکھے گا۔
لَمْ قَبِيلَ لَهُمْ أَئِنَّ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٥١﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ يَكَلِّمُ الْكُفْرَانَ كَلَامَ بَشَرٍ لِيُضِلَّ أَعْيُنَ النَّاسِ وَيَأْخُذَ بِهِمْ سَبْعَ يَوْمٍ فَتُؤْتَى السَّمِيرُ يُرْتَبَى فِيهَا رِجْلُهُمْ تَتَخَبَّطُهُمُ السَّمِيرُ فَكُلُّهُمْ مِثْلُ شَاةٍ مُرْتَبَاةٍ ﴿٥٢﴾
ہو گئے اور ہم سے دور چلے گئے اور ہمیں عذاب میں چھوڑ دیا یہ ضل الساء فی الدین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پانی دودھ میں چھپ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس طرح ہو گئے کہ ہم انہیں نہیں پاتے بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا يَعْنِي اِیْسَى چیز جو نہ دیکھتی ہے، نہ سنتی ہے، نہ تکلیف دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یہ بتوں کی عبادت کا انکار نہیں بلکہ یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ بتوں کی جو عبادت کرتے رہے وہ باطل تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں گمراہی کو تخلیق کیا اسی طرح ہر کافر کے بارے میں یہی کرتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ اسم اشارہ کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہی وہ عذاب ہے کہ تم نافرمانیاں کرتے خوش ہوا کرتے تھے۔ یہ بات انہیں شرمندہ کرنے کے لیے کہی جائے گی مراد یہ ہے کہ تمہیں یہ چیز اس لیے پہنچی ہے کہ دنیا میں معصیت، کثرت مال، کثرت خدام اور تابعداروں کی زیادتی اور صحت پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان باتوں پر ان کی خوشی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے رسولوں سے کہا ہم جانتے ہیں کہ ہم کو نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی ہمیں عذاب دیا جائے گا۔ مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَلَئِمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المؤمن: 83) میں یہی کچھ کہا ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٥٣﴾ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ اس کے بدلہ میں ہے جو تم اترا یا کرتے تھے ”سبحان“ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ضحاک نے کہا: فرح کا معنی خوش ہونا ہے مرح کا معنی سرکشی کرنا ہے۔ خالد، ثور سے انہوں نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَبْغِضُ الْبِذْخِيْنَ الْفَرِحِيْنَ وَيَحِبُّ كُلَّ قَلْبٍ حَزِيْنٍ وَيَبْغِضُ اَهْلَ بَيْتِ لَحْمِيْنَ وَيَبْغِضُ كُلَّ حَبْرٍ سَمِيْنٍ (1) بے شک اللہ تعالیٰ متکبروں اور خوش ہونے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ہر غمگین دل والے سے محبت کرتا ہے، غیبت کرنے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ایسے علم سے بغض رکھتا ہے جو اپنا علم دوسرے لوگوں کو نہیں بتاتا۔

اہل بیت لحمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں خبر کیمین سے مراد وہ ہے جو بہت بڑا عالم ہو اور لوگوں کو اس علم سے آگاہ نہ کرے یعنی جس کے پاس علم وافر ہو اور لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچائے؛ یہ ماوردی

نے ذکر کیا ہے۔ لحمین کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے وہ بہت زیادہ گوشت کھاتے ہوں اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:
 اتقوا هذه السجائر فإن لها ضراوة كضراوة الخمر گوشت کھانے کی عادت سے بچو اس میں ایسی عادت ہے جس طرح
 شراب کی عادت ہوا کرتی ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے، پہلا سفیان ثوری کا قول ہے اَدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی انہیں یہ
 بات کہی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ (الحجر: 44)

فَأَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے ہے۔ ہم تیرے لیے ان سے انتقام ضرور لیں گے اس دنیا
 میں اور آخرت میں فَمَا تُرِيدُ شَرِّكَ شَرْطُكَ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے ”ما“ تاکید کی وجہ سے زائدہ ہے اسی طرح نون بھی تاکید کے
 لیے ہے جزم زائل ہوگئی اور فعل مبنی پر فتح ہو گیا۔ اَوْ تَكْفُرُ فَيَتَّكِ اس کا اس پر عطف ہے قَالَ إِنَّا يَرْجِعُونَ یہ شرط کا جواب ہے۔
 وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ان سے قبل رسولوں نے تکلیفیں پائی
 ہیں مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ یعنی ہم نے ان کی خبریں تمہیں بتائیں اور انہوں نے اپنی قوموں سے جو کچھ حاصل کیا وہ
 تمہیں بتایا وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْضُ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ يُقَالُ لِرَسُولٍ بِآيَةٍ یعنی کوئی رسول بھی اپنی جانب سے کوئی
 آیت نہیں لایا تَهَا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ لَيْسَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ آلِئِلهِ إِتْرَافٌ اور انہوں نے اس کی طرف
 کر دیا اس میں تاخیر اس لیے ہو رہی ہے تاکہ وہ لوگ اسلام لے آئیں جن کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور اسی طرح
 جو ان کی پشتوں میں ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ غزوہ بدر میں قتل کی طرف
 اشارہ ہے قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۝ مَبْطِلُونَ سے مراد ہے جو باطل اور شرک کی اتباع کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
 لِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ
 فَأَمَّا آيَاتِ اللَّهِ تَتَذَكَّرُونَ ۝

”اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا
 (گوشت) کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی
 ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینے میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے
 پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔“

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ ابواسحاق زجاج نے کہا: انعام سے مراد یہاں اونٹ ہیں لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا
 تَأْكُلُونَ ۝ جن علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا منع ہے اور اونٹ کا گوشت کھانا مباح ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے انعام کے بارے میں فرمایا: وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ اور گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: وَالْحَيْلُ وَالْبَعَالُ وَالْحَمِيرُ لِتَرْكَبُوا
 (النحل: 8) ان کے کھانے کی اباحت کا ذکر نہیں کیا۔ سورہ نحل میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اونٹ کے بالوں، اون، بکری کے بالوں، دودھ، مکھن، گھی اور پنیر وغیرہ میں تمہارے لیے منافع ہے و

لَتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ يَعْنِي يَهْجُرُوا بِهَا بوجھ اٹھاتے ہیں اور دروازوں پر لے جاتے ہیں۔ سورہ نحل میں مفصل بحث گذر چکی ہے اب اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَعَلَيْهَا يَعْنِي نَشْكِي فِيهَا اُونٹوں پر وَعَلَى الْفُلْكِ اور سمندر میں کشتیوں پر تُحْمَلُونَ ۱۰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِمْ يِهَاءِ آيَاتٍ مِنْهُ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ ۱۱، تَشْكُرُونَ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ کلمہ استفہام کلام کے شروع میں آتا ہے اس لیے اس میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اگر فعل کے ساتھ ایسی ضمیر ہو جو اسی کی طرف لوٹے تو اس میں رفع پسندیدہ ہے اگر استفہام ہمزہ یا اہل کی صورت میں ہو اور ان کے بعد کوئی اسم، اس کے بعد فعل ہو جس کے ساتھ ایسی ضمیر ملی ہو جو اس اسم کی طرف لوٹے تو نصب دینا پسندیدہ ہوگا معنی یہ بنے گا جبکہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں تو تم دوبارہ اٹھانے پر اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۙ ۱۰
فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۙ ۱۱
فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ وَكُفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۙ ۱۲
فَلَمْ يَكْ يَنْفَعَهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۚ سُنَّتَ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۙ ۱۳

”کیا ان مکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (مکروں) کا جو ان سے پہلے گذرے وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنرمند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کھاتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نافرمان رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) گھیر لیا انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے: ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب یہ دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے۔“

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۙ ۱۰
ان سے تعداد میں زیادہ تھے فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۙ یعنی عمارات، اموال، اولاد اور پیروکاروں نے انہیں کچھ

نفع نہ دیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: دلوت بفلان إليك یعنی میں نے اسے تیرے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ اس تاویل کی بنا پر مانا یہ ہے یعنی اس چیز نے انہیں کوئی نفع نہ دیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے یعنی جب وہ ہلاک ہوئے تو کسی چیز نے انہیں نفع نہ دیا۔ اکتغر غیر منصرف ہے کیونکہ وہ فعل کے وزن پر ہے کو فیوں کا خیال ہے کہ ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہو تو اسے منصرف پڑھنا جائز ہے مگر افعال من کذا منصرف نہیں ہوگا کیونکہ اسے شعر اور کسی دوسری صورت میں منصرف پڑھنا جائز نہیں جب اس کے ساتھ من ہو۔ ابو العباس نے کہا: اگر من منصرف ہونے سے مانع ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ یہ نہ کہا جائے: مردت بخیر منک وشر منک و من عمرو۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنَّا مِنْ أَيْتٍ مِّنَ آيَاتِ رَبِّهِمْ فَكَفَرُوا بِهَا عُنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اس کے معنی میں تین قول ہیں: مجاہد نے کہا: بے شک اس علم کی وجہ سے خوش تھے جو ان کے پاس موجود تھا وہ کہتے ہم ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ نہ ہمیں عذاب دیا جائیگا اور نہ ہی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کے پاس جو دنیوی علم تھا اس پر وہ خوش تھے جس طرح اس آیت میں ہے يَعْلمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الروم: 7) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو خوش ہوئے وہ سوال کرتے تھے جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ کافروں کو ہلاک کرنے والا ہے اور رسولوں اور مومنوں کو نجات دینے والا ہے تو رسول مومنوں کی نجات سے آگاہی حاصل کرنے کی بنا پر خوش ہوئے وَحَاقِي بِهَمِّ بَهْمٍ سَعَادَةٌ كَفَرُوا بِهَا مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾ یعنی جو رسل ان کے پاس لائے ان کا ان کفار نے استہزاء اڑایا تو اس کے عقاب نے ان کا احاطہ کر لیا۔

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا جَبَّ أَعْيُنُهُمْ لِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ سے دیکھا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَاؤُا كَفَرْنَا بِهَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿١١﴾ یعنی ہم ان بتوں کا انکار کرنے والے ہیں جنہیں ہم نے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔ فَلَمَّ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْنَانُهُمْ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ سُنَّتِ اللّٰهِ، سنۃ مصدر ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں سَنَّ يَسْنُو سُنَّةً سُنَّةً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار میں یہ ضابطہ نافذ کر دیا ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ایمان انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ سورۃ النساء اور سورۃ یونس میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ عذاب دیکھنے اور علم ضروری کے حصول کے بعد تو بہ قبول نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے اہل مکہ! کفار کو ہلاک کرنے کا جو ضابطہ ہے اس سے ڈرو سُنَّتِ اللّٰهِ یہ تحذیر و اغراء کے طور پر منصوب ہے۔

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٢﴾ زجاج نے کہا: وہ اس سے قبل خسارے میں تھے مگر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو ہمارے لیے ان کا خسارہ واضح ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے فَلَمَّ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْنَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا، وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٢﴾ جس طرح تمام کافروں میں ہماری سنت ہے پس سنۃ کا لفظ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام امتوں میں ضابطہ ہے۔

سورہ فصلت

﴿سورتها ۵۴﴾ ﴿سورۃ خزائنے ثلاثۃ ۶۱﴾ ﴿مکروعاھا ۶﴾

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی چون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پچپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمِّ ۙ تَنْزِیْلِ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ
یَعْلَمُوْنَ ۙ بِشِیْرًا وَنَذِیْرًا ۙ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فَهَمُّ لَا یَسْمَعُوْنَ ۙ وَقَالُوْا
قُلُوْبُنَا فِیْ اَکْثَرِ مِمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْ اِذَانِنَا وَقُرْاٰنًا مِّنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ
فَاعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۙ

”حامیم۔ اتارا گیا (یہ قرآن) رحمن ورحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا (ہر وقت) خبردار کرنے والا ہے بائیں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور (ان ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلا تے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔“

حَمِّ ۙ تَنْزِیْلِ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع هذا کے مضمحل ہونے کی بنا پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کِتٰبٌ یہ تَنْزِیْلِ سے بدل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ تَنْزِیْلِ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حَمِّ کی تقدیر یہ ہے ہذا حَمِّ جس طرح تو کہتا ہے: باب کذا اصل میں ہو باب کذا تھا پس حَمِّ یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے اصل میں یہ ہو حَمِّ تَنْزِیْلِ دوسرا مبتدا ہے اور کِتٰبٌ اس کی خبر ہے فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ یعنی ان کی وضاحت و تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اس کے حرام سے اس کے حلال کو اور اس کی معصیت سے اس کی اطاعت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وعدہ اور وعید کو بیان کر دیا گیا۔ سفیان نے کہا: ثواب اور عقاب کو بیان کر دیا گیا ہے (1)۔ اتے فَصِّلَتْ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ان آیات نے حق اور باطل میں فرق کر دیا ہے یا ان آیات میں سے بعض اپنے معانی میں اختلاف کی وجہ سے دوسری آیات سے مختلف ہیں۔ تیسرا قول فصل من الهدی سے مشتق ہے یعنی وہ ملک سے دور ہے۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا اس کے منصوب ہونے کی کئی وجوہ ہیں: انخش نے کہا: یہ مدح کی حیثیت میں منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمحل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اذکر قرآنًا عربیًّا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوبارہ وہی فعل ہے یعنی فصلنا قرآنًا عربیًّا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ قرآن عربی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فصلت کا فعل آیات کے ساتھ مشغول ہو گیا یہاں تک کہ وہ نائب فاعل ہو گیا تو قُرْآنًا اس کا بیان ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے منصوب اس لیے پڑھا گیا ہے کہ اسے ماقبل کلام سے الگ کیا گیا ہے۔

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ① ضحاک نے کہا: قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل میں وہ ایک الہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لغت عربی کو جانتے ہیں اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں اگر یہ عربی زبان میں نہ ہوتا تو اسے نہ جانتے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے یہ قریش کو عاجز کرنے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے ہے کہ قرآن معجزہ ہے بِشِيرًا وَكَذِيرًا یہ دونوں آیات سے حال ہیں اور اس میں عامل فصلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قرآن کی لغتیں ہیں بِشِيرًا یہ اولیاء اللہ کے لیے ہے اور كَذِيرًا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے اسے بشیر و نذیر بھی پڑھا گیا ہے یہ کتاب کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ② یعنی اکثر اہل مکہ نے اعراض کیا تو ایسا سننا نہیں سنتے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ریان بن حرمہ نے کہا کہ قریش کے سرداروں اور ابو جہل نے کہا: ہم پر حضرت محمد ﷺ کا معاملہ ملتبس ہو گیا ہے اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرتے جو شعر، کہانت اور جادو کو جانتا ہوتا وہ حضرت محمد ﷺ سے کلام کرے پھر اس کے معاملہ کی ہمارے سامنے وضاحت کرے (2)۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کہانت، شعر اور جادو کو سنا ہے میں اس کے بارے میں اتنا علم رکھتا ہوں اگر معاملہ ایسا ہو تو مجھ سے مخفی نہیں رہے گا، انہوں نے کہا: ان کے پاس جادو اور ان سے بات کرو۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد ﷺ! تو بہتر ہے یا قصی بن کلاب؟ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبدالمطلب؟ تو بہتر ہے یا عبد اللہ؟ تو کس وجہ سے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ ہمارے آباء کو گمراہ قرار دیتا ہے؟ ہمارے دانشمند لوگوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے؟ اور ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے؟ اگر تو ریاست چاہتا ہے تو ہم اپنے سارے جھنڈے تیرے سپرد کر دیتے ہیں جب تک تو زندہ رہے گا تو ہمارا سردار ہوگا، اگر تو شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم قریش کی بچیوں میں سے دس عورتوں سے تیری شادی کر دیتے ہیں جن سے تو چاہتا ہے، اگر تو مال کی خواہش رکھتا ہے تو ہم تیرے لیے مال جمع کر دیتے ہیں جس سے تو اور تیرے بعد والے غنی ہو جائیں گے، اگر یہ سب کچھ جن کے سایہ کی وجہ سے ہے جو تجھ پر غالب آچکا ہے تو ہم تیرا علاج کروانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم تیرے

بارے میں اس پر غالب آجائیں۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہوا فرمایا: ”اے ابو ولید! تو فارغ ہو گیا ہے؟“ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ”اے بھتیجے سنا ہے؟ اس نے کہا: سنتا ہوں۔ پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تَنْزِیْلٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کَتَبَ فُضِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنَا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بِشٰیْرًا وَّاَنْذِیْرًا ۝ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُہُمْ فَہُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَکْثَرِہٖمَا نَدْوٰنَا ۝ اِیْہِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقُرْاٰنًا وَّمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلٰیَّ اِنَّمَا اِلٰہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْبُوْا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۝ وَوِیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوٰةَ وَہُمْ بِالْاٰخِرَةِ ہُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اِنِّیْکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ فِیْ یَوْمٍ مَّیْمَنٍ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اٰنْدَادًا ۝ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوٰاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبَرَکَ فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَا اَقْوَامًا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۝ سَوَآءٌ لِّلسَّآءِ یٰلٰدِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمٰوٰتِ وَہِیْ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَاَلْاَرْضِ لِطِبَّاطُوْعًا وَاَوْکُرْہَا ۝ قَالَتَا اٰتِنَا طَآءِیْنًا ۝ فَقَضٰہُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمٍ مَّیْمَنٍ وَاُوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرًا ۝ وَذِیْنَا السَّمٰوٰتِ الدُّنْیَا بِصَآئِحِّہٖنَّ وَحِفْظًا ۝ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ فَاَنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صُعِقَةً مِّثْلَ صُعِقَةِ عَادٍ وَاَنْذَرْتُکُمْ ۝ تو عتبہ اچھل پڑا اور اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا اور آپ کو اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ خاموش ہو جائیں، وہ گھبر لوٹ آیا اور قریش کے پاس نہ گیا۔ ابو جہل اس کے پاس آیا پوچھا: کیا تو نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے؟ یا اس کا کھانا تجھے اچھا لگا ہے؟ تو عتبہ غضبناک ہو گیا اور قسم اٹھائی کہ وہ محمد سے کبھی بھی ملاقات نہیں کرے گا پھر کہا: اللہ کی قسم! تم جانتے ہو میں قریش سے سب سے زیادہ مالدار ہوں لیکن جب میں نے اس پر واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ کہانت ہے اور نہ ہی جادو ہے، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا تھا وہ اس پر تلاوت کیا صُعِقَةُ عَادٍ وَاَنْذَرْتُکُمْ ۝ تو میں نے اس کا منہ روکا اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ رک جائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ جب وہ کچھ کہتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا جنی صاعقہ نازل ہوگا نبی کریم ﷺ نے پڑھا صحیح فصلت یہاں تک کہ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا جبکہ عتبہ توجہ سے سن رہا تھا اس نے پشت کے پیچھے سے ہاتھوں پر سہارا لیا ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے قراءت کو ختم کیا تو اسے کہا: ابو ولید! تو نے وہ سن لیا ہے جو میں نے تجھ پر پڑھا ہے اب تو جو چاہے کر۔ عتبہ قریش کی مجلس میں ان کے پاس گیا انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید تمہارے پاس اس چہرے سے آ رہا ہے جس چہرے سے گیا نہیں تھا پھر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید کیا چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد سے ایسا کلام سن آیا ہوں جیسا کلام میں نے کبھی بھی کسی سے نہیں سنا تھا، اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں اور نہ ہی وہ کہانت ہے اس مسئلہ میں میری اطاعت کرو اور میرے کہنے پر اس کے ساتھ معاملہ کرو محمد اور اس کے معاملہ کو چھوڑ دو اس سے الگ تھلگ ہو جاؤ اللہ کی قسم! میں نے جو اس کا کلام سنا ہے اس کی شان ہے اگر عرب اس تک رسائی حاصل کر لیں تو تم غیروں کے ہاتھوں سے کافی ہو گے اگر وہ بادشاہ یا نبی ہو تو تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہے، اس کا شرف تمہارا شرف ہے انہوں نے کہا: دور ہو جا اے ابو ولید! محمد نے تجھ پر جادو کر دیا

ہے۔ ابو ولید نے کہا: یہ میری رائے ہے تم جو چاہو کرو۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ الْكُفْرِ مَتَانًا نُّعُوْذُ بِاللّٰهِ، اکنہ، کنان کی جمع ہے جس کا معنی ڈھکنا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے: مجاہد نے کہا: کنان دل کے لیے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیر کے لیے جنہ (جو تیر پر چڑھا دیا جائے) ہوتا ہے (1)۔ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقُفُوْا ہمارے کانوں میں گرانی ہے، تیرا کلام ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتا، ہمارے دل فہم سے پردہ میں ہیں وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے یعنی دین میں اختلاف ہے کیونکہ وہ جنوں کی عبادت کیا کرتے جبکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے، یہ معنی فراء اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پردہ جو قبول کرنے کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابو جہل نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور کہا: اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، یہ بات اس نے مذاق کے انداز میں کی: یہ بات نقاش نے کی اور زمخشری نے اسے ذکر کیا۔ یہاں حجاب سے مراد کپڑا ہے۔

فَاعْمَلْ اِنَّمَا عَلَيْكُمْ ۝ یعنی ہماری ہلاکت کا اہتمام کرو ہم تیری ہلاکت کا اہتمام کرنے والے ہیں (2): یہ کلمی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: تو اپنے اس الہ کے لیے سرگرم عمل رہ جس نے تجھے بھیجا ہے اور ہم اپنے معبودوں کے لیے کام کرتے رہیں گے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیرا دین جو تقاضا کرتا ہے وہ کر اور ہم وہ کریں گے جو ہمارا دین تقاضا کرے گا۔ پانچویں قول کا بھی احتمال ہے اپنی آخرت کے لیے کام کرو ہم اپنی دنیا کے لیے کام کریں گے (3): یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنْبَاِ الْهٰكُمِ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ
وَاسْتَغْفِرُوْا ۝ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرٌ مَّمْنُوْنَ ۝۳

”آپ فرمائیے: میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے، اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔“

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں انسان ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یوحٰی اِلٰی یعنی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (4)۔

اَللّٰمَ الْهٰكُمِ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ایک ہے اس پر ایمان لاؤ اور دعا کرتے وقت اور سوال کرتے وقت اس کی طرف متوجہ ہو وَاسْتَغْفِرُوْا اپنے شرک پر مغفرت طلب کرو۔

وَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت نہیں دیتے یہ نفس کی زکوٰۃ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ صدقہ نہیں کرتے اور اطاعت میں خرچ نہیں کرتے انہیں بغل پر شرم دلائی گئی ہے جس سے صاحب فضل لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ کافر کو اس کے کفر پر عذاب دیا جائیگا۔

فراء اور دوسرے علماء نے کہا: مشرک مال خرچ کرتے، حاجیوں کو پانی پلاتے، انہیں کھانا کھلایا کرتے تو وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے ان پر ان چیزوں کو مشرکین نے حرام کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
وَهُمْ بِالْأَخْذَةِ هُمْ كَفَرُونَ ۝ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے وہ اطاعت میں خرچ نہیں کرتے اور نہ ہی گناہوں پر بخشش طلب کرتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ مشرکین کے اوصاف میں سے زکوٰۃ کا انکار آخرت کے انکار کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے (1)؟ میں اس کا جواب دوں گا: انسان کو سب سے محبوب چیز اس کا مال ہوا کرتی ہے مال اس کی روح کا جزو اس کا ہے جب انسان اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ثابت قدم ہونے، اس کی استقامت، صدق نیت اور خلوص عمل پر دلیل ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھتا: وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْتِيتَانِ أَنْفُسِهِمْ (البقرہ: 256) اپنے نفسوں کو ثابت رکھتے ہیں اور اپنے مال خرچ کر کے اس کے ثبات پر دلائل قائم کرتے ہیں مولفہ قلوب (وہ کفار جن کو زکوٰۃ کا مال تالیف قلوب کے لیے دیا جاتا تھا) ان کے ساتھ تھوڑے سے دنیاوی مال پر تدبیر کی گئی جس سے ان کی رشتہ داری قومی ہو گئی اور ان کی طبیعتوں میں نرمی آ گئی، رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد مرتدین نے زکوٰۃ کے انکار کے لیے بی باہم تعاون کیا تو ان کے ساتھ جنگیں کی گئیں اور جہاد کیا گیا: اس میں مومنوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر براہینتہ کیا گیا ہے اور اس کے روکنے پر سخت ڈرایا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ روکنے کو مشرکین کی صفات قرار دیا گیا ہے اور آخرت کے انکار کے ساتھ اسے ملا یا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غَيْرُ مَمْنُونٍ کا معنی غیر مقطوع کیا ہے وہ ختم نہ ہوگا یہ مننت الحبل سے ماخوذ ہے جب تو اس کو کاٹ دے اسی معنی میں ذی الاصبغ کا شعر ہے:

إِنِّي لَعَتْرُكَ مَا بَابِي بِنْدِي غَلَقِي عَلَى الصَّدِيقِ وَلَا خَيْرِي بِمَمْنُونٍ (2)

تیری زندگی کی قسم! میرا دروازہ دوست پر کبھی بند نہیں ہوا اور نہ میرا احسان ختم ہوا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَتَرَى خَلْقَهَا مِنَ الرَّجْعِ وَالْوَقْعِ مَنِينًا كَأَنَّ أَهْبَاءَ

منین سے مراد الغبار المنقطع الضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے (1)؛ مقاتل نے کہا: اس میں نقص نہیں ہوگا اسی سے منون کا لفظ ہے کیونکہ موت انسان کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ زہیر نے کہا:

فَضْلُ الْجِيَادِ عَلَى الْخَيْلِ الْبَطَاءِ فَلَا يُعْطَى بِذَلِكَ مَنُونًا وَلَا نَزِقًا

جوہری نے کہا: اس کا معنی کاٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کا معنی نقص ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ۔ لیبید نے کہا:

غُبْنٌ كَوَاسِبٌ لَا يُسَبُّ طُعَامُهَا

مجاہد نے کہا: اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی احسان نہیں جتلا یا جائیگا۔ سدی نے کہا: یہ آیت اپاہج، مریضوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اطاعت بجالانے سے کمزور ہوئے تو ان کے لیے اتنا اجر لکھا جاتا رہے گا جتنا اجر ان کے لیے اس وقت لکھا جاتا تھا جب وہ عمل کیا کرتے تھے۔

قُلْ أَيْتُّكُمْ لَتَنكَفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا
ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۱۰ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا
أَقْوَامًا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۝ سَوَاءٌ لِّلسَّالِفِينَ ۝ ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَاللَّأَرْضَ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۝ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضَاهُنَّ
سَبْعَ سِنِينَ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۝ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا
بِصَابِغٍ ۝ وَحِفْظٍ ۝ ذَلِكُمْ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝۱۱

”آپ ان سے پوچھیے: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لیے مد مقابل وہ تورب العالمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے ہی بنائے ہیں زمین میں گڑھے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لیے۔۔۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آ جاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے خوشی سے یا مجبوراً، دونوں نے عرض کی: ہم خوشی خوشی (دست بدستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال، اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سارا نظام سب سے عالم سب کچھ جاننے والے (خدا کا) ہے۔“

قُلْ أَنتُمْ تَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ، ائنکم دو ہمزوں کے ساتھ ہے دوسرا ہمزہ بین بین ہے اور دو ہمزوں کے درمیان الف ہے اس کا معنی شرمندہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا تاکہ انہیں شرمندہ کیا جائے اور ان کے فعل پر تعجب کا اظہار کیا جائے معنی ہے تم کیوں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ یَوْمَيْنِ سے مراد اتوار اور سوموار ہے اَنَدَادًا کا معنی اضداد اور شریک ہیں وَجَعَلَ فِيهَاها ضمیر سے مراد زمین ہے، رداسی سے مراد پہاڑ ہیں۔ وہب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اسے پانی پر پھیلا دیا جبریل امین سے فرمایا: اے جبریل! اسے ایک جگہ ٹھہرا دو حضرت جبریل امین اترے اسے ایک جگہ روکا تو ہوا میں حضرت جبریل امین پر غالب آگئیں عرض کی: اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے میں تو اس میں مغلوب ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا۔

وَبَرَكَ فِيهَا یعنی اس زمین میں جو منافع پیدا کیے۔ سدی نے کہا: اس میں درخت اگائے وَقَدْ مَرَّ فِيهَا آقْوَاتُهَا سدی اور حسن بصری نے کہا: اہل زمین کے رزق اور ان کے مصالح مقرر فرمائے (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس میں نہریں، درخت اور چوپائے منگل اور بدھ کو پیدا فرمائے۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وَقَدْ مَرَّ فِيهَا آقْوَاتُهَا سے مراد ہے اس میں اس کے مکینوں کے رزق اور جو لوگوں کی معیشت کے مناسب چیزیں تھیں وہ پیدا کیں یعنی تجارت، درخت اور منافع ایک شہر میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو دوسرے شہر میں پیدا نہ کیں تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں سے تجارت کریں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کریں۔ عکرمہ نے کہا: یہاں تک کہ بعض ممالک ہیں وہ سونے کو نمک کے برابر خریدتے ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: وہ سابری (بڑھیا کھجور) سابور سے، بڑی چادریں ری سے اور دھاری دار چادریں یمن سے لیتے ہیں۔

فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ یعنی چار دنوں کی تکمیل میں، اس کی مثل ایک قائل کا قول ہے: خراجت من البصرة الى بغداد في عشرة أيام والى الكوفة في خمسة عشر يوماً (2) یعنی پندرہویں دن کے مکمل ہونے پر میں کوفہ پہنچا؛ یہ معنی ابن انباری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

سَوَاءٌ لِلشَّآءِ لِلشَّآءِ ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی ہے مکمل چار دنوں میں (3)۔ فراء نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے اس نے ان میں ان کی روزیاں پیدا کیں جن کا حصول محتاجوں کے لیے یکساں ہے؛ یہ قول طبری نے پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور یعقوب حضرمی نے پڑھا سواء للساثلین ابن قینقاع سے سواء مرفوع ہے نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے جو استواء کے معنی میں ہے یعنی استوت استواء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے جر، ایام یا اربعة کی صفت کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہے فی اربعة ایام مستویة تامة۔ رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر للساثلین ہے یا اس تقدیر کی بنا پر مرفوع ہے ہذا سواء للساثلین۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وہ ساثلین اور غیر ساثلین کے لیے برابر ہے یعنی زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ برابر ہے اس کے لیے جو سوال کرے اور اس کے لیے جو سوال نہ کرے اور وہ عطا فرماتا ہے جو سوال کرے اور جو سوال نہ کرے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ يَعْنِي آسْمَانَ كِي تَخْلِقُ كَا ارَادَهُ كِيَا اور اس كے درست كرنے كَا قصد كيا۔ اكثر اقوال كے مطابق استواء افعال كى صفت هے اس پر الله تعالى كَا يه فرمان دلالت كرتا هے: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ (البقرة: 29) اس كے بارے ميں بحث كذا رچكى هے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضيهما سے روايت نقل كى هے: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ يَعْنِي اس كَا امر آسمان كى طرف بلند هوا؛ يه حضرت حسن بصرى كَا قول هے۔ جس نے يه كها يه صفة ذاتيه زائده هے اس نے كها: ازل ميں اپنى صفات كَا قصد كيا ثم كَا لفظ ذكر كيا تو آسمان كو دخان كى صفت سے حالت كثافت منتقل كيا يه دھواں پانى كے سانس لينے سے پيدا هوتا تھا جس طرح سورة بقره ميں حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے منقول هے۔

فَقَالَ لَهَا وَ لِلْأَرْضِ انْتِ يَا طَوَّعًا أَوْ كَرِهًا يَعْنِي ميں نے تم دونوں سے جو منافع اور مصالح پيدا كيه تھے ان كو لے آؤ اور ميرى مخلوق كے ليے نكالو۔ حضرت ابن عباس رضيهما نے كها: الله تعالى نے آسمان سے فرمايا اپنے سورج، اپنے چاند اور اپنے ستاروں كو طلوع كرو اور اپنى هوا نيكىں اور بادل جارى كرو اور زمين سے فرمايا: اپنے درياؤں كو جارى كرو، اپنے درخت اور پھلوں كو نكالو راضى هو كر يا مجبور هو كر۔ دونوں نے جواب ديا: هم انھیں خوشى خوشى لے آئے ميں۔ كلام ميں حذف هے تقدير كلام يه هے اَتَيْنَا أَمْرًا، طَا يَعْنِي۔ ايك قول يه كيا كيا هے: اس امر سے مراد تسخير هے يعنى تم دونوں هو جاؤ تو وه هو گئے جس طرح الله تعالى كَا فرمان هے: اِنَّمَا قَوْلُنَا شَيْءٌ إِذَا آوَأْرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ لَنْ يَكُونَ ﴿١﴾ (النحل) اس تعبير كى بنا پر يه ارشاد الله تعالى نے ان كى تخليق سے پہلے كيا ان دونوں كو جو ارشاد فرمايا اس كى دو توجيہ ميں هیں: (1) يه ايسا قول هے جس كَا تكلم هوا۔ (2) يه الله تعالى كى جانب سے قدرت هے جو ان دونوں كے حق ميں ظاھر هوئى تو مقصد كو پانے ميں يه كلام كے قائم مقام هوگى؛ يه ماوردى نے ذكر كيا هے۔ قَالَتَا اَتَيْنَا طَا يَعْنِي ﴿١﴾ اس ميں بهى دو توجيہ ميں هیں: (1) جب انھوں نے اطاعت كى اور جواب ديا تو دونوں سے اطاعت ظاھر هوگى تو يه اطاعت ان كے قول كے قائم مقام هوگى؛ اسي معنى ميں راجز كَا قول هے:

امْتَلَأُ الْحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِي مَهْلًا رُوَيْدًا قَدْ مَلَأْتُ بَطْنِي

حوض بھر كيا اور كها: ميرے ليے كافي هے مہلت دو اور ميں نے اپنا پيٹ پھر ليا هے۔

يعنى اس ميں يه امر ظاھر هو كيا هے، اس نے قول نہيں كيا اكثر اهل علم لوگوں كى رائے هے الله تعالى نے دونوں ميں كلام كو پيدا كيا تو دونوں نے اس طرح كلام كى جس طرح الله تعالى نے اراده كيا تھا۔ ابو نصر سلكسى نے كها: وه كعبه مشرفه كى جگه سے گويا هوئى اور آسمان كى جو جگه اس كے مقابل هے وه وہاں سے گويا هوئى تو الله تعالى نے اس ميں اپنا حرم ركھ ديا (1)۔ فرمايا: طَا يَعْنِي، طاعتين نہيں فرمايا، لفظ كَا اعتبار كرتے هوئے اور نہ طائعات كها معنى كَا اعتبار كرتے هوئے كيونكه دونوں كئى آسمان اور زمين ميں هیں كيونكه خبر ان دونوں ميں جو كچه هے ان كے بارے ميں دى جارہى هے۔

ايك قول يه كيا كيا هے: جب ان كى صفت قول اور جواب دينے سے لگائى گئى جو ذوالعقول كى صفات هیں تو ضمير ميں بهى انھیں ذوى العقول كے قائم مقام ركھا كيا اس كى مثل سَأَأَيْتُهُمْ لِيُسْجِدُوا ﴿١﴾ (يوسف) يه بحث پہلے كذا رچكى هے۔ حديث طيبه

میں ہے: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر میں آسمان اور زمین کو جب یہ کہوں: اَتَبَا طَوْعًا او کرہا تو وہ تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ فرمایا: میں اپنے جانوروں میں سے ایک جانور کو حکم دوں گا تو وہ ان دونوں کو نگل جائے گا عرض کی: اے میرے رب! وہ دابہ (جانور) کہاں ہے؟ فرمایا: میری جہاگا ہوں میں سے ایک جہاگاہ میں عرض کی: وہ جہاگاہ کہاں ہے؟ فرمایا: میرے علم میں۔“ اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ نے اَتَبَا اور فِتْحَہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَتَّبِنَا طَائِرًا مَعْنٰی ہے تم دونوں اپنی جانب سے اطاعت پیش کرو۔ دونوں نے کہا: ہم نے خوشی خوشی اطاعت کی تو دونوں مفعول حذف کر دیئے گئے۔ اور یہ بھی جائز ہے اور یہ بہتر بھی ہے کہ اَتَّبِنَا فاعلنا کا وزن ہو تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ جس نے اَتَّبِنَا پڑھا ہے تو معنی ہوگا جو کچھ ہم میں تھا ہم اسے لے آئے جس طرح اس کی وضاحت کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

فَقَضَّيْنَهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ اَنہیں مکمل کیا اور ان سے فارغ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے انہیں پختہ کیا جس طرح کہا:

وَعَلَيْهِمَا مَسْرُودٌ تَانِ قَضَاهُمَا دَاوُدُ اَوْ صَنَعُ السَّوَابِغِ تَبَعُ

ان دونوں پر زریں ہیں جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے پختہ بنایا ہے۔

فِي يَوْمَيْنِ ان چار ایام کے علاوہ جن میں زمین کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ (یونس: 3) جس طرح اس کی وضاحت سورہ اعراف میں گذر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن ہزار سال کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزیوں کو پیدا کیا اور دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو اتوار اور سوموار میں پیدا کیا منگل اور بدھ میں اس کی روزیوں کو مقرر کیا، آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے روز آخری ساعت میں جلدی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی گھڑی میں قیامت برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور بھی پیدا کیا ہے وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا ہے مگر انسان اور جن نہیں ڈرتے، علماء تفسیر کا یہی نقطہ نظر ہے مگر امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا کیا (1)“ ہم نے اس کی سند کے بارے میں سورہ الانعام میں گفتگو کی ہے۔

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرًا فَتَادَہ اور سدی نے کہا: اس میں اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے اور افلاک پیدا کیے اور ہر آسمان میں اس کی مخلوق یعنی فرشتے اور اس میں اس کی مخلوق یعنی سمندر، اولوں اور برفوں کے پہاڑ پیدا کیے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں یہ گھر کعبہ کے مقابلہ میں ہے جو گھر آسمان دنیا میں ہے وہ بیت معمور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَاءٍ

أَمْرَهَا كَمَا مَعْنَى هُوَ اللَّهُ تَعَالَى نَعْنَى آسْمَانِ مِثْلِ جَسْمِ كَارَادِهِ كَمَا جَسْمِ كَالْحَكْمِ دِيَا اِيْحَاءَ سَعْمَادِ كَيْفِي اَمْرٍ هُوَا كَرْتَا هُوَ كَيْوَنَكَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هُوَ: بِإِنَّ رَبَّكَ أَوْ لَمْ يَلْهَأَ ۝ (الزلزلة) اللَّهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هُوَ: وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ (المائدة: 111) لَيْعْنِي مِثْلِ نَعْنَى اَنْهِي سَحْكَمِ دِيَا اَوْ رِيَا اَمْرٍ تَكْوِينِ هُوَ۔

وَزَيْنَاتِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِصَافِيحٍ مَصَابِيحٍ سَعْمَادِ اِيْ سَتَارِي سَتَارِي هُوَ جَوْرُوشِنِ هُوَ۔ اِيْ كَقَوْلِ يَهْ كَيْا كَيْا هُوَ: هَرَّ آسْمَانِ مِثْلِ رُوشِنِ سَتَارِي هُوَ۔ اِيْ كَقَوْلِ يَهْ كَيْا كَيْا هُوَ: بَلْ كَسَا سَعْمَادِ اِيْ سَتَارِي هُوَ جَوَّ آسْمَانِ دُنْيَا كَيْ سَا تَهْ خَا صِ هُوَ وَحِفْظًا اَسْ كِي تَقْدِيرِ كَلَامِ يَهْ هُوَ حِفْظُنَا هَا حِفْظًا لَيْعْنِي اِن شِيَا طِينِ سَعْمَادِ نَعْنَى اِن سَعْمَادِ اِيْ سَتَارِي هُوَ جَوْرُوشِنِ هُوَ۔ اِيْ سَتَارِي كَيْ سَا تَهْ جَو حِفَاظَتِ هُوَ يَهْ وَهِي هُوَ جَو شِيَا طِينِ كَوَا نِ كَيْ سَا تَهْ رَجْمِ كَيْا جَا تَا هُوَ جَيْسَا سُوْرَةُ حَجْرٍ مِثْلِ بِيَا نِ كَذَرِ چَكَ هُوَ۔ اَسْ اِيْتِ كَا ظَا هِرَا اَسْ اَمْرٍ پَر دِلَالَتِ كَرْتَا هُوَ كَهْ زَمِيْنِ كَوَا آسْمَانِ سَعْمَادِ اِيْ سَتَارِي هُوَ: اَمْرِ السَّمَاءِ ۝ (النازعات) پھر فرمایا وَالْاَرْضِ بَعْدَ ذَلِكَ دَخَمًا ۝ (النازعات) دحو، خلق سے مختلف چیز ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا پھر آسمانوں کو پیدا کیا پھر زمین کو پھیلا دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ إِذْ جَاءَتْهُمْ
الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۗ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا
لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَأِنَّا بِهِمْ مُرْسِلَتُهُمْ لَكُفْرًا وَنَ ۝ فَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۗ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ فَأَنْرَسَلْنَا عَلَيْهِمْ مَرِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ
نَحْسَاتٍ لِنَبْلِيَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْزَمِي وَ
هُم لَا يُنصَرُونَ ۝

”پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے یعنی (ہر طرف سے) یہ سمجھانے کے لیے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی کہ ہمیں کچھ سمجھائے تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق اور کہنے لگے: ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے زیادہ قوی ہے، اور وہ تو ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب، اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان

ان پر سواری کی جاتی ہے سخت ہو اور سردی میں۔

سدی نے کہا: سخت آواز (1)۔ اسی سے صر القلم والباب، یصر صریرا۔ جب قلم اور دروازہ آواز نکالے یہ جملہ کہا جاتا ہے: درہم صرّی وصرّی۔ جس کی آواز ہو جب اس کی چھان بین کی جائے۔ ابن سکیت نے کہا: صر صر جائز ہے کہ وہ صر سے ہو جس کا معنی ٹھنڈک ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صریر الباب سے مشتق ہو اور الصرّاة سے مشتق ہو جس کا معنی صیح ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَاقٍ (الذاریات: 29) صر صر، عراق میں ایک نہر کا نام ہے۔

فِي أَيَّامٍ نَّجَسَاتٍ مَنْحُوسٍ دُنُونٍ مِّنْ مَّجَاهِدٍ أَوْ قَتَادَةَ كَقَوْلِهِ - یہ سوال کے آخر میں ایک بدھ سے لے کر اگلے بدھ تک تھے یہی مراد ہیں سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ أَيَّامٍ حُصُومًا (الحاقہ: 7) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کسی قوم کو عذاب نہیں دیا گیا مگر بدھ کے روز ہی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَجَسَاتٍ کا معنی ٹھنڈے ہیں؛ نقاش نے یہ بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پے در پے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: سخت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غبار والا؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

قَدِ اغْتَدَى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ لِلصَّيْدِ فِي يَوْمٍ قَلِيلِ الشُّخْصِ (3)

وہ سورج کے طلوع ہونے سے قبل شکار کے لیے ایسے دن میں جا پہنچا جس میں غبار کم تھا۔

ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تین سالوں تک ان سے بارش کو روک رکھا اور ہوا میں بارش کے بغیر ان پر خوب چلیں ان میں سے ایک جماعت مکہ مکرمہ کی طرف نکلی تاکہ وہاں بندوں کے لیے دعا کریں۔ اس زمانہ میں جب لوگوں کو کوئی مصیبت آ پہنچتی تو وہ مکہ مکرمہ میں آ کر اللہ تعالیٰ سے کشادگی کو طلب کرتے ان کا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے بیت اللہ شریف کے پاس مکہ مکرمہ میں ہوتا وہ مسلمان ہوتے یا کافر ہوتے، مکہ مکرمہ میں کثیر لوگ جمع ہوتے جن کے دین مختلف ہوتے ہر ایک مکہ مکرمہ کی تعظیم کرتا وہ اس کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مرتبہ کو پہچانتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور تیس نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش کو نازل کرتا ہے اور زیادہ ہواؤں کو روک لیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے اور سخت ہواؤں کو ان پر مسلط کرتا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے نَجَسَاتٍ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نحوست والے، جو قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نخس مصدر ہے وہ یہ ہے فِي يَوْمٍ نَخْسٍ مُّسْتَوٍ (القمر) اگر یہ صفت ہوتا تو یوم کا لفظ اس کی طرف مضاف نہ ہوتا، ابو عمرو اپنی قراءت پر اسی آیت سے استدلال کیا کرتا تھا؛ ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابو عبید نے دوسری قراءت کو پسند کیا ہے کہا: ابو عمرو کی حجت صحیح نہیں کیونکہ اس نے یوم کے لفظ کو نخس کی طرف مضاف کیا ہے اور اس کی حاء کو ساکن کیا یہ دلیل تب ہوتی اگر یوم کو تنوین دی جاتی اور اس کی صفت لگائی جاتی اور اسے ساکن کیا جاتا اور وہ کہتا: فی یوم نخس یہ قراءت کسی نے بھی نہیں کی

جس کو ہم جانتے ہوں۔ مہدوی نے کہا: نخس میں اسکان ہی سنا گیا ہے۔

جوہری نے کہا: فی یوہ نخس میں اسے صفت کے طور پر پڑھا گیا ہے جبکہ اضافت بہت زیادہ اور عمدہ ہے قد نخس الشق فہو نخس شاعر نے کہا:

أبِدْجُ جَزَامَا وَلَنْخَا أَنْ إِخْوَتَهُمْ طَيًّا دِبْهَرَاءَ قَوْمِ نَصْرِهِمْ نَحْسِ
جزام اور لخم کو خبر پہنچا دو ان کے بھائی طی اور براء ایسی قوم ہیں جن کی مدد غبار والے دن نے کی۔
اسی معنی میں ہے آيَاہِ نَحْسَاتٍ ہے۔

لَئِنْ يَقُمُّ تَاكِهِمْ أَنْ كُفَّحَا كَيْمِ - عَذَابُ الْخُزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِعِنِّي بَانَجْهُ هُوَا كَيْ سَا تَهْ وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى
آخرت کا عذاب بڑا اور شدید ہوگا۔

وَ أَمَّا شَوْدُ فَهَدَىٰ يُنْهَمُّ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَآخَذَتْهُمْ سَعِيقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٠٠﴾ وَ نَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَشْكُونَ ﴿١٠١﴾

”باقی رہے شمو تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کر توتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے۔“

وَ أَمَّا شَوْدُ فَهَدَىٰ يُنْهَمُّ یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور دوسرے علماء نے اماشمود نصب کہ ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔ ابو العالیہ نے کہا: انہوں نے وضاحت پر اندھے پن کو پسند کیا۔ سدی نے کہا: معصیت کو اطاعت پر پسند کیا (1)۔

فَآخَذَتْهُمْ سَعِيقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ، الہون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔ ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن معمر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ اہانہ اس کو حقیر و خفیف جانا اس کا اسم ہوان اور مہانہ ہے۔ صاعقہ کو عذاب کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو۔ گویا فرمایا: مہلک العذاب یعنی ایسا عذاب جو مہلک ہے ہون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی اہانہ ہے اور اہانہ کا معنی عذاب ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی صفت بنا دیا جائے گویا کہا: صاعقۃ الہون وہ تیرے اس قول کی طرح ہے: عندی علم الیقین اور عندی العلم الیقین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہون، دون کی طرح ایک اسم ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: عذاب ہون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے جس طرح فرمایا: مَا لِهَؤَالِي الْعَذَابِ الْهُونِ ﴿١٠١﴾ (سبا) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسے عذاب کا صاعقہ جو ذلت والا ہے ہما کالوا

يَكْسِبُونَ ۝ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اونٹنی کی کوچیں کٹی تھیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔
وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا لَعْنَةُ حَضْرَتِ صَالِحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُورِ جَوَائِمَانِ لَائِي تَحِي لَعْنِي هِي هِي نِي كَفَارِي سِي مَتَازِ كَرْدِيَا اِنِ پَرِ
وہ عذاب نازل نہ ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا، اے محمد! سنی اللہ علیہم ہم تیری قوم کے مومنوں اور ان کے کافروں کے ساتھ یہی
معاملہ کریں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ
عَلَيْهِمْ سَبْعُهَا وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا جُودِهُم لِمَ
شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۚ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ
وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

”اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھروہ
گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے تو (حساب
شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس
کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں
دی۔ وہ کہیں گے: (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی
نے تمہیں پیدا کیا تا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔“

نافع نے نحشانون کے ساتھ پڑھا ہے اور اعداء کو نصب دی ہے باقی قراء نے يُحْشَرُ ياء مضموم کے ساتھ پڑھا ہے
أَعْدَاءُ مرفوع ہے دونوں کا معنی واضح ہے۔ أَعْدَاءُ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے امر کی
مخالفت کی فَهُمْ يُوزَعُونَ انہیں ہانکا جائے گا اور جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: پہلوں کو انکے آخری
افراد پر روک لیا جائیگا یہاں تک کہ وہ جمع ہو جائیں گے۔ ابو احوص نے کہا: جب تعداد مکمل ہو جائے گی تو جرم کے اعتبار سے
سب سے بڑے پھر اس کے بعد بڑے کا آغاز کیا جائے گا يُوزَعُونَ کے بارے میں گفتگو سورہ النحل میں مفصل گذر چکی ہے۔
حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَبْعُهَا وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَا فِي مَازَانِهِ
ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چمڑے بذات خود ان پر گواہی دیں گے۔ سدی اور عبید اللہ بن ابی جعفر اور فراء نے کہا:
جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ ایک ادیب نے عامر بن جوہر کا شعر پڑھا:

البرءُ يسعى للسلامة والسلامة حسبه

أو سالم من قد تثنى جلداه واهيض رأسه

وَقَالُوا لَعْنَةُ كَفَارِ نِي كَبَا لِي جُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا تَم تَهَارِي جَانِبِ سِي جَهْرًا كَبَا كَرْتِي تَحِي تَوَقَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ

الذی بئى ألقی کل شیء انہوں نے کہا: اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا: جب انہوں نے خطاب کیا اور انہیں خطاب کیا گیا تو انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی پہلے تم نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر زندگی پیدا کر دی جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ چمڑے اور دوسرے اعضاء کو گویا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام کا آغاز ہے۔

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے تو آپ نے، پوچھا گیا: ”کیا تم جانتے ہو میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟“ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: ”بندے کے اپنے رب سے خطاب کی وجہ سے ہنسا ہوں۔ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرتا ہے: میں اپنے خلاف کسی کو گواہ بننے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تیری ذات تیرے خلاف گواہ ہوگی اور کرانا کا تین تیرے خلاف گواہ کافی ہوں گے فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء کو کہا جائیگا: تم بولو، تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں گفتگو کریں گے پھر اسکے اور اس کی گفتگو کے درمیان رکاوٹ ختم کر دی جائے گی تو وہ کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو، میں اس لیے تمہاری حفاظت کیا کرتا تھا“ (۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے پھر کہا جائیگا: ”اب ہم اپنا گواہ تیرے خلاف پیش کرتے ہیں وہ دل میں سوچے گا کون میرے خلاف گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کی ران، اس کے گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائیگا: بول، اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں گفتگو کریں گی یہ اس لیے ہوگا کیونکہ اس نے بکثرت گناہ کیے ہوں گے وہ منافق ہوگا اور یہی وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا (۲)“ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِيرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ
وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ
مِنْ رَبِّكُمْ أَنْزَلْنَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۱﴾ فَإِنْ يَصِدُّوا فَالْأَنفُسُ مَشْؤَىٰ لَهُمْ ۗ وَإِنْ
يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۱۲﴾ وَقَفَّضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا فَرَّيْتُمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ
أَيُّدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَشَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمِّهِمْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ
وَالْإِنْسِ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۳﴾

”اور تم چہپا نہیں سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو

جو تم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔ اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گذر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے وہ سب (اگلے اور پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے۔“

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ يَوْمَ تَشْعُرُونَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ يَوْمَ تَقُولُونَ مَا كُنْتُمْ تُسَمِعُونَ وَإِنْ كُنْتُمْ تُسَمِعُونَ مَا كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ وَإِنْ كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ مَا كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ وَإِنْ كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ مَا كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ

اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا قول ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس تین افراد جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی۔ ان کے دلوں میں فہم کم تھا اور پیٹوں کی جڑ بی بہت زیادہ تھی ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم خفیہ طریقہ سے بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: جب ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے پھر جب ہم مخفی طریقہ سے بات کریں گے تب بھی وہ سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1): وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ وَإِنْ كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ مَا كُنْتُمْ تُبْصِرُونَ

تین آدمی اکٹھے ہوئے پھر حرف حرف اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہناد، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ عمارہ بن عمیر سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہا حضرت عبداللہ نے کہا: میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے پردوں سے چھپائے ہوئے تھا کہ تین افراد آئے ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے اور دانش کم تھی ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد قریشی تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب ہم اپنی آوازیں بلند کریں تو وہ سن لیتا ہے اور جب ہم اپنی آوازوں کو بلند نہ کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری گفتگو سے کچھ سنتا ہے تو وہ تمام کچھ سن لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ①

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ مَا صَبَحْتُمْ مِنَ الْخُسُوفِ ② کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: ثقفی عبد یلیل تھا اور اسکے داماد ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔

تَسْتَشِرُونَ کا اکثر علماء کے نزدیک معنی ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی جسے اپنے نفوس سے چھپاتے ہو کہ اعضاء تمہارے

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وذا لکم ظنکم، جلد 2، صفحہ 713

2- جامع الترمذی، باب دمن سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر 3171-3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خلاف گواہی نہ دیں کیونکہ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے نفس سے کوئی عمل چھپا سکے پس استخفاء، معصیت کو ترک کرنے کے معنی میں ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: استتار، اتقاء کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے والے نہیں کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف کوئی گواہی دیں گے تو تم اس شہادت کے خوف سے معاصی کو ترک کر دو؛ یہ معنی مجاہد نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ یعنی تم گمان نہیں رکھتے کہ وہ کہے میں نے حق کو سنا اور میں نے یاد نہیں رکھا اور میں نے وہ بات سنی جو معاصی میں سے تھی اور سننا جائز نہ تھی وَلَا أَبْصَارُ كُمْ یعنی وہ کہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھا اور میں نے عبرت حاصل نہ کی اور میں نے ایسی چیز کو دیکھا جو جائز نہ تھی وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ لیکن تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو نہیں جانتا جنہیں تم جانتے ہو پس تم اس بات پر جھگڑتے ہو یہاں تک کہ تمہارے اعضاء تمہارے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔

بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم ﷺ سے اَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعَكُمْ وَلَا أَبْصَارَكُمْ وَلَا جُلُودَكُمْ کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں ”قیامت کے روز تمہیں بلایا جائیگا تمہارے منہوں میں فدام (جانور کے منہ پر ایسی چیز چڑھانا کہ وہ چہ نہ سکے) چڑھایا گیا ہوگا انسان کے اعمال کے بارے میں سب سے پہلے جو چیز وضاحت کرے گی وہ اس کی ران اور پتھلی ہوگی“۔ عبد اللہ بن عبد الاعلیٰ شامی نے کہا اور خوب کہا:

العُضْرُ يَنْقُصُ وَالذُّنُوبُ تَزِيدُ وَتُقَالُ عَثْرَاتُ الْفَتَى فَيَعُودُ
هَلْ يَسْتَطِيعُ جُحُودَ ذَنْبٍ وَاحِدٍ رَجُلٌ جَوَارِحُهُ عَلَيْهِ شُهُودُ
وَالرَّءُ يُسَالُ عَنِ سِنِيهِ فَيَسْتَهِي تَقْلِيلَهَا وَعَنِ السَّمَاتِ يَجِيدُ

عمر کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں نوجوان کی لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور واپس لوٹتا ہے۔ کیا کوئی انسان کسی ایک گناہ کے انکار کی طاقت رکھتا ہے جبکہ اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ انسان سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ کمی کی خواہش کرتا ہے اور موت سے پہلو تہمی کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار، نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: ”کوئی دن جو انسان پر آتا ہے نہیں ہے مگر وہ اعلان کرتا ہے اے انسان! میں نئی مخلوق ہوں جو کچھ تو کرے گا میں کل تیرے خلاف اس پر گواہ ہوں گا مجھ میں اچھا عمل کر میں کل تیرے حق میں گواہی دوں گا اگر میں ایک دفعہ گزر گیا تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے (1)“۔ ابو نعیم حافظ نے اسے ذکر کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ”التذکرۃ“ میں زمیں، راتوں، دنوں اور مال کی شہادت کے بارے میں کیا ہے۔ محمد بن بشیر نے کہا اور خوب کہا:

مَضَى أَمْسُكَ الْأَذَى شَهِيدًا مَعْدَلًا وَيَوْمَكَ هَذَا بِالْفِعَالِ شَهِيدًا

فَإِنْ تَكَ بِالْأَمْسِ اقْتَرَفْتَ إِسَاءَةً فَتَنْ بِإِحْسَانٍ وَأَنْتَ حَسِيدٌ
وَلَا تُزِجُ فِعْلَ الْخَيْرِ مِنْكَ إِلَى غِيٍّ لَعَلَّ غَدًا يَأْتِي وَأَنْتَ قَقِيدٌ

تیرا قریبی کل گذر گیا جو ایسا گواہ ہے جس کو عادل قرار دیا گیا ہے تیرا یہ دن اعمال پر گواہی دینے والا ہے اگر تو نے گذشتہ کل برا عمل کیا ہے تو دو گنا احسان کر جبکہ تو، جمود ہے۔ اچھے عمل کو کل تک موخر نہ کر ممکن ہے کل آئے اور تو نہ ہو۔

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَسْرَابُكُمْ يَعْنِي تَمَهِيں هَلَاكُ كَرَدِے اور تَمَهِيں جَهَنَّمَ مِیں دَاخِل كَرَدِے، قَادِه نے كَمَا: يَهَا ظَنُّ كَالْفِظِ عِلْمِ كِے مَعْنَى مِیں هِے نَبِى كَرِيمٌ ﷺ نے اَرشَاد فرمایا: لَا يَمُوتُ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يَحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ فَإِنَّ قَوْمًا أَسَاءَ وَالظَّنَّ بِرَبِّهِمْ فَأَهْلِكُمْ تَمَّ مِیں سِے كُوْنِى آدِى نِه مَرِے مَگروه اللّٰه تَعَالَى كِے بَارِے مِیں حَسَن ظَنُّن رَكْهَتَا هُوَا كَر كُوْنِى قَوْمِ اِپْنِے رَبِّ كِے بَارِے مِیں سُوء ظَنُّن رَكْهَے تُوُوهُ اَنهِيں هَلَاكُ كَرَدِے كَا۔ اللّٰه تَعَالَى كِے فَرْمَانِ وَ ذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَسْرَابُكُمْ كَا يَهِي مَطْلَب هِے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا: کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آرزوؤں نے غافل کر دیا ہے (1) یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلے تو ان کے لیے کوئی نیکی نہ تھی ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور وہ جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا تو حسن عمل کرتا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ وَ ذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَسْرَابُكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَادِه نے كَمَا: جُو آدِى يِه طَاقت رَكْهَتَا هُوَا كَر مَرِے تُو اِپْنِے رَبِّ كِے سَاتْھ حَسَن ظَنُّن رَكْهَتَا هُو تُوُوهُ اِيسَا كَرِے كِيُوْنَكِه كَمَا نِ دُو طَرْحِ كِے هِيں اِيك ظَنُّن نَجَاتِ دِيْتَا هِے اُو ر اِيك ظَنُّن هَلَاكُ كَر تَا هِے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بدکاریاں کرتے رہے تھے اور ان سے توبہ نہ کرتے تھے، وہ مغفرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے مفلس کی حیثیت سے نکلے پھر اس آیت کو پڑھا: وَ ذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَسْرَابُكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۰﴾۔

فَإِنْ يُصِبرُوا وَقَالُوا لَنَا مَشْوَى لَهُمْ أَگروه دُنْيَا مِیں جَهَنْمِيُوں كِے اَعْمَالِ پَر صَبْر كَر تِے رِهے تُو اِن كَا تُهْكَا نِه جَهَنَّمَ هُو كَا اِس كِى مِثْلِ اللّٰه تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هِے: فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۰﴾ (بقرہ) جس طَرْحِ يِه بَحْثِ پَهْلِے كَر رَكْھِي هِے۔ وَإِنْ يَسْتَعْتَبُوا أَگَر دُنْيَا مِیں رِضَا اِلَهِي كِے طَالِبِ هُو تِے جَبَكِه وَهُ اِپْنِے كَفْرِ پَر قَائِمِ هُو تُو اَنهِيں اللّٰه كِى رِضَا نَصِيْبِ نِهِيں هُو كِى۔ اِيك قَوْلِ يِه كِيَا گِيَا هِے: أَگروه جَهَنَّمَ مِیں صَبْر كَرِيں يَا وَهُ جَزَعُ فَزَعُ كَرِيں تُو جَهَنَّمَ هِي اِن كَا تُهْكَا نِه هِے اِس سِے بَحْثِ كِى كُوْنِى صَوْرَتِ نِهِيں جَزَعُ پَر اللّٰه تَعَالَى كَا يِه فَرْمَانِ دِلَالَتِ كَر تَا هِے: وَإِنْ يَسْتَعْتَبُوا كِيُوْنَكِه مَسْتَعْتَبُ جَزَعُ كَر تَا هِے اُو ر مَسْتَعْتَبُ اِس سِے كِه تِے هِيں جِس كِى جَزَعُ قَبُولِ هُو، نَابِغِه نے كَمَا:

فَإِنْ أَنْ مَظْلُومًا فَعَبْدٌ فَلَنْتَهُ وَإِنْ تَكَ ذَاعْتَبِي فَبَشَكَ يُعْتَبُ

اگر میں مظلوم ہوں تو ایسا بندہ ہوں جس پر تو نے ظلم کیا اگر تو رضا والا ہے تو تیری مثل ہی ناراضگی کا سبب دور کرتا ہے۔

یعنی تیری مثل ہی وہ ذات ہے جو صالحیت کو قبول کرتی ہے اور مراجعت کو قبول کرتی ہے جب اس سے اس کا سوال کیا جائے۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ہے محبت سے خطاب کرنا اور ناراضگی کا ذکر کرنا تو کہتا ہے: عاتبتہ معاتبۃ۔ میں نے اس سے ناراضگی اور محبت کے ساتھ اظہار کیا یہ کہا جاتا ہے: بینہم اعتوبۃ یتعاتبون بہا۔ یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: اذا تعاتبوا اصدح ما بینہم العتاب اعتبنی فلان، جب وہ ناراضگی سے میری خوشی کی طرف لوٹا۔ اس سے اسم عتبی آتا ہے اس سے مراد جس پر عتاب کیا جا رہا تھا وہ اس امر کی طرف لوٹا جس سے عتاب کرنے والا راضی ہوتا ہے۔ استعتب اور اعتب کا معنی ایک ہی ہے۔ استعتب کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے رضامندی کا مطالبہ کیا تو کہتا ہے: استعتبتہ فاعتبنی میں نے اسے راضی کرنا چاہا تو اس نے مجھے راضی کر دیا۔ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا مَعْنٰی ہے انہوں نے رضا کو طلب کیا تو اس طلب نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بلکہ ان کے لیے جہنم ضروری ہے۔ تفاسیر میں یہ معنی لکھا ہوا ہے اگر وہ اپنے رب سے بخشش کے طالب ہوں گے تو وہ بخشے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے (1)۔ عبید بن عمیر اور ابو العالی نے اسے پڑھا ان یُسْتَعْتَبُوا یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ۝ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرف لوٹا دے تب بھی وہ اس کی اطاعت والے عمل نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ بد بخت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام: 28) یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلب نے کہا: جب وہ ناراض ہو تو کہا جاتا ہے اعتب، جب وہ راضی ہو تو کہتے ہیں اعتب (2)۔

وَقِيضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا نَقَّاشًا نے کہا: ہم نے ان کے لیے شیاطین کو تیار کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان پر ایسے شیاطین مسلط کر دیے ہیں جو ان کے ہاں معاصی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں یہ جنوں، شیاطین اور انسانوں میں سے قرناء ہوں گے یہ کہا جاتا ہے: قیض اللہ فلانا بفلان۔ وہ اس کے پاس سے لایا اور اس نے اس کے لیے قصد کیا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقِيضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کو مقرر کیا جس طرح میں اسے طلب کرتا تھا قیض کا معنی بدل دینا ہے اسی سے مقایضہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قايضت الرجل مقايضة یعنی میں نے اس کے ساتھ سامان کے ساتھ مبادلہ کیا۔

فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ، مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد امور دنیا ہیں ان شیاطین نے اسے ان کے لیے مزین کیا یہاں تک کہ اسے آخرت پر ترجیح دی و مَا خَلَفَهُمْ ان کی موت کے بعد مزین کیا اور انہیں امور آخرت کی تکذیب کی طرف دعوت دی؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قِيضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا یعنی جہنم میں فَزَيَّنُوا لَهُمْ دُنْيَا میں ان کے اعمال کو مزین کیا معنی ہے ہم نے ان پر مقرر کیا کہ ایسا ہوگا اور ہم نے ان کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اقران کا محتاج کر دیا یعنی ہم نے فقیر کو غنی کا محتاج کر دیا تاکہ وہ اس سے لے اور غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا ہے تاکہ وہ اس سے مدد لے تو ان میں سے بعض نے بعض کے لیے معاصی کو مزین کیا و مَا خَلَفَهُمْ کا عطف مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ پر نہیں بلکہ معنی ہے انہوں نے آخرت کو ان سے بھلا دیا، اس میں اضمار ہے۔ حضرت ابن عباس

بنی بنیہ نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہے ان کا امور آخرت کو جھٹلانا اور وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے دنیا میں رغبت دلانا۔ زجاج نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہے جو انہوں نے اعمال کیے (1) وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے انہوں نے جن اعمال کا ارادہ کیا۔ مجاہد کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے گناہ کیے اور وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد جو ان کے بعد عمل کیا جاتا رہا۔

وَحَقٌّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ ان پر عذاب ثابت ہو گیا جو عذاب ان سے قبل امتوں پر ثابت ہوا تھا جو کافر ہوئے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي أُمَمٍ کے معنی میں ہے معنی ہوگا وہ کافر امتوں کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان سے قبل ہوئیں ایسے امور میں جن میں وہ داخل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي أُمَمٍ، فی جملة أمة کے معنی میں ہے اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

إِنْ تَكُ عَنْ أَحْسَنِ الصَّنِيعَةِ مَا فُوكَا فِى آخِرِينَ قَدْ أَفَكُوا

شاعر یہ ارادہ کرتا ہے تو آخرین کے زمرہ میں ہے تو کوئی اکیلا نہیں۔ فِي أُمَمٍ محل نصب میں ہے عَلَيْهِمُ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حق علیہم القول کائناتین فی جملة أمة۔

إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿٥﴾ دنیا میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے اور قیامت کے روز اپنی ذاتوں اور اہل میں خسارہ اٹھانے والے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْعَوْا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

فَلَنذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارِ لَّهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءُ بِيئَا كَانُوا

بِأَيْتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذِينَ أَضَلْنَا مِنَ الْجِنِّ

وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُمَاتُحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَّا سَاقِلِينَ ﴿٩﴾

”اور کہنے لگے وہ کافر: مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس

طرح غالب آ جاؤ۔ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب کا مزہ اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس

(نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ، ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ

ٹھہرنے کا گھر ہے، یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے:

اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں

روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے۔“

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالنُّغْوَا فِيهِ جَبَّ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْمٍ هُودٍ، قَوْمٍ صَالِحٍ أَوْ دُوسَرٍ لَوْ كُؤِ كِي كَفَرُوا ذِكْرِيَا تَوْ قَرِيْشِ كِي مَشْرِكِيْنِ كِي بَارِي فِي خَبْرُوِي اؤر يِي بَتَا يَا كِي اُنْهُؤِي نِي قُرْآنِ كُو جَبْطَلَا يَا اؤر كَبَا: لَا تَسْمَعُوا۔ اِيك قَوْل يِي كِيَا كِيَا هِي: لَا تَسْمَعُوا كَا مَعْنَى هِي تَمِ اطَاعَتِ نِه كُرُو يِي جَمْلِه كَبَا جَاتَا هِي: سَمِعْتُ لَكَ، يِعْنَى مِي نِي تِيرِي اطَاعَتِ كِي وَالنُّغْوَا فِيهِ حضرت ابن عباس رضيهما نِي كَبَا: ابو جهل نِي كَبَا جَبْ حضرت محمد مني نبيهم قرآن پڑھيس تو اس كِي سانسِي چينخنا چلانا شروع كر ديا كُرُو تَا كِه وَه جُو كُچھ كَبُر هِي هِي اسِي نِه سَمَجَا جَا سَكِي۔ اِيك قَوْل يِي كِيَا كِيَا هِي: جَبْ قُرْآنِ نِي اُنْهُؤِي عَاجِزْ كُرُو يَا تَهَا تُو اسِ وَقْتِ اُنْهُؤِي نِي كَبَا: مَجَاهِدِ نِي كَبَا: شُؤرِ مَجَانِي، سِيئَا يَا جَبَانِي اؤر كُفْتَلُو مِي خَلَطِ مَلَطِ كُرُنِي كَا مَطْلَبِ يِي هِي كِه وَه اِنُّو بُو جَا يِي (1)۔

ضْحَاكِ نِي كَبَا: زِيَادِه كُفْتَلُو كِيَا كُرُو تَا كِه جُو كُچھ وَه كَبِيْسِ وَه خَلَطِ مَلَطِ بُو جَا يِي۔ اِبُو الْعَالِيِه اؤر حضرت ابن عباس رضيهما نِي يِي كَبَا هِي: اسِ مِي عِيْبِ لُكَؤُ۔

لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ⑤ مَكْنِ هِي تَمِ مُحَمَّدِ مَنِي نَبِيهِمْ كِي قِرَاءَتِ پَرِ غَالِبِ آجَاؤِ نِه وَه لَوْ كُؤِي پَرِ غَالِبِ آيِي كَا اؤر نِه وَه دِلُو كُو مَآكِلِ كُرِي كَا۔

عِيْسَى بِنِ عَمْرِ جَمْدِ رِي، اِبْنِ اِبِي اسْحَاقِ، اِبُو حِيؤِه اؤر بَكْرِ بِنِ حَبِيْبِ سَبِي نِي اَسِي وَالنُّغْوَا پُڑْهَا هِي يِي لَعَالِي لَعُو كِي اِيكِ لَغْتِ بِي۔ جَمَاعَتِ كِي قِرَاءَتِ لَعْنِي يَنْدَنِي مَبْدُوِي نِي كَبَا: وَالنُّغْوَا فِيهِ كَا مَعْنَى هِي اسِ كَا سَامِنَا اِيكِي كَلَامِ سِي كُرُو جُو سَمَجْه نِه آتِي هُو۔ يِي بَهِي كَبَا جَاتَا هِي لَعُو تِ، اَلنُّغْوَا اَلنَّغْنِي لَعْنِي، يَنْدَنِي۔ يِي تِنِي لَغْتِيْسِ هِي۔ لَعُو كَا مَعْنَى سُوْرَه بَقْرَه مِي كُذْرِ چَكَا هِي۔ لَعُو اَسِي كَبْتِي هِيْسِ جَسِ كِي حَقِيْقَتِ كَا عِلْمِ نِه هُو۔

فَلَنذِيْقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا يِي بَحْثِ پَهْلِي كُذْرِ چَكِي هِي كِه ذَوْقِ مَحْسُوسِ هُوَا كُرْتَا هِي۔ عَذَابِ شَدِيْدِ كَا مَعْنَى يِي هِي جُو پِي دَرِ پِي هُو مَنَقَطْعِ نِه هُو اِيكِ قَوْل يِي كِيَا كِيَا هِي اسِ سِي مَرَادِ تَمَامِ اِجْزَاءِ مِي عَذَابِ هِي۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرًا الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥ يِعْنَى هِي اَخْرَتِ مِي اِنِ كِي اِنِ بَرِي اَعْمَالِ كِي اِجْزَاءِ يِي كِي جُو عَمَلِ وَه دُنْيَا مِي كُرْتِي رِي هِي۔ اؤر اَعْمَالِ مِي سِي سَبِ سِي بَرَا شَرِكِ هِي۔

ذَلِكَ جَزَاءُ آءِ آءِ اللّٰهِ الْقَاتِرَةِ يِعْنَى وَه عَذَابِ شَدِيْدِ اللّٰهِ تَعَالَى كِي ذَشْمَنُو كِي اِجْزَاءِ هِي۔ پَهْرِ اللّٰهِ تَعَالَى نِي اِسِ كِي وَضَاحَتِ الْقَاتِرَةِ سِي كِي۔ حضرت ابن عباس رضيهما نِي اَسِي ذَلِكِ اِجْزَاءِ اَعْدَاءِ اللّٰهِ النَّارِ دَارِ الْخُلُوْدِ پُڑْهَا هِي دَارِ كُو النَّارِ سِي تَعْبِيْرِ كِيَا يِي اِيْتِ كَا مَعْنَى هِي ذَلِكِ مَبْتَدَا هِي اؤر اِجْزَاءِ اِسِ كِي خَبْرِ هِي النَّارِ، اِجْزَاءِ سِي بَدَلِ هِي يَا مَضْمُرِ مَبْتَدَا كِي خَبْرِ هِي اؤر جَمْلِه پَهْلِي جَمْلِه كِي بِيَانِ كِي عَمَلِ مِي هِي۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَه جَهَنَّمِ مِي يِي بَاتِ كُرِيْسِ كِي۔ اَسِي مَاضِي كِي لَفْظِ كِي سَاتَهْ ذِكْرِ كِيَا مَرَادِ مَسْتَقْبَلِ هِي رَتَبَتَنَا اَرِيْنَا الَّذِيْنَ اَصْلُنَا مِنْ الْجِيْنِ وَالْاِنْسِ، الَّذِيْنَ سِي مَرَادِ الْبَلِيْسِ اؤر حضرت آدم عليه السلام كَا وَه مِيثَا هِي جَسِ نِي اِنِي بَهَائِي كُو قَتْلِ كِيَا؛ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اؤر دُوسَرِي اَعْلَمَا سِي يِي مَرُوِي هِي اِسِ قَوْلِ كِي تَا نِيْدِ حَدِيْثِ مَرْفُوعِ كُرْتِي هِي مَآمِنِ مُسْلِمِ

يُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَىٰ ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كَفَلٍ مِنْ ذَنْبِهِ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (1) جو مسلمان بھی ظلماً کسی کو قتل کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے گناہ کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے قتل کیا تھا۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِينَ اسْمُ مَوْصُولٍ تَشْنِيذٌ كَرِيهٌ مَكْرَمٌ رَأْدٌ جَنَسٌ هُوَ كَيْونَكَ دُونِ جَنَسٍ مُخْتَلَفٍ هِيَ۔ نَجَعَلَهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَ نَامِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٥﴾ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ ان سے شفا حاصل کریں کہ انہیں اپنے قدموں کے نیچے رکھیں اِلَّا سَفَلِينَ سے مراد ہے کہ وہ سب سے نچلے گڑھے میں ہوں۔ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ اس کے لیے عذاب کو کئی گنا کر دے جو جن وانس میں سے ان کی گمراہی کا سبب بنا تھا۔ ابن محیصن اور سوسی نے ابو عمرو، ابن عامر، ابو بکر اور مفضل نے اسے اُزناً پڑھا ہے یعنی راء ساکن ہے۔ ابو عمرو نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے باقی نے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ سورہ اعراف میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٥﴾ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٦﴾ نَزَّلْنَا مِنْ عَفْوَ بَرٍّ رَاحِمٍ ﴿٧﴾

”بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دینیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ مہربانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے۔“

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا عَطَا نِي حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اس کی وجہ یہ بنی کی مشرکین نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں تو انہوں نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا رب وحدہ لا شریک ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فرمایا: ”لوگوں نے یہ کہا پھر ان میں سے اکثر نے کفر کیا جو اس پر مر گیا تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔“ کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس آیت کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق،

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، ما جاء في الدال، جلد 2، ص 92

2۔ ایضاً، باب ما جاء الدال على الغيور كقاعده، حدیث نمبر 2597، ضیاء القرآن، پہلی کیشنز 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ سجدہ، جلد 2، ص 157

حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم سے معنی مروی ہے۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سننہذا یتیم مجھے اسلام میں ایک ایسی نصیحت کریں کہ آپ سننہذا یتیم کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں (1)۔ فرمایا: ”کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کا اظہار کر“۔ ترمذی نے اس کا اضافہ کیا ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس چیز کے بارے میں آپ مجھ پر زیادہ خوف کھاتے ہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ سننہذا یتیم نے اپنی زبان پکڑی فرمایا: ”یہ“ (2) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ لَمْ اسْتَقَامُوا کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ اسود بن بلال نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تم ان دو آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا اٰرٰتُنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ انہوں نے جواب دیا: انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور گناہ نہ کیے اور اپنے ایمان کو خطا کے ساتھ خلط ملط نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اسے ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو اس کا معنی نہیں ہے قَالُوْا اٰرٰتُنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مراد ہے وہ کسی اور الہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ (الانعام: 82) انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طریقہ پر قائم رہے پھر انہوں نے لومڑی کے مکر جیسے مکر نہ کیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے پھر انہوں نے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے فرائض ادا کیے۔ تابعین کے اقوال بھی اسی معنی میں ہیں۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر پر مستقیم رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا (3)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: وہ لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت پر مستقیم رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ سفیان ثوری نے کہا: اس کے موافق عمل کیا۔ ربیع نے کہا: انہوں نے ماسوی اللہ سے اعراض کیا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور باقی (آخرت) میں رغبت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے مخفی طریقہ سے استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح اترار میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے نفل میں اسی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح قول میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم سننہذا یتیم نے کہا: رب کعبہ کی قسم! وہ میری امت ہیں۔ امام ابن فورک نے کہا: اس میں سین، طلب کی سین ہے جس طرح استسلی میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جامع اوصاف الاسلام، جلد 1، صفحہ 48

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417

2۔ جامع الترمذی بہاب صاحبہ حفظ اللسان، حدیث نمبر 2334، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سوال کیا کہ وہ انہیں دین پر ثابت رکھے۔ حضرت حسن بصری جب اس آیت کو پڑھا کرتے تو کہتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما (1)۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ ان اقوال میں مفہوم باہم ملا ہوا ہے ان کی تلخیص یہ ہے عقیدہ، قول اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعتدال سے کام لو اور اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ابْن زید اور مجاہد نے کہا: یہ موت کے وقت ہوگا (2)۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: جب وہ اپنی قبروں سے بعثت کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آخرت میں فرشتوں کی جانب سے ان کے لیے بشارت ہوگی۔ کعب اور ابن زید نے کہا: بشارت تین مقامات پر ہوگی موت، قبر اور دوبارہ اٹھانے کے وقت (3)۔

أَلَا تَخَافُوا الصَّلٰةَ فِي الْآخِرَةِ ابْن زید اور مجاہد نے کہا موت سے نہ ڈرو۔ وَلَا تَحْزَنُوا ابْن زید اور مجاہد نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ان پر نایب ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: اپنے ثواب کے رد کا خوف نہ کرو کیونکہ وہ مقبول ہے، اپنے گناہوں کا غم نہ کرو کیونکہ میں انہیں تمہارے حق میں بخشنے والا ہوں۔ عکرمہ نے کہا: آنے والے وقت کا خوف نہ کرو اور اپنے گناہوں پر غمگین نہ ہو۔

نَحْنُ أَوْلِيَّوْكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ابْن زید اور مجاہد نے کہا: ہم تمہارے ساتھ ہیں دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو کہیں گے: ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں۔ سدی نے کہا: ہم دنیا میں تمہارے اعمال کے محافظ تھے اور آخرت میں تمہارے دوست ہوں گے (4)۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہو کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی اور مولیٰ ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ لَعْنَةُ الدُّنْيَا ابْن زید اور مجاہد نے کہا: تمہارے لیے دنیا کی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٥﴾ جو تم سوال کرتے ہو اور جس کی تم تمنا کرتے ہو نُزُلًا سے مراد رزق اور ضیافت ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے انزلناہ نزلا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نازل کی جمع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لکم ماتدعون نازلین، تَدْعُونَ میں جو ضمیر مرفوع ہے اس سے حال ہے یا لکم میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَرَحْمَةٍ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٦﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ إِذْفَعُ بِأَلْتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٧﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۗ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِمَّا يَنْزِعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعًا فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣١﴾

”اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے ناگہاں وہ شخص تیرے اور اس کے درمیان میں عداوت یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان خصائل حمیدہ کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور اے سننے والے! اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی دوسرے پیدا ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا جَنَّبُوهُمْ عَنْ ذَلِكَ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٢﴾
 انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے معنی ہے قرآن سے بہتر کون سا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والے سے بہتر قول میں کون اچھا ہو سکتا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ابن سیرین، سدی، ابن زید اور حسن بصری نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے (1)۔ حضرت حسن بصری جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ حبیب اللہ ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور لوگوں کو ایسے امر کی طرف دعوت دی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ، عکرمہ، قیس بن ابی حاتم اور مجاہد نے کہا: یہ آیت موزنون کے حق میں نازل ہوئی۔ فضیل بن رفیرہ نے کہا: میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب کا موزن تھا مجھے عاصم بن ہبیرہ نے کہا: جب تو آذان کہے اور تو کہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، تو کہہ میں مسلمانوں میں سے ہوں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عربی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آذان مدنی ہے آذان آیت میں معنی کے اعتبار سے داخل ہو جائے گی نہ یہ کہ یہ قول کے وقت مقصود تھی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوں گے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس وقت کہا جب ملعون لوگوں نے آپ ﷺ کے گلے کو دبایا: اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ (غافر: 28) یہ آیت ان تمام کلاموں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن میں توحید اور ایمان کا ذکر ہو۔

میں کہتا ہوں: تیسرا قول ہے یہ سب سے اچھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت ہر اس آدمی میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی (2)۔ قیس بن ابی حازم نے یہی کہا ہے کہا: یہ ہر مومن کے بارے میں نازل ہوئی وَعَمِلَ صَالِحًا کا معنی ہے آذان اور اقامت کے درمیان نماز۔ ابو امامہ نے کہا: آپ نے آذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ عکرمہ نے کہا: وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد ہے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ کلبی نے کہا: فرائض ادا کیے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے اچھی تعبیر ہے جبکہ وہ محارم سے اجتناب اور مستحب امور کو کثرت سے بجالائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر

جانتا ہے وَقَالَ اِثْنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ① ابن عربی نے کہا: جو بحث پہلے گذر چکی ہے (1) وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں اسلام مراد ہے لیکن جب قول اور تلوار کے ساتھ دعوت اعتقاد اور غلبہ کے لیے ہوتی ہے اور عمل ریاء اور اخلاص کے لیے ہو سکتا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وضاحت ضروری ہے ان سب میں اعتقاد اللہ کے لیے ہے اور عمل اس کی رضا کی خاطر ہے۔

مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَقَالَ اِثْنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ① اسے یہ نہیں فرمایا کہ کہے: ان شاء اللہ۔ اس میں اس آدمی کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: انا مسلم ان شاء اللہ۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ② فَرَأَى الْمُنَافِقُ أَلَمَ أَنْ يَصِفَ لَهُمَا بِمَا كَانَا عَلَيْهِمَا ③ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ ④ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ ⑤ اور یہ شعر پڑھا:

مَا كَانَ يَرْضَى رَسُولُ اللَّهِ فِعْلَهُمْ وَالظَّيْبَانِ أَبُو بَكْرٍ وَلَا عَمْرُ

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر دونوں پاکیزہ ہستیاں ان کے عمل پر راضی نہ تھے۔ شعر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا ارادہ کیا یعنی توحید جس پر آپ ہیں اور شرک جس پر مشرک ہیں برابر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنة لا إله إلا الله ہے اور سيئة شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنة سے مراد طاعت ہے اور سيئة سے مراد شرک ہے بعینہ یہ پہلا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنة سے مراد عفو و درگزر ہے اور سيئة سے مراد انتقام ہے۔ ضحاک نے کہا: حسنة سے مراد علم ہے اور سيئة سے مراد فحش ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسنة سے مراد آل رسول سے محبت ہے اور سيئة سے مراد ان سے بغض ہے (2)۔

إِذْ قَمَّ بِالنَّبِيِّ هِيَ أَحْسَنُ آيَتِ سَيْفِ كِي وَجِهٍ سِيءٌ مِنْهُ يَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ ⑥ اور اس میں سے مستحب باقی ہے وہ حسن معاشرت، برداشت کرنا اور چشم پوشی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی تیرے ساتھ جہل سازی کرتا ہے اپنے علم کے ساتھ اس کے جہل کو دور کرے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: مراد ایسا آدمی ہے جو دوسرے کو گالی دیتا ہے دوسرا کہتا ہے: اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے، اسی طرح ایک اثر مروی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات ایک ایسے آدمی سے کہی جس سے آپ نے اس قسم کی اذیت پائی تھی۔

مجاہد نے کہا: بِالنَّبِيِّ هِيَ أَحْسَنُ سے مراد یہ ہے سلام کہنا جب وہ اپنے دشمن سے ملے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک تیسرا قول ہے جو قاضی ابو بکر بن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے (3) جو مصافحہ ہے ایک اثر میں ہے تصافحوا يذهب الغل (4) باہم مصافحہ کیا کرو کی نہ جاتا رہتا ہے۔ امام مالک مصافحہ کی رائے نہ رکھتے تھے آپ کی سفیان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور مصافحہ کے بارے میں گفتگو کی۔ سفیان نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت مصافحہ کیا تھا جب آپ حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ حکم خاص ہے۔ سفیان نے ان سے کہا: جو چیز رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہے وہ ہمارے لیے بھی خاص ہے جو آپ کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، مصافحہ ثابت ہے اس

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

1- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1662

4- مؤطا امام مالک، کتاب الجامع، ما جاء فی الهجرة، صفحہ 706-7

3- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1663

کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

قادہ نے روایت کی ہے کہا میں نے حضرت انس سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا (1)؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک اثر ہے: محبت کا کمال ہاتھ پکڑنا ہے۔ محمد بن اسحاق (جو امام مقدم ہے) زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی بنتی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے جبکہ جسم پر پورا لباس نہ تھا اللہ کی قسم! میں نے اس سے قبل اور اس کے بعد آپ کو بے لباس نہ دیکھا رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ معانقہ کیا اور اسے بوسہ دیا (2)۔

میں کہتا ہوں: امام مالک سے مصافحہ کا جواز مروی ہے یہی علماء کی جماعت کا نقطہ نظر ہے۔ سورہ یوسف میں یہ بحث گذر چکی ہے وہاں ہم نے حضرت براء کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے وجہ دونوں میں محبت اور خلوص ہوا کرتی ہے تو ان کے گناہ ان دونوں کے درمیان گرا دیے جاتے ہیں“ (3)۔

فَاذَّالَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَ لِيٌّ حَمِيمٌ یعنی قریبی دوست۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچایا کرتا پہلے وہ دشمن تھا بعد میں رشتہ مصاہرت کی وجہ سے دوست بن گیا پھر وہ اسلام لے آیا۔ اسلام میں ولی اور قرابت میں حمیم بن گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس پر صبر اور درگزر کا حکم دیا: یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (4)۔ پہلا قول ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاذَّالَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے حکم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غضب کے وقت صبر، جہل کے وقت حلم، زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا جب لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اس کے دشمن کو زیر کر دیتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا کے غلام قنبر کو گالی دی حضرت علی شیر خدا نے اپنے غلام کو آواز دی: اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو، اس سے بے نیاز ہو جاؤ جس نے تجھ سے راضی ہوگا شیطان ناراض ہوگا اور تو اپنے گالی دینے والے کو مزادے گا حق کو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جائے انہوں نے یہ اشعار ذکر کیے:

وَلَنَكْفُ عَنْ شَمِّ النَّثِيمِ تَكَرُّمًا
أَضْرَلَهُ مِنْ شَتِيهِ حِينَ يُشْتَمُ

1- جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجالی الصافحہ، جلد 2، صفحہ 97

2- جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجالی الصافحہ، جلد 2، صفحہ 97-98

3- سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الصافحہ، جلد 2، صفحہ 352

4- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

شرافت کی بنا پر کمینے آدمی کو گالی پر جواب نہ دینا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے نسبت اس کے کہ گالی کے وقت اسے گالی دی جائے۔

ایک اور نے کہا:

وَمَا شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَى سَفِيهِ إِذَا سَبَّ الْكَرِيمَ مِنَ الْجَوَابِ
مُتَارَكَةٌ السَّفِيهِ بِلَا جَوَابٍ أَشَدُّ عَلَى السَّفِيهِ مِنَ السَّبَابِ

بے وقوف کے لیے جو سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں جب وہ جو کریم کو گالی دے۔ جواب کے بغیر سَفِيهِ کو چھوڑ دینا سَفِيهِ بے وقوف کے لیے گالی دینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

محمود وراق نے کہا:

سَأَلَنِي نَفْسِي الصَّفْحَ عَنْ كُلِّ مَذْنِبٍ وَإِنْ كَثُرَتْ مِنْهُ لَدَيَّ الْجَرَائِمُ

میں ہر گناہگار سے درگزر کرنا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں اگرچہ اس کے جرائم میرے ہاں بہت زیادہ ہو جائیں۔

فَمَا النَّاسُ إِلَّا وَاحِدٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ شَرِيفٌ وَمَشْرُوفٌ وَمِثْلٌ مُقَاوِمٌ

فَأَمَّا الَّذِي فَتَوْقٍ فَأَعْرِفُ قَدْرَهُ وَأَتَّبِعُ فِيهِ الْحَقَّ وَالْحَقُّ لَزِيمٌ

لوگ تینوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے شریف، کمینہ اور مد مقابل جو مجھ سے بلند مرتبہ ہے میں اس کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہوں اور میں اس کے بارے میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور حق لازم ہے۔

وَأَمَّا الَّذِي دُونِي فَمَاذَا قَالَ صُنْتُ عَنْ إِجَابَتِهِ عَرَضِي وَإِنْ لَأَمَدٌ لَنَا

جو مجھ سے مرتبہ میں کم ہے اگر وہ کچھ بات کرے تو میں اپنی عزت کو اس کا جواب دینے سے محفوظ رکھتا ہوں اگرچہ طامت کرنے والا طامت کرے۔

وَأَمَّا الَّذِي مِثْلِي فَمَاذَا قَالَ أَوْهَقَا تَفَضَّلْتُ إِنْ الْفَضْلَ بِالْحِلْمِ حَاكِمٌ

جو مرتبہ میں میری مثل ہے اگر وہ لغزش کرے تو میں بڑائی کا اظہار کروں بے شک فضیلت کا فیصلہ حلم کے ساتھ ہی ہونے

والا ہوتا ہے۔

وَمَا يُلْقِيهَا هَا ضَمِيرٌ مَرَادٌ مَعْنَى فَعْلٍ أَوْ عَلِيٍّ خَصْلَتٌ هِيَ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَاجْتَبَاهُ رَأْيِي كَرَامَةٌ أَوْ رَأْيِي كَرَامَةٌ أَوْ رَأْيِي كَرَامَةٌ أَوْ رَأْيِي كَرَامَةٌ

کرتے ہیں وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا دَوْ حَظِّ عَظِيمٍ ⑤ حظ عظیم سے مراد بھلائی میں سے وافر حصہ ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1): قتادہ اور مجاہد نے کہا: حَظُّ عَظِيمٍ سے مراد جنت ہے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حظ جنت کے بغیر کبھی بھی عظیم نہیں ہوتا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُلْقِيهَا فِي ضَمِيرٍ مَرَادٌ جَنَّتٌ هِيَ يَعْنِي جَنَّتٌ صَرَفَ صَابِرٍ لَوْ لَوْ هِيَ پاتے ہیں۔ معنی

قریب قریب ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَ
اسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٥٠﴾ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ
عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿٥١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَن تَنزِيلُ
الْأَمْطِ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا
لَمُخِي الْمَوْتِ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٢﴾

”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی مت سجدہ کرو
سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ
تکبر کرتے رہیں تو ان کی قسمت پس وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی
شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ کسی
وقت خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں ان پر بارش کا پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے، بے
شک وہ قادر مطلق ہے جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کا بلاشبہ وہ ہر چیز پر
پوری طرح قادر ہے۔“

آیتوں سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یہ
بحث کنی مواقع پر گذر چکی ہے۔ پھر ان دونوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اگرچہ یہ دونوں عظیم مخلوق ہیں لیکن ان میں یہ فضیلت
ان کی حالت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق بن جائیں کیونکہ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر
اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو نیست و نابود کر دے یا ان کے نور کو ختم کر دے۔

وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی نے انہیں صورت عطا کی اور انہیں مسخر کیا ضمیر سورج، چاند، رات اور دن کی
طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خاص کر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تشبیہ بھی جمع ہوا کرتا ہے، ایک قول یہ
کیا گیا ہے: ضمیر آیات کے معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر کو مونث ذکر کیا ہے جمع مذکر ہونے کی بنا پر اس میں مذکر و مونث کے اعتبار سے تغلیب کا قاعدہ جاری نہیں کیا کیونکہ یہ
ایسے اسماء ہیں جو ذوالعقول ہیں۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ اسم موصول سے مراد ملائکہ ہیں
يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿٥١﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں اکتاتے۔ زبیر نے کہا:

سَمَّتُ تَكَالِيفِ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعْشُ شَامِينَ حَوْلًا لَا أَبَالِكَ يَسَامٍ

میں زندگی کے امور سے اکتا گیا اور جو آدمی اسی سال کا ہو جائے۔ تیرا باپ نہ رہے۔ وہ اکتا جاتا ہے۔

مسئلہ: یہ آیت بلا اختلاف آیہ سجدہ ہے سجود کے محل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کا

محل ان گنتہم ایتاہ تعبدون ﴿۲۰﴾ ہے کیونکہ یہ امر کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء تعبدون پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن وہب اور امام شافعی نے کہا: اس کا محل وہم لا یستؤمن ہے کیونکہ یہی کلام کا تمہ، عبادت اور اطاعت کی غایت ہے امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: یستؤمن پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں میں سے آخری پر سجدہ کرو۔ مسروق، ابو عبد الرحمن سلمی، ابراہیم نخعی، ابوصالح، یحییٰ بن وثاب، طلحہ، زبید یمانی، حسن بصری اور ابن سیرین سے اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد، قتادہ اور بکر بن عبد اللہ یستؤمن پر سجدہ کیا کرتے تھے (1)۔ ابن عربی نے کہا: امر قریب ہے (2)۔

مسئلہ: ابن خويز منداد نے ذکر کیا ہے یہ آیت چاند گرہن اور سورج گرہن والی نماز کو متضمن ہے کیونکہ عرب کہا کرتے تھے: سورج اور چاند کو گرہن عظیم آدمی کی وفات سے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ کسوف پڑھی ہے۔ میں کہتا ہوں: صلاۃ کسوف صحاح بخاری و مسلم وغیرہما میں ثابت ہے اس نماز کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کیونکہ آثار مختلف ہیں صحیح مسلم میں جو کچھ ہے وہ تیرے لیے کافی ہے اس باب میں وہی بہترین ہے، اللہ تعالیٰ صحیح کی توفیق دینے والا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً خَطَابِ هَرْدِ الشَّمْسِ كَوْنِهَا فِي آيَاتِ جِوَّاسِ امْرٍ بِدَلَالَتِ كَرْتِي هِي كَمَا اللَّهُ تَعَالَى
مردوں کو زندہ کرتا ہے أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً تَوْزِينِ كُوخْشِكِ اَوْرِبْخَرْدِ كَيْحِي كَا۔ یہ زمین کی خشوع سے صفت بیان کرنا ہے۔ نابغہ نے کہا:

رَمَادُ كَكُخْلِ الْعَيْنِ لَأَيَا أُبِينُهُ دَوْتُوِي كَجِذْمِ الْعَوْضِ أَشْكُمُ خَاشِعُ

الْأَرْضُ خَاشِعَةٌ سَ مَرَادِ اِيْسِي مِثْلِي هِي جَوْفِصْلُ نَهْ اَكَاغِي بِلْدِ خَاشِعَةَ سَ مَرَادِ اِيْسِي زَمِيْنِ هِي جِمْ كِي كُوْنِي مَنَزَلِ نَهْ اُو اِي سِي طَرَحِ مَكَانِ خَاشِعِ هِي۔

فَاذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ يِعْنِي نَبَاتَاتِ سَ جِهْوَمْنِي لَكْتِي هِي (3)، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اهتزاز انسان یعنی انسان نے حرکت کی اسی معنی میں یہ قول ہے:

تَرَاهُ كَنُضْلِ السَّيْفِ يَهْتَزُّ لِلْبُدَى تُو اَسَ دِكْهِي كَا كَهْ وَهْ تَلْوَارِ كِي پَهْلِ كِي طَرَحِ سَخَاوَتِ كِي لِئِي جِهْوَمْتَا هِي۔

وَسَابَتْ وَهْ پَهْوَلِ جَاتِي هِي، یہ مجاہد کا قول ہے یعنی اپنی موت کے بعد نباتات سے اوپر کو اٹھ آتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ربت و اهتزاز، اهتزاز اور ربت بعض اوقات زمین سے نکلنے سے پہلے ہوتا ہے اور بعض اوقات سطح زمین کی طرف نکلنے کے بعد ہوتا ہے اس کے ربت سے مراد اس کا بلند ہونا ہے بلند جگہ کو ربت اور راہبہ کہتے ہیں نبات ظاہر ہونے کے لیے حرکت کرتی ہے پھر طولاً اور عرضاً اس کا جسم بڑا ہو جاتا ہے۔ ابو جعفر اور خالد نے ورہات پڑھا ہے اس کا معنی عظیم الجثہ ہونا ہے، یہ رہبہ سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بارش سے خوش ہوئی اور نبات سے پھول گئی زمین جب

نبات سے پھنتی ہے تو شجک کے ساتھ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس کی صفت استبشار سے لگانا بھی جائز ہے کہ ربوا اور
 امتزاز ایک ہی چیز ہے یہ نبات کے نکلنے کی حالت ہے۔ سورہ حج میں یہ معنی گذر چکا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَحْيَا فَأَلْمَعِي الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ کئی مواقع پر اس کی بحث گذر چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْجِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفُونَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ
 يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥١﴾ إِنَّ الَّذِينَ
 كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٥٢﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ
 يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٥٣﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَد قِيلَ
 لِمُرْسَلٍ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ سَرَابَكَ لَدُوٌّ مَغْفِرٌ ﴿٥٤﴾ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

”بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو
 کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئینا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم
 وہ کرو جو تمہاری مرضی، یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو
 ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا تو (وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بے شک وہ بڑی عزت
 (حرمت) والی کتاب ہے اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری
 ہوئی ہے بڑے حکمت والے سب خوبیاں سرا ہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو نگر
 وہی جو کچھ کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بے شک آپ کا پروردگار اہل ایمان کے لیے بہت بخشنے والا
 اور (مکرمین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُلْجِدُونَ فِي آيَاتِنَا یعنی ہمارے دلائل میں حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ایک طرف جھکنا اور صراط
 مستقیم کو چھوڑنا ہے اسی سے قبر میں لحد ہے کیونکہ اسے قبر سے ایک طرف بنایا گیا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: الحدی دین اللہ یعنی
 اس سے ایک طرف ہو گیا لحد اس میں ایک لغت ہے یہ کلام بھی انہیں کے متعلق ہے جنہوں نے کہا: لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ
 وَالنَّوْافِیْهِ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیات میں الحاد کیا اور حق سے ایک طرف جھک گئے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی
 جانب سے نہیں ہے وہ شعر ہے یا جادو ہے۔ آیات سے مراد قرآن کی آیات ہیں۔ مجاہد نے کہا: یُلْجِدُونَ فِي آيَاتِنَا سے مراد
 ہے وہ قرآن کی تلاوت کے موقع پر شور کرنے، لغو اور غناء کرنے کے ساتھ الحاد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی کلام کو تبدیل کرنا اور بے موقع اسے رکھنا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ ہماری
 آیات میں جھوٹ بولتے ہیں (1)۔ سدی نے کہا: وہ دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ شرک کرتے ہیں اور
 جھوٹ بولتے ہیں، سب معنی قریب قریب ہیں۔

مقاتل نے کہا: یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں، یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ قرآن حکیم معجز ہے۔

أَفَننْ يُلْقَى فِي النَّارِ کہا: وہ جسے منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کے نزدیک وہ ابو جہل ہے خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي أَمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَنْ يَأْتِي سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مومنین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے جسے آگ میں پھینکا جائے گا اس سے مراد کافر ہے جو قیامت کے روز امن سے آئے گا وہ مومن ہے۔ یہ ابن بحر کا قول ہے (1)۔

إِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ جاننے کے بعد کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے تو تمہارے لیے جزاء لازمی ہے إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ یہ تہدید کے ساتھ وعید اور وعدہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ تمام کے اقوال میں یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں احکام ہیں جن کی انہیں ضرورت ہے خبر مخدوف ہے تقدیر کلام حال کون او معدوبون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خبر أولئك يُنَادُونَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ۝ درمیان میں مَا يُقَالُ لَكَ جملہ معترضہ ہے پھر ذکر کی طرف کلام کو لوٹا یا اور فرمایا وَ لَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا پھر فرمایا أُولَئِكَ يُنَادُونَ پہلا قول پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک سب اقوال درست ہیں جنکا میں علم رکھتا ہوں۔

وَ إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے ایک قول یہ مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عزیز کا معنی کریم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غالب کیا ہے باطل اس میں راہ نہیں پاسکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کی عظمت شان کا اظہار کیا جائے اور اس میں کوئی لغو عمل نہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیطان اس میں تبدیلی کرے: یہ سدی کا قول ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: یہ شیطان اور باطل سے محفوظ ہے۔ سدی نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عزیز کا معنی ہے اس سے ممتنع ہے کہ لوگ اس قسم کی کلام کریں (3)۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ جو اس سے قبل نازل ہو اوہ اس کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوگی جو اسے باطل اور منسوخ کر دے: یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی اور قتادہ نے کہا: اس کے پاس شیطان نہیں آتا وہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں تبدیلی کرے نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کمی کر سکتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس میں تکذیب داخل نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج نے کہا: اس میں باطل نہیں آ سکتا جو ان چیزوں میں

جن کی زمانہ گذشتہ کے اعتبار سے خبر دی اور نہ ہی اس میں جن کی زمانہ آئندہ کے اعتبار سے خبر دی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: **مَنْ بَدَّلَ يَدَيْهِ** سے مراد اللہ تعالیٰ اور **مَنْ خَلَفَهُ** سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہیں **تَنْزِيلٌ** **مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ** ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی مخلوق میں حکیم اور محمود ہے۔ قتادہ نے کہا اپنے امر میں حکیم اور اپنی مخلوق میں محمود ہے (2)۔

مَا يُقَالُ لَكَ اذِيتٌ اور تکذیب میں سے جو بات کی جاتی ہے **اِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ** اس میں اپنے نبی کو تسلی دینا مقصود ہے **اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ** ۞ تجھے اور تیرے صحابہ کو بخشنے والا ہے **ذُو عِقَابٍ اَلِيْمٍ** ۞ تیرے دشمنوں کے لیے دردناک عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو جو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **وَلَقَدْ اَوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65)** یعنی آپ انہیں دعوت نہ دیں مگر اسی کی طرف جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں اس لیے وہ آپ کا انکار کرتے ہیں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استفہام ہے تقدیر کلام ہے: ای شیء یقال لك الا ما قيل للرسول من قبلك۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اِنَّ رَبَّكَ نَوِيٌّ** کلام ہے اس سے قبل کلام مکمل ہے جب خبر مضمحل ہو، ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام **مَا يُقَالُ لَكَ** کے ساتھ متصل ہے **اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ** ۞ **ذُو عِقَابٍ اَلِيْمٍ** ۞ یعنی آپ ﷺ کو انذار اور تبشیر کا حکم دیا گیا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيًّا لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهُ ؕ اَعْجَبِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشَفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَقُرْاٰنٌ هُوَ عَلَيْهِمْ

عَسٰى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادُوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْبٍ ۝۳۷

”اور بالفرض ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں کیا (اچھا ہے) کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمائیے: یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر ہر حال میں مشتہر رہتا ہے، انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيًّا** یعنی یہ عربی لغت میں نہ ہوتا **لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهُ** یعنی اس کی آیات ہماری زبان میں کیوں نہ بیان کی گئیں کیونکہ ہم عرب ہیں ہم عجمی زبان کو تو نہیں سمجھتے تو یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اعجاز کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے کیونکہ نظم و نثر کے اعتبار سے وہ کلام کی اقسام کو خوب جانتے تھے۔ جب وہ اس کے مقابلہ سے عاجز آگئے تو یہ سب سے قوی دلیل بن گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اگر یہ عجمی

زبان میں ہوتا تو کہتے ہمیں اس زبان کا علم نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب یہ بات ثابت ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے یہ عجمی زبان میں نازل نہیں ہوا اور جب اسے کسی اور زبان میں نقل کیا جائے گا وہ قرآن نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ عَزَّ أَجْبَىٰ وَ عَرَبِيٌّ أَبُو بَكْرٍ، حمزہ، کسائی نے اسے اعجمی و عربی دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ عجمی اسے کہتے ہیں جو عربی نہ ہو خواہ فصیح ہو یا نہ ہو عجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہیں ہوتا وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ اعجم، فصیح کی ضد ہے وہ وہ ہوتا ہے جو اپنے کلام کی وضاحت نہیں کر سکتا حیوان جو غیر ناطق ہے اسے اعجم کہتے ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: صَلَاةُ النَّهَارِ عَجَبَاءُ اس میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ اعجم کی طرف نسبت زیادہ موکد ہے کیونکہ عجمی کی طرف نسبت بیان میں زیادہ موکد ہے معنی ہوگا کیا قرآن عجمی اور نبی عربی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، نصر بن عاصم، مغیرہ اور ہشام نے ابن عامر سے اعجمی ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اس کی آیات کو کیوں بیان نہیں کیا گیا ان میں سے کوئی عربی تھا تو وہ عربی سمجھ لیتا اور کوئی عجمی تھا تو وہ عجمی سمجھ لیتا۔

سعید بن جبیر نے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے کہا: قرآن عجمی اور عربی کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات عجمی ہوتیں اور بعض عربی ہوتیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی قرآن حکیم میں ہر لغت سے کچھ نہ کچھ نازل کیا گیا ہے ان میں سچیل بھی ہے یہ فارسی ہے اس کی اصل سنگ گل ہے یعنی مٹی اور پتھر۔ اسی سے ایک لفظ فر دوس ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے اسی طرح قسطاس ہے۔ اہل حجاز، ابو عمرو، ابن ذکوان اور حفص نے استفہام کے انداز میں پڑھا ہے مگر انہوں نے اپنے اصول کے مطابق ہمزہ کو لین کر کے پڑھا ہے صحیح قراءت استفہام کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ الْوَحْيَ الَّذِي يُنزلُ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِيهِ بَيِّنَاتٌ لِّمَنْ هَدَىٰ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِيهِ هُدًىٰ وَ نُورٌ لِّمَنْ أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِرَحْمَتِهِ أَنْ يَهْدِيَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي سَبِيلٍ مُّبِينٍ ۝١٠١ (الاسراء) ہے یہ بحث مکمل گذر چکی ہے عام قراءت عجمی ہے یہ مصدر ہے۔

والَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْآنُ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ فِي أذَانِهِمْ ۝١٠٢ (الاسراء) ہے یہ بحث مکمل گذر چکی ہے عام قراءت عجمی ہے یہ مصدر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ اور سلیمان بن قتہ نے اسے دھو علیہم عیم میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کے لیے وہ واضح نہیں ابو عبید نے پہلی قراءت کو پسند کیا کیونکہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ پہلا قول ہے: هُدًىٰ وَ شَفَاءٌ اِذَا قُرِئَ لِقَوْمٍ كَفَرُوا ۝١٠٢ (الاسراء) ہے یہ نعت ہوتا تقدیر کلام یہ بنتی ہے جو ایمان نہیں رکھتے قبول کو ترک کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں جن کے کانوں میں نقل ہے اور قرآن ان پر عسی والا ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَقُرْآنُ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ فِي أذَانِهِمْ ۝١٠٢ (الاسراء) ہے۔

أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝١٠٣ (الاسراء) ہے یہ قول اس آدمی کے لیے کیا جاتا ہے جو تمثیل کو نہیں سمجھتا۔ اہل لغت نے حکایت

بیان کی ہے کہ جو آدمی سمجھتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تسمع من قریب اور جو نہیں سمجھتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تنادی من بعید گویا اسے دور سے ندا دی جاتی ہے تو وہ آواز کو نہیں سنتا اور اسے نہیں سمجھتا۔ ضحاک نے کہا: قیامت کے روز انہیں قبیح ترین نام سے بلایا جائے گا مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ یہ ان کے لیے شدید ترین ہوگا مقصد انہیں شرمندہ کرنا اور ذلیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے قرآن میں تدبر نہیں کیا تو وہ اُمی اور احم کی طرح ہوگا تو اسے دور کے مکان سے ندا کی جاتی ہے بلانے والے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تو وہ نہیں سنتا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے کہا: وہ ان کے دلوں سے دور ہے (1)۔ تفسیر میں ہے گویا انہیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اسے نہیں سنتے؛ نقاش نے یہ معنی بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝۱۱۱ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝۱۱۲

”اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات طے نہ ہوئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

الْكِتَابَ سے مراد تورات ہے فَاخْتَلَفَ فِيهِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا۔ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ یعنی انہیں مہلت دینے کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے عذاب کے جلدی آنے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ وہ قرآن کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کلبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک موخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آچکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی صلیبوں سے مومن نکلنے والے تھے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ یہ کلام شرط اور جواب ہے، اسی طرح یہ کلام ہے وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا نہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت سے مستغنی ہے پس جو اطاعت کرے اس کے لیے ثواب ہے اور جو برائی کرے عقاب اسی پر ہوگا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝۱۱۲ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تھوڑے اور زیادہ ظلم سے نفی کی۔ جب مبالغہ کی نفی ہوئی تو غیر کی بھی نفی ہو گئی اس کی

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا** (یونس: 44) عادل ثقہ، ائمہ ثبات نے زاہد عادل سے امین ارض سے وہ امین السماء سے وہ رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا تم باہم ظلم نہ کیا کرو نیز وہ حکیم و مالک ہے مالک اپنی مملوکہ چیز میں جو تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

**إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَمَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا ۖ وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَنْثَىٰ
وَلَا تَصْعُقُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۗ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ ۗ قَالُوا اذْنُكَ ۗ مَا مِنَّا مِنْ
شَهِيدٍ ۗ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيصٍ ۝**

”اسی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر، اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا، اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔“

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی کب وہ قائم ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد! اگر تو نبی ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی **وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَمَاتٍ مِّنْ زَائِدَةٍ** ہے، مراد ہے جو اس کا پھل نکلتا ہے **مِنْ أَكْمَامِهَا** اپنے برتنوں سے۔ اکمام پھلوں کے برتن ہوتے ہیں اس کی واحد کمة ہے یہ مال اور دوسری چیزوں کا برتن ہوتا ہے اسی وجہ سے گائے کے چھلکے کو کمة کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کمة، کفتری اس وقت ہوتا ہے جو ابھی پھٹا نہ ہو جب وہ پھٹ جائے تو وہ کمة نہیں ہوتا۔ سورہ الرحمن میں اس کی مزید وضاحت آئیگی۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے جمع کا **صِيغَةٌ مِنْ شَمَاتٍ** پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ پڑھا ہے مراد جمع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَنْثَىٰ** یہاں بھی جمع مراد ہے فرماتا ہے: قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس طرح پھلوں اور بچوں کے جننے کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اللَّهُ تَعَالَىٰ مُشْرِكِينَ كُنْتُمْ کوندا کرے گا: **أَيْنَ شُرَكَائِيَ** دنیا میں جن کے بارے میں تم گمان کیا کرتے تھے کہ وہ الہ ہیں اور سفارش کریں گے وہ کہاں ہیں؟ **قَالُوا اتَّبَعْنَا** اتوں نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد عابد اور معبود سب ہیں **اذْنُكَ** ہم نے تجھے سنایا اور تجھے آگاہ کیا کہا جاتا ہے **اذْنُكَ** جب وہ آگاہ کرے، کہا: **اذْنُكَ** ہنسیا **أَسْمَاءُ** اسماء نے اپنے بیٹوں کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کی گواہی دے کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ جب انہوں نے قیامت کو دیکھا تو انہوں نے بتوں سے براءت کا اظہار کیا اور بتوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا، جس طرح یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ دُنْيَا فِي جَنِّهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا عِبَادَةٌ لَكَ يَوْمَئِذٍ سِوَاكَ وَكَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ دُنْيَا فِي جَنِّهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا عِبَادَةٌ لَكَ يَوْمَئِذٍ سِوَاكَ

انہیں یقین ہو جائے گا کہ آگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں یہاں ماحرف ہے اسم نہیں اس وجہ سے ظن نے اس میں عمل نہیں کیا اور فعل کو ملغا کر دیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی و ظنوا انہم مالہم من محیص ولا مہرب یہ جملہ کہا جاتا ہے خاص، یحیص حیصا و محیصا جب وہ بھاگ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ظن، غالب رائے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس میں انہیں کوئی شک نہیں کہ وہ جہنمی ہیں لیکن وہ یہ طمع کرتے ہیں کہ اس سے نکل جائیں گے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ان کا ظن اور رجا ان کے مایوس ہونے تک رہے۔

لَا يَسْتَمِعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۗ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيُؤَسُّ قَتُوطٌ ۖ وَلَئِنْ أَذَقْتَهُ رَاحَةً مِّنْهُ بَعْدَ ضَرِّ آءٍ مَّسَّهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِهَا عَمَلُهُمْ ۖ وَلَئِن يَدْعُهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۙ وَإِذَا أُنْعِمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأٰ بِجَانِبِهِ ۗ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۙ

”نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جانب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے: میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں لوٹا یا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا (یہ حتمی کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کتوت انہوں نے کئے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔“

لَا يَسْتَمِعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا۔ یہاں خیر سے مراد مال، صحت، غلبہ اور عزت ہے۔ سدی نے کہا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ولید بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن خلف۔ عبد اللہ کی قراءت میں لایسما الانسان من دعاء المال ہے۔

وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ شر سے مراد فقر اور مرض ہے، اگر اسے فقر اور مرض پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَتُوطٌ دعا کی قبولیت کے حوالے سے اور قَتُوطٌ اپنے رب کے بارے میں سوء ظن کے حوالے سے ذکر کیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَتُوطٌ سے مراد ہے کہ اسے جو تکلیف لاحق ہے اس کے زائل ہونے سے مایوس ہے اور

قنوط اس معنی میں ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ معنی قریب قریب ہے۔

وَلَيْنٌ أَدَقُّنُهُ رَحْمَةً مِّمَّنَّا يِهَابِ رَحْمَتٍ سَمِيحَةٍ، آسودگی اور غنا ہے۔ ضراء سے مراد تکلیف، بیماری، سختی، اور فقر ہے لَيْقُوتُنْ هَذَا لِي يَهَابِ رَحْمَةً مِّمَّنَّا يِهَابِ رَحْمَتٍ سَمِيحَةٍ، جس کا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق بن چکا ہوں کیونکہ وہ میرے لیے عمل پر راضی ہو چکا ہے تو وہ نعمت کو حتیٰ اور اللہ تعالیٰ پر واجب خیال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَذَا لِي يَهَابِ رَحْمَةً مِّمَّنَّا يِهَابِ رَحْمَتٍ سَمِيحَةٍ، یہ میرے پاس ہے۔

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْخِصْمَةَ حَسَنِي سَمِيحَةٍ، اور لام تاکید کے لیے ہے وہ عمل کے بغیر آرزوئیں کرتا ہے حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو آرزوئیں ہوں گی جہاں تک دنیاوی آرزو کا تعلق ہے وہ کہے گا: لَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَأَرْزُوهُنَّ وَأَنَا كَافِرٌ بَلْ يَلَيْتُنَّ أَوْ لَوْ كُنَّا كَالْجِبَالِ يَنْزِلُ كَالْهَبِّ، اور یلینتینی کُنْتُ تَرَبًّا (النباء)

فَلَسْتُ بِبِئْرٍ زَائِلَةٍ لَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَأَرْزُوهُنَّ وَأَنَا كَافِرٌ بَلْ يَلَيْتُنَّ أَوْ لَوْ كُنَّا كَالْجِبَالِ يَنْزِلُ كَالْهَبِّ، اور یلینتینی کُنْتُ تَرَبًّا (النباء) کا معنی شدید ہے۔

وَإِذَا أَعْمَنَّا عَلَى الْإِنْسَانِ نَسَا نَسَا، اور کافر ہے أَعْرَضَ وَنَابَجَانِبَهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور اس سے دور ہوئے نَابَجَانِبَهُمْ کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بلند جانا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر تکبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَابَا كَالْمَعْنَى دَوْرٌ هُونًا هُوَ۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نَابَيْتُهُ وَنَابَيْتُهُ عِنْدَهُ نَابَا۔ میں اس سے دور ہوا اُنَابَيْتُهُ فَانْتَابَىٰ فِيهِ نَابَا۔ اس سے دور کیا تو وہ دور ہو گیا۔ تناءوا۔ وہ دور ہو گئے منتابى۔ دور جگہ۔ نابغ نے کہا:

فَمَا تَكُنَّ كَاللَّيْلِ الَّذِي هُوَ مُذْرِي وَإِنْ خِلْتُ أَنَّ الْمُنْتَابَىٰ عِنْدَكَ وَاسِعٌ

تورات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں خیال کرتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔

يزيد بن قعقاع نے اسے ناء بجانبہ پڑھا ہے یعنی ہمزہ سے پہلے الف ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ناع سے مشتق ہو جب وہ

اٹھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ قلب کیا گیا ہو معنی پہلے والا ہی ہے وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُودُ عَاءٍ عَرِيضٍ ۖ جَبَّاسٌ تَكْلِيْفٌ

پہنچے تو بہت زیادہ دعائیں کرتا ہے۔ عرب طول اور عرض کا لفظ کثرت کے معنی میں استعمال کرتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اطال

فلان في الكلام داعر ض في الدعاء؛ جب وہ گفتگو اور دعا کثرت سے کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ تضرع کرنے

والا اور مدد طلب کرنے والا ہے۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور خوشحالی میں اسے نہیں پہچانتا۔

قُلْ أَسَاءَ يُتُّمُّ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ كَفْرٌ تَكْلِيْفٌ ۖ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقِ

بَعِيْبٍ ۗ سُرِّيْهِمْ اِيْتِنَانِي الْاِفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَّبِعِنَ لَهُمْ اَللّٰهُ الْحَقُّ ۗ اَوْلَمَ

يَكْفُرُ بِرَبِّكَ اِنَّهُ عَلَّ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۗ اَلَا اِنَّهُمْ فِي مَرِيْةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ اَلَا

اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۗ

”آپ فرمائیے: (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت زیادہ دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔“

قُلْ أَسْمِعْتُكُمْ أَعْمَى! سُنِّيْتِيْكُمْ كَهْو: اے مشرکوں! اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو زیادہ گمراہ کون ہے تم سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں کیونکہ تمہاری دشمنی بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مِمَّنْ ضَمِيرِ اِسْمِ كِتَابٍ كِي طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ (المومنون: 49) پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

سُنِّيْتِيْكُمْ اِيْتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِيْكُمْ ہماری وحدانیت اور ہماری قدرت کی نشانیاں سابقہ امتوں کی منازل کی بربادی میں ہیں اور ان کی ذاتوں یعنی جو انہیں آزمائشیں اور امراض لاحق ہوتی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْاَفَاقِ سے مراد آسمان کی نشانیاں اور فِي اَنْفُسِيْكُمْ سے مراد زمین کے حادثات ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: اِنْفِاقِ سے مراد بستیوں کی فتوحات ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فتوحات کو اپنے رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد خلفاء اور آفاق دنیا میں اس کے دین کے مددگاروں کے لیے فتوحات کو مشرق و مغرب کے علاقوں کو عموماً اور مغرب کے علاقوں کو خصوصاً آسان کر دیا کیونکہ یہ ایسی فتوحات ہیں جو ان سے قبل زمین کے کسی حاکم کے لیے آسان نہ ہوئیں اس طرح جابر حکمرانوں، فارس کے کسری تھوڑے لشکر کو کثیر لشکر پر فتح دینا، کمزوروں کو قوی لوگوں پر غلبہ دینا اور ان سے ایسے امور کا صادر کرانا جو عام معمول سے ہٹ کر تھے سب صادر ہوئے فِي اَنْفُسِيْكُمْ سے مراد فتح مکہ ہے: (3) یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یہ منبہال بن عمرو اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: فِي الْاَفَاقِ سے مراد قوموں میں واقعات اور فِي اَنْفُسِيْكُمْ سے مراد غزوہ بدر کا واقعہ ہے (4)۔ عطا اور ابن زید نے یہ بھی کہا ہے کہ فِي الْاَفَاقِ سے مراد آسمانوں اور زمین کے قطر ہیں یعنی سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوائیں، بارشیں، کڑک، بجلی، صواعق، نبات، درخت، پہاڑ، سمندر وغیرہ (5)۔ صحاح میں ہے: آفاق سے مراد اطراف ہیں اس کا واحد اَفْق اور اَفْقِ ہے جس طرح عُنْمَا اور عُنْمَا ہے رَجُلٌ اَفْقِيٌّ یعنی ہمزہ اور فاء مفتوح ہے جب وہ زمین کے آفاق سے ہو: یہ ابو نصر نے حکایت بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اَفْقِ جو ہری کے علاوہ کسی اور نے یہ شعر پڑھا:

اَحَدُنَا بِاَفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْنَكُمْ لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِغُ (6)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے افق اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں ہمارے لیے اس کے دونوں چاند اور روشن ستارے ہیں۔

3- تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 189

2- ایضاً

1- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106

6- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 136

5- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 72

4- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106

فِي أَنْفُسِهِمْ يَهْتَفُونَ بِهِنَّ لَطِيفُ صُنْعَتِ أَوْ بَدِيعِ حِكْمَتِ مِثْلِهِ مِنْ سَعَى يَهَى يِهَى تَكْ كِهْ بَرَازِ أَوْ بُولِ كِهْ رَا سَتِي أَسْ مِثْلِهِ شَامِلِ هِي كِيُونَكِهْ
انسان ایک محل سے کھاتا پیتا ہے اور وہ کھانا پینا دو الگ الگ جگہوں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور حکمت میں بداعت
اس کی آنکھوں میں نمایاں ہوتی ہے دونوں پانی کا ایک قطرہ ہیں وہ ان دونوں کے ساتھ زمین سے آسمان تک دیکھتا ہے جس
کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں بداعت کا اظہار ہے جن کے ساتھ انسان
مختلف آوازوں میں فرق کرتا ہے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بداعت کی امثلہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي أَنْفُسِهِمْ وَه نَطْفَه تَهَا اس کے علاوہ اس کے احوال میں جو انتقال ہے جس طرح سورہ مومنوں میں
اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے عنقریب تم وہ فتنے اور غیب کی خبریں دیکھو گے جن کے
بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبریں دی ہیں۔ حَتَّى يَتَّبِعِينَ لَهُمُ الْاَلْحَقُّ اس میں چار وجوہ ہیں: (1) وہ قرآن ہے (2)
اسلام جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں (3) اللہ تعالیٰ جو مظاہر انہیں دکھاتا ہے اور جو کرتا ہے وہ حق ہے (4) محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ
والثناء ہی رسول برحق ہیں۔

أَوْلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ، بَرَبِكْ مَحَلِّ رَفْعِ مِثْلِهِ كِيُونَكِهْ يَهْ يَكْفِ كَا فَاعِلِ هِ الْاَلْءُ، رِبَكْ سَعَى بَدَلِ هِ اِغْرَحَلِّ سَعَى بَدَلِ
بنائیں تو یہ مرفوع ہوگا اگر لفظ سے بدل بنائیں تو یہ مجرور ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کے حذف کے ساتھ منصوب ہو معنی ہوگا کیا
تیرا رب انہیں کافی نہیں ہوگا جس توحید پر اس نے ان کی راہنمائی کی ہے، کیونکہ وہ ہر شے پر شہید ہے جب وہ ہر چیز کا مشاہدہ
کر رہا ہے تو اس پر جزا دے گا۔ یہ قول کیا گیا ہے: کیا تیرا رب کفار کو سزا دینے میں کافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے
اے محمد! ﷺ کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ کفار کے اعمال پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا تیرا رب گواہ کافی نہیں
کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ کافی نہیں کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا
ہے۔ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی حضور ہے کیا تیرا رب ہر چیز کے پاس حاضر ہونے کے اعتبار سے کافی نہیں۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيئَةٍ، مَرِيئَةٍ كَا مَعْنَى شَكِّ هِ مِنْ لِقَاءِ مَا يَنْوَمُونَ آخِرَتِ مِثْلِهِ رِبِّ كِي مَلَا قَاتِ سَعَى۔ سَدَى نَعَى كَمَا:
بُحْثِ سَعَى۔ خَبْرُ دَارِ! وَه اِپْنِي رِبِّ كِي مَلَا قَاتِ سَعَى شَكِّ مِثْلِهِ بَتْلَا هِي (1) أَلَا إِنَّهُ بِكَلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝ اس کا علم ہر چیز کو محیط
ہے؛ سَدَى نَعَى يَهْ قَوْلِ كَمَا۔ كَلْبِي نَعَى كَمَا: اس کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے (2)۔ خَطَابِي نَعَى كَمَا: اس کی قدرت تمام
مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہی ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے، یہ
شم کثیر طور پر وعید کے ضمن میں آتا ہے اس کا حقیقی معنی ہر شے کا احاطہ کرنا ہے جس کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے یہ
عمل میں مُحِيطٌ تَهَا يَهْ كِي حَرَكْتِ حَا، كِي طَرَفِ نَقْلِ كَرْدِي تَوِيَا، سَا كِنِ هُو كِي اِسِي سَعَى يَهْ كَمَا جَاتَا هِ: أَحَاطَ يُحِيطُ إِحَاطَةً وَحِيطَةً۔
اسی سے حائط الدار (گھر کی دیوار) ہے حائط الخيل بفلان یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس آدمی کو ہر جانب سے
گھیر لیا جائے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَأَحِيطْ بِشَمْرَةٍ (کہف: 42) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سورۃ الشوریٰ

﴿سَمِعْنَا ۝۲﴾ ﴿سُورَةُ الشُّورَىٰ مَكِّيَّةٌ ۝۲۲﴾ ﴿رُكُوعًا ۝۵﴾

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور جابر کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: مگر چار آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ أَلَا آخِرُهُ۔ یہ ترین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمِّ ۝ عَسَق ۝ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ اللَّهُ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

”ح، ميم، عین، سین، قاف اسی طرح (کے مطالب نفسیہ) وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں)

کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہی سب سے اعلیٰ اور عظمت والا ہے۔“

حَمِّ ۝ عَسَق ۝ عبدالمؤمن نے کہا: میں نے حسین بن فضل سے پوچھا حَمِّ کو عَسَق سے کیوں الگ کیا گیا ہے جبکہ

کھيحص، المر اور المص کو الگ الگ نہیں کیا گیا (2)۔ فرمایا: کیونکہ حَمِّ عَسَق سورتوں کے درمیان ہے جن میں سے پہلی

حَمِّ ہے تو یہ ماقبل اور مابعد کے نظائر پر جاری ہوئی گویا حَمِّ مبتدا ہے اور عَسَق خبر ہے اور اس کی اخوات جن کو اکٹھے لکھا گیا

ہے وہ ایک آیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف معجمہ سب کے سب ایک معنی میں ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بیان بنیاد اور

کلام کا قاعدہ ہے؛ یہ جرجانی نے ذکر کیا حَمِّ۔ عَسَق کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے اور کھيحص کو متصل لکھا گیا ہے کیونکہ کلام

یہ کی گئی ہے حَمِّ سے مراد ہے مہ ماہو کائن۔ جو ہو کر رہنے والا ہے اس کا قصد کر لیا گیا ہے انہوں نے فرق کیا ہے جس میں

فعل مقدر ہوتا ہے یا فعل مقدر نہیں ہوتا پھر اگر اسے الگ الگ کر دیا جاتا اور اسے متصل لکھا جاتا تو بھی جائز تھا۔ حضرت ابن

مسعود، حضرت ابن عباس کی قراءت میں حَمِّ عَسَق ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ذریعے

فتنوں کو پہچانا کرتے تھے۔ ارطاة بن منذر نے کہا: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی جبکہ ان کے پاس

حضرت حذیفہ بن یمان موجود تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان حَمِّ عَسَق کی تفسیر کے بارے میں بتائیے، تو آپ نے اس سے

اعراض کیا یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ اپنے سوال کو دہرایا تو پھر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اعراض کیا،

حضرت حذیفہ بن یمان نے کہا: میں تجھے اس کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

نے اس کی تفسیر بیان کرنے سے کیوں اجتناب کیا! یہ آیت اہل بیت کے ایک فرد کے بارے میں نازل ہوئی جسے عبداللہ اور عبداللہ کہا جائے گا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا پر فروکش ہوگا اس پر دوشہر بسائے گا دریا دونوں کو الگ الگ کر دے گا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور حکومت کے ختم ہونے کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ رات کے وقت ایک آگ بھیجے گا تو وہ شہر صبح کے وقت تاریک سیاہ ہو جائے گا وہ سب کا سب جل جائے گا گویا وہ اس جگہ شہر تھا ہی نہیں۔ اس کی مالکہ صبح کے وقت متعجب ہوگی یہ سب کچھ کیسے الٹ ہو گیا وہ دن ابھی روشن ہی ہوگا یہاں تک کہ اس میں ہر جابر سرکش جمع ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اور انہیں سب کو دھنسا دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حُمَّ ۙ عَسَقٌ (1) یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور فتنہ و قضا جس کا قصد کر لیا گیا ہے حُمَّ - ۶۔ عدلامنہ اس کی جانب سے عدل۔ س، سیکون عنقریب ہوگا۔ ق، واقعا ان دو شہروں میں واقع ہوگا۔

اس تفسیر کی مثل وہ روایت ہے جو جریر بن عبداللہ بجلی نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”دجلہ اور دجلیل، قطر بل اور صراہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا جائے گا جس میں زمین کے جابر حکمران جمع ہوں گے وہ زمین جس میں خزانے جمع کیے جائیں گے وہ اپنے مکینوں کے ساتھ زمین میں دھنس جائیں گے وہ زمین میں اس عمدہ کیل سے جلدی جائیں گے جو زم زمین میں جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عین کے بغیر حم سق پڑھا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں یہ اسی طرح ہے؛ یہ طبری نے بیان کیا ہے۔ نافع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے: حال سکے حلم سے، میم، اس کی مجد سے، عین اس کے علم سے، سین اس کی سنا سے اور قاف اس کی قدرت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اٹھائی ہے۔

محمد بن کعب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم، اپنی مجد، اپنی علو، اپنی سنا اور اپنی قدرت کی قسم اٹھائی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا جو خلوص دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی پناہ چاہتا ہے۔

جعفر بن محمد اور سعید بن جبیر نے کہا: حاء، رحمن سے، میم مجید سے، عین علیم سے، سین قدوس سے اور قاف قاصر سے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے فواتح ہیں۔ عبداللہ بن بریدہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کو محیط ہے۔ قشیری نے ذکر کیا جبکہ الفاظ ثعلبی کے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کے چہرے پر پریشانی پہچانی جاسکتی تھی۔ آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! سَلِّئْنَا بِهٖ کَسْ چیز نے آپ کو غمگین کیا؟ فرمایا: ”مجھے ان امتحانات کے بارے میں بتایا گیا ہے جو میری امت میں واقع ہوں گے یعنی زمین میں دھنسا، پتھروں کی بارش کرنا، آگ جو انہیں جمع کرے گی، ہوا جو انہیں سمندر میں پھینک دے گی، پے در پے آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کا نکلنا“ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم ﷺ کی شان کے متعلق ہے حاء سے مراد آپ کا حوض جس پر بر کوئی وارد ہوگا، میم سے مراد آپ کی وسیع حکومت، عین سے مراد موجود عزت، سین سے مراد وہ بلندی جس کی گواہی دی جائے گی، قاف سے

مراد مقام محمود میں آپ کا کھڑا ہونا اور کرامت و بزرگی کے مقام پر اپنے مالک و معبود کے قریب ہونا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی صاحب کتاب نبی نہیں مگر اس کی طرف وحی کی گئی **حَمَّ** عَسَقَ۔ اسی وجہ سے فرمایا: **يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ** (1)۔ مہدوی نے کہا: حدیث میں آیا ہے کہ **حَمَّ** عَسَقَ کا معنی ہے متقدمین انبیاء کی طرف وحی کی گئی۔ ابن محصین، ابن کثیر اور مجاہد نے پڑھا یوحی۔ کہ یہ فعل مجہول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جار مجرور محل رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسکا نائب فاعل مضمّر ہو یعنی آپ کی طرف قرآن وحی کیا جاتا ہے جسے یہ سورت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تو لفظ اللہ فعل مضمّر کے ساتھ مرفوع ہوگا تقدیر کلام یہ ہوئی: اللہ تعالیٰ تیری طرف وحی کرتا ہے جس طرح ابن عامر اور ابو بکر کی قراءت ہے یسبح له فیہا بالغدو والآصال رجال یعنی لوگ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

لِيُبَيِّنَكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ بَخْصَمَةَ وَأَشْعَثُ مَتْنُ طَوْخَتِهِ الطَّوَائِحُ (2)

کہا: **لِيُبَيِّنَكَ يَزِيدُ**۔ پھر اس کی وضاحت کی من ینبغی أن ینبغیہ۔ معنی ہے اسے ضارع رلاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو اور خبر مخذوف ہو گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے یا کلام مبتدا کے مضمّر ہونے کے اعتبار سے ہے السوحی اللہ یا یہ مبتدا ہے اور خبر العزیز الحکیم ہے باقی قراء نے **يُوحَىٰ إِلَيْكَ** حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اسم اللہ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع **دِيَالَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ** (3) اس کی وضاحت کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (4)

”قریب ہے کہ (جلال الہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لیے، سن لو یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

تَكَادُ السَّمَوَاتُ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے۔ نافع، ابن وثاب اور کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے **يَتَّقَطَّرْنَ**۔ نافع اور دوسرے قراء نے یاء، تاء اور طاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ عام قراءت ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، مفضل، ابو عبید نے ینفطرن انفطار کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ** (الانفطار) سورہ مریم میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطَّرْنَ** یعنی آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان اس آسمان کے اوپر سے پھٹ جائے گا جو اس کے قریب ہے (3)۔ ضحاک نے کہا: **يَتَّقَطَّرْنَ** وہ آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے اپنے اوپر سے لپٹ جائیں گے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **فَوْقِهِنَّ** سے مراد زمینوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے لپٹ جاتے اگر وہ ان چیزوں سے ہوتے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهِيَ تَعَالَىٰ كِي ان چیزوں سے پاکی بیان کرتا ہے جو اس کے وصف میں جائز نہیں اور جو اس کے جلال کے لائق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مشرکین کی جراتوں سے متعجب ہوتے ہیں اور تعجب کے موقع پر تسبیح کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی تسبیح ان چیزوں پر تعجب کا اظہار ہے جو وہ دیکھتے ہیں کہ مشرک اپنے کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے جس کو وہ دیکھتے ہیں (2)۔ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ کا معنی ہے ان کے رب کے امر سے؛ یہ سدی کا قول ہے۔

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ضحاک نے کہا: لِمَنْ فِي الْأَرْضِ سے مراد مومن ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے اس کی وضاحت سورۃ المومن: وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا میں گذر چکی ہے یہاں ملائکہ سے مراد حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والے) ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام فرشتے مراد ہیں۔ کلبی کے قول سے یہی ظاہر ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ منسوخ ہے یہ جگہ مومنین کے لیے خاص ہے۔ مہدوی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور مومنین کے لیے خاص ہے۔ ابوالحسن ماوردی نے کلبی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے جب ان دونوں فرشتوں کو دیکھا جن کو آزما یا گیا اور زمین کی طرف انہیں بھیجا گیا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ زہرہ کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور وہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف بھاگ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے پر دادا تھے۔ دونوں فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ ان دونوں کے حق میں دعا کریں۔ فرشتوں نے اپنے رب کی حمد بیان کرنے کے ساتھ تسبیح بیان کی اور بنی آدم کے لیے مغفرت طلب کی (3)۔ ابوالحسن بن حصار نے کہا: بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا کہ یہ آیت ہاروت و ماروت کے سبب نازل ہوئی ہے اور یہ، مومنوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے ساتھ منسوخ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ حاملین عرش تو مومنوں کے استغفار کے لیے خاص ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور فرشتے ہیں جو اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: فرشتوں کے اہل زمین کے لیے استغفار میں (4) دو قول ہیں: (1) گناہوں اور خطاؤں سے؛ مقاتل کے قول کا ظاہر یہی معنی ہے (2) ان کے لیے رزق اور خوشحالی کی طلب ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی زیادہ نمایاں ہے کیونکہ زمین کافر اور غیر کو عام ہے مقاتل کے قول کے مطابق کافر اس میں داخل نہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے جسے عاصم احوال نے ابو عثمان سے وہ سلمان سے نقل کرتے ہیں کہ بندہ جب خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اسے تنگ دستی آتی ہے فرشتے کہتے: وہ خوشحالی کے دور میں اللہ کا ذکر کرتا اب اسے تنگ دستی نے آلیا ہے تو وہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کمزور آدمی سے معروف آواز ہے اور جب وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے تکلیف نے آلیا تو فرشتے کہتے ہیں: انسان سے اجنبی سی آواز ہے وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے مصیبت لاحق ہوئی تو وہ اس کے لیے بخشش طلب نہیں کرتے۔ یہ تعبیر اس امر پر دلالت کرتی

ہے کہ یہ آیت کریمہ اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر خوشحالی اور تنگدستی میں کیا کرتا تھا تو یہ آیت اہل زمین سے یعنی مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے استغفار سے ارادہ طلب علم اور طلب غفران لیا ہو ان اللہ یُمسک السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكْتَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۶﴾ (فاطر) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنْ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ (الرعد: 6)

یہاں استغفار سے مراد ان کے بارے میں علم کرنا اور انتقام میں جندی نہ کرنا ہے تو یہ حکم ہو گیا (1)؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ مطرف نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیطانوں کو پایا ہے (2)۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱﴾ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ڈرایا اور عظمت شان کو بیان کیا اور آخر میں مہربانی کا ذکر کیا اور بشارت دی۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱﴾

”اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوست اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔“

أَوْلِيَاءَ سے مراد بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وہ ان کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے تاکہ ان اعمال پر انہیں بدلہ دے وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱﴾ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے، حدیث طیبہ میں ہے: أَطَلْتِ السَّمَاءَ وَحُتِّ لَهَا أَنْ تَبْطِ (3) آسمان اپنے مکینوں کے بوجھ کی وجہ سے آواز نکالنے لگا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ کفار اس کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿۱﴾

”اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس کی آمد پر کچھ شبہ نہیں (اس دن) ایک فریق جنت اور دوسرا بھڑکتی آگ میں ہوگا۔“

جس طرح ہم نے آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف ان معانی کو وحی کیا اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن وحی کیا ہم نے اسے لغت عرب میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ پر قرآن عربی آپ کی قوم کی

زبان میں نازل کیا جس طرح ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں پیغام دے کر بھیجا۔ معنی ایک ہی ہے۔
 أُمَّ الْقُرَىٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ کو ام القریٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین اسی کے نیچے سے پھیلائی گئی ہے وَمَنْ
 حَوْلَهَا یعنی باقی مخلوق۔ وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ يَوْمَ الْجَمْعِ سے مراد یوم قیامت ہے لَا تَأْتِي فِيهِ اس میں کوئی شک نہیں فَرِيقًا فِي
 الْجَنَّةِ وَفَرِيقًا فِي السَّعِيرِ ۝ یہ مبتدا خبر ہے۔ کسائی نے نصب کو جائز قرار دیا ہے تقدیر کلام یوں ہے لتنذر فریقانی الجنة
 و فریقانی السعیر۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ وَالظَّالِمُونَ

مَا لَهُمْ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں،

اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔“

ضحاک نے کہا: أُمَّةً وَاحِدَةً سے مراد ہے ایک دین والے، یعنی سب گمراہ یا سب ہدایت یافتہ۔ حضرت انس بن
 مالک نے کہا: رحمت سے مراد اسلام ہے وَالظَّالِمُونَ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے (1) اس کی خبر مابعد مَا لَهُمْ مِنْ
 وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ ہے نصیر کا عطف لفظ پر ہے اسے لانسید پڑھنا بھی جائز ہے اس صورت میں اس کا عطف محل پر ہوگا اور
 من زائدہ ہوگا۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِيَاءَ ۗ قَالُوا هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۝

”کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور زندہ کرتا ہے

مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

ام یہاں بل کے معنی میں ہے۔ اولیاء سے مراد بت ہیں۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تیرا اور تیرے پیروکاروں کا
 ولی ہے اس کے سوا کوئی ولی نہیں وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ سے مراد بعث بعد الموت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے جبکہ اس
 کے سوا کوئی کسی شے پر قادر نہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۗ ذَلِكُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۗ وَ

إِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

”اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کرو وہی اللہ میرا رب

ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“

اس میں رسول اللہ ﷺ کو مومنین کے لیے فرمان کی حکایت ہے یعنی اہل کتاب میں اور شرکین میں سے کفار دین کے معاملہ میں تم سے اختلاف کریں تو انہیں کہو: اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، تمہارے سپرد نہیں اس نے فیصلہ کر دیا کہ دین تو اسلام ہی ہے اور شریعت کے امور اللہ تعالیٰ کے بیان سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں (1)۔

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبِّيَ يَعْنِي جِوَانِ صِفَاتٍ مِّنْ مَّوصُوفٍ هُوَ هِيَ مِيرَابٌ يَكْتَابُ هِيَ - اس میں انما ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو وہ ذات جو مردوں کو زندہ کرتی ہے وہی اللہ ہے اور جو مختلف امور میں فیصلہ کرنے والا ہے وہی میراب ہے اسی پر میں نے اعتماد کیا اور اسی کی طرف میں لوٹنے والا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۗ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۗ يَذُرُّكُمْ فِيْهِ ۗ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۗ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

”وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے اور موشیوں سے بھی جوڑے بنائے وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ، نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ یہ لفظ اللہ کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا تقدیر کلام یہ ہے ہو فاطر۔ ندا کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور علیہ کی ضمیر سے بدل کے طریقہ پر جردینا بھی جائز ہے۔ فاطر کا معنی مبدع اور خالق ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ازواج کا معنی عورتیں ہیں یہاں مِّنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا۔ مجاہد نے کہا: معنی نسل کے بعد نسل ہے (2)۔

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یعنی آٹھ جوڑے جن کا ذکر سورہ انعام میں گذر چکا ہے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری اور ان کے جوڑے۔

يَذُرُّكُمْ فِيْهِ تمہیں رحم میں پیدا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بطن ہے۔ فراء اور ابن کيسان نے کہا: فِيْهِ میں ف، باء کے معنی میں ہے اسی طرح زجاج نے کہا: يَذُرُّكُمْ فِيْهِ کا معنی ہے وہ تمہیں اس کے ذریعے زیادہ کرتا ہے یعنی تمہیں زیادہ کرتا ہے کہ تمہاری اس نے بیویاں بنا دیں کیونکہ بیویاں نسل کا سبب بنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْهِ میں ضمیر جعل کے لیے ہے اس پر جعل دلالت کرتا ہے گویا فرمایا وہ تمہیں جعل میں پیدا کرتا ہے اور تمہیں زیادہ کرتا ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا: فِيْهِ میں ضمیر زوج کے لیے ہے یعنی وہ تمہیں عورتوں کے بطن میں پیدا کرتا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْهِ میں ضمیر سے مراد رحم ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ رحم مونث ہے اور اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۗ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف زائدہ تاکید کے لیے ہے یعنی اس کی مثل کوئی

چیز نہیں۔ شاعر نے کہا:

و صالیاتٍ کُنْمَا یُوْتَفِینَ (1)

یہاں کاف کو کاف پر داخل کیا گیا مقصود تشبیہ میں تاکید بیان کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثل تاکید کے لیے زائد ہے، یہ ثعلب کا قول ہے لیس کہوشی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا (البقرہ: 137)** یہاں بھی مثل زائد ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں **فان آمنوا بآمنتهم به فقد اهتدوا** اور بن حجر نے کہا:

وَقَتْلَى كَمَثَلِ جَذْوَعِ النَّخِيلِ يَغْشَاهُمْ مَطَرٌ مِنْهُمْ (2)

کتنے ہی مقتول ہیں جو کھجور کے تنوں کی طرح ہیں جنہیں موسلا دھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

شعر میں اصل کجذوع تھا۔ یہاں سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی، ملکوت، اسماء حسنی، صفات کی بلندی میں اپنی مخلوقات میں سے کسی شے بھی مشابہ نہیں جہاں تک ان اسماء کا تعلق ہے جن کو شرع نے خالق اور مخلوق دونوں کے لیے ذکر کیا ہے تو معنی حقیقی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ قدیم ذات کی صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں کیونکہ مخلوقات کی صفات اغراض و اعراض سے جدا نہیں ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ غرض و عرض سے پاک ہے بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات و اسماء کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت کتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کی ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** کافی ہے۔ بعض علماء محققین نے فرمایا: توحید کا مطلب ہے ایسی ذات کو ثابت کرنا جو کسی ذات کے مشابہ نہ ہو اور نہ ہی وہ صفات سے معطل ہو۔ واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زائد بیان کیا ہے اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں، اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں مگر لفظ میں موافقت ہو سکتی ہے ذات قدیمہ اس سے بالا ہے کہ اس کی صفت حادث ہو جس طرح یہ محال ہے کہ حادث ذات کی کوئی صفت قدیم ہو؛ یہ اہل السنہ والجماعۃ کا مذہب ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَهْبِطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

”اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے

چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اس کی وضاحت سورہ زمر میں گذر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: جو چابیوں کا مالک

ہوتا ہے وہ خزانوں کا بھی مالک ہوتا ہے (3)۔ مفاح کو اقلید کہتے ہیں اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے جس طرح حسن کی جمع

خلاف قیاس محاسن آتی ہے یَبْسُطُ الرِّزْقِ۔ اس کی بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِينَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ
إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۗ كَبُرَ عَلَى
الشُّرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۗ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى اللَّهِ مَنْ
يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعْثًا بَيْنَهُمْ ۗ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِّبَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ
بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِمَّا مَرَّيْطُ ۝

”اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اس دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا، اس میں بہت گراں گذرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلا تے ہیں، اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہ بنے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم یہ (تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا، اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے۔“

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ وہ ذات پاک جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اس نے تمہارے لیے وہ دین مقرر فرمایا جو قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ علیہم السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا پھر اس کی وضاحت اپنے اس ارشاد سے بیان کی اَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے رسولوں، کتابوں، یوم جزا اور باقی ماندہ تمام امور جنگو بجالانے سے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے پر ایمان لانا ہے۔ اور شرعی احکام جو امتوں کی مصلحتوں پر قائم ہیں اس طرح وارد نہیں ہوئے وہ مختلف اور متفاوت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا (المائدہ: 48) اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

شرع کا معنی ہے راستوں کو واضح کرنا قد شرع لهم يشرع شرعا یعنی سنن سنت قائم کی، واضح کیا۔ شارع سے مراد راستہ ہے قد شرع المنزل جب وہ ایسے راستے پر ہو جو آگے کھلتا ہو۔ و شرعت الإبل۔ جب تو اونٹ کو گھاٹ پر جانے کا موقع دے شرعت الادیم۔ جب تو اس کا چڑا اتارے۔ یعقوب نے کہا: میں نے ام الحارث بکر یہ کو کہتے ہوئے سنا شرعت فی هذا

الامر شروع یعنی میں اس میں گھس گیا۔

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ ان محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی والذی وحی بہ نوحاً ان اقیمو الدین اس تعبیر کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان محل نصب میں ہے اس نے اقامت دین کو تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہ کی ہاء ضمیر سے بدل ہے گویا فرمایا: بہ اقیمو الدین ان دو تعبیروں کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کرنا جائز نہیں یہ بھی جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو جیسے اِنْ اَمْشُوا (ص: 6) میں ہے اس صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: حدیث صحیح میں ثابت ہے (1) کہ نبی کریم ﷺ نے شفاعت کبیر والی مشہور حدیث میں کہا: ”بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ عرض کریں گے: آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا“ یہ صحیح ہے اس میں کوئی اشکال نہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صرف نبی ہی تھے آپ کے لیے فرائض معین ہوئے نہ محارم کا حکم دیا گیا، بعض امور کے بارے میں صرف تشبیہ تھی، معاش کی ضرورت تک معاملہ کو محدود رکھا گیا تھا، حیات و بقا کے کچھ معاملات کو اپنانے کا حکم تھا اور معاملہ حضرت نوح علیہ السلام تک آپہنچا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں کی حرمت کے ساتھ مبعوث کیا کچھ واجبات ان پر لازم کیے، دیانات میں آداب کو واضح کیا یہ امر رسولوں کے ساتھ موکد ہوتا رہا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یکے بعد دیگرے اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کے ساتھ پختہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اختتام بہترین امت جو ہماری امت ہے پر کیا۔ اس کا ذکر تمام رسولوں سے معزز ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر ہوا معنی ہوگا اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک دین کی وصیت کی یعنی اصول جن میں شریعت مختلف نہیں ہوتی وہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، صدق، عہد کو پورا کرنا، امانت ادا کرنا، صلہ رحمی، کفر، قتل، زنا اور مخلوقات کو اذیت پہنچانے کی حرمت کیسی بھی صورت ہو، حیوانات پر ظلم کرنا کسی بھی طریقہ سے ہو، ذلت و پستی کے امور میں داخل ہونے کی حرمت، جو امور مروت کو ختم کر دیں ان کی حرمت یہ سب امور مشروع تھے ان میں سب دین ایک دین اور سب ملتیں ایک ملت ہیں، انبیاء کی زبانوں سے ان امور میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ ان کی قومیں اور زمانے مختلف تھے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مقصود ہے: أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ یعنی اسے قائم رکھو اس سے مراد دائمی محفوظ ہے اس میں سے کسی قسم کا اختلاف نہ کرو کیونکہ ان امور میں کوئی اختلاف اور اضطراب نہیں۔ مخلوقات میں سے کچھ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جس نے اس کو توڑا۔ فَمَنْ تَلَّكَ فَإِنَّمَا يَنْتَكِلُ عَلَى نَفْسِهِ (فتح: 10) ان چیزوں کے علاوہ میں شریعتوں میں چند امور میں اختلاف ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا، مصلحت نے جس کا تقاضا کیا اور حکمت نے مختلف زمانوں میں امتوں پر ان کے رکھنے کو لازم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جس کا تاکید حکم دیا اس میں شک میں مبتلاء ہیں۔ یہاں کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ أُوْرُوا الْكِتَابَ سے مراد قریش ہیں مِنْ بَعْدِهِمْ ضمیر سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں لَفِي شَكِّ قُرْآنٍ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شک میں مبتلاء ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: مِنْ بَعْدِهِمْ کا معنی ہے ان سے قبل یعنی مشرکین مکہ سے پہلے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔

فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۗ وَاسْتَقِمْ ۖ كَمَا أُمِرْتَ ۗ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۗ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۗ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اللّٰهُ رَبُّنَا وَاَرْبَابُكُمْ ۗ لَنَا اَعْمَالُنَا
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۗ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۗ

”پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہے اور ثابت قدم رہے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کی اور فرمائیے کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو جمع کر دے گا اور اسی کی طرف سب نے پلٹنا ہے۔“

فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۗ وَاسْتَقِمْ ۖ جب یہ جائز ہے کہ شک یہود اور نصاریٰ کی جانب سے ہے یا شک قریش کی جانب سے ہے اس لیے آپ کو فرمایا: آپ نے ان کے شک کو پہچان لیا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں یعنی اس دین کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لیے مشروع کیا اور انہیں اس کا تاکید حکم دیا۔ یہاں لام، الی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرِسٰلَتِهٖۙ وَذٰلِكَ هُوَ الْاِيْمَانُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُدْعُوْنَ لِهٖۙ وَكُنْتُمْ تُكْفَرُوْنَ مِنْهٗۙ سُوْرہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ معنی ہے قرآن کی طرف دعوت دیجیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی وجہ سے تم دعوت اور استقامت کا مظاہرہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مخلوق کو قرآن کی دعوت دو وَاسْتَقِمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے امر پر استقامت کا مظاہرہ کرو (2)۔ سفیان نے کہا: قرآن پر استقامت کا مظاہرہ کرو۔ ضحاک نے کہا: رسالت کی تبلیغ پر استقامت کا مظاہرہ کرو (3)۔

وَلَا تَتَّبِعْ اٰهْوَاءَهُمْ ۗ جو آدمی آپ کی مخالفت کرتا ہے اس کی مخالفت کی طرف نہ دیکھو وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۗ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ لِاَعْدِلَ لِاَنْ اَعْدِلَ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ (غافر) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ لام کشی ہے معنی بنے گالکی اعدل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ نے کہا: تاکہ میں تمہارے درمیان دین میں برابری کروں اور میں ہر کتاب اور ہر رسول پر ایمان لاؤں۔ دوسرے علماء نے کہا: میں تمام احوال میں عدل کروں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ عدل، احکام میں عدل ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تبلیغ میں عدل ہے۔

اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: خطاب یہودیوں کو ہے یعنی ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے، کہا: پھر اس ارشاد کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبہ: 29)

مجاہد نے کہا: لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ کا معنی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خصوصیت نہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم منسوخ نہیں کیونکہ براہین ظاہر ہو چکیں اور دلائل قائم ہو چکے اب عناد کے سوا کوئی چیز باقی نہیں اور عناد کے بعد کوئی حجت اور جدال نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ معنی کرنا بھی جائز ہے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تمہارے خلاف دلیل قائم کی جائے اور تم سے جنگ کی جائے پھر اسے منسوخ کر دیا گیا جس طرح حمویل قبلہ سے پہلے کوئی کہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو پھر لوگوں کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ جائز ہے کہ یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

اللَّهُ يَجْعَلُ بَيْنَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَرَادَهُ كَمَا وَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑤ جب ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور ہر ایک کو اسی کے مطابق جزا دی جائیگی جس پر وہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنی دعوت اور دین سے قریش کے دین کی طرف پلٹ آئیں شرط انہوں نے یہ لگائی کہ ولید آپ کو اپنا نصف مال دے گا اور شیبہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ سے کر دے گا (2)۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑥

”اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے سخت عذاب ہے۔“

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین میں حجت بازیاں کرتے ہیں۔ کہا: ان لوگوں نے دہم کیا کہ جاہلیت لوٹ آئے گی (3)۔ قتادہ نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں حجت بازیاں کرتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں (4)، ان کی حجت بازی ان کا یہ قول تھا: ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، وہ اپنی فضیلت کا تصور رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور انبیاء کی اولاد ہیں مشرکین کہتے ہیں اَمْ الْقَرِيقِيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَاَحْسَنُ نَدِيًّا ⑦ (مریم) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے کوئی ثبات نہیں اس شے کی طرح جو اپنی جگہ سے پھسل جاتی ہے لہٰذا میں ہاء ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے بعد اس کے محمد ﷺ کے لیے دعا قبول کی جا چکی تھی جیسے اہل بدر اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تھی یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے دَحَضَتْ حُجَّةَ

دُحُوضًا وَه باطل ہوگئی ادحضها الله۔ الله تعالى نے اسے باطل کر دیا۔ ادحاض کا معنی پھسلانا ہے۔ مکان دَحَض و دَحَض
ایسی جگہ جس پر پھسلن ہو۔ دَحَضَتْ رَجُلُهُ تَدَحَضُ دَحَضًا اس کا پاؤں پھسل گیا دحضت الشمس عند كبد السماء سورج
زائل ہو گیا وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مراد دنیا ہے یعنی دنیا میں آپ پر غضب ہوگا وَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۱۵ اس سے مراد ہے آخرت
میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۝ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝۱۶

”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو اور تمہیں کیا معلوم کہ
شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔“

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ قرآن اور باقی کتب منزلہ ہیں۔ بِالْحَقِّ حق سے مراد صدق ہے وَالْمِيزَانَ سے مراد عدل
ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے (1)۔ عدل کو میزان کہتے ہیں کیونکہ میزان انصاف اور عدل کا آلہ
ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد وہ ہے جو کتاب میں واضح کیا گیا ہے جس پر عمل کرنا انسان پر واجب ہے۔ قتادہ
نے کہا: میزان سے مامور اور منہی میں عدل کرنا ہے (2)۔ یہ تمام اقوام معنی میں قریب قریب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ
اس سے مراد اطاعت پر ثواب کے ساتھ جزا دینا اور معصیت پر عقاب سے جزا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے
مراد ترازو ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے نازل کیا اور لوگوں کو اس کے ساتھ وزن کرنے کی
تعلیم دی تاکہ لوگوں میں باہم ظلم اور حقوق میں کمی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا
مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید: 25)

مجاہد نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے انزل المیزان کا معنی ہے مخلوق کو الہام کیا کہ اس کو کام میں
لائیں (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ میزان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ
کرتے ہیں۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ قیامت کے وقت کے بارے میں آپ کو آگاہ نہ کیا کتاب اللہ پر عمل، عدل،
برابری اور شرائع پر عمل کرنے پر برا بیچتے کیا قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں محاسبہ اور اعمال کا وزن ہو جس نے ان احکام
پر پورا پورا عمل کیا تھا اس کو پورا پورا عطا کرے گا اور جس نے اس میں کمی کی ہوگی اس کے حق میں کمی کرے گا۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ ممکن ہے قیامت آپ کے قریب ہو جبکہ آپ اپنی دانش سے اس کو نہ جانیں۔ یہاں قریب
فرمایا ہے قریب نہیں فرمایا کیونکہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرح ہے (4)؛ یہ زجاج کا قول ہے معنی ہے ممکن
ہے بعثت یا قیامت کا آنا قریب ہو۔ کسائی نے کہا: قریب صفت ہے جس کے ساتھ مذکر، مؤنث اور ایسی جمع کی صفت لگائی

جاتی ہے جو معنا جمع ہو اور لفظ واحد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ** (اعراف) شاعر نے کہا:

کنا قریبا والدیار بعیدة
ہم قریب تھے اور گھر دور تھے۔ محل استدلال قریبا ہے۔

**يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ
أَنَّهَا الْحَقُّ - إِلَّا الَّذِينَ يُبَارِزُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ** (1)

”جدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق وہ بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وہ کلام استہزاء کے طور پر کرتے، ان کا گمان یہ تھا کہ قیامت واقع نہ ہوگی یا کمزور لوگوں کو وہم دلاتے تھے کہ وہ واقع نہ ہوگی **مُشْفِقُونَ مِنْهَا** وہ خیال کرتے ہیں کہ اطاعت میں جس طرح انہیں کوشش کرنی چاہیے اس میں انہوں نے کوتاہی کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا ذُلًّا مِّنْهُمْ وَحِلَّةً أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ** (مومن) **وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ** یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يُبَارِزُونَ فِي السَّاعَةِ وہ قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں اور اس میں مخالفت کرتے ہیں **لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ** وہ حق اور عبرت کے راستہ سے بہت بعید ہیں کیونکہ اگر وہ سوچ و بچار کرتے تو وہ یہ جان لیتے کہ جس ذات پاک نے انہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ وہ پینچے جہاں تک پہنچے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ اٹھائے۔

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (2)

”اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی قوی اور زبردست ہے۔“

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان پر شفیق ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ ان کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور فاجر کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے کیونکہ ان کے معاصی کی وجہ سے وہ بھوکوں نہیں مرتے۔ قرظی نے کہا: وہ پیشی اور محاسبہ کے موقع پر شفقت فرمانے والا ہے۔ کہا:

غذا عند منوال الخلق للخلق موقف يسائلهم فيه الجليل ويلطف

قیامت کے روز مخلوق نے خالق کے ہاں کھڑا ہوتا ہے، اس روز اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا اور مہربانی فرمائے گا۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین نے کہا: رزق میں دو طریقوں سے مہربانی فرماتا ہے: (1) اس نے تیرا رزق پاکیزہ چیزوں سے بنایا ہے (2) اس نے رزق تجھے ایک ہی دفعہ نہیں دے دیا کہ تو اس میں فضول خرچی کر دے۔ حسین بن فضل نے کہا: قرآن میں اس کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے، اس کی تفسیر اور تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ جنید نے کہا: وہ اپنے اولیاء پر

مہربانی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر مہربانی فرماتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے۔ محمد بن علی کتانی نے کہا: لَطِيفٌ سے مراد اس کے بندوں سے جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے جب وہ مخلوق سے مایوس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر توجہ فرماتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث طیبہ میں آیا ہے ”اللہ تعالیٰ بوسیدہ قبروں کی طرف جھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان کے آثار مٹ گئے اور ان کی صورتیں محو ہو گئیں اور ان پر عذاب باقی ہے جبکہ میں لطیف ہوں اور أرحم الراحمین ہوں، ان سے عذاب میں تخفیف کر دو، تو ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے“ (1)۔ ابو علی ثقفی رضی اللہ عنہ نے کہا:

أمر بأفناء القبور كأنني أخوفنة والشوب فيه نحيف
ومن شق فاه الله قدر رزقه وربى بمن يدجأ إليه لطيف

میں قبرستانوں سے گذرتا ہوں گویا میں سمجھدار ہوں جبکہ کپڑا اس میں کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا منہ کھولتا ہے اس کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور جو اس کی پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں جو اپنے بندوں کے مناقب کو عام کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو چھپاتا ہے اسی تعبیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: يا من أظهر الجليل وستر القبيح اے وہ ذات پاک! جو جمیل کو ظاہر کرتی ہے اور قبیح امر کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں کہ قلیل کو قبول کرے اور عظیم چیز کو خرچ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کرے اور مشکل کو آسان کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے عدل سے ڈرا جاتا ہے اور اس کے فضل سے امید رکھی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے بندے پر ہمت سے بڑھ کر نعمت کرتا ہے اور طاقت سے بڑھ کر اطاعت کی توفیق دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (ابراہیم: 34) وَأَسْبَبَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ (لقمان: 20) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو خدمت پر مدد کرتا ہے اور زیادہ مدد کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے جو اس کی نافرمانی کرے اس کو جلدی سزا نہیں دیتا اور جو اس سے امید رکھے اسے خائب و خاسر نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے سائل کو خالی نہیں لوٹاتا اور امید رکھنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لغزش کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس پر رحم فرماتا ہے جو اپنے آپ پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو غار فین کے دلوں میں مشاہدہ کا چراغ روشن کرتی ہے اور صراط مستقیم کو اس کا منہاج بنا دیتی ہے اور اپنے نیکی کے بادلوں سے ان کے لیے موسلا دھار بارش برساتی ہے۔ سورۃ الانعام میں ابو العالیہ اور جنید کا قول گذر چکا ہے ہم نے یہ سب باتیں الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں لطیف اسم کے ضمن میں ذکر کر دی ہیں۔ الحمد للہ۔

يَزِدُّنِي مَنْ يَشَاءُ جَسَةً يَأْتِيهِمْ رِزْقُهُمْ يُكْفِيهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (فرقان: 20) اس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔
 یہ بندوں پر مہربانی ہے، یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے ذریعے غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کے ساتھ امتحان میں ڈالا جائے جس طرح ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ (فرقان: 20) اس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۗ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝

”جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی کھیتی کو اور بڑھادیں گے اور جو شخص خواہشمند ہو صرف دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔“

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حرت سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ”تو دنیا کے لیے تنگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مرجانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارت کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔“

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا اللَّهُ تَعَالَىٰ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حرت سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ”تو دنیا کے لیے تنگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مرجانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارت کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔“

یہی معنی ہے: نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حرت سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ”تو دنیا کے لیے تنگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مرجانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارت کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔“

یہی معنی ہے: نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حرت سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ”تو دنیا کے لیے تنگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مرجانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارت کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔“

ارشاد فرماتا ہے: جو آدمی آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو ہم اسکے عمل میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دنیا سے اسے وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو کچھ ہم نے اس کے لیے لکھا ہوتا ہے اور جو اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو ہم اس کے لیے آخرت میں صرف آگ کا ہی حصہ بنا دیتے ہیں اور دنیا سے وہی رزق پاتا ہے جو ہم نے اس کے لیے تقسیم کر رکھا ہوتا ہے جو اسے دیا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ ترجیح دے یا نہ دے۔

جویر نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے: جو ابرار سے ہوتا ہے وہ اپنے عمل صالح کے ساتھ آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو فاجر ہوا کرتا ہے وہ اپنے عمل حسن کے ساتھ دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اسے وہی دے دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہو گیا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ (اسرائیل: 18) صحیح یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث صحیح ثابت ہے لَا يَقِلُّ أَحَدُكُمْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنَّ شِئْتَ اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنَّ شِئْتَ (1)۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہے۔ قتادہ نے کہا: جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہ تیرے سامنے اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ نسخ نہیں۔ ہم نے سورہ ہود میں اس امر کی وضاحت کی ہے یہ مطلق اور مقید کے باب سے ہے اور نسخ اخبار میں داخل نہیں ہوتا۔

مسئلہ: یہ آیت امام ابو حنیفہ کے اس قول کو باطل کرتی ہے (2): جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا تو یہ وضو اس کے فرض کے قائم مقام ہو جائے گا کیونکہ وضو کی فرضیت آخرت کی کھیتی ہے اور ٹھنڈک حاصل کرنا امور دنیا سے ہے ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر داخل نہ ہوگا اس آیت کے ظاہر سے اس کی نیت اس کے قائم مقام نہ ہوگی؛ (۳) یہ ابن عربی کا قول ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ

لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

”کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کاچکا دیا گیا ہوتا اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ مِمَّنْ زَانَدَهُ هُوَ ۗ هُمْزُهُ تَقْرِيعٌ كَيْ لِي هُوَ ۗ يَهِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَيْ فَرْمَانِ: شَرَعٌ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَعُوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب العزم على الدعاء، جلد 2، صفحہ 342

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1667

۳۔ ائمہ احناف یہ کہتے ہیں کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی عطا کرنے والا بنایا ہے۔ قرآن حکیم میں وضو کو نیت کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا اگر ایک آدمی پانی استعمال کرتا ہے اور وضو کے ارکان و سنن، بہا لاتا ہے تو اس کا وضو ہو جائے گا تاہم وضو میں نیت کرتا تو اس کے اعضاء کے گناہ زائل ہو جاتے۔

یہ نوح اور اللہ الذی انزل الکتب بالحق والیزان کے ساتھ متعلق ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے تھے کیا ان کے اپنے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک شروع کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی جب یہ مجال ہے تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو شروع نہیں کیا تو پھر تم کس طرح اس کو اپناتے ہو۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اس سے مراد یوم قیامت ہے کیونکہ ارشاد فرمایا: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (قمر: 46) لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ دُنْيَا میں ہی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی ظالم کو جلدی عذاب دیتا اور اطاعت شعار کو ثواب دیتا۔ ظالمین سے مراد مشرک ہیں ان کے لیے دنیا میں قتل، قید اور مغلوب ہونا ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ ابن ہرمرز نے کہا ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف و لَوْلَا کَلِمَةُ پر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فاصلہ لولا کے جواب کے ساتھ جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ انجل رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی و جب ان الظالمین لهم عذاب الیم اسی صورت میں یہ کلام ماقبل سے منقطع ہوگی جس طرح جب ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھا جائے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

”آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہی بڑا فضل ہے۔“

مُشْفِقِينَ کا معنی ڈرنے والے ہیں۔ مِمَّا كَسَبُوا جو کچھ انہوں نے کیا اس کی جزا۔ یہاں ظالموں سے مراد کافروں ہیں، کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان تقسیم والی دلیل موجود ہے۔

وَاقِعٌ بِهِمْ ان پر نازل ہونے والا ہے رَوْضَاتِ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں بہت زیادہ سرسبزی ہوتی ہے۔ سورہ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی ان کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتیں اور عظیم ثواب ہے۔
ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ اس کا وصف بیان نہیں کیا جاسکتا اور عقلیں اس کی صفت کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے کبیر کا لفظ استعمال کرے تو کون اس کا اندازہ لگائے گا؟

ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادًا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

”یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے ہیں۔“

حسین، عمرو بن شعیب اور سدی کا ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے یہ نہ وہ کون لوگ ہیں جن سے ہم محبت کریں؟ فرمایا: ”علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (1)“ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسد کی شکایت کی فرمایا: ”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو ان چار میں چوتھا ہو جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے میں، تو، حسن اور حسین ہماری ازواج ہمارے دائیں اور بائیں ہوگی اور ہماری اولادیں ہماری بیویوں کے پیچھے ہوگی“ (2)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان لوگوں پر جنت حرام کر دی گئی جس نے تیرے اہل بیت پر ظلم کیا، میری عمرت کے بارے میں مجھے اذیت دی، جس نے عبدالمطلب کے خاندان میں سے کسی فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا اس نے اسے بدلہ نہ دیا جب قیامت کے روز وہ مجھے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا“ (3)۔

حسن بصری اور قتادہ نے یہ کہا: معنی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اپنا کر اس کا قرب حاصل کریں (4)۔ اس صورت میں قربی، قربت کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: قربت اور قربی ایک معنی میں ہیں جس طرح زلفۃ اور زلفی ہے۔

قزح بن سوید، ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فرمادیجئے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس پر میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم باہم محبت کرو اور اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو“ (5)۔

منصور اور عوف نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ مراد ہے: وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کریں۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہ آیت منسوخ ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیا کرتے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ محبت کرنے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انصار نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے انبیاء بھائیوں کے ساتھ لاحق کر دے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۱﴾ (شعراء) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۷۲﴾ (ص) اور اس ارشاد: أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَقَدْ جَاءَ بِكَ خَيْرٌ ﴿۷۲﴾ (مؤمنون) اور اس ارشاد: أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۷۳﴾ (طور) کے ساتھ منسوخ ہوگئی؛ یہ ضحاک اور

2- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 220

1- تفسیر ابن عباس و مرویاتہ فی التفسیر، کتب السنۃ، جلد 2، صفحہ 780

4- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202

3- ایضاً

5- المسحورک للہام، کتاب التفسیر، توضیح معنی الا السودۃ فی القرب، جلد 2، صفحہ 82-81، 481، 796

حسین بن فضل کا نقطہ نظر ہے۔ جویر نے ضحاک سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں ثعلبی نے کہا: یہ قوی نہیں جو آدمی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی اطاعت کے ساتھ، اس کے نبی کی محبت کے ساتھ اور اہل بیت کی محبت کے ساتھ والا امر منسوخ ہے اس کے قول کی قباحت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مرا وہ شہید کی حیثیت سے مرا، جو آدمی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے زائرین رحمت کے فرشتوں کو بنا دے گا، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا تو وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، جو میرے آل بیت کے بغض پر مرا تو میری شفاعت میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں۔“

میں کہتا ہوں: اس روایت کو زحشری نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی طویل نقل کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو آل محمد کی محبت پر مرا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا اور جو آل محمد کی محبت پر فوت ہوا تو مومن کی حیثیت سے فوت ہوا جبکہ وہ کامل ایمان والا ہوگا خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا ملک الموت پھر منکر و نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے خبردار! جو آل محمد کی محبت میں مرا اسے جنت کی طرف یوں لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو اس کے خاوند کے گھر لے جایا جاتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں دو دروازے جنت کی طرف کھول دیئے جاتے ہیں خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیات گاہ بنا دیتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ سنت اور جماعت پر مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ کافر کی حیثیت سے مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا“ (1)۔ نحاس نے کہا: عکرمہ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ کہا: قریش صلہ رحمی کیا کرتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہوں نے قطع رحمی کی۔ فرمایا: ”میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو میری قرابت کی حفاظت کرو اور مجھے نہ جھٹلاؤ۔“

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس کا قول جو بخاری میں ہے امام شعبی نے بھی ان سے یہی قول نقل کیا ہے یہ کوئی منسوخ نہیں۔ نحاس نے کہا حضرت حسن بصری کا قول حسن ہے اس کی صحت پر یہ حدیث مسند دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جسے احمد بن محمد از دی، ربیع بن سلیمان مرادی سے وہ اسد بن موسیٰ سے وہ قزعة بن یزید بصری سے وہ عبد اللہ بن ابی نوح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو کچھ بینات اور ہدایات میں تمہیں پہنچاتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کرو“ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ واضح امر ہے آپ سے قبل انبیاء نے بھی یہی بات کہی تھی: اِنْ

اَجْرِي اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (سبا: 47)

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

کہا: جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو ایسی مشکلات بار بار آتیں اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے جو کچھ وسائل آپ کے پاس ہوتے وہ آپ کو کفایت نہ کرتے، انصار نے کہا: اس ذات نے تمہاری اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی کی ہے جبکہ یہ تمہارے عزیز بھی ہیں انہیں ایسے حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ انہیں کافی نہیں ہوتا ہم آپ کے لیے مال جمع کرتے ہیں انہوں نے اسی طرح کیا پھر وہ مال آپ ﷺ کے پاس لے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انصار اور مہاجرین نے باہم فخر کیا، انصار نے کہا: ہم نے یہ کیا، مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت پر فخر کیا (1)۔ مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی امر کے بارے میں سنا تو خطبہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: ”کیا تم بے بس نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزت دی؟“ (2) ”فرمایا: ”تم مجھے جواب نہیں دو گے؟“ انصار نے عرض کی: ہم کس طرح آپ کو جواب دیں؟ فرمایا: ”تم کہتے کیا آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو رد نہیں کر دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کو جھٹلایا نہیں تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟“ حضور ﷺ نے کئی باتیں ان پر شمار کیں کہا: صحابہ کرام گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا: ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ کے لیے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قنادہ نے کہا: مشرکوں نے کہا حضرت محمد ﷺ جو چیز لاتے ہیں شاید اس کے ساتھ اجر کے طالب ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی تاکہ ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رشتہ داروں کی محبت پر برا بیچتے کرے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تعبیر آیت کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً - يَقْتَرِفْ کا معنی یکتسب ہے۔ قرف کا اصل معنی کسب ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یقرف لعیالہ فلاں اپنے اہل و عیال کے لیے مزدوری کرتا ہے۔ اقراراف کا معنی اکتساب ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے رجل قرفہ جب وہ محنت مزدوری کرتا ہو۔ سورہ انعام میں اس کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً سے مراد ہے جس نے آل محمد سے محبت کی نَزْدَ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ہم اس کے لیے دس یا اس سے زائد گناہ بردے دیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ قنادہ نے کہا: عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ یعنی گناہوں کو بخشنے والا شَكُوْرٌ یعنی نیکیوں پر خوش ہونے والا (3)۔ سدی نے کہا: آل محمد علیہم السلام کے گناہ بخشنے والا اور ان کی نیکیوں پر اجر دینے والا (4)۔

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَىٰ اللّٰهِ كَذِبًاۗۙ فَاِنَّ اللّٰهَ يَخْتَمُ عَلٰی قَلْبِكَۗ وَيَسَّحُ اللّٰهُ
الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِۦۙ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر، اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے، بے شک وہ جاننے والا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آیت **قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا** نازل ہوئی کچھ لوگوں نے اپنے دلوں میں سوچا آپ سنی اللہ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ انہوں نے آپ سنی اللہ علیہ السلام پر تہمت لگائی ہے تو یہ آیت **أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا** نازل ہوئی تو ان لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنی اللہ علیہ السلام ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ سنی اللہ علیہ السلام سچے ہیں اور ہم توبہ کرتے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے اولیاء اور اہل اطاعت کی توبہ قبول فرماتا ہے، آیت عام ہے (2)۔ توبہ کے معنی اور اس کے احکام کے متعلق گفتگو گذر چکی ہے۔ سورہ براءت میں یہ لفظ گذر چکا ہے۔

وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ① یعنی اسلام لانے سے قبل جو شرک کیا کرتا تھا اس کو معاف فرماتا ہے اور تم جو اچھایا برا عمل کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ حمزہ، کسائی، حفص اور خلف نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان شاگردوں کی قراءت ہے باقی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ دو خبروں کے درمیان ہے پہلی خبر **وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ** اور دوسری **يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۗ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ①

”اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کے حق سے

بھی انہیں زیادہ اجرت دیتا ہے اپنی مہربانی سے، اور کفار، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

الذین محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عبادت قبول فرماتا ہے جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اپنے بدن کے ساتھ اطاعت کی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی عرضداشت کو قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے حق میں ایک دوسرے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجاب اور استجاب کا ایک معنی ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایک دوسرے کے حق میں شفاعت قبول فرماتا ہے **وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ** کا معنی ہے وہ ان کے بھائیوں کے حق میں سفارش قبول فرماتا ہے (3)۔ مبرد نے کہا: **وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا** کا معنی ہے **دليستدع الذین آمنوا الاجابة** باب استفعال کے معنی میں طلب پائی جاتی ہے الذین محل رفع میں ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَّوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ①

”اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لیے تو سرکشی کرنے لگتے زمین میں لیکن وہ اتارنا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کے احوال سے خوب آگاہ ہے سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ آیت کے نزول کے بارے میں ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اہل صفہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رزق کی وسعت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ حضرت حباب بن ارت نے کہا: یہ ہمارے بارے میں آیت نازل ہوئی ہم نے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے اموال کو دیکھا تو ہم نے اس کی تمنا کی تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَلَوْ بَسَطَ اس کا معنی ہے وسیع کرنا۔ بسط الشئ کا معنی ہے اس کو پھیلا دیا، جب یہ لفظ سین کی بجائے صاد کے ساتھ ہو تب بھی اس کا یہی معنی ہوتا ہے۔

لَبَّغُوا فِي الْأَمْشِصِ وہ سرکش ہو جاتے اور نافرمانی کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بغیہم سے مراد ہے ایک منزل کے بعد دوسری منزل، ایک جانور کے بعد دوسرا جانور، ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ انہیں کثیر مال دیتا تو وہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتے کیونکہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اگر انسان کی سونے کی دوادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرتا ہے (3)۔“ یہی بغی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی مطلب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم سب کو مال میں برابر کر دیتے تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی اطاعت نہ کرتا اور صنعتیں معطل ہو کر رہ جاتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رزق سے مراد بارش ہے رزق سبب ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ بارش لگا تا عطا فرماتا رہتا تو وہ دعا سے غافل ہو جاتے وہ کبھی کبھی بارش روک لیتا ہے تو وہ آہ وزاری شروع کر دیتے ہیں اور کبھی اس میں فراخی عطا فرماتا ہے تو وہ شکر بجالاتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے جب وہ خوشحال ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر غارت گری مچاتے ہیں تو بغی کو اس پر محمول کرنا کوئی بعید نہیں۔ زمخشری نے کہا: لَبَّغُوا بغی سے مشتق ہے جس کا معنی ظلم ہے یعنی ایک دوسرے پر ظلم کرے اور دوسرا پہلے پر ظلم کرے کیونکہ مال و دولت تکبر و غرور کا باعث ہوا کرتی ہے قارون عبرت کے لیے کافی ہے (4)۔

اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أخوف ما أخاف على امتي زهرة الدنيا وكثرتها جن چیزوں سے میں اپنی امت سے ڈرتا ہوں ان میں سے خوفناک ترین دنیا کی تروتازگی اور کثرت ہے۔ ایک عرب نے کہا:

وقد جعل الوشيق يُنبِت بيننا وبين بني دؤدان نبتًا وشوحطًا

2۔ معالم التنزيل، جلد 5، صفحہ 84

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 194

4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223

3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، کراہیۃ العرص علی الدنيا، جلد 1، صفحہ 235

موسم بہار کی پہلی بارش ہمارے اور بنی دودان کے درمیان منبع اور شوحط (دو قسم کے درخت) کو اگاتی ہے۔ یعنی ان میں خوشحالی آئی تو انہوں نے بغاوت اور باہم ظلم کا ارادہ کیا یا یہ لفظ بغی سے مشتق ہے جس کا معنی تکبر و غرور ہے یعنی تاکہ وہ زمین میں تکبر کریں اور وہ غلبہ پانے اور فساد برپا کرنے کی کوشش کریں جو اس کبر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

وَلٰكِنْ يُنَزَّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ وَاِنَّ رِزْقَ اَسْمٰكِنَ لَآ يَخْفَىٰ عَلٰى سَمِيعٍ عَلِيمٍ ﴿۱۰۰﴾
لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مقال نے کہا: يُنَزَّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ جسے چاہتا ہے غنی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

سنہ نمبر 2۔ ہمارے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال مصلحتوں سے خالی نہیں ہوں گے اگرچہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں۔ وہ اپنے بندے کے حال کو جانتا ہے کہ اگر وہ اس پر رزق کو وسیع کر دے تو یہ اسے فساد کی طرف لے جائے گا تو وہ مصلحت کے باعث اس سے دنیا لپیٹ لیتا ہے، یہ رزق کی کمی اس کی ذلت نہیں اور نہ ہی رزق کی وسعت فضیلت ہے اس نے کئی قوموں کو رزق کی فراوانی دی جبکہ اسے علم تھا کہ وہ اسے فساد میں استعمال کریں گے اگر وہ اس کے برعکس کرے تو یہ صلاح کے زیادہ قریب ہوگا مجموعی طور پر امر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں استصلاح کا نقطہ نظر لازم کرنا ممکن نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”جس نے میرے دوست کو ذلیل کیا اس نے مجھے دعوت مبارزت دی، میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوں میں ان کے لیے اس طرح غضبناک ہوتا ہوں جس طرح غضبناک شیر غصہ میں ہوتا ہے جس چیز کو میں کرنے والا ہوتا ہوں میں کسی میں بھی اتنا متردد نہیں ہوتا جتنا متردد اس مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے، میں اسے ناراض کرنا ناپسند کرتا ہوں اس کے بغیر کوئی چارہ کاہ نہیں ہوتا بندہ مومن کسی ذریعہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جس قدر وہ فرائض کی بجا آوری کے ذریعے قریب ہوتا ہے بندہ مومن نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان اور ہاتھ اور تائید کرنے والا بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے عبادت کے ایک دروازے کا سوال کرتے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں اگر میں انہیں وہ دے دوں تو اس میں عجب داخل ہو جائے گا اور وہ چیز انہیں تباہ و برباد کر دے گی اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جسے غنا ہی درست کر سکتی ہے اگر میں اسے فقر و تنگدستی دوں تو فقر اسے تباہ و برباد کر دے اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں فقر ہی درست کر سکتا ہے اگر میں اسے غنی کر دوں تو غنا اسے فاسد کر دیتی ہے۔ میں اپنے بندوں میں سے بعض سے اعراض برتاؤ کیوں کہ مجھے ان کے دلوں کا علم ہوتا ہے، کیونکہ میں علیم وخبیر ہوں“ (1)۔ پھر حضرت انس نے دعا کی: اے میرے اللہ! میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جنہیں غنا ہی درست رکھتی ہے اپنی رحمت کے ساتھ مجھے محتاج نہ کرنا۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَطَطُوا وَيُنشِئُ رَحْمَةً ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۱۰۱﴾

”اور وہی ہے جو برساتا ہے مینا اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی اور سب تعریفوں کے لائق ہے۔“

ابن کثیر، ابن محیصن، مجاہد، ابو عمرو، یعقوب، ابن وثاب، اعمش اور کسائی نے یَنْزِلُ کو مخفف پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن وثاب، اعمش اور دوسرے قراء نے قَنْطَوِا پڑھا ہے۔ یہ سب بخشش پہلے گذر چکی ہیں۔ غیث کا معنی بارش ہے، غیث کو غیث اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مخلوق کی مدد کرتا ہے قد غاث الغیث الارض زمین پر بارش ہوئی غاث اللہ البلاد یغیثها غیثا اسی طرح یوں بھی استعمال ہوتا ہے غیث الارض تغاث غیثا فہی ارض مغیثة ومغیوثة۔ اصمعی نے کہا: میں ایک عرب قبیلہ کے پاس سے گذرا جبکہ ان پر بارش ہوئی تھی میں نے ان کی ایک بوڑھی سے پوچھا تم پر بارش ہوئی ہے؟ تو اس نے جواب دیا: غیثنا ما شئنا غیثا یعنی ہم پر بارش ہوئی ہے۔ ذورمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ بنی فلاں کی لونڈی کو ہلاک کرے وہ کتنی فصیح ہے میں نے اسے کہا: تمہارے ہاں بارش کیسے ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا غیثنا ما شئنا پہلے قول کا ذکر ثعلبی نے کیا ہے اور دوسرے قول کا ذکر جوہری نے کیا ہے۔ بعض اوقات سحاب اور نبات کو بھی غیثا کہتے ہیں قنوط کا معنی مایوس ہونا ہے، یہ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کی! اے امیر المؤمنین قحط المطر و قتل الغیث و قنط الناس بارش ناپید ہوگئی نباتات ناپید ہوگئی اور لوگ مایوس ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ تم پر بارش ہوگی پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ غیث اس بارش کو کہتے ہیں جو اس وقت میں نافع ہو۔ مطر اس بارش کو کہتے ہیں جو کسی وقت نافع ہوتی ہے اور کسی وقت نقصان دہ ہوتی ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (1)۔

وَيَنْشُرُ مَا حَمَّتْهُ اِيك قول یہ کیا گیا ہے کہ رحمت کا معنی بارش ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارش کے بعد سورج کا ظاہر ہونا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: اہل مکہ سے سات سال تک بارش رکی رہی یہاں تک کہ وہ مایوس ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل فرمایا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک بدو کے بارے میں آیت نازل ہوئی جس نے جمعہ کے روز نبی کریم ﷺ سے بارش کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر استقواء میں ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ولی اسے کہتے ہیں جو اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، حمید اسے کہتے ہیں جس کی ہرزبان سے تعریف کی جائے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ جَنبِهِمْ

إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢١﴾

”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیے ہیں

آسمان و زمین میں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

آیات سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی قدرت کی دلالت کرتی ہیں مِنْ دَابَّةٍ میں فرشتے اور انسان بھی داخل ہیں اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** (النحل) فراء نے کہا: یہاں مراد زمین میں پھیلائی جانے والی چیزیں ہیں نہ کہ وہ چیزیں جو آسمان میں ہیں جس طرح یہ فرمان ہے **يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** (الرحمن) یہ نمکین سمندر سے نکلتے ہیں بیٹھے سمندر سے نہیں نکلتے ہیں۔ ابوعلی نے کہا: اس کی تقدیر یوں ہے جو ان میں سے ایک میں پھیلائیں، تو مضاف کو حذف کر دیا گیا **يَخْرُجُ مِنْهُمَا** یعنی من احدہما قیامت کے روز ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيِدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ **وَمَا أَنْتُمْ**

بِغَيْرِئِنَّ فِي الْأَرْضِ ۝ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

”اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ کریم درگزر فرمادیتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں اور نہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔“

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيِدِيكُمْ نافع اور ابن عامر نے بسا کسبت فاء کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ حرف اور اجر میں زیادتی ہے۔ مہدوی نے کہا: اگر تو یہ مقدر کرے کہ ما موصولہ ہے تو فاء کا حذف اور اس کا اثبات جائز ہے اور فاء کو ثابت رکھنا بہت اچھا ہے۔ اگر تو اسے شرطیہ کہے تو سیبویہ کے نزدیک اس کا حذف جائز نہیں۔ انفخش نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: **إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمَشْرُكُونَ** (الانعام) یہاں مصیبت سے مراد معاصی پر حدود ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا: ضحاک نے کہا: کسی انسان نے قرآن سیکھا پھر اس کو بھول گیا تو یہ کسی گناہ کے ہی سبب ہوگا (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيِدِيكُمْ** پھر کہا: قرآن بھولنے سے بڑی مصیبت کونسی ہوگی؟ اسے ابن مبارک نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے نقل کیا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ ترک کرنے پر ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو تلاوت کرتا رہتا ہے وہ اس کے حفظ پر حریص ہوتا ہے مگر نسیان اس پر غالب آجاتا ہے تو یہ اس میں سے نہیں جو چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن بھول جایا کرتے یہاں تک کہ آپ کو یاد دلایا جاتا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک آدمی کی قراءت کو سنا تو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر ہو اس نے مجھے ایسی آیات یاد دلوائی ہیں جن کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا“ (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذی کے معنی میں ہے معنی ہے زمانہ گذشتہ میں جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب اللہ میں سے زیادہ امید والی یہ آیت ہے جب وہ مصائب کے ساتھ مجھ سے خطاؤں کو بخش دیتا ہے اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تو کفارہ اور معافی کے بعد کیا رہ جاتا ہے (3) یہی چیز آپ نے

1- تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 424 2- صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن وهل يقول كذا وكذا، جلد 2، صفحہ 753

3- ہادی علی الجلائین، جلد 4، صفحہ 35

ایک مرفوع حدیث میں بھی بیان کیا ہے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں تمہیں کتاب اللہ میں سے سب سے افضل آیت کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا ہے وہ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ هِيَ فرمایا: ”اے علی! جو تمہیں بیماری، تکلیف یا آزمائش دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلا ہے کہ وہ آخرت میں تمہیں دوبارہ سزا دے اور دنیا میں جس گناہ کو اس نے معاف کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ حلم والا ہے کہ وہ معافی کے بعد اس پر سزا دے“ (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: جو رگ پھڑکتی ہے، جو لکڑی سے خراش آتی ہے اور جو انسان پتھر پر گرتا ہے تو یہ کسی نہ کسی گناہ کے باعث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے“ (2)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: ہم عمران بن حصین کے پاس گئے تو ایک آدمی نے کہا: جو تکلیف میں تجھ میں دیکھ رہا ہوں میں اس کے بارے میں تم سے ضرور سوال کروں گا۔ عمران نے کہا: اے میرے بھائی! اس طرح نہ کہ اللہ کی قسم! میں درد کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے (3)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ یہ میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے جو گناہ باقی بچے ہیں میرے رب نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ وہ تعداد میں بہت بڑھ کر ہیں۔

مرہ ہمدانی نے کہا: میں نے شریح کی ہتھیلی کی پشت پر ایک زخم دیکھا میں نے پوچھا: اے ابو امیہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ میرے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت زیادہ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

ابن عون نے کہا: جب محمد بن سیرین پر قرض چڑھ جاتا تو اس وجہ سے وہ غمگین ہوتے فرماتے: میں اس غم کو پہچانتا ہوں یہ اس گناہ کی وجہ سے ہے جو میں نے چالیس سال پہلے کیا تھا۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: ابو سلیمان دارانی سے کہا گیا: ان عقلاء کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے ان لوگوں سے ملامت کو زائل کر دیا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی؟

انہوں نے جواب دیا: کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث آزمائش میں ڈالا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝۔

عکرمہ نے کہا: انسان کو گرنے کی صورت میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس گناہ کے باعث ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے ساتھ بخشنے والا تھا یا وہ ایسا درجہ پائے جس درجہ تک اس مصیبت کو برداشت کیے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ایک روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اے موسیٰ! علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء لا یزنی الزانی وهو مومن، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 2550، نیب، القرآن پہلی بوشنر

3۔ البحر الوجیز، جلد 5، صفحہ 37

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 25-424

میرے حق میں ایک حاجت کا سوال کیجئے کہ وہ میری حاجت پوری فرمادے (1) جبکہ اللہ تعالیٰ اس حاجت کو بخوبی جانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کیا جب وہ نیچے آئے تو وہ اسی آدمی کے پاس تھے جسے درندے نے چیز پھاڑ دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے ایک ایسے درجے کا سوال کیا جس کے بارے میں مجھے علم تھا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے یہاں نہ پہنچ پائے گا تو میں نے اسے وہ تکلیف دی جسے تو دیکھ رہا ہے تاکہ میں اس درجہ کو پانے کے لیے اس مصیبت کو وسیلہ بنا دوں۔ ابوسلیمان دارانی جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے: اس ذات کے لیے تمام پاکیزگیاں ہیں جو اس پر قادر ہے کہ آزمائش کے بغیر اسے اس درجہ پر پہنچا دے لیکن وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: معنی میں اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِئْهُ (النساء: 123) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔۔۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ مومنین کے حق میں ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے اس کی سزا آخرت تک موخر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ کفار کو خطاب ہے جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو کہتے: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا بلکہ فرمایا: یہ ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے ہے جبکہ پہلی تعبیر زیادہ علماء نے کی، یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: یہ بات کہی جاتی تھی کہ تکلیف کی ساعتیں خطاؤں کی ساعتوں کو ختم کر دیتی ہیں (2) پھر اس میں دو قول ہیں: (1) یہ بانگوں کے بارے میں خاص ہے کہ ان کے حق میں عقوبت ہو اور بچوں کے حق میں یہ اجر کا ذریعہ ہو۔ (2) یہ عقوبت عام ہے بانگوں کے حق میں انکی ذاتوں کے حوالہ سے اور بچوں کے حق میں ان کی والدہ اور والد کے حوالہ سے ہے۔ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ یعنی بہت سے ایسے گناہوں کو بخش دیتا ہے جن پر حد و سزا نہیں ہوتیں (3)؛ یہی حضرت بصری کے قول کا مقتضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بہت سے گناہگاروں کو نہیں بخشتا یعنی ان پر جلدی عذاب نہیں دیتا۔ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو فوت نہیں پاؤ گے یعنی تم بھی اسے عاجز نہیں پاؤ گے اور نہ ہی تم اسے تاپید پاؤ گے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ اس کی بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَمِن آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنَّ يَسْأَلُ يَسْكِنُ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

”اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں برکمال درجہ صبر کرنے والے، شکر بجالانے والے کے لیے۔“

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ⑤ ان کی ان علامات میں سے جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے وہ سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں گویا وہ بڑے ہونے میں پہاڑ ہیں۔ اعلام کا معنی پہاڑ ہے جواری کی واحد جاریۃ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَلنَّاسَ لَطَغَالِیْءٌ فِی الْغَابِرِیْنَ ⑥ (الحاقہ) اسے جار یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ پانی میں چلتی ہے۔ جار یہ کا معنی نوجوان لڑکی بھی ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس میں نوجوانی کا پانی چلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اعلام کا معنی محلات ہیں اس کا واحد علم ہے (1)، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔ خلیل نے کہا: عربوں کے ہاں ہر بلند شے کو علم کہتے ہیں۔ خساء اپنے بھائی صخر کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتی ہے:

وَإِنْ صَخْرًا لَتَأْتِمُ الْهُدَاةُ بِهِ كَأَنَّهُ عِلْمٌ فِي رَأْسِهِ نَارٌ ③

بے شک صخر کا راہنما بھی قصد کرتے ہیں گویا وہ ایسا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ ہے۔

اِنْ یَّشَأْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ اِیْلَ مَدِیْنَةٍ اِیْطِیْرُ ④ اسی طرح جمع کا صیغہ پڑھا ہے فِیْظَلُّنَّ رَاوَاکِدًا عَلٰی ظَهْرِ کَشْتِیَا سَمَنْدَرِ پراساکن رہتی ہیں وہ چلتی نہیں ہیں رَكَدَ السَّاءُ رَكَوْدًا یعنی پانی ٹھہر گیا، اسی طرح ہوا اور کشتی ہے۔ سورج جب دوپہر کو ٹھہر جائے تو اس کے لیے بھی راکد کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو کسی جگہ ثابت ہو اسے راکد کہتے ہیں راکد المیزان جب وہ جھکنے سے رک جائے، مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان اور دوسری چیزیں ٹھہرتی ہیں۔ قوادہ نے اسے فیظلدن پہلے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح ضللت، اضلُّ ہے اور لام کے فتح کے ساتھ بھی ہے؛ یہ قراءت مشہور ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ⑤ آیات سے مراد دلالات اور علامات ہیں یعنی جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ قطرب نے کہا: صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے جب اسے عطا کیا جائے تو شکر کرتا ہے اور جب اسے آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر کرتا ہے (4)۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن پر انعام کیا جاتا ہے تو شکر نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو امتحان میں ڈالا جاتا ہے تو صبر نہیں کرتے۔

اَوْ یُوْبِقُوْنَ بِمَا کَسَبُوْا وَّ یَعْفُوْنَ عَنْ کَثِیْرٍ ⑥ وَ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا مَا لَہُمْ مِنْ مَّحِیْبٍ ⑦

”یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور اس وقت جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔“

اَوْ یُوْبِقُوْنَ بِمَا کَسَبُوْا اگر چاہے تو ہواؤں کو آندھیاں بنا دے اور کشتیوں کو تباہ کر دے یعنی ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کشتیوں والے افراد کو ہلاک کر دے۔

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ ان کشتیوں والے بہت سے افراد کو معاف فرمادیتا ہے اور ان کشتیوں کے ساتھ انہیں غرق نہیں کرتا؛ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور انہیں ہلاکت سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتا ہے۔ قشیری نے کہا: عام قراءت وَيَعْفُ ہے اس میں اشکال ہے کیونکہ معنی ہے اگر چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے اور وہ کشتیاں ایک ہی جگہ ٹھہری رہیں اور ان کے سواروں کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ کر دے اس صورت میں عطف کرنا اچھا نہیں کیونکہ اس صورت میں معنی بن جاتا ہے اگر چاہے تو معاف کر دے معنی یہ نہیں بلکہ معنی ہے بغیر مشیبت کی شرط کے انہیں معاف کرنے کی خبر دینا ہے اس صورت میں مجزوم پر عطف لفظ کے اعتبار سے ہوگا معنی کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔

وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيصٍ ۝ اس کا مصداق کفار ہیں یعنی جب وہ سمندر کے بیچ میں ہوتے ہیں اور ہوائیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں یا کشتیاں کھڑی رہتی ہیں تو انہیں علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی انہیں بچانے والا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پس وہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کریں۔ یہ بحث بھی کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔ سمندر میں سفر کرنے کے بارے میں بحث سورہ بقرہ اور دوسرے مقامات پر گذر چکی ہے اس لیے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ نافع اور ابن عامر نے دیکھنا رفع کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ شرط و جزا کے بعد رفع استئناف کے طریقہ پر ہوگا جس طرح سورہ توبہ میں ہے وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرُكُمْ عَلَيْهِمْ (14) پھر فرمایا: وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ (التوبہ: 15) رفع کے طور پر فرمایا، اس کی مثل کلام عربی میں ہے ان تاتنی آتک وينطق عبد الله یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور نصب محض کلام پھیرنے کے اعتبار سے ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمِ الضَّالِّينَ ۝ (آل عمران) جزم کی حالت سے نصب کی حالت کی طرف اسے پھیرا ہے مقصد تخفیف پیدا کرنا ہے کیونکہ پے در پے جزم ناپسندیدہ ہے جس طرح نابغہ کا قول ہے:

فَإِنْ يَهْلِكَ أَبُو قَابُوسَ يَهْلِكُ رِبِيْعُ النَّاسِ وَالشَّهْرُ الْحَرَامُ
وَيُنِيكَ بَعْدَهُ بِيَذَابِ عَيْشٍ أَجَبَ الظُّهْرِ لَيْسَ لَهُ سَنَامُ

اگر ابو قابوس ہلاک ہو گیا ہے تو لوگوں کا موسم بہار اور شہر حرام فوت ہو گیا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد وہ زندگی کی دنب کو بی پکڑے گا جس کی کہاں کئی ہوئی ہے۔

یہ قراءت کا معنی ہے۔ اگر یعلم کو جزم دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ زجاج نے کہا: اَنْ کے مضمم ہونے کی بنا پر اسے نصب دی جائے گی (1) کیونکہ اس سے قبل جزم ہے تو کہتا ہے: تصنع أصنع مثله وأكر منك۔ اگر تو چاہے تو تو کہہ سکتا ہے وأكر منك بعض مصاحف میں دليعلم ہے یہ اس امر پر دل ہے کہ نصب معنی کی وجہ سے ہے کہ پہلا مصدر کے حکم میں ہے ویکون منه عفو وأن يعلم۔ جب اسے اسم پر محمول کیا تو ان کو مضمم کیا جس طرح تو کہتا ہے: ان تاتنی وتعطینی اکر ملک اور تو تو تعطینی کو نصب دیتا ہے تقدیر کلام یہ بنے گی ان یکن منکم اتیان وان تعطینی۔

مِنْ مَّحِيصٍ ① کا معنی فرار اور بھاگنے کی جگہ ہے (1)؛ یہ قطرب نے کہا۔ سدی نے کہا: معنی ہے پناہ گاہ۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے (2)؛ خاص بہ البعیر حیصۃ جب اونٹ نے اسے پھینک دیا اسی معنی میں ان کا قول ہے: فلان یحیص عن الحق فلاں حق سے مائل ہوتا ہے۔

فَمَا أَوْتَيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۗ
عَلَىٰ مَا بِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ②

”پس جو کچھ تمہیں دیا گیا یہ دنیوی سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“

مِنْ شَيْءٍ سے مراد دنیا میں غنا اور خوشحالی ہے فَمَتَاعٌ یہ چند دنوں کا سامان ہے جو دن ختم ہو جائیں گے اس لیے مناسب نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے، خطاب مشرکوں کو ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ سے مراد اطاعت پر ثواب ہے لِلَّذِينَ آمَنُوا جنہوں نے تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا ۗ عَلَىٰ مَا بِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ② یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ملامت کی۔ حدیث طیبہ میں آیا ہے ”انہوں نے اسی ہزار خرچ کیا۔“

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ③

”اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے گناہوں اور بد کاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف لِلَّذِينَ آمَنُوا پر ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کے بارے میں بحث سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے کبیر الاثم پڑھا ہے اضافت کے وقت واحد سے بھی جمع کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعَدَّ وَاِنْعَمْتَ اللّٰهُ لَا تَحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) جس طرح حدیث طیبہ میں ہے مَنْعَتِ الْعِرَاقُ دَرَسَهَا وَ قَفِيْزَهَا (3) محل استدلال درسها اور قفیزها ہے۔ باقی قراء نے یہاں اور سورۃ نجم میں جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: كَبِيرَ الْاِثْمِ سے مراد ثلک ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہاں كَبِيرَ الْاِثْمِ سے مراد گناہ ہیں کہ جب کوئی ان سے اجتناب کرتا ہے تو چھوٹے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ فَوَاحِشُ بھی کبار میں داخل ہوتے ہیں لیکن یہ زیادہ فحش اور زیادہ شنیع ہو جاتے ہیں جس طرح قتل، زخمی

1- تفسیر الماری، جلد 5، صفحہ 205

2- ایضاً

4- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 21

3- تفسیر عم، کتاب الفتن، باب الساعۃ، باب لا تقوم الساعة، جلد 2، صفحہ 391

کرنے کی نسبت اور بدکاری گناہ کی ترغیب دینے کی نسبت زیادہ قبیح ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فواحش اور کبائر دونوں کا معنی ایک ہے لفظ متعدد ہونے کی وجہ سے اسے مکرر ذکر کیا یعنی وہ نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ وہ کبائر اور فواحش ہیں۔ متامل نے کہا: فواحش سے مراد حد و کو واجب کرنے والے امور ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿١٣٤﴾ یعنی وہ درگزر سے کام لیتے ہیں اور جس نے ان پر ظلم کیا ہوتا ہے ان سے حلم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عمر کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں مکہ مکرمہ میں گالیاں دی گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب تمام مال خرچ کرنے پر لوگوں نے ان کی ملامت کی اور جب انہیں گالیاں دی گئیں تو انہوں نے حلم کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہوا تو آپ نے اللہ کی راہ میں تمام مال صدقہ کر دیا مسلمانوں نے انہیں ملامت کی اور کافروں نے ان پر غلط عمل کرنے کا الزام لگایا تو قَمًا أَوْ تَبَيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَأْسِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿١٣٤﴾ تک آیات نازل ہوئیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشرکوں میں سے ایک آدمی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ محاسن اخلاق میں سے ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر شفقت کرتے ہیں اور جو جاہل ہوتا ہے اس سے درگزر کرتے ہیں، وہ عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب اور عفو کا سوال کرتے ہیں کیونکہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظِ وَالْعَٰفِيْنَ عَنِ النَّٰسِ (آل عمران: 134) وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی تیری عزت سے کھیلے اور تو اس سے غصہ پر قابو پائے، کسی نے یہ شعر کہا:

إِنِّي عَفَوْتُ بِظَالِمِي ظَلَمِي دَوَّهَبْتُ ذَاكَ لَهْ عَدِي عَلِي

مَازَالَ يَظَلِمِي وَأَرْحَمَهُ حَتَّىٰ بَكَيْتُ لَهُ مِنَ الظُّلْمِ

میں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا میں نے سب کچھ جانتے ہوئے اسے یہ چیز ہبہ کی۔ وہ لگا تار مجھ پر ظلم کرتا رہا اور میں اس پر رحم کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے ظلم کی وجہ سے میں اس کے حق میں رویا۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٣٤﴾

”اور جو لوگ اپنے رب سے استجاب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

اس میں تین سائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ عبد الرحمن بن زید نے کہا: اس سے مراد مدینہ طیبہ کے

انصار ہیں (1)، رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایمان لانے کی جب انہیں دعوت دی گئی تو انہوں نے اس پر لبیک کہی جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل انہیں میں سے بارہ نقیب ان کی طرف روانہ کیے تھے۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ لَعْنَىٰ انہوں نے نماز کو اسکے اوقات میں شروط اور ہتیتوں کے ساتھ ادا کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وہ امور میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ شوری، شاورتہ کا مصدر ہے جس

طرح بشری اور ذکری وغیرہ نبی کریم ﷺ کے انصار مدینہ کے پاس آنے سے پہلے انصار کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتے تو وہ آپس میں مشورہ کرتے پھر اس پر عمل کرتے اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح کی (2)؛ یہ نقاش کا قول ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امور میں رائے کی اتباع کرتے ہیں اس لیے وہ اتفاق کرتے ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے

تو ان کے اتفاق کی وجہ سے ان کی مدح کی گئی (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کسی قوم نے کبھی بھی مشورہ نہیں کیا مگر انہیں

بہترین امر کی طرف ہدایت دی گئی (4)۔ خحا کہ نے کہا: جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بارے میں سنا تو

آپس میں مشورہ کیا وہ مراد ہے اور ان کے نقیب ان کے پاس آئے یہاں تک کہ ان کی رائے حضرت ایوب کے گھر میں آپ

پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے پر متفق ہو گئی (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بھی ان پر کوئی امر ظاہر ہوتا تو وہ آپس میں

مشورہ کرتے ان میں سے بعض بعض کی خبر کو ترجیح نہ دیتے۔ ابن عربی نے کہا: مشورہ جماعت میں محبت پیدا کرتا ہے، عقول کو

پر کھنسنے کا آلہ ہے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا سبب ہے کسی قوم نے جب بھی مشورہ کیا وہ ہدایت پا گئے (6) ایک دانانے کہا:

إذا بلغ الرأي المشورة فاستعن برأى لبيب او مشورة حازم

ولا تجعل الشورى عليك غضاضة فإن الخوافي قوة للقوادم

جب رائے مشورہ تک جا پہنچے تو دانشمند کی رائے اور محتاط کے مشورہ سے مدد لے تو مشورہ اپنے لیے نقص نہ سمجھ بے شک

چھوٹے پر، بڑے پروں کی قوت ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امور میں مشورہ کی مدح کی ہے اس قوم کی مدح کے ساتھ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ

جنگوں کے متعلق امر میں اپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے یہ آراء میں بہت زیادہ ہوتا ہے آپ احکام میں صحابہ سے

مشورہ لیا کرتے تھے کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتے وہ فرض ہوتے، مستحب ہوتے، مکروہ ہوتے، مباح

ہوتے یا حرام ہوتے، جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم پر ترجیح دی ہے وہ احکام میں بھی مشورہ کیا کرتے

تھے اور کتاب و سنت سے ان کو مستنبط کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے سب سے پہلے جس معاملہ میں مشورہ کیا وہ خلافت کا

معاملہ تھا نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں واضح ارشاد فرمایا تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انصار کے

درمیان معاملہ ہوا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اپنی دنیا کے لیے اسی پر راضی ہیں جس پر نبی کریم

سنیختہ پہنہ ہمارے دین کے بارے میں راضی تھے۔ مرتدوں کے بارے میں صحابہ نے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا، صحابہ نے دادا اور اس کی میراث میں مشورہ کیا، شراب اور ان کی حد کے بارے میں مشورہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے بھی جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا جب وہ مسلمان کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرمزان نے آپ سے عرض کی: اس جنگ اور اس جنگ میں مسلمانوں کے جو دشمن شریک ہیں ان کی مثال اس پرندے جیسی ہے جس کا ایک سر ہے اس کے دو بازو ہیں اور دو پاؤں ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں، ایک بازو اور سر کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اگر دوسرا بازو بھی ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں اور سر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں اور دونوں بازو بھی ختم ہو جاتے ہیں، سر کسریٰ ہے، ایک بازو قیصر اور دوسرا بازو فارس ہے مسلمانوں کو حکم دو کسریٰ کی طرف نکلیں۔

ایک دانشمند نے کہا: میں نے کبھی بھی غلطی نہیں کی جب مجھے کوئی امر لاحق ہوتا تو میں اپنی قوم سے مشورہ کرتا میں وہی کرتا جو وہ رائے دیتے اگر میں صحیح نتیجہ تک جا پہنچتا تو وہ بھی صحیح نتیجہ تک پہنچتے اگر میں غلطی کرتا تو وہ بھی غلطی کرتے۔

مسئلہ نمبر 3۔ سورہ آل عمران آیت 159 میں شوریٰ کے احکام: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** میں گذر چکے ہیں۔ مشورہ برکت ہے مشورہ سے مراد شوریٰ ہے اسی طرح مشورہ ہے تو کہتا ہے: **شاورته في الأمر** استشرته کا معنی ایک ہی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تمہارے امراء تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمہارے اغنیاء تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے امور باہم مشورہ سے ہوں تو تمہارے لیے سطح زمین، زمین کے بطن سے بہتر ہے جب تم میں سے امراء تم میں سے شری ترین ہوں۔ تمہارے اغنیاء تم میں سے بخیل ترین لوگ ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے حق میں زمین کا بطن اس کی سطح سے بہتر ہے (1)“ یہ حدیث غریب ہے۔

وَمَا رَأَيْتُمْ يُفْقُونَ ۝ یعنی جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے صدقہ کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا
وَاصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ
فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۗ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ
ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

”اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ دیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں، بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی ہیں، جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص ان مظالم پر صبر کرے اور طاقت کے باوجود معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

ان میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ يَعْنِي مُشْرِكُونَ کی جانب سے ان پر زیادتی کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی وجہ یہ بنی کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بغاوت کی انہیں اذیتیں دیں اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نکلنے کی اجازت دی، زمین میں انہیں اختیار دیا اور جنہوں نے بغاوت کی تھی ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝** الَّذِينَ أَخْرَجُوا (الحج) کا یہی مصداق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر باغی میں عام ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن یعنی جب انہیں ظالم کی جانب سے ظلم پہنچتا ہے تو وہ اس کے ظلم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے اس میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی طرف اشارہ ہے۔

ابن عربی نے ذکر کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ظلم کی صورت میں مدد کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے، ایک اور موقع پر جرم سے معافی کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے تو یہ احتمال موجود ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو ختم کرنے والا ہے (1) اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ دو حالتوں کی طرف راجع ہو ان دونوں حالتوں میں سے ایک حالت یہ ہے کہ باغی اعلانیہ فحور کرنے والا ہے عام لوگوں میں بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہو اور چھوٹے بڑے کو اذیتیں دینے والا ہو تو ایسے شخص سے انتقام لینا افضل ہے اس کی مثل میں حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفوس کو ذلیل کریں کہ فاسق ان پر جری ہو جائیں۔

2۔ وہ امر جلد بازی میں ہو جائے یا اس سے واقع ہو جو لغزش کا اعتراف کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو یہاں معاف کرنا افضل ہے اسی کی مثل میں یہ آیات نازل ہوئیں **وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (البقرة: 237)** اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ (المائدة: 45)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور: 22)**

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر بہت اچھی ہے۔ کہا: طبری نے احکام میں یہی ذکر کیا ہے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَالَّذِينَ إِذَا**

أَصَابَهُمُ النَّعْنُ هُمْ يَتَّوَمُونَ ①۔ اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ اس موقع پر انتقام لینا افضل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے اور نماز قائم کرنے کے ذکر کے ساتھ اسے ملایا ہے یہ اسی معنی پر محمول ہے (1) جو ابراہیم نخعی نے ذکر کیا ہے وہ مومنوں کے لیے اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کر دیں، فساق ان پر جبری ہو جائیں یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو حد سے تجاوز کرے اور اس پر اصرار کرے۔ وہ موقع جس میں معافی کا حکم دیا گیا ہے وہ اس وقت ہوگا جب جنایت کرنے والا شرمندہ ہو اور غلطی کا ازالہ کرنے والا ہو اس آیت کے بعد ارشاد فرمایا: **وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ** ② یہ انتقام لینے کے مباح ہونے کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا حکم دیتا ہے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا: **وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ** ③ یہ غیر مصر کے لیے بخشش پر محمول ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو بغی اور ظلم پر مصر ہوتا ہے تو اس سے انتقام لینا افضل ہوتا ہے کیونکہ اس سے ما قبل آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف باہم مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ ظلم اپنے آپ سے دور کر لیتے ہیں (2)؛ اور اس کو دور کرتے ہیں یہ ابن بحر نے کہا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ عموم کی طرف لوٹتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک قسم ہے جو ظالموں کو معاف کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ ان کے ذکر کا آغاز کیا **وَإِذَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ** ④ ایک قسم ایسی ہے جو ظالم سے انتقام لیتے ہیں پھر اس ارشاد **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** کے ساتھ انتقام کی حد بیان کی۔ جو آدمی ان پر ظلم کرتا ہے وہ ظالم سے انتقام لیتے ہیں مگر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے۔ مقاتل اور ہشام بن حنبل نے کہا: یہ حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس کو زخمی کیا گیا ہو زخمی کرنے والے سے قصاص لے کر انتقام لیا جائے گا (3)، جس نے سب و شتم کی ہے اس سے انتقام نہیں لیا جائے گا یہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور سفیان کا مذہب ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: ابن شبرمہ کہا کرتے تھے مکہ مکرمہ میں ہشام کی مثل کوئی نہیں۔ امام شافعی نے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ انسان کو حق حاصل ہے کہ خائن کے مال سے اتنا مال لے لے جتنی خائن نے اس کے مال میں خیانت کی تھی جبکہ اسے بتانے کی ضرورت نہیں اس بارے میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا جو حضور ﷺ نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے فرمایا تھا: ”تو اس کے مال سے اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بیچ کے لیے کافی ہو“ (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت کے بغیر اسے مال لینے کی اجازت دی۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

ابن ابی نجیح نے فرمایا: یہ زخم لگانے میں مقابلہ پر محمول ہے (5) جب کہے: اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے یا اس پر لعنت کرے جب وہ اسکی مثل کہے تو وہ تہمت کا مقابلہ تہمت سے اور جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے نہ کرے۔

سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی مدح کی جو ظلم کرنے والے سے اس قدر بدلہ لیتا ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز نہیں

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 207

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر المادوری، جلد 5، صفحہ 206

5۔ تفسیر المادوری، جلد 5، صفحہ 207

4۔ مجمع مسلم، کتاب الاقصیہ، باب قضیۃ ہند، جلد 2، صفحہ 75

کرتا اور جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے اتنا ہی ظلم کرتا ہے جس طرح عرب کیا کرتے تھے جزاکو سیئہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بدلہ اس عمل (ظلم) کے مقابلہ میں ہے پہلے نے مال اور بدن میں زیادتی کی اور یہ قصاص اسی کی مثل برا ہے (1)۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں مفصل گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے قصاص کو ترک کیا اور

اپنے اور ظالم کے درمیان معافی کے ساتھ مصالحت کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر دے گا۔ مقاتل نے کہا: عفو اعمال صالحہ میں سے ہے۔ سورہ آل عمران میں اتنی بحث گذر چکی ہے جو اس میں کفایت کر جاتی ہے۔ الحمد للہ۔

ابو نعیم حافظ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ”جب قیامت کا روز ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے انہیں کہا جائے گا: جنت کی طرف چلے جاؤ، فرشتے انہیں ملیں گے وہ پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف جا رہے ہیں، فرشتے پوچھیں گے: حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: فضیلت والے۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہاری فضیلت کیا ہے؟ وہ فرمائیں گے: جب ہمارے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جاتا تو ہم حلم کا مظاہرہ کرتے اور جب ہم پر ظلم کیا جاتا، تو ہم صبر کرتے جب ہم پر زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا اجر کتنا ہی اچھا ہے“ اور حدیث کا ذکر کیا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ جو ظلم کا آغاز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا (2)؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: جو آدمی قصاص میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا؛ یہ ابن عباسی کا قول ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ جو مسلمان کافر سے بدلہ لے لے تو اس مسلمان پر ملامت کرنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ مسلمان کی اس وجہ سے تعریف کی جائے گی، اگر کوئی مسلمان مسلمان ظالم سے بدلہ لے تو پھر بھی اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کافر سے انتقام لینا حتمی بات ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور معاف کر دینا مستحب ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مَنٌّ سِبِيلٍ ۝ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اپنا پورا پورا بدلہ

لے۔ یہ تین قسموں میں منقسم ہے (1) وہ بدن میں قصاص ہو جس کا ایک آدمی مستحق ہوتا ہے اگر وہ زیادتی کے بغیر پورا پورا حق لیتا ہے اور حکام کے نزدیک اس کا حق ثابت ہوتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہ ہوگا لیکن امام اسے جھڑکے کیونکہ اس پر خون بہانے پر جرأت کا اظہار کرنا ہے اگر اس کا حق حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس میں اس پر کوئی حرج نہ ہوگا وہ ظاہر میں مطالبہ کرنے والا ہے اور اپنے فعل کے ساتھ مواخذہ کرنے والا ہے اور سزا دینے والا ہے۔ 2۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حد ہو کسی آدمی کا اس میں کوئی حق نہ ہو جس طرح حد زنا، چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا اگر یہ حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی اگر حاکم کے نزدیک وہ ثابت ہو تو انتظار کیا جائے گا اگر چوری میں کاٹنا

عی سزا ہو تو حد ساقط ہو جائیگی کیونکہ جس عضو کا کاٹنا لازم ہوا تھا وہ عضو زائل ہو چکا ہے اس پر اس بارے میں کوئی حق ثابت نہیں ہوا کیونکہ تعزیر ادب سکھانے کے لیے ہے، اگر اس آدمی کی سزا کوڑے مارنا ثابت ہو تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس نے تعدی کی ہے جبکہ اس کا محل باقی ہے تو وہ اس میں ماخوذ ہوگا۔ 3۔ مال میں اس کا حق ثابت ہو تو مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق پر غلبہ حاصل کرے یہاں تک کہ اگر وہ جانتا ہے تو اس مال تک رسائی حاصل کرے اگر وہ نہیں جانتا تو مہلت دی جائے اگر مطالبہ کی صورت میں مال تک پہنچنا ممکن ہو تو خفیہ طریقہ سے لینا جائز نہیں اگر مطالبہ کے ساتھ پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ جس پر حق لازم ہوتا ہے وہ انکاری ہے کوئی گواہ بھی نہیں جو گواہی دے تو خفیہ طریقہ سے مال لینے میں دو مذہب ہیں: (1) یہ جائز ہے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (2) اس طرح لینا منع ہے؛ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ ان لوگوں پر ملامت ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ان پر اپنی جانب سے حد سے تجاوز کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ ان پر شرک کے ذریعے ظلم کرتے ہیں جو ان کے دین کے مخالف ہے (2)۔

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وہ زمین میں ناحق نفوس اور اموال کے معاملہ میں فساد برپا کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: بغیہم سے مراد نافرمانیوں کے اعمال کرنا ہے (3)۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے قریش کے کفار جس کی امید رکھتے تھے یعنی مکہ میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ہو (4)۔ اس تعبیر کی بنا پر ابن زید نے کہا: یہ سب جہاد کے ساتھ منسوخ ہے، یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ کا قول ہے: یہ عام ہے کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 7۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت سورہ براءۃ میں آیت کے مقابل ہے (5) وہ آیت یہ ہے مَا عَلَى الْمُخْسِرِينَ مِنَ سَبِيلِ (التوبة: 91) جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والے پر ملامت کی نفی کی اسی طرح مظلوم جب بدلہ لے تو اس پر سے ملامت کی نفی کر دی دونوں قسموں کو مکمل کر دیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء نے ایسے حاکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو ایک بستی کے لوگوں پر معین مال لازم کرتا ہے جو مال ان سے لے گا وہ لوگ اپنے اموال کی مقدار کے مطابق اسے دیں گے کیا وہ آدمی جو اس مال کی ادائیگی سے چھٹکارا پاسکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جب وہ اس سے چھٹکارا پاتا ہے تو حاکم باقی مکینوں سے پورا مال لیتا ہے جو اس نے ان پر لازم کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، یہ ہمارے علماء میں سے سخون کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں ایسا کر سکتا ہے اگر وہ چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر ہو؛ اسی طرف ابو جعفر احمد بن نصر داودی، مالکی گئے ہیں۔ امام مالک کا قول جو زکوٰۃ کا مال وصول کرنے والے کے بارے میں ہے اس کی تائید کرتا ہے: جو شریک افراد میں

سے ایک کے ریوڑ میں سے ایک بکری لیتا ہے سب میں نصاب نہیں تھا جس سے بکری لی گئی وہ اس پر ظلم ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کہا: سخون سے جو روایت مروی ہے میں اسے اپنانے والا نہیں کیونکہ ظلم میں کوئی برابری نہیں کسی آدمی پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے آپ کو محض اس خوف سے ظلم میں داخل کر لے کہ کسی اور پر ظلم دوگنا ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ**۔

مسئلہ نمبر 9۔ علماء نے تحلیل (کسی کے لیے کوئی چیز حلال قرار دینا، کسی کے لیے کوئی چیز جائز قرار دینا) میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسیب سامان اور مال میں سے کوئی چیز کسی کے لیے حلال نہیں کرتے تھے سلیمان بن یسار اور محمد بن سیرین سامان تجارت اور مال میں سے ہر چیز جائز قرار دے دیتے تھے۔ امام مالک مال کو جائز قرار دے دیتے تھے سامان تجارت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ ابن قاسم اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے آپ سے سعید بن مسیب کے قول لا احلل احدا کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ میں نے عرض کی: اے ابا عبد اللہ! ایک آدمی دوسرے کو مال قرض دیتا ہے اور وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے اب وہ اس کو ادائیگی نہیں کر سکتا؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ مال دینے والا مال لینے والے کے لیے مال حلال کر دے یہ میرے نزدیک افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **الَّذِينَ يَسْتَبْعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (الزمر: 18)**

آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ فرمایا: میں اس کے لیے تحلیل کی رائے نہیں رکھتا یہ میرے نزدیک پہلے قول سے مختلف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ** میری رائے نہیں کہ اس نے جو ظلم اس پر کیا ہے اسے اس پر حلال کر دے۔

ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں تین قول ہیں: (1) کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہ کرے، یہ سعید بن مسیب کا قول ہے (2) وہ اس کے لیے حلال کر دے؛ یہ محمد بن سیرین کا قول ہے (3) اگر مال ہو تو حلال کر دے، اگر ظلم ہو تو حلال نہ کرے؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اسے حلال نہ کرے یہ صورت ایسی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی طرح ہوگا، دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ساقط کر دے جس طرح وہ قصاص اور سامان تجارت کا حق ساقط کر دیتا ہے۔

تیسرے قول کی دلیل جسے امام مالک نے پسند کیا ہے ایک آدمی تیرا حق ادا کرنے میں مغلوب ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ نرمی کی صورت یہ ہے کہ وہ مال اس کے لیے حلال کر دے اگر وہ ظالم ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ تو اسے نہ چھوڑے تا کہ ظالم لوگ دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں وراپنے قبیح افعال میں آزاد نہ ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں ابو یسر طویل کی حدیث ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے مقروض سے کہا: باہر آ جاؤ میں جانتا ہوں تو کہاں چھپا ہوا ہے؟ مقروض باہر آ گیا آپ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس امر پر برا بیختہ کیا کہ تو مجھ سے چھپے؟ جواب دیا: اللہ کی

قسم! میں تجھ سے ذکر کروں گا اور تجھ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اللہ کی قسم! میں ڈرتا ہوں کہ تجھ سے بات کروں اور جھوٹ بولوں اور میں تجھ سے وعدہ کروں اور تیرے ساتھ انکی خلاف ورزی کروں تو صحابی رسول ہے، اللہ کی قسم! میں ننگ دست ہوں۔ پوچھا: تو نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے؟ عرض کی: اللہ کی قسم! وہ صحیفہ لائے اور اس قرض کی تحریر کو مٹا دیا فرمایا: اگر تو قرض ادا کرنے کی صورت پائے تو ادا کر دینا بصورت دیگر تو آزاد ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ تو اس زندہ آدمی کے بارے میں ہے جس سے ادائیگی کی امید ہوتی ہے کیونکہ ذمہ سلامت ہے اور حیلہ سے طلب کرنے کی امید موجود ہے تو اس میت کا کیا عالم ہوگا جس سے حیلہ سے طلب کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی ذمہ ہے (1)؟

مسئلہ نمبر 10۔ بعض علماء نے کہا: جس پر ظلم کیا گیا اور اس کا مال لے لیا گیا تو اس کا جو مال روکا گیا ہے اس کی موت تک اس کا ثواب ہے پھر ثواب اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہے گا کیونکہ وفات کے بعد مال وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ ابو جعفر داودی مالکی نے کہا: یہ نظر و فکر کے اعتبار سے صحیح ہے، اسی معنی میں یہ بھی ہے اگر ظالم مظلوم سے پہلے مر گیا اور اس نے کوئی چیز نہ چھوڑی جس کو وارث نہیں جانتا تھا تو مظلوم کا بوجھ ظالم کے وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا کیونکہ ظالم کی کوئی ایسی چیز باقی نہیں مظلوم کے ورثاء جس کے مستحق بنتے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَكُنْ صَدَقًا وَغَفْرًا یعنی جس نے تکلیف پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بدلہ نہ لیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مسلمان نے اس پر ظلم کیا ہو۔ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کو گالیاں دیں جس آدمی کو گالیاں دی گئیں ہ غصہ پی، ہاتھ اور اسے پسینہ آ رہا تھا وہ اپنا پسینہ صاف کر رہا تھا پھر وہ اٹھا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے اس آیت کو جانا اور سمجھا، جب جاہل لوگوں نے اسے ضائع کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاف کرنا مستحب ہے بعض صورتوں میں معاملہ الٹ ہو جاتا ہے تو معافی کو ترک کرنا مستحب ہو جاتا ہے جس طرح بحث پہلے گذر چکی ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب سرکشی کی زیادتی کو روکنا اور تکلیف کے مادہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ سے بھی ایک روایت ایسی مروی ہے جو اسی معنی پر دال ہے روایت یہ ہے کہ حضرت زینب بنتیہا نے حضور ﷺ کی موجودگی میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہا کو برا بھلا کہا رسول اللہ ﷺ اسے روکا کرتے تو وہ نہ رکتیں (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہا سے فرمایا: ”اس سے بدلہ لو“۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ معاصی سے صبر کرے اور برائیوں پر پردہ ڈالے۔

إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ یعنی یہ وہ امور ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان درست

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 71-1670

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب من معاشرۃ النساء، جلد 1، صفحہ 143

امور میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔ کلبی اور فراء نے ذکر کیا ہے: یہ آیت اور اس سے قبل کی تین آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں (1) کسی انصاری نے انہیں برا بھلا کہا تو آپ نے اسے جواب دیا پھر خاموشی اختیار کر لی۔ یہ آیات اس سورت کی مدنی آیات ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئیں یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی تھیں پھر جہاد والی آیات نے انہیں منسوخ کر دیا۔ یہ ابن زید کا قول ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ تفسیر ابن عباس میں ہے: **وَلَمَّا انتصروا بعداً ظلموا** سے مراد حضرت حمزہ بن عبد المطلب، حضرت عبیدہ، حضرت علی اور تمام مہاجرین ہیں **فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ** ① سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم ہیں۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابو جہل اور اسود اور تمام وہ مشرک ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ اس سے مراد ظلم اور کفر ہے **أَلَيْمٌ** سے مراد دردناک عذاب ہے **وَلَكِن صَدَرُوا عَفْراً** اس سے مراد حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت مصعب بن عمیر اور تمام بدری صحابہ ہیں **إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَذَابِ الْأُمُورِ** ② کیونکہ انہوں نے فدیہ کو قبول کیا اور تکلیفوں پر صبر کیا۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَدْيٍ مِّنْ بَعْدِهَا ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۗ

”اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد، اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب دیکھیں گے عذاب تو پوچھیں گے: کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے۔“

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ جسے اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے **فَمَا لَهُ مِنْ وَدْيٍ مِّنْ بَعْدِهَا** یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور میں اعراض کیا جن امور کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور قربی میں محبت اور ان لوگوں نے دوبارہ اٹھائے جانے اور دنیا کے سامان کے قلیل ہونے میں آپ کی تصدیق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ جسے ان چیزوں سے گمراہ کر دے تو کوئی ہدایت دینے والا اسے ہدایت نہیں دیتا۔

وَتَرَى الظَّالِمِينَ یہاں ظالمین سے مراد کفار ہیں **لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ** عذاب سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے موت کے وقت عذاب کو دیکھا **يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ** ③ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کی طرف لوٹا یا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو ان کی عرضداشت قبول نہیں کی جائیگی۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشَعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفِ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَيْرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ

الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿٥﴾

”اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و در ماندہ ہوں گے ذلت کے باعث دیکھتے ہوں گے کنگھیوں سے چوری چوری، اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھانے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھانے میں ڈالا اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز، سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے۔“

وَتَوَابُهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا مَا ضَمِيرٌ مِنْهُمَا مَا ضَمِيرٌ مِنْهُمَا ہے کیونکہ یہی ان کا عذاب ہے اگر تو چاہے تو جہنم مراد لے لے اگر لفظ کی رعایت کی جاتی تو علیہ ہوتا پھر یہ کہا گیا: اس سے مراد سب مشرک ہیں جنہیں جہنم پر پیش کیا جائے گا (1) جب وہ اس کی طرف جائیں گے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آل فرعون ہیں ان کی روحوں کو سیاہ پرندوں میں مجبوس کیا جاتا ہے (2) جو صبح کے وقت جہنم پر آتے ہیں اور شام کو واپس پلٹتے ہیں یہی جہنم پر انکی پیشی ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عام مشرک ہیں ان کی قبروں میں ان کے گناہ پیش کیے جاتے ہیں اور وہ قبروں میں عذاب پر پیش کیے جاتے ہیں؛ ابو حجاج کے قول کا یہی معنی ہے (3)۔

خُشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ بَعْضُ قُرَاءِ نِ خُشِعِينَ پر وقف کیا اور مِنَ الذُّلِّ، يَنْظُرُونَ کے متعلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خُشِعِينَ کے متعلق ہے۔ خشوع کا معنی تواضع و عاجزی ہے۔

يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفِ خَفِيٍّ کا معنی ہے وہ اپنی نظروں کو پورا نہیں اٹھاتے کیونکہ وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب ذلیل کی صفت غض الطرف سے کرتے ہیں جس طرح اس کے مقابل کے لیے حديد النظر سے صفت بیان کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: مِنْ طَرْفِ خَفِيٍّ سے مراد ہے ذلیل (4)۔ وہ اپنے دلوں سے دیکھیں گے کیونکہ وہ اندھے اٹھائے جائیں گے عین قلب سے مراد طرف خفی ہے۔

قَادَهُ، سُدِي، قَرَطِي اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ خوف کی شدت کی وجہ سے نظریں چراتے ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ کمزور نظر سے دیکھتے ہیں۔ یونس نے کہا: مَنْ كَا مَعْنَى بَاءٍ هِيَ (6) تقدیر کلام یہ ہوگی يَنْظُرُونَ بَطْرَفِ خَفِيٍّ یعنی ذلت اور خوف کی وجہ سے کمزور نظر سے دیکھتے ہیں اسی کی مثل اعمش سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ کملائی ہوئی کمزور نظر سے دیکھتے ہیں (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ عذاب کی اسناف کو دیکھتے ہیں تو پوری آنکھ سے دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْغَيْرِ مِنَ الدِّينِ خَيْرٌ وَأَنْفُسُهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَوْسَىٰ جَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ قَالَ لَمَّا رَأَىٰ آيَاتِ رَبِّهِ كَانَتْ تَوَارِكًا وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمَّا بَدَأَ يُزِيلُ إِلَهُكُمْ فَسَلِّ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا إِنَّ رَبَّهُ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ إِنَّ رَبَّهُ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ إِنَّ رَبَّهُ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ إِنَّ رَبَّهُ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ

4- تفسیر مجاہد، صفحہ 246

3- ایضاً

2- ایضاً

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 209

7- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 210

6- ایضاً

5- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 123

اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا ہے کیونکہ یہ دائمی عذاب میں ہیں اور انہوں نے اپنے اہل میں بھی خسارہ اٹھایا ہے کیونکہ ان کے گھر والے اگر آگ میں ہوں گے تو ان کی وجہ سے انہیں کوئی نفع نہ ہوگا اگر اہل جنت میں ہوں گے تو اس کے اور ان کے درمیان رکاوٹ موجود ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کے خسران سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے تو جنت میں ان کے اہل حور عین میں سے ہوتے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ہے اور ایک گھر دوزخ میں ہے جب وہ مرتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو جنتی اس کے گھر کا وارث بن جاتا ہے (1) اللہ تعالیٰ کے فرمان: **أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ** (المومنون) کا یہی مطلب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی آدمی جسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بہتر (72) بیویاں حور عین میں سے اور ستر (70) جہنمیوں کی میراث کے طور پر عطا فرماتا ہے ان میں سے ہر ایک کی شرمگاہ دل پسند ہوگی اور اس کا آلہ تناسل دہرہ نہیں ہوگا“ (2)۔

ہشام بن خالد نے کہا: من میراثہ من اهل النار سے مراد ایسے مرد ہیں جنہیں جہنم میں داخل کیا گیا تو جنتی ان کی عورتوں کے وارث ہو گئے جس طرح فرعون کی بیوی کے وارث ہو جائیں گے (3)۔

أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ (یعنی ایسا عذاب جو ختم نہ ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مومنوں کا قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ کلام ہو۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ (4)

”اور نہیں ہوں گے اس روز اس کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر، اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لیے بچنے کی کوئی راہ نہیں“۔

أَوْلِيَاءَ سے مراد مددگار ہیں **مَنْ دُونِ اللَّهِ** یعنی اس کے عذاب سے انہیں بچائیں **وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ** (4) جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ نہیں جس کے ذریعے وہ دنیا میں حق تک اور آخرت میں جنت تک پہنچ سکے کیونکہ ان پر نجات کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔

**اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَا
يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ مُكْرِمٍ** (5)

” (لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں، نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔“

اِسْتَجِیْبُوا لِیْرَتَّکُمْ اِس نے تمہیں ایمان اور اطاعت کی طرف جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہو: استجاب او جواب دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلَاجٍ ۚ کُوْنِیْ اِیْسٰی پناہ گاہ نہیں ہوگی جو تمہیں عذاب سے نجات دے۔

وَمَا لَکُمْ مِّنْ تَلْکِیْمٍ ۙ کُوْنِیْ مَدَدًا رَّیْسٰی جو تمہاری مدد کرے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تکلیف منکر کے معنی میں ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا تو اس روز تم کسی انکار کرنے والے کو نہ پاؤ گے؛ یہ ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان گناہوں کے انکار پر قادر نہ ہوں گے جن سے وہ آگاہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنْ تَلْکِیْمٍ سے مراد ہے تم پر جو عذاب نازل ہوگا اس کو تبدیل کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تکلیف اور انکار کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز کو تبدیل کرنا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اٰمُرًا سَلٰتْکُمْ عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا ۗ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاِنَّا اِذَا اٰذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِثًا رَّحْمَةً فَرِحَ بِہَا ۗ وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیْئَةٌ سَیْئَةٌ بِہَا قَدَّمْتُ اَیْدِیْہُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرًا ۙ

”پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا فرض تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث تو شور مچانے لگتا ہے بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔“

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر انہوں نے ایمان سے اعراض کیا فَمَا اٰمُرًا سَلٰتْکُمْ عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا یہاں تک کہ آپ ان کا اعمال پر محاسبہ کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ جب تک وہ ایمان نہ لائیں آپ ان سے جدا نہ ہوں یعنی انہیں ایمان پر مجبور کرنا جو آپ کی ذمہ داری نہیں اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہے وَاِنَّا اِذَا اٰذَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد کافر ہے مِثًا رَّحْمَةً رحمت سے مراد خوشحالی اور رحمت ہے فَرِحَ بِہَا اس کی وجہ سے وہ اترانے لگتا ہے وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیْئَةٌ اگر انہیں آزمائش اور سختی آتی ہے بِہَا قَدَّمْتُ اَیْدِیْہُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرًا ۙ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے جو نعمتیں اس پر پہلے ہو چکی ہیں ان کی ناشکری کرنے والا ہے وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ یَهْبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَّا لَنَاوِیْہِبُ

لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا لَنَافِعُ ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْبًا ۗ
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيْرٌ ۝

”اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے
بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند اور ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں اور بنا دیتا ہے جس کو
چاہتا ہے بانجھ، بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ بِدَىٰ مُلْكِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا لَنَافِعُ ۚ
چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے یہبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا لَنَافِعُ ۚ
نے کہا (1): جن کے بارے میں چاہتا ہے انہیں مونث عطا کرتا ہے ان کے ساتھ مذکر نہیں ہوتے اور جن کے بارے میں
چاہتا ہے مذکر عطا فرماتا ہے ان کے ساتھ مونث نہیں ہوتے ذکور پر الف لام داخل کیا اناث پر الف لام داخل نہیں کیا کیونکہ
مذکر شرف والے ہیں پس الف لام تعریف کے ساتھ مذکروں کو ممتاز کیا۔

واثلہ بن اسقع نے کہا: عورت کی برکت میں سے یہ ہے (2) کہ اس کا ذکر مردوں سے پہلے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا لَنَافِعُ ۚ
ذُكْرَانًا وَإِنَّا لَنَافِعُ ۚ عورت پہلے بچہ اور پھر بچی جنے، پھر وہ بچہ اور پھر بچی جنے (3)۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ جڑواں
بچے اور بچی کو جنے یا انہیں مذکر اور مونث کی حیثیت میں جمع کر دے (4)۔ قسبی نے کہا: یہاں تزویج سے مراد بیٹوں اور بیٹیوں کو
جمع کرنا ہے (5)، عرب کہتے ہیں: زودجت ابو۔ جب تو بڑوں اور چھوٹوں کو جمع کرے۔

وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْبًا ۗ یعنی اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی یوں کہا جاتا ہے: رجل عقيم، امرأة عقيم۔ عقت المرأة
تعقہ عقسا یہ بات اسی طرح ہے جس طرح حید یحمد ہے عقت تعقم جس طرح عظم يعظم ہے اس کا اصل معنی کاٹنا ہے
اسی سے السنك العقيم ہے یعنی ایسا ملک جس میں رشتہ دار یوں کو قتل اور تافرنانی کے ذریعے کاٹ دیا جاتا ہے کیونکہ ملک چھن
جانے کا خوف ہوتا ہے ریح عقیم یعنی ایسی ہوا جو بادلوں اور درختوں میں ملا تھ کا فریضہ سرانجام نہیں دیتی۔ یوم قیامت یوم عقیم
ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی دن نہیں، یہ کہا جاتا ہے: نساء عقم وعقمہ۔ شاعر نے کہا:

عقم النساء فما يبدن شبيهه إن النساء بشبه عقم

عورتیں بانجھ ہو گئیں وہ اس کی مثل نہیں جنتیں عورتیں اس کی مثل لانے سے بانجھ ہیں۔

نقاش نے بیان کیا ہے: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی اگرچہ اس کا حکم عام ہے (6)۔ حضرت لوط علیہ السلام کو

3۔ تفسیر جوبہ، صفحہ 246

2۔ المراد الوجیز، جلد 5، صفحہ 43

1۔ تفسیر المروری، جلد 5، صفحہ 211

6۔ ایضاً

5۔ ایضاً

4۔ تفسیر المروری، جلد 5، صفحہ 211

صرف بیٹیاں عطا کی گئیں ان کے ساتھ بیٹے نہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں عطا کیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو کوئی اولاد نہ دی، اسی کی مثل حضرت ابن عباس بن ابی سہل اور اسحاق بن بشر سے مروی ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی پھر یہ حکم عام رکھتی ہے **يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا** یعنی حضرت لوط علیہ السلام، ان کا کوئی بچہ نہ تھا ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں **لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ** ① یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کوئی بچی نہ تھی بلکہ ان کے آٹھ بیٹے تھے **اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا** اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں **وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَاقِبًا** یعنی حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر نہ کیا۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا **يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا** کا مصداق حضرت لوط علیہ السلام ہیں انکی صرف بیٹیاں تھیں ان کا کوئی بیٹا نہ تھا **وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ** ② کا مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے بیٹے تھے ان کی کوئی بیٹی نہ تھی **اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا** اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں حضرت حواء ہر بطن سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنا کرتی تھیں اس بطن کے مذکر کی دوسرے بطن کی مونث سے شادی کر دی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں حرمت کے حکم کو قطعی طور پر نافذ کر دیا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے بھی تھے اور بیٹیاں بھی تھیں قاسم، طیب، طاہر اور عبد اللہ، زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ اس تقدیر پر جو اس کی حکمت بالغہ اور مشیت نافذہ کے ساتھ متعلق ہے نظام چل رہا ہے تاکہ نسل باقی رہے مخلوقات بڑھتی رہے وعدہ پورا ہوتا رہے امر ثابت ہوتا رہے دنیا آباد ہوتی رہے جنت اور جہنم میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے جو اس کو بھر دے اور کچھ حصہ باقی رہے حدیث طیبہ میں ہے کہ ”جہنم نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: **قَطِّ قَطٍ**۔ مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے جہاں تک جنت کا معاملہ ہے تو اسکا کچھ حصہ باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا“۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عامہ اور قوت شدیدہ کی وجہ سے مخلوق کو ابتداء بغیر کسی چیز کے پیدا فرماتا ہے وہ اپنی عظیم مہربانی اور حکمت بالغہ کے ساتھ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا فرماتا ہے یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ حاجات سے پاک ہے اور آفات سے سلامت ہے (1)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا اور حضرت حواء کو آدم سے پیدا فرمایا اور دونوں سے مخلوق کو وحی کے طور پر پیدا فرمایا: ”وہ حمل ہوتا ہے وہ جنین ہوتا ہے اس میں وضع حمل ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچی پیدا ہوتی ہے“ صحیح میں اسی طرح ہے ”جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچا اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی کے غالب ہوتا ہے تو بچا اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے“۔

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیؐ کی حدیث کا معنی ہے (1) اس کے الفاظ نہیں امام مسلم نے حضرت عمرو بن زبیر کے واسطے سے ان سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: جب عورت کو احتکام ہو اور وہ پانی دیکھے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ فرمایا: ”ہاں“ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیؐ نے اس عورت سے فرمایا: تَرَبَّتْ يَدَاكَ وَالَّتِ كَلِمَةٌ تَعْجِبُ هِيَ۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ”اے چھوڑ دے مشابہت تو اسی وجہ سے ہوتی ہے جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو وہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔“

ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے مقتضا کے مطابق غلبہ مشابہت کا تقاضا کرتا ہے، حضرت ثوبان کی حدیث میں ہے (2) جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی سے فرمایا: ”مرد کا پانی سفید اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے جب دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے۔“

اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہوا کہ غلبہ مذکر اور مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ چچاؤں کے ساتھ مشابہت کے ساتھ اور مذکر ہونا اس صورت میں ہوگا جب مرد کا پانی غالب آجائے اسی طرح جب عورت کا پانی غالب آجائے تو ماموں کے ساتھ مشابہت اور مونث ہونا لازم آئیگا کیونکہ دونوں چیزیں ایک علت کا معلول ہیں معاملہ اسی طرح نہیں بلکہ اس کے خلاف بھی صورت موجود ہوتی ہے کیونکہ ہم یہ پاتے ہیں کہ مشابہت ماموں کے ساتھ ہوتی ہے اور بچہ ہوتا ہے اور چچاؤں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جبکہ بچی ہوتی ہے پس دونوں حدیثوں میں سے ایک کی تاویل متعین ہوگئی حدیث ثوبان کا جو معنی متعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غلبہ ہو تو یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے سابقنی فلان فسبقتہ فلاں نے میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں اس پر سبقت لے گیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ① (الواقعة) یعنی ہم مغلوب نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غلبہ کا معنی ہے علا علیہ اس قول کی تائید حدیث کرتی ہے ”جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچی پیدا ہوتی ہے“ (3)۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے ان احادیث کی بنا پر قاعدہ بنایا ہے کہا: ان دونوں پانیوں کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (1) مرد کا پانی پہلے نکلے۔ (2) عورت کا پانی پہلے نکلے۔ (3) مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو۔ (4) عورت کا پانی پہلے نکلے اور زیادہ ہو۔ تقسیم اسی طرح مکمل ہوتی ہے کہ مرد کا پانی پہلے نکلے پھر اس کے بعد عورت کا پانی نکلے اور عورت کا پانی زیادہ ہو یا اس کے برعکس ہو جب مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچہ ہوگا اور کثرت کی وجہ سے بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوگا

1- صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل على امرأة بعد الحيض منها، جلد 1، صفحہ 146

2- صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة، جلد 1، صفحہ 146

3- احکام القرآن لابن العربي، جلد 4، صفحہ 1672

جب عورت کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچی ہوگی اور غلبہ کی وجہ سے مشابہت مامووں کے ساتھ ہوگی اگر مرد کا پانی پہلے نکلے لیکن جب عورت کا پانی نکلا تو وہ زیادہ تھا تو سبقت کی وجہ سے بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے پانی کی مشابہت سے بچہ مامووں کے مشابہ ہوگا، اگر عورت کا پانی پہلے نکلے لیکن جب مرد کا پانی نکلا تو وہ عورت کے پانی پر غالب آ گیا تو بچی ہوگی کیونکہ عورت کا پانی پہلے نکلا تھا اور مشابہت چچاؤں کے ساتھ ہوئی کیونکہ مرد کا پانی غالب تھا کہا: اقسام کو اس طرح ترتیب دینے سے کلام درست ہو جاتی ہے، احادیث کے درمیان تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ تمام تر پاکیزگیاں خالق علیم کے لیے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے کہا: نسل انسانی مذکر اور مونث کی حیثیت سے رواں دواں رہی یہاں تک کہ دور جاہلیت میں پہلا خلش واقع ہوا سے علم میراث کے ماہر اور ان کے معمر آدمی عامر بن ظرب کے سامنے پیش کیا گیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بارے میں کیا کہے اس نے ان سے مہلت مانگی۔ جب اس پر رات تاریک ہو گئی تو وہ بے کل ہو گیا وہ پہلو بدلتا رہا اس کے پاس ایک سوچ آتی اور ایک جاتی یہاں تک کہ اس کی خادمہ نے اس کی کیفیت کو عجیب جانا، پوچھا: کیا بات ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک معاملہ میرے پاس پیش کیا گیا ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اس وجہ سے جاگ رہا ہوں؟ خادمہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک آدمی ہے جس کا ذکر اور فرج دونوں ہیں اس کا میراث میں کیا حال ہوگا؟ لونڈی نے اسے کہا: جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے اسی مناسبت سے اسے وراثت دے دو، عامر اسے سمجھ گیا اس نے صبح کی اور عامر نے اس کا حل پیش کر دیا وہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ یہی صورت حال تھی کہ اسلام آ گیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس بارے میں فیصلہ کیا۔ کلبی نے ابوصالح سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ذکر اور فرج تھی تو کس اعتبار سے اسے ورثہ دیا جائے گا؟ فرمایا: ”جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے“ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی خدمت میں انصار کا ایک خلش پیش کیا گیا تو فرمایا: جہاں سے اسے پہلے پیشاب آتا ہے اس اعتبار سے اسے وارث بناؤ“ محمد بن حنیفہ نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، ابن مسیب، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مزنی نے کہا: امام شافعی سے اسی طرح مروی ہے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر یہ ہے: پیشاب کا کوئی اعتبار نہیں اگر دونوں سے پیشاب آئے تو امام ابو یوسف کا قول ہے اکثر پر حکم لگایا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کیا تو اس کا کیل کرے گا؟ امام شافعی کے مقلدین نے اکثریت پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ حضرت علی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی پسلیاں شمار کی جائیں گی (1) کیونکہ عورت کی پسلی مرد کی نسبت ایک زائد ہوتی ہے۔ میراث والی آیت میں علماء نے جو کچھ کہا ہے مفصل گذر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: ایک قوم نے خلش کے وجود کا انکار کیا (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مونث، مذکر۔ ہم کہتے ہیں: یہ لغت سے ناواقفیت فصاحت سے کند ذہنی اور قدرت کی وسعت کی پہچان

سے کو تا ہی کی بنا پر ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ہے کیونکہ وہ وسعت والا اور علیم ہے جہاں تک قرآن کے ظاہر کا تعلق ہے وہ خشنی کے وجود کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **بَلِّغْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** اور یہ موجودات میں غالب کی خبر دیتا ہے تاہم ذکر سے سکوت فرمایا کیونکہ وہ کلام اول کے عموم کے تحت داخل ہے وجود اس کی گواہی دیتا ہے اور مشاہدہ منکر کی تکذیب کرتا ہے۔ رباط میں ہمارے ساتھ ابو سعید خنسی، امام شہید کے پاس پڑھتا تھا جو بلاد مغرب سے تعلق رکھتا تھا نہ اس کی داڑھی تھی اور نہ ہی پستان تھے اس کے پاس ایک لونڈی تھی تیرا رب اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے طویل سنگت کے باوجود حیا اس سے سوال کرنے سے مانع رہا، آج میرے دل میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کاش میں اس کے حال سے آگاہ ہو جاتا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذَانِهِ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا اس کا سبب یہ ہے (1) کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ نبی ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اسکو دیکھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ اس طرح کریں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام ہرگز اس کو نہیں دیکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نقاش، واحدی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔“

وَحْيًا مجاہد نے کہا: یہ پھونکنا ہے اس کے دل میں پھونکا جاتا ہے (2) تو وہ الہام ہوتا ہے؛ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوحِي إِنْ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا وَأَجَلَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَحْمِلُوا فِي الطَّلَبِ رُوحَ الْقُدُسِ** نے میرے دل میں الہام کیا کہ ایک نفس ہرگز نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اپنا کھل رزق پائے گا اور اپنی مدت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب اچھی کرو۔

أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ یا حجاب کے پیچھے سے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی۔ اَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا جس طرح حضرت جبریل امین کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **إِلَّا وَحْيًا** کا معنی ہے (3) ایسے خواب جنہیں وہ اپنی نیند میں دیکھتا

ہے: یہ محمد بن زبیر کا قول ہے اَوْ مِنْ ذَرَاةِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا زبیر نے کہا: رسول سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں (1) فَيُوْحِيْ بِاٰذَانِهِ مَا يَشَاءُ یہ وحی جو رسل کی جانب سے ہوتی ہے یہ رسل یعنی فرشتوں کی جانب سے انبیاء کو خطاب ہوتا ہے جس کو انبیاء سنتے ہیں اور آنکھوں سے جسے دیکھتے ہیں، حضرت جبریل امین کی بھی یہی حالت تھی جب وہ وحی لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت جبریل امین ہرنبی کے پاس آتے رہے مگر حضرت جبریل امین کو حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ذکریا علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی نہیں دیکھا جہاں تک دوسرے انبیاء کا تعلق ہے تو ان کی طرف وحی نیند کی حالت میں الہام ہوا کرتا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا وَحْيًا سے مراد ہے جبریل امین کو بھیج کر اَوْ مِنْ ذَرَاةِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

زہری، شیبہ اور تافع نے اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيْ دُونِ فَعْلُوْنَ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے۔ رفع جملہ مستانفہ کے طور پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ہویرسل ایک قول یہ کیا گیا ہے یرسل فعل حال ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اِلَّا حِيَا اَوْ مَرَسَلًا جنہوں نے اسے نصب دی ہے انہوں نے فعل کو محل وحی پر معطوف کیا ہے تو اس کا معنی ہوگا کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو مگر یہ اس کی طرف وحی کرے یا رسول بھیجے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہو جو ان مضممرہ سے پہلے ہے اور وہ حال کے محل میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی اَوْ بَانَ یرسل رسولاً یہ جائز نہیں کہ اَوْ یرسل منصوب فعل کا عطف اَنْ يَّكَلِمَهُ پر ہو کیونکہ معنی میں فساد واقع ہوتا ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اسے بھیجے یا اس کی طرف رسول بھیجے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں رسول بنا کر بھیجے ہیں اور انسانوں کی طرف بھیجے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جس کی رائے یہ ہے: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس آدمی کی طرف قاصد بھیجا تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ آدمی بھیجنے والے کو بھی بعض اوقات اس آدمی کے ساتھ کلام کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے جس طرف اس نے آدمی بھیجا تھا مگر یہ صورت مختلف ہوگی کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ابن منذر نے کہا: اس آدمی کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس کی طرف خط لکھا یا اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو ثوری نے کہا: رسول کلام نہیں ہے، امام شافعی نے کہا: اس کا حانث ہونا واضح نہیں ہوگا۔ امام نخعی نے کہا: خط کی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا۔ امام مالک نے کہا: وہ خط اور قاصد دونوں کی صورت میں حانث ہو جائے گا۔ ایک دفعہ کہا قاصد، خط سے آسان ہے۔ ابو عبید نے کہا: کلام، خط اور اشارہ

سے مختلف ہے۔ ابو ثور نے کہا: وہ خط کی صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ ابن منذر نے کہا: وہ خط اور قاصد میں حانث نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اور یہی امام مالک کا قول ہے ابو عمر نے کہا: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ کسی آدمی سے کلام نہیں کرے گا اس نے اسے جان بوجھ کر یا بھول کر سلام کیا یا ایک جماعت کو سلام کیا جبکہ وہ بھی ان میں موجود تھا امام مالک کے نزدیک تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ اگر اس نے اس کی طرف قاصد بھیجا یا اسے سلام کیا جبکہ وہ حالت نماز میں تھا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: قاصد بھیجا تب بھی حانث ہو جائے گا مگر وہ بالمشافہ کی نیت کرے؛ یہ امام مالک اور ابن ماجشون کا قول ہے سورہ مریم کے آغاز میں یہ ہمارے علماء کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔

وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۗ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا
الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۗ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥١﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ إِلَّا إِلَىٰ
اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٢﴾

”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک (جانفزا) کلام اپنے حکم سے، نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے لیکن اے حبیب! ہم نے بنا دیا اس کتاب کو سراپا نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جن کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے، اور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے خوب سن لو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ یعنی جس طرح ہم نے آپ سے قبل انبیاء کی طرف وحی کی اسی طرح آپ کی طرف وحی کی رُوحًا یعنی نبوت؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (2)؛ اپنی جناب سے رحمت۔ سدی نے کہا: وحی (3)۔ کلبی نے کہا: کتاب (4)۔ زبج نے کہا: اس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے (5)؛ یہ مالک بن دینار کا قول ہے۔ اسے روح کا نام دیا کیونکہ اس میں جہالت کی موت سے زندگی ہے روح کو اپنے امر کا حصہ بنانا اس معنی میں ہے اسے نازل کیا جس طرح چاہا اور جس پر چاہا یعنی جو لطم معجز ہے اور تالیف معجب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وَ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ (الاسراء: 85) تو قرآن پر محمول کیا جائے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء: 85) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ قرآن آپ پر کہاں سے آتا ہے؟ کہہ دیجئے: یہ اللہ کا امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے اس حال میں کہ یہ معجز ہے؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مالک بن دینار کہا کرتے تھے: اے اہل قرآن!

تمہارے دلوں میں قرآن نے کیا بویا ہے؟ بے شک قرآن دلوں کا موسم بہار ہے جس طرح بارش زمین کا موسم بہار ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ مَا كُنْتُمْ تَدْرَأُونَ مَا لِكُنْتُمْ تَدْرَأُونَ وَلَا الْإِيمَانُ لِيَعْنِي تَمَّ الْإِيمَانُ كِي طرف جانے والے راستہ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی سے پہلے آپ ایمان سے متصف نہیں تھے۔ قشیری نے کہا: یہ امر عقول کے مجوزات میں سے ہے اکثر علماء جس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر وہ بعثت سے پہلے اس پر ایمان لانے والا تھا یہ بھی عقل سے حکم لگانا ہے مگر یہ کہ قطعی دلیل سے امر ثابت ہو۔ قاضی ابو فضل عیاض نے کہا: نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے وہ نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے جاہل ہونے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک سے پاک تھے انبیاء سے اخبار و آثار اس امر کی مؤید ہیں کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے وہ اس نقص سے پاک ہی رہے بلکہ ان کی پیدائش توحید و ایمان پر ہی ہوئی بلکہ معارف کے انوار کے اشراق اور الطاف سعادت کے نغمات پر ہوئی۔ جو آدمی ان کی ولادت سے لے کر ان کی بعثت تک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کو تسلیم کرتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے احوال سے معروف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا** (مریم)

مفسرین نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اللہ کا علم ان کے بچپن میں دے دیا گیا تھا۔ معمر نے کہا: اس وقت ان کی عمر دو سال یا تین سال تھی، بچوں نے ان سے کہا: تو کھلتا کیوں نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں کھیل کے لیے پیدا کیا گیا ہوں مُصَدِّقًا بِكَلِمَةِ رَبِّكَ اللَّهُ (آل عمران: 39) کے بارے میں کہا: حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ ان کی عمر تین سال تھی حضرت یحییٰ نے گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم کو کہا کرتی تھی: میرے بطن میں جو ہے وہ تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے سلام کی غرض سے سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو انہوں نے اپنی والدہ سے گفتگو کی اس پر اللہ تعالیٰ کا کلام واضح ہے **أَلَا تَحْزَنِي** (مریم: 24) اس کی قراءت کے مطابق جس نے من تحتها کی قراءت کی ہے، اس کے قول کے مطابق جس نے کہا: ندا کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور پنگھوڑے میں ان کی کلام پر یہ نص بیان کی، فرمایا: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكُتُبُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا** (مریم) اور فرمایا: **فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكَلَّمْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا** (الانبیاء: 79) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے بارے میں کہا گیا جبکہ وہ بچے تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے یہ فیصلہ انہوں نے رحم کی جانے والے عورت اور بچے کے بارے میں کیا تھا جس کی پیروی ان کے والد حضرت داؤد نے کی تھی۔

طبری نے یہ حکایت بیان کی ہے: جب ان کو حکومت ملی اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ جو واقعہ ہے وہ بھی اسی طرح ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑی جبکہ ابھی وہ بچے تھے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ** (الانبیاء: 51) کے بارے میں فرمایا: ہم نے

اسے ہدایت دی جبکہ اس کی عمر چھوٹی تھی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن عطاء نے کہا: اس کی پیدائش سے قبل ہی اس کو چن لیا گیا۔ بعض نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا میں نے ایسا کر لیا ہے یہ نہیں کہا میں ایسا کروں گا یہ ان کی ہدایت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا اور ان کا امتحان ہوا اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبح کی صورت میں امتحان سات سال کی عمر میں ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج سے جب استدلال کیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت آپ بچے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **أَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِ هَذَا (يوسف: 15)** اس کے علاوہ بھی اخبار موجود ہیں۔

سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب ولادت ہوئی تو آپ اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے ہوئے تھے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں کا بغض پیدا ہو گیا، شعر سے بغض پیدا ہو گیا اور جاہلیت کے لوگ جس قسم کے کام کرتے ہیں ان سے کسی شے کا ارادہ نہیں کیا مگر صرف دو دفعہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں دفعہ مجھے اس سے محفوظ رکھا پھر میں نے اس کا اعادہ نہ کیا“ (1)۔

پھر ان کے لیے امر پختہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی نوازشات پے در پے ان پر واقع ہوتی ہیں، معارف کے انوار ان میں روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک جا پہنچتے ہیں یہ کسی تجربہ اور مشق کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَسَاءَ لَكُمْ أَشِدَّةً وَاسْتَوَىٰ أَمْنُهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا (القصص: 14)**

قاضی نے کہا: تاریخ دانوں میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو نبوت عطا کی گئی ہو یا اسے منتخب کیا گیا ہو جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ اس نے اس سے قبل کفر اور شرک کیا ہو اس بارے میں جس پر انحصار کیا جاسکتا ہے وہ اخبار منقولہ ہیں بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کا یہ طریقہ رہا ہو دل اس سے نفرت کرتے ہیں۔

قاضی نے کہا میں کہتا ہوں: قریش نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ایسی بات کے ساتھ اعتراض کیا جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا، امتوں کے کفار نے اپنے انبیاء کو ہر اس چیز سے عار دلائی جو ان کے لیے ممکن تھا اور جس کو انہوں نے گھڑا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا یا راویوں نے ہمارے لیے اسے نقل کیا لیکن ہم یہ نہیں پاتے کہ ان میں سے کسی نے کسی نبی کو اس بات پر شرمندہ کیا ہو جس امر میں وہ اس کے ساتھ متفق تھا اب اس کو ترک کر دیا ہے اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ اعتراض کرنے میں جلدی کرتے اپنے معبود کو تبدیل کرنے پر اس کے خلاف استدلال کرتے وہ نبی انہیں جس چیز سے منع کرتا ہے جبکہ وہ خود

پہلے اس کی عبادت کرتے تھے اس معاملہ میں ان کا اسے شرمندہ کرنا یہ دلیل میں زیادہ خوفناک اور استدلال میں قطعی ہوتا اس کی نسبت کہ اس نے ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان معبودوں کو چھوڑ دیا جن کی ان کے آباء پرستش کیا کرتے تھے ان لوگوں کا اس نبی سے اعراض پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی راہ نہیں پائی تھی کیونکہ اگر کوئی بات ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اور وہ خاموش نہ رہتے جس طرح وہ تجویل قبلہ کے بارے میں خاموش نہ رہے انہوں نے کہا: صَاوَلْنَهُمْ عَنْ قَبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا (البقرہ: 142) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکایت بیان کی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں گفتگو کی کیا وحی سے قبل کسی دین کے پیروکار تھے یا نہیں تھے؟ کچھ نے تو مطلق اس کا انکار کیا اور از روئے عقل کے اسے محال جانا انہوں نے کہا: جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ وہ تابع ہے اس کے لیے متبوع ہونا بعید ہے انہوں نے اس کی بنیاد حسن و قبح پر رکھی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا: نبی کریم ﷺ کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور کسی کا قطعی حکم نہ لگایا کیونکہ عقل ان دونوں میں سے کسی صورت کو محال قرار نہیں دیتی اور نہ ہی بطریق نقل ان میں سے کوئی صورت واضح ہے؛ یہ ابو معالی کا مذہب ہے۔

تیسری جماعت کا نقطہ نظر ہے: آپ پہلی شریعت کے پیروکار تھے اور اسی پر عامل تھے، پھر ان علماء نے تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ کا دین تمام سابقہ ادیان اور مل کے لیے ناسخ تھا کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی منسوخ دین پر عمل پیرا ہو۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ ﷺ ان کی اولاد تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تھے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ وہ دینوں میں سے سب سے قدیمی دین ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے: لازماً آپ کسی دین کے پیروکار تھے مگر کون سا دین تھا یہ ہمیں معلوم نہیں۔ ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسے اقوال ہیں جو متعارض ہیں ان میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگرچہ عقل ان سب کو جائز قرار دیتی ہے جو بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی ایک نبی کی طرف اس طرح منسوب نہیں تھے کہ وہ نسبت یہ تقاضا کرتی ہو کہ آپ اس کے امتی ہیں اور اس کی شریعت کے مخاطب ہیں بلکہ ان کی شریعت بذات خود مستقل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا آغاز ہوا آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، آپ ﷺ نے کسی بت کو سجدہ نہ کیا نہ بارش والی قسم میں حاضر ہوئے اور نہ خوشبو لگا کر قسم اٹھانے والوں میں حاضر ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے محفوظ و مامون رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: عثمان بن ابی شیبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے (1) کہ حضرت جابر نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مشرکین کے ساتھ ان کے مشاہد میں حاضر ہوتے آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: جاؤ یہاں تک کہ ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، تو دوسرے نے کہا: میں اس کے پیچھے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں جبکہ اس کا وقت بت کو سلام کرنے کا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ کبھی بھی ان کے ساتھ ان کی جگہوں پر حاضر نہ ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت پر سخت جرح قدح کی ہے کہا: یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ دارقطنی نے کہا: عثمان کو سند میں وہم ہوا ہے، حدیث منکر ہے اس کی سند پر اتفاق نہیں اس وجہ سے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔

علماء کے نزدیک اس کے برعکس ثابت ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: بُغِضتِ إِلَى الْأَصْنَامِ اور بحیرہ راہب کے قصہ میں آپ کا ارشاد: لَا تَسْأَلْنِي بِهَا فَوَاللَّهِ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بَغْضَهُمَا اس پر دلیل ہے بحیرہ راہب نے جب شام میں آپ ﷺ سے ملاقات کی جبکہ اس سفر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ تھے اور ابھی بچے تھے اس نے آپ ﷺ میں نبوت کی علامات دیکھیں تو بطور امتحان کہا کہ لات اور عزی کی قسم اٹھاؤ تو آپ نے یہ جواب دیا تھا: ”مجھ سے ان کے بارے میں قسم کا سوال نہ کرو جتنا میں ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں ایسا بغض میں کسی سے نہیں رکھتا“۔ بحیرانے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! جو میں تجھ سے پوچھوں گا تم ضرور اس کا جواب دو گے۔ فرمایا: ”جو چاہو سوال کرو“۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں یہی معروف ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نبوت کے اعلان سے قبل حج کے موقع پر مشرکین کی مخالفت کرتے وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے نبی کریم ﷺ عرفات میں وقوف کرتے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ بَلَّ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ (البقرة: 135) فرمایا: أَنْ اتَّبِعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ (نحل: 123) فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ (الشوری: 13) یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ شریعت کے پیروکار تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں شریعتوں میں اختلاف نہیں ہوتا جیسے توحید، اقامت دین۔ جس کی وضاحت کئی مواقع پر ہو چکی ہے۔ اس سورت میں شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ میں گذر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ بات جان لو کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مَا لَكُنْتُمْ وَلَا الْإِيمَانُ کی تعبیر کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں ایمان کا معنی ایمان کے شرائع اور معالم ہیں؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس شرع کی تفصیل مراد ہیں یعنی ان کی تفصیل نہیں جانتے تھے۔ ایمان کے الفاظ کا اطلاق شرع کی تفصیل پر کرنا بھی جائز ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وحی سے پہلے آپ ﷺ قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ آپ کیسے مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دیں؛ اسی کی مثل ابو العالیہ سے مروی ہے۔

ابو بکر قاضی نے کہا: یہاں ایمان سے مراد فرائض اور احکام ہیں، کہا: اس سے پہلے آپ توحید پر ایمان رکھنے والے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن سے پہلے آپ آگاہ نہ تھے احکام کے مکلف بنائے جانے کے ساتھ ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال قریب قریب ہیں۔

ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ (البقرة: 143)

مراد یہ ہے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی ہے اس کو ضائع کرنے والا کوئی نہیں، لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی اہل ایمان کا جانتے تھے یہ کلام اس قبیل سے ہوگی جس میں مضاف حذف ہوتا ہے یعنی کون ایمان لائے گا، ابوطالب، حضرت عباس یا کوئی اور؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ ہٹھوڑے میں تھے اور بلوغت سے قبل آپ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

ماوردی نے علی بن عیسیٰ سے اسی کی مثل روایت بیان کی ہے۔ اگر رسالت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر بلوغت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارا تم پر انعام نہ ہوتا تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر ہم آپ کو ہدایت نہ دیتے تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے، اس میں احتمال موجود ہے۔

اس ایمان میں دو وجوہ ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اسے آپ بلوغت کے بعد اور نبوت سے پہلے جانتے تھے (2) دین اسلام، اسے آپ نبوت کے بعد جانتے تھے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ یعنی آپ امی قوم سے تعلق رکھتے تھے وہ نہ کتاب کو جانتے اور نہ ہی ایمان کو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُءُ بِسِينِكَ إِذْ أَلْمَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٠٥﴾ (العنکبوت) یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٦﴾ (البقرہ: 106)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے (2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

نُورًا تَهْتَدُونَ بِهَا مِنَ النَّوْرِ، مَنْ لَشَاءُ، مَنْ لَشَاءُ، یعنی جسے ہم نبوت کے لیے پسند کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ (البقرہ: 105) ضمیر واحد ذکر کی کیونکہ کثرت اسماء میں فعل اس فعل کے قائم مقام ہوتا ہے جو اسم واحد میں ہو کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: اقبالک وادبارک یعجبینی تو ضمیر غائب واحد کی لاتا ہے جبکہ اقبال اور ادبار دو چیزیں ہیں۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠٧﴾ (البقرہ: 107)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے (4)۔

عاصم اور حمدری وائیک لَشَهْدَى مَجْهُول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے حضرت ابی کی قراءت میں وائیک لَشَدَعُوْهُ۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت نہ کی جائیگی کیونکہ یہ مصاحف کے خلاف ہے اس قسم کے قول کو قائل کی جانب سے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ یہ تفسیر کے طور پر ہے جس طرح کہا: وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

دعوت دیتے ہیں۔

معلم نے قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** ۵۱ کی تفسیر میں یہ آیت ذکر کی **وَلِكُلِّ قَوْمٍ**

هَادٍ ۵۲ (الرعد)

صراط اللہ یہ پہلے صراط سے بدل ہے جس طرح معرفہ نکرہ سے بدل ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت نو اس بن سمعان نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ یعنی ملک، بندہ اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے **آلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ** ۵۳ دوبارہ اٹھانے اور جزا دینے کی وعید ہے۔ سہیل بن ابی جعد نے کہا: ایک مصحف جل گیا اس میں سے صرف **آلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ** ۵۴ باقی بچا۔ ایک مصحف غرق ہوا اس میں سے سب مٹ گیا صرف **آلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ** ۵۵ باقی بچا۔ **والحمد لله وحده۔**

سورة الزحرف

﴿سورة الزحرف﴾ ﴿سورة الزحرف﴾ ﴿سورة الزحرف﴾ ﴿سورة الزحرف﴾ ﴿سورة الزحرف﴾

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے مقال نے کہا مگر یہ آیت مدنی ہے وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا - اس کی نو اس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمِّمٌ ۙ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۙ

”ح۔م۔م۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں تاکہ تم اس کے مطالب کو سمجھو۔“

حَمِّمٌ ۙ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمِّمٌ قسم ہے وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَالْكِتٰبِ کا جواب حَمِّمٌ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے نزل وانزل، وجب وانزل تو اس نے وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ کو بنایا ہے اس نے وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنٰهُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ (المائدہ: 103) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔

عَرَبِیًّا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی (2)؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقال نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جَعَلْنٰهُ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۙ لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۙ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجیبوں کے لیے نہیں ہوگا (4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچو و بچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربوں اور عجیبوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَإِنَّ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيِّنًا لَعَلَّ حَكِيمٌ ۝

”اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔“

وَإِنَّ فِي أُمِّ الْكِتَابِ ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن لوح محفوظ میں ہے لَدَيِّنًا یعنی ہمارے پاس لَعَلَّ حَكِيمٌ ۝ یعنی بلند اور محکم۔ اس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْتُوبٍ ۝ (الواقعة) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ (البروج) ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِنَّهُ سے مراد مخلوق کے اعمال یعنی ایمان، کفر، اطاعت اور معصیت لَعَلَّ وہ اس سے بلند ہے کہ اسے پایا جاسکے اور اس میں تبدیلی کی جاسکے حَكِيمٌ وہ نقص اور تغیر سے پاک ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اسے حکم دیا کہ جس کو پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے لکھے کتاب اس کے پاس ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔ حمزہ اور کسائی نے اُمِّ الْكِتَابِ کے حمزہ کو کسرہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

أَفْتَضِرُّبُ عَنْكُمُ الَّذِي كَرَّصَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۝

”کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔“

أَفْتَضِرُّبُ عَنْكُمُ الَّذِي كَرَّ ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ ضحاک اور دیگر سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر سے مراد عذاب ہو یعنی کیا ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے اور تمہارے اسراف اور کفر پر تمہیں سزا نہ دیں گے؛ یہ مجاہد، ابوصالح اور سدی کا قول ہے (3)۔ عوفی نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے جبکہ تم نے وہ کچھ نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ سدی نے یہ بھی کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں فضول چھوڑ دیں گے اور ہم تمہیں حکم نہیں دیں گے اور ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے اور تمہیں حکم نہیں دیں گے اور تمہیں نہیں روکیں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا ہم قرآن نازل کرنے سے رک جائیں گے قبل اس کے کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو گے اور تم پر اسے نازل کریں گے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اٹھالیا جاتا جب اس امت کے لوگوں نے اس کا رد کیا تھا تو وہ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ اسے لوٹایا اور بار بار نازل کیا۔ کسائی نے کہا: ہم تم سے ذکر کو لپیٹ دیں گے نہ تمہیں نصیحت کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تذکیر ہے گویا فرمایا: کیا تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ تم فضول خرچ قوم ہو۔ یہ تعبیر اس کے نزدیک ہے جس نے ان کے حمزہ کو فتح دیا ہے، جس نے اسے کسرہ

دیا ہے اس نے اسے شرط کے لیے بتایا ہے اور اس کا ماقبل اس کا جواب ہے کیونکہ یہ لفظوں میں عمل نہیں کرتا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَذُرُّوا مَا بَقِيَ مِنَ الزَّبْوَانِ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** (البقرۃ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے اس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنت ظالم إن فعلت زجاج کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کی صورت میں حال کا معنی ہوگا کیونکہ کلام میں تقریر اور تو بیخ کا معنی پایا جا رہا ہے **صَفْحًا** کا معنی اعراض کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے **صَفْحًا** عن فلان جب تو نے اس کے گناہ سے درگزر کیا قد ضربت عنه صفحا جب تو نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ترک کر دیا۔ اس کا اصل معنی گردن کا پہلو ہے یہ کہا جاتا ہے: اعرضت عنه یعنی میں نے اس سے اپنی گردن کا پہلو پھیر لیا۔ شاعر نے کہا:

صَفْحًا فَمَا تَلْقَاكَ إِلَّا بِخَيْلَةٍ فَمِنْ مَلٍّ مِنْهَا ذَلِكَ الْوَصْلَ مَلَّتْ (1)

وہ گردن کا پہلو پھیرنے والی ہے وہ تجھے بخیل کی حیثیت سے ہی ملے گی جو اس وصل سے اس سے اکتا جائے وہ اکتا جاتی ہے۔ **صَفْحًا** مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ **أَفْتَضِرُّبُ** کا معنی ہے انصفح ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے **أَفْتَضِرُّبُ** عنکم الذکر صافحین جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان مشياً۔

مُسْرِفِينَ کا معنی ہے مشرکین۔ ابو عبیدہ نے ان میں ہمزہ کے فتح کو اختیار کیا ہے: یہ ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور ابن عامر کی قراءت ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر پر عتاب کیا جو ان سے واقع ہوا اور ان کے عمل سے پہلے اسے جان لیا۔

وَ كَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ① وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ② فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَ مَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ③

”اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے پس ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا“۔

وَ كَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ① یہاں کم خبر یہ ہے، یہاں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے معنی ہے ہم نے جو انبیاء بھیجے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے جس طرح فرمایا: **كَمْ تَرَ كُفْرًا مِنْ جَثَّتْ وَ عُيُونٌ ②** (الدخان) انہوں نے کتنے ہی زیادہ باغات اور چشمے چھوڑے۔

وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ **فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا** یعنی ایسی قوم کو ہلاک کیا جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھی **مِنْهُمْ** میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جو **أَفْتَضِرُّبُ** عَنْكُمْ الذِّكْرُ **صَفْحًا** کے مخاطب ہے پہلے خطاب کیا اس کے بعد ضمیر ذکر کی **أَشَدَّ** یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مفعول ہے یعنی وہ لوگ جو بدن اور پیروکاروں کے اعتبار سے ان سے قوی تھے انہیں ہلاک کر دیا **وَ مَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ③** یہاں مثل سے مراد عقوبت ہے: یہ قنادہ سے مروی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **صَفْحَةُ الْأَوَّلِينَ** سے مراد ہے ان کی خبر کہ انہیں

ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا؛ یہ نقاش اور مہدوی نے ذکر کیا ہے (1)۔ مثل کا معنی وصف اور خبر ہے۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ①

”اور آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے: پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جاننے والے نے۔“

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ ضمیر سے مراد مشرکین ہیں مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ① خلق اور ایجاد کا اس کے لیے اقرار کیا پھر اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ②

”جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔“

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت کے ساتھ اپنی صفت بیان کی یہ کلام نئی شروع ہو رہی ہے اپنے بارے میں خبر دی اگر یہ کفار کے قول کی خبر ہوتی تو کلام یوں ہوتی الذی جعل لنا الارض۔

مَهْدًا یعنی بستر اور بچھونا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کوئیوں نے اسے مَهْدًا پڑھا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا یعنی زندگی کو اسباب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُبُلًا کا معنی ہے راستے تاکہ جہاں تم جانا چاہتے ہو ان میں چلو۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم اس کی مقدورات سے اس کی قدرت پر استدلال کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنے سفروں میں ہدایت پاؤ، یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو پہچانوں؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنی زندگی کے اسباب کی طرف راہنمائی پاؤ۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدًا مَرْتًا ③ كَذَلِكَ نُخْرِجُونَ ④

”اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو یونہی تمہیں بھی قبروں سے نکالا جائے گا۔“

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر بغیر اندازہ کے نازل کیا گیا یہاں تک کہ انہیں غرق کر دیا بلکہ وہ اندازے سے نازل کیا گیا غرق کرنے والے طوفان کی صورت میں نہیں اور نہ ہی ضرورت سے کم یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے زندگی کا سبب بن گیا (4)۔

فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدًا مَرْتًا یعنی ہم نے پانی کے ذریعے چھیل بستی کو زندہ کر دیا۔

كَذٰلِكَ تُخَفِّرُونَ ۝ اسی طرح تمہیں قبور سے اٹھایا جائیگا کیونکہ جو ذات بے آباد بستی کو آباد کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ سورۃ اعراف میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے یخففون قراءت نقل کی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجہول نقل کیا ہے۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝
لَسْتَوَا عَلٰی ظُهُورِهِمْ تَدْكُرُوْنَ اَنْعَمَةً رَّحِيْمًا اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوْنَ سُبْحٰنَ
الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝

”اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم جم کر بیٹھوان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا کیے۔ سعید بن جبیر نے کہا: تمام قسم کی اصناف پیدا کیں (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے موسم سرما، موسم گرما، رات، دن، آسمان، زمین، سورج، چاند، جنت اور جہنم کو پیدا کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیوانوں میں سے مذکر اور مؤنث پیدا کیے (3)؛ یہ ابن مسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نباتات کے جوڑے مراد ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اَلَمْ نَشْرَبْ لَهَا مِنْ كَلْبٍ ذُو جِجٍ ۝ (ق)** **مِنْ كُلِّ ذُو جِجٍ كَرِيْمٍ ۝ (لقمان: 10)** ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان و کفر، نفع و نقصان، فقر و غنا اور صحت و بیماری ہیں جو انسان میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول تمام اقوال کو عام ہے اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو جامع ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ سے مراد کشتیاں ہیں وَالْاَنْعَامِ سے مراد اونٹ ہیں مَا تَرْكَبُونَ ۝ جن پر تم خشکی اور گرمی میں سواری کرتے ہو۔ لَسْتَوَا عَلٰی ظُهُورِهِمْ یہاں ضمیر ذکر کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا تَرْكَبُونَ کی طرف لوٹ رہا ہے؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ فراء نے کہا: ظُهُورِهِمْ کو واحد ضمیر کی طرف مضاف کیا ہے (4)، کیونکہ اس سے مراد جنس ہے ایک جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح جیش اور جند واحد ہونے کے باوجود جمع کے معنی میں ہوتے ہیں اسی وجہ سے ضمیر مذکر ذکر کی اور ظہور کو جمع ذکر کیا تقدیر کلام یہ ہوگی علی ظہور هذا الجنس۔

مسئلہ نمبر 2۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہاں انعام سے مراد اونٹ اور گائے ہے (5)۔ ابو معاذ نے کہا: صرف اونٹ

2- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217

5- ایضاً، جلد 5، صفحہ 217

4- ایضاً، جلد 5، صفحہ 218

3- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217

ہیں (1)؛ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اسی اثنا میں کہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا کہ گائے نے اس سے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مجھے تو بل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں، ابو بکر، اور عمر اس پر ایمان لائے“ جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس وقت حاضر نہ تھے۔ سورہ النحل کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ لَتَسْتَوُوا عَلٰی ظُهُورِهَا اس سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور کشتیوں کے اندر بیٹھا جاتا ہے ان کشتیوں پر سوار نہیں ہو جاتا لیکن سورت کے آغاز میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کشتی کے ظاہر کو اس کا باطن بنا دیا جائے کیونکہ پانی کشتی کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس کا باطن ہی ظاہر بنا دیا جائے گا، کیونکہ یہ باطن لوگوں کے لیے منکشف ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہی پشت ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ لَمَّا تَذَكَّرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ یعنی جس پر سواری کرتے ہو۔ نعمت کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے کہ اس نے اس چیز کو ہمارے لیے خشکی اور تری میں مسخر کر دیا ہے وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی اس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے سبحان من سخّر لنا هذا۔

وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ۝ یعنی ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کا قول ہے (3)۔
 اخفش اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے کہ مُقْرِنِيْنَ کا معنی ہے ضابطین ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قوت میں مماثل۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرن فلان جب وہ قوت میں اس کی مماثل ہو، یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان مقرن لفلان یعنی فلاں، فلاں کو قابو کرنے والا ہے، اسی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اقربت کذا۔ قرن لہ وہ اس پر قوی ہو گیا گویا وہ اس کا ہم مقابل ہو گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ یعنی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قطرب نے عمرو بن معدیکرب کا شعر پڑھا:

لقد علم القبائل ما عقيل لنا في النائبات بمقرنيننا

قبائل جان گئے ہیں عقیل حادثات زمانہ میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رکبتم صغبتی اثرا و حینفا ولستم للضعاب بعرنینا

نیز مقرن اسے کہتے ہیں جس پر ضیاع غالب آجائے اس کے اونٹ ہوں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور ان پر اس کا کوئی معاون نہ ہو یا وہ اونٹوں کو پانی پلائے اور انہیں کوئی ہنکانے والا نہ ہو۔ سکیت نے کہا: اس کی اصل میں دو قول ہیں: (1) یہ اقراں سے ماخوذ

ہے یہ باب چلایا جاتا ہے اقرن یقرن اقراناً جب وہ طاقت رکھے اقرنت کذا جب تو اسے محکم بنائے گویا اسے پہاڑ میں بنایا، قرن سے مرا پہاڑ ہے اسے پختہ بنایا اور مضبوط کیا (2) یہ مقارنہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چال میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: قرنت کذا بکذا جب تو اسے اس کے ساتھ باندھ دے اور تو اسے اس کا ساتھی بنا دے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب ہم سواریوں پر سوار ہوں تو ہم کیا کہیں اور جب ہم کشتی پر سوار ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے ایک اور آیت میں اس کو بھی پہچان لیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَقَالَ امْرَأُكَ فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُزْسِمُهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾ (ہود) کتنے ہی جانوروں پر سوار لوگ ہیں کہ سواری سوار کے ساتھ لڑکھڑائی یا سرگرداں ہوگئی یا اس نے سوار کو نیچے گرا دیا یا سوار اس کی پشت سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہو گیا، کتنے ہی کشتی میں سوار ہونے والے ہیں کشتی ان کے ساتھ ٹوٹ گئی تو سب غرق ہو گئے۔ جب سوار ہو یا ایک ممنوع امر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تلف کے اسباب میں سے چند اسباب کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ اس کی قضا سے بچنے والا نہیں وہ اپنے دل اور زبان سے اس کے ذکر کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ملاقات کے لیے اس طرح تیار ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا ہو اور اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھے کہ اس کی یہ سواری اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے موت کے اسباب میں سے ہو اور وہ خود اس سے غافل ہو۔

سلیمان بن یسار نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ لوگ سفر میں تھے جب وہ سوار ہوئے تو کہتے: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَمُفْرِّقِنِ ۝ ان میں سے ایک آدمی تھا جو انتہائی کمزور سواری پر سوار تھا اونٹ میں سے رازم اسے کہتے ہیں جو زمین پر کھڑا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا یا یوں جملہ بولا جاتا ہے قدر نہمت الناقة تززم وتززم رنہ وما ورنہا ما وہ ٹھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے کھڑی ہوگئی وہ حرکت نہیں کرتی۔ صحاح میں جوہری نے یہ بات کہی ہے۔ اس آدمی نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس پر غالب ہوں اس اونٹنی نے اسے گرا دیا اور اسکی گردن ٹوٹ گئی۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک بدوا اپنے قعود اونٹ (چرواہا ہر ضرورت کے لیے جس اونٹ کو استعمال کرتا ہو) پر سوار ہوا اس نے کہا: اسے قابو کرنے والا ہوں، وہ قعود اونٹ اسے لے کر دوڑ پڑا یہاں تک کہ اسے گرا دیا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی؛ پہلا واقعہ ماوردی اور دوسرا ابن علی نے ذکر کیا ہے۔ کہا: کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس دعا کو چھوڑے زبان سے اس کا ذکر واجب نہیں جب وہ سوار ہو تو یہ کہے اور سفر میں جب اسے یاد آجائے سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَمُفْرِّقِنِ ﴿۱۰﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۱۱﴾ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اہل اور مال میں تو ہی خلیفہ ہے، اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے واپس پلٹنے کے غم، کور کے بعد جو اور اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ العجور بعد الکود سے مراد ہے امور کے مجتمع ہونے کے بعد ان کا بکھر جانا۔

عمر بن دینار نے کہا: میں ابو جعفر کے ساتھ ان کی زمین کی طرف نکلا جو باغ کی مثل تھی جسے مدر کہتے وہ ایک تندخو اونٹ پر سوار ہوئے میں نے ان سے عرض کی: اے ابو جعفر! کیا تجھے ڈر نہیں کہ یہ تجھے گرا دے گا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ”ہراونٹ کی کہان پر ایک شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر اس سے خدمت لو“ (1)۔ حضرت علی بن ربیعہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک روز سوار ہوئے جب آپ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد للہ پھر کہا: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۲﴾ پھر تم بار کہا: الحمد للہ واللہ اکبر اللہم لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفر لي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت پھر آپ نے فرمایا: میں نے ان سے پوچھا کس چیز نے تجھے ہنسایا ہے؟ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا ہے پھر آپ نے فرمایا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے فرمایا: اس بندے کے قول پر تعجب کی وجہ سے جو کہتا ہے: اللہم لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفر لي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت (2) وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ ابوداؤد طیالسی نے اسے اپنی مسند میں اور ابو عبد اللہ محمد بن خویز مند اد نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مختصر نقل کیا ہے، الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا قدم رکاب میں رکھتے تو فرماتے بسم اللہ جب اوپر بیٹھ جاتے تو فرماتے (3): الحمد للہ علی کل حال سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۲﴾ جب تم کشتی اور چوپائے سے نیچے اترتو کہو اللہم أنزلنا منزلًا مبارکًا وأنت خير المنزّلین۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی سوار ہو اور سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱﴾ نہ کہا شیطان اسے کہتا ہے: تو اسکے لیے نغمہ گا (4)۔ اگر وہ اچھی طرح نہ گا سکتا ہو تو اسے کہتا ہے: اپنی طرف سے بنالے! یہ تمہاس نے ذکر کیا ہے۔

جو آدمی اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: آج ہم گھوڑوں پر سیر کریں یا کشتی میں سیر کریں وہ سوار ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھ شراب کے برتن اور آلات لہو و لعب اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ لگاتار اسے پیتے رہتے ہیں یہاں تک شراب سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے جبکہ وہ جانوروں کی پشتوں پر ہوتے ہیں یا کشتیوں کے اندر ہوتے ہیں جبکہ کشتیاں انہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں وہ صرف شیطان کا ذکر کرتے ہیں، وہ صرف اس کے حکم کو ہی مانتے ہیں، وہ ایسے لوگوں کے پاس کھڑا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک حاکم سوار ہوا جبکہ وہ شراب پیتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اسے ہوش نہ آیا مگر جب وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا اسے سفر کا احساس تک نہ ہوا ایسے سواروں کے عمل اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے ان کے درمیان کتنا بعد ہے (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1677

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 239

2۔ جامع ترمذی، کتاب فی الدعوات، باب ما یقول اذا رکب الناقة، جلد 2، صفحہ 182

5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 249

4۔ البحر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورًا مُّبِينًا ﴿۱۵﴾

”اور بنادی ہے مشرکوں نے اس کے لیے اس کے بندوں سے اولاد، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے۔“

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا یہاں جزء، عدل کے معنی میں ہے یعنی مثل (1)۔ قتادہ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ زجاج اور مبرد نے کہا: یہاں جزء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ مومن ان کی جہالت پر متعجب ہوئے جب انہوں نے یہ اقرار کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اور بچہ بنایا انہیں علم نہیں تھا کہ جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ قوت حاصل کرے یا اس سے انس حاصل کرے کیونکہ یہ نقص کی صفات میں سے ہے۔

ماوردی نے کہا: عربوں کے نزدیک جزء سے مراد بیٹیاں ہیں (2)۔ جب عورت بیٹیاں جنے تو عرب کہتے ہیں اجزأت السراء شاعر نے کہا:

إن اجزأت خرة يوما فلا عجب وقد تجزئ الخرة الذكار أحيانا (3)

اگر شریف عورت نے کسی روز بچی جنی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کئی مواقع پر وہ بچے بھی جن دیتی ہے۔

زمخشری نے کہا: عجیب و غریب تفاسیر میں سے یہ ہے کہ جزء کی تفسیر عورتوں سے کی جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ جزء کا لفظ لغت عرب میں عورتوں کے لیے آتا ہے (4) یہ عربوں پر جھوٹ ہے اور نئی وضع ہے انہوں نے اسی پر قناعت نہ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس سے یہ فعل مشتق کر لیا اجزأت السراء پھر شعر بنا دیے:

إن اجزأت حرة يوما فلا عجب زو جتھا من بنات الأوس مجزئة (5)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ کے ساتھ متصل ہے اگر تو ان سے آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں پوچھے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اس کے بندوں میں سے اسکا جز بنا دیا ہے اور مخلوقات کی صفات سے اس کا وصف بیان کیا ہے مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا کا معنی ہے انہوں نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جز بنا دیا جس طرح اولاد والد کا جز ہوا کرتی ہے۔ اسے جُزْءًا دوسموں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورًا مُّبِينًا ﴿۱۵﴾ انسان سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے مُّبِينًا کا معنی ہے وہ کفر کو ظاہر کرتا ہے (6)۔

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنَاتِ ﴿۱۶﴾

”کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ۔“

3۔ المحرر الوجيز، جلد 5، صفحہ 48

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 241

أَمِ اتَّخَذَ مِنَّا يَخْلُقُ بَدْنًا ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے کیا اس نے جو پیدا کیا ہے اس کو بیٹیاں بنا لیا ہے جس طرح تمہارا گمان ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لفظ استفہام کا ہے معنی تو بیخ ہے وَأَصْفَلَكُمْ بِالْبَنَاتِ ۝ تمہیں بیٹوں کے لیے خاص کیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: اصفیتہ بكذا یعنی میں نے اس کو اس کے پیچھے لگایا۔ اصفیتہ التود میں نے اس کے لیے محبت کو خالص کیا۔ صافیتہ وتصافینا ہم نے خالص کیا۔ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کو منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو منتخب کیا جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو پسند کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اگرچہ جاہل یہ وہم کرے کہ اس نے اپنے لیے بیٹا منتخب کیا ہے۔ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کی طرف دو جنسوں میں ارفع جنس کو کیوں منسوب نہیں کیا انہوں نے اپنے لیے معزز جنس کو کیوں بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ادنیٰ درجے کی جنس کو منتخب کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَمْ تَلِدْكَ لَكَ وَاللَّاتُ ۝ تِلْكَ إِذْ أَسْمَتْهُ فُضِّلَتْ ۝ (النجم)

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝

”اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا

چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے۔“

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا یعنی اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی یہ صورت حال اس لیے ہوتی ہے کہ اس نے جو مثال بیان کی تھی وہ باطل ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بچی کی جو بشارت دی گئی ہے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے اس کی دلیل سورہ نحل میں موجود ہے وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک کو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بچی پیدا ہوئی ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ غم سے اور افسوس سے سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک عرب کے بارے میں یہ مروی ہے کہ اس کی عورت نے بچی جنی تو اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں اس کی بیوی تھی تو اس عورت نے کہا:

مَا لِأَبِي حَمْرَةَ لَا يَأْتِينَا يَنْظِلُّ لِي الْبَيْتَ الَّذِي يَدِينَا
غَضِبَانَ الْأَنْدَلُ الْبَنِينَا وَإِنَّا نَأْخُذُ مَا أُعْطِينَا (1)

ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے پاس نہیں آتا اور اس گھر میں رہتا ہے جو ہمارے پڑوس میں ہے۔ وہ ناراض ہے کہ ہم بیٹوں کو کیوں نہیں جنتیں ہم تو وہی کچھ لیتی ہیں جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا ہے۔

اسے مسود اور مسواد بھی پڑھا گیا ہے۔ جماعت کی قراءت کے مطابق وَجْهُهُ يَهْ ظَلٌّ کا اسم ہے اور مُسْوَدًّا اس کی خبر ہے (۱۶۲)۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَجْهُهُ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور مسود اور مسودا کورفع اس لیے دیا جائے کہ یہ اس کی خبر ہو، ظَلٌّ میں اس کا اسم ہو اور جملہ اس کی خبر ہو كَظِيمٌ کا معنی ہے غمگین (2)؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس

معنی طروب ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہے؛ یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے (1)، یہ سب کچھ اس کی مثل کے باطل ہونے اور دلیل کے باطل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس نے اس امر کو جائز قرار دیا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بنیاں ہیں تو اس نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ بچہ اپنے والد کی جنس اور اسکے مشابہ ہوا کرتا ہے جس آدمی کا چہرہ اس لیے سیاہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف اسے منسوب کیا جائے جو اس سے بھی جلیل الشان ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کرنا کیسا ہوگا؟ اس آیت کی وضاحت میں سورہ نحل میں ایسی بحث گذر چکی ہے جو کافی و شافی ہے۔

أَوْ مَنْ يُنشَأُ فِي الْعِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ① وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ

هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا كُنَّا أَشْهَادًا وَأَخْلَقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ②

”کیا وہ ایسی اولاد جنے گا جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعی واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو جو خداوند رحمن کے بندے ہیں عورتیں، کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت، لکھ دی جائیگی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ أَوْ مَنْ يُنشَأُ جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ جوان ہوتی ہے۔ نشوء کا معنی تربیت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأت فی بنی فلاں نشأ و نشأ۔ جب تو ان میں جوان ہو۔ نشئ اور انشئ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، ابن وثاب، حفص، حمزہ، کسائی اور خلف نے یُنشَأُ پڑھا ہے جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ بڑی ہوتی ہے زیورات میں؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسناد اعلیٰ ہے باقی قراء نے اسے یُنشَأُ یا کے فتح اور نون کو ساکن کرنے کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا ہے وہ راسخ ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ نشأ میں اصل معنی بلند ہونا ہے، یہ ہروی نے کہا ہے یُنشَأُ متعدی ہے اور یُنشَأُ لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فِي الْعِلْيَةِ یعنی زینت میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: وہ بچیاں ہیں ان کا لباس مردوں کے لباس سے مختلف ہے (2)۔ مجاہد نے کہا: عورتوں کو سونے اور ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی اور اس آیت کو پڑھا (3)۔ الکیانے کہا: اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے زیورات استعمال کرنا جائز ہے اس پر اجماع منعقد ہے اس میں احادیث شمار سے باہر ہیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو کہا کرتے تھے: اے بیٹی! سونے کے زیورات پہننے سے بچو کیونکہ مجھے تیرے بارے میں آگ کا خوف آتا ہے۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ② جھگڑا میں اور حجت و دلیل پیش کرنے میں واضح کلام نہیں کر سکتی۔ قتادہ نے کہا: کسی عورت نے گفتگو کی جبکہ اس کے پاس دلیل بھی موجود ہو تو وہ اسے اپنے خلاف ہی استعمال کر لیتی ہے (4)۔ حضرت عبداللہ بن

مسعود کے مصحف میں ہے دھونی الکلام غیر مبین آیت کا معنی ہے کیا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے جس کا یہ وصف ہو؟ یعنی ایسا کرنا جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیورات میں آراستہ ان کے وہ بت ہیں جن کو انہوں نے سونے اور چاندی سے ڈھالا اور انہیں زیور پہنائے (1)، یہ ابن زید اور ضحاک کا قول ہے۔ اس قول کی بنا پر اس کا معنی ہوگا وہ جو اب سے خاموش ہیں من محل نصب میں ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز کو بنایا جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو اور خبر مضموم ہو؛ یہ فراء کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کیا وہ چیز جو اس حالت پر ہو عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ لے کہ من محل جر میں ہے اسے کلام کے ابتدائی حصہ کی طرف پھیرا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پہاَصْرَبَ يٰمٰا ہے جو اس آیت میں ہے وَمِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ اِن دُنُوں مَوَاعِعِ پر بدل بنانا ضعیف ہے کیونکہ ہمزہ استفہام بدل اور مبدل منہ کے درمیان حائل ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا كُوْفِيُوں نے عباد کو جمع پڑھا ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس میں اسناد اعلیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول میں انہیں جھٹلایا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہ اس کی بیٹیاں نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے عباد الرحمن پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میرے مصحف میں عبد الرحمن تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے مٹا دے اور اسے عباد الرحمن لکھ اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (الانبیاء) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف: 194) باقی قراءت نے اسے عند الرحمن نون ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ (الاعراف: 206) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَکُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَا (الانبیاء: 19) مقصود ان کے جھوٹ کو واضح کرنا اور ان کی جہالت کو بیان کرنا ہے کہ وہ اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ حکم لگاتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ عباد کے لفظ کا ذکر کر کے ان کی مدح ہے یعنی انہوں نے اس کی کیسے عبادت کی جو عبادت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے پھر انہوں نے کیسے حکم لگا دیا کہ وہ مؤنث ہیں جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہاں جعل قول اور حکم کے معنی میں ہے تو کہتا ہے: جعلت زیدا أعلم الناس یعنی میں نے اس پر سب سے بڑا عالم ہونے کا حکم لگا دیا۔

اَشْهَدُ وَاخْلَقْتُمْ وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان پر مؤنث ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا اور کہا: تجھے کیسے علم ہوا کہ وہ مؤنث ہیں (2)؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے آباء سے سنا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس قول میں جھوٹ نہیں بولا کہ وہ عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَخَّلْتُہُنَّ

شَهَادَتُهُمْ وَيَسْأَلُونَ ۝ یعنی آخرت میں ان سے سوال لیا جائے گا۔ نافع نے اسے اوشہدوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ استفہام ہمزہ مضموم پر داخل ہو اس کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا مگر مسیبی سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ اسے مد کے ساتھ پڑھتے تھے مفضل نے عاصم سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی روایت کی ہے باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ جو استفہامیہ ہے قراءت کی ہے اَشْهَدُوا زہری نے اَشْهَدُوا خَلَقَهُمْ قراءت نقل کی ہے یعنی یہ جملہ خبریہ ہے سکتب نام قراءت ہے فعل مجہول ہے اور تاء مضموم ہے اور شَهَادَتُهُمْ مرفوع ہے۔ سلمی، ابن سمیع اور ہبیرہ نے حفص سے سَنَكْتَبُ اور شهادتہم کو منصوب نقل کیا ہے کیونکہ فعل معروف ہے۔ ابورجاء سے سَنَكْتَبُ شهادتہم جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝

”اور کفار کہتے ہیں کہ اگر چاہتا خداوند رحمن تو ہم انہیں نہ پوجتے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔“

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاكُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ پوجنا کرتے۔ یہ ان کی طرف سے قول تو صحیح تھا مگر باطل تھا ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہے اس کا ارادہ ثابت ہے اسی طرح اس کا علم بھی ثابت ہے اس کے ارادہ کے ساتھ استدلال کرنا ممکن نہیں اسی طرح معلوم کے خلاف بھی ممکن نہیں۔ مراد تحت القدرت ہے اگرچہ واقع نہ ہوا اگر وہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہم جان جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی چیز کا ارادہ کیا جو ان سے حاصل ہوا۔ سورہ انعام میں یہ بحث گزر چکی ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا (انعام: 148) سورہ یس میں أَنْظِعُمْ مِنْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ أَطَعَمَهُ (47)

مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ یہ کلام وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنۡاۡقَا کی طرف لوٹائی جائے گی یعنی وہ یہ جو کہتے ہیں السلائکۃ بنات اللہ کا انہیں کچھ علم نہیں (1)؛ یہ قتادہ، مقاتل اور کلبی کا قول ہے۔ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: اس سے مراد بت ہیں یعنی بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ علم نہیں (2)۔ مِنْ زَانِدٍ ہے۔

إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ وہ اندازہ لگاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ان کے کلام کا بین السطور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا، ہم سے اس بات پر راضی ہوا، ہمیں اس چیز سے منع نہ کیا اور ہمیں جلدی سزا نہ دی۔

أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتٰبًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ۝

”کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَشْهَدُوا خَلَقَهُمْ کا معادل ہے معنی ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یا ہم نے قرآن

سے پہلے کوئی کتاب انہیں عطا کی تھی جس نے انہیں اس امر کی دعوت دی تھی وہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢١﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ
أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢٢﴾

”بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پر چل رہے تھے۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔“ اس میں دو سکے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ عَلَىٰ أُمَّةٍ مراد طریقہ اور مذہب ہے؛ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے (1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور قتادہ اسے ائمہ پڑھا کرتے تھے اور ائمہ کا معنی طریقہ ہے۔ جوہری نے کہا: ائمہ کا معنی نعمت ہے اور ائمہ، ائمہ کی بھی ایک لغت ہے اس سے مراد طریقہ اور دین ہے؛ یہ ابو عبیدہ سے مروی ہے۔ عدی بن زید نے نعمۃ کا معنی لیتے ہوئے کہا:

ثم بعد الفلاح والہنك والائمة وارثهم هناك القبور کامیابی، بادشاہت اور نعمت کے بعد وہاں قبروں نے انہیں چھپا لیا۔

یہ جوہری کے علاوہ سے مروی ہے۔ قتادہ اور عطیہ نے کہا: علی ائمہ کا معنی ہے دین پر (2)۔ قیس بن خطیم کا قول اسی معنی میں مروی ہے:

كنا على ائمة آبائنا ويقتدى الآخر بالاول

ہم اپنے آباء کے دین پر ہیں اور بعد والا پہلے کی اقتداء کر رہا ہے۔

جوہری نے کہا: ائمہ کا معنی طریقہ اور دین ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلاں لائمة له فلاں کا کوئی دین نہیں، شاعر نے کہا:

وهل يستوي ذوامة وکفور

کیا دین والا اور کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

مجاہد اور قطرب نے کہا علی دین، علی ملة (3)۔، ین اور ملت پر۔ بعض مصاحف میں ہے قالوا اننا وجدنا آباءنا علی ملة یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں (4)۔ فراء سے مروی ہے: ملت پر، قبلہ پر۔ انفس نے کہا: استقامت پر۔ اور نابغہ کا شعر پڑھا:

خلفت قدم اترك لنفسك ربيّة وهل تأثمن ذوامة وهو طاعم

میں نے قسم اٹھادی ہے اور میں نے تیرے نفس کے لیے کوئی شک نہیں چھوڑا کیا استقامت پر کار بند گناہگار ہو سکتا ہے جبکہ خوشی سے کام کر رہا ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَإِنَّا عَلَىٰ أَثَرِهِمْ مُنْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ یعنی ہم ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں مقتدون کے الفاظ ہیں یعنی ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں معنی ایک ہی ہے۔ قتادہ نے کہا: ہم اقتدا کرتے ہیں (1)، ہم پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تقلید کے ابطال پر دلیل ہے کیونکہ ان کی اپنے آباء کی تقلید پر مذمت کی گئی ہے اور اس پر مذمت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جس امر کی دعوت دی اس میں غور و فکر کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، ابو جہل، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے وہی بات کی جو ان سے قبل لوگوں نے بات کی تھی۔ مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدہ: 43) مترف سے مراد خوشحال آدمی ہے یہاں اس سے مراد بادشاہ اور جابر لوگ ہیں۔

قُلْ أَوْ لَوْ جُنَّتُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ
كٰفِرُونَ ﴿۱۰﴾

”اس نبی نے فرمایا کہ اگر میں لے آؤں تمہارے پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو تب بھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے۔“

قُلْ أَوْ لَوْ جُنَّتُمْ بِأَهْدَىٰ اے محمد! اپنی قوم سے کہہ دیجئے: کیا میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ زیادہ درست اور ہدایت والی نہیں۔

مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُونَ ﴿۱۰﴾ یعنی جس چیز کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کیا گیا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لفظ جمع کا ہے کیونکہ ایک رسول کو جھٹلانا باقی رسولوں کو جھٹلانا ہے اسے قتل و جنتکم اور قال و جنناکم پڑھا گیا ہے یعنی کیا تم اپنے آباء کی پیروی کرتے ہو اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لایا ہوں جو تمہارے آباء کے دین سے زیادہ درست ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے آباء کے دین پر ثابت قدم ہیں ہم اس سے جدا نہ ہونگے اگرچہ تم ہمارے پاس وہ لاتے جو زیادہ صحیح ہو۔ تقلید کے بارے میں بحث سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظِرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۱۱﴾

”پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھو کیسا المناک انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔“

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ہم نے قتل اور قیدی بنانے کے ساتھ ان سے انتقام لیا قُلْ أَوْ لَوْ جُنَّتُمْ ہے ابن مامر اور حفص نے

قال اولو پڑھا ہے یہ نذیر کی طرف سے خبر ہوگی یعنی اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ ابو جعفر نے اسے قل اولو جٹنا کم نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے تو خطاب رسول اللہ ﷺ نے تمام رسولوں کی جانب سے کیا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٦١﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي
فَأَنَّهُ سَيُهْدِيَنِي ﴿٦٢﴾

”اور یاد کیجئے جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری راہنمائی کرے گا۔“

وَإِذْ قَالَ أَنبِيَا دِلَايِيَّ جِبْ حَضْرَتِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِي اِبْنِي قَوْمٍ سِي كِبَا: جِن كِي تَمَامِ عِبَادَتِ كِرْتِي هُو مِي اِن سِي بَرِي هُو۔ بَرَاءُ كَالْفِظِ وَاحِدٍ اَوْر اِس سِي اُو پَر كِي لِي سْتِعْمَالِ هُو تَا هِي اِس كَا نَه تَشْبِيهِ بِنَا يَا جَا سَكْتَا هِي نَه جَمْعٍ اَوْر نَه هِي اِس كَا مَوْنُثُ بِنَا يَا جَا تَا هِي كِيونكِي هِي مَصْدَرُ هِي اَوْر صِفْتُ كِي جَلْدُ اِسِي رَكْهَا گِيَا هِي يِه نِي سِي كِبَا جَا تَا: اَلْبِرَاءُ اِن، اَلْبِرَاءُ عَوْنٌ، كِيونكِي مَعْنَى ذُو اَلْبِرَاءِ اَوْر ذُو اَلْبِرَاءِ هِي۔ جُو هِرِي نِي كِبَا: تَبْرَأْتُ مَن كَذَا، اَنَا مَنهُ بَرَاءٌ وَخَلَاءُ مَنهُ اِس كَا تَشْبِيهِ اَوْر جَمْعُ نِي سِي بِنَا يِي جَاتِي كِيونكِي يِه اَصْلُ مِي مَصْدَرُ هِي جِس طَرَحِ سَمِعَ سَمَاعًا جِبْ تُو كِبِي: اَنَا بَرِي مَنهُ وَخَلِي۔ اِس كَا تَشْبِيهِ، جَمْعُ اَوْر مَوْنُثُ بِنَا يِي جَائِغِي اَوْر تُو جَمْعُ مِي كِبِي كَا: نَحْنُ مَنهُ بَرَاءٌ، جِس طَرَحِ فُقِيهِ كِي جَمْعُ فُقِيَاءُ آتِي هِي اَوْر بَرَاءٌ بِي آتِي هِي جِس طَرَحِ كِهِيمُ كِي جَمْعُ كِهَامُ آتِي هِي اِبْرَاءٌ بِي جَمْعُ آتِي هِي جِس طَرَحِ شَرِيفِ كِي جَمْعُ اَشْرَافُ آتِي هِي اِس كِي جَمْعُ اِبْرِيَاءُ بِي آتِي هِي جِس طَرَحِ نَصِيبِ كِي جَمْعُ اَنْصِبَاءُ اَوْر بَرِيئُونَ آتِي هِي يُوں كِبَا جَا تَا هِي: اَمْرَاةٌ بَرِيئَةٌ، هَمَا بَرِيئَتَانِ، هُنَّ بَرِيئَاتٌ، بَرِيَا اِي طَرَحِ يِه اِسْتِعْمَالِ هُو تَا هِي رَجُلٌ بَرِيٌّ وَبَرَاءٌ۔ جِس طَرَحِ عَجِيبُ اَوْر عَجَابُ هِي اَلْبِرَاءُ جِبْ فِتْحِ كِي سَا تَه اِسْتِعْمَالِ هُو تُو يِه مَبْنِي كِي پَهْلِي رَا تِ هُو تِي هِي اِسِي يِه نَامُ اِس لِي دِيَا جَا تَا هِي كِيونكِي چَانْدُ سُوْرَجِ سِي بَرِي هُو تَا هِي اِلَّا اَلَّذِي فَطَرَنِي يِه مَسْتَشِي مُتَّصِلُ هِي كِيونكِي اِن هُوں نِي اِبْنِي مَعْبُودُوں كِي سَا تَه اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي عِبَادَتِ كِي تَهِي۔ قَتَادَةُ نِي كِبَا: وَهُ كِبَا كِرْتِي تَهِي اَللّٰهُ رَبَّنَا اَللّٰهُ تَعَالٰى هَمَار اَرَبُ هِي۔ يِه بِي جِي جَا تَرُ هِي كِي يِه مَسْتَشِي مُنْقَطِعُ هُو يِعْنِي لِيكِنِ جِس نِي مَجْهِي پِي دَا كِيَا وَهُ مَجْهِي هِدَا يَتِ دِي كَا۔ يِه اِس لِي كِبَا كِي اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي ذَاتِ پَرَا عَمَادِ اَوْر اِبْنِي قَوْمِ كُو تَشْبِيهِ كِرْنِي كِي غَرَضِ سِي تَهَا كِي هِدَا يَتِ اِسكِي رُبِ كِي جَانِبِ سِي هُو تِي هِي۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقْبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٣﴾

”اور آپ نے بنا دیا کلمہ تو حید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً جَعَلَهَا مِي ضَمِيرِ اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي فَرْمَانِ: اِلَّا اَلَّذِي فَطَرَنِي كِي طَرَفِ لَوْثِ رَهِي هِي اَوْر جَعَلَهَا مِي ضَمِيرِ فَاعِلٍ سِي مَرَادِ اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي ذَاتِ هِي مَرَادِ هُو كَا اَللّٰهُ تَعَالٰى نِي اِس كَلِمَةِ اَوْر كَفْتَلُو كُو اِبْنِي كِي خَانْدَانِ مِي بَاتِي رَهْنِي وَالا بِنَا دِيَا تُو وَهُ اِبْنِي كِي اَوْلَادِ اَوْر اَوْلَادِ كِي اَوْلَادِ هِي يِعْنِي وَهُ وَرْثَةُ دُرُورْثَةِ غَيْرِ اَللّٰهُ كِي عِبَادَتِ سِي بَرَاءَتِ كَا اِظْهَارُ كِرْتِي رَهِي اَوْر اِن هُوں نِي اِس مَعَامَلِ مِي اِيكِ دُوسَرِي كُو وَصِيَّتِ كِي۔ عَقْبُ اِسِي كِبْتِي هِي جُو بَعْدُ مِي آتَا هِي۔ سَدِي نِي كِبَا: اِس

سے مراد حضرت محمد ﷺ کی اولاد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **فِي عَقِبِهِ** سے مراد ہے فی خلفہ کے بعد آنے والوں میں کلام میں (1)۔ تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فلانہ سیدھین لعلہم یرجعون وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یعنی انہیں بات کہی ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پلٹ آتے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلمہ سے مراد **إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد ہونگے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے (3)۔ ضحاک نے کہا: کلمہ سے مراد ہے **لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ** (ہود: 26) (4)۔ عمرہ نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ** **لَمِنْ قَبْلُ** (الحج: 78) قرطبی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی جو یہ تھی **يَبْنِي إِنْ اللَّهُ اصْطَفَى لَكُمْ الدِّينَ** (بقرہ: 132) اسے ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان: **أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** (البقرہ) ہے اور یوں پڑھا **هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ** **لَمِنْ قَبْلُ** (الحج: 78) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد نبوت ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گی۔ توحید ان میں اصل ہے اور غیر اس کی تبع میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: نسلوں میں وہ کلمہ باقی رہا جو کئی زبانوں تک قائم رہا آپ کی دودعا میں تھیں جو قبول ہوئیں: (1) **إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا** **قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي** **قَالَ لَا يَأْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** (البقرہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ٹھیک ہے مگر ان میں سے جو ظالم ہو اس کے لیے کوئی عہد نہیں (2) **وَاجْتُنِي وَبَنِيَّ أَنْ تَعْبُدَ إِلَّا ضَامًا** (ابراہیم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلی دعا یہ تھی **وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ** (الشعراء) ہر امت نے آپ کی تعظیم کی وہ آپ کی اولاد میں سے تھے یا غیروں میں سے تھے جو ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت سام یا حضرت نوح علیہ السلام میں آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: یہاں عقب کا ذکر معنی میں ملا ہوا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو احکام میں داخل ہیں اور ان پر عمری (عمر بھر کے لیے کسی کو کوئی چیز نفع اٹھانے کے لیے دینا) منجوس کرنے کے احکام مرتب ہوتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أَيُّهَا رَجُلٍ أُعِيرَ عَمْرِي لَهُ وَلِعَقِبِهِ** یعنی وہ چیز اسی کی ہوگی جسے وہ چیز عطا کی گئی جس نے وہ چیز دی ہے اس کی طرف وہ نہ لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسے انداز میں چیز دی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے یہ گیارہ الفاظ میں وارد ہوتا ہے۔

1۔ ولد، جب اسے مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو مرد اور اس کی بیوی سے پایا جائے وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں لغت اور شرع کے اعتبار سے صرف مذکر کی اولاد مراد ہوگی اسی وجہ سے میراث معین بچے پر واقع ہوتی ہے اور معین کی مذکر اولاد پر واقع ہوتی ہے عورتوں کی اولاد پر واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری قوم سے بھی ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس لفظ کے

ساتھ قید میں داخل نہ ہونگے امام مالک کے مجموعہ اور اس کے علاوہ کتابوں میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک کا مذہب ہے اور آپ کے تمام متقدمین ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اس اجماع پر ان کی دلیل یہ ہے کہ بچیوں کی اولاد کے لیے کوئی ورثہ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ** (النساء: 11) علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بچیوں کی اولاد بھی اولاد کے لفظ اور اعقاب میں داخل ہے وہ بھی احباس میں داخل ہوگی مجس کہتا ہے: جست عنی ولدی او عنی عقبی؛ ☆ یہ ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے **حُزِمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ** (النساء: 23) انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو حرام کیا تو اجماع سے بیٹی کی بیٹی بھی حرام کر دی گئی تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بیٹی ہے اس لیے ضروری ہو گیا کہ یہ نواسی بھی اس کے باپ کے جس میں داخل ہو جب وہ اپنی اولاد اور عقب پر کوئی چیز محبوس کرتا ہے۔ یہ بحث سورہ الانعام میں مفصل گذر چکی ہے۔

2۔ دوسرا لفظ بنون ہے اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے: یہ میرے بیٹے کے لیے وقف ہے، تو یہ حکم معین بچے سے تجاوز نہ کرے گا اور نہ ہی اس سے متعدد افراد مراد لیے جائیں گے اگر اس نے ولدی کا لفظ استعمال کیا تو وہ اس سے متجاوز ہوگا اور اولاد میں سے ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہوگا اگر اس نے بنی کا لفظ ذکر کیا تو اس میں مذکر اور مؤنث سب شامل ہونگے، امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹیوں کے بیٹوں پر صدقہ کیا تو اس کی اپنی بیٹیاں اور پوتیاں سب اس میں شامل ہوں گی۔ عیسیٰ بن قاسم سے روایت نقل کی ہے اس آدمی کے بارے کہ جس نے اپنی بیٹیوں کے لیے کوئی چیز خاص کی تو اس کی نواسیاں بھی اس کی صلیبی بیٹیوں کے ساتھ ہونگی جس پر امام مالک کے ساتھیوں کی ایک جماعت متفق ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بنین (بیٹیوں) میں داخل نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علیؓ کے بارے میں فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ تھا: "میرا یہ بیٹا سید ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائے" ہم نے کہا: اس میں مجاز کا قاعدہ جاری ہوا ہے، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرافت اور عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ نواسے کے بیٹا ہونے سے نفی کرنا بھی جائز ہے۔ ایک آدمی نواسے کے بارے میں کہہ سکتا ہے لیس بابنی۔ میرا بیٹا نہیں۔ اگر یہاں حقیقی معنی مراد ہوتا تو اس کی نفی کرنا جائز نہ ہوتا، کیونکہ حقائق کی مسببات سے نفی کرنا جائز نہیں ہوتی (1)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچوں کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا: "ہم نے اپنے بیٹوں کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اگرچہ ان کی ماں ہلائی تھی۔"

میں کہتا ہوں: یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ لغت کے اعتبار سے وہ ولد (بچہ) ہے اور حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ اس میں ولادت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ نواسی بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **حُزِمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ** (النساء: 23) اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمُ دَاوُدُ وَسُلَيْمَانُ وَأَيُّوبُ وَيُوسُفُ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ**

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِسْحٰقَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤١﴾ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ذریت میں شامل کیا جبکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے تھے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شاعر نے کہا:

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا بنوهن أبناء الرجال الاباعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے بعیدی مردوں کے بیٹے ہیں۔

انہیں کہا جائے گا: اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کے قول کا معنی ہے اس کے بیٹوں کی مذکور اولاد وہ افراد ہیں جن کا حکم وراثت اور نسب میں اس کے اپنے بیٹوں جیسا ہے اس کے نواسوں کا حکم اس معاملہ میں بیٹیوں کے حکم جیسا نہیں کیونکہ وہ نیر منسوب ہوتے ہیں تو یہ بتایا کہ حکم میں مختلف ہیں جبکہ نام میں اکٹھے ہیں۔ بچیوں کی اولاد سے ولد کے اسم کی نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ ابن ہے بعض اوقات ایک آدمی اولاد کے بارے میں کہتا ہے: لیس ہو بابنی وہ میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ میری اطاعت نہیں کرتا اور نہ ہی میرے حق کا خیال کرتا ہے وہ اس کے لیے ولد کے اسم کی نفی نہیں کرتا وہ اس سے حکم کی نفی کا ارادہ کرتا ہے۔

جس نے اس شعر سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو ولد نہیں کہتے تو اس نے معنی کو فاسد کر دیا اور اس کے فائدہ کو باطل کر دیا اور قائل کے قول کی ایسی تاویل کی جو درست نہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عربی زبان میں بیٹے کی اولاد کو ابن کہا جائے اور بیٹی کی اولاد کو ابن نہ کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کا معنی جس سے ولد کا اسم مشتق ہے اس میں واضح اور قوی ہے کیونکہ بیٹی کی اولاد ولادت کے حقیقی معنی کی وجہ سے اس کی اولاد ہے اور بیٹے کی اولاد اس کی اولاد ہے کیونکہ یہ ولادت کا سبب بنا ہے۔ امام مالک نے بیٹیوں کی اولاد کو اس حصہ سے خارج نہیں کیا جب وہ کوئی چیز اپنی اولاد کے لیے مختص کرتا ہے کہ ولد کا اسم لغت میں ان پر واقع نہیں ہوتا آپ نے ان کو وراثت کے احکام پر قیاس کرتے ہوئے خارج کیا ہے۔ یہ بحث سورۃ انعام میں گذر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

3۔ ذریۃ۔ یہ لفظ ذرأ اللہ الخلق سے ماخوذ ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهَارُونَ ﴿١٠١﴾ وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِسْحٰقَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤١﴾ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی جانب سے ان کی اولاد میں سے تھے ذریۃ کے لفظ کی تحقیق سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ عقب۔ لغت میں اس کا معنی ہے کوئی شے جب کسی شے کے بعد ہو وہ اس کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو (1)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعقب اللہ بخیر یعنی اللہ تعالیٰ نے سختی کے بعد خوشحالی دی۔ أعقب الشیب لسواد۔ سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آئے۔ عَقَبَ يَعْقِبُ عَقْبًا اِسْمًا وَجِهًا مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ اَوْلَادِهِ اَوْ اِسْمًا كَقَبِ اَعْقَابِ مِنَ النِّسَاءِ۔ وہ عورت جو مؤنث کے بعد مذکر بنے اسی طرح ہمیشہ سلسلہ رہے۔ عقب الرجل۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جو اس کے بعد

رہے۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہوتی ہے۔ یعقوب نے کہا: قرآن حکیم میں ہے **وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ تمام وارث عقب ہیں۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہے اسی وجہ سے مجاہد نے یہاں تفسیر بیان کی ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں اس سے مراد ذریت ہے۔ ابن شہاب نے کہا: اس سے مراد بچے اور بچے کی اولاد ہے۔ دوسرے علماء نے وہ کہا جو سدی سے مروی ہے صحاح میں ہے: عقب ایڑی کو کہتے ہیں یہ مؤنث ہے عقب الرجل سے مراد اولاد اور اولاد کی اولاد ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں **عَقِبَ** اور **عَقَّبَ**۔ یہ بھی مؤنث ہے۔ انفش سے مروی ہے: عقب فلاں مکان أبیہ عاقبہ یعنی فلاں اپنے باپ کا نائب بنا یہ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لَيْسَ لَوْقَعَتَهَا كَاذِبَةٌ** (الواقعہ) علماء کے نزدیک عقب اور ولد کے لفظ میں کوئی فرق نہیں۔ ذریعہ اور نسل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ولد اور عقب کے قائم مقام ہیں۔ امام مالک کے مذہب کے مطابق بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سب ان دونوں میں داخل ہیں۔ ذریعہ کے بارے میں گفتگو یہاں اور سورہ الانعام میں گذر چکی ہے۔

5۔ نسلی۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہ ولد اور ولد و لدی کے قول کی طرح ہے (1) اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہے ان کا داخل ہونا ضروری ہے کیونکہ نسل کا معنی نکلنا ہے بچیوں کی اولاد ایک اعتبار سے نکلی ہے ولم یقتن بہ ما یخصہ کما اقتن بقولہ عقبی ماتنا سلوا۔ اس کے ساتھ وہ مقترن نہیں ہوگا جو اسے خاص کرے جس طرح نسل عقبی کے ساتھ مقترن ہے۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: نسل، ولد اور عقب کے معنی میں ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں مگر اس صورت میں کہ صدقہ وقف کرنے والا یہ کہے نسلی و نسل نسلی جس طرح وہ یہ کہے: عقبی و عقب عقبی مگر جب وہ یہ کہے و لدی یا کہے عقبی تو اس میں بیٹیاں داخل نہ ہوں گی۔

6۔ آل۔ وہی اہل ہیں۔ یہ ساتواں لفظ ہے ابن قاسم نے کہا: یہ دونوں (آل اور اہل) برابر ہیں اس سے مراد عصبات، بھائی، بیٹیاں اور پھوپھیاں ہیں اس میں خالائیں داخل نہیں اس کا اصل معنی اجتماع ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: مکان آہل جب اس میں جماعت ہو یہ عصبہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کی جانب سے قرابت میں داخل ہوتا ہے عصبہ اس سے مشتق ہوتا ہے یہ اہل سے خاص ہے حدیث افک میں ہے **یا رسول اللہ اھلک ولا نعلم الا عھدا یا رسول اللہ! سلنی فیہم ہم آپ کے اہل کے بارے میں بھلائی کا ہی علم رکھتے ہیں مراد حضرت عائشہ ہیں لیکن زوجہ آل میں داخل نہیں اس پر اجماع ہے اگرچہ یہی تاہل کی اصل ہے کیونکہ اس کا ثبوت یقینی نہیں کیونکہ اس کا ربط بعض اوقات تبدیل ہو جاتا ہے اور طلاق کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ امام مالک نے کہا: آل محمد سے مراد ہر متقی ہے۔ یہ تعبیر اس باب سے متعلق ہے آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایمان قرابت سے خاص ہے اس پر دعوت مشتمل ہوتی ہے اور آپ نے رحمت کا ارادہ کیا ہے۔ ابو اسحاق توسی نے کہا: اہل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو والدین کی جانب سے ہو۔ اس نے اشتقاق کو پورا حق دیا اور عرف اور استعمال سے غفلت کا اظہار کیا۔ یہ معانی حقیقت پر مبنی ہیں یا ایسے عرف پر جو اطلاق کے وقت مستعمل ہونے پر مبنی ہیں یہ دو لفظ ہیں۔**

8۔ قرابۃ۔ اس میں چار اقوال ہیں: (1) امام مالک نے محمد بن عبدوس کی کتاب میں کہا: اس سے مراد قریب ترین پھر قریب ترین ہیں، یہ اجتہاد کے قاعدہ کی بنا پر ہے اس میں بیٹیوں اور خالائوں کی اولاد شامل نہیں (2) باپ اور ماں کی جانب سے قریبی اس میں داخل ہیں، یہ علی بن زیاد نے کہا (3) اشہب نے کہا: مردوں اور عورتوں کی جانب سے ہر ذی رحم اس میں شامل ہے۔ (4) ابن کنانہ نے کہا: اس میں چچے، پھوپھیاں، خالو، خالائیں اور بھانجیاں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قَوْلًا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الشوری: 23) کی تفسیر میں کہا: مگر یہ کہ تم اس رشتہ کو جو زو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ کہا: قریش کا کوئی خانوادہ نہیں تھا مگر اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی۔ یہ قول اسے جامع ہے۔

9۔ العشیرہ۔ اسے حدیث صحیح جامع ہے اللہ تعالیٰ نے جب وَأَنْذَرْنَا عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۱۰﴾ (الشعراء) کو نازل کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خاندانوں کو دعوت دی جس طرح اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہ قریبی خاندان تھے۔ باقی مطلق عشیرہ کا قول پہلے گذر چکا ہے۔

10۔ قوم۔ اسے عصبات میں خصوصاً مردوں پر بولا جاتا ہے عورتیں اس میں شامل نہیں قوم مردوں اور عورتوں دونوں کو جامع ہے اگرچہ شاعر نے کہا:

وما ادری وسوف اخال ادری اقوم آل حصن أم نساء

لیکن یہ ارادہ کیا کہ جب آدمی مدد کے لیے اپنی قوم کو بلا تا ہے تو مرد مراد لیتا ہے اور جب حرمت کے لیے انہیں بلاتا ہے تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتی ہیں صفت اسے عام کرتی ہے اور قرینہ اسے خاص کرتا ہے۔

11۔ موالی۔ امام مالک نے کہا: اس میں اس کے اپنے موالی کے ساتھ اس کے باپ اور بیٹے کے موالی بھی داخل ہوتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: اس میں موالی کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے اس میں ہر وہ فرد داخل ہوگا جو ولہ کی وجہ سے وارث بنتا ہے۔ کہا: یہ کلام کی نصوص اور اصول ہیں جو قرآن کے ظاہر اور اس سنت کے ساتھ مربوط ہیں جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے، اس کی جزئیات کتاب المسائل میں ہیں۔

بَلْ مَثَعْتَ مُؤَلَّاءٍ وَابَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ

الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۲﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ

مِنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ أَهْمُ يَقْسُونَ رَاحَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسْنَا بَيْنَهُمْ

مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ

بَعْضًا سَخِرِيًّا وَرَاحَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ﴿۱۴﴾

”بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور کھول

کر بیان کرنے والا رسول۔ اور جب آگیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے: یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض پر مراتب میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں، اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

بَلْ مَسَّتْ اَسَ بِلْ مَتَعْنَا بِلْ پڑھا گیا ہے هُوَ لَاۤءِ وَاَبَاۤءُ هُمْ اَنْهِيَ اور ان کے آباء کو دنیا میں حَتَّى جَاءَهُمُ الْحَقُّ یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ تو حید اور اسلام ان کے پاس لے آئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل ہے یہی وہ کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں باقی رکھا وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وہ رسول ان کے لیے ایسی چیزوں کی وضاحت کرتا ہے جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ حَقٌّ سے مراد قرآن حکیم ہے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاٰثَابُهُ كِفْؤُنَ ۝ یعنی انکار کرنے والے ہیں وَقَالُوْا لَوْلَا نَزَّلَ يٰہَاں لولا، ہلا کے معنی میں ہے هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَاجِلٍ اَسَ عَلٰی رَجُلٍ بِلْ پڑھا گیا ہے فَمِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ دونوں بستیوں میں سے ایک میں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا التُّوْلُوْ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمن) دو سمندروں میں سے ایک سے یہ دونوں نکلتے ہیں یا دونوں بستیوں میں سے ایک آدمی پر۔ قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ رجلان سے مراد ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم یہ ابو جہل کا چچا تھا، طائف سے ابو مسعود عمرو بن مسعود ثقفی (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمیر بن عبد یاسیل ثقفی جو طائف سے تعلق رکھتا تھا (2)، قتیبہ بن ربیعہ جو مکہ مکرمہ سے تعلق رکھتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طائف کے عظیم آدمی سے مراد حبیب بن عمرو ثقفی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ بن عبد بن عمرو ہے (3)۔ ایک روایت کی گئی ہے: اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اسے ریحانہ قریش کا نام دیا جاتا وہ کہا کرتا: محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر حق ہے تو وہ مجھ پر یا ابو مسعود پر نازل ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَاحَتَ رَبِّكَ اَسَ سے مراد نبوت ہے وہ اسے جہاں چاہتے رکھتے نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی ایک قوم کو فقیر کر دیا اور ایک قوم کو غنی کر دیا جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت کا امر ان کے سپرد کیسے کیا جاسکتا ہے؟ قتادہ نے کہا: تو ایک انسان کو کمزور، کم حیلے والا، اپنا نقطہ نظر واضح نہ کر سکنے والا پاتا ہے جبکہ مال و متاع اس کے پاس بہت زیادہ ہے، تو ایک انسان کو پاتا ہے کہ وہ سخت محنت کرتا ہے، بڑا فرمان بردار ہے مگر مال و متاع اس کے پاس کچھ نہیں (4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ابن محیسن نے ایک روایت معایشہم نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے دو بستیوں کے عظیم افراد کو عطا کیا جو عطا کیا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہم پر معزز ہیں جبکہ میں ان سے نعمت کو چھیننے والا ہوں تو ان کے لیے فضیلت اور شان کہاں سے آگئی؟

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ یعنی ہم نے ان میں باہم فضیلت رکھی کچھ صاحب فضل ہیں اور کچھ پر فضیلت حاصل ہے کچھ رئیس ہیں اور کچھ محکوم ہیں (1)۔ یہ مقائل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزادی اور غلامی میں باہم فضیلت دی بعض مالک ہیں اور بعض مملوک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنا اور فقر میں باہم فضیلت دی ان میں سے بعض غنی اور بعض فقیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعتبار سے فضیلت دی۔

لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا سدی اور ابن زید نے کہا: غلام اور خدام کے اعتبار سے باہم فضیلت دی (2)۔ انبیاء فقراء کا تسخر اڑاتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے معاش کا سبب ہیں۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یعنی ان میں سے بعض کے مالک بن جائیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس سخریہ سے ماخوذ ہے جو استہزاء کے معنی میں ہے اور ہزئت مندہ ربہ۔ ہر ایک جملہ کہا جاتا ہے اسم سخریہ ہے اسی طرح سُخْرِيٌّ اور سُخْرِيٌّ ہے تمام علماء نے سُخْرِيًّا میں سین کو ضمہ دیا ہے مگر ابن حصین اور مجاہد نے ضمہ نہیں دیا دونوں نے سُخْرِيًّا پڑھا ہے وَرَحْمَتٌ رَّبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ یعنی دنیا میں سے جو وہ جمع کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے افضل ہے پھر یہ کہا گیا ہے۔ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرائض کو مکمل ادا کرنا نوافل کی زیادتی سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ ان پر فضل و احسان کیا جاتا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو ان کو ان کے اعمال پر جزا دی جاتی ہے۔

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِصَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٢١﴾

”اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لیے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے کہا: دنیا کی حقارت اور کم مرتبہ کا ذکر کیا وہ اس کی بارگاہ میں اتنی ذلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فروں کے گھروں اور انکی زینوں کو سونے اور چاندی کا بنا دیتا اگر دنیا کی محبت دونوں پر غالب نہ آجاتی اور یہ چیز کفر پر برا بیچتے نہ کرتی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر سارے لوگ اس وجہ سے کافر نہ ہو جاتے کہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کو ترک کرتے ہیں تو ہم دنیا میں انہیں وہ عطا کرتے جو ہم نے بیان کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا ذلیل و رسوا ہے (4)؛ اکثر مفسرین کا یہی نقطہ نظر ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے اگر سارے لوگ دنیا کی طلب اور اسے آخرت پر ترجیح دینے کے اعتبار سے بس ایک جیسے نہ ہو جاتے تو جو رحمن کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے گھروں کے چھت چاندی کے بنا دیتے (5)۔ کسائی نے کہا: معنی ہے اگر کفار میں غنی اور فقیر نہ ہوتے

اور مسلمانوں میں اسی کی مثل نہ ہوتے تو ہم کفار کو دنیا دے دیتے، یہ اس کی ذلت و حقارت کی وجہ سے ہوتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے سَقْفَا پڑھا ہے یعنی سین کو مفتوح اور قاف کو ساکن پڑھا ہے یہ واحد کا صیغہ ہے

اور اس کا معنی جمع کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قیاس کرتے ہیں: فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ قَوَقِيهِمْ (النحل: 26) باقی قراء

نے سین اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور صیغہ جمع کا ہے جس طرح رَهْن اور رُهْن ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان میں تیسرا

وزن نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سقیف کی جمع ہے جس طرح کثیب کی جمع کُثِب ہے رَغِيف کی جمع رُغْف ہے؛ یہ فراء کا

قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سقوف کی جمع ہے پس یہ جمع کی جمع ہوئی سقوف و سقوف، جس طرح فلس، فُلُوس۔ پھر

انہوں نے فعولا بنایا گویا یہ اسم واحد ہے تو انہوں نے فَعْل کے وزن پر جمع بنا دیا۔

مجاہد سے مروی ہے: یہ سَقْفَا ہے یعنی قاف کو ساکن کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيُؤْتِيَهُمْ میں لام، علی کے معنی میں

ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدل ہے جس طرح تو کہتا ہے: فعلت هذا لزيد لكرامة الله تعالى كما فرمان ہے: وَلَا بَوِيءَ

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (النساء: 11) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِيُؤْتِيَهُمْ۔

مسئلہ نمبر 3۔ معارج اس سے مراد زینے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے اس کا

واحد معراج ہے معراج کا معنی میڑھی ہے اسی سے لیلۃ المعراج ہے اس کی جمع معارج اور معارج ہے جس طرح مفاتح اور

مفاتیح دو لغتیں ہیں معارج یہ ابورجاء عطار دی اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس سے مراد میڑھیاں ہیں۔ انفس نے کہا:

اَلرُّتُوْجَاةُ ہے تو اس کا واحد مِعْرَجٌ اور مِعْرَجٌ ہے جس طرح مِرْقَاةٌ ہے۔

عَلَيْهَا يَظْهَرُ وَّنَ ﴿٥﴾ حاضمی سے مراد معارج ہیں جن پر وہ چڑھتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظہرت علی البیت یعنی میں

اس کی چھت پر چڑھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز پر بلند ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے نمایاں ہو جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا

ہے: ظہرت علی الشیء میں نے اسے جانا۔ ظہرت علی العدو۔ میں دشمن پر غالب آ گیا۔ نابغہ بن جعدہ نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا:

عَلَوْنَا السَّمَاءَ عَزَّةً وَمَهَابَةً وَأَنَا لَنَرَجُو فَوْقَ ذَلِكَ مَظْهَرًا (1)

ہم عزت اور ہیبت کے اعتبار سے آسمان پر چڑھ گئے بے شک ہم اس سے اوپر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔

مظہر کا معنی مصعد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے (2) فرمایا: ”کہاں؟“ عرض کی: جنت کی طرف۔ فرمایا:

”ہاں انشاء اللہ“۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! دنیا نے اپنے مکینوں میں سے اکثر کو مائل کر لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ

نے ایسا کیا بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ اس طرح کر دیتا تو کیا حال ہوتا (3)۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ چھت پر بالائی منزل والے کا کوئی حق نہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے چھت کو کمرے کا حصہ قرار دیا ہے جس طرح دروازوں کو اس کا حصہ قرار دیا ہے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ ابن

عربی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ بیت سے مراد صحن، دیوار، چھت اور دروازہ ہے جس کا وہ کمرہ ہوتا ہے اس کے لیے یہ اجزاء بھی ہوتے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا علو آسمان تک ہے (1)۔ سنل میں اختلاف ہے کچھ علماء نے کہا: سنل اسی کا ہوگا جس کا وہ کمرہ ہے اور ان میں سے بعض نے کہا: زمین کے بطن میں سے کوئی چیز اس کے لیے نہ ہوگی۔

ہمارے مذہب میں دو قول ہیں: اسرائیلی کی حدیث صحیح پہلے بیان کی جائیگی کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے ہاتھ گھر بیچا اس کی تعمیر کی اس میں سونے کا ایک گھڑا یا یادہ اس گھڑے کو بیچنے والے کے پاس لایا اس نے کہا: میں نے گھر خریدا تھا گھڑا نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا: گھر میں جو کچھ تھا اس کے ساتھ میں نے گھر بیچا تھا ان میں سے ہر ایک نے گھڑے کو لینے سے انکار کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بچے کی شادی دوسرے کی بچی سے کر دے اور یہ مال ان دونوں کو دے دیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اوپر والا حصہ اور نچلے والا حصہ اسی کمرے والے کا ہے مگر اس صورت میں کہ وہ بیچ کرتے وقت اسے خارج کر دیں جب ان دونوں میں سے ایک نے دونوں جگہوں میں سے ایک کو بیچا تو اس سے جو نفع اٹھایا جاتا ہے وہ اس کے لیے ہوگا اور باقی خریدنے والے کے لیے ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ بالائی منزل اور زیریں حصہ کے احکام:۔ جب بالائی حصہ اور نچلے والا حصہ دو افراد کی ملکیت میں ہوں نچلی منزل خراب ہو جائے یا اسکا مالک اس کے گرانے کا ارادہ کرے سحنوں نے اشہب سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: جب زیریں منزل والا اسے گرانا چاہے یا بالائی منزل والا اس پر مسجد بنانا چاہے تو مجبوری کے بغیر زیریں منزل والا اسے نہ گرائے اس کا گرانا بالائی منزل والے کے مناسب ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیریں منزل کے گرانے سے بالائی منزل گر جائے بالائی منزل والے کو حق حاصل نہیں کہ بالائی منزل والا اوپر منزل بنائے جو اس سے پہلے نہ ہو مگر معمولی سی چیز جو زیریں منزل والے کو نقصان نہ دے۔

اگر بالائی منزل کی چھت میں سے ایک لکڑی ٹوٹ جائے تو وہ اس کی جگہ دوسری لکڑی رکھ لے جبکہ وہ پہلی لکڑی سے بھاری نہ ہو اور زیریں منزل پر ضرر کا خوف نہ ہو۔

اشہب نے کہا: گھر کا دروازہ زیریں منزل والے کا ذمہ ہے اگر زیریں منزل گر جائے تو اس کے مالک کو اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا بالائی منزل والے پر لازم نہیں کہ وہ زیریں منزل تعمیر کرے اگر زیریں منزل والا تعمیر سے انکار کر دے تو اسے کہا جائے گا: اس کے ہاتھ بیچ دے جو اس کو بنائے۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ زیریں منزل ایک آدمی کی ہے اور بالائی منزل دوسرے آدمی کی ہے زیریں منزل خراب ہو جاتی ہے تو اس کو درست کرنا زیریں منزل والے کے ذمہ ہے اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ بالائی منزل کو سہارا دے یہاں تک کہ وہ زیریں منزل کو درست کر لے۔

حضرت نعمان بن بشیر نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ”حدود اللہ پر قائم رہنے والا اور ان میں واقع

ہونے والا ان لوگوں کی مثل ہے جو ایک کشتی میں قرعہ اندازی کرتے ہیں ان میں سے بعض کو بالائی حصہ ملتا ہے اور ان میں سے بعض اسکا زیریں حصہ پاتے ہیں جو نچلے حصہ میں ہیں جب پانی لیتے ہیں تو اوپر والے لوگوں کے پاس سے گذرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصہ میں سے ایک سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو اذیت نہ دیں اگر اوپر والے انہیں چھوڑے رہیں اور جو وہ ارادہ کریں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے (1)۔ یہ اس باب میں اصل ہے یہ امام مالک اور شہب کی دلیل ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ نچلے حصہ والے کو حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا نیا کام کرے جو اوپر والے کو نقصان پہنچاتا ہو اگر اس نے کوئی ایسا نیا کام کیا جس سے نقصان ہو تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے درست کرے بالائی منزل والے پر درست کرنے کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی اوپر والے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نقصان پہنچانے والی چیز سے اسے روک دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے“ ظالم کے علاوہ کسی کا ہاتھ پکڑنا جائز نہیں یا وہ امر ممنوع ہو کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو جائز ہی نہ ہو اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے سورۃ الانفال میں یہ بات گذر چکی ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قرعہ جائز اور اس کا استعمال بھی جائز ہے سورہ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے، اس کے تمام مواقع پر غور کرو اسے واضح انداز میں پائے گا۔ الحمد للہ۔

وَلِيُؤْتِيَهُمُ آبَاؤُهُمْ سُورًا عَلَيْهِمْ يَتَكُونُونَ ﴿١٨﴾ وَذُخْرًا وَإِنْ كُنْتُمْ لَسَاءتًا

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾

”اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری اور) پیلی چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں، اور آخرت کی عزت و کامیابی آپ کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

وَلِيُؤْتِيَهُمُ آبَاؤُهُمْ سُورًا عَلَيْهِمْ يَتَكُونُونَ ﴿١٨﴾: ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيُؤْتِيَهُمْ، لِمَنْ يَكْفُرُ بِالْآخِرِينَ سے بدل اشتمال ہے یعنی چاندی کے دروازے۔ وَسُورًا اسی طرح پلنگ بھی چاندی کے سرد یہ سہیو کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آسہا کلی جمع ہے اور آسہا، سہیو کی جمع ہے پس سہر جمع کی جمع ہے۔

عَلَيْهَا يَتَكُونُونَ ﴿١٨﴾ اتکاء اور تَوَكُّوْا سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کا سہارا لینا، اسی سے اَتَوَكُّوْا عَلَيْهَا (طہ: 18) یعنی میں اس پر سہارا لیتا ہوں رجل تُكَافِءُ جِسْرًا طَرِحَ هُنْزَةً ہے بہت زیادہ سہارا لینے والا۔ اس سے اسم فاعل متکی ہے اسم ظرف متکا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: طعنه حتی اتكاه اس نے اسے نیزہ مارا یہاں تک کہ اسے سہارا لینے پر مجبور کر دیا یعنی اسے سہارا لینے والے کی طرح گرا دیا اسی طرح توکأت علی العصا میں نے ڈنڈے کا سہارا لیا۔ تمام میں تاء کی اصل واؤ ہے اس کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا جو اتزن اور اتعد کے ساتھ کیا گیا۔

وَذُخْرًا يٰهَا زخرف سے مراد سونا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اویکون لك بیت من زخرف یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ سامان ہے جو لوگ اپنے گھروں میں رکھتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد نقوش ہیں (3)، اس کا اصل معنی زینت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: زخرفت الدار۔ میں نے گھر کو مزین کیا تزخرف فلان۔ فلاں مزین ہوا۔ ذُخْرًا کو نصب اس لیے دی گئی کہ اسکی تعبیریوں ہے وجعلنا لہم مع ذلک زخرفا اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ان کے لیے زینت بنا دی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے معنی ہے ہم نے ان کے لیے چھت، دروازے، سونے اور چاندی کے پلنگ بنائے جب من کو حذف کیا تو کہا و ذُخْرًا تو اسے نصب دی گئی۔

وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَأْتَاءَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا عاصم، حمزہ اور ہشام نے ابن عامر سے انشید کے ساتھ پڑھا جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے یہ بحث بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ ابورجاء سے لٹا کے لام کو مکسور نقل کیا گیا ہے اس کے نزدیک ما، الذی کے معنی میں ہے اس کی ضمیر عامہ مخدوف ہے تقدیر کلام یوں ہے ان کل ذلک الذی هو متاع الحیاة الدنیا یہاں سے ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اسے حذف کیا گیا ہے اس کی قراءت کے مطابق جس نے قراءت کی مَثَلًا مَا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا (البقرة: 26) تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ (الانعام: 154) ابوالفتح نے کہا کہ اس قراءت کی بنا پر کل منصوب ہے کیونکہ ان مثقلہ سے مخفف ہے جب اسے مخفف کر دیا جائے اور اس کا عمل باطل ہو جائے تو کلام کے آخر میں لام لازم ہوتا ہے تاکہ اس کے اور ان تانیہ میں فرق ہو جائے جو ما کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح ان زید لقاہم یہاں لام جارہ کے سوا کوئی لام نہیں۔

وَالْأَخِذَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵﴾ یعنی جو متقی بنتا ہے اور خوف کھاتا ہے اس کے لیے جنت ہے۔ کعب نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی نازل کتب میں سے بعض میں پاتا ہوں لولا ان یُعْزَنَ عبدی المؤمن لکللت رأس عبدی الکافر بالاکلیل ولا یتصدع ولا ینبض منہ عرق بوجع اگر یہ نہ ہوتا کہ میرا مومن بندہ غمگین ہوگا تو میں اپنے کافر بندے کے سر پر تاج پہناتا اس کو سرد رونہ ہوتا اور نہ ہی درد کی وجہ سے اس کا پسینہ پھوٹتا۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر ”دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے“ (4)۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو صنت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوض ما سقى کافرا منها شربة ماء ”اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا“ (5)۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

3- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

2- لایضا

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225

4- صحیح مسلم، کتاب فی الزهد والرقائق، باب الدنیا سجن المؤمن، جلد 2، صفحہ 407

5- جامع ترمذی، کتاب فی الزهد، باب ما جاء فی ہوان الدنیا علی اللہ، جلد 2، صفحہ 56

لوگوں نے یہ اشعار پڑھے:

فلو كانت الدنيا جزاء لحسن

لقد جاء فيها الأنبياء كرامةً

اگر دنیا محسن کی جزا ہوتی تو اس میں ظلم کی زندگی کا وجود ہی نہ ہوتا اس میں انبیاء کرامت کے باوجود بھوکے رہے اور چوپاؤں کے پیٹ سیر ہوئے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تشع من الأيام إن كنت حازما

تو اگر محتاط ہے تو ان ایام سے تھوڑا سا لطف اٹھالے بے شک تو اس میں روکنے والے اور حکم دینے والے کے درمیان ہے۔

إذا أبقت الدنيا على البرء دينة

جب دنیا انسان پر اسکا دین باقی رکھے تو جو چیز اس سے فوت ہوئی وہ اس کو نقصان دینے والی نہیں۔

فلا تزن الدنيا جناح بعوضة

دنیا کا وزن مچھر کے پر سے نہ کر اور نہ ہی پرندے کے بازو کے ایک پر سے۔

فلم يرض بالدنيا ثوبا لمحسن

وہ محسن کو دنیا کے ساتھ بدلہ دینے پر راضی نہیں اور نہ ہی کافر کو سزا دینے پر دنیا سے راضی ہے۔

وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۖ وَإِنَّهُمْ

لَيَصْدُقُونَ عَنْ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ

يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينٌ ۗ

”اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس ہر وقت اس

کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان اندھوں کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت

یافتہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ اندھا ہمارے پاس آئے گا تو آنکھیں کھل جائیں گی کہے گا: کاش! میرے درمیان

اور اے شیطان! تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا ساتھی ہے۔“

وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۖ ۝۱۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے وَمَنْ يَعِشْ

پڑھا ہے (1) اس کا معنی اندھا ہونا ہے اسی معنی میں ہے عشی یعنی عشا جب وہ اندھا ہو، رجل اعشى، امرأة عشواء جب

وہ دیکھتا نہ ہو اس معنی میں اعشى کا قول ہے:

رأت رجلاً غائب الوافدين مختلف الخلق اعشى ضريرا

اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کے ساتھی جاچکے تھے شکل و صورت بڑی عجیب اور وہ اندھا تھا۔
باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عشا یعشو سے مشتق ہے جب اسے ایسا عارضہ لاحق ہو جو اندھے کو لاحق
ہوتا ہے خلیل نے کہا: عشو سے مراد کمزور نظر دیکھنا (1)؛ اور یہ شعر پڑھا:

متی تاتہ تغشو إلی ضو نارہ تجد خیر نار عندھا خیر مؤقد (2)

ایک اور شاعر نے کہا:

لنعم الفتی یعشو إلی ضو نارہ إذا الروح هبت والمکان جدیب

وہ کتنا اچھا نوجوان ہے جو اپنی آگ کی روشنی کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے جاتا ہے جب کہ ہوا چل رہی ہے اور مکان چٹیل ہے۔
جوہری نے کہا: عشو الف مقصورہ کے ساتھ اعشی کا مصدر ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو رات کو نہیں دیکھ سکتا وہ صرف
دن کو دیکھتا ہے اس کے یہ صیغے استعمال ہوتے ہیں امرأۃ عشواء، امرأتان عشواوان۔ أعشاء اللہ فعشی یعشی عشی۔ ہما
یعشیان وہ یہ نہیں کہتے یشموان۔ کیونکہ واؤ جب واحد کے صیغہ میں ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے یاء ہو جائے تو تشنیہ کے صیغہ
میں اپنی حالت پر رہتی ہے تعاشی۔ جب وہ اپنے بارے میں یہ ظاہر کرے کہ وہ اندھا ہے اعشی کا اسم منسوب اعشوی
آتا ہے اور عشیہ کا اسم منسوب عشوی آتا ہے عشواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سامنے نہ دیکھ سکے تو وہ بے نگم اپنے پاؤں ہر چیز
پر مارتی ہے رکب فلان العشواء۔ جب وہ اپنے معاملہ میں سوچے سمجھے بغیر شروع ہو گیا۔ فلان خابط عشواء فلاں
آدمی اندھی اونٹنی کی طرح ٹاک ٹوٹیاں مار رہا ہے۔

یہ آیت سورت کے آغاز اَفْتَضِرُّبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کے ساتھ متصل ہے یعنی ہم تمہارے لیے پے در پے ذکر کرتے
ہیں جو آدمی اس ذکر سے اندھا بنا رہتا ہے کہ اس سے اعراض کرتا ہے اور گمراہوں اور باطل لوگوں کے اقوال کی طرف متوجہ
ہوتا ہے تو اس کے کفر کی جزا کے طور پر ہم ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے جو حلال چیز سے اسے روکتا ہے اور حرام چیز پر اسے برا بیچتہ کرتا ہے اسے
اطاعت سے منع کرتا ہے اور اسے معصیت کا حکم دیتا ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا
گیا ہے: یہ آخرت میں سے ہوگا جب وہ اپنی قبر میں سے اٹھے گا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے ”کافر
جب اپنی قبر سے نکلتا ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ ہو لیتا ہے وہ اسکے ساتھ ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جہنم میں
داخل ہو جاتے ہیں اور مومن کا ساتھی فرشتہ بنا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے گا“ یہ
مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ شیطان دنیا اور آخرت میں اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ابو یوسف اور ازہری نے کہا: عشوت إلی
کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ عشوت عن کذا۔ میں نے اس سے اعراض کیا إلی اور عن صلمہ کی وجہ سے معنی میں فرق ہوگا جس

طرحِ مِلْتُ إِلَيْهِ اور مِلْتُ عَنْهُ میں فرق ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے یعنی وہ اعراض کرتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف نہیں۔ قرظی نے کہا: وہ اپنی کمر کو دہرا کرتا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبیدہ اور انخس نے کہا: اس کی آنکھ تاریک ہو جاتی ہے۔ عقی نے اس کا انکار کیا ہے کہ عشوت، اعراضت کے معنی میں ہے کہا درست تعاشیت ہے یہ قول، ابو یثیم اور ازہری کا ہے تمام اہل علم نے یہی کہا ہے: سلمی، ابن اسحاق، یعقوب اور عاصم نے عاصم اور اعش سے یقیض پڑھا ہے کیونکہ الرَّحْمَنِ کا ذکر ہے معنی ہوگا رحمن اس کے لیے شیطان مسلط کر دیتا ہے باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نُقِضَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٥٠﴾ قرین کا معنی ساتھ رہنے والا اور ساتھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان سے کنایہ ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اعراض عن القرآن سے کنایہ ہے یعنی وہ شیطان کا قرین ہے وَ إِنَّهُمْ لَيَصْدُونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ شياطين انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ جمع کے معنی میں ہے وَيَحْسَبُونَ وَأَوْضُمِير سے مراد کفار ہیں یعنی کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ شياطين ہدایت یافتہ ہیں پس کفار ان کی اطاعت کرتے ہیں حَقِّي إِذَا جَاءَنَا فَعَلْ كَمَا صِغَةً وَاحِدَةً ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے یہ پڑھا ہے یعنی جب کافر قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا، باقی قراء نے اسے جَاءَنَا تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے یعنی کافر اور اس کا ساتھی جب ہمارے پاس آئے گا دونوں کو ایک سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو کافر کہے گا: يَلِكَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی موسم سرما اور موسم گرما کا مشرق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿٥٠﴾ (الرحمن) اسی کی مثل مقاتل کا قول ہے۔ واحد کے صیغہ کی قراءت اگرچہ اس کا ظاہر تو افراد کے معنی پر ہے تاہم معنی دونوں کے لیے ہے کیونکہ ما بعد کلام سے اسے پہچان لیا گیا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

دَعَيْنُ لَهَا حَذْرًا بَدْرًا شَقَّتْ مَا قَبِهَا مِنْ أَخْرَا

محل استدلال عین ہے لفظ میں واحد ہے اور معنی میں تثنیہ؛ کیونکہ ما قَبِهَا اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقاتل نے کہا: کافر تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان اتنی دوری ہوتی جو سال کے طویل ترین اور مختصر ترین دن کے درمیان ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔ فراء نے کہا: مراد مشرق و مغرب ہے ان دونوں ہی سے ایک کے اسم کو غلبہ دیا جس طرح کہا جاتا ہے قبران، مراد سورج اور چاند ہوا کرتا ہے۔ عمران مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں بصرتان کوفہ اور بصرہ کے لیے۔ عصمان، صبح اور عصر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَحْذِنَا بِأَفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ لَنَا قَمَرَاهَا وَ النُّجُومِ الطَّوَالِعِ (1)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے ہمارے پاس اس کا سورج اور چاند روشن

ستارے ہیں۔

ابو عبیدہ نے جریر کا شعر پڑھا:

ما كان يرضى رسول الله فعلهم والعُمران أبو بكر ولا عمر

ان کے عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عمران یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راضی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا: قَدِينٌ مِنْ نَضْرِ الْخُبَيْبِيِّنِ قَدِي

خبیبیین سے مراد عبد اللہ اور مصعب ہے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے وہ ابو ضحیب عبد اللہ تھے۔

فَمَيْسُ الْقَرِينِ تَوَكَّنَا بِرَأْسَاتِهِ هِيَ كَيُونُكَ وَهِيَ آگِ لِي جَاءَ غَا - حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جب کافر کو اٹھایا جائے گا تو شیطان میں سے اس کے ساتھی کو ساتھ ملا دیا جائیگا وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جہنم میں چلا جائے گا (1)۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٠﴾

”اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم دنیا میں ظلم کر رہے ہو تم سب اس عذاب میں حصہ دار ہو۔“

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ اذ، یوم سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے فرمائے گا: جب تم نے دنیا میں شرک کیا تو اس وقت تمہاری یہ گفتگو تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ وہ کافر کا قول ہے يَلِيَّتْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی آج تمہیں ندامت نفع نہ دے گی اَنْتُمْ میں ہمزہ مسور ہے فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٠﴾ یہ ابن عامر کی قراءت ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ بنے گی لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ اَشْتَرَا كُمْ فِي الْعَذَابِ كَيْونُكَ ہر ایک کے لیے اس کا وا فر حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ جہنمیوں کو منع کر دیا گیا ہے کہ وہ غم کا اظہار کریں جس طرح مصیبت زدہ لوگ دنیا میں غم کا اظہار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے اظہار سے اہل دنیا راحت حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے لِي الْبَلَاءُ وَالْمَصِيبَةُ اَسْوَةٌ - آزمائش اور مصیبت میں سے ایک نمونہ ہوں۔ اس طرح وہ غم سے سکون حاصل کرتا ہے جس طرح خضاء نے کہا:

فَلَوْلَا كَثْرَةُ الْبَاكِيْنَ حَوْلَ عَلِيٍّ إِخْوَانِهِمْ لَقَتَلَتْ نَفْسِي

وَمَا يَكُونُ مِثْلَ أُخِي وَلَكِنْ اَعَزَّتْ نَفْسِي عَنْهُ بِالتَّأْسِي (2)

اگر میرے ارد گرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے نفس کو قتل کر دیتا وہ میرے بھائی جیسے بھائیوں پر نہیں روتے مگر اپنے نفس کو اس غم کے اظہار پر تسلی دیتی ہوں۔

جب آخرت میں غم کا اظہار نہیں کوئی نفع نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مشغول کر دے گا۔ مقاتل نے کہا: آج معذرت اور شرمندگی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی (3)، کیونکہ تمہارے ساتھی اور تم عذاب میں باہم شریک ہو جس طرح تم

کفر میں شریک ہو۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

”کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔“

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىَ خطاب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ یعنی یہ آپ کے لیے نہیں اس لیے اگر وہ کفر کرتے ہیں تو آپ کا سینہ تنگ نہ پڑے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے اس میں قدر یہ اور دوسرے افراد کے لیے رد ہے دل میں ہدایت، رشد اور گمراہی یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی تخلیق فرما دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔

فَمَا نَنْذَرُكَ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوُنُرِيكَ الذِّمىَ وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ

مُقْتَدِرُونَ ۝

”پس اگر ہم لے جائیں آپ کو اس دار فانی سے تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھادیں گے

وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔“

فَمَا نَنْذَرُكَ اس سے مراد یہ لی ہم آپ کو مکہ مکرمہ سے قریش کی اذیت سے نکال کر لے جائیں فَإِنَّا مِنْهُمْ

مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوُنُرِيكَ الذِّمىَ وَعَدْنَاهُمْ اس سے مراد تیری زندگی میں ان سے انتقام لینا ہے فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر بدر کے روز دکھایا؛ یہ اکثر مفسرین کا قول

ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: یہ مسلمانوں میں ہے اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنے ہیں (1) نَنْذَرُكَ

بِكَ اسی پر ہم تجھے موت عطا کر دیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شدید انتقام واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی اللہ

تعالیٰ آپ کو لے گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت میں نہیں دکھایا مگر وہی کچھ جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور انتقام

کو اس کے بعد رکھا کوئی نبی نہیں گذرا مگر اس کی امت میں انتقام اسے دکھایا گیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جب آزمائش کو پانے والی تھی وہ آپ کو دکھائی گئی تو آپ ہمیشہ منقبض ہی

رہے آپ کھل کر نہ ہنسے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو قبض کر لیتا ہے اور اس

نبی کو اس امت کے لیے فرط اور سلف بنا لیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے جبکہ اس

کا نبی زندہ رہتا ہے تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب انہوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی نافرمانی کی۔“

فَأَسْتَمْسِكُ بِالَّذِي أُوْحِيَ إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَنُرِيكَ

وَلِقَوْمَكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ ﴿١٠﴾

”ہیں مضبوطی سے پکڑے رہیے اس قرآن کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزند ان اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی۔“

فَأَسْتَمِعُكَ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ - بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس کو جھٹلایا جس نے جھٹلایا إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠﴾ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ اس کی رضا اور ثواب تک پہنچادے گا وَإِنَّهُ لَنَبَأٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یعنی قرآن تیرے لیے اور تیری قوم قریش کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ انکی لغت اور انہیں میں سے ایک فرد پر نازل ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) یعنی تمہارے لیے شرف ہے قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں کو خطاب کیا پس تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں جو بھی ایمان لایا وہ ان کے خوشہ چیں ہوئے کیونکہ تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں کہ ان کی لغت کو اپنائیں یہاں تک کہ اس معنی پر آگاہی حاصل کریں جس کا امر، نبی اور خبر سے ارادہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے قریش تمام اہل لغات پر شرف والے ہو گئے اسی وجہ سے انہیں عربی کہا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے لیے اور تیری امت کے لیے بیان ہے جس کے تم محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تذکرہ ہے جس کی مدد سے تم دین کا معاملہ سمجھتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَإِنَّهُ لَنَبَأٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اس سے مراد خلافت ہے یہ قریش میں ہے غیروں میں نہ ہوگی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس مسئلہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں لوگوں کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور ان کے کافروں کے کافروں کے تابع ہوں گے“ (1)۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد آدمی کا یہ قول ہے: مجھے میرے والد نے میرے باپ سے وہ ابن ابی سلمہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں: یہ ماوردی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا (2)۔ ابن عربی نے کہا: میں نے اسلام میں ایسا مرتبہ کسی کے لیے نہیں پایا مگر بغداد میں ایسا پایا (3) کیونکہ بنی تمیم وہاں یہ کہا کرتے تھے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا اور سند رسول اللہ ﷺ تک چلائی اس طرح ان کی اقدار شرف والی ہو گئیں لوگوں نے ان کی شان کو عظیم خیال کیا اور خلافت نے انہیں تلاش کیا۔

میں نے مدینہ السلام میں ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوہاب ابو فرج بن عبد العزیز بن حارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن اسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبد اللہ تمیمی کے دو بیٹوں کو دیکھا دونوں کہہ رہے تھے: ہم نے اپنے باپ رزق اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا یہ صیغہ ادا آخر تک چلتا رہا اور آخر میں کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے حنان و منان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا فرمایا: حنان اسے کہتے ہیں جو اس کی

1- معجم مسلم، کتاب فی الامارہ، انماں تہم القریش والخلافۃ فی قریش، جلد 2، صفحہ 119

3- احکام القرآن لابن امیر، جلد 4، صفحہ 84-1683

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227

طرف توجہ کرے جو اس سے اعراض کرے اور منان اسے کہتے ہیں جو سوال سے پہلے عطا کرے۔ جس نے یہ کہا تھا میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وہ اکیسہ بن عبد اللہ ہے جو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ زیادہ قوی یہ ہے وَإِنَّ لَكَ لَأَعْرَابًا مَّا ذَلَّ بِهِ سَبِيلَ اللَّهِ لِيُفِيكُمُ اللَّهُ حَقَّ عَهْدِهِ إِذْ تُؤَيَّدُونَهُ يُحِيطُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔

ماوردی نے کہا: وَإِنَّ لَكَ لَأَعْرَابًا میں دو قول ہیں (1) آپ کی امت میں سے جو آپ کی اتباع کرے (1)؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری سے اسے ذکر کیا ہے (2) مراد قریش ہیں (2)، کہا جاتا ہے: وہ کن سے ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے: عربوں میں سے۔ پوچھا جاتا ہے: کون سے عرب؟ تو جواب دیا جاتا ہے: قریش سے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ شرف عمل کرنے والے کے لیے ہے وہ قریش سے ہو یا غیر قریش سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر یہ یا غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ بنتی بنتیہا کو بلایا فرمایا: ”اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ دے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی نفع نہیں دے سکتا، اپنی ازواج سے بھی اسی کی مثل فرمایا، اپنی اولاد کو بھی اسی کی مثل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے بنو ہاشم لوگوں میں سے اولیٰ نہیں میری امت میں سے بہترین نہیں میری امت میں سے بہترین متقین ہیں، موالی (جو غلام تھے یا جن کے ساتھ معاہدہ ہو یا جو کسی قبیلہ کے سردار کے ہاتھ پر اسلام لائے) میری امت سے بہترین متقین ہیں تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو تم صاع کے کناروں سے بھرے پیمانے زائد ماپ کی طرح ہو کسی ایک کو دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں کو اس امر سے رک جانا چاہیے کہ وہ جہنم کے کونڈے میں سے ایک کونڈے پر فخر کرتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ بھونڈے سے بھی زیادہ شریروں جو اپنی ناک سے بدبو پھینکتا ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا عیب اور آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے“ دونوں روایات طبری نے ذکر کی ہیں۔ سورہ حجرات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝ تم سے ان نعمتوں پر شکر بجالانے کے بارے میں پوچھا جائے گا (3)؛ یہ مقاتل اور فراء کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا ہے اس کے بارے میں آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے اس بارے میں جو عمل کیا اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا: معنی قریب قریب ہے۔

وَسَأَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ مَّرْسَلِنَا أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ۝

”اور آپ پوچھے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند

کے علاوہ اور خدا تا کہ انکی پوجا کی جائے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرانی گئی، مسجد اقصیٰ

سے مراد مسجد بیت المقدس ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے مرسلین کو بھیجا جبکہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے حضرت جبریل امین نے آذان کہی پھر نماز کے لیے اقامت کہی پھر کہا: اے محمد! ﷺ آگے بڑھو اور انہیں نماز پڑھاؤ، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے جبریل امین نے کہا: اے محمد! آپ سے قبل جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے ان سے پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمن کے علاوہ اور الہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں پوچھوں گا تو ہی کافی ہے“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ستر نبی تھے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے آپ نے ان سے سوال نہ کیا کیونکہ آپ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیاء کی چار صفیں تھیں رسول اللہ ﷺ کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اور ان کی بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا: ”میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟“ انہوں نے کہا: اے محمد! ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں“ (1)۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ سَأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَمْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ سُبُلَ الْبَعْدِ اذْهَبَ عَنْهَا اللَّهُ رُسُلَهُ يَكْفُرُ سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا: معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیاء سے طے حضرت آدم سے طے اور جنہم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی صحیح ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر تُسَلِّمْنَا سے پہلے مَنْ زَانِدٌ نہیں۔ مبرداور علماء کی ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے وَ اسأل الذی ارسلنا الیہم قبلک رسلنا یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر مَنْ زَانِدٌ ہے! یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے (2) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھے جو دو کتابوں یعنی تورات و انجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! ﷺ ہم سے ان انبیاء کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے عن کو حذف کر دیا گیا اور تُسَلِّمْنَا پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر

استفہام سے ابتدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، تو یہاں سے مضاف مخذوف ہے۔ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔

أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿٥٠﴾ آلہة کی خبر اس صیغہ کے ساتھ لگائی گئی جس صیغہ کے ساتھ ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے فرمایا يُعْبَدُونَ ﴿٥٠﴾، تعبد اور یعبدن نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک آلہة ذوالعقول کے قائم مقام ہیں تو ان کی خبر اسی طریقہ پر لگائی گئی جیسے ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے۔

سوال کے امر کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں اور مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا: جو آپ لاتے ہیں وہ اس کے مخالف ہے جو آپ سے قبل انبیاء لائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ انبیاء سے سوال کریں (1) نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا تو رسولوں نے جواب دیا ہمیں توحید کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا؛ یہ واقعی کا قول ہے۔

(2) نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یقین تھا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان کی گئی کہ حضرت میکائیل نے حضرت جبریل امین سے پوچھا: کیا حضرت محمد ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: حضرت محمد ﷺ کا ایمان اور یقین اس سے عظیم ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوال کریں (1)، یہ بحث دونوں روایات میں گزر چکی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٥٢﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۗ وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٣﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّحَرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۗ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ ﴿٥٥﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۗ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥٦﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۗ وَلَا يُكَادُّبُهُنَّ ﴿٥٧﴾

”اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے انہیں کہا: بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے بتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے: اے جادوگر! دعانا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔“

پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں اور کہنے لگا: اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہ رہی ہیں کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔“

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ بَآيَاتِنَا جَبَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَبِيَّ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُوخِرْدِي كَمَا وَهَّآ أَف كَالشَّمْنِ سَالِيَةً لِيُنْقِمَ لِيُنْقِمَ وَاللَّهُ هُوَ
اور انبیاء کی شہادت اور تمام کے اتفاق سے توحید پر دلیل قائم کر دی تو اس امر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے
مؤکد کیا، فرعون نے جو تکذیب کی اور اس پر اور اس کی قوم پر غرق کی صورت میں جو عذاب آیا یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ
السلام کو معجزات کے ساتھ بھیجا وہ نو معجزات تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا اور اچھا انجام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
حق میں مقرر کیا گیا یہی صورت حال آپ ﷺ کی ہے۔

يُضْحَكُونَ ۝ كَمَا مَعْنَى هُوَ وَهُوَ اسْتِهْزَاءٌ كَرْتَهُ هِيَ وَهِيَ كَارُونَ كُوهِم دَلَاتِي هِيَ كَمَا وَهَّآ جَادُوا وَوَهُم هِيَ اَوْرُوهُ
بھی ان پر قادر ہیں۔

وَمَا تُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا فَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ
سے ہر ایک پہلے سے بڑا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا معجزہ علم کا تقاضا کرتا تھا اور دوسرا بھی علم کا تقاضا کرتا تھا تو
دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملایا جاتا تو وضاحت میں اضافہ ہو جاتا۔ اخوت کا معنی مشابہت اور مناسبت ہے جس طرح یہ کہا جاتا
ہے: ہذا صاحبة هذه۔ یعنی دونوں معنی میں قریب ہیں۔

وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ تَعَالَىٰ كَمَا وَهَّآ أَلْفِ كَرِيمٍ كَمَا وَهَّآ أَلْفِ كَرِيمٍ كَمَا وَهَّآ أَلْفِ كَرِيمٍ
بِالسِّنِينَ وَتَقْصِصَ مِنَ الشَّجَرَاتِ (اعراف: 130) عذاب سے مراد طوفان، مکڑیاں، جوئیں اور مینڈک ہیں۔ یہ آخری آیات
ان کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ شَائِدٌ وَهُوَ كَفْرٌ سَالِيَةً لِيُنْقِمَ لِيُنْقِمَ

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ جَبَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَبِيَّ كَرِيمٍ كَمَا وَهَّآ أَلْفِ كَرِيمٍ كَمَا وَهَّآ أَلْفِ كَرِيمٍ
پہلے نادت کے مطابق ندا کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ علماء کو سحر کا نام دیتے انہوں نے بطور تعظیم آپ کو اسی نام
سے پکارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ، اے عالم! ساحر ان کے نزدیک تعظیم ہوا کرتا وہ اس کی تعظیم
بجایا کرتے تھے سحر صفت ذم نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے وہ شخص جو اپنے سحر کی وجہ سے ہم پر غالب
آ گیا ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ساحر تہ فسحر تہ یعنی میں سحر کی وجہ سے اس پر غالب آ گیا جس طرح عربوں کا قول ہے:
خامسته فنخسته یعنی میں خصومت کے ساتھ اس پر غالب آ گیا اسی طرح فاضل تہ فضل تہ ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ
انہوں نے ساحر کا حقیقی معنی مراد لیا ہو اور گفتلوا استفہام کے انداز میں کی ہو۔ آپ نے انہیں ملامت نہ کی ہو کیونکہ آپ ان کے
ایمان لانے کی امید رکھتے تھے۔ ابن عامر، ابو حیوہ اور یحییٰ بن وثاب نے الف کو بغیر ہاء مضموم کے ساتھ است پڑھا ہے، اس کی
علت یہ ہے کہ ہاء کو ما قبل کے ساتھ ملایا گیا اور یا کو وہ ضمہ لازم ہو گیا جو ندا، مغرد کی وجہ سے واجب تھا فراء نے یہ شعر پڑھا:

يَا اَيُّ الْقَلْبِ اللَّجُوبِ النَّفْسِ افْتَقَ عَنِ الْبَيْضِ الْحَسَانِ النُّغْسِ

محل استدلال یا ایہ ہے۔

ہا کا ضمہ یاہ کے ضمہ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ سورہ نور میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، یحییٰ اور کسائی نے ایہا الف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ مصحف میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

اذْعُمْ لَنَا رَبَّنَا بِمَا عٰهَدَا عِنْدَكَ یعنی جس عہد کی تم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے اسے دور کر دے گا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے تو وہ ہم سے اس تکلیف کو دور کر دے اِنَّا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ کہ ہم آنے والے وقت میں ہدایت پا جائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے تکلیف کو رفع کر دیا اِذَا هُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ یعنی وہ عہد جو انہوں نے اس بارے میں کیا تھا اس کو انہوں نے توڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا قول اِنَّا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۱﴾ انہوں نے اپنے بارے میں ایمان کی خبر دی جب ان سے عذاب دور ہو گیا تو وہ مرتد ہو گئے۔

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ اِيك قول یہ کیا گیا ہے: جب فرعون نے ان معجزات کو دیکھا تو اسے خوف ہوا کہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو جائیگی تو اس نے کہا: نَادَى، قال کے معنی میں ہے (1)؛ یہ ابو مالک کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے پاس قبطیوں کے سردار لوگ ہوں تو ان کے درمیان آواز کو بلند کیا پھر وہ تمام قبطیوں میں اس بات کو عام کر دیں گویا اس طریقہ سے ان میں ندا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں ندا کرے، یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔

قَالَ يَقْتُوهُ الْيَسَّ فِي مُلْكِهِ وَمَصْرَ لَيْسَ اس بارے میں مجھ سے کوئی جھگڑانہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے چالیس فرسخ کا ملک تھا، یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ملک سے مراد اسکندریہ ہے وَهَذَا وَالْاَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِ يَدَيْهِ یعنی نیل کی نہریں۔ ان کی چار بڑی نہریں تھیں نہر ملک، نہر طولان، نہر دمياط اور نہر تنيس۔ قتادہ نے کہا: وہاں باغات اور نہریں تھیں جو اس کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْتِ يَدَيْهِ اس کے تحت کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْتِ يَدَيْهِ اس کے تحت کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اس کی لگام کھینچتا تو نیل چلنے سے رک جاتا۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ربوبیت کے مدعی کے ہاتھ پر خارق العادہ امور کا ظہور مراد ہے کیونکہ الہ کو غیر سے تمیز کے لیے خارق العادہ امر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهَذَا وَالْاَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِ يَدَيْهِ سے مراد قائدین، رؤساء اور جبارہ ہیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے چلا کرتے تھے؛ یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہار سے مراد اموال ہیں ان کی کثرت اور ظہور کی

بنا پر انہیں انہار سے تعبیر کیا ہے تَجْرِمِي مِنْ تَحْقِي فِي انہیں ان افراد پر تقسیم کر دیتا ہوں جو میری اتباع کرتے ہیں کیونکہ ترغیب اور قدرت اموال میں ہوتی ہے انہار میں نہیں ہوتی۔

أَفَلَا تُبْصِرُونَ ⑤ کیا تم میری عظمت، قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کو نہیں دیکھتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے وسائل رزق پر میری قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عجز کو نہیں دیکھتے وَ هَذِهِ فِي میں واؤ اس میں جائز ہو کہ عاطفہ ہو اور الَّا تُبْهِرُ كَا عَطْفِ مُلْكٍ وَ مَضْرٍ پر ہو اور تَجْرِمِي حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور اسم اشارہ ہو اور الَّا تُبْهِرُ اسم اشارہ کی صفت ہو اور تَجْرِمِي مبتدا کی خبر ہو تَحْقِي کی یا ء کو اہل مدینہ، بزی اور ابو عمرو نے فتح دیا ہے باقی قراء نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ رشید سے مروی ہے جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی تو کہا: میں یہ اپنے غلاموں میں سے سب سے خوبصورت کو دوں گا تو اس نے وہ خصیب کو دے دیا وہ اسے وضو کرایا کرتا تھا، عبد اللہ بن طاہر سے مروی ہے کہ وہ اس کا والی بنا اور اس کی طرف نکلا جب اس نے اس شہر کو دیکھا اور اس پر اس کی نظر پڑی کہا: کیا یہ وہ بستی ہے جس پر فرعون نے فخر کیا تھا یہاں تک کہ اس نے کہا تَهَا أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَ مَضْرٌ اللہ کی قسم! یہ تو اس سے کم درجہ کا ہے کہ میں اس میں داخل ہوں تو اس نے اپنی لگام موڑ لی۔

پھر اس کی حالت کی وضاحت کی اور کہا: أَمْ أَنَا خَيْرٌ أَبُو عُبَيْدٍ اور سدی نے کہا: امر یہاں بل کے معنی میں ہے (2)۔ یہ حرف عطف نہیں، اکثر مفسرین کا یہی قول ہے معنی ہے فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس سے بہتر ہوں قِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ یعنی اس کے لیے کوئی عزت نہیں وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث اپنی حاجات کے لیے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔

وَلَا يَكْفُرُ يَهُودٌ ⑥ یہ بات اس نے اس لیے کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کلمت تھی جس طرح سورہ طہ میں گذر چکا ہے۔ قراء نے کہا: امر میں دو وجوہ ہیں: اگر چاہے تو اسے استفہامیہ بنا دے کیونکہ یہ ما قبل کلام کے ساتھ متصل ہے اگر چاہے تو اسے عاطفہ بنا دے معطوف علیہ یہ کلام ہے أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَ مَضْرٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائد ہے ابو زید نے عربوں سے روایت نقل کی ہے کہ وہ امر کو زائد قرار دیتے ہیں معنی ہوگا میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ذلیل ہے۔ انفس نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہوگا افلا تبصرون امر تبصرون۔

جس طرح شاعر نے کہا:

أَيَا قَلْبِيَةِ الْوَعَاءِ بَيْنَ جُلَاجِلِ دُبَيْنِ الثَّقَا أَلَيْتِ أَمْ أَمْ سَالِمِ

مراد ہے کی تو اچھا ہے یا ام سالم اچھی ہے۔

پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: أَنَا خَيْرٌ خَلِيلٍ اور سبویہ نے کہا: أَفَلَا تُبْصِرُونَ ⑤ کا معنی ہے کیا تم دیکھنے والے ہو تو امر کے ساتھ تَبْصِرُونَ پر عطف کیا کیونکہ أَمْ أَنَا خَيْرٌ کا معنی ہے یا تم دیکھتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں، اس کی

وجہ یہ ہے جب انہوں نے اسے کہا: انت خیر منہ فرعون کے نزدیک وہ دیکھنے والے اور بصیرت والے تھے۔ عیسیٰ ثقفی اور یعقوب حضرمی سے مروی ہے کہ وہ امر پر وقف کرتے تو اس بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون تو دوسرا تبصرون حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے امر پر وقف کیا اس نے اسے زائدہ بنایا گویا اس نے أَفَلَا تُبْصِرُونَ پر وقف کیا۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک تبصرون پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ امر ما قبل سے اتصال کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے أَفَلَا تُبْصِرُونَ پر وقف ہے پھر أَمْ أَنَا خَيْرٌ سے نیا کلام ہے اس کا معنی ہے بل انا بلکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بدت مثل قزن الشمس في روثق الضحى صورتها أم أنت في العين أملاح (1)

اس میں بھی معنی ہے بل انت امدح فراء نے ذکر کیا: ایک قاری نے پڑھا اما انا خیر اس کا معنی ہوگا کیا میں بہتر نہیں۔

مجاہد کے بارے میں مروی ہے وہ امر پر وقف کرتے پھر نئے سرے سے پڑھتے أَنَا خَيْرٌ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ أَسْوَرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٣٧﴾

”اگر یہ سچا نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے

قطار در قطار“۔

فَلَوْلَا یہ ہلا کے معنی میں ہے أَلْقَىٰ عَلَيْهِ أَسْوَرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس وقت یہی معمول تھا اور معززین کا لباس تھا۔ حفص نے اسے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے جس طرح خسار کی جمع اخسرہ آتی ہے باقی قراء نے اسورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے حضرت ابن مسعود نے اسے اساویر پڑھا ہے باقی قراء نے اسورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے یہ جمع کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسورۃ، اسوار کی جمع ہو جمع میں ہاء، یاء کے عوض میں لاحق کی گئی ہے؛ جس طرح زنادیق، زنادقہ، بطاریق بطارقہ کی جمع ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اسورۃ، اساور اور اساویر کی واحد اسوار ہے یہ سوار میں ایک لغت ہے۔ مجاہد نے کہا: جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اسے دو کنگن پہناتے اور گلے میں سونے کا ایک طوق ڈالتے۔ یہ اس کے سردار ہونے کی علامت ہوتی فرعون نے کہا: اگر یہ سچا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں پھینکے؟

أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٣٧﴾ یعنی پے در پے؛ یہ قتادہ کا قول ہے (2)۔ مجاہد نے کہا: وہ اکٹھے چلتے ہیں (3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو ان کی مخالفت کرتا اس کے خلاف انکی مدد کرتے معنی ہے اس کے ساتھ ملائکہ کیوں نہ ملائے گئے جن کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے رب کے پاس ہوتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ ملکر وہ تعداد میں زیادہ ہو جاتا اور اپنے امر و نہی میں انہیں کام میں لاتا یہ امر دلوں میں زیادہ ہیبت کا باعث ہوتا اس نے اپنی قوم کو وہم دلایا کہ اللہ کے رسل کے بارے میں مناسب یہی ہے کہ وہ جنگوں میں بادشاہوں کے رسول کی طرح ہوں اسے علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے

رسولوں کی آسمانی لشکروں سے مدد کی جاتی ہے ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب کہ وہ یکہ و تنہا تھے اور فرعون کے پاس لشکروں کی تعداد بے شمار تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو مدد عصا اور ید بیضاء کے ساتھ کی ہے وہ اس سے زیادہ مؤثر تھی اس کی نسبت کہ ان کے کنگن ہوتے یا ان کے مددگار فرشتے ہوتے؛ یہ مقال کا قول ہے۔ یہ ان کی سچائی پر دلیل ہوگی، یہ بھی کا قول ہے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ معجزہ کافی ہوتا ہے یہ جائز تھا کہ فرشتوں کے آنے کے ساتھ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی جس طرح معجزات کے ظہور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی فرعون نے ملائکہ کا ذکر اس لیے کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ذکر کرتے تھے کیونکہ جو آدمی فرشتوں کے خالق کو نہیں پہچانتا وہ ملائکہ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۶﴾

”یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔“

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ ابْنِ اعرابی نے کہا: معنی ہے اس نے اپنی قوم کو جاہل بنا دیا فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ تو انہوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی اطاعت کی یہ جملہ کہا جاتا ہے: استخفه یعنی اسے جہالت پر برا بیچنے کیا اسی معنی میں ہے وَلَا يَسْتَخْفِنَكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے انہیں گفتگو کے ساتھ دھمکا یا تو قوم نے جھٹلانے میں اس کی اطاعت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استخف قومہ۔ یعنی اس نے انہیں کم عقل پایا۔ یہ امر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ ان پر اطاعت کرنا واجب تھا تو اس صورت میں انہار کی ضرورت ہوگی اس کی تقدیر کلام یہ ہے وَجَدَهُمْ خُفَّاءَ الْعُقُولِ فِدَعَاهُمْ إِلَى الْغَوَايَةِ فَاطَاعُوهُ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اپنی قوم کو دھمکایا اور ان پر جبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اتباع کی یہ کہا جاتا ہے: استخفه یہ استغله کے برعکس ہے۔ استخف به اس کو ذلیل کیا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۶﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۷﴾

”پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔“

فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ ہم پر غصے ہوا اور ہم پر غضبناک ہوا (2)۔ علی بن ابی طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہو گیا۔ ماوردی نے کہا: دونوں کا معنی مختلف ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سخط سے مراد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے قشیری نے کہا: یہاں اسف سے مراد غضب ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت کی جاتی ہے یا تو اس سے مراد سزا دینا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ صفات ذات میں سے ایک صفت ہوگی یا عین سزا ہوگی تو اس صورت میں یہ صفات فعل میں سے ہوگی؛

ماوردی کے قول کا یہی معنی ہے۔ عمر بن ذر نے کہا: اے اللہ کی نافرمانی کرنے والو! اللہ تعالیٰ جو تم سے طویل وقت تک حلم کیے ہوئے ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس کی پکڑ سے ڈرو، کیونکہ اس نے ارشاد فرمایا: **فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** ایک قول یہ کیا گیا ہے **آسَفُونَا** وہ ہمارے رسولوں اور ہمارے مومن اولیاء پر غضبناک ہوئے جس طرح علماء اور بنی اسرائیل یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **يُؤْذُونَ اللَّهَ** (احزاب: 57) بحار بون اللہ مراد اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے رسول ہیں۔

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

”اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے“۔

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا ہم نے قوم فرعون کو پیش رو بنایا۔ ابو عجلز نے کہا: یعنی جو ان جیسا عمل کرے ان کا پیش رو بنا دیا اور جو ان جیسا عمل کرے اس کے لیے نمونہ بنا دیا (1)۔ مجاہد نے کہا: **سَلَفًا** یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خبر دینے والا اور **مَثَلًا** یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبرت بنا دیا (2)۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے آپ کی قوم کے کفار کے لیے قیادت کرنے والا بنا دیا وہ جہنم کی طرف ان کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: جہنم کی طرف آگے جانے والا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ سلف کا معنی آگے جانے والا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: **سَلَفٌ يَسْلَفُ سَلْفًا**، جس طرح طلب طلب طلبا ہے جس کا معنی آگے جانا اور گزرنا۔ سلف لہ عمل صالح یعنی آگے چلا گیا القوم السلاف۔ آگے جانے والے لوگ۔ سلف الرجل۔ آگے جانے والے آباء اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے عام قراءت **سَلَفًا** ہے یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم ہے، راصد کی رصد ہے، حارس کی جمع حراس ہے۔

حزہ اور کسائی کی قراءت **سَلَفًا** فراء نے کہا یہ سلیف کی جمع ہے جس طرح سہیو کی جمع سہار آتی ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سلف کی جمع ہے جس طرح خشب کی جمع **خُشْبٌ**۔ شہ کی جمع **شُورٌ** آتی ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت ابو وائل، نخعی اور حمیر بن قیس نے اسے سلفا پڑھا ہے یہ اسفل کی جمع ہے یعنی گزر جانے والی جماعت۔ مورج اور نضر بن شمیل نے کہا: **سَلَفًا** یہ **سُلْفًا** کی جمع ہے جس طرح غرافتہ کی جمع غراف اور طرفہ کی جمع طرف ظلمتہ کی جمع ظلم آتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾

”اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے“۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَسُئِلَ مَنْ أَمْرَأَتُنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نِسَائِنَا** (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے تو مشرکوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے ساتھ جوڑا اور کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم اسے اپنا الہ بنا لیں جس طرح نصاری نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو الہ بنا لیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد کا قول ہے قریش نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو عبد اللہ بن زبیری نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا تھا یہ مثال دینے والا عبد اللہ بن زبیری تھا جو اس نے حالت کفر میں مثال دی تھی جب قریش نے اس سے کہا: بے شک حضرت محمد ﷺ یہ تلاوت کرتے ہیں إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) اس نے کہا: اگر میں ان کے پاس حاضر ہوتا تو میں جواب دیتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: تو انہیں کیا کہتا؟ اس نے کہا: میں انہیں کہتا: یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ یہودی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں جہنم کا ایندھن ہیں؟ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد ﷺ اس کے سامنے لا جواب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَصِدُّونَ کا بھی یہی معنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مَثَلًا حُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠﴾ (انبیاء) اگر ابن زبیری آیت پر غور کرتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا تَعْبُدُونَ إِلَّا مَا آوَدْتُمْ فَمَنْ تَبِعُوا اللَّهَ تَعَالَىٰ لَبَّيْ لَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورہ اعراف: 31) اس سے مراد بت اور غیر ذوی العقول چیزیں لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت مسیح اور فرشتے مراد نہیں لیے اگرچہ ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ سورہ انبیاء کے آخر میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: ”اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو؟“ انہوں نے سوال کیا: کیا تو یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے اور نبی تھے اور عبد صالح تھے اگر بات اس طرح ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو تو ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿١٠﴾ وہ یوں آواز نکالتے ہیں جس طرح وہ اونٹ آواز نکالتا ہے جس پر بوجھ لا دیا جائے۔

نافع، ابن عامر اور کسائی نے يَصِدُّونَ صَاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے، یہ نغنی کا قول ہے اتنی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح يَغْرِشُونَ اور يَعْزُشُونَ۔ يَنْسُونَ اور يَنْسُونَ۔ اس کا معنی شور و غل ہے۔ جوہری نے کہا: صَدٌّ اور يَصِدُّ صَدِيدٌ، شور و غل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمہ کے ساتھ صَدُّو سے مشتق ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی شور و غل کرنا ہے؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر یہ حق سے اعراض کرنے کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا آپ کی قوم حق سے اعراض کرتی ہے۔ فراء نے کہا: دونوں برابر ہیں صلہ من ہو یا عن ہو۔ ابن مسیب نے کہا: يَصِدُّونَ کا معنی شور و غل کرنا ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آوازیں بلند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنستے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے صَاد کو ضمہ دیا ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ اعراض کرتے ہیں تو معنی ہوگا وہ میلان کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں يَصِدُّونَ کو من کے ساتھ متعدی نہیں کرتے جس نے صَاد کو کسرہ دیا تو اس کا معنی ہے وہ شور و غل کرتے ہیں من، يَصِدُّونَ کے ساتھ متصل ہے معنی ہے وہ اسے سن کر شور و غل کرتے ہیں۔

وَقَالُوا أَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۗ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَبِيثُونَ ﴿٥٨﴾
 ”اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بھٹی کے لیے
 درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں۔“

وَقَالُوا أَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۗ یعنی کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ؟ یہ سدی کا قول ہے کہا: انہوں نے نبی کریم
 ﷺ سے جھگڑا کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں ہوگا تو ہم اس بات پر راضی ہیں
 کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو
 نازل کیا إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿٥٩﴾ (انبیاء) قنادہ نے کہا: وہ امر ہُو سے حضرت محمد
 ﷺ مراد لیا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے آلہتنا خیر ام هذا یہ قنادہ کے قول کی تائید کرتا ہے یہ
 استفہام تقریری ہے کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ کوفیوں اور یعقوب نے جدلا پڑھا ہے یہ حال ہے جدلین کا معنی دے رہا ہے
 یعنی انہوں نے آپ کے لیے یہ مثال بیان نہیں کی مگر جھگڑا مقصود تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98)
 سے مراد وہ چیزیں ہیں جن بے جان چیزوں کو انہوں نے معبود بنا لیا تھا۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَبِيثُونَ ﴿٥٩﴾ بلکہ وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہیں۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے
 کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر انہوں نے جھگڑا کیا (3)“ پھر رسول اللہ
 ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی مَاضِرِيُوهُ لَكَ۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا
 مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿٦١﴾

”نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل
 کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے۔“
 إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک بندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس پر نبوت کا انعام کیا ہے اور
 بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا ہے یعنی ایک آیت اور عبرت بنا دیا ہے جس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال
 کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزات عطا کیے وہ مردوں کو زندہ کرتے،
 مادرزاد اندھوں، برص کے مریضوں اور تمام قسم کی امراض سے تندرست کر دیتے جبکہ ان کے زمانہ میں اس قسم کی شان کسی اور
 کو نہ دی گئی جبکہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل بہترین مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جبکہ لوگ ان سے درجہ
 میں کم تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منعم علیہ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی

ذات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ اِغْرَافًا مِّنْ مَّوَدِّعٍ لَّيْلًا لَّا تَنفَعُكُمْ فِيهَا لُغُؤُكُمْ وَلَا تُعَذِّبُكُمْ بِهَا نَارُ جَهَنَّمَ اِذْ تَتَذَكَّرُونَ ﴿١٠٠﴾
اسی کی مثل مجاہد سے مروی ہے کہا: فرشتے جو تمہاری بجائے زمین کو آباد کرتے (1)۔ ازہری نے کہا: من بعض اوقات بدل کے لیے آتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورہ براءت اور دوسری سورتوں میں بھی گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنا دیتے اگرچہ یہ عادت نہیں ہے، جو اہر سب ایک ہی جنس ہیں، اختلاف اوصاف کی بنا پر ہے معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم زمین میں فرشتے بنا دیتے انہیں آسمانوں میں ٹھہرانا یہ ان کا شرف نہیں کہ ان کی عبادت کی جانے لگے اور انہیں کہا جانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں يَخْلُقُونَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی نیابت کرتے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونَّ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿١٠١﴾ وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطٰنُ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٢﴾

”اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان اس راہ سے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا حضرت حسن بھری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ قیامت کے قریب ہونے پر دلالت ہے یا اس کے ذریعے قیامت، اس کی ہولناکیوں اور احوال کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سخاک، سدی اور قتادہ نے یہی کہا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے وقوع سے تھوڑا پہلے انہیں آسمان سے نازل فرمائے گا جس طرح دجال کا ظاہر ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، قتادہ، مالک بن دینار اور سخاک نے اسے دانہ لعلم الساعة عین اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی ہے۔ علم سے دو لاموں کے ساتھ للعلم مروی ہے۔ یہ مصاحف کے خلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو سب نے قیامت کا ذکر کیا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کو شروع کیا اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو ان کے پاس بھی کوئی علم نہ تھا تو گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی گئی تو انہوں نے کہا: مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ جب کے بعد ہے جہاں تک وجہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سے کوئی نہیں جانتا اور دجال کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا کہا: میں اتروں گا اور اسے قتل

کردوں گا اور حدیث کا ذکر کیا (1)۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم کو مبعوث کرے گا دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے پاس اتریں گے وہ حلہ زیب تن کیے ہوئے اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے سروں پر رکھے ہوئے جب اپنا سر نیچے جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتی گریں گے جو لوگوں کی طرح ہوئے کافر کے لیے حلال نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے سانس کی ہوا پائے مگر جو پائے ہوگا وہ مر جائے گا اس کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک نظر پہنچے گی آپ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے لڈ کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کر دیں گے (2)۔

تعلبی، زمخشری اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کے ایک ٹیلہ پر آسمان سے اتریں گے جس ٹیلہ کو اقیق کہتے ہیں دو کپڑے زیب تن کیے ہوئے جو ہلکے سے زرد ہوئے ان کے سر کے بالوں کو تیل لگا ہوگا، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ ہوگا امام ان کی امامت کروا رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کریں گے اور اسی امام کے پیچھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر آپ خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، کنیسوں اور گرجوں کو برباد کر دیں گے، نصاریٰ کو قتل کریں گے مگر جو ایمان لے آیا“ (3)۔

خالد نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”انبیاء علانی بھائی ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں اس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں وہ سب سے پہلے آسمان سے اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے حق میں لوگوں سے جنگ کریں گے“ (4)۔

ماوردی نے کہا: ابن عیسیٰ نے ایک قوم سے یہ بیان کیا انہوں نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو لوگوں کو مکلف بنانے کا معاملہ اٹھالیا جائیگا تاکہ وہ اس زمانہ کی طرف رسول نہ ہوں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیں اور انہیں روکیں۔ یہ قول تین وجوہ سے مردود ہے: ان میں سے ایک حدیث بھی ہے، دوسری وجہ یہ ہے دنیا کی بقا امور کا مکلف ہونے کا تقاضا کرتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے کی حیثیت میں اتریں گے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے امر صرف اسلام کی تائید اسلام کا حکم دینے اور اس کی طرف دعوت دینے تک محدود ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اوٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا اس پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جائیگا دشمنی، باہمی بغض اور حسد ختم ہو جائے گا ایک آدمی مال لینے کو دعوت دے گا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنۃ الدجال وخراب عیسا بن مریم، صلو 309

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ذکر الدجال، جلد 2، صلو 399

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صلو 235

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صلو 235

تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا (1)“ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم سے ہوگا“ ایک روایت میں ہے ”تمہاری امامت تم میں سے ایک آدمی کرے گا (2)“ ابن ابی ذئب نے کہا: تو جانتا ہے امکم منکم سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: تو مجھے بتائے گا۔ کہا: ”وہ تمہاری امامت تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق کرائے گا“ ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر میں نص ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دین کے مجدد کے طور پر اتریں گے جو دین انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سیکھا ہوگا وہ کسی نئی شرع کے ساتھ نہیں اتریں گے جبکہ احکام کے مکلف ہونے کا سلسلہ باقی ہوگا جس طرح ہم نے یہاں اور کتاب ”التذکرہ“ میں ذکر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَإِنَّهُ لَوَعْلَمُ لَلسَّاعَةِ** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا قیامت اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے پر دلیل ہے؛ یہ ابن اسحاق نے کہا۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کہ حضرت محمد ﷺ قیامت کی نشانی ہوں اس کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”میں اور قیامت یوں مبعوث کیے گئے ہیں (3)“ اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی حضرت محمد ﷺ ہیں (4)۔

فَلَا تَسْتَرْشِدُوا قِيَامَتِمْ فِي شَكٍّ نہ کرو کیونکہ یہ لازماً ہو کر رہنے والی ہے (5) **وَإِشْعُونِ** تم توحید کے عقیدہ میں میری اتباع کرو اور جو میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اس میں میری اتباع کرو۔

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ⑩ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب جانے والا سیدھا راستہ ہے یعنی اس کی جنت کی طرف جانے والا سیدھا راستہ ہے۔ یعقوب نے **وَإِشْعُونِ** میں دونوں حالتوں میں یا **وَإِشْعُونِ** میں یا **وَإِشْعُونِ** میں قائم رکھا ہے اسی طرح اطیعون میں قائم رکھا ہے۔ ابو عمرو اور اسماعیل نے نافع سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وصل میں قائم رکھا اور وقف میں حذف کر دیا باقی قراء نے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

وَلَا يَصْدَلُكُمْ الشَّيْطَانُ اس کے وساوس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ جھگڑا کرنے والے کفار کو شیطان سے تشبیہ دی گئی کیونکہ انبیاء کی شریعتیں توحید میں مختلف نہیں اور قیامت کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اسی طرح جنت یا دوزخ کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اس میں وہ مختلف نہیں۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ⑪ سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلَا بَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

1- صحیح مسلم، کتاب الایمان نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 17۔ سنن ابن ماجہ، باب فتنة الدجال وخرود عیسیٰ بن مریم، حدیث 4067

2- صحیح مسلم، کتاب الایمان نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 87۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الفتن، قرب الساعة، جلد 2، صفحہ 406

4- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 9۔ 5- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236

تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۳ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبُّكُمْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ
هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۱۴

”اور جب آئے (عیسیٰ علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا: میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔“

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ حَضَرَتْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نَبِيًّا قَالَتْ: يَا عِيسَىٰ، مَرِيضُونَ كَوَصْحَتِ مَنْدُ كَرْنَا، پَرِنْدُونَ كَوَبِنَانَا، دَسْتَرُ خَوَانُونَ كَانَزُولِ وَغَيْرِهِ أَوْرَبِهِتِ سِي غَيْبِ كِي خَبْرِيں دِينَا۔ قَنَادَه نِي كَبَا: يِهَاں بِيِنَاتِ سِي مَرَادِ نَجِيلِ هِي۔
قَالَ قَدْ جُنْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ حَكْمَتِ سِي مَرَادِ نُبُوتِ هِي، يِهِي سِدِي كَا قَوْلِ هِي۔ حَضَرَتْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نَبِيًّا قَالَتْ: يَا عِيسَىٰ، مَرَادِ اِيِيَا عِلْمِ هِي جَوْنِكِي كِي طَرَفِ لِي جَائِي اُورِ بَرَائِي سِي رُوكِ دِي۔ اِيِكِ قَوْلِ يِهِي كِيَا گِيَا هِي: اِسِ سِي مَرَادِ نَجِيلِ هِي؛ يِهِي قَشِيرِي اُورِ مَاورِدِي نِي ذِكْرِ كِيَا هِي۔

لَا بَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ مَجَاهِدٌ نِي كَبَا: مَرَادِ هِي جَوْتُورَاتِ مِيں تَبْدِيلِي كِي گِيِي (1)۔ زَجَاجِ نِي كَبَا: مِيں اَنْجِيلِ مِيں بَعْضِ اِيِي سِي چيزِيں تَمَهَارِي لِي بِيَانِ كَرْدُوكِ گَا تُورَاتِ مِيں تَبْدِيلِي كِي مَتَعَلِقِ تَمِ جِنِ مِيں بَا هِمِ اَخْتِلَافِ كَرْتِي هُو۔ مَجَاهِدِ نِي كَبَا: جِنِ چيزُوكِ كِي وَهِي مَحْتَجِ هِيں اَنْجِيلِ كِي عِلَاوَهِ اِنِ كِي لِي وَاضِحِ كِيَا۔ اِيِكِ قَوْلِ يِهِي كِيَا گِيَا هِي: تُورَاتِ كِي اَحْكَامِ كِي بَارِي مِيں اَنهَوں نِي جَو اَخْتِلَافِ كِيَا جِسِ قَدْرِ اَنهَوں نِي سَوَالِ كِيَا حَضَرَتْ عِيسَىٰ عَلِيهِ السَّلَامِ نِي اِنِ كِي لِي وَاضِحِ كِيَا۔ يِهِي بِيِي جَائِي هِي اَنهَوں نِي اِسِ كِي عِلَاوَهِ مِيں اَخْتِلَافِ كِيَا جِسِ كِي بَارِي مِيں اَنهَوں نِي حَضَرَتْ عِيسَىٰ عَلِيهِ السَّلَامِ سِي سَوَالِ نِي كِيَا۔
اِيِكِ قَوْلِ يِهِي كِيَا گِيَا هِي: حَضَرَتْ مُوسَىٰ عَلِيهِ السَّلَامِ كِي وَصَالِ كِي بَعْدِ بِنِي اِسْرَائِيلِ نِي دِينِ كِي اَمُورِ مِيں كُچھِ چيزُوكِ مِيں اَخْتِلَافِ كِيَا اُورِ دُنْيَاوِي اَمُورِ مِيں سِي چِنْدِ چيزُوكِ كِي بَارِي مِيں اَخْتِلَافِ كِيَا تُو حَضَرَتْ عِيسَىٰ عَلِيهِ السَّلَامِ نِي اِنِ كِي دِينِي اَمْرِ كِي بَارِي مِيں وَاضِحِ كَرْدِيَا۔

ابو عبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ یہاں بعض، کل کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُصِيبُكُم بَعْضَ الَّذِي يَعِدُكُمْ (غافر: 28) انفس نے لبید کا شعر پڑھا:

تَرَكَ اَمْكِنَةَ اِذَا لَمْ اَرْضَهَا اَوْ تَعْتَلِقُ بَعْضَ النَفُوسِ حَمَامَهَا (2)

موت بعض نفوس کے متعلق نہیں ہوتی موت کو علوق اور علاقہ کہتے ہیں۔ مفضل بکری نے کہا:

دَسَائِلُهُ بِشَعْلَبَةَ بِنِ سَيِّدٍ وَقَدْ عَلِقَتْ بِشَعْلَبَةِ الْعُلُوقِ

شعلبہ بن سیر کو کتنے پوچھنے والے ہیں جبکہ موت شعلبہ کے ساتھ متعلق ہے۔

مقال نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہے: **وَلَا جُلٌّ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُتِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران: 50)** یعنی انجیل میں وہ چیزیں حلال کرنے والا ہوں جن کو تورات میں حرام کر دیا گیا تھا جس طرح اونٹ کا گوشت، ہر حیوان کی جڑبی، ہفتہ کے روز پھلی کا شکار کرنا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ شُرَكَاءَ مِنْ دُونِهِ يُحِبُّ اللَّهُ الَّذِينَ يُؤْتُونَ عَمَلَهُمُ الْإِسْلَامَ فَسَوْفَ يَجْزِي اللَّهُ الْعَمَلُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ہے کہ وہ الہ ہو یا ابن الہ ہو۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

وَاطِيعُونَ یعنی توحید اور دوسرے امور کی طرف دعوت دیتا ہوں **إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ** اللہ تعالیٰ کی عبادت صراط مستقیم ہے اس کے سوائے ہر راستہ ہے اس پر چلنے والا حق تک پہنچنے والا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قَوْلًا لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يُؤْمِرُ إِلَيْهِمْ ۗ هَلْ

يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۗ

”پھر اختلاف کرنے لگے (ان کے) گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے

دن سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آجائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔“

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قَوْلًا نے کہا: یہاں من، ما کے معنی میں ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں (1) اس سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی (1)؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے (2) نصاریٰ کی مختلف جماعتیں ہیں نسطوریہ، ملکیہ، یعاقبہ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا نسطوریہ نے کہا: وہ ابن اللہ ہیں۔ یعاقبہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ ملکیہ نے کہا: وہ تین میں سے تیسرا ہے، ان میں سے ایک اللہ ہے؛ یہ کلبی اور مقال کا قول ہے۔ سورہ مریم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

قَوْلًا لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا انہوں نے کفر اور شرک کیا جس طرح سورہ مریم میں ہے **مِنْ عَذَابٍ يُؤْمِرُ إِلَيْهِمْ** یعنی جس کا عذاب دردناک ہے اسی کی مثل لیل نائم ہے اس رات میں سویا جاتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ سے مراد قیامت ہے **أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً** یعنی اچانک۔ **وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کئی اور مواقع پر یہ بحث گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عرب کے مشرک صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں اس تعبیر کی بنا پر اضراب سے مراد وہ قبائل ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف اکٹھا کیا تھا اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **مَا ضَرَبُوا لَكَ إِلَّا جَدًّا لَا تَصِلُ إِلَيْهِمْ** کے ساتھ متصل ہے۔

إِلَّا خَلَاءَ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ يُؤْمِرُ مِنْهَا بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَذَابًا إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۗ

”گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔“

الْاَخْلَآءُ يَوْمَئِذٍ يَوْمٍ مَّرِيدٍ سے مراد یوم قیامت ہے بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی وہ دشمن ہیں جو ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں إِلَّا الْمُتَّقِينَ ⑤ کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں دوست ہیں؛ یہ معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف تمیمی، عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی وہ دونوں دوست تھے (1) عقبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا قریش نے کہا: عقبہ بن ابی معیط صابی ہو گیا۔ امیہ نے اس سے کہا: اگر تو محمد سے ملا اور تو نے اس کے منہ پر نہ تھوکا تو میرا تجھ سے ملنا حرام ہوگا۔ عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے قتل کی نذر مانی اور اسے غزوہ بدر کے موقع پر قتل کر دیا۔ امیہ معرکہ میں قتل ہو گیا انہیں کہ متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے دو مومن دوست تھے اور دو کافر دوست تھے دو مومنوں میں سے ایک مر گیا اس نے عرض کی: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکا کرتا تھا اور وہ مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں، اے میرے رب! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا اسے اس طرح ہدایت دینا جس طرح اس نے مجھے ہدایت دی، اسے عزت بخشنا جس طرح اس نے مجھے عزت بخشی۔ جب اس کا مومن دوست فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میں سے ہر ایک دوست اپنے ساتھی کی تعریف کرے گا ایک عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کو حکم دیتا اور مجھے برائی سے روکا کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا ساتھی ہے۔ کہا: کافروں میں سے ایک مرے گا اور کہے گا: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اطاعت سے اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا اور مجھے نیکی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا۔ اور اسے اسی طرح گمراہ کرنا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرنا جس طرح تو نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے جب اس کا کافر دوست مرتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرماتا ہے: تم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری نافرمانی اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا خیر سے منع کرتا تھا اور مجھے بتایا کرتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اس پر عذاب دوگنا کر دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو کتنا برا ساتھی، بھائی اور دوست ہوگا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ساتھی پر لعنت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ہر مومن، متقی، کافر اور گمراہ کے بارے میں عام ہے۔

لِيَعْبَادُوا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ⑥

”اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج غمزدہ ہو گے۔“

مقاتل نے کہا اور اسے معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے: منادی کرنے والا کھلی جگہ اعلان کرے گا اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں۔ کھلے میدان والے اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو منادی کرنے والا کہے گا: **الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ** ⑩ تو مسلمانوں کے علاوہ تمام ادیان والے اپنے سروں کو جھکالیں گے۔ محاسبی نے رعایہ میں ذکر کیا ہے: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا ندا کرے گا: **لِعِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ** ⑪ مخلوقات اپنے سروں کو اوپر اٹھائے گی وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں (1)۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا **الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ** ⑫ کفار اپنے سروں کو جھکالیں گے اور موحد اپنے سروں کو اٹھائے رکھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: **الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ** ⑬ (یونس) تو گناہ کبیرہ کرنے والے اپنا سر جھکائیں گے اور تقویٰ اختیار کرنے والے اپنے سر اٹھائے رکھیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خوف اور حزن کو زائل کر دیا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہوگا کیونکہ وہ معززین میں سے سب سے معزز ہے وہ اپنے ولی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور ہلاکت کے وقت اسے کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ اسے **لِعِبَادِ** پڑھا گیا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ⑩ **أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ**

تُحْبَرُونَ ⑪

”یعنی وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت

میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش۔“

زجاج نے کہا: **الَّذِينَ**۔ عبادی کی صفت کے طور پر محل نصب میں ہے کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا** مبتدا مخذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مخذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے **هم الذين آمنوا** یا ہے **الذين آمنوا** يقال لهم **ادخلوا الجنة**۔

ابو بکر اور زر بن حبیش نے یا عبادی پڑھا ہے یا مفتوح ہے اور دونوں حالتوں میں ثابت ہے اسی وجہ سے نافع، ابن عامر، ابو عمرو اور رويس نے دونوں حالتوں میں یا ساکنہ کو ثابت رکھا ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یا کو حذف کیا ہے کیونکہ اہل شام اور اہل مدینہ کے مصاحف میں یا ثابت ہے کسی اور مصحف میں یا نہیں ہے۔

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی انہیں کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ یا کہا جائے گا: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ **أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ** یعنی جو دنیا میں مسلمان تھیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنوں میں سے جو تمہارے ساتھی ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین میں سے جو تمہاری ازواج ہیں۔

تُحْبَرُونَ ⑪ تمہاری عزت کی جائیگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی مقام و منزل کے اعتبار سے تم معزز

ہو گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں خوش کیا جائیگا اس سے مراد دل میں خوشی ہے۔ قتادہ نے کہا: تم پر انعام کیا جائے گا اس سے مراد بدن میں نعمت ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا اس سے مراد آنکھ میں خوشی ہے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا یہاں عجب سے مراد اس چیز کا پانا ہے جو پسند ہو۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: اس سے مراد سماع کے ذریعے لذت حاصل کرنا ہے۔ سورہ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۗ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْأَعْيُنُ ۗ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٥﴾

”گردش میں ہونگے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ یعنی ان کے لیے جنت میں کھانے اور مشروبات ہونگے جنہیں سونے اور چاندی کے تھالوں میں ان پر گھمایا جائے گا، یہاں کھانوں اور مشروبات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تھالوں اور پیالوں کے گھمانے کا کوئی مطلب نہیں جب ان میں کھانے اور مشروبات نہ ہوں۔ صحاف میں سونے کا ذکر کیا جبکہ اکواب میں اس کے ذکر سے استغنا برتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالذَّكْوٰرِۢمِۦنَ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَالذَّكٰرٰتِۦ (احزاب: 35)

صحیحین میں حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: لا تلبسوا الحریر ولا الدیباہر ولا تشربوا فی آنیۃ الذهب والفضۃ ولا تأکلوا فی صحافہا فإنتہالہم فی الدنیا ولکم فی الآخرة (1)۔ ریشم اور دیباہ کا لباس نہ پہنو اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ سورہ الحج میں یہ گذر چکا ہے جس نے ان دونوں میں دنیا میں کھایا یا دنیا میں ریشم کا لباس پہنا اور توبہ نہ کی آخرت میں ہمیشہ کے لیے اس پر یہ چیزیں حرام کر دی جائیں گی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مفسرین نے کہا: جنت میں سب سے کم مرتبہ جنتی پر ستر ہزار غلام سونے کے پیالوں کے ساتھ گھومیں گے دن کا کھانا اسے پیش کیا جائیگا ہر ایک برتن میں ایسی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔ وہ اس کے آخر سے اسی طرح کھائے گا جس طرح پہلے سے کھاتا ہے آخری کو اسی طرح لذیذ پائے گا جس طرح پہلے کو لذیذ پاتا ہے اسکا بعض بعض کے مشابہ نہ ہوگا۔

وَأَكْوَابٍ یعنی اس پر پیالے گھمائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَیُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنْبِیۡتٍ مِّنْ فِضۡوٰۃِ
أَكْوَابٍ (الدہر: 15) ابن مبارک نے ذکر کیا ہے ہمیں معمر نے بیان کیا وہ ایک آدمی سے وہ ابو قلابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: اس کے پاس کھانا اور مشروب لایا جائے گا جب وہ ان کے آخر تک پہنچیں گے تو ان کے پاس شراب طہور لایا جائے

گا اس کے لیے ان کے پیٹ ضامر ہو جائیں گے ان کے جسموں سے مشک سے پاکیزہ خوشبو نکلے گی پھر یہ پڑھا شراباً
كَلْهُوْرًا ۝ (دہر)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:
”جنتی اس میں کھائیں گے، اس میں پیئیں گے وہ تھوکیں گے نہیں وہ پیشاب نہیں کریں گے وہ براز نہیں کریں گے وہ ریشہ نہیں
پھینکیں گے“ (1)۔ پوچھا: کھانے کا کیا بنے گا؟ کہا ”ڈکار اور مہک جس طرح کستوری کی مہک ہوتی ہے انہیں تسبیح، تمہید اور
تکبیر کا الہام کیا جائے گا“ ایک روایت میں یلہمون التسبیح کی جگہ یلہمون النفس کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ آئمہ نے حضرت ام سلمہ کی حدیث نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے فرمایا: ”وہ آدی جو سونے اور
چاندی کے برتن سے پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے (2)“ اور کہا: ”سونے اور چاندی کے برتن
میں نہ ہو اور اس کے پیالوں (برتنوں) میں نہ کھاؤ (3)“ یہ روایات حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علماء نے اور مقاصد کے لیے ان کے استعمال کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مردوں
کے لیے کسی مقصد کے لیے انہیں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا سونے اور ریشم کے بارے میں ارشاد ہے:
”یہ دونوں چیزیں میری امت کے مذکور افراد کے لیے حرام ہیں اور مؤنث افراد کے لیے حلال ہیں“ (4) ان میں کھانے پینے
سے نبی ان کے استعمال کی حرمت پر دال ہے کیونکہ یہ بھی سامان کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں اس کا اصل کھانا اور پینا ہے
اس کی علت آخرت کے امر کو جلدی چاہنا ہے اس اعتبار سے اس میں کھانا پینا اور باقی ماندہ انتفاع کی جو صورتیں ہیں سب مراد
ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس
میں ہمارے لیے دنیا میں حصہ نہیں بنایا۔“

مسئلہ نمبر 3۔ ب برتن پر ان سے کلی کی گئی ہو یا برتن میں ان دونوں میں سے حلقہ ہو۔ امام مالک نے کہا: مجھے اچھا نہیں
لگتا کہ اس برتن میں پیا جائے، اسی طرح آئینہ ہو جس میں چاندی کا حلقہ ہو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا برتن تھا جس پر چاندی کی کلی کی گئی تھی اور کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اس برتن میں مشروب
پلایا تھا۔ ابن سیرین نے کہا: اس میں لوہے کا حلقہ تھا تو حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس میں چاندی کا حلقہ لگواؤں تو حضرت ابو
طلحہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا تو حضرت انس نے اسے ترک کر دیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں تو ان کو جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ جس چیز کا استعمال جائز نہیں
اس کو ذخیرہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا جس طرح بت اور طنبور (آلہ لبو) ہمارے علماء کی کتابوں میں ہے: جو آدی کسی کا ایسا برتن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، ائبة الفضة، جلد 2، صفحہ 379

2۔ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، ائبة الفضة، جلد 2، صفحہ 842

3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والذینة، تحريم الاستعمال الأثناء الذهب والفضة، جلد 2، صفحہ 189

4۔ سنن ابن ماجہ، باب لمس الحریر والذهب للنساء، حدیث نمبر 3584، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

توڑے گا اس پر بازاری قیمت چٹی لازم ہوگی۔ یہ فاسد معنی ہے کیونکہ اس کا توڑنا واجب ہے تو اس وجہ سے اس قیمت کی کوئی ثمن (جو باہم بائع اور مشتری لگاتے ہیں) نہ ہوگی زکوٰۃ میں کسی حال میں اس کی قیمت جائز نہ ہوگی اس کے علاوہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائیگی۔

بِصَحَافٍ جوہری نے کہا صحفہ، قصعہ کی طرح ہے اس کی جمع صحاف آتی ہے۔ کسائی نے کہا: پیالوں میں سے سب سے بڑا جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحفہ ہے جو پانچ آدمیوں کو سیر کر دیتا ہے پھر مسکلہ ہے جو دو یا تین افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحیفہ ہے جو ایک آدمی کو سیر کر دیتا ہے صحیفہ کا معنی کتاب بھی ہے اس کی جمع صحف اور صحائف ہے۔

وَأَكْوَابٍ جوہری نے کہا: کوب ایسے لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو اس کی جمع اکواب ہے۔ شاعر نے کہا:

مُثَكِّنًا تَصْفِقُ أَبْوَابُهُ يَسْعَى عَلَيْهِ الْعَبْدُ بِالْكُوبِ

وہ ٹیک لگائے ہوئے ہے اس کے دوازے کھلے ہیں اس پر غلام پیالے کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔

قنادہ نے کہا: کوب ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا چھوٹا اور دستہ بھی چھوٹا ہو اور ابرق اس پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا لمبا اور دستہ بھی لمبا ہو (1)۔ انخفش نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جس کی سنت نہیں ہوتی۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد لوٹے ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی (2)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کے منہ گول ہوں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی۔ ابن عزیز نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جن کا دستہ اور سنت نہیں ہوتی۔ اس کا واحد کوب ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد اور سدی کے قول کا یہی معنی ہے، یہی اہل لغت کا مذہب ہے کہ جس کی سنت اور دستہ نہ ہو۔

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ترمذی نے سلیمان بن برید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے جنت میں گھوڑے ہیں (3)؟ فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے تو کیا تو نہیں چاہے گا کہ تو اس میں سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سوار ہو وہ جنت میں تجھے لے کر اڑتا رہے جہاں تو چاہے“ کہا: ایک آدمی نے پوچھا عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے جنت میں اونٹ ہیں (4)؟ کہا: نبی کریم ﷺ نے اسے اس کی مثل جواب نہ دیا جو آپ نے پہلے فرد کو جواب دیا تھا فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا تو وہاں تیرے لیے وہ کچھ ہوگا جو تیرا نفس چاہے گا اور تیری آنکھ پسند کرے گی“۔

اہل مدینہ، ابن عامر اور اہل شام نے اسے فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ پڑھا ہے باقی قراء نے تَشْتَهِي الْأَنْفُسُ اصل میں یہ تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ ہے تو کہتا ہے: الذی ضربت زیداً تھا وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ تو کہتا ہے: لَذَا الشئ يَلذُّ لَذَا وَلَذَا ذَا، لَذَا ذَا بالشئ الذی یعنی ماضی میں عین کلمہ مکسور ہے اور مضارع میں مفتوح ہے مصدر لَذَا ذَا

ولذاذقة۔ یعنی میں نے اسے لذیذ پایا۔ التذذت بہ وتلذذت بہ، دونوں کا معنی ایک ہے یعنی جنت میں وہ کچھ ہوگا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی تو وہ خوبصورت منظر والا ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے لذت حاصل کریں گی جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: **أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ**۔

وَ أَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ① باقی رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے کیونکہ یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو یہ رنج دیتا ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ②

”اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے“۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ وہ جنت ہے جس کی صفت دنیا میں تمہارے لیے بیان کی جاتی تھی۔ ابن خالویہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف اشارہ تِلْكَ سے اور جہنم کی طرف ہَذَا سے کیا ہے تاکہ جہنم سے ڈرائے اور اسم اشارہ قریب کے ساتھ اشارہ کر کے اس کو مؤکد ذکر کیا اسم اشارہ قریب کے ساتھ اسے یوں بیان کر دیا گیا جس طرح وہ چیز حاضر ہو جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے لیے جنت اور دوزخ پیدا کی ہے۔ کافر مسلمان کی جہنم کا وارث بنے گا اور مسلم کافر کی جنت کا وارث بنے گا **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ** ④ (المؤمنون) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ⑤

”تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)“۔

فَاكِهَةٌ کا لفظ معروف ہے اس کی جمع فواکہ ہے فاکھانا سے کہتے ہیں جو پھل بیچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام پھل ہیں تر بھی اور خشک بھی، یعنی جنت میں کھانے اور پینے کے علاوہ کثیر پھل جن کو جنتی کھائیں گے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ⑥ لَا يُفَقَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ⑦ وَ

مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ⑧

”بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑے بیٹھیں ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے“۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ⑥ جب اہل جنت کے احوال کا ذکر کیا تو اہل جہنم کے احوال کا ذکر کیا تاکہ اطاعت شعار کی نافرمانی پر فضیلت کو بیان کرے۔ **لَا يُفَقَّرُ عَنْهُمْ** ان سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی **وَ هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ⑦** وہ رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہونگے سکوت کا معنی ناامیدی ہے۔ سورۃ النعام

میں یہ بحث گزر چکی ہے وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ہم نے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر شرک کا ارتکاب کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الظالمون کو مرفوع پڑھا جائے یہ مبتدا اور خبر ہو اور جملہ کان کی خبر ہو۔

وَنَادُوا لِيْلِكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْشَوْنَ ﴿٢٤﴾

”اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے۔“

وَنَادُوا لِيْلِكَ مالک جہنم کا خازن ہے اپنے غضب کے اظہار کے لیے اسے پیدا کیا جب وہ جہنم کو جھڑکے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت بیان کی ہے و نَادُوا يَا مَالِکَ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے و نَادُوا يَا مَالِکَ قراءت کی یعنی خاص طور پر لام کے ساتھ، یعنی اسم میں ترخیم کا قاعدہ جاری کیا اور کاف کو حذف کر دیا۔ ترخیم کا معنی حذف ہے اسی سے ندا میں اسم میں ترخیم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر سے ایک یا زیادہ حرف حذف کر دیے جائیں تو مالک میں کہے گا: یا مال۔ حارث میں کہے گا: یا حار فاطمہ میں کہے گا: یا فاطم، عائشہ میں کہے گا: یا عائش، مروان میں کہے گا: یا مروان اسی طرح باقی کے اندر بھی یہی صورت حال ہوگی۔ کئی اشعار میں اسی طرح آیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ای فُلٌ اور هلتم موجود ہے اسم مرخم کے آخر میں تیرے لیے دو صورتیں موجود ہیں (1) حذف سے پہلے آخری حرف کی جو حالت تھی اس پر اسے باقی رکھے (2) اسے منی برضمہ بنا دے جس طرح یا زید گویا تو نے اسے کامل اسم کے قائم مقام رکھا ہے اور اس میں حذف کی رعایت نہیں کی۔ ابو بکر انباری نے ذکر کیا کہا محمد بن مروزی، محمد سے جو ابن سعدان ہے وہ حجاج سے وہ شعبہ سے وہ حکم بن عیینہ سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں: کہا ہم نہیں جانتے تھے کہ زخرف کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبد اللہ کی قراءت میں بیت من ذہب کے الفاظ پائے اور ہم و نَادُوا لِيْلِكَ کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور لِيْلِكَ کے بارے میں نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں پایا یا مال یعنی ترخیم کے طریقہ پر پایا۔ ابو بکر نے کہا اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی سند مقطوع ہے اس کی مثل رسول اللہ ﷺ سے روایت مقبول نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں احتیاط کی جائے اور باطل کی اس سے نفی کی جائے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں صفوان بن یعلیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر پڑھتے ہوئے سنا: و نَادُوا لِيْلِكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی کاف کو ثابت رکھا (1)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے خزان سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴿٢٤﴾ (غافر) تو ان کی عرضداشت رد کر دی گئی أَوْلَمْ تَرَ أَنَّكَ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۗ قَالُوا أَلَيْسَ لَنَا نَارٌ إِذْ نَادُوا عَوَّاءًا ۗ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾ (غافر) جب وہ خازنوں سے مایوس

ہو چکے تو انہوں نے مالک کو ندا کی وہ ان پر سردار تھا اور اس کی مجلس خازنوں کے وسط میں ہے اور پل ہیں جن کے اوپر عذاب کے فرشتے گذرتے ہیں وہ جہنم کے بعید ترین حصہ کو یوں ہی دیکھتا ہے جس طرح اس کے قریب ترین حصہ کو دیکھتا ہے ان جہنمیوں نے عرض کی: **يُنَبِّئُكَ لِيَقْضِيَ عَلَيْكَ نَارُكَ** انہوں نے موت کا سوال کیا کہا مالک ان سے خاموش رہے گا انہیں اسی سال تک کوئی جواب نہ دے گا کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا مہینہ تیس دن کا ہوگا اور دن ان ہزار سالوں کے برابر ہوگا جسے تم شمار کرتے ہو پھر اسی (80) سال کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا: **إِنَّكُمْ مُكْتَبُونَ** اور حدیث کا ذکر کیا۔ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ”وہ کہیں گے مالک کو بلاؤ وہ عرض کریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمیں موت ہی عطا کر دے تو اس نے جواب دیا تم اسی طرح رہو گے (1)“ اعمش نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے ان کے بلانے اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عرض کریں گے تو مالک ایک ہزار سال تک انہیں جواب نہیں دے گا پھر وہ کہے گا: تم ہمیشہ اسی طرح رہو گے (2)۔ مجاہد اور نوف بکالی نے کہا: ان کی ندا اور اس کے جواب کے درمیان سو سال کا عرصہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: چالیس سال کا عرصہ ہوگا: یہ ابن مبارک نے ذکر کیا۔

لَقَدْ جُنْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ﴿٥٩﴾

”بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔“

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مالک کا قول ہے یعنی تم جہنم میں ہی رہو گے کیونکہ دنیا میں تمہارے پاس حق لائے تو تم نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ آج ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہو یعنی ہم نے تمہارے لیے دلائل کو واضح کیا اور تمہاری جانب رسول بھیجے **وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں اکثر کل کے معنی میں ہے یہاں کثرت سے مراد رؤساء اور قائدین ہیں جہاں تک پیروکاروں کا تعلق ہے تو ان کا کوئی اثر نہ ہوگا **لِلْحَقِّ** اسلام کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو **كُرْهُونَ** ناپسند کرتے تھے۔

أَمْ أَمْرًا مُمَوًّا مَرَاتِنًا صَبْرًا مُمَوًّا ﴿٦٠﴾

”اور اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔“

مقاتل نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی جب کفار نے دارالندوہ میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں تدبیر کی جب ان کا مشورہ اس بات پر اختتام کو پہنچا جو ابو جہل نے رائے پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی سامنے آئے تاکہ وہ آپ ﷺ کے قتل میں شریک ہو تو اس طرح قصاص کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان سب

1۔ جامع ترمذی، باب صفة الجہنم، ما جامل صفة طعام اهل النار، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239

سرداروں کو بدر کے واقعہ میں قتل کر دیا اَبْرَمُوًّا کا معنی ہے انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا (1)۔ ابراہم کا معنی پختہ کرنا ہے ابرمت الشئ میں نے اسے پختہ کیا۔ ابراہم القتال، جب اسے باٹنے والا اچھی طرح باٹنے اس سے مراد دوسری دفعہ باٹنا ہوتا ہے پہلے کو کھیل کہتے ہیں جس طرح من سحیل و مبرم ہے آیت کا معنی ہے انہوں نے تدبیر کو پختہ کیا (2) ہم بھی ان کے لیے تدبیر کو پختہ کرنے والے ہیں، یہ ابن زید، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے یا انہوں نے تکتدیب پر اتفاق کر لیا تو ہم دوبارہ اٹھانے کے ساتھ جزا پر پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ کلبی نے کہا: یا انہوں نے معاملہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ امر، بل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْرٌ اَبْرَمُوًّا كَا عَطْفٍ اَجَعَلْنَا مِنْ دُونَ الرَّحْمَنِ الْاِلَهَةَ يُعْبَدُونَ ﴿۳۰﴾ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحقیق ہم تمہارے پاس حق لائے تو تم نے نہ سنا یا سنا تو سہی مگر اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں ایسے امر کا فیصلہ کر لیا تھا جس کے ذریعے وہ عقاب سے امن میں ہو جاتے۔

اَمْ يَخْسِبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ﴿۳۱﴾ بَلَىٰ وَاَسْأَلُكَ اَللّٰهُمَّ يَكْتُبُونَ ﴿۳۲﴾

”کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو؟ ہاں، ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں۔“

اَمْ يَخْسِبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ یعنی جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں بَلَىٰ کیوں نہیں ہم سنتے اور جانتے ہیں وَاَسْأَلُكَ اَللّٰهُمَّ يَكْتُبُونَ ﴿۳۱﴾ ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت اللہ شریف اور اس کے پردوں کے درمیان تھے (3) ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب تم بلند آواز سے باتیں کرو تو وہ سنتا ہے اور جب تم رازداری سے باتیں کرو تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ تمہاری اعلانیہ گفتگو سنتا ہے تو پھر جب تم رازداری سے بات کرو تب بھی سنتا ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ سورہ فصلت میں یہی چیز حضرت ابن مسعود کی روایت میں گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌۢ فَاَنۡ اَوَّلَ الْعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۳﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۳۴﴾ فَاذۡرٰهُمۡ يَخۡوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلۡقُوۡا
يَوْمَهُمۡ الَّذِيۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۵﴾

”آپ فرمائیے: (بفرض مجال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا بھاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (ابے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشہ کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان

کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّاحِلِينَ لَكَدٌّ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ ۝ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سدی نے یہ کہا: معنی ہے، رحمن کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے کلام مکمل ہوگی پھر تو نئے سرے سے کلام شروع کرے گا فَاَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ میں اہل مکہ میں سے پہلا موحد ہوں کیونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ الْعَبْدَانِ پر وقف تام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! کہہ دو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں ان میں سے سب سے پہلا ہوتا جو اس کی عبادت کرتا، لیکن یہ امر محال ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو اسے کہتا ہے جس سے تو مناظرہ کرتا ہے: جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اس کا اعتقاد رکھے گا۔ یہ امر کو بعید جاننے میں مبالغہ کا اظہار ہے یعنی اس کے اعتقاد کی کوئی صورت نہیں یہ کلام میں نرمی کرنا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: وَإِنَّا أَوْأَيُّكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سبا) اس تعبیر میں یہ معنی ہوگا میں اس بچے کا سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ کیونکہ بچے کی تعظیم اس کے والد کی تعظیم ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اگر رحمن کا بچہ ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو صرف اسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا کیونکہ اس کا کوئی بچہ نہیں۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا اس وجہ سے کہ اس کا بیٹا ہے لیکن یہ مناسب نہیں۔ مہدوی نے کہا: ان تمام اقوال کی بنا پر شرط کے لیے ہے یہ سب سے مناسب ہے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہ جس کلام کے ساتھ متصل ہو اس بارے میں وہم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں یہ متحقق نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ الْعَبْدَانِ، الْآنْفِينَ کے معنی میں ہے، میں ناپسند کرنے والوں میں سے پہلا ہوتا۔ بعض علماء نے کہا: اگر معنی یہ ہے تو قراءت یوں ہوگی العبدین ابو عبد الرحمن اور یمانی نے اسی طرح قراءت کی ہے فاننا اول العبدین یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عبد یعبد عبد اجب وہ ناپسند کر لے اور غضبناک ہو اس سے اسم فاعل عَبْدَاءُے گا۔ اسم عبدا، انفہ کی طرح ہے: یہ ابو زید سے مروی ہے۔ فرزدق نے کہا:

أولئك أحلامی فجئنی بشلہم وأعبدُ أن أہجو ککئبًا بدارم

وہ میرے ساتھی ہیں میرے پاس ان کی مثل لے آؤ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے مقابلہ میں کلیب کی ہجو کرو۔ وہ یہ شعر بھی کہتا ہے:

أولئك ناس إن هجوتی هجوتہم وأعبدُ أن یہجی ککئبً بدارم

وہ ایسے لوگ ہیں اگر وہ میری ہجو کریں تو میں ان کی ہجو کروں گا۔ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے بدلہ میں کلیب کی ہجو کی جائے۔

جوہری نے کہا: ابو عمرو نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ میں عابدین کا معنی ناپسند کرنا اور ناراض ہونا ہے (1): یہ نسائی اور قتیبی کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے ان دونوں سے روایت کیا۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاَنَا أَوَّلُ

الْعَبِيدِينَ۔ یہ عَبْدَ يَعْبُدُ سے مشتق ہے یعنی ناپسند کرنے والوں میں سے میں پہلا ہوں گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عبید یعنی عبد کا اسم فاعل عَبْد آتا ہے بہت ہی کم اسے عابد کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم لغت میں قلیل استعمال ہونے والے اور شاذ استعمال ہونے والے مادہ کو ذکر نہیں کرتا بلکہ معنی ہے میں وہ پہلا شخص ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا کہ وہ واحد ہے اس کی کوئی اولاد نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے حرم میں داخل ہوئی اس عورت نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا اس کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَحَبْلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (احقاف: 15) ایک اور آیت میں فرمایا: وَفِضْلُهُ فِي عَامَيْنِ (التمان: 14) اللہ کی قسم! حضرت عثمان نے کوئی ناپسند نہ کیا کہ اس امر کی طرف لوٹیں (1)۔ عبد اللہ بن وہب نے کہا: معنی ہے انہوں نے اسے ناپسند نہ کیا۔ ابن اعرابی نے کہا: فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ کا معنی ہے میں سب سے پہلا غضبناک ہونے والوں اور ناپسند کرنے والوں میں سے ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے میں تمہارے برعکس سب سے پہلا شخص ہوتا جو اس کی وحدانیت پر اس کی عبادت کرتا۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوتا۔ اور یہ حکایت کی عبدنی حقی۔ اس نے میرے حق کا انکار کیا۔ اہل کوفہ نے عاصم کے علاوہ ولد پڑھا ہے باقی قراء اور عاصم نے ولد پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے: سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۱﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر اس امر سے اپنی پاکی بیان کی ہے جو حادث ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کلام بھی تقدیس و تنزیہ کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ان تمام چیزوں سے جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

فَذَرَهُمْ يَخُوضُونَ وَيُلْعَبُونَ أَمْ رَادُ الْكَفَّارِ مَكَّهُمْ حِينَ جَبَّ أَعْيُنُهُمْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَيْسَ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَاطِلٍ ﴿۱۲﴾
ماتے رہیں اور اپنی دنیا میں کھیلتے رہیں۔

حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۱۳﴾ یا تو اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت محکم ہے اسے دھمکی دینے کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔ ابن محیسن، مجاہد، حمید، ابن قعقاع اور ابن سمیع نے اسے حَتَّىٰ يُلَاقُوا پڑھا ہے (2) یعنی الف نہیں، یہاں، سورہ طور اور سورہ معارج میں قاف کو فتح دیا ہے جبکہ باقی قراء نے یلا قوا پڑھا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۱۴﴾

”اور وہی ایک، آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

ان کو جھٹلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی آسمان و زمین میں مستحق عبادت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے کہا: معنی ہے وہی ذات آسمان اور زمین میں معبود ہے یعنی دونوں میں اسی کی عبادت کی

جاتی ہے۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ نے یوں قراءت کی ہے وہو الذی فی السماء اللہ ولی الارض اللہ یہ مصحف کے خلاف ہے (1) اِلٰہَ کورفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ذات جو آسمان میں ہے وہ معبود ہے؛ یہ ابوعلی کا قول ہے۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے ضمیر کا حذف کرنا اچھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی، علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَالَّذُو صَلَّبَئُكُمْ فِي جُدُوْعِ النَّخْلِ** (طہ: 71) اس میں فی علی کے معنی میں ہے یعنی وہ آسمان اور زمین پر قادر ہے۔ **وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ** (5) اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

**وَتَبْرَكَ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ
وَإِلَيْهٖ تُرْجَعُوْنَ** (5)

”اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور

اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

تَبْرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے **وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ** اس کے قیام کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے **وَإِلَيْهٖ تُرْجَعُوْنَ** ابن کثیر، حمزہ اور نسائی نے اسے والیہ یرجعون پڑھا ہے باقی قراءت نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن محیسن، جمید، یعقوب اور ابن ابی اسحاق اپنے اصول کے مطابق علامت مضارع کوفتہ اور باقی ضمہ دیتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (5)

”اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا، ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق

کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ** من محل جر میں ہے **الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ** سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یعنی یہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے مگر اس کے حق میں جو حق کی گواہی دے اور علم و بصیرت پر ایمان لائے؛ یہ سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کہا: حق کی شہادت **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **من محل رفع میں ہے**، یعنی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ مراد معبودان باطلہ ہیں۔ قتادہ کے قول میں ہے: معبود اپنے عبادت گزاروں کے حق میں شفاعت نہیں کر سکتے مگر وہ معبود جو حق کی گواہی دیں جیسے حضرت عزیر علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کیونکہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں (2)۔ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** جو انہوں نے گواہی دی اس کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نصر بن حارث اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اگر (حضرت) محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تو ہم تو فرشتوں کے دوست ہوئے وہ فرشتے اس

کی بجائے ہمارے حق میں شفاعت کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملائکہ، بت، جن یا شیاطین ان کے حق میں شفاعت کریں گے، قیامت کے روز کسی کے حق میں کوئی شفاعت نہیں۔

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی مومنوں کے حق میں شفاعت کریں گے جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے کیا مراد ہے یعنی وہ یہ گواہی دے لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر یہ عبادت کرنے والے اس کے حق دار نہیں کہ کوئی ان کی شفاعت کرے مگر جو حق کی گواہی دے کیونکہ جو حق کی گواہی دے گا اس کے حق میں شفاعت کی جائے گی اور مشرک کے حق میں شفاعت نہیں کی جائے گی۔ الا یہ لیکن کے معنی میں ہے۔ مشرک شفاعت نہیں پائیں گے مگر شفاعت وہ پائے گا جو حق کی گواہی دے گا۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو، کیونکہ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ میں ملائکہ بھی شامل ہیں یوں کہا جاتا ہے: شفعتہ، شفعت لہ، جس طرح کلتہ، کلت لہ۔ سورہ بقرہ میں شفاعت کا معنی اور اس کا اشتقاق گذر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے مراد ہے جس کے حق میں فرشتے گواہی دیں کہ وہ دنیا میں حق پر تھا جبکہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے یا انہوں نے اسے ایمان کی حالت میں دیکھا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ یہ کلام دو معنوں پر دلالت کرتی ہے: (1) حق کے بارے میں سفارش نفع نہیں دیتی مگر جب علم ہو اور تقلید بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک مقالہ کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو۔ (2) حقوق اور دوسرے امور میں تمام شہادات کے لیے شرط یہ ہے کہ شاہد اس کے بارے میں آگاہ ہو، اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: إِذَا رَأَيْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَأَشْهَدْ وَإِلَّا فَدَع (1) جب تو سورج کی طرح کسی امر کو دیکھے تو گواہی دے بصورت دیگر اسے چھوڑ دے۔

وَلِئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۱۱﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں۔“

وَلِئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ فَأَلَّىٰ يُؤْفَكُونَ کیسے اس کی عبادت سے پلٹتے ہیں اور اس سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کے ساتھ اوروں کو شریک کر لیا، وہ محض ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ أَفَلَا يَأْفِكُ أَفْكَاءَ السُّمِّ دِوَا اور اسے کسی چیز سے پھیر دیا، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَّكَ مِنَ الْكُفْرَانِ (احقاف: 22) ایک قول یہ کیا گیا: اگر آپ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں کس نے انہیں پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔ فَأَلَّىٰ

يُؤْفِكُونَ ۝ تو یہ لوگ جو انہیں معبود قرار دیتے ہیں اس میں کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَقِيلَهُ يَرْبِ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

”اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔“

قبیلہ میں تین قراءتیں ہیں: نصب، جر اور رفع (1)۔ جہاں تک جر کا تعلق ہے یہ عاصم اور حمزہ کی قراءت ہے جس نے اسے جر دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوئی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَعِلْمُ قَبِيلِهِ جس نے اسے نصب دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَعْلَمُ قَبِيلَهُ یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے فراء اور اخفش نے کہا یہ جائز ہے کہ قَبِيلَهُ کا عطف انا لانسمع سرہم و نجواہم پر ہو۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس محمد بن یزید مبرد سے پوچھا قبیل کو تو کس چیز کے ساتھ نصب دیتا ہے؟ کہا: میں اسے ہوئی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَعْلَمُ قَبِيلَهُ کے ساتھ نصب دیتا ہوں۔ اس تو جیہہ کی صورت میں تُزَجُّونَ اور يَعْلَمُونَ پر عطف اچھا نہیں اور يَكْتُبُونَ پر عطف اچھا ہوگا۔ فراء اور اخفش نے قبیل کو اس معنی کی بناء پر نصب دی۔ لَا نَسْهَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَقَبِيلَهُ جس طرح ہم نے ان سے ذکر کیا ہے۔ اس تو جیہہ کی بنا پر يَكْتُبُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء اور اخفش نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت میں نصب دی جائے۔ گویا یوں کلام کی: وَقَالَ قَبِيلَهُ وَشَكَا شِكْوَاهُ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ۔ جس طرح کعب بن زہیر نے کہا:

تَمَسَى الْوَشَاةُ جَنَابِيهَا وَقَبِيلَهُمْ إِنَّكَ يَا بَنِي أَسْمَى لَتَقْتُولُنَّ

چغل غور اس کی دونوں جانب چلتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے: اے ابن ابی سلمی! تو مقتول ہے۔

شاعر نے یہ ارادہ کیا ہے ویقولون قبیل۔ جس نے قبیلہ کو رفع دیا ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی وَعِنْدَهُ قَبِيلَهُ يَا قَبِيلَهُ مَسْمُوعٌ يَا قَبِيلَهُ هَذَا الْقَوْلُ۔ زمخشری نے کہا: جو انہوں نے کہا یہ معنی کے اعتبار سے قوی نہیں ساتھ ہی ساتھ معطوف اور معطوف علیہ میں فاصلہ ہے جبکہ یہ جملہ معترضہ بھی نہیں بن سکتا اور نظم میں تنافر پایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ قوی اور مناسب یہ ہے کہ جر اور نصب حرف قسم کے اضمار اور حذف کی بنا پر ہو۔ اور رفع ان کے اس قول کی بنا پر ہو ائین الله، أمانة الله، یبین الله، لعمرک۔ الله تعالیٰ کا فرمان: إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ جواب قسم ہوگا۔ گویا فرمایا: وَأَقْسَمُ بِقَبِيلِهِ يَا رَبِّ يَا قَبِيلَهُ قَسَمِي أَنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ۔ ابن انباری نے کہا: عربی زبان میں وقیلہ رفع کے ساتھ بھی جائز ہے اس شرط پر کہ تو اسے إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ کے ساتھ رفع دے۔ مہدوی نے کہا: یا تقدیر کلام یہ ہے وقیلہ قبیلہ یا رب۔ دوسرے قبیلہ کو حذف کر دیا گیا جو خبر ہے اور یا رب کا محل خبر مضمیر کی وجہ سے نصب ہے یہ ممتنع نہیں جبکہ موصول کے بعض کو حذف کرنا اور بعض کو باقی رکھنا ممتنع ہے کیونکہ قول کا حذف بہت زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مذکور کے حکم میں ہو گیا ہے۔ قبیلہ میں ہا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہے جبکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ - ابو قلابہ نے پڑھایا رب، قیل، قول کی طرح مصدر ہے اسی معنی میں حدیث ہے نہی عن قیل وقال، قیل وقال سے منع کیا۔ یوں بھی جملہ کہا جاتا ہے: قلت قوله وقیلا وقالا سورة نساء میں موجود ہے وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

فَاَصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

”پس (اے حبیب) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے: تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے۔“

قادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر ان کو قتل کرنے کا حکم کیا پس صلح کا حکم نکلو اور والے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے فَاَصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے وَقُلْ سَلَامٌ یعنی انہیں اچھی بات کہیں یعنی مکہ کے مشرکوں کو کہو فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ پھر اسے سورہ براءۃ میں منسوخ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (آیت: 5) ایک قول یہ کہ گیا ہے: یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں عام قراءت فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو دھمکی کی خبر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے تعلیم پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مشرکین کو دھمکی کا خطاب ہے۔ سَلَامٌ یہ علیکم کے مضمحل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے: یہ فراء کا قول ہے اس کا معنی ہے انہیں لفظ سلام کہہ کر الوداع کر دیں یہ ان کے لیے سلام نہیں یہ نقاش نے بیان کیا ہے؛ شعیب بن حجاب نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس ذریعے یہ پہچانا کہ انہیں سلام کیسے کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سورۃ الدخان

﴿سورة الدخان مكية 24﴾ ﴿سورة علقا 3﴾ ﴿سورة الدخان مكية 24﴾ ﴿سورة علقا 3﴾

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر یہ آیت **إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا** یہ ستاون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نسخہ آیات ہیں۔ مسند داری میں حضرت ابو رافع سے مروی ہے جس نے جمعہ کی رات سورۃ الدخان پڑھی وہ صبح بخشنے ہوئے کرے گا اور حور عین سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ کے واسطے سے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کی شب سورۃ دخان پڑھی تو وہ صبح بخشنے ہوئے کرے گا“۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ نے یہ الفاظ نقل کیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے رات کے وقت سورۃ دخان پڑھی تو وہ صبح یوں کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہوں گے (1)“۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۃ دخان پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا“ (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمِّ ۙ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ ۱ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْمُبَرَّکِ ۙ ۲ اِنَّا كُنَّا مُنذِرِیْنَ ۙ ۳

”ح۔ میم۔ حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں

ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبر درآ کر دیا کرتے ہیں“۔

اگر تو میم کو جواب قسم بنائے تو کلام المبین پر مکمل ہو جائے گی پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے گا **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ اَگر تو اِنَّا كُنَّا مُنذِرِیْنَ** کو اس قسم کا جواب بنائے جو قسم الکتاب ہے تو تو مُنذِرِیْنَ پر وقف کرے گا اور **فِیْهَا یُفَرِّقُ كُلَّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ** سے نئی کلام شروع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ** ہے۔ بعض نحو یوں نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ مقسم ہمکن صفت ہے تو مقسم بہ کی صفت جواب قسم نہ ہوگی اور **اَنْزَلْنٰهُ** ہاء قرآن کے لیے ہے۔ جس نے کہا: باقی کتابوں کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ** میں ضمیر سے مراد غیر قرآن ہے جس کا بیان سورۃ احزاب کی ابتدائی حصہ میں ہو چکا ہے لیلۃ۔ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے (3)۔ اس کے چار نام ہیں 1۔ لیلۃ مبارکہ، 2۔ لیلۃ البراءة، 3۔ لیلۃ الصک، 4۔ لیلۃ القدر (4)۔ اس کی صفت برکت سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکات، خیرات اور ثواب اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی تم الدخان، جلد 2، صفحہ 112

4۔ ایضاً

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 244

2۔ ترمذی، جلد 1، صفحہ 581، حدیث نمبر 2634

قنادہ نے حضرت وائلہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صحف ابراہیم رمضان شریف کی پہلی رات میں نازل کیے گئے۔ تورات نازل ہوئی جبکہ رمضان شریف کے چھ دن گذر چکے تھے۔ زبور اس وقت نازل ہوئی جب رمضان شریف کے بارہ دن گذر چکے تھے۔ انجیل اس وقت نازل ہوئی جب رمضان کے اٹھارہ دن گذر چکے تھے اور قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا جب رمضان کے چوبیس دن گذر چکے تھے۔“ پھر یہ قول کیا گیا ہے کہ پھر قرآن اس رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر تھوڑا تھوڑا باقی دنوں میں اسباب کے موافق نازل ہوتا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر لیلۃ القدر کو اتنا نازل ہوتا جتنا پورے سال میں نازل ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے نزول کا آغاز اس رات میں ہوا۔ عکرمہ نے کہا: لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ (القدر) قنادہ اور ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن لیلۃ القدر میں ام الكتاب سے بیت العزہ کی طرف جو آسمان دنیا میں ہے نازل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ پر راتوں اور دنوں میں تیس سالوں میں نازل کیا۔ یہ بحث سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (185) میں گذر چکی ہے۔ ان شاء اللہ ابھی یہ بحث آئے گی۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ ○

”اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ دنیا کے امور کا اگلی لیلۃ القدر تک فیصلہ فرمادیتا ہے وہ چیز زندگی سے متعلق ہو، موت سے متعلق ہو یا رزق سے متعلق ہو (2)؛ یہ قنادہ، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر بدبختی اور سعادت مندی، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مہدوی نے کہا: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو کچھ اس سال میں ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ شعبان کی نصف کی رات ہے جس میں سال بھر کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مردوں سے زندوں کو لکھ لیا جاتا ہے حاجیوں کے کام لکھ لیے جاتے ہیں، اس میں نہ کسی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس میں سے کوئی فرد کم کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان بن مغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے مرنے والوں کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کا نام مردوں میں شامل ہو چکا ہوتا ہے“ (4)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے ”جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس کی رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں کیا کوئی مصیبت کا شکار ہے کہ میں اس کی مصیبت کو دور کروں کیا کوئی رزق طلب

کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق دوں کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے؟ یہاں تک کہ فجر صادق طلوع ہو جاتی ہے“ (1)۔ اسے تعلیمی نے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس کی ہم معنی روایت حضرت عائشہ صدیقہ بنتی شہما سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے تو بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ افراد کو بخشش دیتا ہے“ (2)۔ اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے ابو عیسیٰ نے کہا: حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہم صرف حجاج بن ارطاہ سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی شہما کی سند سے مرفوع جانتے ہیں میں نے محمد کو سنا وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے کہا: یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاہ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت نہیں سنی۔ میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ کی طویل حدیث صاحب کتاب العروس نے ذکر کی ہے اور اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ رات جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے وہ شعبان کی نصف رات ہے اسے لیلۃ البراءۃ کہتے ہیں ہم نے اس کا قول اور اس کا رد کسی اور موقع پر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے جس طرح ہم نے وضاحت کی ہے۔

حماد بن سلمہ، ربیعہ بن کلثوم سے روایت نقل کرتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے پوچھا جب کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا: اے ابوسعید! بتائیے کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوا کرتی ہے؟ فرمایا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر رمضان میں ہوتی ہے یہ وہی رات ہے جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہر مخلوق موت رزق اور عمل کا اس کی مثل تک فیصلہ فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: لیلۃ القدر کو ام الکتاب میں سے جو کچھ لکھا جاتا ہے جو کچھ سال میں ہوا ہوتا ہے وہ موت ہو زندگی ہو رزق ہو اور بارش ہو حتیٰ کہ حج (3)۔ یہ کہا جاتا ہے: فلاں حج کرے گا فلاں حج کرے گا اور اس آیت کے بارے میں فرمایا: تو ایک آدمی کو بازاروں میں چلتا ہوا دیکھے گا جب کہ اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔ یہ وضاحت اس طبقہ کو پختہ کرنے کے لئے ہے یہ ان فرشتوں کے لئے ہے جو اسباب خلق پر معین ہیں۔ ہم نے اس کی وضاحت ابھی ابھی کی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: جمہور علماء نے کہا اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: وہ نصف شعبان کی رات ہے (4)۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ: 185) اس امر پر وضاحت کی کہ نزول کا وقت رمضان ہے پھر یہاں اس کا زمانہ رات کو معین کیا ارشاد فرمایا فِي لَيْلَةِ مُنَوَّكَةٍ جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ رمضان شریف کے علاوہ میں ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر عظیم بہتان بنایا ہے نصف شعبان کی رات کے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے نہ تو اس کی فضیلت میں کوئی حدیث ہے اور نہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة، ما جاء من لیلۃ نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1377، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة، ما جاء من لیلۃ نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1378، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 246

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 245

ہی اوقات کے منسوخ کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ہے تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے لیلۃ برائۃ میں لوح محفوظ سے لکھنے کا عمل شروع ہوگا اور لیلۃ القدر میں اس سے فراغت ہوگی (1)۔ رزقوں کا نسخہ حضرت میکائیل کے حوالے کیا جائے گا حروب کا نسخہ حضرت جبریل کے حوالے کیا جائے گا اور اسی طرح زلزلوں صاعقوں اور دھنسانے کا معاملہ سپرد ہوگا اعمال کا نسخہ حضرت اسماعیل جو آسمان دنیا کے ذمہ دار ہیں ان کے سپرد ہوگا جو عظیم فرشتہ ہے۔ مصائب والانسہ (مسودہ) ملک الموت کے حوالے کیا جائے گا۔ بعض سے یہ مروی ہے: ہر عامل کو اس کے اعمال کی برکات عطا کی جائیں گی مخلوق کی زبانوں پر اس کی مدح ڈال دی جائے گی اور ان کے دلوں پر ہیبت ڈال دی جائے گی۔ اسے یُفْرِقُ اور یُفْرِقُ بھی پڑھا گیا ہے ہر ایک میں صیغہ معروف ہوتا ہے اور کل کو نصب دی جائے گی جدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نَفَرُقُ پڑھا ہے۔

كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ ۝ یہ امر حکمت والا ہے ہر عمل کرنے والا ہے حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۝ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَاحَةً مِّنْ رَبِّكَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

”ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول بھیجنے والے ہیں ہر اپنا رحمت آپ کے رب کی طرف سے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا نقاش نے کہا: امر سے مراد قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی جناب سے نازل کیا ہے (2)۔ ابن عسپی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے احوال میں سے فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ مصدر ہے اور حال کے محل میں ہے۔ اسی طرح رَاحَةً مِّنْ رَبِّكَ ہے انفس کے نزدیک دونوں حال ہیں ان کی تقدیر ہے انزلناہ آمرین بہ و راحین۔ مبرونے کہا: أَمْرًا مصدر کے محل میں ہے تقدیر کلام ہے انزلناہ انزالا فراء اور زجاج نے کہا: أَمْرًا، يُفْرِقُ کی وجہ سے منصوب ہے۔ جس طرح تیرا قول ہے: یُفْرِقُ فراقا پس امر، فرق کے معنی میں ہوگا یہ مصدر ہے جس طرح تیرا قول یضرب ضربا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یُفْرِقُ، یومر بردالت کرتا ہے یہ اس عمل کا مصدر ہے جو اس سے قبل ہے۔ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَاحَةً مِّنْ رَبِّكَ۔ فراء نے کہا رَاحَةً، مُرْسِلِينَ کا مفعول بہ ہے۔ رحمة سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ زجاج نے کہا: رحمة مفعول بہ ہے تقدیر کلام ہے ارسلناہ للرحمة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: أَمْرًا اختصاص کے طور پر منصوب ہے۔ ہر امر کو عظیم بنایا کہ اس کی صفت حکیم سے بنائی پھر اس کی عظمت میں اضافہ کیا اور فی امت عطا کی کہ یہ کہا اس امر سے میری مراد یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جو ہماری جناب سے حاصل ہے، یعنی ہماری جناب سے واقع ہوگا اور جس طرح ہمارے علم اور ہماری تدبیر نے تقاضا کیا۔ زید بن علی کی قراءت میں ہے امر من عندنا تقدیر کلام یہ ہوگی ہوا امر یہ اس کے اختصاص کی بنا پر منصوب ہونے پر دل ہے۔ حضرت حسن بصری نے رحمة پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ہی رحمة یہ اس کے مفعول لہ کے طور پر منصوب ہونے کی مددگار ہے۔

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي
وَيُمِيتُ ۚ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝

”وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے، بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔“

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کو فیوں نے رب جر کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** کی طرف لوٹے گا، چاہے تو اس سے کلام کو شروع کرے **جَزَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔ یا یہ مبتدا مخدوف کی خبر ہو، تقدیر کلام ہو **رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔

جر یہ **هِنَّ تَرَاتِكُ** سے بدل ہونے کی وجہ سے ہوگی، اسی طرح **رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ** دونوں میں جر کی صورت ہوگی؛ شیزری نے نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے استئناف کے طریقہ پر مرفوع پڑھا ہے۔ پھر یہ احتمال موجود ہے کہ یہ خطاب اس معترف کو ہو جو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے یعنی اگر تم اس کا یقین رکھتے ہو تو جان لو کہ اس کا حق ہے کہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل کرے۔

یہ بھی جائز ہے کہ خطاب اس کو ہو جو اس کے خالق ہونے کا اعتراف نہیں کرتا یعنی چاہیے کہ اس کے خالق ہونے کا اعتراف کریں اور یہ اعتراف کریں کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں موقف سے مراد وہ ہے جو یقین کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو طلب کرتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان یسجد، وہ مجد کا ارادہ کرتا ہے، فلان یتهم وہ تہامہ کا ارادہ کرتا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وہ عالم کا خالق ہے اس لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے۔ **رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ** یعنی تمہارا مالک ہے اور تم سے پہلوں کا مالک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے سے بچو تا کہ تم پر عذاب نازل نہ ہو **بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ** یعنی جس ایمان اور اقرار کا اظہار کرتے ہیں اس میں یقین پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے وہ یہ بات علم کے بغیر اپنے آباء کی تہلیل میں کہتے ہیں پس وہ شک میں مبتلا ہیں اگر وہ یہ وہم کرتے ہیں کہ وہ مومن ہیں تو وہ اپنے دین میں اس چیز کے ساتھ کھلتے ہیں جو ان کے لیے بغیر حجت کے ظاہر ہوگا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ **يَلْعَبُونَ** کا معنی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استہزاء کے طور پر جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ جو آدمی مواعظ سے اعراض کرتا ہے اسے لاعب کہتے ہیں، وہ اس بچے کی مانند ہوتا ہے جو کھیلتا ہے اور وہ کرتا ہے جس کے انجام سے آگاہ نہیں ہوتا۔

فَأَن تَقْبَلُوا مِنَّا السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۚ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

”پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں جو چھا جائے گا لوگوں

پر، یہ دردناک عذاب ہوگا۔“

فَأَمَّا تَقَبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ اِرتقب کا معنی ہے اے محمد! مصلیٰ ﷺ آپ ان کفار کے ساتھ انتظار کریں جس آسمان پر واضح دھواں ہوگا: یہ قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بات کو یاد رکھیے تاکہ جس روز آسمان پر واضح دھواں ہوگا اس روز آپ ان پر گواہی دیں، اسی وجہ سے نگہبان کو رقیب کہتے ہیں۔ دخان کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یہ ابھی ظاہر نہیں ہوا یہ زمین میں چالیس روز تک رہے گا جو زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر زکام ہوتا ہے جہاں تک کافر اور فاجر کا تعلق ہے تو وہ دھواں ان کے ناکوں میں داخل ہوگا اور ان کے کانوں میں سرخ کر دے گا اور ان کی سانسیں تنگ پڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز یہ جہنم کے آثار میں سے ہوگا۔ جس نے کہا: یہ دھواں ابھی ظاہر نہیں ہوا وہ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم، زید بن علی، حضرت حسن بصری، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت نقل کی ہے: ”وہ ایسا دھواں ہوگا جو قیامت کے روز لوگوں پر سختی سے گردش کر رہا ہوگا (1)۔ مومن اس سے زکام جیسی تکلیف محسوس کرے گا اور کافر پھونکے مارے گا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے وہ دھواں نکلے گا“ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو الطفیل سے وہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ اچانک تشریف لائے جبکہ ہم گفتگو کر رہے تھے۔ پوچھا: ”تم کیا باتیں کہہ رہے تھے؟ (2)“ ہم نے عرض کی: ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا: ”قیامت ہرگز برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے قبل دس نشانیاں دیکھو گے اور ان کا ذکر کیا دھواں، دجال، دابہ، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین دفعہ دھنسا، ایک دھنسا مشرق میں، ایک دھنسا مغرب میں اور ایک دھنسا جزیرہ عرب میں ہوگا ان کے آخر میں آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔“

ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر ہوں گی مشرق میں دھنسا، مغرب میں دھنسا، جزیرہ عرب میں ایک دفعہ دھنسا، دھواں، دجال، دابہ الارض، یاجوج ماجوج، سورج کا مغرب سے نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔“ اسے ثعلبی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی دجال کا نکلنا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم کا نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا (3) جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ

آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے یہ آگ بھی قیلولہ کرے گی، جہاں وہ صبح کریں گے یہ آگ بھی صبح کرے گی، جہاں لوگ شام کریں گے یہ آگ بھی شام کرے گی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَأَمَّا تَقَابُوتَ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ جو مغرب و مشرق کو بھر دے گا یہ دھواں چالیس دن اور راتیں رہے گا، جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے زکام جیسی تکلیف لاحق ہوگی، جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ نشے والے آدمی کی حالت کی طرح ہوگا، دھواں اس کے منہ، اس کے نٹوں، اس کی آنکھوں، اس کے کانوں اور اس کی دبر سے نکلے گا۔ یہ ایک قول ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ دھوئیں سے مراد وہ بھوک ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعا سے قریش کو پہنچی تھی یہاں تک کہ ایک آدمی آسمان اور زمین کے درمیان دھواں دیکھتا: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا اگر یہ قیامت کے دن ہوتا ان سے اس دھوئیں کو دور نہ کیا جاتا۔ ان سے یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام بخاری نے کہا: یعنی، ابو معاویہ سے، وہ اعمش سے وہ مسلم سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ نے کہا: یہ قحط اس لیے آیا تھا کیونکہ قریش نے جب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو نبی کریم ﷺ نے اس خشک سالی کے مسلط ہونے کی دعا کی انہیں قحط اور مشقت نے آیا یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں ایک آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اور آسمان کے درمیان دھوئیں جیسی چیز کو دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا کہا: لوگ حضرت محمد مصطفیٰ علی السحتیہ والثناء کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے مضر کے لیے بارش کو طلب کیجئے کیونکہ وہ تو ہلاک ہو جاتے ہیں (1)۔ فرمایا: ”مضر کے لیے تو تو بہت جری ہے“ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کی، تو ان پر بارش ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی إِنَّكُمْ عَايِدُونَ ۝ جب ان کے پاس خوشحالی آتی تو وہ پھر اس حالت کی طرف لوٹ آتے۔ یہ خوشحالی کی حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَوْمَ نَبُطِسُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۝ إِنَّكُمْ تَقْمُونَ ۝ کہا: اس سے مراد غزوہ بدر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دخان کا معنی خشک سال ہے۔ قحطی نے کہا: زمین کے خشک ہونے کی وجہ سے اسے دھواں کا نام دیا جب وہ زمین سے اٹھتی ہے جس طرح دھواں۔

3۔ اس سے مراد فتح مکہ ہے جب غبار نے آسمان کو چھپا دیا؛ یہ عبد الرحمن اعرج کا قول ہے۔

يَقْشِرُ النَّاسَ يَدُخَانٍ كِي صَفْتِ هِ۔ اَگر مراد وہ ہے جو ابھی گزرا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا تو یہ اہل مکہ کے مشرکوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے تو یہ عام ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں یہ ارشاد فرمائے گا۔ جس نے کہا: دخان (دھواں) گزر چکا ہے تو هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ حال ماضیہ کی حکایت ہے، جس نے اسے آنے والے واقعات میں شمار کیا ہے تو وہ آنے والے حالات کی حکایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هذا يذ لك کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس دھوئیں کے بارے میں کہیں گے: یہ

دردناک عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے قریب آنے کی خبر ہے جس طرح تو کہتا ہے: هذا الشتاء فاعد له یہ موسم سرما ہے اس کے لیے تیاری کرو۔

رَبَّنَا كَشِفْنَا عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

” (اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں۔“
وہ عرض کریں گے: ہم سے عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں یعنی اگر تو ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اگر اللہ تعالیٰ ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم اسلام لے آئیں گے پھر انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں عذاب سے مراد دھواں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد بھوک ہے؛ نقاش نے اس کی حکایت بیان کی۔
میں کہتا ہوں: کوئی تناقض نہیں کیونکہ دھواں اس بھوک کی وجہ سے تھا جو انہیں لاحق ہوئی جس طرح یہ بحث گذری ہے بعض اوقات بھوک اور قحط کو بھی دخان کہتے ہیں کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے زمین خشک ہوتی ہے اور بارشوں کے کم ہونے کی وجہ سے غبار بلند ہوتا ہے اسی وجہ سے خشک سالی کو غبراء کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہاں عذاب سے مراد برف ہے۔ ماوردی نے کہا: اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا یا اہل مکہ کے لیے ہوگا جبکہ مکہ برف باری کا علاقہ نہیں مگر یہ بات کی گئی تو ہم نے اس کا ذکر کر دیا (2)۔

أَلَيْسَ لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ

مَجْنُونٌ ﴿١٣﴾

”ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا: سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے۔“
أَلَيْسَ لَهُمُ الذِّكْرَى یعنی ان کے لیے عذاب کے نازل ہونے کے وقت کہاں سے نصیحت ہوگی۔ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ یعنی ایسا رسول جو ان کے لیے حق کو واضح کرتا ہے۔ ذکریٰ اور ذکرایک ہی چیز ہیں؛ یہ امام بخاری کا قول ہے (3)۔
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی انہوں نے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت حاصل کرنے سے دور کر دیا تو اب وہ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد اور قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد ان کا قول إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾ انہیں کیسے نفع دے گا جبکہ علامات علم بدیہی بن چکی ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب تو دخان کو ایسی علامت بنائے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٣﴾ یعنی اسے کسی انسان نے تعلیم دی یا اسے کاہنوں اور شیاطین نے

تعلیم دی ہے اس سے بڑھ کر یہ مجنون ہے رسول نہیں ہے۔

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَاپِدُونَ ﴿٥﴾

”ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔“

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا یعنی وقتاً قلیلاً۔ وعدہ کیا کہ ان سے وہ عذاب تھوڑے عرصہ کے لیے دور کر لیا جائے گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والے نہیں، بلکہ اس عذاب کے دور ہونے کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش کی دعا کرنے کے بعد عذاب دور ہو گیا تو وہ جھٹلانے والے طریقہ کی طرف لوٹ گئے (1)۔ جس نے یہ کہا تھا: دھویں کا انتظار کیا جا رہا ہے کہا اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں کے درمیان کچھ نہ کچھ سہولت و رخصت ہوگی پھر جس پر کفر کا فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا۔ جس نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اگر ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں تو تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم ہماری طرف لوٹنے والے ہو، یعنی تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم ایمان نہ لائے تو تم جہنم کی آگ کی طرف لوٹنے والے ہو (2)۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطِشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿٦﴾

”جس روز ہم انہیں شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے۔“

يَوْمَ یہ لفظ اسی پر محمول ہے جس پر مُنتَقِمُونَ ﴿٦﴾ دلالت کرتا ہے یعنی ہم ان سے انتقام لیں گے۔ بعض نحو یوں نے اسے بعید از حقیقت خیال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مابعد ماقبل کی تفسیر بیان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مُنتَقِمُونَ ہے یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ ان اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسے عَاپِدُونَ کے متعلق کرنا بھی اچھا نہیں اور اسی طرح إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ کے متعلق کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ معنی کا اس پر انحصار نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے مضمحل ہونے کے ساتھ اسے نصب دی جائے گو یا فرمایا: ذکرم یا اذکر۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم لوٹنے والے ہو۔ جب تم لوٹو گے تو تم سے اس روز انتقام لیا جائے گا جس روز ہم بڑی پکڑ سے پکڑیں گے۔ اس وجہ سے یہ فرعون کے قصہ کے ساتھ کلام ملی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے پھر وہ ایمان نہ لائے یہاں تک کہ غرق کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَاپِدُونَ ﴿٥﴾ یہ کھل کلام ہے۔ پھر يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطِشَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٦﴾ نئی کلام ہے یعنی ہم تمام کفار سے انتقام لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دھویں کا انتظار کرو اور ان کا انتظار کرو جس روز ہم پکڑیں گے تو واؤ عطف کو حذف کیا گیا جس طرح تو کہتا ہے: نأتق النار أتق العذاب۔

البَطْشَةُ الْكُذْبَى حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول میں اس سے مراد یوم بدر ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا: قیامت کے روز عذاب جہنم مراد ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے؛ اسے زجاج نے پسند کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ دھواں ہے جو دنیا میں واقع ہوگا یا بھوک یا قحط جو قیامت سے پہلے واقع ہوگی۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا ہے کیونکہ دنیا میں یہ پکڑوں میں سے آخری پکڑ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نغمہ اور عقبہ میں فرق ہے عقوبت، معصیت کے بعد ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی عاقبہ میں سے ہے نغمہ بعض اوقات پہلے ہوا کرتی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقوبت اسے کہتے ہیں جو اندازہ سے ہو اور انتقام جو اندازہ سے نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٥﴾

”اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول۔“

یعنی ہم نے انہیں آزمایا (3)۔ اس فتنہ اور ابتلا کا معنی ہے طاعت کا امر، یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کر کے متحن کا سا معاملہ کیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اے محمد! سَلِّمْ عَلَيْهِمُ اِگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم تیرے دشمنوں کے ساتھ اسی قوم کا معاملہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کو فتنہ میں ڈالنے کا مطلب ہے ہم نے انہیں غرق کرنے کے ساتھ عذاب میں ڈالا۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آل فرعون کے پاس رسول کریم آئے تو ہم نے انہیں غرق کر دیا کیونکہ فتنہ رسول کے آنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ کَرِيمٌ کا معنی ہے وہ اپنی قوم میں معزز تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اخلاق میں کریم تھے یعنی درگزر سے کام لیتے تھے (4)۔ فراء نے کہا: وہ اپنے رب کی بارگاہ میں معزز تھے کیونکہ آپ کو نبوت اور کلام سنانے کے لیے مختص کیا گیا۔

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مَّرْسُورٌ ﴿١٥﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَيَّ اللَّهُ ۚ إِنِّي أَنَا رَبُّكُمْ

بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿١٦﴾

”اس نے فرمایا تھا کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں اور نہ سرکشی

کر دو اللہ کے مقابلہ میں، میں لے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل۔“

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے وہ ان کے پاس آیا اس نے کہا میری اتباع کرو عِبَادَ اللَّهِ یہ منادی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ کے بندوں کو میرے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب سے آزاد کر دو۔ اس تعبیر کی بنا پر عباد اللہ، مفعول بہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مجھے اپنی قوت سماعت دو یعنی میری بات سنو یہاں تک کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ یعنی میں وحی پر امین ہوں پس میری نصیحتوں کو قبول کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں تم سے لیتا ہوں اس میں امین ہوں میں اس میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔

وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۝ تم اس پر تکبر نہ کرو اور اس کی طاعت سے اپنے آپ کو بلند نہ جانو۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ پر بغاوت نہ کرو (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے میں سستی نہ کرو۔ بغی اور افتراء میں فرق ہے ہنی فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور افتراء قول کے ساتھ ہوتا ہے (2)۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ پر عظیم نہ بنو (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کرو (4)۔ تعظیم اور استکبار میں فرق ہے تعظیم سے مراد متقدر فرد کا بڑا جانا اور استکبار کا معنی ہے ذلیل کم مرتبہ آدمی کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

إِنِّي أَنبِئُكُمْ بِسُلْطَنِ قَوْمِنِ ۝ قتادہ نے کہا: واضح عذر۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: واضح دلیل، معنی ایک ہی ہے، یعنی واضح دلیل۔

وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُؤُنِ ۝

”اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھر اوڑھ کر سکو۔“

گویا انہوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔ قتادہ نے کہا: تم پتھروں سے رجم کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مجھے گالیاں دو تو تم کہو جادو گر جھوٹا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے عُذْتُ کی ذال کو ظاہر کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔ ادغام تخفیف کو طلب کرنے کے لیے ہے اور اظہار اصل قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر یہ قول یہ کیا گیا ہے: زمانہ گذشتہ میں، میں نے تجھ سے پناہ چاہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور فرمایا: فلا یصلون الیکما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان اعدوؤں کے معنی میں ہے، جس طرح تو کہتا ہے: نشدتك باللہ، اقسیت علیک باللہ۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔

وَإِنْ لَّمْ تُوْثِقُوا بِي فَأَعْتَزِلُنِ ۝

”اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔“

وَإِنْ لَّمْ تُوْثِقُوا بِي فَأَعْتَزِلُنِ ۝ اگر تم میری تصدیق نہ کرو اور میری دلیل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ لی میرا اجنبیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہاں لام، باء کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاَصْرَ لَهُ لُؤْطُ (عنکبوت: 26) یہاں بھی لام، باء کے معنی میں ہے۔

فَاعْتَزِلُنِ ۝ مجھے چھوڑ دو نہ میری طرف داری کرو اور نہ میرے خلاف کسی کی مدد کرو: یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم مجھ سے الگ تھلک ہو جاؤ میں تم سے الگ تھلک ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھ سے اپنی اذیت کو روک دو (5)۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّهُ لَوْلَا آءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿١١﴾

”پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الہی) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں۔“

فَدَعَا رَبَّهُ اس میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فکفروا فد عاربہ۔ اَنَّ هُوَ لَوْلَا آءِ یہاں ان کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ اصل میں یہ بان تھا۔ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿١١﴾ وہ مشرک قوم ہیں، انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

فَأَسْرِبِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿١٢﴾

”(حکم ملا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَأَسْرِبِعِبَادِي لَيْلًا ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو

رات کے وقت لے چلو یعنی بنی اسرائیل میں سے جو ایمان لائے ہیں، لَيْلًا صبح سے پہلے۔

إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿١٢﴾ اہل حجاز نے فاسر ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے، ابن کثیر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے یہ سری سے

مشتق ہے باقی قراء نے اسے فاسر ہمزہ قطععی کے ساتھ پڑھا ہے یہ سری سے مشتق ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ سورہ

بقرہ، اعراف، طہ، شعراء اور یونس میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے

فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی۔ اس لیے دوبارہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت نکلنے کا حکم دیا تھا (1)، رات کا سفر عموماً خوف کی وجہ سے ہوتا

ہے۔ خوف دو وجہ سے ہوتا ہے۔ 1۔ دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کو پردہ بنایا جاتا ہے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کے پردوں میں

سے ایک پردہ ہے۔ 2۔ جانوروں اور جسموں پر مشقت اور تکلیف سے خوف کی وجہ سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ وجہ گرمی ہو یا

خشک سالی ہو۔ تو مصلحت کی غرض سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ رات کو سفر کرتے، رات کے پہلے پہر سفر

کرتے کبھی آہستہ چلتے اور کبھی جلدی کرتے، جس طرح ضرورت ہوتی اور مصلحت کا تقاضا ہوتا۔ صحیح میں نبی کریم ﷺ سے

مروی ہے: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَقَّهَا فِي الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا (2) جب تم

سرسبز و شادابی کے دور میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے اس کا حصہ دو (اپنے چرنے کا موقع دو) جب تم خشک سالی کے دور

میں سفر کرو تو جلدی چلو تا کہ مقصد کو پا لو جبکہ اونٹ میں قوت باقی ہو۔ سورہ نحل کے آغاز میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَأَشْرِكِ الْبَحْرَ سَاهُوا ۗ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿١٣﴾

”اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا، بے شک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سَاهُوا کا معنی راستہ ہے؛ یہ قول کعب اور حضرت حسن بصری کا بھی ہے۔ حضرت ابن

1۔ احکام القرآن ۱۱، ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1691

2۔ جامع ترمذی، کتاب الأدب، ما جاء في النصح والبيان، جلد 2، صفحہ 108

عباس بن ہریرہ نے کہا: اس کا معنی ہے راستہ۔ نحاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنی آسان ہے۔ علم رمانہ نے کہا: اس کا معنی خشک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَأَضْرَبَ لَہُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا** (طہ: 77) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جدا جدا۔ مجاہد نے کہا: کھلا، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: خشک، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: ساکن، لغت میں یہی معروف ہے، یہ قنادہ اور ہروی کا قول ہے۔ دوسروں نے کہا: کھلا۔ ابن عرفہ نے کہا: یہ دونوں ایک معنی کے طرف لوتے ہیں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں کیونکہ جب اس کا چلنا ساکن ہو جاتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے، اسی طرح سمندر اس کا چلنا ساکن ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کھل گیا۔ عربوں کے نزدیک رھو سے مراد ساکن ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: **جاءت الخیل رھوا۔ گھوڑے پرسکون آئے۔** شاعر نے کہا:

والخیل تَنْزَمُ رَهْوًا فِي أَعْتَمِهَا كَالطَّيْرِ تَنْجُو مِنَ الشُّؤْبِ ذِي الْبَرْدِ

گھوڑے تیزی سے گذرتے ہیں جبکہ ان کی لگا میں پرسکون ہیں، جس طرح پرندے ایسے بادل سے نجات پاتے ہیں جو موٹے قطرات والی بارش اور سردی والا ہو۔

جوہری نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے **افعل ذلک رھوا** یعنی سکون و وقار سے یہ کام کر۔ عیش راہ، پرسکون خوشحال زندگی، رھا البحر، سمندر پرسکون ہو گیا۔ ابو عبید نے کہا: **رہا بین رجليہ یزھو رھوا۔** یعنی اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِشْرَکُ الْبَحْرِ رھوا** رھو سے مراد نرم چال ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: **جاءت الخیل رھوا۔** ابن اعرابی نے کہا: **رہا یزھونی السیر** یعنی اس نے نرمی کی۔ قطامی نے سواری کے اونٹوں کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

یَنْشِینَ رَهْوًا فَلَا الْأَعْجَازُ خَاذِلَةٌ وَلَا الصُّدُورُ عَلَى الْأَعْجَازِ تَشْکِلُ

وہ نرمی سے چلتے ہیں ان کے پچھلے حصے کمزور نہیں اور نہ ہی ان کے سینے ان کے پچھلے حصوں کا سہارا لیتے ہیں۔ رھو اور رھوة سے مراد بلند جگہ ہے اور پست جگہ کو کہہ دیتے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ابو عبید نے کہا: رھو سے مراد وہ گڑھا ہے جو ایک قوم کے محلہ میں: جس میں بارش اور دوسرا پانی بہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”یہ فیصلہ ہو چکا۔ گھر کے مچن، راستہ، منقبہ (دو گھروں کے درمیان راستہ) رکھ (پچھلے کی جانب سے کمرے کا کنارہ) اور پانی کے رستے میں کوئی شفیع نہیں“۔ اس کی جمع رھاء آتی ہے **الرھو المرأة الواسعة الھن۔** وسیع خصالتوں والی عورت، اسے نسیر بن شمیل نے بیان کیا ہے۔ رھو سے مراد پرندے کی ایک قسم۔ اسے کرکی کہتے ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ رھو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت ہو: یہ قشیری کا قول ہے یعنی اپنی حالت پر پرسکون رہو۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی صفت ہے، یہ سمندر کی صفت نہیں۔ پہلی تعبیر کی صورت میں یہ سمندر کی صفت ہے یعنی جس طرح وہ تھا اسی طرح اسے ساکن رہنے دو جس طرح وہ جدا جدا تھا اسے ملنے کا حکم نہ دو یہاں تک کہ فرعون اور اس کی قوم داخل ہو جائے۔ قنادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ جب انہوں نے اپنے عصا کے ساتھ اسے الگ الگ کیا تھا (1) تو عصا مار کر سمندر کو ملا دیں یہ بھی خوف تھا کہ فرعون

ان کے پیچھے بھی نہ آجائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا گیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: رہو کا معنی سکون نہیں بلکہ اس سے مراد دو چیزوں کے درمیان کشادگی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رہا ما بین الرجلین اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ عیش راہ خوشحال زندگی، افعل ذلک سہوا رہو اس امر کو نرمی سے سختی کے بغیر کرو۔ ہم نے اس کا ذکر ابھی کیا ہے اِنَّهُمْ یعنی فرعون اور اس کی قوم جُنْدًا مُّعْرَقُونَ ﴿۱۰﴾ وہ غرق ہونے والے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی تاکہ ان کا دل پر سکون رہے۔

كَمْ تَرَ كُتُوبًا مِنْ جَنَّتٍ وَ عِيُونٍ ﴿۱۰﴾ وَ زُرُوعٍ وَ مَقَامِرٍ كَرِيمٍ ﴿۱۱﴾ وَ نَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿۱۲﴾

”وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔“

کَمْ کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ سورہ شعراء میں اس آیت کے معنی کے متعلق گفتگو گذر چکی ہے۔ نَعْمَةٌ نون کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی تنعم ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ناعمه الله و ناعمه فتتع الله تعالیٰ نے اس پر انعام کیا تو وہ اچھی و خوشحال زندگی گزارنے لگا۔ نعمة۔ کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی احسان ہے جو تجویز کیا جاتا ہے، اسی طرح نعی ہے۔ اگر تونون کو فتح دے گا تو اسے مدہ پڑھے گا تو کہے گا: نعاء۔ نعم اس کی مثل ہے۔ فلان و اسم النعمة۔ اس کے پاس وسیع مال ہے؛ یہ سب اقوال جوہری کی صحاح سے منقول ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نَعْمَةٌ سے مراد دریا ئے نیل ہے (1)۔ ابن لہیعہ نے کہا: فیوم ہے۔ ابن زیاد نے کہا: مصر کی سرزمین ہے جس میں بہت زیادہ منافع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوشحالی ہے۔ اسے نعمة اور نعمة دونوں طرح پڑھا جاتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ کہا: دونوں میں فرق کی دو وجوہ ہیں: 1۔ نون کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا اطلاق ملک میں ہوتا ہے اور فتح کے ساتھ ہو تو بدن اور وین میں ہوتا ہے؛ یہ نصر بن شمیل نے کہا ہے۔ 2۔ یہ کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی فضل و احسان کرنا اور عطیہ دینا ہے۔ فتح کے ساتھ ہو تو معنی تنعم ہے جس سے مراد خوشحال زندگی اور راحت ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ فرق صحاح میں موجود ہے، ہم اس کا ذکر چکے ہیں۔ ابورجاء، حضرت حسن بصری، ابواشہب، شرج، ابوجعفر اور شیبہ نے فکھین پڑھا ہے۔ یہ الف کے بغیر ہے اس کا معنی اترانے والے ہیں۔ جوہری نے کہا: فکھ الرجل اس سے اسم فاعل فکھ ہے جب وہ اچھے مزاج کا مزاج کرنے والا ہو۔ فکھ کا معنی بھی اترانے والا ہے۔ اسے و نعمة کانوا فیہا فکھین اس میں اترانے والے ہیں۔ فکھین لطف اندوز ہونے والے خوشحال۔ قشیری نے کہا: اس کا معنی ہے مزاج کرنے والے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: انہ لفاکھ۔ وہ مزاج کرنے والا ہے۔ فیہ فکاهة اس میں مزاج کی حس موجود ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح حاذر اور حذر، فار کا اور فر کا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فاکھ اسے کہتے ہیں جو لذت کی

باتیں سنتا ہے جس طرح کھانے والا مختلف قسم کے پھل کھاتا ہے (1)۔ فاکھہ اسے کہتے ہیں جو اس خوراک سے زائد ہو جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہوگا۔

كَذٰلِكَ ۙ وَاَوْسٰٓءُ قَوْمًا اٰخِرِيْنَ ۝۱۰

”یونہی ہم نے وارث بنا دیا تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو“۔

زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے الامر کذلک (2)۔ تو کذلک پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف، محل نصب میں ہے، معنی یہ بنے گا جس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: جو آدمی میری نافرمانی کرتا ہے میں اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معاملہ اس طرح تھا تو پس انہیں ہلاک کیا گیا۔

وَاَوْسٰٓءُ قَوْمًا اٰخِرِيْنَ ۝۱۰۔ قَوْمًا اٰخِرِيْنَ سے مراد بنو اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کے علاقہ کا مالک بنا دیا جبکہ وہ پہلے جس طرح غلام تھے تو وہ اس کے وارث بن گئے کیونکہ یہ چیزیں ان تک اس طرح پہنچیں جس طرح میراث کا مال پہنچتا ہے، اس کی مثل وَاَوْسٰٓءُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَعْفُوْنَ مَسٰرِقَ الْاَرْضِ وَمَعٰرِبَۭهَا ۙ (الاعراف: 137)

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝۱۱

”پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی“۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ ان پر آسمان اور زمین ان کے کفر کے باعث نہ روئے وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ اور انہیں غرق ہونے میں مہلت نہ دی گئی۔ عرب اپنے سردار کی موت کے وقت کہا کرتے تھے: بکت له السماء والارض اس کی مصیبت تمام اشیاء کو عام ہوگئی یہاں تک کہ آسمان، زمین، ہوا اور بجلی بھی روئے۔ بکتہ اللیالی الشاتیات۔ اس کے لیے موسم سرما کی راتیں روئیں۔ شاعر نے کہا:

فالريح تبكي شجوهها والبرق يدمع في الغمامة

ہوا اپنے غم کو رو دتی ہے اور بجلی بادل میں چمکتی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والشس طالعة ليست بكاسفة تبنى عليك نجوم الليل والقمر

سورج طلوع ہے وہ گرہن میں نہیں تجھ پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں۔

خارجیہ نے کہا:

أيا شجر الغابور مالك مورقا كأنك لم تجزم على ابن طريف

اے خابور کے درخت! کیا وجہ ہے تو پتے نکالے ہوئے ہے گویا تو ابن طریف پر غمگین نہیں۔

یہ تمثیل اور تخیل کا طریقہ جزع کرنے اور رونے میں مبالغہ کے لیے ہے اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوئے نہ ان کہ مصیبت عظیم ہوئی اور نہ ان کی گمشدگی کو محسوس کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں اضمار بے معنی ہے ان پر آسمان اور زمین والے یعنی فرشتے نہیں روئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَسُئِلَ الْقُرَيْبَةَ (يوسف: 82)** بلکہ وہ اس کی ہلاکت سے خوش ہوئے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی مومن نہیں مگر اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور ایک دروازہ ہے جس سے اس کا کلام اور عمل داخل ہوتا ہے۔ جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کی کمی محسوس کرتے ہیں اور اس پر روتے ہیں“ (1)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی **فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ** یعنی انہوں نے زمین پر کوئی عمل صالح نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر رویا جائے۔ اور آسمان کی طرف بھی ان کا کوئی عمل صالح نہیں چڑھا کہ آسمان اس کے مفقود ہونے پر روئے۔ مجاہد نے کہا: آسمان اور زمین مومن پر چالیس دن تک روتے ہیں۔ ابویحییٰ نے کہا: میں ان کے قول پر متعجب ہوا۔ مجاہد نے کہا: کیا تو تعجب کا اظہار کرتا ہے زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جو اسے رکوع و سجود کے ساتھ آباد کرتا تھا اور آسمان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جس کی تسبیح اور تکبیر کی وجہ سے ایسی آواز ہوتی تھی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر زمین میں سے اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اس کے عمل کے بلند ہونے کی جگہ روتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آیت کی تقدیر یہ ہوگی آسمان میں سے اس کے اعمال کے بلند ہونے کی جگہ اور زمین میں سے اس کی عبادات کی جگہ اس پر روئیں؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کے قول کا معنی ہے۔ آسمان اور زمین کے رونے کی تین وجوہ ہیں: 1۔ وہ معروف طریقہ ہے جس طرح حیوان روتا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کے مشابہ ہے۔ شرع حضرمی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسلام شروع ہوا تو بھی تنہا تنہا لوگ اسلام لائے اور جس طرح شروع ہوا تھا اسی حالت کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ قیامت کے روز ان تھوڑے سے افراد کے لیے مبارک ہے“ (2)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ”وہ وہ لوگ ہیں جب لوگ فساد کا شکار ہو جائیں گے تو وہ صالحیت کو اپنائیں گے“ پھر فرمایا: ”خبردار! اب مومن پر کوئی تنہائی نہیں کوئی مومن تنہائی میں نہیں مرتا جب اس پر رونے والے اس سے غائب ہوتے ہیں تو آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی **فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ** پھر فرمایا: ”بے شک یہ دونوں کافر پر نہیں روتے“۔

میں کہتا ہوں: ابو نعیم محمد بن معمر نے کہا ابو شعیب حرانی، یحییٰ بن عبد اللہ سے وہ اوزاعی سے وہ حضرت عطاء خراسانی سے روایت نقل کرتے ہیں ”کوئی بندہ بھی زمین کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے تو وہ بقعہ زمین قیامت کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ دخان، جلد 2، صفحہ 158۔ ایضاً حدیث نمبر 3177، نسیا، القرآن پہلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الاسلام ہداً غریباً وسیعاً غریباً، جلد 1، صفحہ 84

روز اس کے حق میں گواہی دیک اور جس روز وہ مرتا ہے وہ بقعد زمین اس پر روتا ہے۔“ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے رونے سے مراد اس کے اطراف کا سرخ ہو جانا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، عطا، سدی، ترمذی محمد بن علی کا قول ہے۔ اسے حضرت حسن بصری نے روایت کیا ہے۔ سدی نے کہا: جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آپ پر آسمان رویا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہونا تھا (1)۔

جریر نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے: جب حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان کے افق چار ماہ تک آپ کے لیے سرخ رہے۔ یزید نے کہا: اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا: لوگوں نے ہمیں بتایا وہ سرخی جو شفق کے ساتھ ہوتی ہے وہ نہ ہوا کرتی یہاں تک کہ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا۔ سلیمان قاضی نے کہا: جس روز امام حسین رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا ہم پر خون کی بارش کی گئی۔

میں کہتا ہوں: دارقطنی نے امام مالک بن انس سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”شفق سے مراد سرخی ہے“ (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس دونوں نے کہا: شفق کی دو صورتیں ہیں۔ سرخ اور سفید (3)۔ جب سرخی غائب ہو جاتی ہے تو عشاء کی نماز حلال ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے (4)۔ یہ قول اس قول کو رد کرتا ہے ابن سیرین نے جس کی حکایت بیان کی ہے۔ سبحان (سورہ اسراء) میں قرہ بن خالد سے روایت گذر چکی ہے۔ ”آسمان کسی پر نہیں رویا مگر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پر اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر۔ اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے۔“ محمد بن علی ترمذی نے کہا: رونے سے مراد کسی شے کو تیزی سے حرکت دینا جب آنکھ اپنے پانی کو حرکت دے تو کہا جاتا ہے آنکھ روئی، جب آسمان اپنی سرخی کو حرکت دے تو کہتے ہیں آسمان رویا، جب زمین اپنے غبار کو حرکت دے تو کہتے ہیں زمین روئی، کیونکہ مومن نور ہے اس کے ساتھ اللہ کا نور ہے زمین اس کے نور سے روشن ہے اگرچہ تیری آنکھوں سے غائب ہے۔ اگر وہ مومن کے نور کو نہیں پاتی تو وہ غبار آلود ہوتی ہے اور اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ زمین مشرکوں کی خطاؤں کی وجہ سے غبار آلود ہے یہ مومن کے نور سے روشن ہوتی ہے جب اس سے مومن کو قبض کیا جاتا ہے تو اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہر شے روشن ہوگی، جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو ہر شے تاریک ہوگئی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں مصروف تھے ہم نے اس سے اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اجنبی پایا۔ جہاں تک آسمان کے رونے کا تعلق ہے وہ اس کا سرخ ہونا ہے جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

نصر بن عاصم نے کہا: نشانیوں میں سے پہلی سرخی ہوگی جو ظاہر ہوگی یہ قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ وہ

شدت سے روئے گی کیونکہ وہ مومنوں کے انوار سے خالی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا رونا ایسی نشانی ہے جو اس سے ظاہر ہوتی ہے جو افسوس اور غم پر دلالت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ جب آسمان اور زمین تسبیح کرتے ہیں سنتے ہیں اور کلام کرتے ہیں، جس طرح ہم نے سبحان (سورہ اسراء)، مریم اور حم فصلت میں بیان کیا ہے، اسی طرح زمین روتی ہے جبکہ اس کے بارے میں روایات بھی آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اقوال کے صحیح ہونے کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۗ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا

مِنَ السُّرْفِيِّنَ ﴿٣١﴾

”اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو سو اکن عذاب سے (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے بلاشبہ

وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا“۔

یعنی ان تمام مظالم سے جو قبیلہ فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کے ساتھ روار کھتے تھے جس طرح انبیاء کو قتل کرنا، عورتوں سے خدمت لینا، مردوں کو غلام بنالینا اور مشکل امور ان پر لازم کرنا۔

مِنْ فِرْعَوْنَ یہ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ سے بدل ہے مِنْ فِرْعَوْنَ یہ مِنْ الْعَذَابِ کے متعلق نہیں ہوگا کیونکہ اس کی صفت نہیں لگائی گئی ہے وہ وصف کے بعد فعل کا سا عمل نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے انہیں عذاب اور فرعون سے نجات دی۔

إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ السُّرْفِيِّنَ ﴿٣١﴾ وہ مشرکوں میں سے جابر تھا۔ یہ مدح میں زیادتی نہیں بلکہ اسراف میں زیادتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ (قصص: 4) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس بلندی سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بلندی ہے۔

وَلَقَدْ اخْتَرْتَهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾

”اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر“۔

وَلَقَدْ اخْتَرْتَهُمْ ہم ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں عَلَىٰ عِلْمٍ ہمیں ان کے بارے میں علم تھا کہ ان میں سے کثیر انبیاء ہوں گے۔ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ ان کے زمانہ کے لوگوں پر۔ اس کی دلیل پر آیت ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (آل عمران: 110) یہ قنادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام عالموں پر کیونکہ ان میں انبیاء بنائے۔ یہ ان کے لیے خاص ہے یہ غیر کے لیے نہیں؛ یہ قول ابن عیسیٰ، زمری اور دوسرے علماء نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ یہ بنی اسرائیل کے بعد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پسندیدگی، اس بنا پر تھی کہ انہیں فرق ہونے سے چھٹکارا دیا اور فرعون کے بعد انہیں زمین کا مالک بنا دیا۔

وَآتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٥﴾

”اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔“

وَآتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٥﴾ قتادہ نے کہا: آیات سے مراد انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دینا، ان کے لیے سمندر کو پھاڑنا، ان پر بادل سے سایہ کرنا اور من و سلویٰ کو نازل کرنا ہے (1)۔ یہ خطاب بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عصا اور ید بیضا کا معجزہ ہے۔ یہ فراء کے قول کے مشابہ ہے اور خطاب قوم فرعون کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد وہ برائی ہے جس سے آپ نے ان کو روکا اور وہ بھلائی ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ خطاب ایک ہی ہے دونوں فریقوں کی طرف متوجہ ہوگا یعنی قوم فرعون اور بنی اسرائیل۔ بَلَاءٌ مُّبِينٌ میں چار قول ہیں: 1۔ ظاہر نعمت، یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءٌ حَسَنًا (انفال: 17) زہیر نے کہا:

فَابْلَاهُمَا غَيْرَ الْبَلَاءِ الَّذِي يَبْلُو

۔ وہ نعمت جو وہ کرتا ہے اس میں سے بہترین نعمت ان دونوں پر کی۔ 2۔ شدید عذاب، یہ فراء کا قول ہے۔ 3۔ اس آزمائش جس کے ساتھ مومن کافر سے ممتاز ہو جاتا ہے؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: خوشحالی اور تنگ دستی کے ساتھ آزما یا، پھر یہ آیت پڑھی: وَنَبِّئُوهُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (انبیاء: 35)

إِنَّ هَؤُلَاءَ لَيَقُولُونَ ﴿٣٦﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٧﴾ فَآتُوا

بِآبَائِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾

”بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں: نہیں ہے (ہمارے لیے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں

دوبارہ اٹھایا جائے گا بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔“

إِنَّ هَؤُلَاءَ لَيَقُولُونَ ﴿٣٦﴾ واؤ ضمیر سے مراد قریش کے کفار ہیں إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ یہ مبتدا اور خبر ہے، جس طرح یہ

کلام ہے إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا (اعراف: 155) اور یہ کلام ہے إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (انعام: 29) وَمَا نَحْنُ

بِمُنشَرِينَ ﴿٣٧﴾ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا فَآتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اٹھایا تو وہ اٹھ

کھڑے ہوئے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ منشور دن کا معنی مبعوثون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار قریش میں سے۔

یہ بات کرنے والا ابو جہل تھا، اس نے کہا: اے محمد! سنو! اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ہمارے آباء میں سے دو آدمی اٹھاؤ! ان

میں سے ایک قصی بن کلاب ہے کیونکہ وہ ایک سچا شخص تھا تا کہ ہم اس سے پوچھ سکیں کہ موت کے بعد کیا ہوا۔ یہ قول ابو جہل کی جانب سے کمزور ترین شبہ ہے، کیونکہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے احکام کا مکلف بنانے کے لیے نہیں گویا اس نے کہا: اگر آپ اس قول میں سچے ہیں کہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے تو انہیں دوبارہ مکلف بنانے کے لیے اٹھائیں۔ یہ قائل کے اس قول کی طرح ہے اگر وہ یہ کہتا ہے: اگر ہمارے بعد ابناء میں سے افراد کو اٹھایا جانا ہے تو آباء میں سے جو گذر چکے ہیں وہ کیوں نہیں لوٹتے۔ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا: فَأَتُوا بِآبَائِهِمْ نَبَأَ يَوْمِ كَرِيمٍ سنی صحیحین میں کو خطاب ہے جس طرح ارشاد ہے مَاتِهِمْ نَجَعُونَ ﴿۱۰﴾ (المومنون) یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو خطاب ہے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تُبْعُ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۰﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِبْرِينَ ﴿۱۱﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾

” (اے لوگو! ذرا سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ہم نے انہیں (بہمہ شوکت و حشمت) ہلاک کر دیا ہے، بے شک وہ مجرم تھے۔ اور انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تُبْعُ یہ استفہام انکاری ہے۔ وہ ایسی بات کر کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ قوم تبع اور ہلاک ہونے والی قوموں سے بہتر نہیں۔ جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ہے تو اسی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ نعمتوں والے ہیں اور زیادہ اموال والے ہیں یا تبع کی قوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ عزت والے، طاقت ور اور محفوظ ہیں یا تبع کی قوم۔ تبع سے مراد ایک فرد نہیں بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں۔ یمن والے اپنے بادشاہوں کو تابع کہتے تھے۔ تبع بادشاہ کا لقب تھا جس طرح مسلمانوں کے لیے خلیفہ ہوتا ہے۔ کسری ایرانیوں کا حاکم ہوتا ہے اور قیصر رومیوں کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو تبع کہتے کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی اتباع کرتا۔ جوہری نے کہا: تابع یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں۔ ان کا واحد تبع ہے تبع کا معنی سنا یہ بھی ہے۔ شاعر نے کہا:

يُرِدُ الْبِيَاهِ حَصِيرَةٌ وَ نَفِيضَةٌ وَرَدَ الْقَطَاةُ إِذَا اسْتَأْذَنَ التَّبَعُ

”وہ چشموں پر حصیرہ، نفیضہ (جماعتوں کی صورت) میں وارد ہوتے ہیں جس طرح کوچ وارد ہوتی ہیں جب سایہ چھوٹا ہو جائے۔“ تبع پرندوں کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں۔ سہلی نے کہا: تبع اس بادشاہ کو کہتے جو یمن، شحر اور حضرموت کا مالک ہوتا ہے صرف یمن کا مالک ہوتا تو اسے تبع نہ کہتے؛ یہ مسعودی کا قول ہے۔ تابع میں سے حارث رائس تھا جو ابن ہمال ذی سدو تھا، ابر بنہ و منار، مروذ و الازغار، شمر بن مالک جس کی طرف سمرقند منسوب ہے۔ افریقیس بن قیس، جس نے بربروں کو کنعان نے باقہ سے افریقہ کی طرف نکالا اسی وجہ سے انہیں افریقی کہتے ہیں۔

آیات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کا ارادہ کیا ہے عرب اسے اس نام سے زیادہ جانتے تھے نسبت کسی دوسرے آدمی کے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں جانتا کیا تبع لعین ہے یا نہیں ہے“ (1)۔ پھر نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے ”تبع کو گالیاں نہ دیا کرو کیونکہ وہ مومن تھا“ (2)۔ یہ تیری براہنمائی کرتا ہے کہ وہ ایک معین فرد تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وہ ابو کرب تھا جس نے بیت اللہ شریف پر لحاف چڑھایا تھا بعد اس کے کہ اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا اور اس کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر جب اسے یہ بتایا گیا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جس کا نام احمد ہوگا، تو وہ واپس چلا گیا تھا۔ اس نے ایک شعر کہا جسے وہ اس کے مکینوں کے پاس چھوڑ گیا تھا وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارث بنتے رہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے وہ اشعار حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ مکتوب اور شعر حضرت ابو ایوب خالد بن زید کے پاس تھے۔ ان اشعار میں ہے:

شہدت علی أحمد أنه رسول من الله باري النسب
فلو مُدَّ عسرى إني عسره لكنت وزيراً له وابن عم

میں حضرت احمد پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ جو خالق کائنات ہے کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر ان کی عمر تک طویل ہوئی تو میں ان کا وزیر اور ان کا چچا زاد ہوں گا یعنی مددگار، اور دست و بازو۔

زجاج، ابن ابی دنیا، زمخشری اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے دور اسلام میں اس کی صنعا میں ایک قول کے مطابق حمیر کی اطراف میں، قبر کھودی گئی اس میں دو عورتوں کے وجود پائے گئے ان کے سروں کے پاس چاندی کی تختی پائی گئی جس پر سونے سے لکھا گیا تھا: یہ حسنیٰ اور لمیس کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ حسنیٰ اور تناصر کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ رضوی کی قبر ہے (3) اور حسنیٰ کی قبر ہے جو دونوں تبع کی بیٹیاں تھیں وہ دونوں فوت ہوئیں جبکہ وہ لآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتی تھیں وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اسی پر اس سے قبل صالح لوگ فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے جو مکتوب اس نے لکھا تھا اس میں تھا اما بعد میں تجھ پر اور تجھ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لایا، میں تیرے دین اور تیری سنت پر ہوں، میں تیرے رب اور ہر شے کے رب پر ایمان لایا اور میں اس پر ایمان لایا جو تیرے رب کی جانب سے احکام آئے اگر میں نے تجھے پالیا تو بہت بہتر، اگر میں نے تجھے نہ پایا تو میری شفاعت کرنا اور قیامت کے روز مجھے نہ بھولنا۔ میں تیری اس امت میں سے ہوں جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اور میں نے تیرے آنے سے قبل تیرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے میں تیری ملت اور تیرے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔ پھر مکتوب پر مبر لگائی اور اس پر یہ نقش بنایا **بِئْتِهِ الْأَمْمِرِينَ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ** (الروم: 4) اور اس کے سر نامے پر لکھا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، فی التخییر بین الانبیاء، جلد 2، صفحہ 286۔ ایضاً حدیث نمبر 4054، نیما، القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 280

2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 80، حدیث نمبر 34085

ابن محنّد بن عبد اللہ نبی اللہ ورسولہ خاتم النبیین محمّد رسول رب العالمین ﷺ من تتبع الأثر ہم نے اس کے باقی ماندہ حالات اور اس کا ابتدائی حصہ اللہم اللؤلؤیۃ شرح العشر بینات النبویہ جو فارابی کی کتاب ہے میں ذکر کیا ہے۔ وہ دن جس میں تیج فوت ہوا اس دن سے لے کر اس دن تک جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی ایک ہزار سال کا عرصہ تھا نہ ادا اور نہ کم۔

اس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کیا وہ نبی تھا یا بادشاہ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تیج نبی تھا (1)۔ کعب نے کہا: تیج بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اس کی قوم کاہنوں میں سے تھی اور ان کے ساتھ ایک اہل کتاب کی ایک قوم تھی۔ اس نے دونوں فریقوں کو حکم دیا کہ ہر فریق قربانی پیش کرے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اہل کتاب کی قربانی قبول ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تیج کو گالیاں نہ دیا کرو وہ ایک صالح آدمی تھا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے: تیج حمیر قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ اس نے حیرہ کو عبور کیا اور سمرقند آیا اس نے اس شہر کو گرا دیا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے قتادہ سے روایت کیا ہے: وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ حیرہ کو عبور کیا اس نے سمرقند شہر بنایا اس نے لوگوں کو قتل کیا اور شہروں کو برباد کیا۔ کلبی نے کہا: تیج ابوبکر اسعد بن ملکیکرب ہے، اس کو تیج اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے پہلوں کی پیروی کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف پر یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف چڑھایا تھا۔ کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی اس کی مذمت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے اس کی مثال بیان فرمائی کیونکہ قریش ان کے قریب رہتے تھے اور ان کی عظمت دلوں میں رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان سے قبل کے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ لوگ مجرم تھے تو وہ آدمی جو مجرم ہو جبکہ اس کی طاقت تھوڑی اور تعداد کم ہو تو وہ ہلاک ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیج کی قوم کو قریش سے بہتر قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے پہلے حاکم کو تیج اس لیے کہتے کیونکہ اس نے مورج کی ٹکبا کی پیروی کی اور مشرق کی جانب لشکروں کے ساتھ سفر کیا۔

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ، الَّذِينَ مَلَاحِلٌ فِيهِمْ هُوَ اس کا عطف قَوْمٌ تَتَّبِعُ پر ہے أَهْلَكْنَاهُمْ اس کا صلہ ہے مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے متعلق یہ بھی جائز ہے کہ مِنْ قَبْلِهِمْ، الَّذِينَ كَانُوا مَلَاحِلٌ فِيهِمْ اس کا صلہ ہو طرف میں ضمیر ہوگی جو اسم موصول کی طرف لوٹے گی۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو أَهْلَكْنَاهُمْ دو وجوہ کی وجہ سے ایک وجہ سے ہوگا۔ یا تو اس کے ساتھ قبہ کو مضمّر مانا جائے گا تو یہ حال کے محل میں ہوگا یا موصوف کے حذف کو مقدر کیا جائے گا۔ گویا کہا: قوم أَهْلَكْنَاهُمْ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے جب ہم ان مذکورہ افراد کو ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ہم مشرکوں کے ہلاک کرنے پر قادر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَ الَّذِينَ مَلَاحِلٌ فِيهِمْ مبتدا ہے اور خبر اہلکنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِينَ مَلَاحِلٌ فِيهِمْ اس کا صلہ ہو اس کا عطف تیج پر ہو گویا فرمایا تیج کی قوم جو ان سے قبل ہلاک کی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِينَ مَلَاحِلٌ فِيهِمْ اس کا فعل مضمّر ہو جس پر أَهْلَكْنَاهُمْ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِثْرَ ۗ لَآعِبِينَ كَمَا مَعْنَى غَافِلِينَ هِيَ؛ يَهْمُ مَقَاتِلُ كَمَا قَوْلُ هِيَ (1)۔ اِيك
 قَوْلُ يَهْمُ كَمَا كَمَا هِيَ؛ لَاهِينَ، يَهْمُ قَوْلُ هِيَ مَا خَلَقْتُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔ الْحَقُّ سَهْلُ الْأَمْرِ مَخْدُوفٌ هِيَ؛ يَهْمُ مَقَاتِلُ كَمَا قَوْلُ هِيَ۔
 اِيك قَوْلُ يَهْمُ كَمَا كَمَا هِيَ؛ لَاهِينَ، لَامُ كَمَا مَعْنَى مِثْلُ هِيَ؛ يَهْمُ قَوْلُ هِيَ مَا خَلَقْتُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ؛ حَقُّ قَائِمٌ
 كَرْنِي كَمَا لِي، اللَّهُ تَعَالَى تَوْحِيدُ كَوَظَاهِرُ كَرْنِي كَمَا لِي، لِي أَسْ كِي طَاعَتُ كَوَظَاهِرُ كَرْنِي كَمَا لِي۔ سُوْرَةُ الْأَنْبِيَاءِ مِثْلُ يَهْمُ
 سَهْلُ كَرْنِي هِيَ۔

لَكِنَّا أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۗ لَوْ كُنَّا فِي عَيْنِ السَّجِّدِ ۗ لَأَخَذْتُمَا بِزُنُجُرِكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَكُمْ آيَاتٌ فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ قَائِمِينَ ۗ

إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۗ

”يَقِينًا فَيْصَلُهُ كَادُنْ اِن سَب كُو (دُو بَارَه زَنْدَه كَرْنِي كَمَا لِي) مَقْرَرَه وَتَقْت هِيَ۔“

يَوْمَ الْفُصْلِ سَهْلُ مَرَادُ يَوْمُ قِيَامَتِ هِيَ، اَسَه يَهْمُ اِن لِي دِيَا كَمَا هِيَ كِيُونَكَه اللَّهُ تَعَالَى اِن دُنْ مِثْلُ لَوْ كُوْنُ كَمَا دَرْمِيَانِ
 فَيْصَلُهُ مَرَادُ هِيَ، اِن كِي دَلِيلُ اللَّهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هِيَ؛ لَكِن تَتَفَعَّلُكُمْ اِن رَحَامَتِكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ
 (الْمُتَحَنَّنُ: 3) اِن كِي مِثْلُ اللَّهُ تَعَالَى كَا فَرْمَانِ هِيَ؛ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَ مَهْدِي تَتَفَرَّقُونَ ۗ (الرُّومُ) يَوْمَ الْفُصْلِ سَب كَمَا
 لِي مِيقَاتِ هِيَ جِس طَرَحِ اِرْشَادِ فَرْمَا يَا: اِن يَوْمَ الْفُصْلِ كَان مِيقَاتًا ۗ (النَّبَا) لِيْنِي وَه وَتَقْتِمْ جِس كِنَاهُ كَار اَوْر نِيكُو كَار كَمَا
 دَرْمِيَانِ تَمِيْزِ دِيْنِي اَوْر فَيْصَلُهُ كَرْنِي كَمَا لِي بِنَا يَا كَمَا هِيَ، اِيك جَمَاعَتِ جَنَّتِ مِثْلُ هُو كِي اَوْر اِيك جَمَاعَتِ جَهَنَّمَ مِثْلُ هُو كِي۔ يَهْمُ
 حُدُودِ جِهْتِ كِي تَحْدِيْرُ اَوْر وُعِيْدِ هِيَ۔ قَرَاءُ كَمَا دَرْمِيَانِ مِيقَاتُهُمْ كَوْرْفِ دِيْنِي مِثْلُ كُوْنِي اِخْتِلَافِ نَهِيْنُ كِيُونَكَه يَهْمُ اِن كِي خَبْرِ هِيَ اَوْر اِن كَا
 اِسْمُ يَوْمِ الْفُصْلِ هِيَ۔ نَسَائِي اَوْر فَرَاءُ نِي مِيقَاتُهُمْ كَوْنِ كِي وَجِهْ سَهْلُ نَسْبِ كُو جَائِزِ قَرَارِ دِيَا هِيَ اَوْر يَوْمِ الْفُصْلِ ظَرْفِ هِيَ جَوَانِ كِي خَبْرِ
 كِي جَلْدِ وَاَقْعِ هِيَ۔ تَقْدِيْرُ كَلَامِ يَهْمُ هُو كِي اِن مِيقَاتُهُمْ يَوْمَ الْفُصْلِ۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۗ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۗ إِنَّهُ هُوَ

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۗ

”جِس رُوْزِ كُوْنِي دُوْسْتِ كِي دُوْسْتِ كَمَا ذَرَا كَا مِثْلُ نَهِيْنُ آئِي كَا اَوْر نَهْمُ اِن كِي مَدَدِ كِي جَائِي كِي سَوَائِي اِن كَمَا جِن
 پَر اِن تَعَالَى نِي رَحْمِ فَرْمَا يَا هِيَ، بِي شَكْ دَه سَبْ پَر غَالِبِ هِمِشَه رَحْمِ كَرْنِي وَا لَاهِي۔“

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا يَوْمَ يَوْمِ سَهْلُ يَوْمِ سَهْلُ هِيَ۔ مَوْلَى سَهْلُ مَرَادُ وُلِي هِيَ جِس سَهْلُ مَرَادُ چچَا زَادِ بَهَائِي اَوْر
 مَدَدِ كَر هِيَ لِيْنِي چچَا زَادِ بَهَائِي چچَا زَادِ بَهَائِي كَا دِفَاعِ نَهِيْنُ كَرِي كَا۔ كُوْنِي قَرِيْبِي كِي قَرِيْبِي كَا اَوْر كُوْنِي دُوْسْتِ كِي دُوْسْتِ كَا دِفَاعِ نَهِيْنُ
 كَرِي كَا۔ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۗ لِيْنِي مَوْسِنُ كَا فَرَا قَرَبَتِ كِي وَجِهْ سَهْلُ دِفَاعِ نَهِيْنُ كَرِي كَا۔ اِن آيْتِ كِي مِثْلُ يَهْمُ اِيْتِ هِيَ
 وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْرِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (بَقْرَه: 48)

إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ مِنْ مَحَلِّ رَفْعٍ فِيهِ يَهَىٰ بِهٖ يَوْمًا تَوْنَهُ كَمَا لَا يَقُومُ أَحَدًا إِلَّا فُلَانٌ يَأْتِيهِ
مَبْتَدَأٌ هُوَ أَوْ خَبْرٌ مُضْمَرٌ هُوَ كَمَا يُفْرَمَا يَأْتِيهِ: إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ نَسْفُورٌ لَهٗ يَأْتِيهِ كَمَا فَائِدَةٌ دَعَا وَرَشْفَاعَتُ كَرَعٌ أَوْ رَمَدٌ كَرَعٌ يَأْتِيهِ
مَوْلَىٰ سَهْ بِهٖ كَمَا كَمَا: كَوْنِي فَائِدَةٌ نَهَيْسُ دَعَا كَمَا كَمَا جَسْ بِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ رَحْمَةً فَرَمَا يَهَىٰ نَسَائِي أَوْ فَرَاءَ كَعَزْوِيكٌ يَهَىٰ مَسْتَشْنِي مَنَقَطَعٌ
هُوَ نِي كِي وَجَهْ سَهْ مَنصُوبٌ هُوَ، لِيَكُنْ جَسْ بِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ رَحْمَةً فَرَمَا يَهَىٰ جَسْ بِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ رَحْمَةً فَرَمَا يَهَىٰ جَسْ بِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ رَحْمَةً فَرَمَا يَهَىٰ
يَهَا تَكْ كَهْ وَجَلُوقٌ كَو فَائِدَةٌ بِهٖ نَجَا يَهَىٰ - يَهَىٰ جَا زَهَىٰ كَهْ مَسْتَشْنِي مَتَصَلٌ هُوَ يَهَىٰ كَوْنِي قَرَبِي كَوْنِي قَرَبِي كَوْنِي فَائِدَةٌ نَهَيْسُ بِهٖ نَجَا يَهَىٰ كَمَا
مَوْسَنُ فَائِدَةٌ بِهٖ نَجَا يَهَىٰ كَهْ كَيُونَكَهْ نَهَيْسُ أَجَا زَتٌ دِي كَهَىٰ هُوَ كَهْ وَهٗ أَهْكَ دَوَسْرَهٗ كِي شَفَاعَتُ كَرِي -

إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ یعنی وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے دوستوں پر رحم فرمانے والا ہے، جس
طرح ارشاد فرمایا: شَدِيدٌ الْعِقَابِ ۝ ذِي الطَّوْلِ (غافر: 3) وعدے کو وعید کے ساتھ ملایا ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۝ يُغْلَىٰ فِي الْبُطُونِ ۝ كَغَلِي

الْحَمِيمِ ۝

”بلاشبہ رقوم کا درخت گناہگار کی خوراک ہوگا، گھلے تانبے کی مانند پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی
جوش مارتا ہے۔“

إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ کتاب اللہ میں جہاں بھی شجرہ کا ذکر آیا ہے تو اس میں ہاء پر وقف ہوا ہے مگر سورہ دخان میں
ایک حرف ہے إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ یہ ابن انباری نے کہا الْيَتِيمِ یعنی فاجر۔ حضرت ابو ذر نے کہا:
حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ہمام بن حارث نے کہا: حضرت ابو ذر اور ایک آدمی کو
پڑھاتے إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ جبکہ وہ آدمی پڑھتا طعام الیتیم جب اس نے اس کو نہ سمجھا تو حضرت
ابو ذر نے کہا: طعام الفاجر۔

ابو بکر انباری نے کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا ہمیں نصر نے وہ ابو عبید سے وہ نعیم بن حماد سے وہ عبدالعزیز بن محمد
سے وہ ابن عجلان سے وہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
نے ایک آدمی کو إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ پڑھایا تو اس آدمی نے پڑھا طعام الیتیم حضرت عبداللہ نے
اسے صحیح دہرایا اس آدمی نے غلط دہرایا۔ جب حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ اس آدمی کی زبان صحیح الفاظ کو ادا نہیں کر سکتی تو اسے
کہا: کیا تو طعام الفاجر اچھی طرح نہیں کہہ سکتا؟ عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: تو اسی طرح کر۔ بے دین لوگوں میں سے
جاہلوں کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں کہ قرآن کا کوئی حرف کسی دوسرے حرف سے بدلنا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود
کی جانب سے یہ طرز عمل معلوم کو قریب کرنے اور اسے اس قابل بنانے کے لیے تھا کہ وہ صحیح نقطہ نظر کی طرف لوٹ آئے وہ حق کو
استعمال کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے جیسے نازل کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے حکایت بیان کی ہے اسی طرح وہ تعلم کرے۔
زمخشری نے کہا: اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ استعمال کرنا جائز ہے جبکہ وہ کلمہ دوسرے کلمہ کا

معنی دیتا ہو (1)، اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارسی زبان میں قراءت کو جائز قرار دیا ہے بشرط یہ ہے کہ قاری پورے کے پورے معانی ادا کرے جبکہ ان میں سے کسی چیز کی قطع و برید نہ کرے۔

علماء نے کہا: یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت ایسے ہے جیسے کوئی اجازت نہیں کیونکہ کلام عرب خصوصاً قرآن جو اپنی وضاحت، غرابت، نظم اور اسالیب میں معجز ہے اس میں معانی اور اغراض کے لیے لطائف ہیں جن کی فارسی وغیرہ زبان ادائیگی میں مستعمل نہیں۔ امام ابوحنیفہ فارسی زبان کو اچھی طرح نہیں جانتے تھے یہ قول آپ سے تحقق و تیسری بنا پر ثابت نہیں۔

غلی بن جعد، ابو یوسف سے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے صاحبین کے قول کے موافق روایت کرتے ہیں کہ فارسی زبان میں قراءت جائز نہیں۔

شَجَرَتِ الرَّقْوْمِ وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں پیدا کیا ہے اور اسے شجرہ ملعونہ کا نام دیا ہے۔ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو اس کی پناہ لیں گے اور اس سے کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹوں میں یوں جوش مارنے لگے گا جس طرح گرم پانی جوش مارتا ہے۔ ان کے پیٹوں میں زقوم سے جو چیز بنے گی اسے مہل سے تشبیہ دی وہ پگھلا ہوا تانبا ہے۔ عام قراءت کی قراءت تغلی تاء کے ساتھ ہے، اسے شجرہ پر محمول کیا۔

ابن کثیر، حفص، ابن محیس اور روایس نے یعقوب سے یَعْنِي پڑھا ہے یہ کھانے پر محمول ہوگا۔ وہ شجرہ کے معنی میں ہے۔ اسے مہل پر محمول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کا ذکر تشبیہ کے لیے ہے الاثیم سے مراد آثم ہے یہ اثم یا اثم اثمات مشتق ہے: یہ قشیری اور ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا شرک ہے جو گناہ کرنے والا ہو (2)؛ یہ یحییٰ بن سلام نے کہا۔ صحاح میں ہے اثم الرجل اثمًا و ما اثمًا یعنی وہ گناہ میں پڑ گیا، اس کے لیے اسم فاعل کا صیغہ آثم، اثم اور اثم استعمال ہوتا ہے۔ طَعَامُ الْاِثْمِ کا معنی ہوگا یہ گناہ گار فاجر کا کھانا ہے وہ ابو جہل ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے کہا تھا: (حضرت) محمد (سَلَّمَ) ہمیں دھمکی دیتے ہیں کہ جہنم میں زقوم ہے اس سے مراد وہ شریک ہے جس میں مکھن اور کھجور ہو۔ اس نے جو کہا اللہ تعالیٰ نے اسکے خلاف وضاحت کی۔ نقاش نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ شجرہ زقوم سے مراد ابو جہل ہے (3)۔

میں کہتا ہوں: مجاہد سے اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہم نے سورہ صافات اور سبحان (سورہ اسراء) میں جو ذکر کیا ہے اس کے ساتھ رد ہو جاتا ہے۔

حُدُوهُ فَاعْتَلُوْهُ اِلٰی سَوَاءِ الْجَحِيْمِ ۙ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ

الْحَمِيْمِ ۙ

” (حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں، پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی اسے عذاب دینے کے لیے۔“

حُدُوْهُ زبانیہ سے کہا جائے گا: اسے پکڑو یعنی پناہ کا رو پکڑو۔ فَاعْتَلُوْهُ اسے کھینچو اور اسے ہاتھوں سے اٹھالو۔ عَتَلٌ سے مراد اٹھانے کا ہے۔

آدمی کا گریبان پکڑے اور اسے اپنی طرف کھینچے تاکہ تو اسے قید خانہ اور یا کسی اور امتحان کی طرف لے جائے۔ عتلت الرجل اعتله، اعتله عتلا۔ جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے رجل معتل۔ شاعر نے گھوڑے کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

نَفْرَعُهُ فَرَعًا ولسنا نَعْتِلُهُ

ہم اس گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیتے ہیں، ہم اسے گھسیٹتے نہیں۔ اس میں دو لغتیں ہیں عتله، عتنتہ۔ یہ ابن سکیت نے کہا: کوفیوں اور ابو عمرو نے کہا: فَاَعْتَلُوا یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ اِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ یعنی جحیم کے وسط میں ثُمَّ صَبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ⑤۔ مقاتل نے کہا: مالک فرشتہ جو جہنم کا خازن ہے وہ ابو جہل کے سر پر لوہے کا ایک ہنٹر مارے گا تو ابو جہل کا سر دماغ والی جگہ سے لپٹ جائے گا تو اس کا دماغ اس کے جسم پر بہ جائے گا۔ پھر مالک فرشتہ اس میں کھولتا ہوا پانی انڈیلے گا جس کی گرمی انتہاء کو پہنچی ہوگی تو وہ پانی اس کے پیٹ میں جا پہنچے گا تو فرشتہ کہے گا: عذاب کا مزا چکھو اس کی مثل ہے: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ⑥ (الحج)

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ⑦ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ⑧

”لو چکھو تم بڑے معزز (و مکرم) ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔“

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ⑦ ابن انباری نے کہا: عوام نے ان کے کسرہ پر اتفاق کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے۔ نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے جس نے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف کیا ہے۔ جس نے ہمزہ کو فتح دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف نہیں کیا کیونکہ معنی ہے تم چکھو کیونکہ تو عزیز و کریم ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ابو جہل کے حق میں آیت نازل ہوئی (1)، اس نے کہا تھا: اس وادی میں مجھ سے بڑھ کر قوت والا اور معزز نہیں اسی وجہ سے اسے کہا گیا: ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ⑦ عکرمہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے کہوں ادلی لک فادلی ابو جہل نے کہا: تو کس چیز کے ساتھ مجھے دھمکی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرا رب طاقت نہیں رکھتے کہ تم میرے ساتھ کچھ معاملہ کرو، میں اس وادی کا غالب ترین شخص ہوں اور اپنی قوم کا معزز ترین فرد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کرو یا اور اسے ذلیل و رسوا کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی اسے فرشتہ کہے گا: چکھو تم اپنے گمان کے مطابق معزز و مکرم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استخفاف، تونخ، استہزاء، اہانت اور تنقیص کے معنی میں ہے، یعنی اسے کہا: تو ذلیل و رسوا ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کو کہا تھا: إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ⑧ (ہود) ایک تاویل کے مطابق وہ اس سے سفید و جاہل مراد لیتے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ⑧ یعنی فرشتے انہیں کہیں گے: یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق تم دنیا میں شک کیا کرتے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ
وَإِسْتَبْرَقٍ مَّتَقَلِبِينَ ﴿٥٣﴾

”یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں پہنے ہوئے ہوں گے
لباس باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔“

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مستقر اور عذاب کا ذکر کیا تو مومنوں کی مہمانی اور نعمتوں
کا ذکر کیا۔ نافع اور ابن عامر نے فی مقام پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ نسائی نے کہا: مقام سے مراد
مکان ہے اور مقام سے مراد اقامت بھی ہے جس طرح شاعر نے کہا
عفت الديار مَحَلُّهَا فَمَقَامُهُ

گھر یعنی اترنے کی جگہیں اور اقامت کی جگہیں ناپید ہو گئے۔

جوہری نے کہا: مقام اور مقام دونوں میں سے ہر ایک اقامت کے معنی میں ہوتے ہیں، بعض اوقات یہ قیام کی جگہ کے
لیے بھی لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ جب تو اسے قام یقوم سے مشتق مانے تو یہ مقام ہوگا اور اگر تو اسے اقامت یقیم سے مشتق مانے
تو مقام ہوگا کیونکہ جب فعل غیر ثلاثی ہو تو اسم ظرف کے صیغہ میں میم مضموم ہوگا، کیونکہ ایسا فعل رباعی کے مشابہ ہوتا ہے جس
طرح دحرج سے مدحرج۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام کا معنی حاضر ہونے کی جگہ اور مجلس ہے اور مقام اس سے مکان مراد
لینا ممکن ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مصدر ہو اس میں مضاف مقدر ہو یعنی ٹھہرنے کی جگہ۔

أَمِينٍ ﴿٥١﴾ اس میں آفات سے امن ہوتا ہے فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ یہ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ سے بدل ہے۔

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مَّتَقَلِبِينَ ﴿٥٣﴾ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے وہ ایک دوسرے کی طرف
منہ کیے ہوں گے ان کی مجلس گردش کرے گی جہاں وہ گردش کریں گے۔ سندس سے مراد وہ ریشم ہے جو باریک ہو، استبرق
سے مراد وہ ریشم ہے جو موٹا ہو۔ سورہ کہف میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

كَذَلِكَ ۖ وَرَوْحُهُمْ حُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

”ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم عورتوں سے۔“

كَذَلِكَ امر اسی طرح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ كَذَلِكَ پر وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جس طرح ہم نے
انہیں جنت میں داخل کیا اور ان کے ساتھ معاملہ کیا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی طرح ہم نے انہیں عزت دی کہ ان کی
شادی حور عین سے کر دی۔ عین کے بارے میں گفتگو سورہ صافات میں گذر چکی ہے۔ حور کا معنی سفید ہے (1)، یہ قتادہ اور عام
علماء کا قول ہے۔ یہ حوراء کی جمع ہے۔ حوراء کا معنی سفید ہے، جس کی پنڈلی اس کے کپڑے کے باہر سے دکھائی دے گی اور

دیکھنے والا اپنا چہرہ اس کے پستان سے دیکھ لے گا جس طرح آئینہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کی جلد بڑی باریک چمڑہ تر و تازہ اور رنگ صاف ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں بعین عین ہے۔ ابو بکر انباری نے احمد بن حسین سے وہ حسین سے وہ عمار بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہا: میں نے منصور بن معتمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے تم الدخان میں بعین عین لایذوقون طعم السموت إلا السموتة الاولى پڑھا۔ عین کا معنی سفید ہے اسی وجہ سے سفید اونٹوں کو عین کہتے ہیں اس کا واحد بعید عین ہے اور ناقة عیساء ہے۔ امرؤ القیس نے کہا

يُرْعَنُ إِلَى صَوْتِ إِذَا مَاسَعَنَهُ كَمَا تَرَعَوِي عَيْطُ إِلَى صَوْتِ أُغَيْسَا

وہ میری آواز کی طرف لوٹ آتی ہیں جب وہ اسے سنتی ہیں جس طرح جوان اونٹنی اونٹ کی آواز کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہاں حور کا معنی ہے خوبصورت، روشن، سفید۔ ابن مبارک نے ذکر کیا معمر ابو اسحاق سے وہ عمرو بن میمون اودی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: حور عین میں سے عورت ایسی ہوگی جس کی پنڈلی کا گووا گوشت اور ہڈی اور ستر حلوں کے نیچے سے دکھائی دے گا جس طرح سرخ شراب سفید شیشے میں دکھائی دیتا ہے۔ مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ آنکھ ان کے حسن، سفیدی اور رنگ کی صفائی میں حیران ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں حور ہوگا۔ حور سے مراد آنکھوں میں شدید سیاہی میں انتہائی سفیدی ہے۔ امراتہ حوراء سے کہتے ہیں جس کی حور واضح ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: أحوار عینہ إحواراً، أحوار الشئ یعنی وہ شے سفید ہوگئی۔ اصمعی نے کہا: میں نہیں جانتا آنکھوں میں حور کیا ہوتی ہے؟ ابو عمرو نے کہا: حور یہ ہے کہ ساری آنکھ سیاہ ہو جائے جس طرح ہرنوں اور گائیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں کہا: انسانوں میں حور نہیں ہوتا عورتوں کو حور العین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہرنوں اور گائیوں کے مشابہ ہوتی ہیں۔ عجاج نے کہا۔

بأعين مُحَوَّرَاتٍ حُورٍ

یعنی ایسی آنکھیں جو صاف سفید ہوں جس کی دھیری سخت سیاہ ہو۔ عین، عیناء کی جمع ہے اس سے مراد کھلی بڑی آنکھوں والی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حور عین کا مہر کھجور کی مٹھ اور روئی کا ٹکڑا ہوگا“ (1)۔

حضرت ابو قرصافہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”مسجدوں سے کوڑا کرکٹ کا نکالنا حور عین کا مہر ہے“ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ”مساجد میں جھاڑو دینا یہ حور عین کا مہر ہے“ (3)۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے ہم نے کتاب التذکرہ میں اس بارے میں ایک الگ باب باندھا ہے۔ الحمد للہ۔

اس میں اختلاف ہے کہ جنت میں افضل کون ہے انسانوں میں سے عورتیں یا حوریں؟ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے: رشیدین، ابن انعم سے وہ حبان بن ابی جبلہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے عورتیں جو جنت میں داخل ہوں گی انہیں دنیا میں اعمال کی وجہ سے حور عین پر فضیلت دی جائے گی۔

مرفوع روایت ہے کہ ”انسانوں میں سے عورتیں، حور عین میں سے ستر ہزار گنا فضیلت والی ہوں گی“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کہا: وَأَبْدِلْهُ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ (1) اسے بیوی عطا فرما جو اس کی اس بیوی سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: پُحُوْرًا عَيْنِيْنِ يَهْ مِضَافٌ، مِضَافٌ إِلَيْهْ يَهْ پُحُوْرًا عَيْنِيْنِ مِ يَهْ مِضَافَةٌ أَوْ تَوْحِيْدٌ بَرَابَرِيْنِ۔

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ أَمِينٍ ﴿٥٥﴾

”وہ منگو لیا کریں گے وہیں ہر قسم کا پھل اطمینان سے۔“

قوادہ نے کہا: أَمِينٍ ﴿٥٥﴾ وہ موت سے، بیماری سے اور شیطان سے محفوظ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو نعمتیں ہیں ان کے انقطاع سے امن میں ہوں گے یا اس چیز سے امن میں ہوں گے کہ ان چیزوں کے کھانے سے انہیں کوئی تکلیف یا ناپسندیدہ چیز لاحق ہو سکتی ہے۔

لَا يَدْرُقُونَ فِيهَا الْمُوتَ إِلَّا الْمُؤْتَةَ الْأُولَىٰ ۚ وَوَقْتَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ

رَبِّكَ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٦﴾

”نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچا لیا انہیں عذاب جہنم سے محض آپ کے رب کی مہربانی سے یہی وہ بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں آرزو تھی)۔“

لَا يَدْرُقُونَ فِيهَا الْمُوتَ إِلَّا الْمُؤْتَةَ الْأُولَىٰ يَهْ مِشْتَقٌّ مُنْقَطِعٌ يَهْ۔ لیکن پہلی موت کا ذائقہ انہوں نے دنیا میں چکھ لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الا بعد کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: مَا كَلَّمْتِ رَجُلًا يَوْمَ الْآرِجِ عِنْدَكَ۔ اس میں الا رَجُلًا بَعْدَ رَجُلٍ عِنْدَكَ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: الا، سَوِيٌّ كَالْمَعْنَى فِي يَهْ يَعْنِي سِوَا يَهْ اس موت کے جس کا ذائقہ دنیا میں انہوں نے چکھ لیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَتَّكِفُوا مَا نَكَّحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: 22) یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: مَا ذُقْتَ الْيَوْمَ طَعَامًا سِوَى مَا كَلَّمْتِ امْسَ فِي يَهْ آجِ كَوْنِي كَمَا نَأْتِي كَمَا يَسْوَا يَهْ اس کے جو میں نے کل کھایا تھا۔

قصی نے کہا: إِلَّا الْمُؤْتَةَ الْأُولَىٰ اس کا معنی ہے مومن جب موت کے قریب جاتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور وہ روح و ریحان سے ملاقات کرتا ہے جنت میں اس کی موت اس کے اسباب کے ساتھ متعنف ہونے کی بنا پر ہوگی۔ استثناء صحیح ہے موت ایک عرض ہے اس کو چکھنا نہیں جاتا لیکن اسے کھانے کی طرح بنا دیا گیا ہے جس کا چکھنا ناپسند کیا جاتا

ہے تو ذوق کا لفظ بطور مجاز ذکر کیا جاتا ہے۔

وَوَقَّهْمُ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ رَبِّكَ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے فَضْلًا یہ مصدر ہے جس کا یہ دعویٰ عامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل وَوَقَّهْمُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فعل مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عامل اس کلام کا معنی ہے جو اس سے قبل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کے باعث وہ جنت میں داخل ہوتے۔

ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ یعنی سعادت، عظیم نفع اور عظیم نجات۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے فاز بکذا یعنی اسے پایا اور اس کے ساتھ کامیاب ہوا۔

فَأَنبَأَ سَيِّئُهُ بِلسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَأَمَّا تَقَبُّبُ إِيَّاهُمْ فَمُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

”پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔“

فَأَنبَأَ سَيِّئُهُ بِلسَانِكَ یعنی قرآن، ہم نے اسے آپ کی زبان پر نازل کر کے آپ پر اور جو بھی اسے پڑھے اس پر آسان کر دیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کریں اور اپنے برے اعمال سے رک جائیں اسکی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ﴿٥٩﴾ (القمر) اس سورت کا اختتام قرآن کی اتباع پر برا ہیجنتہ کرنے پر کیا ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح سورت کے آغاز میں ہوا اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُدَّرٍ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿٦٠﴾ (القدر) جس طرح پہلے گذر چکا۔ فَأَمَّا تَقَبُّبُ إِيَّاهُمْ فَمُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾ میں نے آپ سے ان کے خلاف جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کیجئے جس طرح وہ آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں، نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کی جانب سے فتح کا انتظار کیجئے جس طرح وہ اپنے گمان کے مطابق تجھ پر غلبہ پانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس طرح وہ تیرے بارے میں حادثات کا انتظار کر رہے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے تجھ سے ثواب کا جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کرو وہ اس طرح ہیں گویا میں نے ان سے جو عقاب کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم قیامت کا انتظار کرو کیونکہ وہ فیصلہ کا دن ہے اگرچہ وہ اس کے وقوع کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ انہیں انتظار کرنے والا بنا دیا گیا ہے کیونکہ ان کا انجام یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سورۃ الجاثیہ

﴿سورة الجاثية﴾ ﴿سورة الجاثية﴾ ﴿سورة الجاثية﴾ ﴿سورة الجاثية﴾ ﴿سورة الجاثية﴾

یہ تمام سورت مکی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، حضرت جابر اور عکرمہ کا قول ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مدنی ہے وہ ہے قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ آيَاتُ اللَّهِ حضرت عمر بن خطاب کے متعلق مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (2)۔ مہدوی اور نحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (3)۔ ہجرت سے قبل مشرکوں میں سے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دی تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ آیت کو نازل فرمایا پھر یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ کر دی گئی۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (توبہ: 5) اس تعبیر کی بنا پر یہ ساری سورت مکی ہے۔ اس کی سبب آیتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمْدٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

”ح۔ ميم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔“

حَمْدٌ ۝ یہ مبتدا ہے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ یہ خبر ہے بعض نے کہا: حَمْدُ سورت کا نام ہے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مبتدا ہے اس کی خبر مِنْ اللّٰهِ ہے کتاب سے مراد قرآن ہے الْعَزِيزِ کا معنی زبردست محفوظ الْحَكِيمِ اپنے افعال میں حکمت والا۔ ان تمام کلمات کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبْتٰغِيْنَ مِنْ دَابَّۃٍ

اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ

رِزْقٍ فَاٰخِیَآءُ بِالْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

”بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی) (قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔ اور

(خود) تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو وہ پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو

یقین رکھتے ہیں نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق (کاسبب مینہ) پھر

زندہ کر دیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں نشانیاں

ہیں ان کے لیے جو عقل مند ہیں۔“

إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَعِزَّةَ لِيَعْنِي ان دونوں کی تخلیق میں۔ وَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مِنْ تَرْزُقٍ رِزْقٍ سِوَا بَارِش ہے فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَةٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ① تمام بحث سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گذر چکی ہے۔ عام قراءت وَمَا يَبُتُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَةٌ، وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَةٌ دونوں میں آیات رفع کے ساتھ ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں تاء کے نیچے کسرہ دیا ہے۔ پہلے میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ وہ منصوب ہے وہ ان کا اسم ہے اور اس کی خبر فی السَّمَوَاتِ ہے دوسرے لفظ آیات میں کسرہ اس پر عطف کی وجہ سے ہے جو اس میں عامل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ان فی خلقکم وما یبث من دابة آیات جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں نصب لفظ آیات کے تکرار کی وجہ سے ہے جب کلام لمبا ہو گیا جس طرح تو کہتا ہے: ضربت زیدا زیدا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس پر محمول کریں گے جس میں ان عامل ہے اس میں فی کو محذوف مقدر مانیں گے، تقدیر کلام یہ ہے فی اختلاف اللیل والنہار آیات، فی حذف ہو گیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ سیبویہ نے اس کے حذف میں یہ شعر پڑھا ہے:

أَكَلُ امْرِئٍ تَحْسِبِينَ اِمْرًا وَنَارٍ تَوَقُّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا (1)

”کیا ہر آدمی کو تو آدمی خیال کرتی ہے اور ہر آگ جو رات کو روشن کی جاتی ہے اسے ضیافت کی آگ شمار کرتی ہے۔“ لفظ کل حذف کر دیا گیا جو نار کی طرف مضاف ہے جو مجرور ہے حذف کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دو عالموں پر عطف کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ سیبویہ نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ انفس اور کوفیوں کی جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ وَاخْتِلَافِ كَاعْطَفِ وَفِي خَلْقِكُمْ پر ہے پھر فرمایا: وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَةٌ تو یہ دو عالموں پر عطف کا محتاج ہے اور دو عالموں پر عطف قبیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف عطف عامل کے قائم مقام ہوتے ہیں پس یہ اس کی قوت نہ رکھیں گے کہ دو مختلف عالموں کے قائم مقام ہو جائیں کیونکہ اگر یہ ناصب اور رافع کے قائم مقام ہو تو یہ ایک ہی حال میں رفع اور نصب دینے والا ہوگا۔ جہاں تک رفع کی قراءت کا تعلق ہے تو یہ ان اور جس میں ان عامل ہے اس کے محل پر محمول ہوگا جبکہ نحو یوں نے اس صورت میں بھی دو عالموں پر عطف کو لازم کیا ہے، کیونکہ اس نے وَاخْتِلَافِ كَاعْطَفِ وَفِي خَلْقِكُمْ پر کیا ہے اور آیت کا عطف پہلے لفظ آیت کے محل پر کیا ہے لیکن لفظ فی کو مکرر مقدر کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما قبل کلام سے اسے قطع کر کے اسے رفع دیا جائے تو اسے مبتدا ہونے کی حیثیت میں اسے رفع دیا جائے گا اور ما قبل اس کی خبر ہوگی اور جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا۔ فراء نے اختلاف اور آیت دونوں کے منع کا ذکر کیا ہے اور اختلاف ہی کو آیات بنایا ہے۔

تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ①

”یہ سب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ پس وہ کون سی

ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے۔“

تِلْكَ آيَاتُ يَهْدِي اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي آيَاتُ هِي عِنِّي اِيَسِي دَلَالُ اُور بَرَاهِيْنُ هِي اُو اللّٰهُ تَعَالَىٰ كِي وَحْدَانِيَّتِ اُور اِس كِي قُدْرَتِ پَر دَلَالَتِ كَرْتِي هِي۔ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ حَقِّ سِي مَرَاد صَدَقْ هِي، عِنِّي يِه اِيَسِي آيَاتُ هِي اُو باطلِ نِهِيں اُور جَنِّ مِيں جھوٹِ نِهِيں۔ اِسِي يَتْلُوْهَا پَر حَا كِي اِيَسِي هِي۔ فَيَا مِي حَدِيْثُ بَعْدَ اللّٰهِ عِنِّي اللّٰهُ تَعَالَىٰ كِي كَلَامِ كِي بَعْدِ۔ اِيَكِ قَوْلِ يِه كِي اِيَسِي هِي: اِس كِي قُرْآنِ كِي بَعْدِ۔ وَآيَاتِهِ يُوْمِنُوْنَ ۝ اَمِ قِرَاءَتِ يَاءِ كِي سَاتھِ هِي۔ اِبْنِ مَحْيِيْنِ اُور اَبُو بَكْرِ نِي حَاصِمِ سِي، حَمَزَه اُور كَسَائِي نِي تُو مَنُوْنِ تَاءِ كِي سَاتھِ پَر حَا هِي۔

وَيَلِّ لِكُلِّ اَفَّاكٍ اَشِيْمٍ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللّٰهِ تُثَلِّي عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاْنُ لَمْ

يَسْمَعَهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابِ اَلِيْمٍ ۝

”ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) ازار بتاتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں۔“

وَيَلِّ لِكُلِّ اَفَّاكٍ اَشِيْمٍ ۝ وَيَلِّ جَنِّمِ مِيں اِيَكِ وَاْدِي هِي اُو اَدْمِي اللّٰهُ تَعَالَىٰ كِي آيَاتِ سِي اسْتِدْلَالِ كُو تَرَكِ كَرْتَا هِي اِس كِي لِي دَحْمَلِي هِي اَفَّاكٍ كَا مَعْنِي كَذَابِ هِي۔ اَفَّاكِ كَا مَعْنِي جھوٹِ هِي اَشِيْمِ گناہِ كَا اِرْتِكَابِ كَرْنِي وَا لا مَرَادِ هِي نَضْرَبِنِ حَارِثِ۔ حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسِ نَجْدِي سِي مَرُو كِي هِي: مَرَادِ حَارِثِ بِنِ كَلْدَهِ هِي۔ تَعْلِي بِي نِي حَكَايَتِ بِيَانِ كِي هِي: مَرَادِ اَبُو جَهْلِ اُور اِس كِي سَاتھِي هِي۔

يَسْمَعُ آيَاتِ اللّٰهِ تُثَلِّي عَلَيْهِ آيَاتِ اللّٰهِ سِي مَرَادِ قُرْآنِ كِي آيَاتِ هِي ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا وَا هِي اِيَسِي كَفْرِ مِيں بَہْتِ دُورِ نَكَلِ كِي اِيَسِي اُور اَطَاعَتِ كَرْنِي سِي اِيَسِي اُو كُو عَظِيْمِ خِيَالِ كَرْتَا هِي يِه صَرَّ الصُّرَّةِ سِي مَا خُوْذِ هِي جَبِ وَا هِي تَعْلِي كُو بَا نَدِ هِي: يِه مَعْنِي حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسِ اُور دُوسرِي عُلَمَاءِ نِي كِي اِيَسِي هِي۔ اِيَكِ قَوْلِ يِه كِي اِيَسِي اِيَسِي: اَصْلِ مِيں يِه اَصْرُ الحِمَارِ عِنْدِ العَانَةِ هِي وَا اِيَسِي كَا نِ كَحْرِي سِي كَر كِي اِس كِي طَرَفِ مَرْتَا هِي۔ كَا نِ مِي اُنْ مَشْقَلَهِ سِي مَخْفَفَهِ هِي گُويَا اِس نِي اِس كُو سَنَا يِهِي نِهِيں ضَمِيْرِ شَانِ هِي جِس طَرَحِ اِس مَصْرَعِ مِيں اِسْمِ ضَمِيْرِ شَانِ مَخْدُوفِ هِي:

كَانَ طَبِيئَةً تَعْفُوَانِ نَاصِرِ النَّسَمِ گُويَا بَرِنِ تَرُو وَا تَا زَهِ سَلَمِ كِي دَرِخْتِ سِي كَحَاتَا هِي۔

جملہ کا مکمل نصب ہے یعنی کان اس طرح کھڑے کرتا ہے جس طرح نہ سننے والا کان کھڑے کرتا ہے۔ سورہ لقمان کے آغاز میں اس آیت کا معنی گذر چکا ہے۔ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابِ اَلِيْمٍ ۝ کا معنی بھی سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

وَرَاٰهُمْ جَهَنَّمَ ۝ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ

اُولِيَاءَ ۝ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

”اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے، یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔“

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَ هَاهُنَا جَسَدًا مِمَّنْ بَارِئًا مِمَّنْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝۱۰
 جہنم کے داروغوں کے بارے میں کہتا: اگر وہ انیس ہیں تو میں اکیلا انہیں کافی ہو جاؤں گا۔ اُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۱۰
 مُّهِينٌ سے مراد ذلیل و رسوا کرنے والا ہے۔ مِنْ وَرَاءِهِمْ جَهَنَّمُ دُنْيَا مِمَّنْ بَارِئًا مِمَّنْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سے تکبر کیا کرتے تھے
 اب ان کے آگے جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ وَرَاءِهِمْ جَهَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہے۔ اس کی مثل قَوْلُ
 وَرَاءِهِمْ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۝۱۰ (ابراہیم) یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ شاعر نے کہا:

أليس ورائي إن تراخت منيتي أدب مع الولدان أرحف كالنساء

اگر میری موت موخر ہو جائے تو کیا میرے آگے ایسا وقت نہیں کہ میں بچوں کے ساتھ رنگوں گا اور گدھ کی طرح گھسٹوں گا۔
 وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا عِني مال اور اولاد میں سے کوئی چیز انہیں نفع نہ دے گی۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
 لَنْ نُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا (آل عمران: 10) یہاں بھی مراد مال اور اولاد ہے۔ وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ
 دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ مراد بت ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۰ یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا اور تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

هَذَا هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَبِّهِمْ ۝۱۱

”یہ قرآن سراپا ہدایت ہے، اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے۔“

هَذَا هُدًى یہ مبتدا خبر ہے یعنی قرآن سراپا ہدایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو
 حضرت محمد ﷺ لائے وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَبِّهِمْ نے اللہ تعالیٰ کے دلائل کا انکار کیا لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَبِّهِمْ
 اَلَيْهِمْ ۝۱۱ رجز سے مراد عذاب ہے، یعنی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَنْزَلْنَا عَلَى
 الْذِينَ ظَلَمُوا مِنْ السَّمَاءِ (بقرہ: 59) رجز سے مراد عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجز سے مراد ناپاک شے
 ہے جس طرح رجز ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۝۱۰ (ابراہیم) یعنی گندہ
 مشروب پینے کی صورت میں ان کے لیے عذاب ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی واقع ہوا ہے ابن محیسن نے راء کو ضمہ دیا ہے۔ ابن
 کثیر، ابن محیسن اور حفص نے اَلَيْهِمْ کو مرفوع پڑھا ہے معنی ہے ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو رجز ہے۔ باقی قراء نے
 اَلَيْهِمْ کو مجرور پڑھا ہے، یہ رجز کی صفت ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لِيَجْرِيَ فِيهِ فَاَمْرًا فَلْيَتَّقُوا مِنَ اللَّهِ مَا يَمُرُّ بِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٧﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۗ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٨﴾

”اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تا کہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے اور تا کہ (تم بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو اور مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے، بے شک اس (نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لَتَجْرِبَ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٧﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت اور اپنے بندوں پر تمام نعمت کا ذکر کیا اور اس امر کی وضاحت کی کہ جو کچھ پیدا کیا وہ لوگوں کے منافع کے لیے پیدا کیا۔

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فعل، اس کی تخلیق اس کا احسان اور انعام ہے۔ حضرت ابن عباس، حمدری اور دوسرے علماء نے جَمِيعًا مِّنْهُ پڑھا ہے یعنی میم مکسور، نون مشدد اور ہاء پر تین ہے۔ یہ مفعول مطلق کے طریقہ پر منصوب ہے۔ ابو عمرو نے کہا: میں نے مسلمہ سے اسی طرح سنا کہ انہوں نے اسے مِّنْهُ پڑھا، یعنی فضل و کرم کے طریقہ پر۔

مسلم بن محارب نے اسے جَمِيعًا مِّنْهُ پڑھا ہے کہ من کا لفظ ہاء کناہ کی طرف منسوب ہے۔ ابو حاتم کے نزدیک یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ذلک دھومنہ۔ جماعت کی قراءت ظاہر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُ وَاَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿١٨﴾

”(اے حبیب) فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تا کہ اللہ خود بدل دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔“

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُ وَاَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٨﴾ قول ہے: قُمْ تُصَبِّحُوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَغْفِرُ وَاَلَام کے حذف کی وجہ سے محذوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس معنی کی بنا پر یہ محذوم ہے قل لہم اغفروا ایغفروا یہ امر محذوف کا جواب ہے جس امر پر کلام دلالت کرتی ہے۔ یہ علی بن عیسیٰ نے قول کیا ہے، ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے۔ یہ آیت اس سبب سے نازل ہوئی (1) کہ قریش کے ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول صحیح نہیں۔ واحدی، قشیری اور دوسرے

علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں نازل ہوئی جو ان کا معاملہ غزوہ بنی مصطلق میں عبد اللہ بن ابی کے ساتھ ہوا تھا (1) یہ سب لوگ ایک چشمہ پر فروکش ہوئے جسے مرسیع کہا جاتا۔ عبد اللہ نے اپنا غلام پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے واپس آنے میں دیری کی۔ عبد اللہ بن ابی نے پوچھا: کس چیز نے تجھے روک رکھا؟ اس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب کے غلام نے وہ کنویں کے منہ پر بیٹھ گیا اس نے کسی کو بھی پانی بھرنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور اپنے آقا کا مشکیزہ بھرا۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: ہماری اور ان کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح کہا گیا سَبَنَ كَلْبِكَ يَا كَلْبُكَ اپنے کتے کو موٹا کرو کہ وہ تمہیں کھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پہنچ گئی آپ نے تلوار لی آپ اس کی طرف جانا چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما دیا: یہ عطا کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: **مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللہ قرضاً حسناً۔** مدینہ کا یہودی جس کو فحاص کہا جاتا اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب محتاج ہو گیا ہے۔ کہا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو آپ نے تلوار لی اس کی تلاش میں نکلے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا: **ان ربك يقول لك قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ آيَاتِ اللَّهِ** حضرت جبریل امین نے بتایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لی ہے اور یہودی کی تلاش میں نکلے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی تلاش میں آدی بھیجا جب حضرت عمر آگئے فرمایا: ”اے عمر! اپنی تلوار رکھ لو“ عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرا رب کہتا ہے **قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ آيَاتِ اللَّهِ**“ عرض کی: کوئی حرج نہیں جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ میرے چہرے پر غضب نہ دیکھیں گے۔

میں کہتا ہوں: مہدوی اور نحاس نے جو ذکر کیا ہے وہ ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: یہ قرظی اور سدی کا قول ہے۔ اسی قول کی بنا پر آیت میں نسخ کی طرف توجیہ کی جاتی ہے اور یہ کہنا کہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے یا غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوئی ہے تو یہ منسوخ نہیں۔ **يَغْفِرُوا** کا معنی معاف کرنا اور درگزر کرنا ہے۔ **لَا يَرْجُونَ آيَاتِ اللَّهِ** کا معنی ہے وہ اس کے ثواب کی امید نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور انتقام سے خوف نہیں کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجاء کا معنی خوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا** (نوح) تم اس کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تم سابقہ امتوں کے عذاب کی مثل سے نہیں ڈرتے۔ ایام سے مراد بڑے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بعث (دوبارہ اٹھائے جانے) سے نہیں ڈرتے۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ عام قراءت **لِيَجْزِيَ** ہے معنی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ حمزہ، نسائی اور ابن

عامر نے لنجزی پڑھا ہے۔ جمع متکلم کا سینہ تعظیم کے طریقہ پر ہے۔

ابو جعفر، اعرج اور شیبہ نے لِنَجْزِي پڑھا ہے، فعل مجہول ہے۔ قَوْمًا یہ منصوب ہے۔ ابو عمرو نے کہا: وہ واضح غلطی ہے۔ نسائی نے کہا: اس کا معنی ہے لیجزی الجزاء قوم ما قوم کو جزادی جاتی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكَذَلِكَ نُجَيِّدُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾ (الانبیاء) یہ ابن عامر اور ابو بکر کی سورۃ الانبیاء میں قرائت ہے۔ شاعر نے کہا:

دَلُو وَ لَدَثٌ قَفِيْرَةٌ جَزُوْكَ لَبَّ لَسْبٌ بِذَلِكَ الْجَزُو الْكَلَابَا

اگر قفیرہ کتے کے پلے کو جنم دیتی تو اسی پلے کی وجہ سے کتوں کو گالیاں دی جاتیں۔

تو اس کی تعبیر یہ ہے لَسْبٌ السَّبُّ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَقَدْ اَتَيْنَا بَنِي اِسْرَائِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَاَدْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اَتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْْرِ ۗ فَمَا اٰخْتَلَفُوْا اِلَّا مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۗ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَسْاَلُوْنَ فِيْهِ بِمُخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲﴾

”جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹا یا جائے گا اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیے پس آپس میں انہوں نے جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق) کا صحیح علم آ گیا محض باہم حسد و عناد کے باعث، یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا... اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَيْنَا بَنِي اِسْرَائِيْلَ الْكِتٰبَ سے مراد تورات ہے وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ حکم سے مراد کتاب کا فہم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حکم سے مراد لوگوں پر حکم چلانا اور فیصلہ کرنا ہے۔ النُّبُوَّةَ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیاء ہیں۔

وَ رَاَدْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ طیبات سے مراد غذاؤں، پھلوں اور کھانوں میں سے حلال چیزیں جو ملک شام میں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تہیہ کے ریگستان میں من و سلوی ہے۔ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱﴾ یعنی ان کے زمانہ کے عالم۔ جس طرح اس کی وضاحت سورہ دخان میں گذر چکی ہے۔

وَ اَتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْْرِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْْرِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور آپ

کی نبوت کے شواہد ہیں (1) کہ آپ تہامہ سے یثرب کی طرف ہجرت کریں گے اہل یثرب آپ کی مدد کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: **بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ** سے مراد شرعی احکام ہیں جو حلال و حرام میں واضح ہیں اور معجزات ہیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِمَّنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے ان میں سے بعض ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا (2)؛ یہ نقاش نے بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **إِلَّا مِمَّنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ** سے مراد نبی کریم ﷺ کی نبوت ہے پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔

بَيِّنَاتٍ بَيْنَهُمْ نَبِيٌّ كَرِيمٌ نبی کریم ﷺ پر جسد کرنے کی بنا پر (3)؛ یہ معنی ضحاک نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **بَيِّنَاتٍ** کا معنی ہے بعض بعض پر بغاوت کرتے ہیں اور فضل و سرداری کو طلب کرتے ہیں اور انہوں نے انبیاء کو قتل کیا، اسی طرح تیرے زمانے کے مشرک ہیں اے محمد! **بَيِّنَاتٍ** ان کے پاس بیانات آگئیں لیکن انہوں نے بیانات سے اعراض کیا کیونکہ وہ ریاست میں باہم مقابلہ کرتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم تِيرَابٍ ان کو حکم دیتا ہے اور ان کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے **يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ** (4) وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (5)

”پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ** لغت میں شریعت سے مراد مذہب اور ملت ہے۔ پانی کے گھاٹ کو شریعہ کہتے ہیں اسی سے لفظ شارع ہے کیونکہ یہ مقصد کی طرف جانے کا راستہ ہے شریعت اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین شروع کیا ہوتا ہے۔ اس کی جمع شرائع ہے۔ دین میں شرائع سے مراد وہ مذاہب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے شروع کیے ہوتے ہیں۔ **جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ** کا معنی ہے یعنی دین کے معاملہ میں واضح منہاج جو تجھے حق کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ** کا معنی ہے دین کے معاملہ میں ہدایت پر۔ قتادہ نے کہا: شریعت سے مراد امر، نہی، حدود اور فرائض ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی بینہ ہے کیونکہ یہ حق کی طرف واضح راستہ ہے۔ کلبی نے کہا: مراد السنۃ ہے کیونکہ اس کے ذریعے ما قبل انبیاء کے راستہ پر چلا جاتا ہے (4)۔ ابن زید نے کہا: مراد دین ہے کیونکہ وہ نجات کا راستہ ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: امر کا لفظ لغت میں دو معنوں میں وارد ہوتا ہے۔ 1۔ یہ شان کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فَاتَّبِعُوا أَمْرًا مِّنْ فَضْلِهِمْ** (ہود) 2۔ کلام کی وہ قسم ہے نہی جس کے مقابل ہوتی ہے دونوں معانی کو یہاں مراد بنانا صحیح ہے نقدیر کلام یہ ہوگی پھر ہم نے تجھے دین کے طریقہ پر

چلایا یہ ملت اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَمْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعِ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** (النحل)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توحید، مکارم اخلاق اور مصالح میں شرائع میں کوئی فرق نہیں رکھا فرعی مسائل میں فرق کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم محیط تقاضا کرتا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: جو لوگ علوم میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں ہماری شریعتیں نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اس کی امت کو شریعت میں خاص کیا ہے۔ ہم اس بات کا تو انکار نہیں کرتے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت شریعت میں منفرد ہے اختلاف اس امر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ما قبل شریعتوں کے بارے میں مدح اور ثنا کے انداز میں خبر دی ہے کیا اس کی اتباع لازم ہے یا نہیں؟

وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یعنی مشرکوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

إِنَّهُمْ لَنْ يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے، بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کا دوست ہے۔“

إِنَّهُمْ لَنْ يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دور نہیں کریں گے۔

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ظالم ایک دوسرے کے دوست، مددگار اور احباب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے منافق یہودیوں کے دوست ہیں۔

وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ اللہ متقین کا مددگار ہے۔ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔

هَذَا بَصَاءٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ

”یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہے ان کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔“

هَذَا بَصَاءٌ لِلنَّاسِ یہ کلام مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ چیز جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ حدود و احکام میں لوگوں کے لیے براہین،

دلائل اور علم کے محل ہیں۔ اسے ہَذَا ابْصَا پڑھا گیا ہے یعنی یہ آیات بصائر ہیں۔ وَهَدَىٰ یعنی راہنمائی اور طریقہ ہیں جو اس آدمی کو جنت کی طرف لے جاتا ہے جو بھی اسے اپناتا ہے وَرَاحَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۵۰﴾ اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے آخرت میں رحمت ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۱﴾

”کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا، بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔“

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ یعنی جنہوں نے برائیاں کیں۔ اجتراح کا معنی کمانا ہے، اسی سے جو جوارح کا لفظ ہے اس کی وضاحت سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے۔

أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کلمی نے کہا: الَّذِينَ اجْتَرَحُوا سے مراد عتبہ، شیبہ جو ربیع کے بیٹے تھے (1) اور ولید بن عتبہ ہے كَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث ہیں جب انہوں نے ان کو بدر کے روز دعوت مبارزت دی اور انہیں قتل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مشرکوں کی ایک جماعت کے بارے میں آیت نازل ہوئی انہوں نے کہا تھا: آخرت میں انہیں مومنوں کے مقابلہ میں بہتر دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کے بارے میں بتایا۔

وَلَيْنَ تَرَجَعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ (فصلت: 50) أَمْ حَسِبَ یہ استفہام ہے یہ کلام معطوف ہے اس کا معنی انکار ہے ابل عربیہ عطف کے بغیر بھی اسے جائز سمجھتے ہیں جب وہ خطاب کے وسط میں ہو۔ ایک قوم کہتی ہے: اس میں اضمار ہے یعنی اللہ تعالیٰ متقین کا ولی ہے کیا مشرک یہ جانتے ہیں یا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے درمیان برابری کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام منقطعہ ہے اس میں حمزہ کا معنی سہان کا انکار ہے عام قراء کی قراءت سَوَاءً رَفْع کے ساتھ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر مقدم ہے تقدیر کلام یہ ہے مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں ضمیر کفار کی طرف لوٹے گی، یعنی ان کی زندگی بری زندگی ہے اور ان کی موت بھی اسی طرح ہے۔ حمزہ، کسائی اور اعمش نے سَوَاءً نَصْب کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے اس کا معنی ہے ہم اسے برابر بنا دیں گے۔ اعمش اور عیسیٰ بن عمر نے مَمَاتُهُمْ نَصْب کے ساتھ پڑھا ہے، معنی ہوگا وہ اپنی زندگی اور موت میں برابر ہیں جب حرف جارنی مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں سے ساقط کر دیا تو وہ منصوب ہو گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ یہ نَجْعَلَهُمْ کی ضمیر سے بدل ہوں، معنی ہوگا کیا ہم ان کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے جس طرح مومنوں کی زندگی اور موت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کی ضمیر کفار اور

مومنین سب کے لیے ہو۔ مجاہد نے کہا: مومن مومن کی حیثیت سے مرتا ہے، مومن کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے، کافر کافر کی حیثیت سے مرتا ہے اور کافر کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے (1)۔ ابن مبارک نے ذکر کیا شعبہ، عمرو بن مرہ سے وہ ابوصحاح سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے آدمی نے کہا: یہ تمیم داری کا مقام ہے میں نے اسے ایک رات دیکھا یہاں تک کہ اس نے صبح کی یا صبح کے قریب تھا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک آیت کو پڑھتا، رکوع کرتا، سجدہ کرتا اور روتا **أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَمَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ**۔

بشیر نے کہا: میں ایک رات ربیع بن خثیمہ کے پاس گزرا وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے وہ اس آیت کے پاس سے گذرے ساری رات اسی پر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ صبح کر دی شدید رونے کی وجہ سے اس سے آگے نہ بڑھے۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: میں فضیل بن عیاض کو اکثر دیکھا کرتا وہ رات کے پہلے حصہ سے آخر رات تک اس آیت کو دہراتے رہتے اور اس کی مثل آیات پڑھتے رہتے، پھر کہتے: کاش! تو جانتا تو کس جماعت میں سے ہے؟ اس آیت کو عابدین کو رلانے والی آیت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ محکم ہے۔

وَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

”اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

وَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ الحق سے پہلے الامر کا لفظ مخدوف ہے **وَلِيُجْزِيَ** اصل میں لکی تجزی تھا **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** ہر نفس نے جو کیا ہوگا اسے آخرت میں جزا دی جائے گی **وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝** ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَ خَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَ قَلْبِهِ وَ جَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشْوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

”ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ، پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے۔“

حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کافر نے اپنا دین اسی کو بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے وہ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا مگر اس پر سوار ہو جاتا ہے (2)۔ عکرمہ نے کہا: ذرا اسے تو دیکھو جس نے اپنا معبود اسے بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے یا جسے وہ اچھا جانتا ہے جب وہ کسی چیز کو اچھا خیال کرتا ہے اور اس کی خواہش کرتا ہے تو اسے اپنا الہ بنا لیتا ہے (3)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان میں سے کوئی پتھر کی پوجا کرتا جب اس پتھر سے خوبصورت پتھر دیکھتا

تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور دوسرے کی عبادت شروع کر دیتا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حارث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی جو مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ اس کی پوجا کرتا جس کی خواہش کرتا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: انہوں نے پتھر کی عبادت کی کیونکہ بیت اللہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جو اپنی خواہش اور اپنے معبود کی پیروی کرتا ہے۔ اس کلام سے مقصود ذوی العقول کی اس جہالت پر تعجب کا اظہار کرنا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ شعبی نے کہا: خواہش کو ہوی کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ خواہش کرنے والے کو آگ میں پھینک دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہوی کا ذکر نہیں کیا مگر اس کی مذمت کی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَ اتَّبِعْ هَوَاهُ** فَمَسَلَهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اعراف: 176) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اتَّبِعْ هَوَاهُ وَ كَانَ أَمْرًا فُرُطًا** (کہف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ (الروم: 29)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَنْ أَضَلَّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ (نقص: 50)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (ص: 26)**

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جس پیغام حق کو میں لایا ہوں“ (1)۔

حضرت ابو امامہ نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”آسمان کے نیچے کسی معبود کی عبادت نہیں کی گئی جو خواہش نفس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہو“۔ حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: **الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله (2)**۔ داتا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کیا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور فاجر وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کیا اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تو ایسا بخل رکھے جس کی اتباع کی جاتی ہو، خواہش کی پیروی کی جاتی ہو، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہو ہر رائے والا اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے تو تجھے اپنی ذات کی فکر کرنی چاہیے اور تجھے عام لوگوں کے معاملات کو چھوڑ دینا چاہیے (3)“ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ثلاث مهلكات وثلاث منجيات فالهلكات شح مطامع وهوى متبع واعجاب المرء بنفسه والمنجيات خشية الله في السر والعلانية والقصد في الغناء والفقير والعدل في الرضا والغضب (4)** تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔ ایسا بخل

2۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر الموت والاستعداد به، جلد 2، صفحہ 324

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ 30

3۔ سنن ابن ماجہ، باب قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا، جلد 2، صفحہ 299

4۔ کنز العمال، جلد 16، صفحہ 45، حدیث نمبر 43866

جس کی اطاعت کی جائے، ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے آپ پر خوش ہونا۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں مخفی اور علانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غنا اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا اور رضامندی اور ناراضگی میں عدل کرنا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ایک آدمی صبح کرتا ہے تو اس کی خواہش، اس کا عمل اور اس کا علم اکٹھے ہوتے ہیں اگر اس کا عمل اس کی خواہش کے تابع ہو تو اس کا دن برادن ہوتا ہے۔ اگر اس کا عمل اس کے علم کے تابع ہوتا ہے تو اس کا دن صالح دن ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا:

إِنَّ الْهَوَانَ هُوَ الْهَوَى قَلْبُ اسِهِ فَإِذَا هَوَيْتَ فَقَدْ لَقَيْتَ هَوَانَ

ذلت ہی خواہش ہے اس کا نام الٹ دیا گیا ہے جب تو خواہش کرے تو تو نے ذلت کو پالیا
ابن مقفع سے ہوی کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا: ہوان کا نون چڑھایا گیا شاعر نے اسے لیا اور اسے اشعار میں
نظم کیا اور کہا

نُونُ الْهَوَانَ مِنَ الْهَوَى مَسْرُوقَةٌ فَإِذَا هَوَيْتَ فَقَدْ لَقَيْتَ هَوَانَ

ہوان کا نون ہوی سے چڑھایا گیا ہے جب تو خواہش کرے گا تو تو نے ذلت کو پالیا۔ اور ایک شاعر نے کہا:

إِنَّ الْهَوَى لَهْوُ الْهَوَانَ بَعِينُهُ فَإِذَا هَوَيْتَ كَسَبْتَ هَوَانَ

وَأِذَا هَوَيْتَ فَقَدْ تَعَبَدْتَ الْهَوَى فَافْضَعْ لِحَبَّتِكَ كَائِنًا مِنْ كَائِنًا

بے شک ہوا بے عینہ ہی ہوان ہے جب تو نے خواہش کی تو تو نے ذلت کو کما لیا۔

جب تو نے خواہش کی تو خواہش نے تجھے اپنا غلام بنا لیا اپنی محبت کو پست رکھ وہ جس سے بھی ہو۔

عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں:

وَمِنْ الْبَلَايَا لِلْبَلَاءِ عِلْمَةٌ أَلَا يُرَى لَكَ عَنْ هَوَاكَ نَزْوَعٌ

الْعَبْدُ عَبْدَ النَّفْسِ لِي شَهَوَاتِهَا وَالْحَرُّ يَشْبَعُ تَارَةً وَيَجُوعُ

آزمائشیں آزمائشوں کی علامت ہوتی ہیں کیا تیرے لیے تیری خواہش سے میلان دکھائی نہیں دیتا۔ بندہ اپنی خواہشات میں نفس کا غلام ہوتا ہے، شریف آدمی کبھی سیر ہوتا ہے اور کبھی بھوکا رہتا ہے۔

ابن درید کے اشعار ہیں:

إِذَا طَالَبْتَكَ النَّفْسُ يَوْمًا بِشَهْوَةٍ وَكَانَ إِلَيْهَا لِلْخِلَافِ طَرِيقٌ

فَدَعَهَا وَخَالَفَ مَا هَوَيْتَ فَإِنَّمَا هَوَاكَ عَدُوٌّ وَالْخِلَافُ صَدِيقٌ

جب نفس کسی روز تجھ سے کسی خواہش کا مطالبہ کرے جبکہ اس سے اختلاف کا طریقہ ہوا سے چھوڑ دو اور جو تو نے خواہش کی ہے اس کی مخالفت کر بے شک تیری خواہش دشمن ہے اور اس سے اختلاف کرنا درست ہے۔

ابو عبیدطوسی کا شعر ہے۔

وَالنَّفْسِ إِنْ أُعْطِيَتْهَا مَنَاهَا فَاعْرِقَ نَحْوَهَا فَهَآ

اگر تو نفس کو اس کی آرزو عطا کرے نفس اپنی خواہش کی طرف اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: میں ایک راہب کے پاس سے گذرا تو میں نے اسے نحیف و نزار پایا، میں نے اسے کہا: تو کمزور ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کتنے عرصہ سے؟ اس نے کہا: جب سے میں نے اپنے نفس کو پہچانا ہے، میں نے کہا: تو اس کی دوا کرتا ہے؟ اس نے کہا: دوا نے مجھے تھکا دیا ہے اور میں نے کئی کا عزم کیا ہے۔ میں نے کہا: کئی کیا ہے؟ اس نے کہا: خواہش نفس کی مخالفت۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: تیری خواہش تیری بیماری ہے اگر تو اس کی مخالفت کرے تو تیری دوائی ہے۔ وہب نے کہا: جب تجھے دوا مور میں شک ہو اور تو ان میں سے بہترین کو نہ جانتا ہو تو ان دونوں میں سے تیری خواہش سے جو زیادہ دور ہے اس کو دیکھو اور اس پر عمل کرو۔

اس باب یعنی خواہش نفس کی مخالفت اور اس کی مذمت میں مستقل کتابیں اور کتابوں کے ابواب ہیں ان میں سے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝** (نازعات)

وَأَصَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ یعنی علم جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں رکھتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے ثواب سے محروم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا (1)۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ گمراہ ہے (2)۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بت پرست کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ عمل اسے نہ نفع دے گا اور نہ نقصان پہنچائے گا۔ پھر کہا گیا: **عَلَىٰ عِلْمٍ** کے بارے میں جائز ہے کہ فاعل سے حال ہو معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول سے حال ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں کہ کافر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ گمراہ ہے۔

وَوَحَّتْ عَلَىٰ سَعِيدٍ وَقَلْبِهِ اس کے کان پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ وعظ کو نہیں سنتا (3)، اس کے دل پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں سمجھتا۔

وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاةً یعنی ایسا پردہ یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ حمزہ اور کسائی نے کہا: غشوة الف کے بغیر غین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ شاعر نے کہا:

أما والذي أنا عبده يبيننا و مالك أهدى السيينا

لئن كنت ألبستني غشوة لقد كنت أصفيتك الوء حيننا

محل استدلال البستني غشوة ہے۔

فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ جِبَالٌ مَدِيدَةٌ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ کہا: تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور تم نہیں پہچانتے کہ وہ ہر چاہت پر قادر ہے۔

یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے اور جو بھی ان کی راہ چلا اس کا رد کرتی ہے، کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ انہیں ہدایت سے روک دیا گیا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: **وَوَخَّتَمَ عَلٰی سَمْعِهِمْ وَقَلْبِهِمْ** یہ ان کے احوال کے بارے میں خبر کے طریقہ پر کلام چلائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے خلاف دعا کے طریقہ پر کلام ذکر کی گئی ہے جس طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں کلام گذری ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حارث بن قیس غیاطلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ نقاش نے کہا: یہ آیت حارث بن نوفل بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس نے ایک روز بیت اللہ شریف کا طواف کیا جبکہ اس کے ساتھ ولید بن مغیرہ تھا دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: رہنے دو کس چیز نے تجھے اس پر آگاہ کیا؟ اس نے کہا: اے ابو عبد شمس! ہم بچپن میں اسے صادق و امین کہتے تھے جب اس کی عقل مکمل ہو گئی اور دانش کمال کو پہنچ گئی تو ہم اسے کذاب و خائن کہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ صادق ہیں۔ ولید نے پوچھا: تجھے کونسی چیز روکتی ہے کہ تو اس کی تصدیق کرے اور اس پر ایمان لائے؟ ابو جہل نے کہا: میرے بارے میں قریش کی بچیاں باتیں کریں گی کہ میں نے ابو طالب کے ہاں پرورش پانے والے یتیم کی پیروی کی ہے وجہ مقابلہ نہ کر سکتا ہے، لات و عزی کی قسم! میں کبھی بھی اس کی پیروی نہیں کروں گا۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿١٣﴾

”اور وہ کہتے ہیں: نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض ظن (و تخمین) سے کام لے رہے ہیں۔“

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا ۚ

ہے نَمُوتُ وَنَحْيَا کا معنی ہے ہم مریں گے اور ہماری اولادیں زندہ رہیں گی (1)؛ یہ کلبی کا قول ہے اسے نُحْيَا بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے بعض مریں گے اور ہم میں سے بعض زندہ ہوں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ ہوں گے اور ہم مریں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سال اور دن ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: عمر ہے (4)؛ معنی ایک ہی

ہے۔ اسے الادھر سبز بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن عیینہ نے کہا: دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور ہمیں مارتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قطرب نے کہا: معنی ہے ہمیں موت ہی ہلاک کرتی ہے اور ابو ذؤیب کا قول پڑھا۔

أَمِنَ الْمُنُونِ وَرَيْبِهَا تَتَوَجَّعُ وَالذَّهْرُ لَيْسَ بِسَعْتَبٍ مَّنْ يَجْزَعُ

کیا تم موتوں اور ان کے حادثات سے دکھی ہوتے ہو جو آدمی جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔

عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ ”دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر رات اور دن اور وہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، ہمیں موت دیتا ہے اور ہمیں زندہ کرتا ہے پس وہ زمانہ کو گالیاں دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يُوذِنِي ابْنُ آدَمَ يَسْتَبِ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرَ أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (1)۔ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے میں دھر ہوں اور میرے قبضہ قدرت میں امر ہے، میں رات اور دن کو گھماتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول قال اللہ ابی آخرہ بخاری کی نص اور اس کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے سنن ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ موطا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا يقولن أحدكم يا خيبة الدهر فإن الله هو الدهر (2)۔ تم میں سے کوئی ایک یہ نہ کہے: ہائے زمانہ کی بربادی، بے شک اللہ ہی زمانہ ہے۔ جس نے یہ کہا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور کہا: علماء میں سے جنہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا اسم قرار نہیں دیا اس نے اسے دور جاہلیت میں عربوں کا جو انداز کلام تھا اس کا رد بنایا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دہر ہی حقیقت میں فاعل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے آیت میں ان کے بارے میں بتایا ہے جب انہیں کوئی مصیبت، ظلم یا ناپسندیدہ چیز پہنچتی تو اسے دہر کی طرف منسوب کرتے تو انہیں یہ کہا گیا: تم زمانہ کو گالیاں نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے (3)، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کو بجالانے والا ہے جن کو تم زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہو، تو گالی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتی ہے تو انہیں اس امر سے روک دیا گیا۔ اس نے جو ذکر کیا ہے اس کی صحت پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے (4)“ جس نے کہا بہت اچھا کہا وہ ابو علی ثقفی ہے:

يا عاتب الدهر إذا نابت لأكلم الدهر على غدره
الدهر مأمور له أمر وينتهي الدهر إلى أمره
كم كافر أمواله جنة تزداد أضعافاً على كفره

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ وما یهلکنا الا الدهر، جلد 2، صفحہ 715

4- ایضاً

3- ایضاً

2- صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الأدب وغیرہا، باب النہی سب الدهر، جلد 2، صفحہ 237

وَمُؤْمِنٍ لِّسَ لَهٗ دَرَهْمٌ يَزِدَادٌ اِيْمَانًا عَلٰى فُقْرٰهٖ

اے زمانہ کو عتاب کرنے والے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے زمانہ کی جانب سے وعدہ پورا نہ کرنے پر اسے ملامت نہ کر، زمانہ تو مامور ہے اس کا ایک آمر ہے زمانہ اس کے امر پر منتہی ہو جائے گا۔ کتنے ہی کافر ہیں جن کے اموال بے شمار ہیں ان کے کفر کے باوجود ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک مومن ہے اس کے پاس کوئی درہم نہیں اس کے فقر کے باوجود اس کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اکثر زمانہ کا ذکر کرتے تو ان کے والد نے انہیں اس بات سے جھڑکا فرمایا: اے بیٹے! زمانہ کے ذکر سے بچ اور یہ شعر پڑھا:

فَمَا الدَّهْرُ بِالْجَانِ لِيْشَى لِيْحِيْنَةَ وَلَا جَالِبَ الْبَلْوَى فَلَا تَشْتَمِ الدَّهْرًا

وَلٰكِن مَّتٰى مَا يَبْعَثُ اللهُ بَاعْثَا عَنِّي مَعْشَرَ يَجْعَلُ مِيَا سِيْرَهُمْ عُسْرًا

زمانہ کسی شے پر آزمائش کے ساتھ جنایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی مصیبت لانے والا ہے پس تو زمانہ کو گالیاں نہ دے مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قبیلہ پر کوئی مصیبت بھیجتا ہے تو ان کی خوشحالیوں کو تنگدستی بنا دیتا ہے۔

ابو عبید نے کہا: میں نے ایک ملحد سے مناظرہ کیا اس نے کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: فإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ میں نے کہا: کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زمانہ کی ہلاکتوں میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہو بلکہ وہ کہتے جس طرح اعمش نے کہا:

إِن مَّحَلًّا دَانَ مُرْتَحَلًا دَانَ فِي السَّفَرِ إِذْ مَضَوْا مَهَلًا

أَسْتَأْثِرُ اللهُ بِالْوَفَاءِ وَبِالْعَدْلِ وَوَلِيَّ الْمَلَامَةِ الرَّجُلَا

بے شک سفر پڑاؤ ڈالنے کا ایک محل ہے اور کوچ کرنے کی جگہ ہے اور اس میں آرام و فرصت ہے جب وہ چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے وفا اور عدل کو چن لیا ہے اور ملامت کو انسان کی طرف پھیر دیا ہے۔

ابو عبید نے کہا: اور حادثات کو اس کی طرف منسوب کیا۔ عمرو بن قعبیہ نے کہا:

رَمَتْنِيْ بِنَاتِ الدَّهْرِ مِنْ حَيْثُ لَا أَرَى فَكَيْفَ بِنِ يُوْمِيْ د لِيْسَ بَرَام

فَلَوْ أَنَّهُ نَبْلٌ إِذَا لَأَتْقَيْتَهَا وَلٰكِنِّيْ أَرْمَى بِغَيْرِ سَهَام

عَلَى الرَّاحَتَيْنِ مَزَّةٌ وَعَلَى الْعَصَا أَنْوَاءٌ ثَلَاثًا بَعْدَ هُنَّ قِيَامِي

مجھے حادثات زمانہ تیر مارتے ہیں جہاں سے میں دیکھتا نہیں اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس پر تیر مارا جائے اور وہ خود تیر نہ مار سکے اگر وہ تیر ہوتا تو میں اس سے بچ جاتا، لیکن مجھے تو تیر اس کے بغیر مارا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دونوں ہتھیلیوں پر اور تیسری دفعہ عصا کے سہارے اٹھتا ہوں ان کے بعد میرا کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

اس کی مثل اشعار میں بہت زیادہ ذکر ہے شعراء اسے زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی فاعل حقیقی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِيَّاهُ مِنْ زَانِدٍ هِيَ لِعَيْنِ أَنَّهُمْ نَعَى جَوْ كَجْهٍ كَمَا شَكَّ كَرْتِ هَوَى كَمَا۔

انہم اِلَّا يَظُنُّونَ ⑩ یعنی وہ ظن کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو بعثت میں شک کرتے ہیں اور قطعی طور پر انکار نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے ان کے لیے قیامت کا انکار تو ممکن نہیں وہ تاویل کرتے ہیں اور قیامت سے مراد بدن کی موت لیتے ہیں اور ثواب و عقاب اسے خیالات دیکھتے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق رُوحوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا شرم تمام کفار کے شر سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ لوگ حق پر طمع سازی کرتے ہیں اور ان کی ظاہری تلبیس سے دھوکہ کھایا جاتا ہے۔ وہ مشرک جو اعلانیہ مشرک کرتا ہے مسلمان اس سے احتیاط کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم مرتے ہیں اور ہمارے آثار زندہ رہتے ہیں۔ یہ اچھے ذکر کے ساتھ زندگی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے تنازع کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح مردوں میں رکھ دی جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَاءِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑪ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا سَايَبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ⑫

”اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے: اللہ نے زندہ فرما دیا ہے تمہیں پھر وہ مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں اور قیامت جس میں ذرا شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ جَبَّانِ مَشْرُوكُونَ بِرِہَامِ آيَاتِ بَرِّہَامِ جَاتِي ہِی جَوَابِثِ كِی جَوَازِ مِی نَازِلِ ہُوئی ہِی تُو ان کے پاس رد کرنے کے کوئی دلائل نہیں۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَاءِنَا، حُجَّتَهُمْ یہ کان کی خبر ہے اور اسم اِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَاءِنَا ہے یعنی ہمارے مردہ آباء کو لے آؤ جن سے ہم اس بارے میں سوال کریں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا قول رد کر دیا قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ بعد اس کے کہ تم مردہ نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کر دیا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں قیامت کے روز جمع کرے گا جس طرح اس نے تمہیں دنیا میں زندہ کیا۔ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ⑫ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

زمخشری نے کہا: اگر تو کہے ان کے قول کو کیوں حجت قرار دیا گیا جبکہ وہ حجت نہیں؟ میں کہوں گا: انہوں نے اس کے ساتھ اسی طرح دلیل پکڑی جس طرح استدلال کرنے والا اپنی دلیل سے استدلال کرتا ہے (1)۔ انہوں نے اسے دلیل کے انداز میں

ذکر کیا تو بطور استہزاء اسے حجت کا نام دیا گیا یا ان کے گمان اور اندازے کے مطابق وہ حجت تھی یا یہ اس اسلوب میں کلام ہے
تَحِيَّةٌ بَيْنَهُمْ فَزَبْحٌ وَجِيءٌ ۝ ان کا اہم سلام تکلیف دہ وار ہے۔

گو یا کہا گیا: ان کی حجت نہیں تھی مگر جو حجت نہیں تھی۔ مراد یہ ہے اس امر کی نفی کی جائے کہ ان کی کوئی حجت ہو۔

اگر تو یہ کہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان قُلْ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ كَيْسَ اسْتَوَابًا بِنَاءً اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ کا جواب ہے۔ میں اس کا
جواب دوں گا: جب انہوں نے بعثت کا انکار کیا، رسولوں کی تکذیب کی اور انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے یہ
خاموش کرنے والا قول ہے تو ان پر بطریق دلیل الزامی اس چیز کو لازم کیا جائے گا جس کے وہ اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ
تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر وہی انہیں مارے گا۔ اس دلیل الزامی کے ساتھ اس دلیل الزامی کو ملا دیا جائے گا جو اس اقرار کی
وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ قیامت کے روز انہیں جمع کرنا ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں اور حق کے داعی کی طرف توجہ کریں
جو ذات اس امر پر قادر ہے وہ ان کے آباء کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے یہ امر اس پر زیادہ آسان ہے۔

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۝ يَوْمَ يَخْسِرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ۝

”اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت
نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔“

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ خلقت اور ملک کے اعتبار سے یہ اللہ کے لیے ہیں۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۝ يَوْمَ يَخْسِرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ۝ پہلا یوم یخسر کی وجہ سے منصوب ہے اور یوم یومین تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے یا یہ بدل ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے تقدیر کلام یہ ہے دلہ الملک یوم تقوم الساعة، یومئذ میں عامل یخسر ہے۔ یخسر کا مفعول محذوف
ہے، معنی ہے وہ جنت میں اپنی منازل کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔

وَتَرَىٰ كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً ۝ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ۝ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝

”اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف
(انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“

وَتَرَىٰ كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً ۝ اس دن کی ہولناکی کے باعث تو یہ گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھے گا۔ یہاں امت سے مراد
ہر ملت والے ہیں۔ جاثیہ میں پانچ تاویلیں ہیں:

1۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مستوفزہ ہے (1)۔ سفیان نے کہا: مستوفزا سے کہتے ہیں جس کے زمین پر اس کے دونوں

گھٹنے اور اس کے پوروں کے اطراف لگتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ حساب کے موقع پر ہوتا ہے۔ 2۔ مجتمع، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول کیا ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے تو ہر دین والے کو مجتمع دیکھے گا۔ 3۔ متمیزہ، الگ الگ؛ یہ عکرمہ نے قول کیا ہے۔ 4۔ جھکا ہوا یہ قریش کی لغت ہے؛ یہ مورج کا قول ہے۔ 5۔ گھٹنوں پر بیٹھنے والا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جثا سے مراد گھٹنوں پر بیٹھنا ہے۔ جثاعلیٰ رکتہ یجشو ویجشی جُثُوًا و جُثِيْنَا۔ دونوں میں فعول کا وزن ہے۔۔۔ سورہ مریم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ جثوہ کا اصل معنی ہر شے کی جماعت ہے۔ طرفہ دو قبروں کی صفت بیان کرتا ہے:

تري جُثُوتَيْنِ من تراب عليهما صفائحُ صُمِّ من صفيح مُنْقَدِ

تو مٹی کی دو قبریں دیکھے گا جن پر پتلے مضبوط پتھر ہیں جو ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔

پھر یہ کہا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر اور مومن دونوں کو عام ہے وجہ حساب کا انتظار ہے۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو سے وہ عبد اللہ بن باباہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”گو یا میں تمہیں اونچی جگہوں پر جہنم سے پہلے گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھتا ہوں“۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: قیامت کے دن ایک گھڑی ہے جو دس سال کے برابر ہوگی لوگ اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: آج میں تجھے اپنی ذات کے سوا کسی کے لیے سوال نہیں کرتا۔

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا يَحْيَىٰ بن سلام نے کہا: کتاب سے مراد حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کے اچھے اور برے اعمال لکھے جاتے تھے؛ یہ مقال کا قول ہے۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کتہا سے مراد وہ کتاب ہے جس پر فرشتے لکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتہا سے مراد وہ کتاب ہے جو اس امت پر نازل کی گئی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (2)۔ یعقوب حضری نے کہا: كُلُّ أُمَّةٍ مَنْصُوبٌ ہے کیونکہ یہ پہلے کل سے بدل ہے کیونکہ دوسرے کل میں وضاحت ہے جو پہلے میں نہیں ہے، کیونکہ پہلے جثو میں جثو کی حالت کی کوئی وضاحت نہیں جس طرح دوسرے جثو میں اس سبب کا ذکر ہے جو اس کا داعی ہے وہ اس امت کو اس کی کتاب کی طرف دعوت دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منصوب ہے اس میں عامل تڑی ہے جو مضر ہے اور رفع مبتدا ہونے کی بنا پر ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ جو اچھا یا برا عمل کرتے تھے۔ اس کی آج تمہیں جزا دی جائے گی۔

هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

”یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ، ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا

کرتے تھے“۔

هَذَا كِتَابُنَا اِيك قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ فرشتوں کا قول ہے۔
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی وہ گواہی دیتا ہے۔ یہ استعارہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نطق الكتاب بكذا یعنی کتاب نے
اس کی وضاحت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کتاب انہیں ان کے اعمال یاد دلائے گی، گویا وہ ان
سے کلام کرے گی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَقُولُونَ لِيُؤْتِكِنَا مَا لِي هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا
كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (کہف: 49) مومن کے بارے میں ہے: وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾
(مومن: 62) یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

يَنْطِقُ یہ کتاب سے حال ہے یا اذا سے حال ہے یا اذا کی دوسری خبر ہے یا كِتَابُنَا، هَذَا سے بدل ہے اور يَنْطِقُ خبر ہے۔
اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾ یعنی تم جو عمل کرتے تھے اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں وہ ہر روز کسی چیز کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جس میں وہ انسانوں کے اعمال
لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ لکھنے کا عمل کتاب سے ہوگا (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حفظ فرشتوں نے جو لکھا
ہوگا ہم اسے لکھ لیا کرتے تھے کیونکہ حفظ فرشتے اعمال کے صحیفے خازنوں کی طرف بلند کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:
حفظ بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں ہر روز انہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے مکان کی طرف لوٹتے ہیں تو اس سے
نیکیاں اور برائیاں لکھ لی جاتی ہیں۔ مباحات کو دوسرے نسخہ کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے جب
بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں تو وہ حکم دیتا ہے جن اعمال پر ثواب و عقاب ہے انہیں اس کے ہاں لکھ
لیا جائے اور جن پر ثواب و عقاب نہیں ہوتا وہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْحَقِيقِيُّ ﴿۶۱﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُنذِرُكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ ۚ وَكُنْتُمْ
قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۶۲﴾

”پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی
وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے
تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (سن کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔“

فِي رَحْمَتِهِ رحمت سے مراد جنت ہے اَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ استفہام توبیح کے لیے ہے۔
فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا۔ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۶۲﴾ تم مشرک قوم ہو تم نافرمانیاں کرتے ہو۔ یہ جملہ

کہا جاتا ہے: فلان جریمۃ اہلہ جب وہ اس جرم کا ارتکاب کر نیوالا ہو۔ مجرم اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو نافرمانیوں پر برا بیختم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَفَجَعَلَ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ** ⑤ (القلم) مجرم مسلم کی ضد ہے پس وہ کفر کے گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

**وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَآئِدٌ مِّمَّا رَمَىٰ مَا السَّاعَةُ
إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِينَ** ⑥

”اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں۔“

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ یعنی دوبارہ اٹھانا ہو کر رہے گا۔ **وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا** حمزہ نے الساعۃ نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف **وَعْدًا** پر ہے باقی قراء نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے یا **إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ** کے محل پر اس کا عطف ہے۔ مصدر میں جو ضمیر ہے اس پر عطف کرنا اچھا ہے، کیونکہ اس کی تاکید نہیں لگائی گئی۔ ضمیر مرفوع پر شعر میں تاکید کے بغیر عطف کیا جاتا ہے۔

قُلْتُمْ مَآئِدٌ مِّمَّا رَمَىٰ مَا السَّاعَةُ یعنی کیا قیامت حق ہے یا باطل ہے۔ **إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا** مرد کے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہے **إِنْ نَحْنُ إِلَّا نَحْنُ ظَنًّا** ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر یہ ہے **إِنْ نَحْنُ إِلَّا نَحْنُ تَطْنُونَ ظَنًّا** ایک قول یہ کیا گیا ہے: **قُلْتُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا نَحْنُ تَطْنُونَ ظَنًّا**۔

وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِينَ ⑥ یعنی ہم یقین کرنے والے نہیں تھے کہ قیامت ہو کر رہنے والی ہے۔

وَبَدَّالَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑦

”اور ظاہر ہو گئے ان کے لیے برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

وَبَدَّالَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا انہوں نے جو برے اعمال کیے تھے ان کی جزا کے لیے ظاہر ہو گئی **وَحَاقَ بِهِمْ** پہنچا ہوا ہوا یا نہیں گھیر لیا **مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ** ⑦ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچا ہوا ہوا یا نہیں گھیر لیا کرتے تھے

**وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسِفُكُمْ كَمَا نَسِفْنَا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَا لَكُمْ الْثَأْرَ وَمَا لَكُمْ مِمَّنْ
نُصِرْتُمْ** ⑧

”اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کریں گے جس طرح تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

وَقَتِيلَ الْيَوْمِ نَنسَلُكُمْ هُمْ تَمَّهِمْ آگ میں چھوڑ جائیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو چھوڑ دیا تھا یعنی اس کے لیے عمل کر ترک کر دیا تھا وَمَا لَكُمْ لِقَاءَ تَمَّهِمْ آگ ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ۝ یعنی تمہارے لیے کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہاری مدد کرے۔

ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُؤًا وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝

”یہ اس لیے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“

آیۃ اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے ہُزُؤًا کھیل۔ وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا دنیوی زندگی نے اپنی باطل چیزوں اور زیب و زینت سے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا تو تم نے یہ گمان کیا کہ اس کے سوا کوئی چیز نہیں اور دوبارہ اٹھانا بھی نہیں لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا حاضیر سے مراد آگ ہے وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ انہیں توبہ کر کے راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے فالیوم لَا يُخْرَجُونَ یاء کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلِمَاتٍ آتَاهَا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِينُوا وَفِيهَا (الحج: 22) باقی قراء نے یاء کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَرَاتِنَا أَخْرَجْنَا (مومنون: 107) اس کی مثل دوسری آیات ہیں۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”پس اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور فقط اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔“

مجاہد، حمید اور ابن محیسن نے رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ سب میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ اصل میں هُوَ رَبُّ ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ کبریا، سے مراد عظمت، جلال، بقا، حکومت، قدرت اور کمال ہے۔

سورۃ الاحقاف

﴿ ایتھا ۲۵ ﴾ ﴿ سورۃ الاحقاف ۲۶ ﴾ ﴿ رکوعاھا ۴ ﴾

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی چونتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پینتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمَّ ۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۱ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ

مَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ۱ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۱ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّا اُنۡذِرُوْا مَعِرُضُوْنَ ۱

”حامیم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک، اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔“

اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد قیامت ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے یہ وہ موت ہے جس پر آسمان اور زمین ختم ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے (2) جو ہر مخلوق کے لیے مقدر ہے۔ عَمَّا اُنۡذِرُوْا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔ مُعِرُضُوْنَ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں، غفلت کا اظہار کرنے والے ہیں وہ اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مصدر یہ ہو معنی ہوگا انہیں اس دن کے ڈرانے سے۔

قُلْ اَسْمَءٌ یُّتَمُّ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ

شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۱ اِیۡتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبْلِ هٰذَا ۱ اَوْ اَشْرَکُوْا مِّنۡ عِلْمِ اِنۡ کُنۡتُمْ

صٰدِقِیۡنَ ۱

”فرمائیے: اے کفار! کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتوں اور اللہ تعالیٰ کے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ مَاذَا خَلَقُوْا

مِنْ الْأَرْضِ كَمَا نَهَوْا نَزَلَ مِنْ رَبِّكَ فِي السَّمَوَاتِ
 اللَّهُ تَعَالَى كَمَا نَهَوْا نَزَلَ مِنْ رَبِّكَ فِي السَّمَوَاتِ
 اللَّهُ تَعَالَى كَمَا نَهَوْا نَزَلَ مِنْ رَبِّكَ فِي السَّمَوَاتِ
 اللَّهُ تَعَالَى كَمَا نَهَوْا نَزَلَ مِنْ رَبِّكَ فِي السَّمَوَاتِ

مسئلہ نمبر 2۔ اَوْ أَشْرَقَ مِنْ عِلْمِ عَامِ قِرَاءَاتِ اَوْ أَشْرَقَ هِيَ يَعْنِي ثَاءً كَمَا بَعْدَ الْفَاءِ هِيَ۔ حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے ”یہ وہ خط تھا جو عرب زمین میں لگاتے تھے“ (1)۔ اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ درست نہیں۔ مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”انبیاء میں سے ایک خط لگایا کرتا تھا جس نے ان کے خط کی موافقت کی تو وہ صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا“ (2)۔ یہ بھی روایت صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ معاویہ بن حکم سلمیٰ کی حدیث سے ثابت ہے: اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے نحاس نے اس کی سند بیان کی محمد بن احمد جرابجی، محمد بن بندار سے وہ یحییٰ بن سعید سے وہ سفیان ثوری سے وہ صفوان بن سلیم سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ آپ نے فرمایا: ”وَأَشْرَقَ مِنْ عِلْمِ عَامِ قِرَاءَاتِ“ سے مراد خط ہے ”یہ بھی صحیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کی تاویل میں علماء نے اختلاف کیا ان میں سے کچھ نے کہا: یہ خط لگانے کی اباحت کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ کچھ انبیاء اس طرح کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض نے کہا: یہ نہیں بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اس امر کو جان گیا“ کیونکہ پہلے نبی کے طریقہ کی پہچان کا کوئی طریقہ نہیں کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ شاعر نے کہا:

لعمرك ما تدرى الضوارب بالحصا ولا زاجرات الطير ما الله صانع

تیری زندگی کی قسم انکڑیاں پھینکنے والیاں نہیں جانتی اور نہ پرندے کو جھڑکنے والیاں جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

اس کی حقیقت اس علم کو جاننے والوں کے ہاں اسی طرح ہے جس طرح ستاروں کی صورتیں ہوا کرتی ہیں ایسا آدمی اس چیز کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جس پر ستارے دلالت کرتے ہیں کہ سعادت یا نحوست ان میں واقع ہوئی پس یہ گمان پر مبنی ہوگا اور امر غائب کے متعلق ہوگا، جس کا طریقہ ناپید ہو چکا ہے اور اس کی تحقیق فوت ہو چکی ہے اور شریعت نے اس بارے میں منع کیا ہے اور اس امر کی خبر دی ہے کہ یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور مخلوق سے اس امر کو قطع کر دیا ہے اگرچہ ان کے لیے اس سے قبل ایسے اسباب تھے کہ وہ غائب اشیاء کو جاننے کے لیے ان اسباب سے وابستہ ہوا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اٹھا دیا ہے، ان دروازوں کو مٹا دیا ہے اور علم غیب کے لیے اپنی ذات کو خاص کر دیا ہے۔ اس میں اس ذات کے ساتھ مزاحمت جائز نہیں، اس کا دعویٰ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں اس میں اگر نہ بھی ہو تو اس کی طلب صرف تھکاوٹ ہی تھکاوٹ ہے۔ جب اس میں نہی وارد ہو چکی ہے تو اس کی طلب معصیت ہوگی یا کفر ہوگا

جیسا طالب کا ارادہ ہوگا (1)۔

میں کہتا ہوں: جو قول اس نے اختیار کیا ہے وہ خطابی کا قول ہے خطابی نے کہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فمن وافق خطه فذاک یہ زجر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ نبوت کا علم تھا جو منقطع ہو چکا ہے، ہمیں اس کے حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: لفظ کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو اس کی تصویب کی گئی ہے لیکن موافقت کہاں سے معلوم ہو جبکہ شرع نے گمان اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے جس نے اس کے خط کی موافقت کی یہی وہ چیز ہے جس کی درستگی کو وہ پاتے تھے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا عمل کرنے والے کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے جس طرح بعض لوگوں نے معنی کیا ہے۔

مکی نے نبی کریم ﷺ کے قول: کان نبی من الانبیاء یخط (2) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ریت میں خط لگاتے پھر وہ فال لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول و منار جال یخطون کی یہ وضاحت کی اس سے مراد وہ خط ہے جو کاہن لگایا کرتا اور اسے عطیہ دیا جاتا اور کہتا: بیٹھو یہاں تک کہ میں تیرے لیے خط لگاؤں، کاہن کے سامنے ایک بچہ ہوتا جس کے پاس سرچو ہوتا پھر وہ نرم زمین پر آتا استاد جلدی جلدی خط لگاتا تا کہ اسے ساتھ ساتھ گنا نہ جاسکے پھر وہ پلٹتا اور آہستہ آہستہ دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت ہوتی اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت ہوتا۔ عرب اسے اعم کا نام دیتے، یہ ان کے نزدیک منحوس ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب نہیں چھوڑے جو غیب پر دلالت کرتے ہوں جن کے ساتھ تعلق کی اجازت دی گئی تھی اور جن کے ساتھ استدلال کی اجازت دی گئی تھی صرف خواب باقی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اسی طرح فال ہے جہاں تک طیرہ اور زجر کا تعلق ہے ان دونوں سے منع کیا گیا ہے (3)۔

فال سے مراد ہے جو کلام سنی جائے اس سے اس امر پر استدلال کرنا جس کا ارادہ ہو جب وہ آواز اچھی ہو جب مکروہ کو سنے تو یہ تطیر ہے۔ شرع نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہو اور خوشی خوشی اپنے امر کو گزرے اور جب وہ مکروہ آواز سنے تو اس سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے نہ لوٹے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللهم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ غیرک اے اللہ کوئی فال نہیں مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں مگر تیری خیر تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک ادیب نے اس کا ذکر کیا ہے:

الفال والنجر والکھان کلھم مضنون ودون الغیب افعال

فال، پرندوں کو جھڑکناسب گمراہ کرنے والے ہیں، علم غیب کے سامنے تالے لگے ہوئے ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1696

2۔ مجمع مسلم، کتاب السلام، باب تعزیریم الکھانہ واتیان الکھانہ، جلد 2، صفحہ 232

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1697

یہ کلام صحیح ہے مگر فال میں درست نہیں کیونکہ شرع نے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے۔ شاعر نے جو کچھ اس میں کہا ہے اسے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے جہالت کی بات کی ہے اور صاحب شرع زیادہ سچا، زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ حکیم ہے۔

میں کہتا ہوں: طیرہ، فال اور ان دونوں میں فرق کے بارے میں بحث سورۃ مائدہ اور دوسری سورتوں میں گذر چکی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیب میں منفرد ہے۔ کوئی اسے نہیں جان سکتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جو علم عطا کرے یا اس پر دلالت عادیہ بنا دے اس کی مدد سے اسے جانا جاسکے جو عام معمول ہو۔ بعض اوقات اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جب وہ کھجور کا ایک درخت دیکھے جس پر گائے نکلے ہوں تو وہ جان لے گا یہ پھل دے گا اور جب وہ درخت کو دیکھے گا کہ اس کا گائے چکا ہے تو اسے علم ہو جائے گا کہ وہ پھل دار نہیں ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ اس پر کوئی آفت آجائے جو اس کے پھل کو ہلاک کر دے تو وہ پھل نہ دے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کا گائے چکا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس میں دوبارہ گائے پیدا کر دے تو وہ پھل دار ہو جائے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کے مہینہ کے بعد کوئی مہینہ نہ ہو اور اس دن کے بعد کوئی دن نہ ہو جب اللہ تعالیٰ اس عالم کو فنا کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کے علاوہ بھی کئی امثلہ ہیں جن کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خویز مند اد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **أَوْ أَشْرَقَ قَيْنَ عَلِمَ** سے مراد خط ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے خط (تحریر) دیکھ کر فیصلہ فرما دیا کرتے تھے جب گواہ خط پہچان لیتا، جب حاکم اس کی تحریر پہچان لیتا اور جس کی طرف وہ خط لکھا جاتا اسے پہچان لیتا تو اس کے مطابق وہ فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔ پھر جب لوگوں میں دھوکہ اور فریب ظاہر ہونے لگا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام مالک سے یہ مروی ہے فرمایا: لوگ فسق و فجور کرتے ہیں تو ان کے لیے فیصلے بھی نئے ہو جاتے ہیں۔ جب گواہ اس تحریر پر گواہی دے دیں جس کے مطابق میں فیصلہ کیا گیا ہو، مثلاً وہ یہ گواہی دیں کہ یہ حاکم کا خط ہے یا اس کی تحریر ہے اس میں جو کچھ ہے ہم اس پر گواہی دیتے ہیں اگرچہ اس تحریر میں جو کچھ ہے اسے نہ جانتے ہوں۔ اسی طرح وصیت ہے یا کسی آدمی کے اعتراف کی تحریر ہے کہ اس نے کسی کا مال دینا ہے گواہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اس کا خط ہے اور اسی قسم کی گواہی دیں۔ ان کے مذہب میں اختلاف نہیں کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **أَوْ أَشْرَقَ قَيْنَ عَلِمَ** کا معنی ہے علم میں سے باقی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، بکلی، ابوبکر بن عیاش اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ صحاح میں ہے **أَوْ أَشْرَقَ قَيْنَ عَلِمَ** اس علم میں سے باقی، اسی طرح الاثرہ کا لفظ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سنت الہبل علی اشارة اس میں بھی یہ لفظ باقی ماندہ جربی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ماوردی اور ثعلبی نے ایک چرواہے کا قول ذکر کیا ہے جس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

وَذَاتِ اِثَارَةٍ اَكْثَ عَلَيْهَا بِنَاتَا فِي اَكْبَتِهِ قَفَارَا

مروی نے کہا: اشارہ اور اشرودوں کا معنی باقی ماندہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: مائتم عین ولا اشرود وہاں چشمہ ہے اور نہ باقی

ماندہ چیز۔ میمون بن مہران، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور قتادہ نے کہا: **أَوْ أَشْرَقَ قَيْنٌ عِلْمٌ** علم میں سے کوئی خاص چیز (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی روایت ہے جو تم متقدمین سے بیان کرتے ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: انبیاء سے مروی (2)۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد اسناد ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ایسی چیز جو بیان کی جائے یا جو استخراج کی جائے (3)۔ زجاج نے کہا: **أَوْ أَشْرَقَ** کا معنی ہے یا علامت۔ اشارہ مصدر ہے جس طرح سباحہ اور شجاعہ کلمہ کا اصل اثر ہے جس کا معنی روایت ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: **أَثَرُ الْحَدِيثِ أَثْرُهُ أَثْرًا وَأَثَارَةٌ وَأَثْرَةٌ** فانا اثریہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اسے غیر سے بیان کرے اسی معنی میں یہ قول ہے: حدیث ماثور، یعنی اسے بعد والوں نے پہلے والوں سے نقل کیا۔ اعشی نے کہا:

إِنَّ الَّذِي فِيهِ تَسَارُيْتُنَا بَيْنَ لِلْسَامِعِ وَالْأَثَرِ

جس میں تم نے شک کیا ہے وہ سننے والے اور روایت کرنے والے کے لیے واضح ہے۔

اس شعر کو بیتین اور **أَوْ أَشْرَقَ** بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی باقی ماندہ علم ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ایسی چیز ہو جو پہلے لوگوں کی کتابوں سے بیان کی گئی ہو۔ ماثور اسے کہتے ہیں جسے بیان کیا جائے اور جس سے اسے بیان کیا جائے اسی سے اس کی سند صحیح ہو۔ سلمی، حسن بصری اور ابورجاء نے ہمزہ اور ثاء کو الف کے بغیر مفتوح پڑھا ہے معنی ہوگا خاص علم جو تمہیں عطا کیا گیا یا جس کے ساتھ تمہیں غیر پر ترجیح دی گئی۔ حضرت حسن بصری اور ایک طائفہ سے اثر بھی منقول ہے یعنی ہمزہ مفتوح اور ثاء ساکن ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے عکرمہ سے بیان کیا ہے: معنی ہے علم کی میراث (4)۔

مسئلہ نمبر 5۔ **إِنِّي تَوَنِي بِكَيْسٍ قَبْلَ هَذَا أَوْ أَشْرَقَ قَيْنٌ عِلْمٌ** اس میں ادلہ کے تمام مسالک کا بیان ہے ان میں سے پہلا درجہ معقول کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ** یہ دلیل عقلی سے استدلال ہے کہ جامد چیز اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ چیز نہ نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے، پھر فرمایا: **إِنِّي تَوَنِي بِكَيْسٍ قَبْلَ هَذَا** اس میں ادلہ معیہ کا بیان ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ

عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ ⑤

”اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (بد بخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی

فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔“

وَمَنْ أَضَلُّ یعنی اس سے بڑھ کر نہ کوئی گمراہ ہے اور نہ ہی جاہل ہے۔ **مَنْ دُونِ اللَّهِ** سے مراد بت ہیں۔ **وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ** ⑤ یعنی نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، یہ بت جامد چیزیں ہیں انہیں انسانوں سے مذکر افراد کے قائم مقام رکھ کر

ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے عبادت کرنے والے بتوں کو بادشاہوں اور امراء کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے جن کی خدمت کی جاتی تھی۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ ۝

”اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا ساف انکار کر دیں گے۔“

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ اس سے مراد یوم قیامت ہے كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً یعنی یہ معبود قیامت کے روز کفار کے دشمن ہوں گے، ملائکہ کفار کے دشمن ہوں گے جن اور شیاطین قیامت کے روز اپنے عبادت گذاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفار کے بت جن کی یہ لوگ عبادت کرتے رہے وہ دشمن ہوں اس تقدیر کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے زندگی پیدا فرمادے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ۝ (التقصص)

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اپنے معبودوں سے دشمنی کا اظہار کیا کیونکہ یہ معبود ان کفار کی بلاکت کا سبب بنے اور معبودوں نے ان کی عبادت کا انکار کر دیا، اسی پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ ۝

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِآيَاتِنَا كَانُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۝ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

”اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔“
ایتننا سے مراد قرآن ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا

تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

”کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے، فرمائیے: اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ام میں ہم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے ايقولون افتراه۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے بات کی ہے۔ وہ آیات کو جو جادو کا نام دیتے تھے اس سے اضراب کیا گیا ہے۔ ام میں ہمزہ انکار اور تعجب کے لیے ہے گویا فرمایا: اسے چھوڑو ان کا عجیب و غریب قول سنو جس سے تعجب عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں یہاں تک کہ وہ یہ کہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھیں اگر آپ اس پر قادر ہوں عرب قوم اس پر قادر نہ ہو تو عادت کے

خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی قدرت معجزہ ہوگی، جب معجزہ ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی تصدیق ہوگی۔ حکیم جھوٹے کی تو تصدیق نہیں کرتا تو آپ مفتری تو نہ ہوئے۔ اور ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد آیات ہیں۔

قُلْ إِنْ أَفْتَرَيْتُهُ كَبُرَ دَيْحِي: اگر بفرض محال میں اس پر افتراء باندھوں فَلَا تَتَّبِعُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا تو تم اس بات پر قادر نہ ہو گے کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر سکو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر کیسے افتراء باندھوں گا۔ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ جو تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ الافاضہ فی الشیء سے مراد ہوتا ہے اس میں داخل ہونا اور اس میں شروع ہو جانا۔ أفاضوا فی الحدیث وہ گفتگو میں شروع ہو گئے۔ أفاض البعید یعنی اونٹ نے جگالی کو اوجھ سے دھکیلا اور اسے نکالا۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وأفضن بعد كظو مهن بجرّة

انہوں نے اوجھ کی خشکی کے بعد جگالی کو باہر نکالا۔

أفاض الناس من عرفات إلى منى یعنی تیزی سے چلے۔ پس ہر وہ چیز جس میں دفعہ کا معنی پایا جاتا ہو اس کو افاضہ کہتے ہیں۔ گفنی بہ شہیداً یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ یعنی وہ میری سچائی کو جانتا ہے جبکہ تم باطل پر ہو۔ وَهُوَ الْعَفْوَ جوتو بہ کرے اس کو بخشنے والا ہے الرَّحِيمُ ① اپنے مومن بندوں پر رحیم ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا

يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ①

”آپ کہیے: میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ، میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں

ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا۔“

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں مجھ سے قبل بھی تو رسول تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ البدع یعنی پہلا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے اسے بدعا پڑھا ہے یعنی دال مفتوح ہے اس بنا پر کہ مضاف مقدر ہے معنی ہے میں رسالت والا پہلا تو نہیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدع اور بدیع ایک معنی میں ہیں جس طرح نصف اور نصیف ہے۔ ابدع الشاعر یعنی وہ بدیع لایا۔ شیء بدع یعنی نئی چیز۔ فلاں بدع فی هذا الأمر۔ فلاں اس معاملہ میں بدیع ہے۔ قوم ابداع؛ یہ انفس سے مروی ہے۔ قطرب نے عدی بن زید کا شعر پڑھا:

فلا أنا بدع من حوادث تعثری (1)

میں کوئی پہلا شخص نہیں جسے حوادث لاحق ہوئے ہیں

وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ یعنی قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اسے نہیں

جانتا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک، یہودی اور منافق بڑے خوش ہوئے انہوں نے کہا: ہم اس نبی کی کیسے پیروی کریں جو جانتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے، اسے ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر یہ اپنی جانب سے نہ کہتے تو جس ذات نے اسے مبعوث کیا ہے وہ اسے ضرور بتا دیتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: 2) تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا ہے جو وہ تیرے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے کاش! ہم بھی جان لیتے وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (الفتح: 5) اور یہ آیت نازل ہوئی وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَثِيرًا (احزاب) یہ حضرت انس، حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور ضحاک نے کہا، حضرت ام العلاء جو انصار کی ایک عورت تھی نے کہا: ہم نے مہاجرین کو تقسیم کیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون بن حذافہ بن جحجج آئے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تو وہ فوت ہو گئے۔ میں نے کہا: اے ابا سائب! اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت دی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تجھے کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان تو پھر کون؟ فرمایا: ”جہاں تک اس کا تعلق ہے اسے موت آئی ہے ہم نے بھلائی ہی دیکھی ہے، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے جنت کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے“۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کا کبھی بھی تذکیہ نہیں کروں گی۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ اپنی خطاؤں کی بخشش کو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال سے چار سال قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بخشش کی نوید سنائی تھی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ام العلاء کی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اس میں میری روایت یہ ہے وما أدرى ما يفعل به اس میں بے دیکھ نہیں ہے (1) انشاء اللہ یہ صحیح ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے نہ اس نے کہا: یہ محال ہے کہ اس میں نسخ و منسوخ ہو اس کی دو وجوہ ہیں: 1۔ یہ خبر ہے۔ 2۔ سورت کے آغاز سے لے کر اس جملہ تک مشرکوں سے خطاب ہے ان کے خلاف استدلال ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ یہ بھی مشرکوں سے خطاب ہو جس طرح اس سے پہلے اور اس کے بعد مشرکوں سے خطاب ہے اور یہ امر محال ہے کہ نبی کریم ﷺ مشرکوں کو کہیں: وَمَا أَدْرَى مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ یعنی آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے میں نہیں جانتا جبکہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے آغاز سے لے کر وصال تک یہی خبر دیتے کہ ”جو آدمی حالت کفر پر مرا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو حالت ایمان پر مرا اتباع اور اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا“۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے وہ منظر دیکھا تھا کہ آخرت میں اس کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے تو وہ کہیں گے: ہم تیری اتباع کیسے کریں جبکہ تو جانتا ہی نہیں کہ کیا تو خوشحالی

کی طرف لوٹے گا یا عذاب و عقاب کی طرف (لوٹے) گا۔

آیت کے بارے میں صحیح قول حضرت حسن بصری کا ہے جس طرح علی بن محمد بن جعفر بن حفص، یوسف بن موسیٰ سے وہ وکیع سے وہ ابو بکر ہذلی سے وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ سب سے صحیح اور اچھا قول ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نہیں جانتے کہ آپ کو اور ان لوگوں کو مرض، صحت، نرمی، سختی، غنا اور فقر میں سے کیا کچھ لاحق ہونے والا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۗ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ ۗ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ (اعراف: 188)**

واحدی اور دوسرے علماء نے کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر آزمائشیں بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجوریں، درخت اور پانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے صحابہ پر بیان کیا تو صحابہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ مشرکوں کی جانب سے جس اذیت میں مبتلا ہیں اس سے آسودگی پا جائیں گے۔ پھر وہ تھوڑا عرصہ رکے رہے جس میں انہوں نے ہجرت کا منظر نہ دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! سنئے! ہم اب اس علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے جو آپ نے دیکھا تھا؟ تو نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: **وَمَا آذِرُنِي مَّا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكُمُ** یعنی میں نہیں جانتا کہ جس جگہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس کی طرف میں نکلوں گا یا نہیں۔ پھر کہا: یہ تو وہ چیز تھی جو میں نے خواب میں دیکھی میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (1)، یعنی جس امر کی میں نے تمہیں خبر دی ہے وہ میری طرف وحی نہیں کی گئی۔ قشیری نے کہا: اس اعتبار سے اس آیت میں کوئی نسخ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے جو فرائض مجھ پر تم پر لازم کیے گئے ہیں میں انہیں نہیں جانتا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرا اور تمہارا انجام کیا ہوگا، کیا تم ایمان لاؤ گے یا کفر کر ڈو گے، تمہیں جلدی عذاب آئے گا یا تم کو مہلت دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت حسن بصری، سدی اور دوسرے علماء کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اللہ کی پناہ نبی کریم ﷺ کو خوب جانتے تھے کہ آپ جنت میں ہیں (2)۔ جب آپ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا، لیکن فرمایا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا کیا مجھے میری بستی سے نکال دیا جائے گا جس طرح انہیں ان کی بستیوں سے نکالا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح انہیں قتل کر دیا گیا تھا اور میں تمہارے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا کیا میری امت تصدیق کرنے والی ہوگی یا جھٹلانے والی ہوگی یا میری امت پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی جائے گی یا انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی **هُوَ الَّذِي أَنزَلَ سُلُوكَهُ بِالنُّهْيِ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (توبہ: 33)** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا دین تمام ادیان پر غالب آئے گا پھر آپ ﷺ کی

امت کے بارے میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (انفال: 33) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ ان تمام تعبیروں کی بنا پر کوئی سنا نہیں۔ الحمد للہ۔

نحاک نے یہ بھی کہا ہے: وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ كَمَا مَعْنَى فِي مِثْلِهِمْ جَانِتًا كَمَا تَمَّهِمْ كَسْ جِزْرًا كَمَا حَكَّمُ دِيَا جَانِيَةً۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ مومنوں کو بد دین کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں وضاحت فرمادی: لِيُعْذِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (انشعاق: 2) اس کے بعد مومنوں کی حالت کو بیان فرمایا پھر کافروں کی حالت کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اول کا معنی ہے مگر اس میں نسخ کا ذکر بیان کے معنی میں کیا اور یہ حکم دیا کہ یہ مومنوں کو کہہ دیں۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے بیان کیا ہے۔ مَا يُفْعَلُ فِي مَا كَيْ بَارِے مِثْلِهِ جَانِيَةً كَمَا حَكَّمُ دِيَا جَانِيَةً۔
کہ یہ موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے استنبہامیہ بنایا جائے اور یہ مرفوع ہو انْ أَسْتَبْهَمِيَهُ إِلَّا مَا يُؤْتَى إِلَيْنَا وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ اسے یوحی بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بحث کئی دفعہ پہلے نذر چکی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

عَلَىٰ مِثْلِهِ قَامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

”فرمائیے: کیا تم نے بھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو تم اس کا انکار کر دو (تو اس کا کیا انجام ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔“

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ كَانَتْ فِي هُوْنِمِيرٍ مِّنْ عَمَلٍ قَبِيْلٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِمَّنْ قَدْ كَفَرْنَا عَلَيْهِ قَبْلَ ذَلِكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَافِلٌ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ كَانَتْ فِي هُوْنِمِيرٍ مِّنْ عَمَلٍ قَبِيْلٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِمَّنْ قَدْ كَفَرْنَا عَلَيْهِ قَبْلَ ذَلِكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَافِلٌ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝
حضرت عبد اللہ بن سلام ہیں (2)، آپ نے یہودیوں کے خلاف گواہی دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر تورات میں ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہیں۔ ترمذی میں ان سے روایت ہے کہا: میرے بارے میں کتاب اللہ کی آیات نازل ہوئیں میرے بارے میں یہ آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ نَازِلٌ هُوَ لِيُظْهِرَ لَكُمْ أَنَّكَ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّكَ كَمَا كَانَتْ تُوْرَاتُ فِي هُوْنِمِيرٍ مِّنْ عَمَلٍ قَبِيْلٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَافِلٌ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝

مسروق نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت موسیٰ اور تورات ہے حضرت ابن سلام نہیں، کیونکہ آپ مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جبکہ سورت مکی ہے۔ کہا: وَكَفَرْتُمْ بِهِ یہ قریش سے خطاب ہے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لائے کیونکہ ابن سلام نے نبی کریم ﷺ کی وفات سے دو سال قبل اسلام قبول کیا تھا، جبکہ سورت مکی ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے کہا شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس نے کہا سورت مکی

ہے اور حضرت ابن سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال قبل اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت مدنی ہو اور اسے کئی سورت میں رکھا گیا ہو، کیونکہ آیت نازل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: ”اسے فلاں سورت میں رکھو“۔ آیت مشرکین سے دلیل کے ساتھ مدعا ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ دلیل کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں یہودیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ان کی شہادت مومنوں کے بارے میں ان کے نبی کی شہادت میرے بارے میں واضح ترین دلائل میں سے تھی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ سورت یہودیوں کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں ہو جب حضرت عبداللہ بن سلام مسلمان کی حیثیت میں آئے جبکہ یہودیوں کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا عرض کی: یا رسول اللہ! اپنے درمیان اور یہودیوں کے درمیان مجھے حکم بتائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں پوچھا: ”عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟“ یہودیوں نے کہا: وہ ہمارا سردار اور ہمارا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”وہ تو مجھ پر ایمان لا چکا ہے“ تو یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کی برائیاں کیں۔ یہ بھی بات پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہودی حضرت عبداللہ بن سلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اگر اس نے آپ کے حق میں گواہی دی تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا گیا: تو انہوں نے گواہی دے دی پھر اسلام قبول کر لیا۔

علیٰ مثلیہ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس کی مثل، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر گواہی دی۔ جرجانی نے کہا: مثل کا لفظ زائد ہے پھر کلام اس طرح ہوگی شہد شاہد علیہ انا من عند اللہ۔ فآمن وہ گواہ ایمان لے آیا وَاُسْتَكْبَرْتُمْ تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ اِنْ كَانَ کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فآمن اتومنون یہ زجاج کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فآمن وَاُسْتَكْبَرْتُمْ کیا تم نے ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ①۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فآمن وَاُسْتَكْبَرْتُمْ، أفتؤمنون عذاب اللہ۔ آراء یئتم یہ ایسا لفظ ہے جو سوال اور استفہام کے لیے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہوگی قل ارایتم ان کان من عند اللہ و شہد شاہد من بنی اسرائیل فآمن ہود کفرتم ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْن هَذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ ①

یہ فسیقوں لوں ہذا افک قدیم ①

”اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ

(اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔“

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے اور چھ اقوال ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوذر غفاری کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دعوت قبول کر لی ان کی قوم نے ان سے پناہ چاہی تو ان کا سردار آیا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا پھر سردار نے قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے یہ خبر قریش کو پہنچی انہوں نے کہا: بنو غفار تو حلیف لوگ ہیں اگر یہ دعوت خیر ہوتی تو بنو غفار ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابو متوکل کا قول ہے۔

2۔ حضرت زبیرہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی نظر خراب ہو گئی لوگوں نے کہا: لات وعزی نے تیری نظر خراب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی قریش کے سرداروں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو لائے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو زبیرہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ یہ عردہ بن زبیر کا قول ہے۔

3۔ بنو عامر، بنو عطفان، بنو تمیم، بنو اسد، بنو حنظلہ اور بنو شجع میں سے کافروں نے کہا: جو لوگ بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنی مزینہ اور بنی خزاعہ سے اسلام لائے تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو کچھ لائے ہیں اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو گائے، بھیڑ، بکری کے بچوں کو چرانے والے ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم ان سے بہتر ہیں، یہ کلیبی اور زجاج کا قول ہے؛ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جس امر کی ہمیں دعوت دیتے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو بلال، صہیب، عمار، فلاں اور فلاں ہم پر سبقت نہ لے جاتے؛ یہ چوتھا قول ہے۔

5۔ یہودیوں میں سے کافروں نے اپنے میں سے مومنوں یعنی حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کو کہا: اگر (حضرت) محمد (ﷺ) کا دین حق ہوتا تو وہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ ثعلبی نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے۔ مسروق نے کہا: کفار نے کہا اگر یہ بہتر ہوتا تو یہودی اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے؛ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کی جانب سے یہ معارضہ جو ان کے قول میں ہوتا: ”اگر یہ خیر ہوتا وہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے“ یہ بڑے معارضات میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس پر منطبق ہو جاتا جو ان سے مخالفت کرتا یہاں تک کہ یہ انہیں کہا جاتا: جس پر تم ہو اگر یہ بہتر ہوتا تو ہم اس سے نہ پھرتے اگر رسولوں کی تکذیب بہتر ہوتی تو تم ہم پر سبقت نہ لے جاتے (1)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ قول مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ یہ کفار کا بعض مومنوں کے لیے قول ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب کے صیغہ سے نعبت کے صیغہ کی طرف خطاب ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَينَ بِهِمْ (یونس: 22)

وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ ۖ ضَمِيرٌ سے مراد ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (1)۔

فَسَيَقُولُونَ هَذَا آفِكٌ قَدِيمٌ ۝ جب انہوں نے قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی اور نہ اس سے جو اس قرآن کو لایا تو اس سے دشمنی کی اور اسے جھوٹ کی طرف منسوب کیا اور کہا: یہ پرانا جھوٹ ہے جس طرح انہوں نے اس کے بارے میں کہا: أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ (الانعام) کسی سے پوچھا گیا: کیا قرآن میں بھی ہے جو آدمی کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس سے دشمنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَيَقُولُونَ هَذَا آفِكٌ قَدِيمٌ ۝ اس کی مثل ہے بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يُحِيطُوا بِعَلْمِهَا (یونس: 39)

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَاحَةً ۖ وَ هَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا

لِيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ وَبُشْرَى لِلْمُحْسِنِينَ ۝

”حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے، اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کر دے ظالموں کو، اور خوشخبری ہے نیکو کاروں کے لیے۔“

وَمِنْ قَبْلِهِ یعنی قرآن سے پہلے کِتَابُ مُوسَى یعنی توراتِ إِمَامًا اس میں جو کچھ ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے وَرَاحَةً اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی تم اس سے ہدایت نہ پاؤ گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ پر ایمان لانے کا ذکر ہے تو انہوں نے اسے ترک کیا۔ إِمَامًا حال کی حیثیت سے منصوب ہو گا، کیونکہ معنی ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بطور امام گذر چکی ہے وَرَاحَةً اس إِمَامًا پر معطوف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ فعل مضمَر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی أَنْزَلْنَا إِمَامًا وَرَحْمَةً۔ انفس نے کہا: ما قبل سے الگ ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ کتاب موسیٰ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے یا اسے مضاف کیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے۔

وَ هَذَا كِتَابٌ مراد قرآن ہے مُصَدِّقٌ یہ تورات اور اس سے قبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِسَانًا عَرَبِيًّا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی عربی ہوتے ہوئے سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِسَانًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے یعنی تاکید ہے جس طرح تیرا قول ہے: جاعن زید رجلاً صالحاً تو تورا رجلاً کو تاکید کے طور پر ذکر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمَر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوئی: هذا کتاب مصدق اعنى لسانا عربيا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے بلسان عربی۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے کہ لفظ لسان مفعول بہ ہے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے تقدیر کلام یہ ہے ہذا کتاب مصدق للنبی ﷺ۔ یہ کتاب نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یہ عربی زبان والے کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لفظ لسان مصدق کی وجہ سے منصوب ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ یہ قول بعید ہوگا کہ لسان سے مراد قرآن لیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا وہ اپنی ذات کی تصدیق کرتا ہے۔

لَيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا عَام قِرَاءَتِ لَيْلِيْنَا مَا هُوَ يَكْتَابُ كَمَا بَرَأَ فِي خُبْرٍ دَعَى رَهَى هِيَ لَعْنَى جِن لَوْ كُوْنَ نَى كَفْرٍ اُوْر مَعْصِيَتِ كَى سَاتَه اِهْنَى جَانُوْنَ بِرَظْلَمِ كَىَا اَنْهِيَسَ يَه كِتَابُ خُبْرٍ دَارِ كَرْنَى وَاَلَى هَى۔ اِيَك قَوْلِ يَه كَىَا كَىَا هَى: يَه رَمُوْلِ اَللهِ ﷺ كَى بَارَى مِىنْ خُبْرٍ دَعَى رَهَى هَى۔ نَافِعْ، اِبْنِ عَامِرٍ اُوْر بَزَى نَى اَسَى تَاء كَى سَاتَه بِرْ هَا هَى: اَبُو عَبِيْدٍ اُوْر اَبُو حَاتَمٍ نَى اَسَى پَسْنِدِ كَىَا هَى كَىونكَه يَه نَبى كَرِيْمٌ ﷺ كُوْ خَطَابُ هَى اَللهِ تَعَالَى كَا فَرْمَانُ هَى: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ (النَّازِعَاتُ: 45)

وَبُشْرَى لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ بُشْرَى مَحْلٍ رَفْعٍ مِىنْ هَى لَعْنَى هُوْ بُشْرَى۔ اِيَك قَوْلِ يَه كَىَا كَىَا هَى: اِسْ كَا عَطْفِ كِتَابِ پَر هَى لَعْنَى هَذَا كِتَابِ مَصْدُقٍ وَ بُشْرَى يَه بِهَى جَائِزٌ هَى كَه حَرْفٍ جَارِ كَى حَذْفِ كَى وَجِهٌ سَى مَنصُوْبٌ هُوَ تَقْدِيْرُ كَلَامِ يَه هُوْ كَى لَيُنْذِرُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا وَ لِلْبُشْرَى جَب حَرْفٍ جَارٍ كُو حَذْفِ كَىَا تُو اَسَى نَصْبِ دَى۔ اِيَك قَوْلِ يَه كَىَا كَىَا هَى: يَه مَفْعُوْلٌ مَطْلُوْقٌ كَى حَيْثِيَّتِ سَى مَنصُوْبٌ هَى تَقْدِيْرُ كَلَامِ يَه هُوْ كَى تَبَشَّرَ الْمُحْسِنِيْنَ بِبُشْرَى جَب اَسَى وَ تَبَشَّرَ بُشْرَى اُوْ بِشَارَةَ كَى جَلَدٍ رَكَهَاتُو اَسَى نَصْبِ دَى، جَس طَرَحٌ تُو كَهْتَا هَى: اَتَيْتَكَ لَأُزَوِّدَكَ وَ كِرَامَةً لَكَ وَ قِضَاءً لِحَقِّكَ مَعْنَى هُوْ كَا مِىنْ تِيْرِى مَلَاقَاتٍ كُرُوْ كَا مِىنْ تِيْرِى عِزَّتٍ كُرُوْ كَا اُوْر تِيْرَ اِحْتِ اِدَا كُرُوْ كَا۔ كِرَامَةُ كَى لَفْظُ كُو فَعْلٍ مَضْمُرِ كَى وَجِهٌ سَى نَصْبِ دَى كَىَى۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اَللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا جَزَاؤُهَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

”بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ غمگین ہوں گے، یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں، یہ جزاء ہے ان نیکوں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ آیت عام ہے جزاء مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔

وَ صَيَّنَّا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسًا ۙ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ۙ وَ حَمَلُهُ وَ فِضْلُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا ۙ حَتَّىٰ اِذَا بَدَأَ اَشُدَّاهُ وَ بَدَأَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اُوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَكَ الَّذِيْ اَلَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَاَلِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ ۙ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۙ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

”اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جناس کو بڑی تکلیف سے، اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرمادے بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا انسان کی اپنے والدین کے ساتھ حالت کے اختلاف کو بیان کیا کبھی وہ ان دونوں کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ اور آپ کی قوم میں بعید نہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض آپ کی دعوت کو قبول کریں اور بعض انکار کریں یہ کلام کے بعض سے اتصال کی صورت ہے؛ یہ تشریح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حسنا عام قراءت حسنا ہے۔ اہل حرین، اہل بصرہ، اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور کوفیوں نے اسے احسنا پڑھا ہے ان کی حجت سورۃ الانعام اور بنی اسرائیل میں ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ: 83) کوفہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے (1)۔ پہلی قراءت کی حجت اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورہ عنکبوت میں ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ اس میں قراءت نے اختلاف نہیں کیا۔ حسن، قبح کا خلاف ہے احسان، اساءۃ کے خلاف ہے توصیہ کا معنی حکم دینا ہے اس بارے میں اور جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی گفتگو گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہاں باء حرف جار حذف ہے اصل میں بکرة و مشقة تھا عام قرات کاف کے فتح کے ساتھ ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا، کہا: اسی طرح لفظ کمرہ پورے قرآن میں فتح کے ساتھ ہے مگر وہ جو سورہ بقرہ میں ہے كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهًا لَّكُمْ کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ تمام مصادر ہیں۔ کوفیوں نے كُرْهًا ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح ضغف، ضغف اور شہد، شہد ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے تمام بصریوں کے نزدیک یہ اسی طرح ہے۔ کسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ کمرہ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان اپنی ذات پر برداشت کرتا ہے اور فتح کے ساتھ وہ ہوتی ہے جو غیر پر لازم کرتا ہے۔ اس سے مراد قہر اور غضب ہے، اسی وجہ سے بعض عربوں نے کہا: کمرہ یہ غلط ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَحَمَلَتْهُ وَوَضَعَتْهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نو ماہ تک حاملہ رہے تو وہ

اکیس ماہ تک دودھ پلائے اگر وہ چھ ماہ تک حاملہ رہے تو چوبیس ماہ تک دودھ پلائے (1)۔ یہ روایت کی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی جس نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس پر حد جاری کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَحَلْمُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ** (بقرہ: 233)۔ دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ اور حاملہ کی مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا اور اس پر حد جاری نہ کی۔ سورہ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے حمل کے ابتدائی تین ماہ کو شمار نہیں کیا کیونکہ ان تین مہینوں میں وہ نطفہ، علقہ اور مضغ ہوتا ہے اس کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا جس کو محسوس کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: **فَلَمَّا تَغَشَّهَا حَمْلًا خَفِيًّا فَامْرَأَتُ** پہ (اعراف: 189) فصال کا معنی دودھ چھڑانا ہے۔ سورہ لقمان میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء نے وفصلہ پڑھا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تین سال تھا ان کی ماں نے انہیں نو ماہ تک رحم میں اٹھایا اور اکیس ماہ تک دودھ پلایا، کلام میں اضار ہے یعنی مدۃ حملہ ومدۃ فصالہ ثلاثون شهرا ان کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی۔ اگر یہ اضار نہ ہوتا تو ثلاثین کی طرف کی وجہ سے نصب دی جاتی اور معنی بدل جاتا۔

مسئلہ نمبر 5۔ **حَتَّىٰ إِذَا بَلَغْتَ الْأَشَدَّ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مدت اٹھارہ سال ہے عطا نے ان سے جو روایت کی وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوست بنے جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی، یہ لوگ تجارت کے لیے شام کا ارادہ رکھتے تھے وہ ایک جگہ اترے جس میں بیری کا درخت تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق ایک راہب کے پاس گئے تاکہ اس سے دین کے بارے میں کوئی بات پوچھیں۔ راہب نے کہا: اس درخت کے سائے میں کون ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ اس راہب نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نبی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی آدمی اس درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بیٹھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کے دل میں یقین اور تصدیق بیٹھ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق سفر و حضر میں جدا نہیں رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھتیس سال تھی۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو دعا کی کہ **أَوْزَعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الْبَرِّيَّةَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيْ** (نمل: 19) امام شعبی اور ابن زید نے کہا: الاشد سے مراد حلم ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد چالیس سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اسی سے اس امر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ سورہ الانعام میں اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ سدی اور ضحاک نے کہا: یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے اور عمومی حکم لے کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي لِعِنِّي مَجْهَ الْبِهَامِ كَيْفَ - أَنْ أَشْكُرَ مَا يَحِلُّ نَسَبٌ فِيهِ مِنْهُ جَوْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ كَمَا قَامَ مَقَامَ مَا يَحِلُّ لِقَدْرِ الْهَامِ يَهْوِي أَوْزِعْنِي شُكْرًا نَعْمَتِكَ - عَلَيَّ جَوْ تَوَنُّهُ هِدَايَتِ كَيْ صَوْرَتِ فِي مَجْهٍ عَلَى الْهَامِ فَرَمَا يَهْوِي عَلَى وَالِدَيْهِ لِعِنِّي مِيرَ وَالِدَيْنِ بِرِشْفَقَتِ فَرَمَائِي يِهَابِ تَكْ كَمَا نَهَوْنَ فِي مِيرِي مَجْهَوِي عَمْرٍ فِي تَرْبِيَتِ كِي - اِيكٌ قَوْلٌ يَهْوِي كَمَا يَهْوِي: تَوَنُّهُ مَجْهٍ بِرِصْحَتِ وَمَا فِيهِ كَمَا سَاوَهُ الْهَامُ فَرَمَا يَهْوِي مِيرَ وَالِدَيْنِ بِرِغْنَا أَوْ تَرْوَتِ كَمَا سَاوَهُ الْهَامُ فَرَمَا يَهْوِي - حَضْرَتِ عَلِيِّ شِيرِ خَدَارَضِي اللَّهُ تَعَالَى نَعْمَا: يَهْوِي آيَتِ حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ كَمَا حَقٌّ فِي نَازِلِ يَهْوِي أَنْ كَمَا دُونِ وَالِدَيْنِ مُسْلِمَانِ يَهْوِي - مَهَابِرِينَ فِي سَعِ آفِ كَمَا عِلَاوَهُ كَمَا فِي شَرَفِ حَاصِلِ نَهْوَا كَمَا اسْ كَمَا وَالِدَيْنِ مُسْلِمَانِ يَهْوِي - اللَّهُ تَعَالَى نَعْمَا فِي انْ دُونِ كَمَا بَارِ فِي تَاكِيدِ حَكْمِ دِيَا أَوْ آفِ كَمَا بَعْدَ هَرِ كَمَا لِيَهْوِي يَهْوِي لَازِمٌ يَهْوِي - انْ كَمَا وَالِدِ حَضْرَتِ ابُو قَتَادَةَ عَثْمَانَ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَيْمٍ تَهْوِي - انْ كَمَا وَالِدِ امِ الْخَيْرِ تَهْوِي اسْ كَمَا نَامِ سَلْمَى بِنْتِ صَخْرِ بْنِ عَامِرِ بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ تَهْوِي - حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ كَمَا دَادِي كَمَا قَيْلَهُ تَهْوِي - حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ كَمَا بِيُوِي كَمَا نَامِ قَتِيلَهُ تَهْوِي عُبْدِ الْعَزِي كَمَا بِيُوِي تَهْوِي -

وَ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا نَعْمَا: اللَّهُ تَعَالَى نَعْمَا فِي آفِ كَمَا دَعَا قَبُولِ كَمَا تَوَا آفِ نَعْمَا نَامِ كَمَا آزَادِ كَمَا جَنَّ كَمَا اللَّهُ تَعَالَى بِرِ اِيْمَانِ لَانِ كَمَا وَجْهَ سَعِ عَذَابِ دِيَا جَارَهَا تَهْوِي، انْ فِي حَضْرَتِ بِلَالِ، حَضْرَتِ عَامِرِ بْنِ فَيْرِهِ بِي تَهْوِي - آفِ نَعْمَا فِي سَعِ كَمَا چيزِ كَمَا دَعَا نَهْوِي كَمَا مَكْرَ اللَّهُ تَعَالَى نَعْمَا فِي اسْ بِرِ انْ كَمَا مَدِ كَمَا -

تَفْسِيْرٌ فِي حَضْرَتِ ابُو هَرِيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ سَعِ رَوَايَتِ مَرُوِي يَهْوِي كَمَا رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْمَا فِي ارْشَادِ فَرَمَا يَهْوِي: "آجِ تَمِ فِي سَعِ كَوْنِ رُوِي سَعِ يَهْوِي؟" (1) حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ رَضِيَ عَنْهُ نَعْمَا فِي عَرْضِ كَمَا: فِي - پُوچْهَا: "آجِ تَمِ فِي سَعِ كَمَا نَعْمَا فِي نَمَازِ جَنَازَهُ پُوچْهَا؟" حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ رَضِيَ عَنْهُ نَعْمَا فِي عَرْضِ كَمَا: فِي - فَرَمَا يَهْوِي: "آجِ تَمِ فِي سَعِ كَمَا نَعْمَا فِي كَوْنِ مَسْكِيْنِ كَمَا كَهَانَا كَهَلَا يَهْوِي؟" حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ رَضِيَ عَنْهُ نَعْمَا فِي عَرْضِ كَمَا: فِي - رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْمَا فِي ارْشَادِ فَرَمَا يَهْوِي: "يَهْوِي كَمَا كَمَا اِنْسَانِ فِي مَجْمَعِ نَهْوِي يَهْوِي مَكْرُوهُ جَنَّتِ فِي دَاخِلِ يَهْوِي تَهْوِي -"

مسئلہ نمبر 7۔ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي لِعِنِّي مِيرِي ذُرِّيَّتِ كَمَا صَالِحِيْنِ فِي سَعِ بِنَادِ - حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا نَعْمَا: حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ كَمَا اَوْلَادِ اَوْلَادِ وَالِدَيْنِ فِي سَعِ كَوْنِ يَهْوِي نَهْوَا مَكْرُوهُ اللَّهُ تَعَالَى وَحْدَهُ لَأَشْرِيكِ بِرِ اِيْمَانِ لَانِ - رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَحَابِهِ فِي سَعِ حَضْرَتِ ابُو بَكْرٍ صَدِيقِ كَمَا سَوَا كَوْنِ يَهْوِي اِيْسَانَهُ تَهْوِي جَوْ خُوْدِ، اسْ كَمَا وَالِدَيْنِ، اسْ كَمَا بَنِي اَوْلَادِ صَحَابِي يَهْوِي -

سَهْلِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ نَعْمَا: مَعْنَى يَهْوِي مِيرِ اِيْحَانَا بَ اور تِيرِ اِيْحَانَا بِنَادِ (2) - ابُو عَثْمَانَ نَعْمَا: اِيْحَانِ مِيرَ سَاوَهُ حَسَنِ سَلُوْكَ كَرْنِ وَاوَا اور اِيْحَانَا طَاعَتِ كَرْنِ بِنَادِ -

ابْنِ عَطَا نَعْمَا: اِيْحَانِ اِيْسَانِ صَالِحِ كَمَا تَوْفِيْقِ دَعْمِ جَنَّ كَمَا سَاوَهُ تَوَا نِ بِرِ رَاضِي يَهْوِي - مَحْمُوْدِ بْنِ عَلِي نَعْمَا: شَيْطَانِ، نَفْسِ اور خَوَاشِ كَمَا تَوَا نِ بِرِ غَلْبِهِ نَعْمَا دَعْمِ -

ماک بن مغول نے کہا: ابو معشر نے اپنے بیٹے کی شکایت حضرت طلحہ بن مسرف سے کی۔ فرمایا: اس آیت کے ذریعے اس کے خلاف مدد طلب کر۔ اور یہ آیت پڑھی رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۗ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ - اِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ یعنی میں نے اس امر سے رجوع کر لیا جس میں میں تھا۔ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ یعنی میں تو حید میں مخلص ہوں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝

انہیں وہ (جوٹاں سیراب) ہیں جن سے ہم بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے، یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) لیا گیا ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ عام قراء کی قراءت یتقبل ہے اسے یتقبل اور یتجاوز یہ کہ فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حفص، حمزہ اور کسائی نے یتقبل اور تتجاوز دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم انہیں بخش دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ تجاوز کا اصل معنی ہے جزت شئی یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اس چیز پر نہر کے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے آیت وَصَيَّنَا الْإِنْسَانَ آخِر تبارک کی کے ساتھ مقید نہیں بلکہ عموم کے لیے نازل ہوئی ہے! یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ معنی ہے ہم ان کی نیکیاں قبول کرتے ہیں اور ان کی سینئات سے درگزر کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: وہ اسے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: جب وہ اسلام لائیں گے تو ان کی نیکیاں قبول ہوں گی اور برائیاں بخش دی جائیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احسن سے مراد طاعات میں سے وہ اعمال ہیں جو ثواب کا تقاضا کرتے ہیں۔ حسن مباح میں نہ ثواب ہے اور نہ عقاب ہے! یہ ابن عباسی نے بیان کیا ہے (2)۔

فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ - فی مع کے معنی میں ہے یعنی جنتیوں کے ساتھ، تو کہتا ہے: أكرمك وأحسن إليك فی جمیع اهل البلد یہاں بھی فی مع کے معنی میں ہے۔

وَعَدَّ الصِّدْقِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہے اور قبل کی تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ حسن کی نیکیاں قبول کرے اور گناہ کا رستہ درگزر کرے، یہ سچا وعدہ ہے۔ یہ إضافة الشئ إلى نفسه کے باب سے ہے، کیونکہ صدق وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: حَقُّ الْيَقِينِ ۝ (الواقعہ) کی طرح ہے۔ یہ کوفیوں کی رائے ہے، جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے اس کی تقدیر یہ ہے۔ وعد الكلام الصدق او الكتاب الصدق تو موصوف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

الَّذِينَ كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ یعنی دنیا میں رسولوں کی زبانوں پر ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اس سے مراد جنت ہے۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعَدَانِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ۚ
 وَهُمَا يَسْتَعْجِلَانِ اللَّهَ وَيَلْتَكُمَا مِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا
 أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
 قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالِإِنْسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝

”اور جس نے کہا اپنے والدین کو: افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکلا جاؤں گا حالانکہ گذر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آئینا اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ ”جو اباً“ کہتا ہے: نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں، یہی وہ (بد بخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک وہ سراسر گھائے میں تھے۔“

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعَدَانِي أَنْ أُخْرَجَ، اُنْ اُخْرَجَ یعنی مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي نافع، حفص اور دوسرے قراء نے اف کسور اور منون پڑھا ہے ابن کثیر، ابن محیصن، ابن عامر اور مفضل نے عاصم سے اف تنوین کے بغیر مفتوح منقول ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ تمام لغتیں ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہ بات گذر چکی ہے عام قراءت اَتَعَدَانِي مَحْفَظَةٌ نُونِ کے ساتھ ہے۔ اہل مدینہ اور اہل مکہ نے اس کی یا کوفتہ دیا ہے، باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

ابو حیوہ، مغیرہ اور ہشام نے اَتَعَدَانِي نون مشدودہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل شام کے مصاحف میں اسی طرح ہے عام قراءت ان کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ ہے اُنْ اُخْرَجَ حضرت حسن بصری، نصر، ابو عالیہ، اعش اور ابو معمر نے الف کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی، ابو عالیہ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ عبد اللہ کے والدین اسے اسلام کی طرف دعوت دیتے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی۔ قتادہ اور سدی نے یہ بھی کہا ہے: وہ عبد الرحمن بن ابی بکر تھے وہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ عبد الرحمن کے والد، اس کی والدہ حضرت ام روحان اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے اور دوبارہ اسے اٹھانے کی دعوت دیتے تھے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت بیان کی ہے، یہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمن کے بارے میں نازل ہو۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے بھی یہ کہا: یہ ایک ایسے بندے کی صفت ہے جو کافر تھا اور اپنے والدین کا

نافرمان تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے بارے میں اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** قول سے مراد عذاب ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایمان نہ ہو جبکہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر مومنوں میں سے بڑی فضیلت کے حامل تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ایسے کافر بندے کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے والدین کا نافرمان تھا۔

محمد بن زیاد نے کہا: حضرت معاویہ بنیہ نے مروان بن حکم کی طرف خط لکھا کہ لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لیں تو حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر نے کہا: تم نے ہر قتل والا کام کیا ہے کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؟ مروان نے کہا: یہ عبدالرحمن وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا** کہا: اللہ کی قسم! وہ عبدالرحمن نہیں اگر میں چاہوں تو میں اس کا نام بھی لے دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اس کی پشت میں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ایک حصہ ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس نے **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو وہ اعتقاد رکھتا ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ آیت کا ابتدائی حصہ خاص ہے اور آخری حصہ عام ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن نے جب یہ کہا: **وَقَدْ خَلَبَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي** اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا تھا تو پھر عبد اللہ بن جدعان، عثمان بن عمرو، عامر بن کعب اور قریش کے مشائخ کہاں ہیں یہاں تک کہ میں ان سے پوچھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** ان لوگوں کی طرف لوٹتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے بارے میں واقعہ سورہ انعام کی آیت: **لَآ أَصْحَابٌ يُّدْعُونَكَ إِلَى الْهُدَىٰ** (انعام: 71) میں گزر چکا ہے جو اس آیت کے حضرت عبدالرحمن کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے جب وہ کافر تھے اور اسلام لانے اور اپنی فضیلت کے باعث وہ اس کلام **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** کا مصداق نہ رہے۔

وَهَٰئِذَا يَسْتَعْجِلِينَ اللہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے ہدایت کی التجا کرتے ہیں یا کفر سے چھٹکارا کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا اور مفعول فعل کے ساتھ مل گیا تو اسے نصب دے دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: استغاثہ سے مراد دعا ہے تو بقاء کی ضرورت ہی نہیں۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ **وَيُنَلِّكُ أَمِينٌ** تو ہلاک ہو ایمان لے آ اور دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کر۔ **إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ** اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس میں خلاف ورزی کی کوئی صورت نہیں۔ **فَيَقُولُ مَا هَذَا** آدہ کہتا ہے جو اس کے والدین کہتے ہیں: نہیں ہیں یہ **إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ** مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اور جن کو انہوں نے لکھا ہے جبکہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یعنی وہ لوگ جن کی طرف ابن ابی بکر نے اپنے قول میں اشارہ کیا تھا میرے لیے قریش کے مشائخ کو زندہ کرو **وَقَدْ خَلَبَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي** یہاں بھی وہی مراد ہیں جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے عبد اللہ یا عبدالرحمن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ان کے باپ کی دعا قبول کر لی **وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي** جس طرح

پہلے گذر چکا ہے۔

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ كَمَا مَعْنَى هُوَ أَنَّ عَلَى عَذَابٍ لَّازِمٍ هُوَ چُكَا يَكْبِي اللَّهُ تَعَالَى كَمَا فَرَمَانَ هُوَ: هُوَ لَاعِنِ الْجَنَّةِ وَلَا أَبَالِي وَهُوَ لَاعِنِ النَّارِ وَلَا أَبَالِي يَهْ لُوكَ جَنَّتْ مِثْلِ هِي وَأُورَ مَجْجَهْ كُورِي پُرُوَادْ نِهِيَسْ أُوْرِيَهْ لُوكَ جَهَنَّمَ مِثْلِ هِي وَأُورَ مَجْجَهْ كُورِي پُرُوَادْ نِهِيَسْ۔

فِي أُمَّمٍ يَهَا فِي مَعْنَى هُوَ قَدْ خَلَّتْ يَعْنِي كُورِي جَكِي هِي۔ مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ يَعْنِي كَافِرِ جَنِّ وَأَنسِ مِثْلِ هِي۔ إِنَّهُمْ وَهْ كَافِرَاتِيَسْ كَانُوا خَسِرِينَ ① وَهْ أَپِنِ أَعْمَالِ كِي وَجَهْ سَهْ خَسَارَهْ پَانِهْ وَالُوں مِثْلِ سَهْ تَهْ؛ يَعْنِي أَنَّ كِي سَعِي ضَالِعٌ هُوْنِي وَأُورَ جَنَّتْ كُو حَاصِلٌ نَهْ كَرَكِي۔

وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ①

”اور ہر ایک کے لیے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ جَنُّوں اور انسانیوں میں سے مومنوں اور کافروں کی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کے قیامت کے روز اعمال کے مطابق مراتب ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: اس آیت میں جہنمیوں کے درجات پُخْلِي جَانِبِ اور جنتیوں کے درجات اوپر کی جانب جاتے ہیں (1)۔ وَلِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ ابْنِ كَشِيرٍ، ابْنِ مَحِيصِنٍ، عَاصِمٍ، ابُو بَكْرٍ اور يَعْقُوبُ نَهْ يَاءْ كِهْ سَاَتَهْ پڑھا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ابُو حَاتِمُ نَهْ اَسَهْ پَسِنْدُ كِيَا هِي، بَاقِي قِرَاءِ نَهْ اَسَهْ نُونِ كِهْ سَاَتَهْ پڑھا ہے، يَهْ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا فَرَمَانَ: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ كِي طَرَفِ لُو ثَا يَاءْ هِي؛ يَهْ ابُو عَبِيدٍ كَا پَسِنْدُ يَدِهْ مَسْلُوكٌ هِي۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ① یعنی گناہ گار پر عذاب میں زیادتی اور نیکو کار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۗ أَذْهَبَتْكُمْ طَبِيبَتُكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ②

”اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی

نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے ان سے آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا

جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے۔“

وَيَوْمَ يُعْرَضُ اَسَهْ مُحَمَّدٌ! سَلِيْمٌ نَهْ اَيُّوْمِ نِهِيَسْ يَادْ دَلَا يِيْ جَسْ رُوْزِ اَنِهِيَسْ پِشْ كِيَا جَائِهْ گَا۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلٰى النَّارِ يَعْنِيْ جَهَنَّمَ

سے پردہ ہٹا دیا جائے گا انہیں آگ کے قریب کیا جائے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔

أَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ یعنی انہیں کہا جائے کہ اَذْهَبْتُمْ قولِ مضمربے۔ حضرت حسن بصری، نصر ابو العالیہ، یعقوب اور ابن کثیر نے اَذْهَبْتُمْ دو، حمزہ مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ایک حمزہ کے ساتھ بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ سب فصیح لغتیں ہیں۔ اس کا معنی شرمندہ ہونا ہے عرب استنہام کے ساتھ اور استنہام کے بغیر شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گذری چکی ہے۔

ابو عبید نے استنہام کے ترک کو اختیار کیا ہے کیونکہ ائمہ سبعہ میں سے یہ اکثر کی قراءت ہے یعنی نافع، عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسانی ساتھ ہی ساتھ ان کے ساتھ شیبہ، زہری، ابن محسن، مغیرہ بن ابی شہاب، یحییٰ بن عمارث، امش، یحییٰ بن وثاب اور دوسرے قراء ہیں یہی وہ قراء ہیں جن کی قراءت پر اکثر لوگوں کو اتفاق ہے۔ استنہام کا ترک کرنا احسن ہے کیونکہ حمزہ کا اثبات اس امر کا وہم و لاتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا تھا، جس طرح تو کہتا ہے: اَنَا ظَلَمْتُكَ؟ تو اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر ظلم نہیں کیا۔ حمزہ کو ثابت رکھنا بھی اچھا ہے ایک کہنے والا کہتا ہے: ذَهَبْتَ فَعَلْتَ كَذَا وَهِيَ تَوَيْخٌ كَرْتَا هِيَ وَرَكَبْتَ هِيَ: اذْهَبْتَ فَعَلْتَ يَهِي سَبْ صَوْرَتِي جَانِزِي هِيَ۔ اَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ تم دنیا میں پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور تم نے شہوات اور لذات کی پیروی کی، مرادنا فرمائیاں ہیں۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ یعنی ذلت و رسوائی کا عذاب۔ مجاہد نے کہا: هُونٌ سے مراد هوان ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کے باعث تم اہل زمین پر ناحق بلند مرتبہ چاہتے تھے وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۝ اس کے باعث کہ تم اپنے افعال میں بغاوت اور ظلم کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ یعنی تم نے اپنی جوانی کفر اور معاصی میں فنا کر دی۔ ابن بحر نے کہا: طيبات سے مراد جوانی اور قوت ہے (2)؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ذهاب طيبات؛ یعنی اس کی جوانی اور قوت ختم ہو گئی۔ ماوردی نے کہا: میں نے ضحاک کو پایا کہ اس نے بھی یہی معنی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت حسن بصری نے آصف بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: میں عیش و نشاط کی زندگی کو سمجھتا ہوں اگر میں چاہتا تو کلبی، بھنا ہوا گوشت، باریک روٹی اور چینی بنا تا لیکن میں اپنی نیکیوں کو باقی رکھنا چاہتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے اور کہا ہے (3): اَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

ابو عبید نے حضرت عمر کی حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: لَوْ شِئْتُ لِدَعْوَتِ بَصَلِثُ وَصَنَابٍ وَكِرَاكِرٍ وَاسْمِةٍ (4) ایک حدیث میں ہے وَأَفْلَافٍ۔ ابو عمرو اور دوسرے علماء نے کہا: الصلاء مد اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بھنا ہوا گوشت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اسے آگ پر بھونا جاتا ہے الصلاء کا معنی صلاء النار بھی ہے اگر تو صاد کو فتح دے

گا تو آخر میں الف مقصورہ ہوگا اور تو کہے گا: صَدَى النَّارِ۔ صَنا ب وہ چینی جو رانی اور کشمش سے بنائی جاتی ہے۔ اور عمرو نے کہا: اسی وجہ سے برزخون و صلابی کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ اس کے مشابہ ہوتا ہے کہا: سَلَاتِقُ جَبِّ سَمِينِ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد بھڑی وغیرہ میں سے اہلی ہوئی چیز ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ لفظ صَاد کے ساتھ ہے؛ جریر نے کہا:

تُكْفِنِي مَعِيشَةَ آلِ زَيْدٍ وَمَنْ لِي بِالصَّلَاتِقِ وَالصَّنَابِ

تو مجھے آل زید کی زندگی کا مکلف بناتا ہے تو کون میرے لیے پتلی روٹی اور بھنے گوشت کا اہتمام کرے گا۔

الصَّلَاتِقُ سے مراد پتلی چوڑی روٹی ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جہاں تک کرا کر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کرا کر اہل ہے اس کا واحد کرا کر ہے جو معروف ہے یعنی سینہ؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ صحاح میں ہے الکرا کرا کر رحی زور البعید یعنی اونٹ کے سینے کی چکی ہے۔ یہ پانچ ثفنات (☆) میں سے ایک ہے۔ کرا کر کا معنی لوگوں کی جماعت ہے۔ ابو مالک عمرو بن کر کرہ علماء لغت میں سے ایک ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا جہاں تک افلاذ کا تعلق ہے اس کا واحد فلذ ہے یہ جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ اعشی نے کہا:

تُكْفِيهِ حُرَّةٌ فِلْذٌ إِنَّ اللَّهَ بِهَا مِنْ الشِّوَاءِ وَيُرْوَى شُرْبُهُ الْغُرَّةَ

اگر وہ اس کے ہاں اترے گا تو بھنے ہوئے جگر کا ایک ٹکڑا اس کے لیے کافی ہوگا اور چھوٹے پیالے کا مشروب اسے سیراب کر دے گا۔

قنادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہتا تو میں تم سے سب سے اچھے کھانے والا ہوتا اور سب سے نرم لباس پہننے والا ہوتا، لیکن میں اپنی نیکیاں آخرت کے لیے باقی رکھنے والا ہوں (1)۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو آپ کے لیے کھانا تیار کیا گیا جس کھانے جیسا آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا فرمایا: یہ ہمارے لیے ہے، تو ان مسلمان فقراء کا کیا ہوگا جو فوت ہو گئے اور جو کی روٹی سے بھی کبھی سیر نہ ہوتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے عرض کی: ان کے لیے جنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں فرمایا: اگر ہمارے حصہ میں دنیا میں سے یہ ٹکڑے ہیں اور وہ اپنے حصہ کی جنت میں چلے گئے ہیں تو وہ تو ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

صحیح مسلم اور دوسری احادیث کی کتب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل کے ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے یہ اس دور کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے تو کوئی چیز نہ دیکھی جو نظر کو لوٹاتی مگر چڑے تھے جن پر نمک لگایا گیا تھا جن کی بوی پھیل رہی تھی (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور اللہ کے منتخب ہیں۔ یہ کسریٰ اور قیصر ہیں جو دیباچہ و حریر میں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھے فرمایا: ”اے ابن خطاب! تو شک میں

بتلا ہے؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی عمدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی ان تک پہنچ گئی ہیں۔ میں نے عرض کی: میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی: اے اللہ! اسے بخش دے۔

حضرت حفص بن ابی العاص نے کہا: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا کھایا کرتا جو کی روٹی اور زیتون، روٹی اور سرکہ، روٹی اور دودھ، روٹی اور گوشت کے خشک ٹکڑے ہوتے بہت ہی کم ایسا ہوتا کہ تازہ گوشت ہوا کرتا۔ آپ فرمایا کرتے: آئے کوچھانا نہ کرو کیونکہ یہ سارے کا سارا کھانا ہے۔ آپ کی خدمت میں روٹی کے ٹکڑے لائے گئے جو موٹے تھے آپ اسے کھانے لگے اور فرمانے لگے: کھاؤ، ہم نے اسے نہ کھایا، پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کھاتے نہیں؟ ہم نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ہم آپ کے اس کھانے سے نرم کھانے کی طرف لوٹیں گے۔ فرمایا: اے ابن عاص! کیا تجھے خبر نہیں کہ میں جانتا ہوں اگر میں بکری کے موٹے تازے بچے کے بارے میں حکم دوں اس کے بال اتارے جائیں پھر اس طرح اس طرح بھونا ہوا نکالا جائے کیا تو نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں ایک صاع یا دو صاع کشمش کے بارے میں حکم دوں میں اسے مشکیزے میں رکھوں پھر اس پر پانی انڈیلوں تو وہ صبح تک یوں ہو جائے جس طرح ہرن کا خون ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ہاں، جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے روز میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس عیش و نشاط میں شریک ہو جاتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کو کچھ اقوام کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: **أَذْهَبْتُمْ طَيْبَتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔**

قَالِيَوْمَ تَجُزُونَ عَذَابَ الْهُونِ، الْهُونُ سے مراد ہوان (ذلت) ہے یہاں گُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کی وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے سے بڑے بنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بڑائی کا اظہار کرتے ہو۔ **وَيَهَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ** اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جاتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں نے گوشت کی خواہش کی میں نے ان کے لیے گوشت خریدا میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس سے گذرا پوچھا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا، پوچھا: کیا تم میں سے جب بھی کوئی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے (1) اسے اپنے پیٹ میں رکھ لیتا ہے کیا وہ نہیں ڈرتا کہ وہ اس آیت کا مصداق بن جائے گا **أَذْهَبْتُمْ طَيْبَتِكُمْ۔**

ابن عربی نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتاب تھا کہ وہ گوشت خریدنے کی وسعت رکھتے ہیں اور خشک روٹی اور پانی کے معمول سے نکل چکے ہیں (2) کیونکہ حلال چیز میں سے پاکیزہ چیزوں کے حصول کی طبیعتیں حریص ہوتی ہیں اور دل انکو پسند کرتا ہے جب وہ انہیں پاتیں تو وہ شہوات کے ساتھ ان کے حصول کو بہل بنانے کی کوشش کرتی ہیں یہاں تک کہ عادت کے غلبے اور خواہش کے اس کے نفس پر غلبہ پانے کی وجہ سے جو نفس برائی کا حکم دیتا ہے خالص حرام میں جا واقع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو اس کے ابتدا سے ہی پکڑ لیا اور ابتدا سے اسے بچا لیا جس طرح آپ کا معمول تھا اور جو اس دروازہ

کی حفاظت کرتا ہے اور قانون کی پاسداری کرتا ہے تو اس آدمی پر لازم ہے کہ جو پائے اسے کھالے وہ پاکیزہ یا سالن کے بغیر روٹی وہ عمدہ کھانے کا تکلف نہ کرے اور نہ ہی اسے عادت بنائے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تھا جو پاتے تو سیر ہو کر کھاتے، جب نہ پاتے تو صبر کرتے، آپ حلوہ کھاتے جب اس پر قادر ہوتے جب اتفاق ہوتا تو شہد بھی پی لیتے جب میسر ہوتا تو گوشت بھی کھاتے کسی چیز پر کبھی بھی انحصار نہ کرتے اور نہ ہی اسے عادت بناتے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا معمول معروف و مشہور تھا صحابہ کا طریقہ منقول تھا جہاں تک آج کا تعلق ہے حرام اور لقمہ کا فساد غالب آچکا ہے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ خلاصی عطا فرماتا ہے اور چھٹکارا پانے میں اپنی رحمت سے مدد فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو بیخ شکر ترک کرنے پر واقع ہے پاکیزہ اور حلال چیزوں کے حصول پر واقع نہیں یہ تعبیر اچھی ہے کیونکہ پاکیزہ حلال چیز کا حاصل کرنا جائز ہے جب وہ اس پر شکر کرنا چھوڑ دے اور اس کے خلاف ایسی چیز سے مدد لے جو حلال ہی نہ ہو تو اس نے نعمت کو ختم کیا۔

وَإِذْ كُنَّا خَاِعَادٍ إِذْ أَنْذَرْنَا قَوْمَهُ بِإِلَّا حَقَّافٍ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ

مِنْ خَلْفِهِ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۗ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

”(اے حبیب!) ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (شمود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کر دو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔“

وَإِذْ كُنَّا خَاِعَادٍ وہ ہود بن عبد اللہ بن رباح علیہ السلام ہیں وہ ان کے نبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے إِذْ أَنْذَرْنَا قَوْمَهُ بِإِلَّا حَقَّافٍ ان مشرکوں کو عاد کا قصہ یاد دلائیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ کو حکم دیا اپنے دل میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں تاکہ اس کی اقتدا کریں اور آپ ﷺ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے اس کے ذریعے آپ ﷺ پر یہ معاملہ آسان ہو جائے گا۔ احقاف سے مراد عاد کا علاقہ ہے۔ احقاف سے مراد ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں (1)؛ یہ خلیل اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے وہ لوگ اپنی قوت کے باعث اہل زمین پر غالب آگئے تھے، احقاف، حقف کی جمع ہے اس سے مراد ریت کا لمبا ٹیلہ ہے جو ٹیڑھا ہو اور پہاڑ تک نہ پہنچا ہو اس کی جمع حقاف، احقاف اور حقوف ہے۔ احقوف الرمل و الهلال یعنی ریت کا ٹیلا اور چاند ٹیڑھا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حقف حقاف کی جمع ہے اور احقاف جمع کی جمع ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حقف احقف۔ ایشی نے کہا:

بات إلى أرطاة حقف أحقفا

یعنی ایسی ریت جو لمبی ہو اور جس کا کنارہ آگے کو جھکا ہوا ہو۔ اس سے فعل احقوف ہے۔ عجاج نے کہا:

طِيَّ الدِّيَالِ زُنْفًا فزلفًا سَمَاوَةً الهلال حتى احقوتفا

احقواقف یعنی مز گیا اور رول ہو گیا۔

یہاں احقواقف سے جو مراد ہے اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد ریت کے ایسے ٹکے ہیں جو ابھرے ہوئے لہے ہوں جس طرح پہاڑوں کی حالت ہوتی ہے اور پہاڑوں تک نہ پہنچے ہوئے ہوں اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی امر کا شاہد ہے (1)۔ تو دو نے کہا: اس سے مراد ایسے پہاڑ ہیں جو شحر پر جھکے ہوئے ہوں۔ شحر عدنان کے قریب ہے کہا جاتا ہے: شحرُ عسان، شحرُ عسان۔ یہ عمان اور عدنان کے درمیان سمندر کا ساحل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے (2) کہ عاد یمن میں قبائل تھے ریتلے علاقے میں بتے سمندر کے قریبی علاقے میں رہتے جسے شحر کہا جاتا۔ مجاہد نے کہا: یہ حسی کا علاقہ ہے (3) جسے احقواقف کہتے حسی ایسا صحرائی علاقہ جس میں اونچے پہاڑ ہوں جن کی اطراف ملائم ہوں اور وہیں اس علاقہ کو نہیں چھوڑتے۔ نابغہ نے اسی حوالے سے کہا:

فَأَصْبَحَ عَاقِلًا بِجِبَالِ حِسَى دُقَاقِ الثُّرْبِ مُخْتَرِمَ الْقَتَامِ

یہ جوہری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس بنی نذر اور خحاک نے کہا: احقواقف سے مراد شام میں پہاڑ ہیں۔ حضرت ابن عباس بنی نذر سے یہ بھی مروی ہے: عمان اور مہرہ کے درمیان وادی ہے۔ مقاتل نے کہا: عاد کے گھریمن کے ملک حضرت موت کے علاقہ میں ایک وادی میں تھے جسے مہرہ کہا جاتا تھا اسی طرح مہری اونٹ منسوب ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: ابل مہریہ، ابل مہاری۔ یہ قبیلہ ارم سے تعلق رکھتے تھے۔ کبھی نے کہا: احقواقف الجبل سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جب ہر کوئی غرق ہوا تھا اس پہاڑ سے پانی جاری ہوا تھا زمین سے پانی جاری ہوتا تھا اور اس کا اثر باقی رہتا تھا۔

طفیل نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا: لوگوں میں دو وادیاں بہترین ہیں (4) ایک وادی مکہ میں اور ایک وادی جہاں حضرت آدم علیہ السلام اترے جو بند کے علاقہ میں ہے، لوگوں میں سب سے بری دو وادیاں ہیں ایک وادی احقواقف میں ہے اور ایک وادی حضرت موت میں ہے جسے برحوت کہتے ہیں جس میں کفار کی روحمیں آپس میں ملیں گی۔ لوگوں میں بہترین کنواں بئر زمزم ہے اور لوگوں میں سے برا کنواں بئر برحوت ہے۔ وہ حضرت موت کی اسی وادی میں ہے۔ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ رِوَادِ حِسَى عِنْدَ بَيْنِ يَدَيْهِ لِعِنِّي حَضْرَتِ هُوَ عَلِيهِ السَّلَامُ مِنْ سَبَلِ وَ مِنْ حَلْفِهِ اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد: یہ فراہ کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ بَعْدِهِ ہے آلا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ یہ مرسل کی جانب سے قول ہے، یہ جملہ معترضہ ہے پھر حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ یہ حضرت ہود علیہ السلام کا نام ہے۔

قَالُوا أَجِئْنَا بِكُنَا عَنِ الْهَيْتِنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ
إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبْتَلِغُكُمْ مَا أُمِرْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝
فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُسْطَرٌّ نَا بَلْ هُوَ مَا

جوہری نے کہا: عارض سے مراد وہ بادل ہے جو افق میں چوڑائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذَا عَارِضٌ مُّطِرٌ نَّارٍ** یعنی ہم پر بارش برسائے گا کیونکہ یہ معروف ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ عارض کی صفت بنے کیونکہ وہ نکرہ ہے عرب یہ افعال سے اسما مشتقہ میں کرتے ہیں کسی اور میں ایسا نہیں کرتے۔

یہ کہنا جائز نہیں: **هَذَا رَجُلٌ غَلَامًا**۔ اعرابی نے روزہ افطار کرنے کے بعد کہا: **رَبِّ صَائِمَةٍ لَّنْ تَصُومُ وَ قَائِمَةٍ لَّنْ تَقُومُ**۔ تو اس نے اسے نکرہ کی صفت بنایا اور اسے معرفہ کی طرف منصف کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول **لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ صِفَةً لِّعَارِضٍ نَّحْوِ يَوْمٍ** کے قول کے خلاف نہیں، اضافت، انفصال کی تقدیر میں ہے یہ اضافت لفظیہ ہے حقیقیہ نہیں کیونکہ یہ پہلے اسم کو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اسم اپنی جگہ نکرہ ہی رہتا ہے اسی وجہ سے نکرہ کی حیثیت سے صفت آتی ہے۔ آیت میں یہ نحو یوم کا قول ہے۔ نکرہ کی صفت نکرہ ہوتی ہے۔ رب کا لفظ نکرہ پر داخل نہیں ہوتا۔

بَلْ هُوَ بَدٌّ نے انہیں کہا اس پر دلیل اس کی قرأت ہے جس نے پڑھا **قَالَ هُوَ بَدٌّ** ہوا سے قل بل ما استعجبتہ بہ ہی ریح بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجئے: بلکہ تم نے اس کی جلدی مچائی ہے۔ اس سے مراد ان کا قول ہے **فَأَتَيْنَاهُمَا عَدُنًا** چہ اس کی وضاحت کی اور کہا: **رَبِّ مَخٍ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ** وہ ہوا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا گیا تھا وہ اس بادل سے پیدا ہوئی تھی جس کو انہوں نے دیکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے نکل گئے وہ ہوا خیموں کو اٹھاتی ہو دو جوں کو اٹھاتی، انہیں بلند کرتی گویا وہ مٹریاں ہوں پھر انہیں چٹانوں پر دے مارتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہلی دفعہ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو وہ اٹھے انہوں نے ہاتھ پھیلائے سب سے پہلے جنہوں نے پہچانا کہ یہ عذاب ہے وہ وہ لوگ تھے جو گھروں سے باہر تھے، انہوں نے لوگوں اور مواشی کو دیکھا، ہوا انہیں زمین و آسمان کے درمیان یوں ازار ہی تھی جس طرح پر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں داخل ہو گئے دروازوں کو بند کر دیا ہوا نے دروازوں کو اکھیر دیا اور انہیں پچھاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ریت کے نیچے پڑے رہے جبکہ ان کے رونے کی آواز آتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت کو دور کر دیا ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں جا پھینکا۔ یہ وہی ہوا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **تَذْمُرُ كُلَّ شَيْءٍ بِرِيحٍ** **بِأَصْوَرٍ تَهْتَأُ** یعنی ہر وہ شے جس پر ہوا گزری وہ عاد کے لوگ تھے یا اموال تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر وہ شے جس کی طرف ہوا بھیجی گئی۔ تدمیر کا معنی بلاکت ہے اسی طرح دمار ہے۔ اسے ید مکر کل شے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دمر دمار سے مشتق ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: **دمره تدمیرا و دمارا اور دمزر علیہ** کا معنی ایک ہی ہے۔ **دَمَرٌ مُّزْدُمُورٌ** بغیر اجازت کے داخل ہو گیا۔ حدیث میں ہے **مَنْ سَبَقَ طَرْفُهُ اسْتَدَانَهُ فَقَدْ دَمَزَ** جس کی نظر اجازت طلب کرنے سے سبقت لے گئی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ **تذمر**۔ شام میں ایک شہر ہے **یربوع تدمری**۔ جب وہ چوہا چھوٹا ہو۔

بِأَصْوَرٍ تَهْتَأُ اس کے رب کے اذن سے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہا: میں نے رسول

اللہ سُبْحٰنَہٗ وَّعَظِیْمَہٗ کو ایسا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ میں ان کا کوادیکھتی۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بارش کی امید ہوتی ہے۔ جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: ”اے عائشہ! مجھے خوف آتا ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا، ایک قوم نے عذاب دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا“ (1)۔ اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری مدد باد صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور ہوا سے ہلاک کیا گیا“ (2)۔ ماوردی نے ذکر کیا: هٰذَآ عَارِضٌ مُّطِرٌ نَّآ كَا قَائِلٍ قَوْمٍ عَادٍ مِّنْ سَعْدِیْنِ۔ وہ بکر بن معاویہ تھا۔ جب اس نے بادل دیکھا تو اس نے کہا: میں تباہ و برباد کرنے والا بادل دیکھتا ہوں وہ عاد میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ عمرو بن میمون نے کہا: وہ ہوا ان میں سے غائب آدمی کو لاتی اور ان کی مجلس میں اسے پھینک دیتی۔

ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ ایک باڑہ میں الگ ہو گئے۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے انہیں ہوا نہیں پہنچتی تھی مگر وہ ان کے اوپر والے کپڑوں کو ہلاتی اور اس کے ساتھ ان کے نفوس کو لذت حاصل ہوتی اور قوم عاد میں سے ہود ج میں بیٹھی کسی عورت کے پاس سے گذرتی انہیں زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتی اور انہیں پتھروں پر بیچ دیتی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ کلبی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شاعر نے کہا:

فدعا	ہود	علیہم	دعوۃ	أضحوا	ہودا (3)
عصفت	ریح	علیہم	ترکت	عادا	خودا
سخرت	سبع	لیال	لم تدع	فی الأرض	عودا

حضرت ہود علیہ السلام نے ان پر ایسی بددعا کی تو وہ مر کر ٹھنڈے ہو گئے۔ ہوا ان پر چلی جس نے عاد کو ٹھنڈی آگ بنا دیا وہ سات راتوں تک ان پر مسلط کی گئی اس نے زمین میں قوم عاد کا کوئی فرد نہ چھوڑا۔

حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہلاک ہونے کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اپنی قوم میں زندہ رہے۔

فَأَصْبَحُوا آلاَیْرٰی اِلَّا مَسٰکِنُہُمْ عاصم اور حمزہ نے لا یرٰی اِلَّا مَسٰکِنُہُمْ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے مگر اس نے تری پڑھا ہے یہ ابو بکر سے مروی ہے انہوں نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی قراء نے تری تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور مَسٰکِنُہُمْ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اے محمد! مَسٰکِنُہُمْ آپ نہیں دیکھیں گے مگر ان کے مسکن۔

1۔ شیخ بخاری، کتاب التفسیر، فسا اذا عارضاً، جلد 2، نمبر 715

2۔ شیخ مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، قول الشبی، جلد 1، نمبر 295

3۔ تفسیر انوار، جلد 5، نمبر 283

مہدوی نے کہا: جس نے تاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو مساکن جو مونث ہے اس کے ظاہر کا اعتبار کیا ہے یہ بہت ہی قلیل ہے صرف شعروں میں استعمال ہوتا ہے اور حاتم نے کہا: یہ لغت میں درست نہیں ہوتا مگر جس میں اضمار ہو جس طرح تو کہتا ہے: الاتری النساء الا زینب۔ الاتری الا زینب جائز نہیں۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان کے اشخاص نہیں دیکھتا مگر ان کے مساکن۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے عاصم اور حمزہ کی قرأت پسند کی ہے۔ کسائی نے کہا: معنی ہے ان کے مساکن کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ معنی پر محمول ہے جس طرح تو نے کہا ہے: ما قام الا ہند۔ معنی ہے کوئی کھڑا نہیں ہوا مگر ہند۔ فراء نے کہا: لوگ نہیں دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ ریت کے نیچے تھے، ان کے گھر دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ کھڑے تھے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵ یعنی مشرکوں کو اس جیسا عذاب دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنٰهُمْ فِيمَا اِنْ مَّكَّنٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَّلَا اَبْصَارُهُمْ وَّلَا اَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَّ حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱

”اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

وَلَقَدْ مَكَّنٰهُمْ فِيمَا اِنْ مَّكَّنٰكُمْ فِيْهِ اِيك قول یہ کیا گیا ہے: ان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام ہے مکننا کہ فیما مکننا کہ فیہ یہ قسمی کا قول ہے۔ انفس نے یہ شعر پڑھا:

يُرْسِي السَّرُّ مَا اِنْ لِاِيْرَاةٍ وَّ تَعْرِضُ دُونَ اَدْنَاةِ الْخَطُوْبِ (1)

انسان امید رکھتا ہے کہ وہ اسے نہیں دیکھے گا جبکہ اسکے قریب سے مصائب اسے آتی ہیں۔

پہلے مصرعہ میں ان زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہے و نقد مکنناہ فی الذی ما مکننا کہ فیہ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب ضمیر مخدوف ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی: نقد مکنناہ فی ما ان مکننا کہ فیہ کان بنی کم اکثر و عناد کہ اشد یہاں پر کلام مکمل ہوئی پھر فی کلام کی اور فرمایا: وَّ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً۔ افئدۃ سے مراد دل ہیں جو اسے سمجھتے ہیں۔ مِّنْ شَيْءٍ سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ کیونکہ وہ انکار کرتے تھے وَّ حَاقَ بِهِمْ اِن کا احاطہ کر لیا (اس نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرٰی وَّ صَرَّفْنَا الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۰

”اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شانندوہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔“

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ اس سے مراد قوم ثمود کے دیہات، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اور اسی طرح کی دوسری بستیاں جو بلاد حجاز کے قریب قریب تھیں۔ ان کی خبریں ان کے پاس متواتر آتی رہتی تھیں۔ وَصَرَّفْنَا الْأَيَاتِ آیات سے مراد حج اور دلائل، بینات اور مواعظ کی انواع، یعنی ہم نے انہیں ان بستیوں والوں کے لیے بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ تو وہ نہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے قرآن کی آیات وعدہ، وعید، قصص اور اعجاز کی صورت میں پھیر پھیر کر بیان کیں۔ ممکن ہے یہ مشرک لوٹ آئیں۔

فَلَوْلَا نَصْرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَلِكُمْ أَفْكَهُمُ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

”پس کیوں مدد نہ کی ان کی معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لیے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا بلکہ وہ تو ان سے ردپوش ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے۔“

فَلَوْلَا نَصْرَهُمْ، لولا، ہلا کے معنی میں ہے یعنی ان کے معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ یہ معبود ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس: 18) اور جو ہلاکت ان پر واقع ہوگی اس سے یہ معبود انہیں محفوظ رکھیں گے۔ کسائی نے کہا: قربان سے مراد برطاعت اور قربانی ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع قرابین ہے، جس طرح رھبان کی جمع رھابین ہے۔ اتخذ کے دو مفعولوں میں سے ایک الذین محذوف کی طرف لوٹ رہا ہے۔ دوسرا مفعول آلہة ہے (1) اور قُرْبَانًا حال بن رہا ہے۔ قُرْبَانًا کو دوسرا مفعول بنانا صحیح نہیں۔ آلہة اس سے بدل ہے کیونکہ معنی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ زبشری کا قول ہے: اسے قرباندار کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ یعنی وہ ان سے ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ یعنی ان سے ان کے معبود گم ہو گئے کیونکہ انہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی تھی جو انہیں پہنچی ہے کیونکہ وہ توحیدات تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضَلُّوا عَنْهُمْ انہوں نے بتوں کو ترک کر دیا اور ان سے براءت کا اظہار کیا۔

وَذَلِكَ أَفْكَهُمْ یعنی وہ بت جو ان سے گم ہو گئے تھے یہ ان کا اپنے قول میں جھوٹ تھا انہا تقر بہم الی اللہ زلفی یہ بت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر دیں گے۔ عام قرأت افکھم ہے ہمزہ مکسور ہے اور فاء ساکن ہے یعنی ان کا جھوٹ تھا اسی طرح افیکہ ہے جمع افانک ہے۔ رجل افانک یعنی جھوٹا آدمی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت ابن زبیر نے پڑھا وہ ذلک افکھم یعنی ہمزہ، فاء اور کاف مفتوح ہے کیونکہ یہ فعل ہے یعنی اس قول نے انہیں توحید سے پھیر دیا۔ عکرمہ نے اسے افکھم فاء کی

تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ تاکید اور تکثیر کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یعنی وہ جن نعمتوں پر تھے ان سے ان کو چھین دیا۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آفکھم مد اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں پھیرنے والا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ان سے اختلاف کے ساتھ آفکھم مد کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہ جائز ہوگا کہ وہ فعل کا صیغہ ہو، یعنی انہیں آفک کی طرف پھیر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ فاعلہ کے وزن پر ہو جس طرح خادعہم ہے عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۰﴾ جو وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آفکھم، آفکھم کی طرح ہے افک اور افک یہ جذر اور حذر کی طرح ہیں؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا الْقَالَوْا أُنصِتُوا
فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۱۱﴾

”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو، پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے ہوئے۔“

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ یہ قریش کے مشرکوں کو توخیج ہے یعنی جنوں نے قرآن کو سنا وہ آپ پر ایمان لائے اور انہیں علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جبکہ تم اعراض کرنے والے اور کفر پر اصرار کرنے والے ہو۔ صَرَفْنَا کا معنی ہے ہم نے انہیں آپ کی طرف متوجہ کیا اور ہم نے بھیجا۔ اس کی جہ یہ بنی کہ انہیں آسمان سے چوری چھپے سننے سے شہا یہ مارنے کے ساتھ پھیر دیا گیا تھا جس طرح اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیں اس امر سے نہیں روکا گیا تھا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

مفسرین حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ نے کہا: جب ابوطالب فوت ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ثقیف سے مد لینے کے لیے طائف کی طرف نکلے آپ نے عبد یلیل، مسعود اور حبیب کے پاس جانے کا اراد کیا جو بھائی تھے ان کا تعلق بنو عمرو بن عمیر سے تھا، ان کے ہاں بنی جمح کے خاندان کی ایک قریشی عورت بیاہی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور ان سے سوال کیا کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا غلاف اتار دے گا۔ دوسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی نہیں ملا تھا کہ اسے رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تجھ سے کوئی کام نہیں کروں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بھیجا ہے جس طرح تو کہتا ہے تو اس سے عظیم شان رکھتا ہے کہ میں تجھ پر تیرا کلام لوٹاؤں اور اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو تجھ سے کلام کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں اور اپنے غلاموں کو بھڑکایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور آپ پر قہقہے لگائیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو غیب اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو آپ نے حمیہ عورت سے کہا: ہم نے تیرے سسرال سے کیا پایا؟ پھر آپ نے یوں دعا کی: اللھم انی اشکو

الینث ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوأنی عنی الناس یا أرحم الراحمین أنت رب المستضعفین وأنت رب لمن تکلنی الی عبد یتجهمنی أو الی عدو ملکته امری! إن لم کن بک غضب عنی فلا أبانی ولكن عافیتک ہی أوسع لی. أعوذ بنور وجهک من أن ینزل بی غضبک. أو یحل عنی سخطک لک العُثْبَی حتی ترضی. ولا حول ولا قوۃ إلا بک

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی قوت کی کمزوری، حیلہ کی کمی، لوگوں پر بلکا ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے اس بندے کے جو میرے ساتھ ترش روی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جس کو تو میرے معاملہ کا مالک بنا دے، اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری ناراضگی نازل ہو تجھے عتاب کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ کسی مصیبت کو دور کرنا اور کسی امر پر طاقت ہونا تیرے ذریعے ہی ہے۔

ربیعہ کے دونوں بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم آگیا دونوں نے اپنے غلام سے کہا جو ایک نصرانی تھا جسے عداس کہا جاتا انگور کا یہ گچھا لو ات اس طبق پر رکھو پھر اسے اس آدمی کے سامنے رکھ آؤ۔ جب اس نے وہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”باسم اللہ“ پھر اسے کھایا، عداس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اس شہر والے نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے؟ اے عداس اور تیرا دین کیا ہے؟“ کہا میں نصرانی ہوں، اہل نینوی سے میرا تعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”کیا صالح انسان حضرت یونس بن متی کی بستی سے؟“ عداس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہے؟ فرمایا: ”وہ میرا بھائی ہے وہ نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔“ عداس آپ پر جھکا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے اسے کہا: تو نے اس طرح کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: اے میرے آقا! زمین میں ان سے بہتر کوئی فرد نہیں انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ثقیف کی جانب سے کسی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ واپس لوٹے یہاں تک کہ جب آپ نخلہ وادی میں تھے تو آپ رات کے وقت نماز پڑھنے لگے تو اہل نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس سے گذری۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جن چوری چھپے سنا کرتے تھے جب آسمان کی حفاظت کی جانے لگی اور انہیں شہابیوں سے مارا گیا تو ابلیس نے کہا: آسمان میں جو یہ حادثہ رونما ہوا ہے وہ زمین میں کسی حادثہ کی وجہ سے ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے تاکہ حقیقت حال کو جانیں۔ ان میں سے پہلا قافلہ نصیبین والوں کا تھا وہ معزز جنوں پر مشتمل تھا یہ تہامہ کی طرف آئے، جب وہ نخلہ وادی میں پہنچے تو انہوں نے نخلہ وادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے سنا جبکہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کان لگائے اور کہا: خاموش ہو جاؤ۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے نینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں آج کی رات جنوں کو قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میں سے کون میری اتباع کرے گا؟“ تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لیے۔ دوسری دفعہ ارشاد فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یا رسول اللہ! میں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: میرے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ میں تھے تو نبی کریم ﷺ نے ایک گھائی میں داخل ہوئے تھے ”شعب حیون“ کہا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے ایک خط لگا دیا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھوں۔ فرمایا: ”اس سے باہر نہ نکلتا یہاں تک کہ میں تیری طرف واپس آؤں۔“ پھر آپ چلے یہاں تک کہ کھڑے ہو گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں گدسوں جیسی چیزیں دیکھتا جو نیچے گرتیں اور وہ آواز پیدا کرتے ہوئے چلتیں۔ میں غیر واضح سی کھٹکھٹاؤں سے یہاں تک کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خوف ہونے لگا۔ آپ کو کثیر جماعتوں نے ڈھانپ لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں ان کی آواز نہیں سنتا تھا۔ پھر وہ یوں چھٹنے لگے جس طرح بادل کا ٹکڑے بھٹاتے نبی کریم ﷺ فجر کے وقت اس سے فارغ ہوئے (1)۔ پوچھا: ”کیا تو سویا ہے؟“ میں نے عرض کی: نہیں اللہ کی قسم! میں نے نبی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کو سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹا کر انہیں تنبیہ کرتے اور کہتے: بیٹھ جاؤ۔ فرمایا: ”اگر تو اس دائرہ سے باہر نکلتا تو مجھے تیرے بارے میں خوف ہوتا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچھ ہی نہ لے۔“ پھر پوچھا: ”کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟“ میں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! میں نے سیاہ رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید رنگوں کی دھوتیاں رانوں سے لپیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا: ”وہ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے متاع اور زاد کے بارے میں سوال کیا تو میں نے انہیں ہر بوسیدہ ہڈی اور گوبر و مینگی وغیرہ کو ان کے لیے خوراک بنا دیا ہے۔“ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! لوگ انہیں ہمارے لیے گدلا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کیا جائے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ چیز انہیں کیا فائدہ دے گی؟ فرمایا: ”وہ کسی ہڈی کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس پر ایسا گوشت پائیں گے جس روز اسے کھایا گیا تھا اور وہ کسی گوبر کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس میں ایسا دان پائیں گے جس طرح اسے کھایا گیا تھا۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے بہت زیادہ غیر واضح سی گفتگو سنی؟ فرمایا: ”جنوں نے ایک مسئلے کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور میرے سامنے معاملہ پیش کیا تو میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔“ پھر نبی کریم ﷺ ظاہر ہوئے اور میرے پاس تشریف لائے۔ پوچھا: ”کیا تیرے پاس پانی ہے؟“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس برتن ہے جس میں کچھ نبیذ تھر ہے، میں نے اسے آپ کے ہاتھوں پر اندیا تو آپ نے ہنس دیا۔ فرمایا: ”پاکیزہ کھجور اور طہارت عطا کرنے والا پانی۔“ معمر نے قتادہ سے اور شعبہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت نقل کی ہے۔ معمر کی حدیث میں نبیذ تھر کا ذکر نہیں۔

ابو عثمان ہمدانی نے روایت بیان کی ہے: حضرت ابن مسعود نے زبطوں (بند کے ایک مادہ کو رہائشی) کو دیکھا پوچھا:

یہ لوگ کون ہیں؟ جواب دیا: یہ زطی ہیں۔ فرمایا: میں نے ان کی مثل نہیں دیکھا مگر جنوں والی رات میں جنوں کو ان کی مثل دیکھا تھا۔ وہ لنگوٹ مارے ہوئے تھے ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔

دارقطنی، عبداللہ بن لہیعہ سے وہ قیس بن حجاج سے وہ جنس سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں والی رات نبیذ سے وضو کروایا تو آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔

تفسیر شہادت و طہورۃ ابن لہیعہ ایسا راوی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

ابن مند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ وہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا: ”اے ابن مسعود! کیا تیرے پاس پانی ہے؟“ عرض کی: میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: ”اس سے مجھ پر اندلیو“ تو آپ نے وضو کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہو شراب سے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس روایت کو نقل کرنے میں اکیلا ہے اور حدیث میں ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ عاتقہ بن قیس اور ابو عبیدہ بن عبداللہ وغیرہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: میں جنوں والی رات آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ابو ثمر بن صععد، ابواشعث سے وہ مبشر بن فضل وہ داؤد بن ابی بند سے وہ عامر سے وہ عاتقہ بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ جواب دیا: نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں۔

عمرو بن مرہ نے کہا: میں نے ابو عبیدہ سے پوچھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جنوں والی رات حاضر تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جن، نصیبین کے جنوں میں سے سات افراد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنایا۔ زر بن حبیش نے کہا: وہ کل نو تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا (2)۔ قتادہ نے کہا: وہ اہل مینوی تھے۔ مجاہد نے کہا: وہ اہل حران تھے۔ عکرمہ نے کہا: وہ موصل کے جزیرہ سے تھے (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا: وہ سات تھے، تین اہل نجران سے اور چار اہل نصیبین سے تھے۔ ابن ابی دنیا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کہا اور اس میں نصیبین کا ذکر کیا، فرمایا: اے میری طرف اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی بارش زیادہ ہو، اس کے درخت سرسبز و شاداب ہوں اور ریاؤں میں پانی زیادہ ہو۔ سہیلی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وہ سات تھے، وہ یہودی تھے اور اسلام لائے، اسی وجہ سے کہا: اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ان کے ناموں کے بارے میں کہا گیا: شاصر، ماصر، منشی، ماشی، احقب؛ ان پانچ کا ذکر ابن درید نے کیا ہے۔ ان میں سے عمرو بن جابر بھی ہے۔ ابن اسلام نے اس کا ذکر ابواسحاق سہیمی کی سند سے اپنے اشیان سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ذکر

کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں چل رہے تھے تو ان کے لیے ایک گولہ بلند ہوا پھر اس سے بڑا گولہ آیا تو کیا دیکھتے ہیں ایک مردہ سانپ ہے ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی چادر کا قصد لیا اسے پھاڑا اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا۔ جب رات تاریک ہو گئی تو دو عورتیں پوچھ رہی تھیں: عمرو بن جابر کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے عمرو بن جابر کون ہے؟ دونوں نے کہا: اگر تم نے اجر کی نیت کی ہے تو تم نے اسے پایا ہے فاسق جنوں نے مومن جنوں کے ساتھ جنگ کی تو عمرو کو قتل کر دیا کیا۔ وہ سانپ تھا جسے تم نے دیکھا تھا۔ وہ اس جماعت سے تھا جس نے حضرت محمد ﷺ سے قرآن سنا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سلام نے ایک اور روایت کا ذکر کیا جس نے اسے کفن دیا تھا وہ صفوان بن معطل تھا۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اس کی مثل خبر ذکر کی ہے، اس نے کہا: ثابت بن قطبہ نے کہا کچھ لوگ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں آئے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک سانپ دیکھا جو اپنے خون میں لت پت تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے لیا اور ہم نے اسے مٹی میں دبا دیا، کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا: عمرو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: کون عمرو؟ انہوں نے کہا: وہ سانپ جسے تم نے فلاں جگہ دفن کیا، خبردار! وہ اس جماعت میں سے تھا جس نے نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا تھا مسلمان جنوں اور کافر جنوں میں جنگ ہوئی تو وہ شہید ہو گئے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے تو سفر میں تھے اور نہ دفن میں حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن ابی دنیا نے ایک تابعی کا ذکر کیا اس کا نام بھی لیا، ایک سانپ اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اس نے اسے پانی پلایا پھر وہ سانپ مر گیا تو اس تابعی نے اسے دفن کر دیا۔ رات کے وقت کوئی اس کے پاس آیا اسے سلام کیا اور اس کا شکر یہ ادا کیا اور بتایا وہ نصیبین کے جنوں میں سے تھا اس کا نام زوبعد تھا۔

شمیلی نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضائل میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس کو ابو بکر بن طاہر اشعری نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک مردہ سانپ دیکھا آپ نے اپنی زاند چادر سے اسے کفن دیا اور اسے دفن کر دیا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”تو بیابان میں مرے گا اور تجھے ایک صالح آدمی کفن دے گا“۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا: ان جنوں میں سے ایک جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا ان میں سے میں اور سرق باقی رہ گئے تھے یہ سرق فوت ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ نبویہ نے ایک سانپ کو قتل کر دیا جسے آپ نے اپنے حجرہ میں قرآن سنتے ہوئے دیکھا جبکہ حضرت عائشہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں۔ خواب میں ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا: آپ نے جنوں میں سے ایک مومن کو قتل کر دیا، وہ جن جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل نہ ہوتا۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا تھا مگر آپ نے نقاب اوڑھا ہوا تھا

تو قرآن سننے کے لیے آیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کبریٰ گئیں آپ نے غلام خریدے اور انہیں آزاد کیا۔ سہلی نے کہا: ہمارے پاس جو جنوں کے نام تھے ہم نے ان کا ذکر کر دیا، اگر وہ سات تھے تو احقاف ان میں سے کسی کا وصف ہوگا۔ یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ وہ اسماء جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ احقاف کے ساتھ مل کر آٹھ بنتے ہیں۔

میں نے کہا: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہامہ بن بہیم بن اقیس بن ابلیس۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومن نام میں سے تھا یہ ان جنوں میں سے تھا جو نبی کریم ﷺ کو ملے رسول اللہ ﷺ نے اسے سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ تمییز، لئون، سورہ اذا الشمس کورت، سورہ الحمد اور معوذتین پڑھائیں۔ اور یہ ذکر کیا وہ ہانیل کے قتل کے وقت حاضر تھا اور ان کے خون میں شریک ہوا تھا وہ غلام بن اعوام ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ملا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی وہ حضرت یونس، حضرت یسحٰب، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے ملا۔ ماوردی نے ان کے اسماء مجاہد سے ذکر کیے ہیں اور کہا: حسی، مسی، منشی، شاصر، ماصر، اُرد، اُنیان اور احم۔ ان کا نام ابو عمر و عثمان بن احمد جو ابن سہاک کے نام سے معروف ہیں نے کیا ہے کہا: محمد بن براء، زبیر بن بکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حمزہ بن سائبہ بن ابی لہب نسیمیین والے ان جنوں کے نام ذکر کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ کہتے: حسی، مسی، شاصر، ماصر، اُفخر، اُرد اور انیال۔

فَلَمَّا حَضَرُوا لَهَا جَبَّ وَهُوَ نَبِيٌّ كَرِيمٌ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ كَمَا خَدَمْتُمْ فِي حَاضِرِهِمْ يَوْمَئِذٍ (1) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک قول یہ ہے: جب وہ قرآن اور اس کے معانی کے لیے حاضر ہوئے۔ قَالَوَا انصتوا ان میں سے بعض نے کہا: قرآن حکیم کو سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (2) جبکہ آپ بطنِ نوح میں قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آپ کی آواز کو سنا تو کہا: خاموش ہو جاؤ، وہ سات تھے ان میں سے ایک نے بعد میں کہا: ان آیات وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفْرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا وَقَالُوا انصتوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَوْ اِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرًا ۝ قَالَوَا لِقَوْمِنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ وَالْحَقِّ وَ اِلَى صَرِيحٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لِقَوْمِنَا اَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِزْكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْاَلِيمِ ۝ وَ مَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهُ مِنْ دُوْنِهَا اَوْلِيَاءٌ اَوْ لِيْكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان بات سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَلَمَّا قُضِيَ لِحَقِّ بْنِ هَمْدَانَ وَ حَبِيبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زُبَيْرِ بْنِ اَسَدٍ قَضَىٰ بِرُحْمَةِ النَّبِيِّ كَرِيمٍ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ كَمَا خَدَمْتُمْ فِي حَاضِرِهِمْ يَوْمَئِذٍ کی ذات ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے جب آسمان کو چوری چھپے سننے سے محفوظ کر دیا گیا تو وہ نکلے تاکہ اس کا جو سبب بنا وہ اس سے آگاہی حاصل کریں، وہ وادی نخلہ میں آئے جبکہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے وہ کل سات تھے، انہوں نے اسے سنا اور

1 یہ مباحث کا قائل ہے کہ کلام کو غیب سے خطاب اور خطاب سے ظہر کی طرف پھیر دیا جائے یہاں کلام خطاب سے غیب کی طرف پھیری گئی ہے۔ مترجم

اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر گئے اور نبی کریم ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے قرآن سنیں اور اپنی قوموں کو ڈرائیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر قرآن کو پڑھا اور آپ اس سے فارغ ہوئے تو آپ کے حکم سے واپس گئے وہ اپنی قوم کے جنوں کا قصد کر رہے تھے، انہیں قرآن کی مخالفت سے خبردار کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں خبردار کرنے والے تھے اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں باقی ماندہ جنوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا اس کے اوپر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: **لِقَوْمِنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ** اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو وہ اپنی قوم کو نہ ڈراتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا (1)۔ اسی تاویل کی بنا پر جنوں والی دو روایتیں ہیں۔ یہ بحث پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں وہ روایت ہے جو اسی چیز پر دلالت کرتی ہے جس کی وضاحت **قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ (الجن: 1)** میں آئے گی صحیح مسلم میں حضرت معن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہا میں نے مسروق سے پوچھا: کس نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ جنوں نے اس رات قرآن حکیم سنا (2)؟ تو مسروق نے کہا: تیرے باپ یعنی حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ درخت نے آپ کو ان کے متعلق بتایا تھا۔

قَالُوا لِقَوْمِنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لِقَوْمِنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

”انہوں نے (جا کر) کہا: اے میری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔“

قَالُوا لِقَوْمِنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ کتاب سے مراد قرآن ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ عطا نے کہا: وہ پہلے یہودی تھے تو اسلام لے آئے، اسی وجہ سے کہا: **أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں نہیں سنا تھا (3)، اسی وجہ سے انہوں نے **أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ** کہا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی وہ تو رات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ **يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ** وہ دین حق کی طرف دعوت

2- صحیح بنی یس، کتاب بنیان الکعبہ، ذکر الجن قول اللہ قل أوس بن جند 1، صفحہ 544

1- تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 36

3- تفسیر کشاف، جند 4، صفحہ 312

دینے والے تھے وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین قدیم کی طرف۔

لِقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ دَاعِيَ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی ذات جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث تھی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ کی ذات سے قبل کوئی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر وہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا اور میں احمر و اسود کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں یا میرے لیے غنیمت حلال کی گئیں وہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں، زمین میرے لیے پاکیزہ طہارت عطا کرنے والی اور مسجد بنا دی گئی ہے، جس نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں ہو نماز پڑھ لے، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے“ (1)۔

مجاہد نے کہا: احمر و اسود سے مراد جن اور انسان ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے: ”مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے“ (2)۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ دَاعِيَ سے مراد داعی ہے اور وہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی قوم سے ستر افراد ایمان لائے، وہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے اور آپ کو بطحاء میں ملے ان پر قرآن حکیم کو پڑھا نہیں حکم دیا اور نبی کی۔

مسئلہ: یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امر، نبی، ثواب اور عقاب میں جن، انسانوں کی طرح ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مومن جنوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی ثواب نہیں کہ انہیں جہنم سے نجات دے دی جائے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِّنْ عَذَابِ آلِئِمٍ ۝ امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فرمایا: جنوں کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں کہ انہیں آگ سے پناہ دی جاتی ہے، پھر انہیں کہا جاتا ہے: تم مٹی ہو جاؤ جس طرح چو پاؤں کو کہا جائے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا: انہیں گناہوں پر سزا دی جائے گی اور احسان کی صورت میں ثواب دیا جائے گا جس طرح انسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے۔

ضحاک نے کہا: جن جنت میں داخل ہوں گے، وہ کھائیں گے اور تمہیں گے۔ قشیری نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں ثواب دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ سورت کے آغاز میں فرمایا: لِيُعْشَرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَفْقَهُونَ

عَلَيْكُمْ اِيْتِي (انعام: 130) آحر میں فرمایا: وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا اللّٰهُ تَعَالٰى بَہتر جانتا ہے۔ سورہ رحمن میں اس بارے میں مزید گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ۔

وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا لَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهَا اَوْلِيَاءٌ ۗ
اَوْلِيٰكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٦﴾

”اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں۔“

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائے گا اور نہ اس پر سبقت لے جاسکے گا اَوْلِيَاءٌ اس کے ایسے مددگار نہیں ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

اَوْلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْزِبْ عَنْهَا عِلْمُ
اَنْ يُخَيِّرِ الْمَوْتِي ۗ بَلٰٓ اِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٧﴾

”کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

اَوْلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں رویہ علم کے معنی میں ہے ان، اس کا اسم اور اس کی خبر رویہ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔

وَلَمْ يَعْزِبْ عَنْهَا عِلْمُ اَنْ يُخَيِّرِ الْمَوْتِي منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے۔ لَمْ يَعْزِبْ کا معنی ہے وہ انہیں پیدا کرنے میں عاجز اور کمزور نہیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: عَيَّنْ بِاَمْرِهِ وَعَيَّنْ جَبَّ وَهُدَايَتِ نَهَ پائے۔ اس میں ادغام اکثر ہوتا ہے جمع میں تو عَيَّنْ اَخْفَفَ کہے گا۔ اس کو تشدید کے ساتھ عَيَّنْ اَخْفَفَ کہتے ہیں۔ کہا:

عَيَّنَا بِاَمْرِهِمْ كَمَا عَيَّنَتْ بِيضَتَهَا الْحَمَامَةُ

وہ اپنے معاملے میں یوں عاجز آگئے جس طرح کبوتری اپنے انڈے کے بارے میں عاجز آگئی۔

عَيَّنَتْ بِاَمْرِهِمْ جب تو اس کی صحیح صورت کی طرف ہدایت نہ پائے اعیان ہو اس نے مجھے عاجز کر دیا۔ حضرت حسن بصری نے ولم یعنی عین کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قلیل شاذ ہے کیونکہ عین کلمہ میں اعلال اور لام کلمہ میں تصحیح واقع نہیں ہوتی مگر چند اسماء میں ایسا ہوتا ہے، جس طرح غایۃ اور آیۃ ہے شعر کے علاوہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔ فراء نے اس شعر کو پڑھا ہے، وہ شاعر کا قول ہے:

فَكَانَتْهَا بَيْنَ النِّسَاءِ سَبِيكَةً تَشِي بِسُدَّةٍ بَيْنَتَهَا فَتْحِي

محل استدلال فتعی ہے۔ بقادر ابو عبیدہ اور خفش نے کہا: باء زائدہ ہے تاکید کے لیے آئی ہے، جس طرح اس ارشاد میں باء زائدہ ہے: وَ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝ (النساء) تَثْبُتُ بِالذَّهْنِ (المومنون: 20) نسائی، فراء اور زجاج نے کہا: باء استفہام کا نائب ہے اور کلام کے آغاز میں نفی کا معنی ہے۔ زجاج نے کہا: عرب اسے نفی کے ساتھ داخل کرتے ہیں تو کہتا ہے: مَا ظَنَنْتَ اِنْ زَيْدًا بَقَائِمٍ (1) تو یہ نہیں کہتا: ظننت ان زيدا ابقائم۔ اس باء کے داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر مواد داخل ہوا ہے اور ان داخل ہوا ہے جو تاکید کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ جِسْ طَرَحِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَا فَرْمَانَ هِے اَوَّلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَدِيْرٍ (يس: 81) حضرت ابن مسعود، اعرج، محمد بن جندب، ابن اسحاق اور يعقوب نے اسے بقدر پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ ان کی خبر میں باء کا داخل کرنا قبیح ہے۔ ابو عبیدہ نے عام قراءت کو پسند کیا کیونکہ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرًا (بنی اسرائیل: 99) باء کے بغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَأَيْنَا
قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

”اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔ کہیں گے: ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔ اللہ فرمائے گا: اچھا اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔“

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اَنْهِيْسَ وَهَ دِن يَاد دَلَا يَ جِس رُوْز اَنْهِيْسَ پِيْش كِيَا جَايْے كَا تَوَا اَنْهِيْسَ كَمَا جَايْے كَا:
اَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَأَيْنَا تَوَا اَنْهِيْسَ بِيَا ن كِرْنِے وَالا كَبْے كَا: فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ مَا مَصْدَرِيْه
ہے یعنی اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَانَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ
مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۗ بَلَدًا ۗ فَهَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمَ
الْفٰسِقُوْنَ ۝

”پس (اے محبوب) آپ صبر کیجئے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجئے جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگردن کی فقط ایک گھڑی، یہ پیغام حق ہے پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا۔“

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حزم و صبر والے۔ مجاہد نے کہا: وہ پانچ ہیں

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب شریعتوں والے ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا: اولوالعزم رسول یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ چوتھے ہو جائیں۔ سدی نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب سورہ اعراف اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ چھ ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچے کے گم ہونے اور نظر کے چلے جانے پر صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں میں گرنے اور قید خانے میں گرنے پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کیا (2)۔ ابن جریج نے کہا: ان میں حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت ایوب ہیں ان میں حضرت یونس، حضرت سلیمان اور حضرت آدم علیہ السلام نہیں۔

شعبی، کلبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ رسل ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا انہوں نے مکاشفہ کو ظاہر کیا اور کافروں سے جہاد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عظیم رسول ہیں جو سورہ الانعام میں مذکور ہیں وہ اٹھارہ ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام، حسن بن فضل نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد میں ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهِدَاهِهِمُ اقْتَدَاةٌ (الانعام: 90)**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام رسول اولوالعزم تھے؛ اسے علی بن مہدی طبری نے پسند کیا ہے۔ کہا: اس میں من جنس کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بعضیت کو بیان کرنے کے لیے نہیں، جس طرح تو کہتا ہے: **اشتریت أردية من البئز و أكسية من الغزيم** نے بنرکی بنی چادریں اور خزکی بنی کسائی خریدیں، یعنی آپ صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام انبیاء اولوالعزم ہیں مگر حضرت یونس بن متی کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے منع کیا گیا کہ آپ ان کی مثل ہو جائیں اس کی وجہ ان کا ہلکا پن اور جلد بازی ہے جو ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین امور کے ساتھ انہیں آزمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ

انہوں نے آپ کے اہل اور مال پر غارت گری مچائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کو ان کے بیٹے پر مسلط کر دیا تو وہ اسے کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان پر مسلط کر دیا تو اس نے آپ کو نگل لیا، یہ بات ابو القاسم حکیم نے کہی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اولوا العزم نبی بارہ ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف شام کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ میں اپنا عذاب بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف بھیجنے والا ہوں۔ یہ امر رسولوں پر شاق گذر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنے لیے پسند کر لو اگر چاہو تو میں تم پر عذاب کو نازل کروں اور بنو اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر چاہو تو تمہیں نجات دے دوں اور عذاب بنی اسرائیل پر نازل کروں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کو نازل کر دے اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی اور ان پر عذاب کو نازل کر دیا اس کی صورت یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین کے بادشاہوں کو مسلط کر دیا ان میں سے کسی کو آری سے چیر دیا گیا، کسی کے چہرے اور سر کی جلد اتار لی گئی، کسی کو سولی پر لٹکا دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کسی کو آگ میں جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اولوا العزم چار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (1)۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہیں کہا گیا: **أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** (بقرہ) پھر ان سے ان کے مال، ان کی اولاد، وطن اور ذات کے بارے میں امتحان لیا گیا تو جن جن امور میں ان کا امتحان لیا گیا ان میں آپ کو پورا اور سچا پایا گیا۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا جب ان کی قوم نے ان کو کہا: **إِنَّا لَنَدُّ مَا كُؤُونَ** (الشعراء) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: **كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ** (الشعراء) جہاں تک حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان سے خطا ہوئی تو اس خطا پر انہیں متنبہ کیا گیا، آپ چالیس سال روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے درخت اُگ آئے تو آپ اس کے سائے میں بیٹھے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: **انها معبرة فاعبروها ولا تعبروها یہ ایک راستہ ہے اسے عبور کرو اسے آباد نہ کرو۔**

گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے: صبر کیجئے یعنی جن امور میں آپ کو آزمایا گیا ہے ان میں سچے ہو جائیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ کا اظہار کیا اپنے مولیٰ کی مدد پر اس طرح اعتماد کرتے ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد تھا، اپنی لغزشوں پر ایسے غم کا اظہار کیجئے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے غم کا اظہار کیا تھا اور دنیا میں ایسا زہد اختیار کیجئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد اختیار کیا تھا۔ پھر یہ کہا گیا: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت محکم ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ سورت مکی ہے؛ مقاتل نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو مصیبت آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کیجئے

جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ مقصود اس امر کو آپ پر آسان کرنا اور اس پر ثابت قدم کرنا تھا۔ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ مَقَاتِلَ نَبَا: ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ قیامت کے روز یہ ان کے مقاصد میں سے سب سے بعیدی مقصد ہوگا۔ استعجال فعل کا مفعول مخدوف ہے اور وہ عذاب ہے۔

كَانْتُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا يُوْعَدُونَ يَحْيٰى نے کہا: مَا يُوْعَدُونَ سے مراد عذاب ہے (1)۔ نقاش نے کہا: مراد آخرت ہے (2)۔ لَمْ يَلْبَثُوا دَهْرًا دُنْيَا میں نہ رہے یہاں تک کہ انہیں عذاب نے آلیا (3)؛ یہ یحییٰ کے قول کا مقتضا ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اپنی قبروں میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں حساب کے لیے اٹھایا جائے گا۔ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی یوم قیامت کا ایک حصہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے جو عذاب دیکھا اس کی ہولناکی نے انہیں دنیا میں طویل عرصہ تک رہنے کے عمل کو بھلا دیا۔ پھر کہا: بَلَّغْ كَوْمًا مِّنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ کی بنا پر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَذَا بَلَّغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ (ابراہیم: 52) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَّغًا لِّقَوْمٍ غٰبٍ ۝ (الانبیاء) بلاغ، تبلیغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ٹھہرنا ہی بلاغ ہے (4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں وقف بَلَّغْ اور نَهَارٍ پر ہوگا۔

ابو حاتم نے ذکر کیا ان میں سے بعض نے وَلَا تَسْتَعْجِلْ پر وقف کیا پھر لہم سے کلام کا آغاز کیا کلام یوں ہوگی لہم بلاغ۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ تو نے البلاغ اور لام میں فاصلہ کر دیا ہے۔ عربی زبان میں بلاغا اور بلاغ دونوں طرح جائز ہے نصب اس اعتبار سے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی الا ساعة بلاغا کہ یہ مفعول مطلق ہے یا یہ ساعة کی صفت ہے، جہاں اس اعتبار سے کہ کلام ہے من نهار بلاغ۔ نصب کے ساتھ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے۔ بعض قراء سے یہ مروی ہے بَلَّغْ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں وقف مِّنْ نَّهَارٍ پر ہے پھر بَلَّغْ سے کلام شروع ہوگی۔

فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفٰسِقُونَ ۝ یعنی اللہ کے حکم سے خارج۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن محیسن نے پڑھا فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ فَعَلِ قَوْمٍ کی طرف منسوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب عورت پر بچے کی پیدائش مشکل ہو جائے تو یہ دو آیتیں اور دو کلمے ایک کاغذ پر لکھے جائیں پھر انہیں دھویا جائے اور اسے پلایا جائے۔ وہ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ كَانْتُمْ یَوْمَ یَرُوْنَ نَهَاۙمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰیًا كَانْتُمْ یَوْمَ یَرُوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۙ بَلَّغْ فَهَلْ یُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمَ الْفٰسِقُونَ اللہ تعالیٰ جو عظیم شان والا ہے اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا مگر مشرک کو (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امید میں سب سے قوی آیت ہے۔

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

﴿ابانہا ۲۸﴾ ﴿سورۃ ممتدۃ قتیبہ ۹۵﴾ ﴿مکوعاھا ۳﴾

سورہ قتال یہ سورت محمد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ماوردی نے کہا: تمام کا قول یہی ہے (1) مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: مگر ایک آیت جو حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے آپ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے اور غم کی وجہ سے رو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: **وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ ثعلبی نے کہا: یہ مکہ ہے؛ ابن ہبہ اللہ نے ضحاک اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: یہ اتالیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اٹھتیس آیات ہیں۔**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدُوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَصْلًا اَعْمَالَهُمْ ①

”جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے۔“

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (2) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا وہ دین اسلام ہے وہ مومنوں کو اس دین میں داخل ہونے سے روکا کرتے تھے؛ (3) یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: **عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ** سے مراد عن بیت اللہ جو بیت اللہ شریف کا قصد کرتے وہ انہیں روکتے۔ **اَصْلًا اَعْمَالَهُمْ ①** کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان مکرو فریب کو باطل کر دیا (4) جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کا وبال ان پر ڈال دیا؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حالت کفر میں جو اعمال کیے جنہیں وہ مکارم کا نام دیتے تھے جیسے صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، پڑوسیوں کی حفاظت کرنا ان سب کو باطل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت بدر میں کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی (5) وہ کل بارہ افراد تھے ابو جہل، حارث بن ہشام، عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے ابی، امیہ جو خلف کے بیٹے تھے منبہ، نبیہ جو حجاج کے بیٹے تھے، ابوالختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حذام اور حارث بن نوفل۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ①

كَفَرَتْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَاَصْلَحَ بِاٰمَنُوْا ①

3- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290

2- تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 47

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290

5- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 151

4- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 314

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسول معظم) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو“۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد انصار ہیں مقاتل نے کہا: یہ قریش کے چند افراد کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں مومنوں اور کافروں کے بارے میں عام ہیں۔ اَصْلًا اَعْمَالُهُمْ ۝ کا معنی ہے ان کو باطل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ہدایت پانے سے گمراہ کر دیا اس کی صورت یہ تھی کہ انہیں توفیق دینے سے پھیر دیا۔ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جس نے کہا: اس کا مصداق انصار ہیں اس نے صالحات سے مراد ان کو گھر دینے اور مال دینے میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا لیا ہے۔ جس نے کہا: مراد قریش ہیں تو عمل صالح سے مراد ہجرت ہے۔ جس نے کہا: یہاں عام مراد ہے تو صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں کی؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لائے اس کے بارے میں آپ کی تصدیق کی۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ اس سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہی ان کے رب کی جانب سے حق تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن ان کے رب کی جانب سے حق ہے جو اس سے قبل وحی آئی تھی اسے منسوخ کر دیا۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ مراد وہ سیئات ہیں جو ایمان لانے سے پہلے انہوں نے کی تھیں ان کو اس نے معاف کر دیا وَاصْلَحَ بِآلِهِمْ ۝ ان کے عمل کو درست کر دیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے حال کو درست کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے امور کو درست کر دیا تینوں کا معنی قریب قریب ہے۔ اس کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے جو امور ان کی دنیا سے متعلق ہیں ان کو درست کر دیا نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ معنی ہے ان کی نیتوں کو درست کر دیا۔ شاعر نے کہا:

فإن تُقبلي بالوذة أقبل بشله وإن تدبري أذهب إلى حال باليا (1)

یہ اس تاویل کی بنا پر ان کے دین کی اصلاح پر محمول ہوگا۔ بال مصدر کی طرح ہے اس کا فعل معروف نہیں ضرورت شعری کے سوا عرب اس سے جمع کا صیغہ نہیں لاتے مگر ضرورت شعری میں ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بالات۔ مبرد نے کہا: بعض اوقات بال کسی اور جگہ قلب کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما یخطر فلان علی بالی فلاں میرے دل پر نہیں کھٹکتا۔ جوہری نے کہا: بال کا معنی نفس کی فارغ البالی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلاں رخی البال فلاں فارغ البال ہے۔ بال کا معنی حال ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما بالک تیرا کیا حال ہے۔ ان کا قول ہے: لیس هذا من بالی یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کرتا ہوں۔ بال سے مراد سمندر کی مچھلیوں میں سے بڑی مچھلی ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں۔ بالہ خوشبو والے برتن کو کہتے ہیں۔ یہ فارسی سے معرب ہے فارسی زبان میں یہ اصل میں بیلہ تھا۔ ابو ذؤیب نے کہا:

كَانَ عَلَيْهَا بِالَّةَ لَطِيَّةً لَهَا مِنْ خَلَالِ الدَّائِتِينَ أَرِيحُ
 ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اتَّبَعُوْا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوْا الْحَقَّ مِنْ سَرَّاهُمْ
 كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

” (یوں) اس لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات۔“

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اتَّبَعُوْا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوْا الْحَقَّ مِنْ سَرَّاهُمْ ذٰلِكَ اِسْمُ اِسْتِزْهَارٍ يَحْلُفُ فِيْهِ بِهٖ۔
 یعنی الامر کذلک۔ معاملہ اسی طرح ہے یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلک الاضلال والهدی جن دونوں کا ذکر گذر چکا ہے اس کا سبب یہ ہے کافر نے باطل کی پیروی کی اور مومن نے حق کی پیروی کی۔ باطل سے مراد شرک اور حق سے مراد توحید و ایمان ہے۔
 كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ یعنی اس بیان کی طرح جس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے نیکوں اور برائیوں کے معاملہ کی وضاحت کرتا ہے اَمْثَالَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضْرِبُوْا الرِّقَابَ ۗ حَتّٰى اِذَا اَخْتَضْتُمُوْهُمْ فَنَسَدُوْا
 الرِّسَالَةَ فَاِمَّا مِّنْۢ بَعْدِ وَاِمَّا فِدَاۗءٌ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۗ ذٰلِكَ وَاَوْ يَشَاءُ
 اللّٰهُ لَا تَنْصَرُ مِنْهُمْ وَاَلٰكِنْ لِّيَبْلُوْا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قَاتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
 فَلَنْ يُضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

”پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے، اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَاِذَا لَقِيْتُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضْرِبُوْا الرِّقَابَ جب دونوں فریقوں کو الگ الگ کر لیا تو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار سے مراد مشرک ہیں جو بتوں کے پجاری تھے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو دین کا مخالف ہے وہ مشرک ہو یا کتابی ہو جبکہ اس کا کوئی عہد و پیمانہ نہ ہو؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے اور کہا: عموم آیت کی وجہ سے یہی صحیح ہے (1)۔ فَضْرَبَ الرِّقَابِ مفعول مطلق ہے۔ زجاج نے کہا: فاضربوا الرقاب ضربا رقاب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ قتل عموماً اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کلام اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا نفس صبرا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام اقصدا ضرب الرقاب ہے ارشاد فرمایا: فَضْرَبَ الرِّقَابِ۔ یہ نہیں کہا ماقتلوہم کیونکہ قتل کے لفظ کی بجائے ضرب رقاب میں سختی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں خوفناک ترین صورت میں اس کے قتل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ اس کی گردن کا کاٹنا اور ایسے عضو کو اڑانا ہے جو بدن کا سردار، اس کا بلند حصہ اور وجیہ ترین عضو ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حَتَّىٰ اِذَا اَشْخَشْتُمْوَهُمْ یعنی جب تم قتل کا عمل زیادہ کر چکو۔ سورہ انفال میں یہ بحث حَتَّىٰ يَشْخَنَ فِي الْاَرْضِ میں گذر چکی ہے۔ فَتُدُّوْا الْوِثَاقَ یعنی جب تم قیدی بنا چکو۔ وثاق یہ ایشاق کا اسم ہے بعض اوقات یہ مصدر ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: اوثقتہ ایشاقا و وثاقا جہاں تک وثاق کا تعلق ہے تو یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے، جس طرح رباط یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ جوہری نے کہا: اوثقتہ فی الوثاق یعنی اسے باندھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتُدُّوْا الْوِثَاقَ، وثاق واؤ کے کسرہ کے ساتھ، اس میں یہ لغت ہے۔ باندھنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ وہ کھسک ہی نہ جائیں۔

فَاَمَّا مَنَّا یعنی یا تو بغیر فدیہ کے مطلق ان پر احسان کیا جائے وَاِمَّا فِدَاً آءٍ یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے۔ ان دونوں کو فعل مضمر کے ساتھ نصب دی گئی ہے۔ اسے فدی الف مقصورہ کی صورت میں فاء کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فاما ان تمنوا عليهم منا واما ان تفادوهم فداء۔ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ میں حجاج کے پاس کھڑا تھا جب عبدالرحمن بن اشعث کے ساتھی اس کے پاس لائے گئے ان کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تھی اس نے تین ہزار کے قریب افراد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ کندہ قبیلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے کہا: اے حجاج! تو سنت اور کرم سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی کے ساتھ بدلہ نہیں دے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس آدمی نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاً آءٍ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو نے احسان کیا اور نہ ہی فدیہ لیا۔ تمہارے شاعر نے کہا جبکہ وہ تمہارے مکارم، صدق کا وصف بیان کرتا ہے:

ولانقتل الأسرى ولانفكهم إذا أثقل الأعناق حمل المغارم

نہ ہم قیدیوں کو قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں چھڑاتے ہیں جب چٹیوں کے بوجھ گردنوں کو بوجھل کر دیں۔

حجاج نے کہا: ان مردہ لاشوں پر فسوس! کیا ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کی کلام اچھے انداز میں کرتا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو آزاد کر دو۔ اس روز باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس آدمی کے بقول وہ دو ہزار تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے اور پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:

1۔ یہ منسوخ ہے، یہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے ان سے فدیہ لینا اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ان کے نزدیک اس کا نسخہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاَمَّا تَشَقَّقْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَسَرِّدُوهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (الانفال: 57)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَاقْتَالِ (التوبة: 36)** یہ قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ کوفہ کے بہت سے علماء نے یہی بات کی ہے۔ عبدالکریم جوزی نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک کے بارے میں خط لکھا گیا جو قید کیا گیا تھا (1)۔ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اس نے اتنے اتنے فدیہ کے بدلے میں جان بخشی کی التماس کی ہے۔ فرمایا: اسے قتل کر دو ایک مشرک آدمی کا قتل مجھے اتنے اتنے مال کی بنسبت زیادہ محبوب ہے۔

2۔ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے علماء اور اہل نظر کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ منسوخ ہے ان میں قتادہ اور مجاہد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کیا جائے تو اس پر احسان کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے شرط پر فدیہ لینا جائز ہے کہ اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک صرف عورت کا فدیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا، اس آیت کی نسخہ آیت **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** ہے کیونکہ سورہ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ ضروری ہے کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے مگر جس کے قتل کو ترک کرنے میں دلیل قائم ہو جس طرح عورتیں، بچے اور جن سے فدیہ لیا جاتا ہے؛ امام ابو حنیفہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ وجہ یہ خوف ہے کہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں۔

عبدالرزاق، معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَمَّا مَثَابَعُهُمْ وَ اِمَّا فِدَاؤُهُمْ** اسے **فَسَرِّدُوهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (الانفال: 57)** نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اسے **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** نے منسوخ کیا ہے؛ یہ حکم کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت نسخہ ہے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ثوری نے جویر سے وہ ضحاک سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** کو **فَاَمَّا مَثَابَعُهُمْ وَ اِمَّا فِدَاؤُهُمْ** نے منسوخ کر دیا ہے۔ ابن مبارک نے ابن جریج سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَمَّا مَثَابَعُهُمْ وَ اِمَّا فِدَاؤُهُمْ** مشرک کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر احسان کیا جائے گا اور اس سے فدیہ لیا جائے گا (2)، جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اشعث نے کہا: حضرت حسن بصری قیدی کو قتل کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے **فَاَمَّا مَثَابَعُهُمْ وَ اِمَّا فِدَاؤُهُمْ** حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے گویا فرمایا: فضرِب الرقاب حتى تضع الحرب اوزارها پھر فرمایا: **حَتَّىٰ اِذَا اشْتَمُوهُمْ فَسَدُّوا** الوشاق اور اس نے یہ گمان کیا کہ امام کو حق حاصل نہیں کہ جب قیدی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اسے قتل کرے لیکن اسے تین چیزوں میں اختیار ہے۔

- 1۔ اس پر احسان کرے۔ 2۔ اس سے فدیہ لے۔ 3۔ اس کو غلام بنا لے۔
- 4۔ سعید بن جبیر کا قول ہے: فدیہ اور قید کرنا نہیں مگر جب تلوار سے بہت زیادہ افراد کو قتل کیا جا چکا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهٗ أَشْرَافٌ حَتَّىٰ يَمْشِيَ فِي الْأَرْضِ (الانفال: 67) جب اس کے بعد قیدی بنائے جائیں تو امام کو حق حاصل ہے کہ جو اس کی رائے ہو اس پر عمل کرے خواہ وہ قتل کرے یا کوئی اور معاملہ کرے۔
- 5۔ آیت محکم ہے امام کو ہر حال میں اختیار ہے؛ اسے علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ یہ قول کثیر علماء نے کیا ہے ان میں حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، عطاء بن ابی امام مالک، امام شافعی، ثوری، اوزاعی، ابو عبید وغیرہ کا قول ہے۔ یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے یہ کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو غزوہ بدر کے موقع پر انتقام کے طور پر قتل کیا تھا اور باقی بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا تھا۔ ثمامہ بن اثال حنفی جبکہ وہ آپ کے پاس قیدی تھا پر احسان کیا تھا، سلمہ بن اکوع سے لونڈی لی تھی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے لوگوں کا فدیہ دیا تھا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا تھا اور ان پر احسان کیا تھا، آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کیا تھا۔ یہ سب صحیح میں ثابت ہے اور یہ سب باتیں سورۃ الانفال میں گذر چکی ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ تعبیر اس شرط پر ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم ہیں ان دونوں پر عمل کیا جاتا ہے وہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ نسخ قطعی امر کے لیے ہوتا ہے جب دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو نسخ کے قول کا کوئی معنی نہیں جب یہ جائز ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جائے جب کافروں سے ہماری مڈ بھینٹ ہو تو ہم ان کو قتل کریں جب قیدی بنایا جائے گا تو قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ دینا اور احسان کرنا بھی جائز ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو موجود ہو؛ یہ قول اہل مدینہ، امام شافعی اور ابو عبید سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے ایک رائے امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی یہی بیان کی ہے، مشہور وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا ہے (1)۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کوئی دین نہیں ہے مگر دین اسلام۔ ہر یہودی، ہر نصرانی اور ہر ملت والا اسلام قبول کرے اور بکری بھینٹے سے بے خوف ہو جائے، اسی کی مثل حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی سے قول مروی ہے۔ کسائی نے کہا: یہاں تک کہ مخلوق مسلمان ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور کفرنا پیدا ہو جائے۔ کلبی نے کہا: یہاں تک کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوزار کا معنی اسلحہ ہے، معنی ہے رسیاں باندھ دو یہاں تک کہ تم امن میں ہو جاؤ اور تم اسلحہ رکھ دو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یعنی وہ دشمن جو برسرا پیر تھے وہ اپنے اوزار رکھ دیں۔ اوزار سے مراد ان کا اسلحہ ہے یعنی شکست کھا جائیں یا جنگ کو ترک کر دیں، اور نچروں کو بھی اوزار

کہتے ہیں، اعمش نے کہا:

وَأَعَدَّتْ لِلْحَرْبِ أَوْزَارَهَا رِمَاحًا طَوَالًا وَخِيَلًا ذُكُورًا (1)

میں نے جنگ کے لیے خچروں کو تیار کیا ہے لمبے نیزے اور نڈ کر گھوڑے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا کا معنی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ رکھ دے، اوزار کا معنی بوجھ ہے، اسی معنی میں وزیر الملک ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی جانب سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اثقالہا سے مراد اسلحہ ہے کیونکہ اس کا بوجھ بڑا وزنی ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت حسن بصری اور عطاء نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، معنی ہے گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ اتار دے جب تم ان کو کثرت سے قتل کر چکو تو رسیوں کو مضبوطی سے باندھو۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسیر کو قتل کرے۔ حجاج سے مروی ہے کہ اس نے ایک قیدی حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے کیا تا کہ آپ اسے قتل کریں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت پڑھی حَتَّى إِذَا أَشْتَبْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاقَ بِمَنْعَةٍ مِّنْكُمْ لَمْ يَأْمُرْ بِالْقَتْلِ وَلَا يَنْهَى عَنِ الْقَتْلِ إِنَّكُمْ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (سورہ بقرہ 194)۔ اس کا حکم نہیں دیا اور نبی کریم ﷺ نے وضاحت میں کسی غیر چیز کے منع کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ نے زنا کے بارے میں کوڑے مارنے کا حکم دیا اور نبی کریم ﷺ نے رجم کا حکم دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شام حجاج کے ہاتھ سے قیدی لے کر قتل کرنے کو مکروہ جانا اور اس نے جو کہا تھا اس سے معذرت کر لی۔ تیرا بوجھ خوب جانتا ہے۔

ذَلِكَ نُوَيْسَاءُ اللَّهِ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ذَلِكَ مَلَّ فِيهِمْ جَسْرٌ مِّنْهُمْ يَكْفُرُونَ بِمَا كَفَرُوا بِهِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ وَكَفَرُوا بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ يَكْفُرُ بِالْكَافِرِينَ (سورہ بقرہ 177)۔ اس کا معنی ہے کہ اس نے اپنا بوجھ اتار دیا اور اس نے جو کہا تھا اس سے معذرت کر لی۔ تیرا بوجھ خوب جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اس سے مراد غزوہ احد میں شہید ہونے والے مومن ہیں فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ عام قراءت قاتلوا ہے: یہ ابو عبیدہ کا اختیار ہے۔ ابو عمرو اور حفص نے قَاتِلُوا قَاف کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت اس طرح ہے مگر انہوں نے تاء کو مشدود پڑھا ہے تاکہ کثرت کے معنی پر دلالت کرے۔

جحدری، یحییٰ بن عمر اور ابو حیوہ نے قاتلوا الف کے بغیر پڑھا ہے۔ مراد ہے جنہوں نے مشرکوں کو قتل کیا۔ قتادہ نے لکھا

ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک گھائی میں موجود تھے۔ صحابہ کرام میں زخم اور شہادت کا عمل بہت ہو چکا تھا مشرکوں نے اعلان کیا: اعل ہبل مسلمانوں نے نعرہ لگایا: اللہ اعلیٰ واجل۔ مشرکوں نے کہا: یہ دن بعد کے دن کے مقابل ہے اور جنگ میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے مومنو! تم کہو کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول آگ میں ہیں انہیں عذاب دیا جاتا ہے“۔ مشرکوں نے کہا: ہمارا عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں (1)۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس کا ذکر سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔

سَيِّئِيهِمْ وَيُصَلِّحُ بِاللَّهِمْ ③

”وہ پہنچادے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو“۔

قشیری نے کہا: ابو عمرو کی قراءت قتلوا بڑی بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَيِّئِيهِمْ وَيُصَلِّحُ بِاللَّهِمْ ③ مقتول کی یہ صفت نہیں ذکر کی جاتی۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عنقریب وہ انہیں جنت کی طرف لے جائے گا ان میں جو باقی ہیں انہیں ہدایت عطا فرمادے گا۔ ابن زیاد نے کہا: وہ قبر میں منکر و نکیر کے ساتھ دلیل قائم کرنے میں ان کی رہنمائی کرے گا (2)۔ ابو المعالی نے کہا: بعض اوقات ہدایت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد مومنوں کو جنت کے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا اور ایسے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا ہے جو جنت کی طرف جاتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو مجاہدین کی صفت میں ہے: فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ④ سَيِّئِيهِمْ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَعِيمِ ⑤ (فالصافات: 23) اس کا معنی ہے انہیں اس کی طرف تم لے جاؤ۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَّهُمْ ①

”اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی“۔

جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ تو وہ اپنے گھروں کو ان جمعہ پڑھنے والوں سے زیادہ جانتے ہوں گے جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہیں؛ یہ معنی مجاہد اور اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بخاری شریف میں ایسی حدیث موجود ہے جو اس قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے گا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان بل پر روک لیا جائے گا تو ان میں سے بعض کے بعض پر مظالم کو بیان کیا جائے گا جو ان کے درمیان ہوئے تھے یہاں تک کہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی (3)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ایک جنت میں اپنے گھر کے بارے میں دنیا میں اپنے گھر سے زیادہ آگاہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا

گیا ہے: عَزَفَهَا لَهُمْ ۝ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بیان کرے گا یہاں تک کہ وہ بغیر راہنمائی طلب کیے اس کو پہچان لیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا میں جنت کی صفت بیان کی جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ اس کی صفت سے اسے پہچان گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہے عرف طر قہا و مساکنہا و بیوتہا لہم تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک پہچان راہنمائی کی صورت میں ہوئی یعنی وہ فرشتہ جو بندے کے عمل پر مقرر تھا وہ اس بندے کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ بندہ اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔ فرشتہ ان تمام چیزوں کا اسے تعارف کروائے گا جو اس کے لیے جنت میں تیار کی گئیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت اس کا رد کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنتیوں کے لئے مختلف قسم کی لذتوں کے ساتھ انہیں خوشبودار بنا دے گا۔ یہ عرف سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد پاکیزہ خوشبو ہے۔ طعام معرف خوشبودار کھانا۔ عرب کہتے ہیں: عرفت القدر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس میں نمک اور مصالحہ جات ڈال کر مزے دار بنا دے۔ شاعر ایک آدمی سے خطاب کرتا ہے اور اس کی مدح بیان کرتا ہے:

عَرَفْتُ كِبَابَ عَرَفْتَهُ اللَّطْعَاءِ

وہ اسے کہتا ہے: کما عرف العشب اس سے مراد بقیر اور بقیرہ ہے یہ ایسی قیص ہوتی ہے جس کی آستین نہیں ہوتی جسے عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کھانے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: حرایر معرف یعنی اس کا بعض بعض پر ہے۔ یہ عرف متتابع سے مشتق ہے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَزَفَهَا لَهُمْ ۝ یعنی طاعت کی توفیق دی یہاں تک کہ وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل آسمان کو بتایا کہ یہ جنت ان کے لیے ہے مقصد ان کی کرامت کا اظہار تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اطاعت شعاروں کو پہچان کرانی کہ یہ جنت ان کے لیے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ ۝ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ (الحج: 40) یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ قطرب نے کہا: اگر تم اللہ کے نبی کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔

وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ یعنی جنگ کے وقت تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پل صراط پر تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا مراد ہے: امن دے کر دلوں کو ثابت رکھتا ہے تو ثابت قدمی سے مراد جنگ کے وقت مدد کرنا ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ وہاں ہی فرمایا: اِذْ يُؤَيِّنُ سَنَابِكَ اِلَى

الْمَلِكَةِ أَنْ مَعَكُمْ فَتَبَتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (الانفال: 12) وہاں واسطہ کو ثابت رکھا اور یہاں انکی نئی آمدنی جس طرح اس آیت میں ملائے۔ کو ثابت رکھا قُلْ يَتَوَقَّكُمْ مَسْئَلُ الْمَوْتِ (السجدہ: 11) پھر اس قول میں اس کی نئی آمدنی آئندہ انکی حقیقت کے ثم رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُبْيِتُكُمْ (الروم: 40) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (الملک: 2) اس کی مثالیں بشارتیں۔ فاعل تبتی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَّأَلَهُمْ وَأَصَلَّ أَعْمَالَهُمْ ①

”اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا (خدا کرے) وہ منہ کے بل اونڈھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مَبْتَدَاً بُونِے كِي حَيْثِيَت مِيں رْفَع كَا قَتَا ضَا كَرْتَا هِي اور نَصْب اِس وَجْه سِي جُو اِس كِي تَفْسِيْر كَر رَهَا هِي اِيْنِي فَتَعَسَّأَلَهُمْ كُو يَا فَر مَآ يَا: اَتَعَسَّ اَلذِيْن كَفَرُوْا - فَتَعَسَّأَلَهُمْ يِه بَدْوْعَا كِي طَرِيْقَه پَر مَفْعُوْل مَطْلُوْق كِي حَيْثِيَت سِي مَنَسُوْب هِي: يِه فَرَا، كَا قَوْل هِي، جِس طَرَح مَقْتِيَانِه وَرَغِيْنَا - يِه كَلَام لِعَالِه كِي ضَد هِي كِيُوْنِكِه لِعَا نَدْوْعَا يِه كَلْمَه هِي - اَعْشِي نِي كِهَا: فَالْتَعَسَّ اَوْ لِي لَهَا مَن اَنْ اَقُوْل لِعَا (1) - مِيْر اِس كِي حَق لِعَا كِهْنَا اُو لِي تَعَسَّ كِهْنِي سِي بَهْتَر هِي -

اس میں دس اقوال ہیں: 1۔ اس کا معنی ہے بعد الہم (2)؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔ 2۔ خُوْنَالِهْم (3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ شَقَاء لِهْم (4)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ 4۔ شَتْمَالِهْم مَن اَللّٰہ (5)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ 5۔ هِدَا كَالِهْم (6)؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ 6۔ خَيْبَة لِهْم (7)؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا قول ہے۔ 7۔ قَبْعَالِهْم (8)؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ 8۔ رَغْبَالِهْم (9)؛ یہ بھی ضحاک کا قول ہے۔ 9۔ شَتْرَالِهْم؛ یہ بھی ثعلب کا قول ہے۔ 10۔ شَقُوْدَة لِهْم؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعس سے مراد انحطاط (10) (گرنا) اور لغزش کھانا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: تعس کا معنی ہے منہ کے بل گرنا۔ نکس کا معنی ہے سر کے بل گرنا (11)۔ کہا: تعس کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ جوہری نے کہا: اس کا اصل معنی منہ کے بل گرنا۔ یہ اتعاش (گرنے کے بعد اٹھنا) کی ضد ہے۔ قَدْ تَعَسَّ يَتَعَسَّ تَعَسًا - اَتَعَسَّ اَللّٰہ - مَجْمَع بِن هِلَال نِي كِهَا:

تقول وقد أفرذتها من خيلها تعست كما أتعستني يا مَجْبَعُ

یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعسا لفلان۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت کو لازم کر دیا۔ قشیری نے کہا: ایک قوم نے تعس کو جائز قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دینار، درہم، دینار

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 316	2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 295	3۔ ایضاً	4۔ ایضاً
5۔ ایضاً	6۔ ایضاً	7۔ ایضاً	8۔ ایضاً
9۔ ایضاً	10۔ ایضاً	11۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 112	

(بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) اور سیاہ مربع چادر کا غلام ہلاک ہو گیا، اگر اسے غطا کیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے (1)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث کی بعض اسناد میں یوں مروی ہے تعس و اتکس واذا شیک فلا اتقش (2) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔
 وَأَصَلَ أَعْمَالَهُمْ ۝ ان کے اعمال کو باطل کر دیا کیونکہ وہ شیطان کی طاعت میں تھے فَتَعَسَا فِي فَاوِءِ خَلٍّ ہوتی ہے اس ابہام کی وجہ سے جو الَّذِينَ میں ہے۔ وَأَصَلَ أَعْمَالَهُمْ ۝ جملہ خبریہ بے الَّذِينَ کے لفظ پر محمول ہے، کیونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے خبر بے فاء کا دخول معنی کے اعتبار سے ہے اور أَصَلَ لفظ پر محمول کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

”یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیے ان کے اعمال۔“

ذَلِكَ کا مشارکیہ الإضلال و الإتعاس ہے۔ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ سے مراد کتب اور شرائع ہیں۔ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ ان کے لیے بھلائی کی جو صورتیں موجود تھیں، جس طرح بیت اللہ شریف کی آبادی، مہمان نوازی، قربانی کی مختلف صورتیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے علاوہ کسی کا عمل قبول نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال یعنی بتوں کی عبادت کو برباد کر دیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝

”تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسے انجام ہوا ان (منکروں) کا

جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لیے اسی قسم کی سزائیں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے احوال کو بیان کیا تاکہ ایمان کے وجوب پر آگاہی ہو پھر اس امر کو نظر و فکر کے ساتھ ملایا۔ کیا یہ لوگ عاد، ثمود، قوم لوط وغیرہ کے علاقوں میں نہیں گھومے پھرے تاکہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دلوں سے غور و فکر کریں کہ ان سے قبل جو کافر ہوئے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو جڑ سے اکھیر دیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیر اور دمر علیہ، دونوں کا معنی ایک ہی ہے پھر مشرکین مکہ کو دھمکی دی فرمایا: کافروں کے لیے اسی کی مثل ہے یعنی ان کے لیے بھی اسی کی مثل بربادی ہوگی۔ زجاج اور طبری نے کہا: ہاء ضمیر عاقبۃ کی طرف لوٹ رہی ہے قریش کے کافروں کے لیے ایسا ہی انجام ہوگا جیسا انجام ان لوگوں کا ہوا جو سابقہ امتوں میں سے تھے جنہوں نے جھٹلایا اگر یہ کفار قریش ایمان نہ لائے (3)۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

”یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔“

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب العراسة فی العدول۔ .. ل. اللہ، جلد 1، صفحہ 404

3۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 56

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 315

یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت وہی ہے ذنن بان اللہ ولی الذین آمنوا مولیٰ سے یہاں مراد مددگار ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

فَعَدَّتْ كِلَا الْفَرْجَيْنِ تَحْسِبُ أَنَّهُ مَوْئِ السَّخَافَةِ خَلْفَهَا وَأَمَامَهَا

وہ گائے دونوں کھلے میدانوں کو گمان کرتی ہے کہ وہ آگے سے اور پیچھے سے خوف کی جگہ ہے۔

قنادہ نے کہا: یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھائی میں تھے جب مشرکوں نے یہ نعرہ

لگا یا تھا دن کے مقابلہ میں ہے لَنَا الْعِزَّةُ وَالْغِزَّةُ لَكُمْ نَبِيُّ كَرِيمٍ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قُولُوا اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ "تم کہو اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں" (1)۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَ أَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَمْتَعْنُوْنَ وَيَاكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْهُوٰى لَهُمْ ۝

”بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش ازار ہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں

منسروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت کی وضاحت کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَمْتَعْنُوْنَ جنہوں نے کفر کیا وہ دنیا میں لطف اندوز

ہوں گے یا وہ چوپائے ہیں، ان کے لیے کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی مگر ان کے پیٹ اور ان کی شرمگاہیں، وہ آنے والے دن میں

جو کچھ ہونے والا ہے اس سے ناغل ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن دنیا میں زاد راہ پر اکتفا کرتا ہے، منافق زیب وزینت کرتا ہے اور کافر لطف اندوز ہوتا ہے

وَالنَّارُ مَشْهُوٰى لَهُمْ ۝ آگ ہی ان کا ٹھکانہ اور منزل ہے۔

وَ كٰتِبِيْنَ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْ اَخْرَجْتِكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

نٰصِرَ لَهُمْ ۝

”اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے

باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔“

وَ كٰتِبِيْنَ مِنْ قَرْيَةٍ كَابِيْنَ كے بارے میں گفتگو آل عمران میں گذر چکی ہے، یہاں یہ کم کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو

گی و کم من قرية انفس نے لبید کا شعر پڑھا۔

كَايِن رَايِنَا مِنْ مَدُونٍ وَسُوقَةٍ وَ مَفْتَاِحِ قَيْدٍ لِدَا سِيْرِ السَّكْبَلِ (1)

کتنے ہی بادشاہوں اور رعیتوں کو دیکھا۔ اس کا معنی ہے کتنے ہی بستیوں والے ہیں۔ **هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرِيْبِكَ الَّتِي اَخْرَجْتِكَ** یعنی جنہوں نے آپ کو بستی سے نکالا ان سے وہ زیادہ طاقتور تھے **اهْلَكْنَهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ** قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے غار ثور کی طرف نکلے تو مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: **اللهم** اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اور مشرک جو تیرے اندر رہنے والے ہیں اگر مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا“ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ اسے ثعلبی نے ذکر کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُرِّيْنٰ لَهُ سُوْءٌ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاَءَهُمْ ۝

”کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے اس (بد بخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیے گئے جس کے لیے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی“۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ ہمراہ استفہام تقریری ہے۔ **عَلَىٰ بَيِّنَةٍ** کا معنی ہے ثبات و یقین پر؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (3) **بَيِّنَةٍ** سے مراد وحی ہے **كَمَنْ زُرِّيْنٰ لَهُ سُوْءٌ عَمَلِهٖ** سے مراد بتوں کی عبادت ہے من سے مراد ابو جہل اور کفار ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاَءَهُمْ ۝ یعنی جو خواہش کی اس کی پیروی کی۔ یہ تزمین، خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دعوت اور دوسوہ کے اعتبار سے شیطان کی جانب سے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کافر کی جانب سے ہو، یعنی اس نے اپنے لیے اپنا برا عمل مزین کر کے پیش کیا اور کفر پر اصرار کیا اور **سُوْءٌ**، من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور **اتَّبَعُوْا** معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کہا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذِيْلٍ لَّيْسَ بِبَيْنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاءً حَبِيْبًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝

”احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخشتی ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور

(مزید برآں ان کے لیے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کات دے گا ان کی آنتوں کو۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ اِنَّه تعالیٰ نے ان جنتوں کی صفت بیان کی یعنی اس جنت کی صفت جو متقین کے لیے تیار کی گئی۔ سورہ رعد میں یہ بحث کدر چکی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مثال الجنة التي وعد المتقون قراءت کی ہے۔

فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ایسا پانی جس کی بوتھیل نہیں ہوتی۔ پانی میں آسن، آجن کی مثل ہے قد آسن الساء یأسن ویأسن أسناو أسونا جب اس کی بوتھیل ہو جائے، اس طرح آجن الساء یأجن، یأجن أجننا و أجوننا ہے۔ دونوں میں کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ آجن آسن یأسن ویأجن أسناو أجننا۔ یہ یزیدی نے کہا: اسن الرجل یأسن جب کسرہ کے ساتھ ہو جب وہ آدمی کنویں میں داخل ہو تو اسے کنویں کی بدبودار ہوا پہنچے یا اس کے علاوہ تو اس پر غشی طاری ہو جائے یا اس کا سر چکرا جائے۔ اس میں التوسن بھی مروی ہے۔ تأسن الساء جب پانی متغیر ہو جائے ابو یزید نے کہا تأسن عن تأسناوہ بیمار ہو جائے اور سستی کرے۔ ابو عمرو نے کہا: تأسن الرجل اباء۔ اس نے اپنے باپ کے اخلاق کو اپنایا۔ لعیانی نے کہا: جب اس نے اپنے باپ کی مشابہت اختیار کی۔ عام قراءت آسن، مد کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر اور حمید نے آسن، ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح حاذر اور حذر۔ انفس نے کہا: آسن یہ حال کا معنی دیتا ہے اور آسن سے مراد استقبال ہے۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وہ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے نہیں ہوں گے جس طرح دنیا کے دودھ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے ہو جاتے ہیں۔ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةً لِلشَّارِبِينَ اسے پاؤں آلودہ نہیں کریں گے اور ہاتھ انہیں گدلا نہیں کریں گے جس طرح دنیا کی شراب ہوا کرتی ہے اس کا ذائقہ لذیذ اور مشروب عمدہ ہوگا پینے والے اسے ناپسند نہیں کریں گے یہ کہا جاتا ہے: مشروب لذو لذیذ۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ استلذہ، اسے لذیذ شمار کیا۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى عسل جو شہد کی مکھی کے لعاب سے بہتا ہے، مصفًی جو گوند اور آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا کیا اسے نہ آگ پر پکا یا گیا اور نہ شہد کی مکھی نے اسے آلودہ کیا۔ ترمذی میں حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جنت میں پانی کا سمندر، شہد کا سمندر، دودھ کا سمندر اور شراب کا سمندر ہے پھر اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں“ (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سیحان، جیحان، نیل اور فرات سب جنت کے دریا ہیں“ (2)۔ کعب نے کہا: دریاے دجاہ جنتیوں کے پانی کا دریا ہے۔ دریاے فرات ان کے دودھ کا دریا

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء في صفة انهار الجنة، جلد 2، صفحہ 80

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة أهلها، ما جاء في صفة انهار الجنة، جلد 2، صفحہ 380

ہے، مصر کا دریا ان کے مشروب کا دریا ہے اور دریائے سحان ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔ غسل مذکور و مونت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قَمْرٌ عَسَلٍ مُّصَفًّى، یہ شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا۔

وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ مَنْ زَانِدٌ ہے اور تاکید کے لیے ہے وَمَغْفِرًا لِّذُنُوبِهِمْ ان کے رب کی جانب سے ان کے گناہوں کی بخشش ہے گَمَنٌ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ فَرَاءَ نے کہا: معنی ہے کیا وہ جو ان نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔ ز جاج نے کہا: کیا وہ جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہے اور اسے یہ اشیاء عطا کی گئی ہیں اس آدمی کی طرح ہوگا جس کے اعمال اس کے لیے مزین کیے گئے جبکہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے والا ہو۔ تو اس کا قول کمن، گَمَنٌ ذُنُوبِهِمْ لَدَىٰ رَّبِّهِمْ كَعَمَلِهِ كَابِدَلٍ ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ جنت جس میں پھل اور نہریں ہیں ان کی مثال اس جہنم جیسی ہے جس میں کھولتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں میں جنتیوں کی مثال ہمیشہ رہنے والی جہنم میں جہنمیوں کی مثل ہے۔

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا جو بہت زیادہ جوش مار رہا ہوگا۔ جب اس پانی کو ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہرے بھون دیئے جائیں گے اور ان کے سروں کی جلد اتر جائے گی۔ جب وہ اسے پیئیں گے تو وہ ان کی آنٹوں کو کاٹ دے گا اور ان کی دبر سے انہیں نکال دے گا امعاء یہ معی کی جمع ہے اس کا تثنیہ معیان ہے پیٹ میں جو انتڑیاں ہیں ان کو امعاء کہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ
مَاذَا قَالَ أَنْفَاۗءٌ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۗ وَ
الَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًىٰ وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۗ

”اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا فرمائیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے، یہی وہ (بد بخت) ہیں مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔“

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ یعنی وہ لوگ جو لطف اندوز ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ منافق ہیں عبد اللہ بن ابی بن سلول، رفاعہ بن تابوت، زید بن صلیت، حارث بن عمرو اور مالک بن خشم، وہ جمعہ کے روز خطبہ میں حاضر ہوتے جب اس میں منافقوں کا ذکر سنتے تو اس سے اعراض کرتے، جب وہ باہر نکلتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے (1)؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ جو ارشاد فرماتے اسے سنتے مومن اسے یاد کر لیتے اور کافرا سے یاد نہ رکھتے۔

حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ جَبَّ يَوْمَ تَبْيَضُّ بُيُوتُنَا لِبَيْتِنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْفِ ۚ وَقَدْ لَكُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ
 حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ جَبَّ يَوْمَ تَبْيَضُّ بُيُوتُنَا لِبَيْتِنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْفِ ۚ وَقَدْ لَكُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ
 مصداق حضرت عبداللہ بن عباس ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں وہ تھا جس سے پوچھا جاتا تھا یعنی میں اہل
 نعم میں سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں مروی ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں (2)۔ عبداللہ
 بن بریدہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ قاسم بن عبدالرحمن نے کہا: مراد حضرت ابو دردا
 ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد صحابہ کرام ہیں۔

مَاذَا قَالَ أَنْفًا بَعْجَىٰ بَعْجَىٰ ۚ وَهِيَ بَاتٍ اسْتِهْزَاءٌ ۚ كَمَا تَقُولُونَ لِمَنْ يُحِبُّكُمْ وَيُحِبُّكُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْفِ ۚ وَقَدْ لَكُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ
 سے مراد وہ گھڑی ہے جو اوقات میں سے سب سے زیادہ تیرے قریب ہو، یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: استأنفت
 الشئ۔ جب تو اس کی ابتدا کرے۔ اس سے امر أنف و روضة أنف ہے یعنی اسے کسی نے نہیں چرا۔ کأس أنف۔ جب اس
 سے کوئی چیز نہ پی گئی ہو گویا اس کے پینے و شروع کیا گیا، جس طرح روضة أنف۔ شاعر نے کہا:

وَيَخْرُمُ يَتْرُجَارْتَهُمْ عَلَيْهِمْ وَيَأْكُلُ جَارَهُمُ أَنْفُ الْقَصَاعِ

ان کی پڑوسن کا راز ان پر حرام ہوتا ہے اور ان کا پڑوس ایسے پیالے سے کھاتا ہے جس کو پہلے نہیں کھایا گیا ہوتا۔
 امرؤ اتیس نے کہا: قد غدا يحملني في أنفه وہ مجھے آغا میں ہی اٹھالیتا ہے۔

أَنْفُ كَلْبٍ شَىٰ أَوْلَهُ ۚ بَرَشَىٰ كَالْأَنْفِ ۚ كَمَا تَقُولُونَ لِمَنْ يُحِبُّكُمْ وَيُحِبُّكُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْفِ ۚ وَقَدْ لَكُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ
 انہی کا اولہ۔ ہر شے کا انہی کا اول ہوا کرتا ہے۔ قتادہ نے ان منافقین کے بارے میں کہا: لوگ دو قسم کے ہیں
 ایسا آدمی جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھ بوجھ نصیب ہو تو اس نے جو سنا اس سے فائدہ اٹھایا، دوسرا وہ آدمی ہے جو سمجھ بوجھ نہ
 رکھتا ہو اور اس نے جو سنا اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یہ بات بھی کی جاتی تھی: لوگ تین طرح کے ہیں۔ سننے والا، عمل کرنے والا۔
 سننے والا، سمجھنے والا، سننے والا، غافل اور ترک کرنے والا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ
 کی پیروی کی وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ
 یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن سے جو وہ سنتے ہیں جو قرآن
 سراپا ہدایت ہے یعنی ان کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ فرما: منافعوں کے اعراض اور ان کے استہزاء نے ان کی ہدایت
 میں اضافہ کر دیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناسخ کے نزول نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ وہ ہدایت جو ان میں زیادہ
 ہوئی اس میں چار قول ہیں: 1۔ ان کے علم میں اضافہ ہوا (4)؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ 2۔ جو سنا اس کو جانا اور جو جانا اس پر
 عمل کیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ 3۔ دین کے بارے میں ان کی بصیرت میں اضافہ کیا اور اپنے نبی کی تصدیق میں اضافہ کیا؛ یہ کلبی
 کا قول ہے۔ 4۔ جس ایمان پر وہ پہلے سے موجود تھے اس کے بارے میں انہیں شرح صدر عطا فرمایا۔

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْفِ ۚ وَقَدْ لَكُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ
 وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ وَاتَّبَعُوا ۚ
 یعنی ان میں تقویٰ کا الہام کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں پانچ وجوہ ہیں: 1۔ انہیں خشیت و

خوف عطا فرمایا، یہ ربیع کا قول ہے۔ 2۔ آخرت میں انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ جو امور ان پر فرض کیے گئے ان پر عمل کی انہیں توفیق عطا فرمائی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ 4۔ جن چیزوں سے انہیں بچنا تھا وہ ان کے لیے بیان کر دیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے اور سدی نے بھی یہ کہا ہے۔ 5۔ منسوخ کو ترک کرنا اور ناسخ پر عمل کرنا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: چھٹے کا بھی احتمال ہے رخصت کو ترک کرنا اور عزیمت کو اپنانا۔ وَآلَتُهُمْ کی بجائے واعطاهم بھی پڑھا گیا ہے۔ نکر مرہ نے کہا: یہ آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے تھے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَلِي لَهُمْ إِذَا

جَاءَتْهُمْ ذِكْرُهُمْ ①

”پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں (تو جب قیامت ان پر آگئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا۔“

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً۔ بغتہ یعنی اچانک۔ یہ کفار کے لیے وعید ہے فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا

أشراطہا سے مراد اس کی علامات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں حضور ﷺ کی بعثت اس کی نشانیوں اور دلیلوں میں سے ایک ہے؛ یہ ضحاک اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں“ اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا (1)۔ الفاظ مسلم کے ہیں اسے امام بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ روایت کی جاتی ہے: ”میں اور قیامت گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح یعنی مساوی ہیں“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشراط الساعة سے مراد اس کے اسباب ہیں جو بڑی نشانیوں سے کم ہیں، اسی وجہ سے لوگوں میں سے کم مرتبہ لوگوں کو الشراط کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی نشانیوں سے مراد چاند کا پھٹنا اور دھواں ہے؛ یہ حضرت بصری کا بھی قول ہے۔ کلبی سے مروی ہے: مال کی کثرت، تجارت، جھوٹی گواہی، قطع رحمی، شریف لوگوں کی کمی اور کمینے لوگوں کی کثرت ہے (2)۔ ہم نے کتاب ”المتذکرہ“ میں اسے مفصل ذکر کیا ہے۔ اشراط کا واحد شرط ہے اس کا اصل معنی علامات ہیں اسی معنی میں شرط کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ایک علامت بنائی ہوئی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں، اسی معنی میں بیع وغیرہ میں شرط ہے۔ ابوالاسود نے کہا:

فإن كنت قد أذمعت بالصرم بيننا فقد جعلت أشراط أوله تبدو (3)

اگر تو نے ہمارے درمیان قطع تعلقی کا عزم کر لیا ہے تو اس کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: اشراط فلان نفسه في عمل كذا فلاں نے اپنے نفس کو فلاں عمل سے آگاہ کیا اور نفس کو اس عمل کے لیے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ادب الساعة، جلد 2، صفحہ 406۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 43-4029، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خاص کر دیا۔ اوس بن حجر ایک آدمی کی تعریف کرتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے ایک رسی کی مدد سے نبع (پہاڑی درخت جس سے قوسیں بنائی جاتی ہیں) کاٹنے کے لیے نیچے لٹکا تاکہ اس سے مان بنائے:

فَالْتَمَطَ نَفْسَهُ فِيهَا وَهُوَ مُعْصِمٌ وَأَلْقَى بِأَسْبَابِ لَهُ وَسَوَّكَلَا (1)

اس نے اپنے آپ کو اس کام میں لگا دیا جبکہ وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اس نے رسیوں کے ساتھ اپنے آپ کو لٹکایا اور توکل کیا۔

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً - ان، الساعة سے بدل اشتمال ہے جس طرح ان تضحوم، رَجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ (النسح: 25) سے بدل ہے اسے بغتة، جزية کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ کلمہ غریب ہے مصادر میں اس کی مثل واقع نہیں ہوا؛ یہ ابی عمرو سے مروی ہے۔ زمخشری نے کہا: مجھے خوف لاحق ہے کہ راوی نے ابو عمرو سے روایت کرنے میں غلطی کی ہو اور صحیح بغتة ہو جس طرح حضرت بصری کی قراءت ہے۔ ابو جعفر روایں اور دوسرے علماء نے اہل مکہ سے أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً روایت کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً پڑھا تو وقتف الساعة پڑ ہوگا۔ پھر شرط سے نئی کلام شروع ہوگی۔ کلام شک میں سے جس کا احتمال رکھتی ہے اسے فلق کی طرف پھیر دیا جائے گا و یا فرمایا: اگر اس کے آنے میں انہوں نے شک کیا ہے تو اس کی علامات تو آئی ہیں۔

فَأَيُّ لِهْمٍ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ① - ذِكْرُهُمْ مبتدا ہے اور فَأَيُّ لِهْمٍ خبر ہے۔ جَاءَهُمْ میں ضمیر مرفوع الساعة کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فسن این لهم التذکرہ اذا جاءتهم الساعة یہ معنی قنادہ اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نجات کیسے ملے گی جب قیامت کے آنے پر ان کے پاس ذکر کی آجائے گی؛ یہ ابن زید نے کہا ہے۔ ذکر میں دو وجوہ ہیں: 1۔ انہوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے وہ انہیں یاد دلائے جائیں گے۔ 2۔ بشارت دینے یا خوف دلانے کے لیے انہیں ان کے ناموں سے بلائے (2)۔ ابان نے حضرت انس سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”اپنے نام اچھے رکھا کرو تمہیں قیامت کے روز ان کے ساتھ بلایا جائے گا، اے فلاں! اپنے نور کی طرف اٹھ، اے فلاں! اٹھو تیرے لیے کوئی نور نہیں“۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ

يَعْلَمُ مَتَّقَلْبَكُمْ وَمَشُوكُمْ ②

”پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعائے مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو“۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ماوردی نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانتے تھے تو اس میں تین

وجہ ہوں گی۔ 1۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے باخبر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 2۔ جس کو استدلال سے جانا ہے اسے خبر یقین کے ساتھ جان لو۔ 3۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذکر کو علم ہے تعبیر کیا کیونکہ ذکر علم سے ہی ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان سے علم کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا جب اس کا آغاز اس سے فرمایا فَاَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِنَدْبِكَ عمل کا حکم علم کے بعد دیا۔ فرمایا: اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ --- سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ (الحديد: 20-21) فرمایا: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: 28) بعد میں فرمایا: فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن: 14) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِ اللَّهِ حُسَّةً (الانفال: 41) بعد میں عمل کا حکم دیا۔

وَاسْتَغْفِرُ لِنَدْبِكَ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: 1۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو کہ آپ سے گناہ واقع ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کہ تجھے گناہوں سے محفوظ رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کی حالت کا ذکر کیا تو ایمان پر ثابت قدمی کا حکم دیا یعنی توحید و اخلاص میں سے جس حالت پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور ان چیزوں سے احتیاط کرتے رہیں کہ جن کو بجالانے کی صورت میں استغفار کی ضرورت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے۔ اس قول کی بنا پر آیت اس امر کو واجب کرتی ہے کہ انسان تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کفار کے کفر اور منافقین کے نفاق سے تنگ پڑتا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی یہ بات جان لو کہ جو تکلیف آپ کو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا دل کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو استغفار کا حکم اس لیے دیا تاکہ امت آپ کی اقتداء کرے۔

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنی ان کے گناہوں کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ یہ شفاعت کا امر ہے (1) مسلم، عاصم احوال سے وہ عبد اللہ بن مرز جس مخزومی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے۔ تو ان کے ساتھی نے ان سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بخشش طلب کی ہے؟ فرمایا: ہاں اور تیرے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَاسْتَغْفِرُ لِنَدْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ پھر میں پھر اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر کو دیکھا۔ جُنْعًا عَلَيْهِ خِيْلَانُ كَاتِهَ السَّالِيلِ۔ وہ بند مٹھی نما چیز تھی جس پر تل تھے گو یا وہ مہر ہو۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ① اس میں پانچ اقوال ہیں: 1۔ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے خواہ تو حالت سفر میں ہو یا حالت اقامت میں ہو۔ 2۔ مُتَقَلَّبَكُمْ یعنی دن کے وقت جو تمہارے اعمال ہیں۔ وَمَثْوَاكُمْ رات کے وقت جو تم سوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اور مَثْوَاكُمْ سے مراد دنیا اور آخرت میں جو کچھ تم کرتے

ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ مکرّم نے کہا: مُتَقَلَّبِكُمْ سے مراد آباء کی پشتوں سے لے کر ماؤں کے رموں تک (1)۔ مَثُوكُمْ زمین میں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ۔ ابن کیسان نے کہا: مُتَقَلَّبِكُمْ سے مراد پشت سے بطن اور بطن سے دنیا۔ اور مَثُوكُمْ سے مراد قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: عموم ان تمام صورتوں میں آتا ہے۔ انسان کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخفی نہیں، اسی طرح اس کی تمام مخلوق مخفی نہیں، وہ ان تمام کو جانتا ہے قبل اس کے کہ وہ اکٹھے ہوں یا الگ الگ، پہلا ہو یا آخری ہو۔ سبحانہ لا الہ الا هو۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

”اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں)۔ پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔“

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا یعنی مخلص مومن کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ان کا کہنا وحی کے اشتیاق، جہاد اور اس کے ثواب کے حرص کی بنا پر ہے۔ لَوْلَا کا معنی ہلا ہے۔ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ سورہ محکم سے مراد جس میں نسخ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر ہو اس کو محکم کہتے ہیں (2)۔ منافقین پر قرآن میں سے یہ شدید ترین ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں فلَاذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ محدثہ ہے، یعنی جس کا نزول ابھی ابھی ہوا ہو۔ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ جس میں جہاد فرض ہو۔ اسے دُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ بھی پڑھا گیا ہے کہ فعل معروف ہے اور قتال منصوب ہے۔ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ سے مراد شک اور نفاق ہے۔ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ایسے آدمی کی نظر جس کی آنکھ میں کیچڑ ہو اور غیظ و غضب کا شکار ہو جس طرح ایک آدمی کی نظر موت کے وقت کھل جاتی ہے۔ یہ صورت حال جنگ سے بزدلی کی بنا پر ہوتی ہے جبکہ وہ جزع فزع کر رہے ہوتے ہیں اور دل سے کفار کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ جوہری نے کہا ان کا قول اولیٰ لک یہ دھمکی اور وعید ہے۔ شاعر نے کہا:

فَأُولَىٰ ثُمَّ أُولَىٰ ثُمَّ أُولَىٰ وَحَلَّ لِلدَّارِ يُحْلَبُ مِنْ مَرَدِّ

اصمعی نے کہا: اس کا معنی ہے جو چیز اس کو ہلاک کرتی ہے وہ اس کے قریب آ پہنچی ہے یعنی اس پر نازل ہو چکی ہے اور یہ شعر پڑھا:

فَعَادَى بَيْنَ حَادِيَتَيْنِ مِنْهَا وَأُولَىٰ أَنْ يَزِيدَ عَنِ الشَّلَاثِ

یعنی وہ زائد ہونے کے قریب ہے۔

ثعلب نے کہا: اصمعی نے اولیٰ کے بارے میں جو کہا ہے اس سے بہتر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ مبرد نے کہا: جو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پھر چھوٹ جائے۔ اولیٰ لک یعنی تو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا تھا، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے کہ ایک بدولگا تار شکار پر تیر چار ہا تھا تو وہ تیر چوک جاتا وہ کہتا اولیٰ لک پھر اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ اس کے قریب ہوا پھر اس سے چوک گیا تو بدولگا نے کہا:

فَلَوْ كَانَ أُولَىٰ يُطْعِمُ الْقَوْمَ صِدْثُهُمْ وَلَكِنْ أُولَىٰ يَتْرُكُ الْقَوْمَ جُوعًا

اگر اولیٰ قوم کو کھلاتا تو میں انہیں شکار کر لیتا لیکن اولیٰ قوم کو بھوکا چھوڑتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی کے اس قول کی طرح ہے جو وہ اپنے ساتھی کو کہتا ہے: یا محروم ائی شی فانتک! اے محروم! کون سی چیز تجھ سے فوت ہوئی۔ جرجانی نے کہا: یہ ویل سے مشتق ہے، یہ فعل کا وزن ہے لیکن اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ فعل کا عین کلمہ لام کلمہ کی جگہ واقع ہوا ہے۔ فادلی لہم پر کلام مکمل ہو چکی ہے۔

قائدہ نے کہا: گویا یہ کہا عقاب ان کے قریب و موزوں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انہیں مصیبت نے آیا۔ پھر فرمایا: طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ یعنی طاعت اور اچھی بات بہتر ہیں؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے امرنا طاعة وقول معروف۔ مبتدا کو حذف کر دیا گیا اور اولیٰ لہم پر وقف تام کیا گیا، اس طرح جس نے یہ مقدر کیا ہے۔ یقولون منا طاعة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے۔ لہم میں لام باء کے معنی میں ہے، یعنی الطاعة اولیٰ والیق لہم واحق لہم من ترک امتثال امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کرنے کی بجائے طاعت زیادہ مناسب، موزوں اور لازم ہے؛ یہ حضرت ابی کی قراءت ہے۔ یقولون طاعة ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طاعة، سور قلی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاذا انزلت سورة ذات طاعة اس صورت میں فادلی لہم پر عطف نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کا قول طاعة یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ معنی ہوگا لَهِمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ایک قول یہ کیا گیا: فرائض کا وجوب ان پر ہے۔ جب فرائض نازل ہوتے ہیں تو ان کا نزول ان پر شاق گذرتا ہے اس صورت میں فادلی پر وقف ہوگا۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاِمْرُؤُ جِهَادًا اِزْمِ بِوَجَائِ يَاقِتَالٍ كِي فَرَضِيَت ثَابِتٌ بِوَجَائِ تُوُوهُ اَسَءِ نَاطِسُنْدُ كَرْتِي هِيں۔ عِلْمَاءُ نَءِ اَسَءِ اِذَا كَا جَوَابُ كَرُوُوهُ جَانَا هِي۔ وَهُ مَحْذُوفٌ هِي۔ اِيكُ قَوْلٌ يِي كِيَا كِيَا هِي: مَعْنَى هِي جِبِ اَسْحَابِ اَمْرٍ عَزَمَ كَرَلِيں۔

فَلَوْ صَدَّقُوا اللّٰهَ اَكْرَمُوهُ اِيْمَانٌ اُوْرُ جِهَادٌ مِيں اِنَّهُ تَعَالَى سَءِ سَچُ بُوَلْتِي تُوُوهُ مَعْنِيَتِ اُوْرُ مَخَالَفَتِ كِي بِنَسْبَتِ اِنِ كَءِ حَقِّ مِيں

بجتر ہوتے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتَقَطُّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصْبَحُوْا بَصِيْرًا ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى
قُلُوْبٍ اَقْفَالٌ ۝

”پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قریباتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ كَءِ مَعْنَى مِيں اَخْتِلَافٌ هِي۔ اِيكُ قَوْلٌ يِي كِيَا كِيَا هِي: يِي وِلَايَةِ سَءِ مُشْتَقٌّ هِي۔ اَبُو الْعَالِيَةِ نَءِ كَمَا: مَعْنَى هِي تَمُّ سَءِ يِي تَوْقِعٌ هِي اَكْرَمُ حُكُوْمَتِ كَءِ وَاَلِي بِنِ جَاؤُ تُوُوهُ اِيَسَءِ حُكَاْمِ بِنِ جَاؤُ كَءِ كَءِ رِشْوَتِ لِيْنِي كَءِ سَا تَحْءِ زَمِيْنِ پَرُ فِسَادُ بَرُ پَا كَرُوُو كَءِ (1)۔ كَلْبِي نَءِ كَمَا: تَمُّ سَءِ يِي تَوْقِعٌ هِي اَكْرَمُ اَمْتِ كَءِ اَمُوْرُ كَءِ ذَمُّ دَارِ بِنِ جَاؤُ تُوُوهُ زَمِيْنِ مِيں ظَلْمِ كَءِ ذَرِيَعِ فِسَادِ بَرُ پَا كَرُوُو كَءِ۔

ابن جریر نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم طاعت سے رخ پھيرو گے تو تم زمین میں نافرمانیوں اور قطع رحمی کے ساتھ فساد برپا کرو گے (2)۔ کعب نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم امر کے والی بن جاؤ تو تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کسی شے سے اعراض کرو۔ قتادہ نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم کتاب اللہ سے اعراض کرو تو تم زمین میں حرام خون بہا کر فساد برپا کرو اور رشتہ داری کو ختم کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ كَا مَعْنَى هِي مُمَكِّنٌ هِي اَكْرَمُ قُرْآنِ سَءِ اَعْرَاضُ كَرُوُو اَسَءِ كَءِ اَحْكَامِ سَءِ دُوْرُ هُوُو تُوُوهُ زَمِيْنِ مِيں فِسَادُ بَرُ پَا كَرُوُو اُوْرُ اِپْنِي جَابِلِيَتِ كِي طَرْفِ لُوْثِ جَاؤُ۔ اَسَءِ سِيْنِ كَءِ نَفْحَءِ اُوْرُ كَسْرَءِ كَءِ سَا تَحْءِ پڑھا گیا ہے۔ سورہ بقرہ میں كَفْتَلُوْا كُنُوْرُ چَكِي هِي۔ بَكْرُ مَزْنِي نَءِ كَمَا: يِي آيَتِ حُرُوْرِ يِي اُوْرُ خُوَارِجِ كَءِ بَارِءِ مِيں نَازِلِ هُوُوِي (3)۔ يِي قَوْلٌ حَقِيْقَتِ سَءِ بَعِيْدِ هِي۔ زِيَاوَهُ ظَا هِر بَاتِ يِي هِي كَءِ اَسَءِ سَءِ مُرَادِ مَنَافِقِيْنِ هِيں۔ اِبْنِ حَبَانِ نَءِ كَمَا: مُرَادُ قَرِيْشِ هِيں۔ اَسِي كِي مُثَلِ مَسِيْبِ بِنِ شَرِيْكِ اُوْرُ فِرَاءِ نَءِ كَمَا هِي دُوْنُوں نَءِ كَمَا: يِي آيَتِ بِنِي اَمِيَةِ اُوْرُ بِنِي هَاشِمِ كَءِ بَارِءِ مِيں نَازِلِ هُوُوِي۔ اَسَءِ تَاوِيْلِ كِي دُيْلِ وَهُ رُوَايَتِ هِي جَسَءِ حَضْرَتِ عَبْدِ اللّٰهِ بِنِ مَغْفَلِ نَءِ رُوَايَتِ كِيَا هِي۔ كَمَا مِيں نَءِ نَبِي كَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كُوَا رِشَادِ فَرَمَاتِي هُوُوِي سَنَا: ”اَسَءِ سَءِ مُرَادُ قَرِيْشِ كَا يِي

قبیلہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا اگر یہ لوگوں پر والی بنیں تو وہ زمین میں فساد برپا نہ کریں اور رشتہ داری کو ختم نہ کریں۔ حضرت علی بن ابی طالب نے یوں قراءت کی ان تولیتہم ان تفسدوا فی الأرض تاء، واو کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، یہ ابن ابی اسحاق کی قراءت ہے اسے روئیس نے یعقوب سے روایت کیا ہے وہ کہتے: اگر تم پر ظالم حکمران بن گئے تو تم ان کے ساتھ فتنہ میں نکلو گے اور تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے۔ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿۹۳﴾ تم بغاوت، ظلم اور قتل کے ذریعے اپنی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ یعقوب، سلام، عیسیٰ اور ابو حاتم نے و تقطعوا تاء کے فتح اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے: یہ قطع سے مشتق ہے وہ اس آیت پر استدلال کرتے وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ (البقرة: 27) ہارون نے ابو عمرو سے اس قراءت کو روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے و تقطعوا حروف کو مفتوح اور مشدد پڑھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَهُمْ بَيْنَهُمْ (الانبياء: 93) پر قیاس کیا ہے باقی قراءت نے و تقطعوا تاء کے ضمہ اور طاء کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ تقطیع سے مشتق ہے جو کثرت کے معنی کو بیان کرتی ہے: یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورہ بقرہ میں عسیتہم کی بحث گذر چکی ہے۔ زجاج نے نافع کی قراءت میں کہا: اگر یہ جائز ہے تو عسی بھی جائز ہے۔ جوہری نے کہا: یہ کہا جاتا ہے عسیت ان افعل ذلك وعسیت اسے فہل عسیتہم کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سورہ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ انہیں دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا۔ فَأَصْحَابُكُمْ أَصْحَابُكُمْ انہیں حق سے بہرہ کر دیا وَاَعْنَى اَبْصَارَهُمْ ﴿۹۳﴾ ان کے دلوں کو خیر سے اندھا کر دیا۔ ان خبروں کو اس کے پیچھے ذکر کیا کہ جس نے ایسا کیا اس پر اس کی لعنت ثابت ہوگئی اسکے کان اور آنکھ سے نفع حاصل کرنے کو سلب کرنا ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ حق کی اطاعت نہیں کرے گا اگرچہ اس کو سننے تو اسے اس چوپائے کی مانند کر دیا جو عقل نہیں رکھتا، فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ تو عربوں کی عادت کے مطابق خطاب سے غیب کی طرف رجوع کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ یعنی کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ جان جاتے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر دیا ہے جو اسلام سے نہیں پھرے اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۹۳﴾ بلکہ دلوں پر قفل ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں ان کے دلوں پر لگایا ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔ یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے مذہب کو رد کرتی ہے۔ حدیث مرفوعہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان پر ایسے تالے ہیں جس طرح لوہے کے تالے ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں کھولے گا“۔ قفل کا اصل معنی خشکی اور سختی ہے۔ جب درخت خشک ہو جائے تو اسے قفل کہتے ہیں، قفیل بھی اسی کی مثل ہے۔ قفیل کا معنی نباتات ہے۔ قفیل کا معنی آواز ہے۔ اقفله الصوم۔ روزے نے اسے خشک کر دیا: یہ قشیری اور جوہری کا قول ہے یہاں اقفال سے اشارہ دل کے بند ہونے اور ایمان سے خالی ہونے کی طرف ہے یعنی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا اور ان سے کفر باہر نہیں نکلے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ یہاں عَلٰی قُلُوْبٍ فرمایا کیونکہ اگر علی قلوبہم ہوتا تو دوسروں کا دل اس میں داخل نہ ہوتا۔ مراد ہے ان کے دلوں پر اور جو دل ان کی صفت پر ہوں گے سب پر تالے لگے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حقوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب وہ ان کی تحقیق سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑی ہوئی اس نے عرض کی یہ قطع رحمی سے پناہ چاہنے والے کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جوڑے قطع کرے میں اسے قطع کروں۔ رحم نے عرض کی: کیوں نہیں تو فرمایا: پس یہ تیرے لیے ہے۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چاہو تو یہ پڑھو فہل عسیتم ان تولیتکم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا امر حاکمکم ۝ اولئک الذین لعنہم اللہ فاصتہم واعلیٰ ابصارہم ۝ اقلایسد برون القرآن ام علی قلوب اقفالہا ۝ (1) آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام کفار و خطاب ہے۔ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: آیت کا معنی ہے امید ہے یا تمہارے بارے میں خوف ہے اگر تم ایمان سے اعراض کرو تو زمین میں خون بہانے کے ساتھ تم فساد کی طرف لوؤ (2)۔ قتادہ نے کہا: تم نے قوم کو ایسا دیکھا جب انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا کیا انہوں نے حرام خون کو نہیں بہایا، رحموں کو قطع نہیں کیا اور رحمن کی نافرمانی نہیں کی؟“

اس تعبیر کی بنا پر رحم سے مراد دین اسلام اور ایمان کی رحم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اخوة کا نام دیا ہے: اللہ المؤمنون اخوة۔ فراء کے قول کے مطابق آیت بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں خالق کو چھپا یا اور قطع رحم سے اس امر کی طرف اشارہ کیا جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی انہوں نے آپ کو جھٹلا کر اس کو توڑا۔ یہ قتال کو واجب کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے رحم کی دو صورتیں ہیں۔ عام، خاص۔ عام دین کا رحم ہے اس کو جوڑنا واجب ہے ایمان کو لازم پکڑنے کے ساتھ، ایمان داروں سے محبت اور ان کی مدد کرنے کے ساتھ، ان کے لیے اخلاص کا اظہار کرنا، ان کو نقصان نہ دینا، ان کے درمیان عدل کرنا، ان کے معاملہ میں انصاف کرنا، ان کے حقوق کو بجالانا جس طرح مریضوں کی تیمارداری کرنا، مردوں کے حقوق کو بجالانا، جیسے انہیں غسل دینا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انہیں دفن کرنا اور اس کے علاوہ ان کے جو حقوق ہیں۔

جہاں تک رحم خاص کا تعلق ہے وہ ماں باپ کی جانب سے قرابت کی رحم ہے۔ ان کے لیے خاص حقوق اور زائد حقوق ثابت ہوتے ہیں، جس طرح نقتہ دینا، احوال کی خبر لینا، ضرورت کے وقت ان کے معاملات میں غفلت کو چھوڑ دینا، ان کے حق میں رحم عامہ کے حقوق موکد ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب حقوق متزاحم ہوں تو زیادہ قریبی پھر اس کے بعد والے سے حقوق کی ادائیگی کو شروع کیا جائے گا۔

بعض علماء نے کہا: وہ رحم جس کی صلہ رحمی واجب ہے وہ یہ ذی رحم محرم کی رشتہ داری ہے چچا زاد بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں میں یہ واجب نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ یہ ہر اس رشتہ داری میں ہے جو ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں وہ محرم ہو یا غیر محرم ہوں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماں کی رشتہ داری جس کی وجہ سے باہم وراثت جاری نہیں ہوتی ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہ ہو اور ان کے ساتھ قطع رحمی حرام ہو۔ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جسے رحم عام ہو ہر حال میں

ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے وہ خونی رشتہ ہو یا دینی رشتہ ہو، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ شعبہ، محمد بن عبد الجبار سے وہ محمد بن کعب قرظی سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”قیامت کے روز رحم کی زبان ہوگی۔ وہ عرض کرے گی: اے میرے رب! مجھے قطع کیا گیا، اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب! میرے ساتھ برا سلوک کیا گیا تو اس کا رب اسے جواب دے گا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تیرے ساتھ رشتہ جوڑے میں اس کے ساتھ تعلق جوڑوں اور جو تیرے ساتھ تعلق توڑے میں اس کے ساتھ تعلق کو منقطع کروں۔“

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (1)۔ ابن ابی عربی نے کہا سفیان نے کہا: یعنی قطع رحمی کرنے والا؛ اے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَّغَ مِنْهُ (2)** یہاں خلق، اختراع کے معنی میں ہے اس کا اصل معنی اندازہ لگانا ہے جس طرح پہلے گذرا ہے۔ یہاں خلق، مخلوق کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذَا خَلْقُ اللَّهِ (لقمان: 11)** یعنی یہ اس کی مخلوق ہے۔ فرغ منہم سے مراد ان کی خلقت کو مکمل کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کو پیدا کرنے میں مشغول ہوا پھر ان کی پیدائش سے فارغ ہو گیا، کیونکہ اس کا فعل مباشرہ، مناولہ کی صورت میں نہیں ہوا۔ اس کی تخلیق آلہ اور حیلہ سے نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے۔

حضور رسول ﷺ کا ارشاد: **قَالَتِ الرَّحْمَةُ فَقَالَتْ يَه كَلَامِ دَوَّجِهٍ فِي مِثْلِهِ مِنْ سَعَةِ الْإِحْتِمَالِ رَكْعَتِي هِيَ - 1**۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے کسی کو کھڑا کر دے گا جو رحم کی جانب سے گفتگو کرے گا اور وہ یہ کہے گا، گویا اس عبادت پر کسی فرشتے کو معین کر دیا ہے جو رحم کی جانب سے اس ذمہ داری کو ادا کرے گا، جو صلہ رحمی کرتا ہے اس کے ثواب کو لکھتا ہے اور جو اسے قطع کرتا ہے اس کا بوجھ لکھتا ہے جس طرح اس نے باقی ماندہ اعمال کے لیے کراما کا تبین معین کیے ہیں اور نمازوں کے اوقات کے مشاہدہ کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے معین کیے ہیں۔

2۔ یہ کلام تقدیر و تمثیل کی صورت میں ہے جو اس کے محفوظ کرنے اور بہت زیادہ اہتمام کرنے کا فہم عطا کرتی ہے، گویا کلام یوں کی اگر رحم ان چیزوں میں سے ہوتی جو سمجھ بوجھ رکھتی ہیں اور گفتگو کر سکتی ہیں تو وہ یہ گفتگو کرتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَاهُ خَائِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر: 21)** پھر فرمایا: **وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ① (الحشر)**

حضور رسول ﷺ کا ارشاد: **فَقَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَائِدِ بَكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ** اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ صلہ رحمی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب باب اثم قاطع، جلد 2، صفحہ 885

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم و تحريم قطعها، جلد 2، صفحہ 315

کا امر موکد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حیثیت دی ہے جو اس آدمی کو حیثیت دی جاتی ہے کہ جو اس سے پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتا ہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ تعالیٰ کا پڑوس اپنانے والا رسوا نہیں ہوتا اور اس کا وعدہ توڑا نہیں جاتا، اسی وجہ سے رحم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: **أَمَا تَرْضِيْنَ أَنْ أَصِلَ مِنْ وَصْلِكَ وَأَقْطَعُ مِنْ قَطْعِكَ** یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وَمَنْ صَلَّى الصَّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَطْلُبُكُمْ اللَّهُ مِنْ ذِمَّتِهِ شَيْءٌ فَرَاتَهُ مِنْ يَطْلُبُهُ بِذِمَّتِهِ شَيْءٌ يَدْرُكُهُ ثُمَّ يَكْبَهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ (1)** جو آدمی صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آئی ہوئی چیز میں سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ جو اس کے ذمہ میں موجود چیز کا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لیتا ہے پھر اسے منہ کے بل آگ میں گرا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اسْتَدْوَأُوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔“

قادہ نے کہا: وہ اہل کتاب کے کفار ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نعت سے بخوبی آشنا تھے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور سدی نے کہا: وہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاد کے حکم سے آگاہی کے بعد وہ جہاد کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ گئے۔

الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ شَيْطَانُ نے ان کی خطاؤں کو مزین کیا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ **وَأَمْلَىٰ لَهُمْ** نے انہیں طویل آرزو دلائی اور لمبی عمر کا وعدہ کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ وہ ذات جس نے انہیں لمبی آرزوئیں دلائیں اور ان کی عمروں کو لمبا کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ فراء اور مفضل کا قول ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا **وَأَمْلَىٰ لَهُمْ** کا معنی ہے انہیں مہلت دی۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مہلت دینے والا ہے۔

ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمرو، ابو جعفر اور شیبہ نے **وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۝** ہمزہ کے ضمہ، لام کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن ہرمل، مجاہد، حمزہ بن عبد المطلب اور یعقوب نے اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے یاء کو ساکن پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ یہ معاملہ ان کے ساتھ کرے گا گویا فرمایا: میں انہیں مہلت دینا ہوں؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے، کہا: ہمزہ کا فتح وہم دلاتا ہے شیطان انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں، اسی وجہ سے ضمہ کی طرف عدول کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے پڑھا **وَأَمْلَىٰ لَهُمْ** تو فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد شیطان ہے۔ ابو عبید نے عام قراءت کو پسند کیا ہے، کہا: کیونکہ معنی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَتُؤْمِنُوا**

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُهُ وَرُوَاهُ وَتُوَقِّرُهُ وَتُسَبِّحُهُ (الفتح: 9) تُسَبِّحُهُ کی ضمیر غائب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی اور تو قیر و تعزیر کے فعل کو رسول اللہ ﷺ کے اسم کی طرف پھیرا ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٦١﴾

”یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے۔“

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا یعنی انہیں یہ مہلت دی تاکہ وہ کفر میں دور چلے جائیں کیونکہ قَالُوا میں واؤ ضمیر سے مراد منافقین اور یہودی ہیں۔

لِلَّذِينَ كَرِهُوا سے مراد مشرک ہیں۔ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ، بعض الامر سے مراد حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کرنا، آپ کے دشمن میں باہم مدد کرنا، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا اور رازداری کے عالم میں آپ کی توہین کرنا۔ انہوں نے یہ بات رازداری کے عالم میں کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ عام قراءت اَسْرَارُهُمْ ہے یہ سر کی جمع ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے قراء، ابن وثاب، اعمش، حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے اسرارہم نقل کیا ہے کہ یہ مصدر ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ أَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٦١﴾ (نوح) یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ راز کی کئی صورتیں ہیں۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرَبُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَذْبَابُهُمْ ﴿٦٢﴾

”پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔“

فَكَيْفَ یعنی ان کا حال کیسا ہوگا إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرَبُونَ۔ يضربون، ضاربون کے معنی میں ہے۔ یہ حال کی جگہ واقع ہے۔ کلام کا معنی خوف دلانا اور دھمکانا ہے، یعنی اگر عذاب ان سے موخر ہو گیا تو عمر کے اختتام تک یہ سلسلہ ہوگا۔ سورۃ الانفال اور سورۃ النحل میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی آدمی معصیت پر نوت نہیں ہوتا مگر اس کے چہرے اور اس کی گدی پر شدید ضرب لگائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے مقصود رسول اللہ ﷺ کی مدد ہوتی ہے۔ فرشتے ان کے مونہوں پر مارتے ہیں جب وہ جنگ کا سامنا کرتے ہیں اور جب وہ بھاگتے ہیں تو ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیامت کے روز ہوگا جب انہیں جہنم کی طرف ہانکا جا رہا ہوگا۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا آسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٦٢﴾

”یہ اس لیے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی

خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔“

ذَلِكَ تَقْدِيرُ كَلَامٍ يَهْوِي ذَلِكَ جُزْءُهُمْ - بِأَكْثَرِهِمْ اتَّبَعُوا مَا أَصْحَبَ اللَّهُ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعمت تورات میں تھی اسے انہوں نے چھپایا، اس سے مراد ان کا یہ عمل ہے۔ اگر اسے منافقین پر محمول کیا جائے تو مراد وہ کافر ہوگا جو انہوں نے اپنے سینہ میں چھپا رکھا ہے۔ وَ كَرِهُوا مِرْضَانَهُ رِضْوَانٌ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ - وَ كَرِهُوا مِرْضَانَهُ رِضْوَانٌ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ - اعمال سے مراد صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ کے اعمال ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۗ وَلَوْ نَشَاءُ

لَأَرَيْنَهُمْ فَكْرَهُمْ فَكَّرَتْهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۗ وَلَتُعْرِفَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۗ

”کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھادیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے، اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو“۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مِنْ مَرَضِ نِفَاقٍ أَوْ مَرَضِ مَنَافِقَةٍ هِيَ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۗ أَضْغَانٌ مِنْ مَرَادِهِ شَيْءٌ هُوَ جَوْنًا يَسْتَدِيدُهُ شَيْءٌ مَحْضَرٌ هُوَ هِيَ - اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ان کا کھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ان کا حسد ہے۔ قطرب نے کہا: مراد ان کی عداوت ہے اور شاعر کا قول ذکر کیا:

قل لابن هند ما أردت بمنطق ساء الصديق وشيد الأضغانا (1)

ابن ہند سے کہو میں نے ایسی گفتگو کا ارادہ نہیں کیا جو دوست کو بری لگے اور عداوت کو پختہ کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد ان کے کینے ہیں۔ اس کا واحد ضغن ہے کہا:

وذی ضغن كفت النفس عنه میں نے کینے والے سے اپنے نفس کو روکا۔

یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا

وان الضغن بعد الضغن يفشو عليك ويخرج الداء الدفينا

کینہ کے بعد کینہ تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور مخفی مرض کو باہر نکال دیتا ہے۔

جوہری نے کہا: ضغن اور ضغینہ سے مراد کینہ ہے قد ضغن عليه ضغنا اس نے فلاں پر کینہ کیا۔

تضغن القوم واضطغنت انہوں نے کینوں کو چھپایا۔ اضطغنت الصبی جب تو نے بچے کو اپنی گود میں لیا۔ احمر نے یہ

شعر پڑھا: كأنه مضطغن صبیا گویا وہ بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے۔

فرس ضغن ایسا گھوڑا جو مار کے بغیر نہیں چلتا۔ معنی ہے کیا انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عداوت اور

کینے کو اہل اسلام کے لیے ظاہر نہیں کرے گا۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَمَرْنَا بَنِيكُمْ
نے آپ کی ان کو سورہ براءت میں پہچان کرادی تھی۔ عرب کہتے ہیں: سَأْرِيكَ أَصْنَعُ یعنی جو کچھ میں کرنے والا ہوں تجھے اس کی پہچان کرادوں گا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (النساء: 105) اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِينَاهُمْ
یعنی آپ ان کی ان کی علامتوں سے پہچان کر لیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے بعد منافقوں میں سے کوئی بھی آپ کی ذات پر مخفی نہ رہا، آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے تھے۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اس میں سات منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو شک تھا ایک رات انہوں نے صبح کی تو ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: هذا منافق یہ منافق ہیں (1)۔ یہ ان کی نشانی تھی۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہار کو مقدر کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسجد سے نکلیں تو انہوں نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ چمٹے رہیں تو ان کے خون محفوظ ہو گئے انہوں نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا گیا۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ
اور آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے معنی سے، اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:
وخير الكلام ما كان لحنًا (2) بہترین کلام وہ ہوا کرتی ہے جو معنی سے پہچانی جائے اور اس کی تصریح نہ کی جائے۔
یہ اللحن فی الإعراب سے ماخوذ ہے اس کا مطلب صحیح بات سے نکل جاتا ہے، اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
انکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض (3) تم میرے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ قوت والا ہو یعنی وہ جواب میں دلیل کو لے جانے والا ہو کیونکہ وہ کلام کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ابو زید نے کہا: لَحْنٌ لَهُ أَلْحَنُ لَحْنًا جب تو اسے ایسی بات کرے وہ تجھ سے اس کا معنی سمجھ لے اور دوسرے پر وہ مخفی رہ جائے۔ لَحْنٌهُ هُوَ عَنِ يَلْحَنُهُ لَحْنًا یعنی اسے سمجھا۔ أَلْحَنُهُ أَنَا يَا هَذَا میں نے اسے سمجھایا۔ لاحت الناس میں ان کو سمجھ گیا۔ فزاری نے کہا:

وحدیث الذذہ هو ما ینعث الناعثون یوزن وزنا

منطق رائغ وذلحن احیا ناوخیر الحدیث ماکان لحنًا

کتنی ہی باتیں ہیں جن سے میں لذت حاصل کرتا ہوں جو ان میں سے ہیں جن کی نعت بیان کرنے والے نعت بیان کرتے ہیں۔ اس کا وزن بیان کیا جاتا ہے خوبصورت گفتگو ہوتی ہے بعض اوقات اس میں لحن ہوتا ہے اور بہترین گفتگو وہ ہوتی ہے جو با معنی ہو۔

وہ مراد یہ لیتا ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور ارادہ کسی اور چیز کا کرتی ہے وہ اپنی گفتگو میں تعریض کرتی ہے اور اپنی ذہانت و فطانت سے اسے اصل جہت سے پھیر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلْتَعْرِضْهُمْ فِي لَعْنِ الْقَوْلِ**۔ کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد کسی منافق نے آپ سے گفتگو نہ کی مگر آپ نے اسے پہچان لیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق نبی کریم ﷺ سے ایسی گفتگو کرتے تھے جس میں آپ کے سامنے تو واضح سے کام لیا کرتے تھے جبکہ نبی کریم ﷺ سن رہے ہوتے تھے اور ظاہر و معناد معنی لیتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا بعد میں جب نبی کریم ﷺ ان کی کلام سنتے تو انہیں پہچان لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ پر مخفی نہ رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی وحی یا کسی علامت کے ساتھ ذریعے پہچان کرادی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس علامت کو پہچان لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہچان کرادی تھی۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ یعنی اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنَكُمُ وَالصَّابِرِينَ ۙ وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۙ وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۙ وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۙ

”اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو“۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ۙ ہم تم پر شرعی احکام لازم کریں گے اگرچہ ہم امور کے عواقب کو اچھی طرح جانتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ہم تمہارے ساتھ ممتحن کا سامنا کرے گا۔

حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنَكُمُ وَالصَّابِرِينَ ۙ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حَتَّىٰ نَعْلَمَ کا معنی ہے ہم جدا جدا کر دیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ عام قراءت نون کے ساتھ ہے نَبْلُوَنَّكُمْ، نَعْلَمُ، نَبْلُوَنَّكُمْ۔

ابوبکر نے عاصم سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور روایں نے یعقوب سے واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی نبلو۔ کیونکہ یہ ما قبل سے الگ ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا تعلق حَتَّىٰ نَعْلَمُ کے ساتھ ہے، یہ علم وہ ہے جس کے ساتھ جزا واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا علم قدیم کی بنا پر نہیں دے گا بلکہ ان کے اعمال پر جزا دے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے یہاں تک ہم مجاہدین کو علم شہادت سے جان لیں کیونکہ انہیں عمل کا حکم دیا گیا انہوں نے جو کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے ثواب و عقاب کی جزا علم شہادت پر ہوگی۔

وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۙ ہم ان کو آزمائیں اور ہم انہیں ظاہر کریں۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: جب حضرت فضیل بن عیاض اس آیت کو پڑھا کرتے تھے تو روایا کرتے اور دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں نہ آزما کیونکہ جب تو ہمیں آزمائے گا تو تو ہمیں رسوا کر دے گا اور ہمارے پردوں کو چاک کر دے گا (2)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی باوجود یکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔“

یہ آیت منافقوں یا یہودیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال: 36)

وَشَاقُّوا الرَّسُولَ یعنی رسول سے دشمنی کی اور اس کی مخالفت کی۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ یعنی وہ دلائل اور آیات سے جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وہ اپنے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ۝ انہوں نے جو عمل کیا اس کا ثواب برباد کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ جب کفار کی حالت کو بیان کیا تو مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کی سنن میں طاعت کو لازم پکڑو۔

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ یعنی اپنی نیکیوں کو معاصی کے ساتھ باطل نہ کرو (1)، یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: کبیرہ گناہ کر کے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو (2)۔ ابن جریج نے کہا: ریا کاری اور شہرت کی خواہش کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو (3)۔ مقاتل اور ثمالی نے کہا: احسان جتلا کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ یہ اسے خطاب ہے جو اسلام قبول کرنے کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر احسان جتلا یا کرتا تھا۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول سب کو جامع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کبیرہ گناہ طاعات کو برباد کر دیتا ہے اور نافرمانیاں ایمان سے خارج کر دیتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہمارے دوسرے علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نفل نماز ہو یا روزہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عمل کا ابطال ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ جس نے اس کی اجازت دی یعنی امام شافعی وغیرہ انہوں نے کہا: اس سے مراد فرض عمل کا ثواب ہے تو ایسے آدمی کو اپنے عمل کے ثواب کو باطل کرنے سے منع

کیا گیا۔ جہاں تک نفل عمل کا تعلق ہے اسکے شروع کرنے کے بعد توڑنا کوئی منع نہیں، کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔ اگر وہ یہ گمان کریں کہ لفظ عام ہے تو عام کی تخصیص جائز ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ نفل زائد عمل ہوتا ہے اور زائد عمل اختیار کا تقاضا کرتا ہے۔

ابوالعالیہ سے مروی ہے: لوگوں کا خیال تھا اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ اعمال کی بربادی کے ڈر سے گناہ کبیرہ سے ڈرنے لگے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تم نے اپنے اعمال کو باطل کر دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يَغْفِرَ
اللَّهُ لَهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔“

اس امر کو واضح کیا کہ کفر کی صورت میں موت یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کو واجب کر دیتی ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا مصداق غزوہ بدر کے گڑھے میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں (1)۔ اس آیت کے احکام عام ہیں۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۗ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَتَرَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ ۝

”(اے فرزند ان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال اور (کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَا تَهِنُوا تم قتال سے ضعف کا اظہار نہ کرو۔ دھن کا معنی ضعف ہے۔ وقد وهن الإنسان ووهنه غیرہ یہ کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا: اثنى لست بسزھون فقن وھن کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی بھی کمزور ہونا ہے۔ اسے فساد و ہنوا بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہاء پر ضمہ اور کسرہ ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ کا معنی صلح ہے وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ تم ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم دلیل دینے میں غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم غالب ہو

کیونکہ تم مومن ہو اگرچہ بعض احوال میں وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ قتادہ نے کہا: تم پہلا ایسا طائفہ نہ بنو جو اپنے مد مقابل کے سامنے مغلوب ہو گیا (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** (الانفال: 61) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف میلان کرنے سے منع کیا ہے جب مسلمانوں کو صلح کی ضرورت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے۔ دونوں آیات دو مختلف الحال و قوتوں میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** یہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے، جبکہ دوسری عام ہے۔ کفار کے ساتھ صلح ضرورت کے وقت ہی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

وَ اللَّهُ مَعَكُمْ اللَّهُ تَعَالَى نَصْرَتُ أُولَئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُ قُوَّةٌ يَأْتِيهِمْ مِنَ رَبِّكَ نَصْرٌ (العنکبوت)

یعنی وہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ قول مروی ہے اسی سے ایک لفظ مورتور ہے جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہ لیا جاسکے۔ اس کا باب یوں چلے گا **وَتَرَى يَتْرَهُ وَتَرَى وَتَرَى**۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَانَتْ مَاتَرًا وَتَرًا** (2) جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کے اہل اور مال میں نقصان ہو گیا، اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: وترہ حقہ اس نے اسکے حق میں کمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَنْ يَتَرَ كُمْ اَعْمَالَكُمْ** اللہ تعالیٰ تیرے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جس طرح تو کہتا ہے: **دَخَلْتُ الْبَيْتَ، اَنْتَ تَرِيدُ فِي الْبَيْتِ** یعنی ایک جملہ میں فی صلہ موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے؛ یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: **وَ لَنْ يَتَرَ كُمْ** یہ وتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی ہوگا، یعنی تمہیں ثواب کے بغیر تنہا نہیں چھوڑے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ ۗ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرًا كُمْ وَ لَا يَسْئَلْكُمْ

اَمْوَالِكُمْ ۗ اِنْ يَسْئَلْكُمْ هَا فَيُخَفِّكُمْ تَبَخَّلُوْا وَ يُخْرِجْ اَصْفَانَكُمْ ۗ

”یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہ کرے گا تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم نخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگوار یوں کو“۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ **وَ اِنْ تُوْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرًا كُمْ** یہ کلام شرط اور جوب ہے۔ **وَ لَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۗ** یعنی وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم زکوٰۃ میں سارا مال ہی دے دو بلکہ اس نے بعض

مال نکالنے کا حکم دیا ہے؛ یہ ابن عیینہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ تمہارے اموال اپنی ذات کے لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے نہیں مانگتا وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کا ثواب تمہاری طرف لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ تم سے اپنے اموال کا سوال کرتا ہے کیونکہ اموال کا وہی مالک ہے اور وہ عطا فرما کر احسان کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء رسالت کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا سوال کرنے والے نہیں اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ (الفرقان: 57)

إِنْ يَسْأَلُكُمْ فَمَا فِيْكُمْ يَعْنِيْ وَهِيَ تَمَّ مِنْ أَصْرَارِ كَرْتَا، يَهْ كَمَا جَاتَا هِيَ: أَحْفَى بِالسَّأَلَةِ، الْحَفِّ أَوَّالِ تَحْسَبُ كَا أَيْكِ هِيَ مَعْنَى هِيَ۔ حَفَى أَسَ كَقْتِ هِي جَوَّوَالِ كَرْنِ مِي اَنْتَهَا كَجَا، اِطْرَحِ اَحْفَاءَ كَالْفِظِ كَقْتَلُوْا اَوَّوْرَ مَنَازِعِهِ مِي بَهْتِ دَوْرَتِكِ جَانَا هِيَ۔ اِطْرَحَى مِي أَحْفَى شَارِبِهِ هِيَ، يَعْنِيْ اِسَّ نِي مَوَظِّعِيْ كَا ثَنِي مِي بَهْتِ سَخْتِي كِي۔

تَبَخَّلُوا أَوْ يُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ⑤ یعنی بخل تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے گا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مال کا سوال کرنے میں ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ابن محیسن اور حمید نے دتخرج پڑھا اور أضغانکم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ فاعل ہے۔

ولید نے یعقوب حضری سے دتخرج نقل کیا ہے۔ ابو عمر، عبدالوارث سے وہ ابو عمرو سے دتخرج جیم میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہاں گفتگو ختم ہوتی ہے اور پھر نئی کلام شروع ہوتی ہے، ان سے مشہور دتخرج ہے جس طرح باقی قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ما قبل کلام پر ہے۔

هَآئِنْتُمْ هُوَ لَآءِ تَدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۗ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ ۗ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ ۗ وَ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۗ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لَمْ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ⑥

”ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

هَآئِنْتُمْ هُوَ لَآءِ تَدْعُونَ اے مومنو! تم ہی وہ ہو جن کو دعوت دی جاتی ہے۔

لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ یعنی تم جہاد اور بھلائی کے راستہ میں خرچ کرو۔ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۗ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ ۗ یہاں عن، علی کے معنی میں ہے، یعنی اجر و ثواب اسے روکتا ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ یعنی وہ تمہارے اموال کا محتاج نہیں وَ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ تم اموال کے محتاج ہو وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی ایسی قوم لے آئے گا جو تمہاری نسبت اللہ

تعالیٰ کے زیادہ محتاج ہوں گے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی **وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ** صحابہ نے پوچھا: ہماری جگہ کن لوگوں کو بدل دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: ”یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم“ (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں سند میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن یحییٰ جو علی بن مدینی کے والد تھے نے یہ حدیث علاء بن عبدالرحمن سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (2) جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ لے آیا جائے گا پھر وہ ہماری مثل نہ ہوں گے؟ کہا: حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا فرمایا: ”یہ اور اس کے ساتھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے“ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ عجمی لوگ ہیں (3)۔ عکرمہ نے کہا: وہ فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ محاسبی نے کہا: عربوں کے بعد تمام عجمی لوگوں میں سے ایرانیوں سے بڑھ کر کون دین میں اچھا ہوگا اور ان میں سے ہی علماء ہوں گے۔ ایک قول کیا گیا ہے: وہ یمنی ہیں اور وہی انصار ہیں؛ یہ شریح بن عبید نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے: وہ انصار ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ تابعی ہیں۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنے میں وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور فرمایا: ”یہ دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے“۔

سورۃ الفتح

﴿سورۃ الفتح ۲۹﴾ ﴿سورۃ الفتح ۳۰﴾ ﴿سورۃ الفتح ۳۱﴾ ﴿سورۃ الفتح ۳۲﴾

سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے اس کی اسی آیات ہیں، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے وہ عروہ سے وہ مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں نے کہا: سورہ فتح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق ابتدا سے آخر تک نازل ہوئی۔ صحیحین میں زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک سفر میں چل رہے تھے جبکہ حضرت عمر بن خطاب ان کے ساتھ رات کے وقت ساتھ ساتھ چل رہے تھے، حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کوئی سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا، حضرت عمر نے پھر عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا حضرت عمر نے کہا: عمر کی ماں روئے تو نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار سوال کرنے میں مبالغہ سے کام لیا رسول اللہ ﷺ نے تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی پھر میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے ڈر ہونے لگا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں تھوڑا وقت بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک آواز دینے والے کو آواز دیتے ہوئے سنا، میں نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آج مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر ہر چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۱﴾ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح مسلم میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے انہیں بیان کیا: جب یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۱﴾ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ وَيُنصِرَكَ اللَّهُ تَصْرًا عَزِيمًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُزْذَادُوا إِيمَانًا مِمَّا أَنْزَلْنَا لَهُمْ وَبِهِ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۴﴾ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلا يُكْفَرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴿۵﴾ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۶﴾ اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے صحابہ کرام بڑے غمگین تھے جبکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا تھا فرمایا: ”ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر تمام دنیا سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے“ (2)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، سورہ فتح، جلد 2، صفحہ 749

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسرمد حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 106

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو برا بھلا کہا جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَا آذِرْهُنَّ بِمَا يَفْعَلْنَ فِي وَلَا يَكْفُرْنَ (الاحقاف: 9) انہوں نے کہا: ہم ایک ایسے آدمی کی کس طرح پیروی کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا شاق گذرا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے وَمَا آذِرْهُنَّ بِمَا يَفْعَلْنَ فِي وَلَا يَكْفُرْنَ (الاحقاف: 9) نازل کی تو مشرک اور منافق خوش ہوئے اور کہا: ہم ایسے آدمی کی کیسے اتباع کریں جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ یعنی ہم نے آپ کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس کے بدلے میں سرخ اونٹ مجھے خوش نہیں کرتے“ مسعودی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جس نے رمضان شریف کی پہلی رات میں نفل نماز میں سورہ فتح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝

”یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی“۔

اس فتح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ بخاری شریف میں ہے محمد بن بشار، غندر سے، وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے (2) جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ضحاک نے کہا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ یہ قال کے بغیر فتح ہوئی، صلح بھی فتح کی صورت ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ کے مقام پر جانور قربان کرنا اور اپنے سر کا حلق کرنا تھا (4) حدیبیہ کی فتح عظیم نشانی تھی اس کا پانی نکالا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی تو اس میں پانی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ جو افراد بھی آپ کے ساتھ تھے سب نے اس پانی کو پیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: جب صحابہ حدیبیہ سے واپس آگئے (5) تو ایک آدمی نے کہا: یہ فتح نہیں، انہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بلکہ یہ سب سے بڑی فتح ہے مشرک اس بات پر

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 310

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا، جلد 2، صفحہ 716

4- تفسیر مجاہد، صفحہ 258

3- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166

5- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 332

راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہروں سے نرمی سے جانے دیں، تم سے فیصلہ کا سوال کریں، امان میں تم سے رغبت کریں جبکہ انہوں نے تم سے وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس کو وہ ناپسند کریں“ (1)۔

امام شعبی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا** کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو آپ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی، صحابہ کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں، ہدی اپنے مقام کو پہنچی، رومی ایرانیوں پر غالب آئے، مومن اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری نے کہا: حدیبیہ عظیم فتح تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے جب صلح ہو گئی تو لوگ ایک دوسرے سے ملے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جانا اور اس کے کلام کو سنا جس نے بھی اسلام کا ارادہ کیا اس کو قبول کرنے کی اس میں آسانی پائی دو سال بھی نہ گزرے تھے مگر مسلمان دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آئے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا اور عوفی کا یہ قول ہے: اس سے مراد فتح خیبر ہے؛ پہلا قول اکثر کا قول ہے جبکہ خیبر ایک وعدہ تھا جو ان سے کیا گیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ - وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَعَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلْ لَكُمْ هَذِهِ**۔ حضرت مجمع بن جریہ جو ان قراء میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا کہا: ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے جب ہم اس سے واپس آئے تو لوگ جو اونٹوں کو تیز چلا رہے تھے (2) بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی ہے کہا: ہم تیزی سے نکلے تو ہم نے نبی کریم ﷺ کو کراع غمیم میں پایا جب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان آیات کو پڑھا: **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا** حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ”ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ فتح ہے“ خیبر کے اموال صلح حدیبیہ میں شریک لوگوں میں تقسیم کئے گئے ان میں وہی فرد شامل تھا جو حدیبیہ میں موجود تھا (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَتَحْنَا** اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ زبردستی فتح کیا گیا کیونکہ فتح کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر جسے سختی کے ساتھ فتح کیا گیا ہو یہ اس اسم کی حقیقت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: **فتاح البلد صلحاً** کا معنی سمجھ نہیں آتا مگر جب وہ فتح کے ساتھ ملا ہوا ہو پس فتح صلح میں مجازی معنی میں ہوگا۔ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ زبردستی فتح ہوا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ

صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيُنصِرْكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ۝

”تا کہ دو فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمادے جو زبردست ہے۔“

ابن انباری نے کہا: فَتَحًا مُّبِينًا پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ متعلق ہے گویا فرمایا: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے فتح کے ساتھ مغفرت کو جمع کر دے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے وہ چیز جمع کر دے جس سے دنیا و آخرت میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ ابو حاتم سہستانی نے کہا: یہ لام قسم ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ لام مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ نصب دی جاتی ہے اگر یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوتا لیقوم زید اس کی تاویل لیقوم زید ہے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لیے فتح مکہ کو آسان بنا دیا تیرے دشمن کے خلاف تیری مدد کی تاکہ آپ کے لیے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کر دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے، مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے (1) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے“ پھر نبی کریم ﷺ نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کر دیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

علماء نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل جو آپ سے ایسے اعمال ہوئے جن کو آپ اپنی شان کے خلاف خیال کرتے ہیں اور وَمَا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد جو اعلان نبوت کے بعد جو اعمال ہوئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے، اسی کی مثل طبری اور سفیان ثوری نے کہا۔ طبری نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۗ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَنْفَاجًا ۗ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۗ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (نصر) کی طرف راجع ہے یعنی اعلان نبوت سے پہلے اور

اعلان نبوت کے بعد اس آیت کے نزول تک۔

سفیان ثوری نے کہا: لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو وحی کے نزول سے پہلے آپ نے دور جاہلیت میں کیے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو بعد آپ نے نہ کیے، یہ واحدی کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ انبیاء سے گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد فتح سے پہلے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد فتح کے بعد کے اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد اس آیت کے نزول سے پہلے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد جو اس کے بعد ہیں۔

عطا خراسانی نے کہا: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی خطا ہے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اولی اعمال اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد انبیاء کے خلاف اولی اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد غزوہ بدر کے دن کی خطا اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد غزوہ حنین کے موقع کی خطا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر جو خطا ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا (2) تو زمین میں کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی (3) آپ نے اس قول کو کئی دفعہ دہرایا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی آپ کو کیسے علم ہوا کہ اگر میں نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو میری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی؟ تو یہ وہ پہلی خطا تھی۔ جہاں تک دوسری خطا کا تعلق ہے تو وہ غزوہ حنین کا موقع ہے جب لوگ شکست کھا گئے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی ابوسفیان سے کہا: مجھے وادی سے سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھا کر دو تو دونوں نے سنگریزے اٹھا کر دیئے آپ نے انہیں ہاتھ میں لیا اور مشرکوں کے منہ پر مارا اور فرمایا: شامت الوجوه۔ حم۔ لا ینصرون۔ تو مشرک سارے کے سارے شکست کھا گئے کوئی آدمی نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ریت اور سنگریزوں سے بھر گئیں پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو ندا کی تو وہ پلٹ آئے جب وہ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں فرمایا: ”اگر میں انہیں وہ مٹھی بھر سنگریزے نہ مارتا تو وہ شکست نہ کھاتے“ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (الانفال: 17) یہ دو طری خطا تھی۔ ابوعلی روز باری نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر آپ کی کوئی پرانی یا نئی خطا ہوگی تو ہم آپ کے لیے اسے بخش دیں گے۔

وَيُتِمُّ بِعَسَاكَ عَلَيْكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت و حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مکہ مکرمہ، طائف اور خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے تکبر کیا تھا اس نے خشوع و خضوع اپنا لیا اور جو جابر بنا ہوا تھا اس نے طاقت اختیار کر لی وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا یعنی آپ کو

ہدایت پر ثابت قدم کرے گا یہاں تک کہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

وَيُضَمِّكَ اللَّهُ تَضَمُّنًا عَزِيْزًا ۝۱۰ یعنی ایسی مدد کرے گا جو غالب ہوگی جس کے بعد کوئی ذلت و عاجزی نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِيْنَۃَ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُزَادُوْا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَ

لِلَّهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱

”وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں

اپنے پہلے ایمان کے ساتھ، اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب

کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے۔“

السَّكِيْنَةُ سے مراد سکون و طمانینت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی سکینہ کا لفظ ہے اس

سے مراد طمانینت ہے مگر جو سورہ بقرہ میں ہے، ایمان کی زیادتی کا معنی سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت کے ساتھ مبعوث کیا گیا (1) جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اس بارے میں تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز کو زائد کر دیا جب انہوں نے اس حکم میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ

نے ان پر زکوٰۃ کو زائد کیا، جب انہوں نے اس امر میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر روزوں کو زائد کر دیا، جب

انہوں نے اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حج کا اضافہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو

مکمل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيُزَادُوْا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ کا یہی مصداق ہے یعنی ایمان سے مراد خشیت ہے۔ ضحاک نے

کہا: یہاں اس سے مراد یقین ہے (2)۔

وَاللَّهُ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنود سے مراد ملائکہ، جن، شیاطین اور انسان ہیں۔ و

كَانَ اللهُ عَلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے حَكِيْمًا جس کا ارادہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

يُكْفَرُ عَنْهُمْ سَيِّئٰتِهِمْ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۱۲

”تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس

میں رہیں گے اور دور فرمادے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو پھر یہ زیادتی انہیں جنت میں داخل کرنے کے سبب سے

بولی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيُدْخِلَ فِيْهَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يَكْفَرُ عَنْهُمْ سَيِّئٰتِهِمْ ۗ

وَكَانَ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا وعدہ اور گناہوں کی بخشش ہے عِنْدَ اللّٰهِ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۱۲ یہ غم

سے نجات اور ہر مطلب میں کامیابی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ پر اس آیت کو پڑھا لِيَعْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنی سنی پہ آپ کو مبارک ہو تو ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ جَبَّ جَبَّ فِيهَا وَيُؤْتِيَهُمْ نِعْمَةً عَلَيْهِمْ عَلَيْكَ انہوں نے عرض کی: آپ کو مبارک ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: وَآتَيْنَاكُمْ نِعْمَتِي (المائدہ: 3) جب پڑھا: وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا تو امت کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا جب پڑھا: وَيُنصِرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا تو یہ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم) نازل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب) پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ (الاحزاب: 43) تشریحی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السُّوءِ عَلَيْهِمْ ذَا بَرَّةٍ السُّوءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَيَبِّئُهُ جُنُودَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - وَكَانَ اللَّهُ عَزِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور تاکہ عذاب میں مبتلا کر دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں انہیں ہی پر بے گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔“

الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السُّوءِ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف نہیں لوٹیں گے اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کوئی واپس لوٹے گا یہ اس وقت ان کا گمان تھا جب آپ حدیبیہ کے لیے نکلے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ مشرک تباہ و برباد کر دیں گے جس طرح کہا: بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا خَلِيلٍ اور سبویہ نے کہا: اس سے یہاں مراد فساد ہے۔

عَلَيْهِمْ ذَا بَرَّةٍ السُّوءِ دنیا میں ان پر بری گردش ہوگی انہیں قتل کیا جائیگا اور انہیں قیدی بنا لیا جائیگا اور آخرت میں جہنم ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا دائرۃ السُّوءِ یعنی خیمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جبکہ باقی قراء نے فتح دیا۔ جو بری نے کہا: ساءہ یسوءہ سؤءًا، مَسَاءةً، مَسَايِهِ ساءہ یہ ساءہ کا اسم السُّوءِ ہے اسے علیہم دائرۃ السُّوءِ بھی پڑھا گیا ہے یعنی شکست اور تکلیف، جس نے اسے فتح دیا اس نے اسے مَسَاءةً سے مشتق مانا ہے۔

وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ - وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَيَبِّئُهُ جُنُودَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - وَكَانَ اللَّهُ عَزِيمًا حَكِيمًا ۝ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں دفعہ نذر چکی ہے الحمد للہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب صلح حدیبیہ ہوئی تو ابن ابی نے کہا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ سے صلح کریں گے یا مکہ کو فتح کر لیں گے تو اس کا کوئی دشمن نہیں رہے گا ایرانی اور رومی کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ آسمانوں اور زمین کے لشکر ایرانیوں اور رومیوں سے زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَاللَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکر مومن ہیں۔ اس کو دوبارہ ذکر کیا کیونکہ جس کا ذکر پہلے ہوا تھا وہ قریش میں سے مشرکوں کے ذکر کے بعد تھا اور یہ منافقوں اور باقی ماندہ مشرکوں کے ذکر کے بعد ہے دونوں مقامات پر مراد خوفزدہ کرنا اور ڈرانا ہے اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ چیز اسے عاجز نہ کر سکتی لیکن اللہ تعالیٰ ایک معین عرصہ تک انہیں مہلت دیتا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَنُعَزِّرُهُ وَ

تُوقِّرُهُ ۝ وَنَسِيحًا بَكْرًا ۝ وَأَصِيلًا ۝

”بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تاکہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام“۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا قناده نے کہا: ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ انہوں نے حق کی تبلیغ کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر گواہ بنا کر بھیجا کہ انہوں نے اطاعت یا معصیت میں سے جو اعمال کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کے لیے ان امور کو بیان کرنے والا بنا کر بھیجا جن کے ساتھ ہم نے آپ کو ان کی طرف بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان پر گواہی دیں گے۔ سورۃ النساء میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت سے یہ معنی واضح طور پر گزر چکا ہے۔

مُبَشِّرًا جو اطاعت کرے اس کو جنت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا وَنَذِيرًا اور آگ سے خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا اسے جو نافرمانی کرے؛ یہ قناده اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سورۃ بقرہ میں بشارت اور نذارت کا اشتقاق اور دونوں کا معنی گزر چکا ہے۔ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ تینوں کو حال مقدرہ کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے سیبویہ نے یہ مثال بیان کی ہے مردت برجل معہ صقر صائد اغدا معنی ہے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم آپ کی شہادت کو قیامت کے روز مقدر کرنے والے ہیں اسی بنا پر تو کہتا ہے: رایت عمرا قنساغدا۔

لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ابن کثیر، ابن محصین اور ابو عمرو نے لیؤمنوا پڑھا ہے اسی طرح یعزروه دیوقر وہ ویسبحوه سب کو یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ مومنوں کا اس سے پہلے اور اس کے بعد میں ذکر موجود ہے جہاں تک اس سے ما قبل کا تعلق ہے تو وہ لِيُؤْمِنُوا خَلَّ اور جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو وہ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا وَنُعَزِّرُهُ وَتُوقِّرُهُ تم اس کی عظمت

بجالات اور تنخیم شان کا اہتمام کرو؛ یہ حضرت حسن بصری اور کبھی کا نقطہ نظر ہے۔ تعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے۔ قتادہ نے کہا: تم اس کی مدد کرو اور اس کا دفاع کرو اسی سے حد میں تعزیر ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی انسان کو برے اعمال سے روکتی ہے۔ قتادہ نے کہا:

أَلَا بَكَرَتْ مِنْ بَغِيرِ سَفَاحَةٍ تَعَاتِبُ وَالسُّودُودُ نِيْفَعُهُ الْعُزْرُ

حضرت ابن عباس نے کہا: تقاتلون معہ بالسيف تم آپ کی معیت میں تلوار کے ساتھ قتال کرتے ہو۔ بعض اہل لغت نے کہا: تم آپ کی اطاعت کرتے ہو (1) وَتَوْقَرُوكُمْ یعنی تم آپ کو سزا دینا ہے (2): یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اس کی عظمت بجالاتے ہو۔ توقیر کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ دونوں میں شاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یہاں وقف تام ہے پھر تو کلام کو شروع کرے گا وَتُسَبِّحُوهُمُ کہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو گے بَلَّغُوا وَأَصِيلًا ﴿١﴾ صبح و شام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غائب کی ضمیریں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس صورت میں ہوگا تَعَزَّرُوا وَتَوْقَرُوا یعنی تم اس کے لیے ربوبیت کی نعمت کو ثابت کرو اور اس کے لیے اس امر کی نشی کرو کہ اس کا کوئی بچہ ہو یا شریک ہو؛ قشیری نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ پہلا قول ضحاک کا ہے اس تعبیر کی صورت میں کلام کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا وَتُسَبِّحُوهُمُ ہے ان میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگ گاہ وَتَعَزَّرُوا وَتَوْقَرُوا ہے یعنی تم آپ کو رسالت اور نبوت کے لقب سے بلایا کرو نام اور کنیت سے نہ بلایا کرو۔

وَتُسَبِّحُوهُمُ کی دو صورتیں ہیں: (1) تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر قبیح امر سے پاکی بیان کرنا ہے یا اس سے مراد نماز کا فعل ہے جس میں تسبیح ہوا کرتی ہے بَلَّغُوا وَأَصِيلًا ﴿١﴾ صبح و شام۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے، شاعر نے اس لفظ سے یہ معنی لیا ہے:

لَعَنِي لَأَنْتَ الْبَيْتُ الْكَبِيرُ أَفَلَهُ وَأَجْلَسَ فِي أَقْبَانِهِ بِالْأَصَائِلِ (3)

میری زندگی کی قسم! تو ایسا گھر ہے جس کے کھینوں کی میں عزت کرتا ہوں اور شام کے وقت میں اس کے صحن میں بیٹھتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا

يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٨٠﴾

”(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے

ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی

ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ لَعَنِي لَأَنْتَ الْبَيْتُ الْكَبِيرُ یعنی اے محمد! سنو بیٹے! جو لوگ حدیبیہ میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ اس امر کی

وضاحت کی کہ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت یہ اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يُطِيعِ

الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: 80) یہ بیعت، بیعت رضوان ہے جس کی وضاحت اس سورت میں انشاء اللہ آجائے گی۔

ہوئے آئے جبکہ ان کا اعتقاد ان کے ظاہر کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کر دیا ارشاد فرمایا: **يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ** یہ ان کا خالص نفاق تھا۔ **قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضُرًّا حَزًّا** اور کسانے نے صرف یہاں **ضُرًّا** پڑھا ہے یعنی ایسا امر جو تمہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد شکست ہے باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ ضرر تہہ ضرر کا مصدر ہے۔ جب ضار پر ضمہ ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو برا حال لاحق ہوتا ہے مصدر ایک دفعہ اور زیادہ دفعہ فعل کے وقوع کے معنی پر دلالت کرتا ہے؛ اسے ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے پسند کیا ہے دونوں نے کہا: یہ نفع کے بالمقابل ہے جو ضرر کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح فقر اور فقر ضَعْف اور ضَعْف۔ **أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا** نفع سے مراد مدد اور نعمت ہے۔ یہ ان کا رد ہے جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں گے تو یہ ان سے تکلیف کو دور کر دے گا اور ان کے لیے جلدی نفع لائے گا۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْءًا ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

”حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں گمن رہے اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔“

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا یہ گمان اس لیے تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بہت تھوڑے ہیں وہ واپس نہیں پلٹیں گے **وَزُيِّنَ ذٰلِكَ** اسم اشارہ سے مراد نفاق ہے **فِي قُلُوبِكُمْ** یہ تزئین شیطان کی طرف سے تھی یا اللہ نے ان کے دلوں میں یہ چیز پیدا کر دی تھی **وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْءًا** ظن سوء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا **وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا** بورا سے مراد ہلاک ہونے والے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: وہ فسادی لوگ ہیں وہ بھلائی میں سے کسی چیز کے قابل نہیں (2)۔ جوہری نے کہا: بور سے مراد ایسا آدمی ہے جو فساد ہی ہے، ہلاک ہونے والا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔ عبد اللہ بن زبیری سہمی نے کہا:

يا رسول السليث إن لسان راتق ما فتئت إذ أنا بور (3)

اے اللہ کے رسول! جب سے میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاق کیے اب میری زبان انہیں سینے والی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: امر بور۔ ابو عبید نے اس کو بیان کیا ہے قوم بور، یعنی ہلاک ہونے والی قوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا** بور یہ بانڈ کی جمع ہے جس طرح حائل کی جمع حول آتی ہے۔ قد بار فلان، یعنی فلاں ہلاک ہو گیا۔ ابارہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **بُورًا** کا معنی شریر لوگ، یہ ابن بحر نے کہا: حضرت حسان

بن ثابت نے کہا:

لا يَنْفَعُ الصُّوْلُ مِنْ نُوْتِ الرِّجَالِ وَقَدْ يَهْدِي الْإِلَهَ سَبِيلَ الْمَغْشَرِ الْبُورِ (1)
اس میں البور کا معنی بلاک ہوانے والا ہے۔

وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝
”اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

یہ ان کے لیے وعید ہے اور اس امر کی وضاحت ہے کہ انہوں نے نفاق اپنا کر کفر کیا۔
وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَعْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝
”اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

وہ اپنے بندوں سے غنی ہے، اللہ تعالیٰ نے احکام کا مکلف بنا کر انہیں آزما یا تا کہ جو ایمان لائے اس کو ثواب دیں اور جو کفر و نافرمانی کرے اسے سزا دے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوا هَٰذَا رُدُّوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يَرِيدُونَ
أَنْ يُبَيِّتُوا كَلِمَ اللَّهِ ۗ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۗ فَسَيَقُولُونَ بَلْ
تَحْسَدُونََنَا ۗ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

”کہیں گے (پہلے - غز جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہوئے اموال کی طرف تا کہ تم ان پر قبضہ کر لو، ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمائیے: تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے یونہی فرما دیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پھر وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (ان کا یہ خیال غلط ہے) درحقیقت وہ احکام الہی کے اسرار کو بہت کم سمجھتے ہیں۔“

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوا هَٰذَا رُدُّوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يَرِيدُونَ
خیبر کا وعدہ کیا تھا یہ حکم ان کے لیے ہی خاص تھا وہ غزوہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب تھے اور اہل حدیبیہ میں سے حضرت جابر کے علاوہ کوئی غائب نہیں تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اسی طرح حصہ رکھا جس طرح ان لوگوں کا حصہ رکھا تھا جو غزوہ خیبر میں موجود تھے خیبر کی تقسیم کے ذمہ دار حضرت جابر بن صخر انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت

جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین کے معاملہ کو تھوڑا ہی سمجھتے ہیں وہ جہاد کو ترک کرنا ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنٍ إِلَىٰ قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسٍ شَدِيدٍ تَقَاتِلُونَهُمْ
أَوْ يُسَلِّمُونَ ۚ فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ
قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

”فرمادیتے ہیں ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائیگی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے، پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی منہ موڑا جیسے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ یعنی ان سے کہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پیچھے چھوڑے گئے تھے (1) سُدُّ عَوْنٍ إِلَىٰ قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسٍ شَدِيدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور عطا خراسانی نے کہا: وہ ایرانی لوگ ہیں۔ کعب، حضرت حسن بصری اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا: وہ رومی ہیں۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: وہ ایرانی اور رومی لوگ ہیں۔ ابن جبیر نے کہا: مراد ہوازن ثقیف ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد ہوازن ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد غزوہ حنین کے موقع پر ہوازن اور غطفان ہیں (2)۔ زہری اور مقاتل نے کہا: مراد بنو حنیفہ ہیں جو اہل یمامہ تھے (3) جو مسلمانہ کذاب کے ساتھی تھے۔ رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت سُدُّ عَوْنٍ إِلَىٰ قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسٍ شَدِيدٍ پڑھا کرتے تھے ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ سے قتال کی دعوت دی تو ہمیں علم ہو گیا کہ وہ لوگ بنو حنیفہ ہی ہیں (4)۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا، جبکہ آیت کا ظاہر اس کا رد کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔ جہاں تک عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ مراد ہوازن اور غطفان ہیں جن سے غزوہ حنین میں مقابلہ ہوا تو اس میں یہ دلیل نہیں کیونکہ یہ امر متنع ہے کہ ان کے لیے داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) تو یہ اس امر پر دال ہے کہ داعی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات ہے۔ یہ بات بھی معلوم و مشہور ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قوم کو دعوت نہیں

دی مگر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے انہیں دعوت دی۔ زحشری نے کہا: اگر یہ قتادہ سے ثابت ہو تو معنی ہوگا تم اس وقت تک میرے ساتھ نہیں نکل سکو گے جب تک تم میں دل کا مرض اور دین میں اضطراب موجود ہے یا یہ مجاہد کے قول کے مطابق ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ یہ ہوگا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی نہیں کریں گے مگر بطور نفل ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُقَاتِلُوهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ یہ ان لوگوں کے لیے حکم ہے جس سے جز یہ وصول نہیں کیا جاتا۔ يُسَلِّمُونَ کا عطف تُقَاتِلُوهُمْ پر ہے یعنی دو امور میں سے ایک امر ہوگا یعنی جنگ یا اسلام۔ ان کی تیسری صورت نہیں۔ حضرت ابی کی قرأت میں اویسلمو ایہ حتی یسلموا کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: کُلُّ أَوْ تَشْبَعُ یعنی حتی تشبَعُ شاعر نے کہا:

فَقَلْتُ لَهُ لَا تَبِكْ عَيْنُكَ إِنَّمَا نَحَاوِلُ مُلْكًا أَوْ نَمُوتُ فَتُغْذِنَا (1)

میں نے اسے کہا: تیری آنکھ نہ روئے بے شک ملک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں موت آجائے تو ہم معذور ہو جائیں۔

زجاج نے کہا فرمایا: أَوْ يُسَلِّمُونَ کیونکہ معنی ہے اویسلمون من غیر قتال یعنی جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لیں۔ یہ حکم مشرکوں سے جنگ کرنے کے بارے میں ہے اہل کتاب کے بارے میں نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمْ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا جَرِحْنَ سے مراد دنیا میں غنیمت اور مدد ہے اور آخرت میں جنت ہے وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ قَبْلُ سے مراد حدیبیہ کے موقع پر سفر ہے يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ عذاب الیم سے مراد آگ کا عذاب ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

”نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے اگر یہ شریک جہاد نہ ہو سکیں، اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے بانگات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ تو پانچ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے آیت ہم ہمارا کیا حال ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ ۖ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ یعنی وہ لوگ جو ناپسند ہونے، پانچ ہونے اور کمزور ہونے کی بنا پر جہاد

سے پیچھے رہتے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ سورہ براءۃ اور دوسری سورتوں میں اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ عرج اس بیماری کو کہتے ہیں جو ایک مانگ کو لاحق ہوتی ہے جب ایک میں تکلیف موثر ہے تو دونوں ٹانگوں میں مرض بدرجہ اولیٰ موثر ہوگی۔ مقاتل نے کہا: مراد ایا ج لوگ ہیں جو حدیبیہ کی مہم میں شریک نہیں ہو سکے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معذور قرار دیا تھا یعنی ان میں سے جو تمہارے ساتھ خیر جانا چاہتا ہے تو وہ ایسا کرے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ان امور میں اطاعت کی جس کا اسے حکم دیا گیا یَدْخُلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ نافع ابن عامر نے اسے ندخلہ پڑھا ہے مقصود تعظیم ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے وَمَنْ يَتَّوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ①۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ① وَ مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا
وَ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ①

”یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غلیمتیں بھی عطا کیں جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔“

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یہ بیعت رضوان ہے یہ حدیبیہ میں ہوئی۔ اختصار کے ساتھ حدیبیہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ مصطلق سے واپسی پر شوال میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور ذی قعدہ میں عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے آپ نے مدینہ طیبہ کے پڑوس میں رہنے والے بدوؤں کو بھی اس سفر میں شریک ہونے کی دعوت دی تو ان میں سے اکثر اس میں شریک نہ ہوئے، نبی کریم ﷺ مہاجرین، انصار اور عربوں میں سے جو آپ کے ساتھ شریک ہوئے انہیں لے کر روانہ ہوئے مجموعی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: تعداد پندرہ سو تھی۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ آپ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنا کہ لوگوں کو بتائیں کہ آپ جنگ کے لیے نہیں نکلے جب رسول اللہ ﷺ کے سفر کی خبر قریش کو ہوئی تو ان کی جمعیت رسول اللہ ﷺ کے مسجد حرام اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلی اور اگر آپ ﷺ ان سے جنگ کریں گے تو وہ بھی آپ ﷺ سے جنگ کریں گے انہوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سوار دستہ کے ساتھ کراع الفہم کی طرف روانہ کر دیا یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی جبکہ آپ عسفان میں تھے آپ کا مخبر مبشر بن سفیان کعبی تھا آپ نے ایک راستہ اختیار کیا جو آپ کو ان کے پیچھے پہنچانے والا تھا اور آپ مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے حدیبیہ تک جا پہنچے اس بارے میں آپ کی راہنمائی کرنے والا بنو اسلم کا ایک آدمی تھا۔ جب یہ خبر ان قریش کو پہنچی جو خالد بن ولید کے ساتھ تھے تو وہ

قریش کی طرف چلے تاکہ انہیں اس خبر سے آگاہ کریں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی اوگوں نے کہا: یہ بغیر کسی وجہ کے بیٹھ گئی ہے اور یہ اڑی کر گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس نے اڑی نہیں کی نہ اسکا یہ طریقہ ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، آج قریش جس معاہدہ کی طرف مجھے دعوت دیں گے جس میں صلہ رحمی ہو تو میں انہیں وہ تحریر دے دوں گا“ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں فروکش ہوئے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ اس وادی میں پانی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اپنے صحابہ میں سے ایک ساتھی کو عطا فرمایا تو وہ اس وادی کے ایک بے آباد کنواں میں سے ایک کنوئیں میں اتر اس کے وسط میں اسے گاڑھا تو کثیر پانی سے وہ جوش مارنے لگا یہاں تک کہ وہ پانی سب لشکر کو کافی ہو گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی تیر کے ساتھ اس کنوئیں میں اترتا تھا وہ حضرت ناجیہ بن جندب بن عمیر اسلمی تھے وہ اس دن نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو ہانکنے والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنوئیں میں تیر لے کر جانے والے حضرت براء بن عازب تھے اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور قریش کے کفار کے درمیان سفارت کا سلسلہ جاری ہوا سفراء کی آمد و رفت اور باہم نزاع لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ سہیل بن عمرو عامری آیا تو اس نے آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے جب اگلا سال آئے گا تو عمرہ کے ارادہ سے آئیں گے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں بغیر اسلحہ داخل ہو گئے صرف ان کے پاس تلواریں ہونگی وہ بھی نیاموں میں ہونگی سرور دو عالم ﷺ اور قریش کے درمیان صلح رہے گی، لوگ ان سالوں میں ایک دوسرے سے ملیں گے وہ ایک دوسرے سے امن میں ہوں گے، کفار میں سے جو مرد یا عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے کفار کی طرف لوٹا دیا جائیگا اور مسلمانوں میں سے جو مرتد ہو کر کفار کے پاس چلا جائے گا تو اسے مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا یہاں تک کہ بعض نے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”تم صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس صلح کو اپنے دین کے غلبہ کا سبب بنا دے گا“ پہلے صحابہ کے دلوں میں کچھ دوری پیدا ہو چکی تھی کہ اس گفتگو کے بعد ان میں انس پیدا ہو گیا۔ سہیل بن عمرو نے اس بات سے انکار کر دیا کہ صلح نامہ کے سرنامہ پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھے قریش نے آپ سے کہا: اگر ہم آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کو اس بات سے کیوں روکیں جس کا آپ ارادہ کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آپ لکھیں باسئک اللہم حضرت علی شیر خدا نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول کے لفظ کو مٹانے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسے مجھ پر پیش کرو“ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ الفاظ اپنے ہاتھوں سے مٹا دیے اور حکم دیا کہ وہ لکھیں محمد بن عبد اللہ صلح کی تحریر کے بعد اسی روز حضرت ابو جندل بن سہیل آئے جبکہ وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے والد کے حوالے کر دیا۔ یہ عمل مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا اور ابو جندل کو بھی بتایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دے گا“۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے آپ کو قتل کر دیا ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو دعوت دی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کرنے کی بیعت کریں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ان سے یہ بیعت لی کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان تھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بتایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بتایا کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا تا کہ یہ حضرت عثمان کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔ وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابوسفیان اسدی تھے۔

صحیح مسلم میں ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے (1) ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا، کہا: ہم نے آپ کی اس امر پر بیعت کی کہ ہم نہیں بھاگیں گے، ہم نے موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہ سنا کہ حضرت جابر سے سوال کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے روز کتنے تھے؟ کہا: ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ صرف جد بن قیس انصاری نے بیعت نہ کی وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔

سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اصحاب شجرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اگر وہ ایک لاکھ ہوتے تب بھی وہ ہمیں کفایت کر جاتی، ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ ایک روایت میں ہے: ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ عبد اللہ بن ابی اونی سے مروی ہے کہ بیعت کرنے والے تیرہ سو تھے، بنو اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔ یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے روز تم نے کس چیز پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی؟ جواب دیا: موت پر۔

حضرت سہرء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا یہ وہ تحریر ہے (2) جس پر رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں نے کہا: تم محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھو اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: "اسے منادو" تو حضرت علی نے عرض کی: مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اسے منادوں تو نبی کریم ﷺ نے اسے خود مناد دیا۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور تین دن قیام کریں گے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونگے مگر جلسہ

1- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، مبايعۃ الامام الجيش عند ارادة القتال، جلد 2، صفحہ 129

2- صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، صلح الحدیبیہ، جلد 2، صفحہ 103

السلام۔ میں نے ابواسحاق سے پوچھا: یہ جذبان السلام سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تھیلا اور اس میں جو کچھ ہو۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سہیل بن عمرو نے کہا: جہاں تک باسم اللہ کا تعلق ہے ہم اسے جانتے ہیں ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم جانتے ہیں یعنی بِاسْمِ اللّٰهِ فرمایا: ”لکھو محمد رسول کی جانب سے“ انہوں نے کہا: اتر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کی پیروی کرتے بلکہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو۔ نبی کریم ﷺ فرمایا: ”لکھو محمد بن عبد اللہ کی جانب سے“ انہوں نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ جو آدمی آپ کی جانب سے ہمارے پاس آئے گا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا آپ اسے واپس کر دیں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم یہ شرط لکھیں گے، فرمایا: ”ہاں! ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرمادے گا۔“

ابو وائل سے مروی ہے حضرت سہیل بن حنیف نے صفین کی جنگ کے دن کہا: اے لوگو! اپنی ذاتوں پر تہمت لگاؤ ہم حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اگر ہم جنگ کی وائے رکھتے تو ضرور قتال کرتے (1) وہ صلح رسول اللہ ﷺ اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: ”کیوں نہیں“ عرض کی: کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں؟ فرمایا: ”کیوں نہیں“ عرض کی: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں اور ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: ”اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا“ کہا: حضرت عمر چلے گئے اور غصہ کی وجہ سے صبر نہ کر سکے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا: اے ابو بکر! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں پوچھا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کہا: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ابھی تک فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: اے ابن الخطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اسے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ پر سورہ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کی طرف پیغام بھیجا اور اسے یہ سورت سنائی۔ حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ”ہاں“ تو حضرت عمر کا نفس مطمئن ہو گیا اور واپس آ گئے۔

فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ صحابہ کے دلوں میں جو صدق اور وفا موجود تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا (2)؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ابن جریج اور قتادہ نے کہا: معنی ہے بیعت کے حکم پر ان کے راضی ہونے کو جان لیا کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ مقاتل نے کہا: بیعت کی ناپسندیدگی کو جان لیا کہ وہ موت تک آپ کی معیت میں جنگ کرتے رہیں گے۔

فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ اللَّهُ تَعَالَى نَے ان پر سکینہ کو نازل کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مشرکوں نے انہیں جو روکا اور نبی کریم ﷺ کا خواب پورا نہ ہو اس پر مومنوں کے دل میں جو دکھ تھا اسے جان لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تھا کہ آپ کعب شریف میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ حالت نیند کا خواب تھا“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ارشاد میں اس سال داخل ہونے کا تو کوئی تذکرہ نہ تھا۔ سکینہ سے مراد طمانینت اور وعدہ کی صداقت پر سکون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے صبر ہے۔

وَإِنَّا لَهُمْ مُّشْرِقُونَ ﴿۱﴾ قنادہ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مراد خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے (1)۔ ایک قرات یہ کی گئی ہے وَاْتَاہُمْ۔

وَمَغَانِمَ كَثِيرًا يَأْخُذُونَہَا مراد خیبر کے اموال ہیں۔ خیبر جائیداد اور اموال والا تھا یہ حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ہے مَغَانِمَ اس تعبیر کی بنا پر فَتْحًا قَرِيبًا سے بدل ہے اور واؤ زائدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَغَانِمَ سے مراد فارس اور روم ہے۔

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرًا تَأْخُذُونَہَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲﴾

”(اے غلامانِ مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم اپنے اپنے وقت پر حاصل کرو گے پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ صلح اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تا کہ ہو جائے یہ ہماری نصرت کی نشانی اہل ایمان کے لیے اور تا کہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراطِ مستقیم پر“۔

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرًا تَأْخُذُونَہَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مراد قیامت کے دن تک غنیمتیں ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں (2) فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ سے مراد خیبر ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے۔

وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ النَّاسِ سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی صلح کے ساتھ تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ قنادہ نے کہا: نبی کریم ﷺ جب حدیبیہ اور خیبر کی طرف نکلے تو مدینہ کے یہودیوں کو تم سے روک لیا؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے (3) کیونکہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے ہاتھوں کے روکنے کا ذکر وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ سے مراد عیینہ بن حصن فزاری، عوف بن مالک اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ آئے تھے تاکہ اہل خیبر کی مدد کریں جبکہ نبی کریم ﷺ ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں سے انہیں روک دیا۔

وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ان کی شکست اور تمہاری سلامتی مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اس سے وہ جان جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی حفاظت فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھوں کو تم

سے روک دینا مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنہی نعمت فرمائی ہے وہ مومنوں کے لیے اس بارے میں نشانی ہو جائے کہ آپ اس وعدہ میں سچے ہیں کہ وہ اس نعمت کو ضرور پائیں گے وَاَلَيْسَ كُنْ فِيكُمْ ذُرِّيَّةٌ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ لَمَسَّكُمْ فِي يَوْمٍ ذُو الْقُرَىٰ يَوْمَئِذٍ مِّلَّةٌ مِّنْ دُونِهَا وَمَا كَانَ لِأُولَٰئِكَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٢٧﴾ یعنی تمہیں مزید ہدایت سے نوازے گا یا تمہیں ہدایت پر ثابت قدم کرے گا۔

وَأَخْرَىٰ لَمْ تَقْبَلُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٨﴾

”اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

وَأَخْرَىٰ يہ ہذا پر معطوف ہے تقدیر کا نام یہ بنے گا فاعل لکم ہذا المغانم و المغانم اخروی۔

لَمْ تَقْبَلُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فتوحات ہیں (1) جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں جس طرح فارس اور روم کا علاقہ اور اسی طرح کی دوسری فتوحات جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مقاتل اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے، ضحاک، ابن زید اور ابن اسحاق کا بھی یہ قول ہے: مراد خیبر ہے اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اپنے نبی سے اس کا وعدہ کیا مسلمان اس کی امید تک نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی سحابہ کو خبر دی۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے اور قتادہ کا قول ہے مراد فتح مکہ ہے (2): عکرمہ نے کہا: مراد حنین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَمْ تَقْبَلُوا عَلَيْهَا يہ اس امر پر دل ہے کہ اس کے لیے کوشش پہلے کی گئی اور فی الحال مطلوب کا حصول فوت ہو چکا تھا جس طرح مکہ مکرمہ کے بارے میں تھا؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: قیامت تک کے لیے فتوحات مراد ہیں اور قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے یہ اس چیز کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہو یہ چیز محصور ہے اب اس کے فوت ہونے کا امکان نہیں تم اگرچہ اس وقت اس پر قادر نہیں ہو مگر یہ تمہارے لیے محبوس کی جا چکی ہے وہ تم سے فوت نہ ہوئی یعنی تمہارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا سے مراد ہے وہ جانتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے؛ جس طرح ارشاد فرمایا: وَآَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٢٨﴾ (الطلاق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے محفوظ کر دیا ہے تاکہ اس کی فتح تمہارے لیے ہو۔

وَلَوْ قُتِلْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ تَوَالُوا لَذَبَأْتُمُ اللَّيْلَةَ وَالنَّهَارَ وَلَا تَصِيرُوا ﴿٢٩﴾ سُنَّةٌ

اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٣٠﴾

”اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے دنیا بھر میں اپنا دوست اور

مددگار، یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا۔

وَلَوْ قَاتَلْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا إِلَّاءَ بَارًا قَتَادَةَ نے کہا: مراد قریش کے کفار ہیں (1) جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنو عطفان، بنو اسد اور کفار ہیں جنہوں نے اہل خیبر کی مدد کا ارادہ کیا تھا و بال انہیں پر جا پڑا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَاٰلِيَّآؤًا لَّاصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ سُنَّةٌ سُنَّةٌ سے مراد طریقہ اور عادت ہے جو اس نے اپنے دوستوں کی دشمنوں کے خلاف مدد کی۔ سُنَّةٌ کا لفظ مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُنَّةٌ اللّٰهِ سے مراد کسنتہ اللّٰہ، ہے سُنَّةٌ کا معنی طریقہ اور سیرت ہے، شاعر کہتا ہے:

فَلَا تَجْزَعَنَّ مِنْ سِيْرَةِ اَنْتِ سِيْرَتِهَا فَاَوَّلُ رَاضٍ سُنَّةٌ مِنْ يَسِيْرِهَا

جس طریقہ پر تو چلا ہے اس سے نہ گھبرا جو آدمی کسی راستہ پر چلتا ہے وہی اس پر راضی ہوتا ہے۔

سُنَّةٌ کا معنی یہ بھی ہے یہ مدینہ کی کھجوروں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَ كُمْ

عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

”اور اللہ وہی ہے جس نے رُوب دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں

باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو نہ تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔“

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ یزید بن ہارون نے روایت نقل

کی ہے کہ حماد بن سلمہ، ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے اسی افراد مسلح ہو کر تنعیم پہاڑ سے اترے وہ بے خبری کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ہم نے انہیں جھگڑے کے بغیر پکڑ لیا

اور انہیں زندہ رہنے کا موقع دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جس

درخت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے اسی اثنا میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ تیس نو جوان ہمارے سامنے آگئے جو مسلح

تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا اهل جنتم فی عهد احد اهل جعل لكم احد امانا کیا تم کسی فرد کے عہد و پیمان

میں یہاں آئے ہو یا کسی نے تمہیں امان دی ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جانے دیا تو

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابن ہشام نے کعب سے ذکر کیا ہے: قریش کے ستر یا اسی افراد مسلمانوں پر غارت گری مچانے اور ان کے اطراف میں

کوئی موقع تلاش کرنے کے لیے آئے مسلمان ان کا ارادہ بھانپ گئے تو مسلمانوں نے انہیں قیدی بنا لیا یہ اس وقت ہوا جب

صلح کے بارے میں گفتگو کے لیے سفراء آ جا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان افراد کو غنقاء کہا جاتا ان میں حضرت معاویہ اور ان کے والد بھی تھے۔

مجاہد نے کہا: نبی کریم ﷺ عمرہ کے ارادہ سے نکلے کہ بے خبری کے عالم میں آپ ﷺ کے صحابہ نے حرم سے کچھ افراد کو پکڑ لیا نبی کریم ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا یہ کامیابی مکہ کی وادی میں ہوئی تھی (1)۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی تھا جسے زینم کہا جاتا وہ حدیبیہ کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو مشرکوں نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا نبی کریم ﷺ نے ایک گھڑسوار دستہ بھیجا تو وہ کفار کے بارہ شاہسوار پکڑ کر لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ”کیا تمہارے حق میں میرے اوپر کوئی عہد و پیمانہ ہے؟“ (2) انہوں نے عرض کی: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابزی اور کلبی نے کہا: مراد اہل حدیبیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مسلمانوں سے روک لیے یہاں تک کہ صلح ہو گئی سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا قصد کیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی ان سے روک لیا تھا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت خالد بن ولید مشرکوں کے گھڑسوار دستہ میں موجود تھے۔ قشیری نے کہا: یہ ایک روایت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: صلح کی بات چل رہی تھی کہ ابوسفیان آئے جبکہ وادی میں لوگوں اور اسلحہ کی ریل پیل تھی، کہا: میں چھ مشرکوں کو ہانکتا ہوا لایا جو صلح تھے وہ اپنی ذاتوں کے لیے نفع اور نقصان کے کوئی مالک نہ تھے میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا حضرت عمر راستہ میں تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مشرکوں ہم جنگ جو لوگوں کے پاس آرہے ہیں نہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ ہے اور نہ ہی سواری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں سے ہی مدینہ کی طرف بھیجا تو صحابہ ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کے جانور لے آئے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچ سو سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: ”یہ تیرا چچا زاد ہے جو پانچ سو سواروں کے ساتھ آ رہا ہے“ حضرت خالد نے عرض کی: میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار ہوں۔ اسی دن سے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا گیا ان کے ساتھ گھڑسوار دستہ تھا انہوں نے کفار کو بھگا دیا اور مکہ کی دیواروں تک دھکیل دیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ان کے درمیان لڑائی پتھروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیروں اور تیرکمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کف الید سے مراد معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو وہ ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ مکہ مکرمہ سے کچھ مسلمان نکلے انہیں خوف تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں مشرکوں کی طرف لوٹا دیں گے وہ ساحل سمندر پر اکٹھے ہو گئے ان میں حضرت ابو بصیر بھی تھے وہ کفار پر غارت گری مچاتے اور ان کے قافلے لوٹ لیتے یہاں

تک کہ قریش کے سردار نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: انہیں اپنے پاس بلا لیجئے تاکہ ہم امن میں ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنو عطفان اور بنو اسد نے خیبر کے یہودیوں کا مسلمانوں سے دفاع کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے روک دیا یہی کفت الید ہے۔

بِطْنِ مَكَّةَ اس میں دو قول ہیں: (1) مراد مکہ مکرمہ ہے (2) مراد حدیبیہ ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ حرم کا حصہ ہے۔۔۔ ماوردی نے کہا: مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَ كُمْ عَلَيْهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت صلح حدیبیہ کے متعلق فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جس طرح ہم نے صحابہ اور تابعین میں سے علماء سے روایت نقل کی ہے امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ عبد بن حمید، سلیمان بن حرب سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اسی افراد تنعیم پہاڑ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر اترے جبکہ نماز صبح کا وقت تھا وہ ارادہ رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیں انہیں پکڑ لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابویسی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ جہاں تک فتح مکہ کا تعلق ہے جس پر اخبار دلالت کرتی ہیں کہ وہ زبردستی فتح ہوا اس بارے میں گفتگو سورہ حجر میں اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعَكُومًا أَنْ يَبْلُغَ مَجَلَّتْهُ وَ لَوْلَا رِجَالُ الْمُؤْمِنُونَ وَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑤

”یہی وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا گیا مسجد حرام میں (داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں، اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی انکی طرف سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تاکہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اگر (یہ کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا** مراد قریش ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا اور انہیں اپنی جگہ تک نہ پہنچنے دیا وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن خود سری نے انہیں اس امر پر برا بھلا کیا اور درجاہلیت کی حیثیت نے انہیں دعوت دی کہ وہ وہ کام کریں جس کا وہ بطور دین اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر انہیں شرمندہ کیا اور اس پر انہیں دھمکی دی اور رسول اللہ ﷺ سے اس فرمایا کہ اس امر کی وضاحت کی اور آپ سے وعدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ **وَالْهَدْيِ مَعْلُوفًا** معکوف کا معنی مجبوس ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی موقوف ہے۔ ابن ملاء نے کہا: اس کا معنی مجموع ہے۔ جو بری نے کہا: عكفه أي حسبه ودقفه، يعكفه وَيَعْكُفُهُ عَكْفًا۔ اسے قید رکھنا، روکے رکھنا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَالْهَدْيِ مَعْلُوفًا** یہ جملہ کہا جاتا ہے: **مَا عَكَفْتَ عَنْ كَذَا كَسْ** چیز نے تجھے اس چیز سے روکا؟ اسی معنی میں **الإعتكاف في المسجد** ہے، یعنی مسجد میں رکنا۔

أَنْ يَبْنِيَكُمْ مَجَلَّةً محل سے مراد قربان کرنے کی جگہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مراد حرم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: جس آدمی کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا ہو اس کی ہدی کا محل حرم ہے، محل کسی شے کی غایت کو کہتے ہیں جب محل ہو تو مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جا کر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ ہدی کے جانور ستر اونٹ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کے ساتھ اس جگہ کو ان کا محل بنا دیا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی وضاحت سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَإِنْ أُحْضِرْتُمْ** کے تحت گذر چکی ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو زبیر سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ ہم نے حدیبیہ کے سال اونٹ سات افراد کی جانب سے اور گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی (2)۔ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے ہر سات افراد ایک اونٹ میں شریک ہوتے۔ ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا بدنہ میں اتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جتنے جزور میں شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: وہ بدن ہی تو ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے کہا: ہم نے اس روز ستر اونٹ ذبح کیے تھے ہم آپس میں شریک ہوئے سات افراد ایک اونٹ میں ساتھی بنے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو قریش کے کفار بیت اللہ شریف کی زیارت سے مانع بن گئے رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کو ذبح کیا اور اپنے سر کا حلق کرایا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس روز جس صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا حلق کیا تھا وہ خراش بن امیہ بن ابی العیص خزاعی تھا۔ رسول

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 319

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الاشتراك في الهدى واجزاء المذبحه والبقره، جلد 1، صفحہ 424

3۔ صحیح بخاری، ابواب العمرة، اذا احصر المعتصم، جلد 1، صفحہ 243

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانی دیں اور احرام اتار دیں، صحابہ نے توقف کے بعد یہ کام کیا جس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی: اگر آپ جانور کو ذبح کریں تو وہ بھی ذبح کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانور ذبح کیا تو صحابہ نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا حلق کرایا اور حلق کرانے والوں کے حق میں تین دفعہ دعا کی اور قصر کرانے والوں کے حق میں ایک دفعہ دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ جو میں ان کے چہرے سے گر رہی تھیں فرمایا: ”کیا تجھے یہ جو میں تکلیف دیتی ہیں (1)؟“ عرض کی: جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلق کرانے کا حکم دیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے۔ اسے امام بخاری اور وار قطنی نے نقل کیا ہے، یہ روایت سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَالْهَدْيِ، الْهَدْيِ اور الْهَدْيِ دُونِ لَغْتِيں ہیں اسے حَتَّى يَبْدُغَ الْهَدْيِ مَجْلَهٗ پڑھا گیا ہے یعنی تخفیف و تشدید دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا واحد هِدْيَةٌ ہے سورہ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ اس کا عطف صَدُّوْكُمْ کی ضمیر مخاطب کم پر ہے مَعْكُوْفًا یہ حال ہے اَنْ يَّبْدُغَ مَجْلَهٗ میں ان کا محل حرف جار کے حذف کرنے کے ساتھ نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی صدواکم و صدوا الھدی عن ان یبدغ یہ جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو، گویا یہ فرمایا: و صدوا الھدی کراہیۃ ان یبدغ ابوعلی نے کہا: اس کا عطف پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ عطف فعل متعدی میں آتا ہے آیت میں مَعْكُوْفًا آنا یہ اس امر کے جواز پر دل ہوگا کہ یہ معنی پر محمول ہوگا یا جب یہ جس (روکنا) ہے تو معنی کو اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح رفت کو افضاء کے معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو اسے الی کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا۔ اگر سیبویہ کے قول پر قیاس کریں گے اور خلیل کے قول کے مطابق محل جر ہوگا یا مفعول ہوگا گویا کہا: اسے محسوس کیا گیا ہے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ اپنے محل تک پہنچے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان میں جر کی تقدیر عن کے ساتھ ہو جو گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی و صدواکم عن المسجد الحرام و صدوا الھدی عن اَنْ یبدغ محلہ اس کی مثل وہ روایت ہے جو سیبویہ نے یونس سے بیان کی ہے صورت برجل ان زید وان عمرو۔ حرف جار کو مضمّر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وَلَوْلَا رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَّوْفُوْهُمْ فَتُصِیْبِكُمْ مِنْهُمْ مَّعْرَةٌ لَا یَغْنُوْا عَنْهَا

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَوْلَا رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ مراد مکہ مکرمہ میں مومنوں میں سے کمزور لوگ ہیں جو کفار کے درمیان رہتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی بیعہ، حضرت ابو جندل بن سہیل اور ان کی مثل لوگ ہیں۔ لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ تم انہیں پہنچانتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں۔ اَنْ تَطَّوْفُوْهُمْ تم انہیں قتل کر کے اور ان پر ٹوٹ پڑنے کے ساتھ انہیں روند دو۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: وطئت القوم یعنی ان پر ٹوٹ پڑا۔ اَنْ تَطَّوْفُوْهُمْ اس کے بارے میں جائز ہے کہ یہ رجال و نساء سے بدل کے طور پر مرفوع ہوگا یا تقدیر کلام یہ ہوگی لولا و طکم رجالا

مؤمنین و نساء مومنات۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ کی ضمیر غائب ہم سے بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی لَمْ تَعْلَمُوهُمْ و طأہم دونوں صورتوں میں یہ بدل اشتمال ہے لَمْ تَعْلَمُوهُمْ یہ رجال اور نساء کی صفت ہوگی اور لولا کا جواب محذوف ہے ولو ان تطور جالا مؤمنین و نساء مومنات لَمْ تَعْلَمُوهُمْ لا ذن الله لكم فی دخول مكة ولسنطکم علیہم لیکن وہ لوگ جو اپنے ایمانوں کو مخفی رکھے ہوئے ہیں ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

ضحاک نے کہا: اگر کفار کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں میں مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم ان کے آباء کو روند ڈالو گے تو ان کے بیٹے بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَصِيبُكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً بِغَيْرِ عِلْمٍ معرہ سے مراد عیب ہے یہ عمر سے مفعولہ کا وزن ہے جس کا معنی جرب (خارش) ہے یعنی مشرک کہتے: انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قتل کی وجہ سے تمہیں وہ چیز پہنچتی جو اس وجہ سے تم کو لازم ہوتی ہے یعنی قتل خطا کا کفارہ (1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دار الحرب میں مومن کے قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے دیت لازم نہیں کی جب کہ اس نے ہجرت نہ کی ہو اور اس کے ایمان کا علم بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ (النساء: 92) یہ کلبی، مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: معرۃ کا معنی گناہ ہے۔ جوہری اور ابن اسحاق نے کہا: معنی ہے دیت کی چٹی۔ قطرب نے کہا: سختی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: غم۔

مسئلہ نمبر 3۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ صحابہ کی فضیلت کا ذکر ہے اور ان کی صفت کریمہ کی خبر دی جا رہی ہے کہ وہ معصیت سے دور اور تعدی سے محفوظ رہتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس میں سے کوئی چیز پائیں تو بغیر ارادہ کے وہ چیز ان سے صادر ہوتی ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی صفت بیان کی لَا يَحِطُّ بِكُمْ سُلَيْمٰنٌ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (النمل)

لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَو تَزَيَّلُوا۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ کے متعلق ہے معنی یہ بنے گا اگر تم نہیں قتل کرو گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان کے متعلق ہو۔ مومنات کے علاوہ اسے صرف مؤمنین پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی مؤمنین کو چھوڑ کر اسے مومنات پر محمول کیا جائیگا کیونکہ سارے رحمت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشرکین سے قتال کی اجازت نہیں دی تاکہ اہل مکہ میں سے جن کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ ہوا ہے وہ صلح کے بعد مسلمان ہو جائیں اور اسی طرح ان میں سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَوْ تَزَيَّنُوا تَزِيلُوا کا معنی تمیز و اہے یعنی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جدا جدا ہو جائیں؛ یہ کبھی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو کفار کو تلوار کے ساتھ عذاب دیا جاتا؛ یہ نحاک کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ مومنوں کی وجہ سے کفار کا دفاع کرتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس آیت لَوْ تَزَيَّنُوا کے بارے میں پوچھا، فرمایا: مراد وہ مشرک ہیں جو نبی اللہ کے اجداد (1) میں سے تھے جو ان کے بعد ہوئے اور جو ان کے زمانہ میں ہوئے جن کی پشتوں میں مومن تھے اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب الیم دیتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومن حرمت کی وجہ سے کافر کے ساتھ رعایت کی جائیگی کیونکہ کافر کو اذیت مومن کو اذیت دینے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابو زید نے کہا: میں نے ابن قاسم سے کہا بتائیے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں ہو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہو مشرکوں کے پاس مسلمانوں کے کچھ قیدی ہوں کیا اس قلعہ کو جلادیا جائیگا یا نہیں؟ کہا: میں نے امام مالک سے سنا آپ سے ان مشرکوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو اپنی کشتیوں میں سوار ہیں کیا ہم ان پر آگ برسا سکتے ہیں جبکہ ان کشتیوں میں قیدی بھی ہیں؟ کہا: امام مالک نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اہل مکہ کے لیے فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّنُوا لَعَدَّ بِنَا اِطْرَحَ اِذَا كُوْنِي كَافِرْ كِي مَسْلَمَانِ كُوْذِ حَالِ بِنَا لِي تُو اس کو تیر مارنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تیر مارا اور کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا تو اس پر دیت اور کفارہ ہوگا اگر علم نہ ہو تو نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں علم ہو تو انہیں تیر مارنا جائز نہیں اگر وہ اس کے باوجود ایسا کریں تو وہ خطا قتل کرنے والے ہونگے اور دیت ان کی عاقبت پر ہوگی اگر وہ نہ جانتے تو ان کو تیر مارنا جائز ہو جاتا جب فعل جائز ہو گیا تو یہ جائز نہیں کہ ان پر کسی قسم کا بوجھ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ایک جماعت کا کہنا ہے اس کا معنی ہے اگر وہ عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں سے جدا ہو جاتے (2)۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ جو پشت میں ہے یا پیٹ میں ہے اسے نہیں رونداجاتا اور اس کی وجہ سے کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ لَوْ لَا مَآ جَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَوْهُمُ اَنْ تَطَّوْهُمُ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو عورت کے بطن میں ہو اور مرد کی پشت میں ہو اس کا اطلاق حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ابو جندل بن سہیل پر ہوتا ہے؛ امام مالک نے اسی طرح کہا ہے۔ ہم نے ایک رومی شہر کا محاصرہ کیا پانی ان سے روک لیا گیا وہ قیدیوں کو نیچے اتارتے جو ان کے لیے پانی لے جاتے تو انہیں تیر مارنے پر کوئی قدرت نہ رکھتا تو ہماری پسند کے بغیر پانی مل جاتا۔ امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور امام ثوری نے مشرکوں کے قلعوں پر پتھر پھینکنے کی اجازت دی اگرچہ ان میں مسلمان قیدی اور ان کے بچے ہوں اگر کوئی مشرک مسلمان کے بچے کو ڈھال بناتا ہے تو مشرک پر تیر برسا یا جائیگا اگر کسی مسلمان کو وہ لگ جاتا ہے تو اس میں دیت اور کفارہ نہیں ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس میں

1۔ علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے اجداد کو موحد ثابت کیا ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، ص 1708

کفارہ ہوگا دیت نہ ہوگی۔ امام شافعی ہمارے قول کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ ممنوع کے ہوتے ہوئے مباح چیز کا حصول جائز نہیں خصوصاً جب مسلمان کی زندگی کا سوال ہو۔ اس لیے قول وہی درست ہے جو امام مالک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ان شاء اللہ۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مصلحت ضرور یہ کلیہ قطعاً ہو۔ اس کے ضروری ہونے کا معنی یہ ہے کہ کفار تک تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ اس ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل نہ کیا جائے، کلیہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ ڈھال کو قتل کرنے میں تمام مسلمانوں کی مصلحت ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو کفار اس ڈھال کو قتل کر دیں گے اور تمام امت پر غالب آ جائیں گے قطعاً کا معنی یہ ہے کہ اس ڈھال کو قتل کرنے سے وہ مصلحت قطعی طور پر حاصل ہو جائیگی ہمارے علماء کا کہنا ہے: ان قیود کے ساتھ اس مصلحت کو بنیاد بنانے میں اختلاف نہیں: ہونا چاہیے کیونکہ فرض کیجئے کہ ڈھال بنایا گیا فرد قطعی طور پر قتل ہو جاتا ہے تو وہ دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے گا تو غظیم فساد ظاہر ہو جائے گا وہ دشمنوں کا مسلمانوں پر غلبہ ہے یا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائے گا تو دشمن ہوگا اور تمام مسلمان نجات پا جائیں گے۔

کسی دانشمند کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے: اس صورت میں کسی وجہ سے بھی ڈھال کو قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ اس طریقہ کی ڈھال سے اسلام اور مسلمان سب برباد ہو جائیں گے لیکن جب یہ مصلحت فساد سے خالی نہیں تو وہ آدمی جو اس میں وقت نظر سے کام نہیں لیتا اس کا نفس اس سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ فساد اس حاصل ہونے والے نفع کے مقابلہ میں معدوم ہے یا معدوم کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ نام قراءت **لَوْ تَزَيَّلُوا** ہے مگر ابو حیوہ نے اسے **لَوْ تَزَايَلُوا** پڑھا ہے معنی میں یہ بھی تزیلوا کی طرح ہے تزیل کا معنی جدا ہونا ہے تزیلوا یہ تفعیلوا کا وزن ہے یہ زلت سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ تفعیلوا کا وزن ہے۔

لَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام یہاں سے یہ دو کلاموں کا جواب ہے: (1) **لَوْلَا رَجَالٌ** (2) **لَوْ تَزَيَّلُوا** ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ لولا کا جواب محذوف ہے جبکہ وہ پہلے گزر چکا ہے اور **لَوْ تَزَيَّلُوا** سے نئی کلام شروع ہو رہی ہے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ فَإِنَّ اللَّهَ سَكِينَتَهُ عَلَى

رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَ

كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

”جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اڈ میں عامل لعذبنا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لعذبناهم إذ جعلوا هذا یا یہ فعل مضمرب ہے تقدیر کلام اذ کہوا ہے الحبیۃ یہ

فعلیۃ کا وزن ہے جس کا معنی ضد ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَبِيتَ عَنْ كَذَا حَبِيَّتًا وَمَحَبِيَّتًا۔ جب تو اس سے خوداری کا اظہار کرے اور تجھے شرمندگی لاحق ہو کہ تو اس امر کو کرے۔ اسی معنی میں متمسک کا قول ہے:

أَلَا إِنِّي مِنْهُمْ وَعِزِّي عِزُّهُمْ كَذِي الْأَنْفِ يَحِي أَنْفَهُ أَنْ يَكْشِبَنَا

خبردار! میں ان میں سے ہوں اور میری عزت انکی عزت ہے جس طرح خودار آدمی ہوتا ہے وہ اس امر سے حمیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی ناک توڑ دی جائے۔

زہری نے کہا: ان کی حمیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا (1) اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ساتھ کلام شروع کرنے سے ضد کا اظہار تھا اور صحابہ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا جو آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے سے رک گیا تھا وہ سہیل بن عمرو تھا جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت سے مراد ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں عصیت کا اظہار ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں ضد تھی کہ وہ کسی اور کی عبادت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَبِيَّتَةُ الْجَاهِلِيَّةِ يهے کہ انہوں نے کہا: انہوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کیا پھر وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں لات وعزی کی قسم! وہ اس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلَى رَأْسُوْهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَكِيْنَةً سے مراد طمانیت اور وقار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تسلیم و رضا کے اوپر پختہ کرنا ہے کفار کے دلوں میں جو ضد داخل کی وہ ان کے دلوں میں داخل نہیں کی۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى يهے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے ایک مرفوع حدیث ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے (3) یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمہ بن کہیل، عبید بن عمیر، طلحہ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کا قول ہے یہی قول عطا خراسانی کا ہے انہوں نے مُحَمَّدًا رَأْسُوْهُ اللّٰهُ کا اضافہ کیا۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ واللّٰهُ اکبر ہے۔ عطا بن ابی رباح اور مجاہد نے یہ بھی کہا اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (4) ہے۔ زہری نے کہا: مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے یعنی مشرکوں نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے لیے خاص کیا۔ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ساتھ شرک سے بچا جاتا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد اخلاص ہے (5) وَكَانُوا أَحْسَبُهَا وَأَهْلَهَا وَهِيَ كَفَارٌ مَكَّةَ کی نسبت اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے دین اور اپنے نبی کی صحبت کے لیے انہیں پسند کر لیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ
أَمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسِكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ

مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتَحَاقِرِيًّا ۝

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، پس جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرمادی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔“

قادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں اس حالت میں داخل ہوں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کر لی تو منافقوں کو شک ہو گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ وہ اس سال کے علاوہ اور کسی سال میں مکہ مکرمہ داخل ہو گئے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابو بکر صدیق نے ہی یہ بات کی تھی کہ خواب کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا آپ ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ خواب حدیبیہ کے متعلق ہی تھا اور انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں اور خواب انبیاء کو وحی کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہوا کرتی ہے۔

لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ یعنی آنے والے سال تم اس میں داخل ہو گے۔ ابن کیسان نے کہا: نبی کریم ﷺ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا یہ اس کی حکایت ہے۔ عیند میں آپ کو خطاب کیا گیا جس طرح معمول تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ اس نے یہ بات کی ہے اسی وجہ سے استثناء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعلیم دی اسی پر عمل کیا جب ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۖ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الکہف)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایسے امر میں استثناء کی جو معلوم ہے تاکہ مخلوق اس چیز میں استثناء کرے جس کا وہ علم نہیں رکھتے؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء امونین سے ہے یہ کلام بندوں کے خطاب کی طرف لوٹے گی جس طرح معمول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنْ شَاءَ اللَّهُ کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہیں داخل ہونے کا حکم دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ تجھے سہولت دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان شاء اللہ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابو عبید نے کہا: ان یہ اذ کے معنی میں ہے (2) یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰمِنُوۤا تَتَّقُوا اللّٰهَ وَذُرُّوۤا صَٰبِقٰتِیۡنَ مِنَ التَّوۡبٰتِ اِنَّ لَکُمْ مِّنۡ وَّوۡدِیۡنَ ۝۱۰۱ (البقرہ) یہ بھی اذ کنتم کے معنی میں ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ اذ زمانہ ماضی اور اذ زمانہ مستقبل میں فعل کو خاص کرنے کے لیے آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور مشیت

کی شرط کے ساتھ اسے متعلق کر دیا یہ حدیبیہ کے سال ہوا آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خبر دی تو صحابہ اس سے بہت خوش ہوئے پھر یہ اس سال سے مؤخر ہو گیا جس میں انہوں نے طمع کی تو اس نے انہیں دکھ دیا یہ معاملہ ان پر شدید ہوا رسول اللہ ﷺ نے قریش سے صلح کی اور واپس لوٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنے والے سال میں اجازت دی تو یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُوْلَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ خواب میں آپ کو کہا گیا تھا: لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللَّهُ آپ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا تھا قرآن حکیم میں اس کی حکایت بیان کی گئی ہے یہاں کوئی شک وغیرہ کا معاملہ نہیں جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ استثناء شک پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی شک نہیں۔ لَتَدْخُلَنَّ یہ تو تحقیق ہے تو شک کیسے ہو گا ان، اذا کے معنی میں ہے اٰمِنِيْنَ یعنی دشمنوں سے امن میں ہونگے۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسِكُمْ وَ مُتَقَبِّرِيْنَ حَلْقٍ اور قصر سب مردوں کے لیے ہے اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر غلبہ دیا۔ حلق کرنا افضل ہے، عورتوں کے لیے صرف بال چھوٹے کرانے کا حکم ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے بال مردہ پر چوڑے پھل والے تیرے کاٹے تھے۔ یہ عمرہ میں ہوا تھا حج میں نہیں ہوا تھا کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے حج میں حلق کروایا تھا (1)۔

لَا تَخَافُوْنَ يٰۤاٰمِنِيْنَ اور مقصرین سے حال ہے تقدیر کلام یوں ہے غیر خائفین۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا یعنی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں تاخیر میں جو بھلائی اور بہتری ہے تم اسے نہیں جانتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نبی آپ حدیبیہ سے واپس آئے تو خیبر کی طرف چل دیئے اور اسے فتح کر دیا آپ خیبر کے اموال کے ساتھ واپس لوٹے اس سال میں جو قوت اور سامان پہلے تھا اس سے کئی گنا حاصل کیا اور اس سے کئی گنا سامان اور قوت کے ساتھ مکہ کی فتح کے لیے گئے۔ کلبی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (2) کہ ان کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ایک سال تک ہو گا تم اسے نہیں جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ یعنی نبی کریم ﷺ کی خواب کے علاوہ کی فتح مقرر کر دی؛ یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے؛ یہ اکثر مفسرین کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دور اسلام میں جو فتوحات نصیب فرمائیں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر ان میں سے کوئی فتح نہیں تھی کیونکہ جب لوگ ملتے ہیں تو باہم جنگ ہوتی ہے (3) جب صلح ہوئی تو جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ آپس میں ملے گفتگو کی کوئی آدمی اسلام کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا جبکہ وہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہو تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے ان دو سالوں میں اسلام میں اتنے افراد داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے شامل ہوئے تھے یا اس سے زیادہ داخل ہوئے تھے۔ اس امر پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے حدیبیہ جو چھ ہجری کا سال ہے صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو تھی حدیبیہ کے سال کے بعد آٹھ

ہجری کو تعداد دس ہزار تھی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۗ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

”وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور رسول کی صداقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔“

رَسُوْلُهُ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یعنی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ دین کے معنی میں مصدر ہے اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رسول کو تمام دین پر غالب کر دے یعنی جو دین مشروع کیا ہے دلیل کے ساتھ اس پر غالب کر دے یعنی ہاتھ اور تلوار، باقی ماندہ کو منسوخ کر دیا۔

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ شہیداً تفسیر کے طور پر منصوب ہے باء زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے شہید کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے حق میں شہادت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو معجزات کے ساتھ واضح کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا اس پر گواہ ہے کیونکہ کفار نے اس امر کا انکار کیا کہ وہ یہ لکھیں یہ وہ چیز ہے جس پر محمد ﷺ نے صلح کی۔

مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ مُرَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ
رُكْعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ
السُّجُودِ ۗ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۗ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۗ كَزُرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ
فَأَزْرَأَهُ فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَّ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

”(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب کار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان کے (ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی مرقوم ہیں (یہ صحابہ) ایک کیفیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تنے پر اس کا جو بن خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تاکہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار، اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 - مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ مُحَمَّدٌ مَبْتَدَا اور رسول اس کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ محمد مبتدا ہے اور رسول اللہ اس کی صفت ہے وَالَّذِينَ مَعَهُ کا عطف مبتدا پر ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف نہیں ہوگا پہلی تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صفات آپ کے صحابہ کی صفات سے بڑھ کر ہیں پس لفظ محمد مبتدا رسول اللہ اس کی خبر ہوگی وَالَّذِينَ مَعَهُ دوسرا مبتدا اور شہداء اس کی خبر ہوگی۔ اور رحماء دوسری خبر ہوگی نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ میں ان صفات کا ہونا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل حدیبیہ کفار پر شدید ترین تھے یعنی بہت زیادہ سخت تھے جس طرح شیر اپنے شکار پر سختی کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَالَّذِينَ مَعَهُ سے مراد تمام مومن ہیں۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باہم شفقت کرتے ہیں اور باہم محبت کرتے ہیں: حضرت حسن بصری نے أَشَدَّ آءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، گویا کہا: الذین معہ فی حال شدتہم علی الکفار وتراحمہم بینہم یعنی حضور کے صحابہ کفار پر حالت شدت میں اور آپس میں رحم کرنے کی حالت میں ہیں۔

تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجْدًا ان کے بارے میں یہ خبر دینا ہے کہ وہ بہت زیادہ نماز پڑھتے ہیں يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى سے جنت اور رضا کے طلب گار ہیں۔

مسئلہ نمبر 2 - سَبَّأَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ سبھا سے مراد علامت ہے اس میں دو لغتیں ہیں یعنی مد اور قصر، یعنی ان پر رات کے وقت بیدار ہونے اور جاگنے کی علامات روشن ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے اسماعیل بن طلحہ، ثابت بن مویٰ ابو یزید سے وہ شریک سے وہ اعمش سے وہ ابوسفیان سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسَنٌ وَجْهَهُ بِالنَّهَارِ (1) جس کی رات کے وقت نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی غلط طریقہ سے حدیث کے معنی کو چھپانے کی کوشش کی اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز مروی نہیں (2)۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو زمین پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتی ہے؛ سعید بن جبیر نے بھی یہی کہا ہے۔

حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اکیس رمضان کی صبح کو نماز پڑھی جبکہ مسجد کا چھت بارش کی وجہ سے ٹپکا تھا وہ چہرہ نما تھی نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے جبکہ آپ کی پیشانی اور ناک کے بانے پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو قیامت کے روز چہرے پر ہوگی (3)؛ یہ قول سعید

1- سنن ابن ماجہ، اقامة الصلوة والسنة فیہا، باب ما جاء فی قیام اللیل، صفحہ 95۔ ایضاً حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3- تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 127

2- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1719

بن جبیر نے بھی کیا ہے اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی ہے ”جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے گا کہ اسے جہنم سے نکالے تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا اسے جہنم سے نکالوا اللہ تعالیٰ جس پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا (1) وہ وہ ہوں گے جو یہ کہتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ فرشتے انہیں سجدہ کے نشان سے پہچان لیں گے، آگ انسان کو کھا جائے گی مگر سجدہ کا اثر باقی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ آگ کا نشان کھا جائے۔“

شہر بن حوشب نے کہا: ان کے چہروں میں سے سجدوں کی جگہیں یوں ہوں گی جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ سیمانیا میں ہوگی وہ اچھی تعریف ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے سیمانیا میں فی وجوہہم کے بارے میں پوچھا کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں بعض اوقات انسان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے کی طرح چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد خشوع کی وجہ سے ان کے چہروں پر نور ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد وقار اور رونق ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: مراد رات کی عبادت کی وجہ سے چہرے کی زردی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب تو انہیں دیکھے گا جبکہ وہ مریض نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ان کے چہروں میں زخم کا اثر نہیں بلکہ مراد زردی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں جب صبح کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے: ”جورات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے (2)“ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ فَرَاءَ نے کہا: اس کی دو وجوہ ہیں: اگر تو چاہے تو کہے: معنی ہے جس طرح ان کے اوصاف قرآن میں ہیں اسی طرح ان کے اوصاف تورات و انجیل میں ہیں تو وقف الإنجیل پر ہوگا اگر تو چاہے تو کہے: کلام کا اختتام مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ پر ہے پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے اور کہے: وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ اس صورت میں وقف التَّوْرَةِ پر ہوگا۔ مجاہد نے کہا: ہو مثل واحد (3) یعنی یہ تورات اور انجیل میں ان کی صفت ہے اس صورت میں التَّوْرَةِ پر وقف نہیں ہوگا۔ وقف الإنجیل پر ہوگا اور پھر کلام نئے سرے سے شروع کرے گا۔ كُذِّرَ أَخْرَجَ شَطَطًا معنی ہوگا: وہم کذرع، شَطَطًا سے مراد اولاد ہے؛ یہ ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایک پردا ہے جب اس کے بعد کوئی چیز نکلے تو یہ اس کے لیے کہیں گے: فقد شطأه۔ انخس نے أَخْرَجَ شَطَطًا کے بارے میں کہا: یعنی وہ اپنی طرف نکالتا ہے، ثعلبی نے اسے کسائی سے روایت نقل کیا ہے۔ فراء نے کہا: اشطأه الذرع فهو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد عن الجہمیۃ و لعیہم، جلد 2، صفحہ 1106

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 259

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ و السنۃ فیہا، ما جاء فی قیام اللیل، صفحہ 95

مشطی۔ جب وہ نکلے۔

شاعر نے کہا:

أخرج الشطأ عن وجه الثرى ومن الأشجار أفتان الشر

اس نے روئے زمین پر کوئیل نکالی اور درختوں سے مختلف قسم کے پھل حاصل ہوتے ہیں۔

زجاج نے کہا: أَخْرَجَ شَطْطَةً یعنی اس نے نباتات کو نکالا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شَطْطَةٌ سے مراد بالی کا کانٹا ہے عرب

اسے سنا بھی کہتے ہیں یہ بھی ہے (ایک جڑی بوٹی سبز ہوتی اس سے بھیڑ بکریوں کو شدید درد ہو جاتا ہے)؛ یہ قطرب کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بالی ہے ایک دانہ سے دس، نو اور آٹھ بالیاں نکلتی ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ماوردی نے

اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان نے شطاہ طاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

حضرت انس، نصر بن عاصم اور ابن وثاب نے شطاہ پڑھا ہے جس طرح عصا ہوتا ہے۔ محمد ری اور ابن ابی اسحاق نے ہمزہ

کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ سب لغتیں ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بیان فرمائی ہے یعنی وہ تھوڑے ہو گئے پھر زیادہ ہو گئے اور

پھر کثیر ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کمزور تھے ایک کے بعد ایک نے دعوت کو

قبول کیا یہاں تک کہ آپ کا معاملہ قوی ہو گیا جس طرح ایک دانہ ہوتا ہے پہلے وہ کمزور ظاہر ہوتا ہے پھر ایک حال کے بعد

دوسرے حال میں قوی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پودا اور شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ترین اور قوی ترین مثال ہے۔

قنادہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم سے ظاہر ہو گئے جو کھیتی باڑی کریں

گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے رد کریں گے (1)۔

فَازِرًا اے قوی کیا یا اس کی مدد کی اور اے مضبوط کیا یعنی اس کو نیل نے کھیتی کو مضبوط کیا۔ ایک قول اس کے برعکس

ہے۔ یعنی کھیتی نے کوئیل کو مضبوط کیا۔ عام قراءت فَازِرًا ہے یعنی مد کے ساتھ ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ اور حمید بن قیس نے

فازرہ قصر کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح نَعْلَهُ ہے معروف مد ہی ہے؛ امراء القیس نے کہا:

بَسْحَنِيَّةٌ قَدْ آذَرَ الضَّالَّ نَبْتُهَا مَجْرًا جِيُوشِ غَانَمِينَ وَخَيْبٍ (2)

محل استدلال قد آذرا ہے۔

فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِمْ سَوْقٍ سے مراد عدد (لکڑی) ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے پس وہی اس کے لیے پنڈلی ہے۔ سَوْقٍ یہ

سیاق کی جمع ہے يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یہ کھیتی کا شتکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کھیتی سے

مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور شطا سے مراد صحابہ کرام ہیں وہ تھوڑے تھے پھر زیادہ ہو گئے، کمزور تھے قوی ہو گئے؛ یہ

نخاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ لِيَخْفِظَ بِهِمُ الْكَلِمَاتِ لام حرف جار مخذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے فعل

انہذا الحمد صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ لیغیظ بہم الکفار۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن ہیں جن کے اعمال صالح ہیں مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ① یعنی ایسا ثواب جو ختم نہ ہوگا وہ جنت ہے منہم میں من بعضیہ نہیں یعنی بعض صحابہ کو بعض سے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ عام ہے یعنی بیانیہ ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاجْتَنِبُوا الزُّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج: 30) اس میں تبعیض کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ یہ جنس کو بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس ناپاکی سے بچو جو اوثان کی جنس سے ہے کیونکہ ناپاکی کئی اجناس سے واقع ہو سکتی ہے ان میں زنا، سود، شراب نوشی اور جھوٹ ہے من داخل کیا گیا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح منہم ہے یعنی اس جنس سے یعنی صحابہ کی جنس سے، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: أَنْفَقَ نَفَقَتِكَ مِنَ الدَّرَاهِمِ یعنی اپنا خرچہ اس جنس سے بنا دے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کو مغفرت کے وعدہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مقصد ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ آیت میں ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ ہے کہ من کلام کی تاکید کے لیے ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے یہ بھی عربی کے قول کے قائم مقام ہے قطعت من الشوب قمیصا مراد ہے تمام کپڑے کو قمیص بنا دیا۔ من یہاں بعضیت کو ثابت کرنے کے لیے ہے قرآن میں سے اس کا شاہد وَ نُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ (الاسراء: 82) ہے۔

اس کا معنی ہم قرآن کو شفا دینے کے لیے نازل کرتے ہیں اس کا ہر حرف شفا دیتا ہے شفاء اس میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں۔ لغویوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو من کو جنسیہ کہتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی منزل الشفاء من جنس القرآن و من جهة القرآن و من ناحية القرآن زہیر نے کہا:

أمن أفأذنی دمنة لم تكلم کیا تو ام اوئی دمنہ سے بات نہیں کرے گا۔ یہاں بھی من جنسیہ ہے ایک اور شاعر نے کہا:

أخو زغائب يعطيها ويسألها يابى الظلامه منه التوفل الوفل

اس شعر میں بھی من کسی چیز کی تقسیم کو بیان نہیں کرتا کیونکہ مقصود یابى الظلامه ہے کیونکہ وہ نوفل زفر ہے۔ نوفل سے مراد کثیر عطیہ ہے، زفر سے مراد لوگوں کی جانب سے بوجہ اور مشقت اٹھانے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابو عروہ زبیری حضرت زبیر کے بیٹے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا امام مالک نے اس آیت کو پڑھا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجْدًا يَلْبَسُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَّئَاتِهِمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكُمْ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزُرٍّ أَخْرَجَ سَطْفًا فَازْرَأْ فَاسْتَعْلَقْ فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ امام مالک نے کہا: لوگوں میں سے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بغض ہو تو وہ اس آیت کا مصداق ہوگا (1)؛ خطیب

ابو بکر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے بہت اچھی بات کی اور درست تاویل بیان کی ہے جس آدمی نے ان صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں تنقیص کی یا اپنی روایت میں کسی ایک پر بھی طعن کیا تو اس نے اللہ رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کے شرعی احکام کو باطل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ** اس کے علاوہ دوسری آیات ہیں جو ان کی تعریف کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے صدق اور فلاح کی شہادت کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23)** ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُضْرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ** (الحشر) ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْهَا جِزَاءً لِمَا هُمْ بِيعِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤِثِّرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (الحشر)۔ یہ سب کچھ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور مال کو جانتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (1)** لوگوں میں سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا لَمْ يَدْرِكْ مَدًّا أَحَدَهُمْ وَلَا نَصِيفَهُ (2)** تم میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کے صدقہ کے ایک مد (ایک پیانہ) اور اس کے نصف مد تک نہیں پہنچتا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں **فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مَا فِي الْأَرْضِ لَمْ يَدْرِكْ مَدًّا أَحَدَهُمْ وَلَا نَصِيفَهُ** ہے۔ اگر تم میں سے کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے برابر خرچ کرے تو وہ ان کے صدقہ کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ان کے ایک مد تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے نصف مد تک پہنچتا ہے۔ نصیف سے یہاں نصف مراد ہے اسی طرح عشر کو عشر، خمس کو خمس، تسع کو تسع، ثمن کو ثمن، سدس کو سدس، ربع کو ربع کہتے ہیں، عرب ٹلٹ کو ٹلیٹ نہیں کہتے۔

مسند بزار میں حضرت جابر سے ایک صحیح مرفوع حدیث مروی ہے: **إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ وَالرَّسُلِينَ وَاخْتَارَ لِي مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً يَعْنِي أَبِي بَكْرًا وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ فَجَعَلَهُمْ أَصْحَابِي (3)**۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار کو چنا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا: **بِئِنَّ أَصْحَابِي كُلَّهُمْ خَيْرٌ مِزِّي** تمام صحابہ میں بھلائی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب السناقب، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 515

2۔ صحیح بخاری، کتاب السناقب، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم **سَدُّوا لَهَاوَابَ الْأَهَابِ أَبِي بَكْرٍ**، جلد 1، صفحہ 518

3۔ کنز العمال، جلد 13، حدیث نمبر 36708

عوم بن ساعدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان میں سے میرے لیے وزراء، داماد اور سسرال بنائے، جو ان کو گالیوں دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کرے گا“ (1)۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں، ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں نازیبا بات کرنے سے بچو جس طرح ان لوگوں نے کیا جنہوں نے دین میں طعن کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ معوذتین ”سورہ فلق اور سورہ ناس“ قرآن میں سے نہیں ان دونوں سورتوں کے قرآن حکیم میں سے ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مگر عقبہ بن عامر کی ایک روایت ہے اور عقبہ بن عامر ضعیف (2) ہے کسی اور نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کی پس اس کی روایت چھوڑ دی جائیگی کتاب و سنت میں سے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے یہ اس قول کا رد ہے اور دین کی جو باتیں صحابہ نے نقل کی ہیں اس کا ابطال ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر ان لوگوں میں سے ہیں جن سے ہمارے لیے شرعی احکام نقل کیے گئے ہیں ان سے مروی روایات بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں ہیں یہ بھی ان میں سے ہوئی جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح بیان کی ان کی صفت کا ذکر کیا ان کی تعریف کی ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ذکر کیا۔ جو آدمی آپ کی یا صحابہ میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے تو وہ شریعت سے خارج ہے، قرآن کا ابطال کرنے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے۔ کسی ایک کی یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب نہیں جس نے صحابہ کو گالیاں دیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت کی ان میں سے بہت سے جھوٹے مرتبہ والے کو جھٹلانا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں) اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہے جس کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ہر اس فرد پر اس کو لازم کیا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی یا اس پر طعن کیا۔

عمر بن حبیب سے مروی ہے کہ میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا کہ ایک بحث چھڑ گئی جس میں حاضرین نے جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں ان میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے ان میں سے بعض نے ایک حدیث کو مرفوع ذکر کیا باہم نزاع اور جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس حدیث کو قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی روایات ہیں ان میں ان پر تہمت لگائی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کے جھوٹ کی تصریح کی۔ میں نے ہارون رشید کو دیکھا کہ اس نے ان کی طرف داری کی اور ان کے قول کی مدد کی، میں نے کہا: حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرنے میں صحیح ہیں اور جو وہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اس میں صحیح ہیں۔ رشید نے مجھے

1۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث نمبر 32466

2۔ اس امر کو واضح کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحابہ پر طعن کرتے ہیں وہی لوگ معوذتین کے قرآن کا جز ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہی لوگ حضرت عقبہ بن عامر کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عقبہ بن عامر سے بے شمار روایات مروی ہیں۔ مترجم۔

غضبناک نظروں سے دیکھا میں مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر چلا آیا کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ ڈاکیا دروازے پر آیا وہ داخل ہوا اور مجھے کہا: مقتول کی حیثیت سے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرو خوشبو اور کفن کا انتظام کر لیجئے۔ میں نے کہا: اے میرے اللہ! تو جانتا ہے میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے اور اس بارے میں تیرے نبی کی تعظیم کی ہے کہ آپ کے صحابہ پر طعن کیا جائے، مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں ہارون رشید کے پاس گیا وہ سونے سے بنی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کے سامنے چمڑے کی چٹائی پڑی ہوئی تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا: اے عمر بن حبیب! میری بات کا ایسا جواب مجھے کسی نے نہیں دیا جیسا جواب تو نے مجھے دیا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! جو کچھ آپ نے کہا اور جو جھگڑا کیا اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور جو پیغام حق آپ لائے ہیں اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ چھوٹے ہیں تو شریعت باطل ہے روزوں، نماز، طلاق، نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود غیر مقبول ہوں گے۔ اس نے اپنی طرف توجہ کی پھر کہا: اے عمر بن حبیب! تو نے مجھے نئی زندگی دی اللہ تعالیٰ تجھے زندگی عطا کرے اور مجھے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: صحابہ سب کے سب عادل ہیں اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں انبیاء کرام اور رسل کے بعد وہ اس کی بہترین مخلوق ہیں؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس امت کے ائمہ کی جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے یہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ صحابہ کا حال دوسروں کے حال کی طرح ہے اس وجہ سے ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو انکے احوال کے درمیان بداءۃ امر کے حوالے سے فرق کرتے ہیں کہا: پہلے پہل وہ عادل تھے پھر ان کے احوال بدل گئے ان میں جنگیں اور خون خرابہ ہوا اس لیے بحث ضروری ہے۔ ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام میں سے بہترین اور جلیل القدر ہستیاں جیسے حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جو ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی، ان کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں راضی کیا اور اس ارشاد کے ساتھ ان کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا: مَغْفِرَةٌ وَاَجْرًا عَظِيمًا خصوصاً دس عشرہ مبشرہ جن کی جنت کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی وہ سردار ہیں جبکہ ان کے بارے میں کثیر آزمائشیں اور امتحانات آتے رہے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے بعد ہوا جس کی خبر نبی کریم ﷺ انہیں دے گئے تھے ایسے امور ان کے مرتبہ اور فضیلت کو ساقط کرنے والے نہیں کیونکہ یہ امور اجتہاد پر مبنی ہیں ہر مجتہد ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورہ حجرات میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔

سورۃ الحجرات

﴿سُورَةُ الْحَجَرَاتِ مَكِّيَّةٌ مَثْنِيَةٌ ١٠٦ آيَاتٍ﴾ ﴿رُكُوعَانِهَا ٢﴾

یہ سورت مدنی ہے اس پر اجماع ہے۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦ وَاثِقُوْا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَبِيْغٌ عَلِيْمٌ ۝۱

”اے ایمان والو آگے نہ بڑھا کرو اللہ تعالیٰ کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦ علماء نے کہا: عربوں میں نبی کریم ﷺ سے خطاب میں سختی اور سوء ادبی تھی اسی طرح وہ لوگوں: القاب دینے میں بھی یہی رویہ اپناتے تھے یہ سورت مکارم اخلاق اور آداب کی رعایت کے حکم کے متعلق ہے۔ ضحاک اور یعقوب نے لا تقدّموا تاء اور دال کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ تقدّم سے مشتق ہے باقی قراء نے تُقَدِّمُوْا تاء کے ضمّ اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ تقدیم سے مشتق ہے دونوں کا معنی ظاہر ہے یعنی تم کوئی ایسا قول نہ کرو اور نہ ایسا فعل کرو جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے متجاوز ہو اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل سے آگے نہ بڑھو جس کا حصول نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی ہو۔ جو اپنے قول اور فعل میں رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی حکم دیتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس کا سبب نزول کیا ہے اس بارے میں چھ اقوال ہیں:

(1) ابن جریج کی حدیث سے واحدی نے اسے ذکر کیا ہے: کہا حضرت ابن ملیک نے حضرت عبد اللہ بن زبیر سے روایت نقل کی ہے (1) کہ بنو تمیم کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: تعقاع بن معبد کو امیر مقرر کیجئے، حضرت عمر نے عرض کی: اقرع بن حابس کو امیر مقرر کیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: تو نے محض میری مخالفت کی وجہ سے یہ بات کی ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ دونوں نے گفتگو لمبی کی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اس بارے میں یہ آیات يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ

رَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
 بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ
 اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
 أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ نَازِلٌ هُوَ مِنْ رَبِّكَ يُخَبِّرُكَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 نقل کیا اور مہدوی نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ (2) روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو مدینہ طیبہ
 پر نائب بنائیں جب آپ خیر کی طرف تشریف لے گئے حضرت عمر نے ایک اور آدمی کے بارے میں مشورہ دیا تو یہ آیات نازل
 ہوئیں؛ اسے بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ (3) ماوردی نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے
 ہیں (1) کہ نبی کریم ﷺ نے چوبیس صحابہ کو بنی عامر کی طرف بھیجا بنی عامر نے انہیں قتل کر دیا مگر تین آدمی پیچھے رہ گئے وہ
 سلامت رہے اور مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹ آئے وہ بنو سلیم کے دو آدمیوں سے ملے انہوں نے ان دو افراد سے ان کے
 نسب کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: بنی عامر سے تعلق رکھتے ہیں کیوں کہ بنی عامر، بنو سالم سے زیادہ معزز شمار ہوتے
 تھے۔ ان صحابہ نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ بنی سلیم کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض
 کی: ہمارے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے اور ہم میں سے آدمی قتل کر دیئے گئے ہیں نبی کریم ﷺ نے ان کی دیت سو
 اونٹ عطا فرمائی؛ ان دو آدمیوں کے قتل کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (4) قتادہ نے کہا: کچھ لوگ کہا کرتے تھے
 کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی، کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔
 (5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں منع کیا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کلام کریں۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ
 اور اس کے رسول سے پہلے ہی حکم نہ دے دیا کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر حکم دے؛ اسے امام بخاری نے
 بھی ذکر کیا ہے۔ (6) حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں (3) جنہوں نے رسول
 اللہ ﷺ کی جانب سے نماز ادا کرنے سے قبل ہی قربانیاں کر دی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ ذبح
 کریں۔ ابن جریج نے کہا: وہ وقت جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے اس سے قبل تم طاعات کے اعمال نہ کرو۔
 میں کہتا ہوں: یہ آخری پانچ اقوال انہیں قاضی ابوبکر بن عربی نے ذکر کیا اور اس سے قبل ماوردی نے اچھی طرح وضاحت
 کی قاضی نے کہا: یہ سب صحیح ہیں (4) عموم کے تحت داخل ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے جو ان آیات کے نزول کا
 سبب ہے ممکن ہے بغیر سبب کے نازل ہوئیں ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ قاضی نے کہا: جب ہم یہ کہیں کہ یہ طاعات کو ان
 کے اوقات سے پہلے لانے میں نازل ہوئی ہے تو وہ بھی صحیح ہے کیونکہ ہر وہ عبادت جس کا ایک خاص وقت ہو تو وقت سے پہلے
 اسے ادا کرنا جائز نہیں ہوتا جس طرح نماز، روزہ، حج یہ سب واضح ہیں مگر علماء نے زکوٰۃ پر اختلاف کیا ہے جو عبادت مالیہ ہے

اور معنی مفہوم کے لیے مطلوب ہے وہ فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس سے دو سال کا صدقہ جلدی لیا جب ایسی روایات آئی ہیں کہ صدقہ فطر کو عید الفطر سے پہلے جمع کیا جاتا تا کہ عید الفطر کے روز مستحق لوگوں کو وہ چیز دے دی جائے تو یہ امر سال یا دو سال پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کے جواز کو ثابت کرتا ہے اگر سال کا اختتام نہ ہو اور نصاب اپنی حالت پر تھا تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو گئی اگر سال کا اختتام ہوا جبکہ نصاب تبدیل ہو چکا تھا تو واضح ہو گیا ہے کہ وہ نقلی صدقہ ہے۔

اشہب نے کہا: سال مکمل ہونے سے ایک گھڑی بھی پہلے دینا جائز نہیں (1) جس طرح نماز ہے گویا عبادت میں اس قاعدہ کو عام رکھا ہے ان کی رائے ہے کہ یہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ہے تو نظام اور حسن ترتیب میں اس کا پورا حق ادا کیا۔ باقی ہمارے علماء کی رائے ہے کہ تھوڑی سی تقدیم جائز ہے کیونکہ اتنی چیز معاف ہے مگر کثیر معاف نہیں۔ اشہب نے جو بات کہی وہ زیادہ واضح ہے کیونکہ تھوڑی چیز کا زیادہ سے الگ کرنا اصول شریعت میں صحیح ہے لیکن چند مقاصد جو تھوڑی چیز کے ساتھ خاص ہوں زیادہ کے ساتھ خاص نہ ہوں مگر ہمارے مسئلہ میں دن مہینہ کی طرح ہے مہینہ سال کی طرح ہے یا کلی تقدیم درست ہوگی جس طرح امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے کہا، جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو وہ اپنے اوقات پر ہی ادا کی جائے گی جس طرح اشہب نے کہا۔

مسئلہ نمبر 3۔ لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ کے اقوال کے تعرض کو ترک کرنے میں یہ اصل ہے آپ کی اتباع اور آپ کی اقتدا کے وجوب میں بھی اصل ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی بیماری میں ارشاد فرمایا: مردوا أبابکر فليصل بالناس (2) ابو بکر صدیق کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہا نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرو بے شک ابو بکر صدیق جلد رونے والے ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم یوسف والیاں ہو، ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے“ تو صواحب یوسف کا معنی ہے وہ فتانہ جو جائز کو ناجائز کی طرف لوٹانے سے پیدا ہوتا ہے (3)۔ قیاس کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے یہ ان کی جانب سے باطل ہے کیونکہ جس امر پر دلیل قائم ہو تو اس کے بجالانے میں اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا نہیں۔

وَأَعُوذُ بِاللَّهِ عَنِ اسِّ آگے بڑھنے سے بچو جس سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو جاننے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالِكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ①

”اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استغلاف الامام الخ، جلد 1، صفحہ 178

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714

کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ إمام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا: اقرع بن حابس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے اس کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اسے عامل نہ بنائیں دونوں صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو کی یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تو نے محض میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے تو ان کی گفتگو سنی نہ جاسکتی یہاں تک کہ ان سے سوال کیا جاتا۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے نانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ بعض علماء نے اسے حضرت ابن ابی ملیکہ سے مرسل نقل کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: وہ امام بخاری ہیں، کہا: یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (2) دو بہترین آدمی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے ان دونوں کی آوازیں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند ہو گئیں جب بنو تمیم کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس جو بنی مجاشع سے تعلق رکھتا تھا کا مشورہ دیا دوسرے نے ایک اور کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا: مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمر سے کہا: تو نے محض میرے ساتھ مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، اس بارے میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سناتے تھے یہاں تک کہ ان سے پوچھا جاتا، انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کا ذکر نہیں کیا۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب میری، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کی آواز بلند ہو گئی ہم حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں جھگڑے تھے جب زید اسے مکہ مکرمہ سے لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا کیونکہ اس بیٹی کی خالہ ان کے عقد میں تھی۔ یہ حدیث آل عمران میں گذر چکی ہے۔

صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے بارے میں خبر لاتا ہوں، وہ حضرت ثابت کے پاس آئے

انہیں اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے پایا پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ جواب دیا: بہت برا حال ہے۔ اس کی آواز نبی کریم ﷺ پر بلند ہو جاتی تھی اس کے عمل رائیگاں گئے جبکہ وہ جہنمی ہو چکا ہے، وہ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کچھ بتایا تو موسیٰ جو اس سند کے راوی ہیں نے کہا: وہ آدمی ان کی طرف ایک عظیم بشارت لے کر گیا فرمایا: ”اس کے پاس جاؤ اس کو کہو تو جہنمی نہیں تو تو جنتی ہے (1)“ یہ بخاری کے الفاظ ہیں یہ ثابت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی ہے جن کی کنیت ابو محمد تھی یہ کنیت ان کے بیٹے محمد کی وجہ سے تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابو عبد الرحمن ہے یوم حرہ کو انہیں شہید کیا گیا اس کے تین بیٹے تھے محمد، یحییٰ، عبد اللہ۔ وہ بہت اچھے خطیب اور بلغ تھے وہ اسی وجہ سے معروف تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کا خطیب کہا جاتا جس طرح حضرت حسان کو رسول اللہ ﷺ کا شاعر کہا جاتا جب بنو تمیم کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور منافخرہ کو طلب کیا ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اظہار فخر کیا پھر ثابت بن قیس کھڑے ہوئے ایک عظیم و بلغ خطبہ دیا اور ان پر غالب آگئے ان کا شاعر کھڑا ہوا وہ اقرع بن حابس تھا اس نے یہ شعر پڑھے:

أتیناک کئما یعرف الناس إذا خالفونا عند ذکر المکارم
ہم آپ کے پاس آئے جس طرح لوگ جانتے ہیں جب لوگ مکارم کے ذکر کے وقت ہماری مخالفت کریں
وانا رؤس الناس من کل معشیرہ وأن لیس فی أرض الحجاز کدارم
ہم ہر قبیلہ کے لوگوں کے سردار ہیں جبکہ حجاز کی زمین میں دارم جیسا کوئی نہیں۔
وان لنا الزبایع فی کل غارۃ تکون بنجد أو بأرض التھائم
ہمارے لیے ہر جنگ کے مال میں چوتھا حصہ ہوتا ہے وہ جنگ نجد میں ہو یا تھامہ کے علاقہ میں ہو۔
حضرت حسان نے کہا:

بنی دارم لا تفخروا إن فخرکم یعود و بآلا عند ذکر المکارم
ہیلتم علینا تفخرون وأنتم لنا حوّل من بین ظنر و خادم
”اے بنی دارم! تم فخر نہ کرو بے شک تمہارا فخر مکارم کے ذکر کے وقت وبال بن جائے گا۔ تم ہلاک ہو! تم ہم پر فخر کرتے ہوں جبکہ تم ہمارے خادم ہو یا دایا اور خادم کے درمیان“۔ انہوں نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اچھا ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا شاعر ہے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔
عطا خراسانی نے کہا: مجھے ثابت بن قیس کی بیٹی نے بتایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کا والد اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنا دروازہ بند کر لیا نبی کریم ﷺ نے اسے نہ پایا تو اسے بلا بھیجا تا کہ پوچھیں کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی: میری آواز سخت ہے مجھے ڈر ہے کہ میرا عمل ضائع ہی نہ ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو ان لوگوں میں سے نہیں تو

بھلائی کے ساتھ جئے گا اور بھلائی کے ساتھ مرے گا (1)“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت: **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا** (النساء) کو نازل فرمایا، انہوں نے اپنے دروازے کو بند کر لیا اور رونے لگے نبی کریم ﷺ نے نہ پایا تو بلا بھیجا اور خبر دی عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ میں جمال کو پسند کرتا ہوں اور میں اپنی قوم کا سردار بننا پسند کرتا ہوں فرمایا: ”تو ان میں سے نہیں بلکہ تو تعریف کی گئی زندگی گزارے گا، شہید کی حیثیت سے قتل ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا (2)“ اس بچی نے کہا: جب یمامہ کی جنگ کا مرحلہ آیا تو مسلمہ کذاب سے مقابلہ کے لیے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ نکلے جب صحابہ کی ان سے ٹک بھیڑ ہوئی تو صحابہ بکھر گئے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس طرح تو جنگ نہیں کرتے تھے پھر دونوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے اس روز حضرت ثابت کے جسم پر عمدہ زرہ تھی مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا اور اسے اتار لیا اسی اثنا میں ایک مسلمان سویا ہوا تھا تو حضرت ثابت اسے خواب میں آئے تو فرمایا: میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں یہ کہنے سے بچنا کہ یہ خواب ہے کہ تو اسے ضائع کر دے میں جب کل شہید ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اس نے میری زرہ لے لی جبکہ اس کا پڑاؤ لوگوں کے ایک جانب ہے اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا ہے جو لمبی رسی سے باندھا ہوا ہے اس نے زرہ پر تو برہا لٹا کیا ہوا ہے اس تو برہ پر کچاوا ہے، حضرت خالد کے پاس جاؤ اسے کہو کہ میری زرہ لینے کے لیے آدمی بھیجے جو زرہ لے آئے جب تو مدینہ طیبہ میں خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے تو ان سے عرض کرو۔ مجھ پر فلاں فلاں قرض ہے، میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہے وہ آدمی حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو بتایا حضرت خالد بن ولید نے زرہ لینے کے لیے آدمی کو بھیجا جو زرہ لے آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی وصیت کے بارے میں بات کی تو آپ نے وصیت کو نافذ کر دیا۔ ہم کسی کے بارے میں نہیں جانتے کہ حضرت ثابت کے بعد کسی کی وصیت نافذ کی گئی ہو، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ اسے ابو عمرو نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ یعنی ان سے خطاب نہ کرو۔ اے محمد! اے احمد! بلکہ یوں خطاب کرو: یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! مقصود آپ کی عزت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کے پاس بلند کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان بھی ان کی اقتدا کریں تو مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ فِي الْأَمْرِ، نئی کے معنی میں ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے سقط لفيه یہ بھی علی کے معنی میں ہے، سقط علی فیه۔

كَجَهْرٍ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ کاف تشبیہ ہے جو محل نصب میں ہے یعنی تم اس طرح آپ سے خطاب نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ انہیں مطلق جہر سے منع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ ان کے لیے جائز ہی نہ ہو مگر یہ کہ وہ اشارہ اور مخفی طریقہ سے آپ سے ہم کلام ہوں انہیں مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے جو صفت سے مقید ہو وہ جہر ہے جو اس مماثلت کے ساتھ موصوف ہے جس کے وہ باہم عادی تھے وہ ایسا جہر تھا جس میں نبوت کی قدر و منزلت کا

خیال نہ ہو اور باقی ماندہ مراتب کا انحطاط ہو اگرچہ نبوت و رسالت تمام سے بڑھ کر مرتبہ ہے۔

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٠﴾ اس وجہ سے کہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں، یہ بصریوں کا قول ہے۔
کوفیوں نے کہا: تاکہ تمہارے اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر اور حضور ﷺ کی موجودگی اور آپ سے گفتگو کے وقت آواز کو پست رکھنے کا حکم ہے جب آپ بولیں اور تم بولو تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو جہاں تک آپ ﷺ کی آواز پہنچتی ہے اور اپنی آوازوں کو پست رکھو اس طرح کہ آپ کی کلام تمہاری کلاموں پر غالب رہے اور آپ کی بلند آواز کی گفتگو تمہاری بلند آواز کی گفتگو پر غالب ہو یہاں تک کہ آپ کی فضیلت تم پر نمایاں ہو۔ آپ کی سبقت ظاہر ہو اور آپ کا امتیاز تمہاری بلند آواز سے عیاں ہو ایسا نہ ہو کہ تم اپنے شور و غل سے آپ کی آواز کو دبا دو اور اپنے شور و غل سے آپ کی گفتگو پر غالب آ جاؤ۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے لا ترفعوا باصواتکم بعض علماء نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا، بعض علماء کی مجلس میں بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا۔ مقصد ان کی تعظیم ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: نبی کریم ﷺ کے اس جہاں سے پردہ فرمانے کے بعد حرمت ایسے ہی ہے جس طرح ظاہری حیات میں آپ کی حرمت تھی (2) آپ کے وصال کے بعد آپ کا کلام اسی طرح ذی شان ہے جس طرح اس کی عظمت اس وقت تھی جب آپ کی زبان سے آپ کا کلام سنا جائے جب آپ کا ارشاد پڑھا جا رہا ہو تو کسی کو زیب نہیں کہ وہ اپنی آواز بلند کرے اور نہ ہی اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کلام سے اعراض کرے جس طرح یہ اس وقت لازم تھا جب آپ کی مجلس میں آپ کی زبان سے اسے سنا جائے اللہ تعالیٰ نے مرور زمانہ کے باوجود اس مذکورہ دائمی حرمت پر یوں متنبہ کیا ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (الاعراف: 204) رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی وحی ہے اس میں قرآن کی حکمت کی مثل حکمت ہے مگر چند معانی مستغنی ہیں جن کی وضاحت کتب فقہ میں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ آواز بلند کرنے اور عامیہ انداز میں گفتگو سے مراد استخفاف اور تحقیر نہیں (3) کیونکہ ایسا امر تو کفر ہے جبکہ مخاطب مومن ہیں بلکہ مقصود محض آواز ہے جو اس کے مناسب نہ ہو جسکے ساتھ عظماء اور بڑے لوگوں کی عزت و توقیر کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہ اس کے پست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی سطح کی طرف لوٹانے کی سعی کرتا ہے جس سے عزت و توقیر عیاں ہو یہ نہی اس کی آواز کو بلند کرنے کو شامل نہ ہوگی جو صحابہ سے حالت جنگ، معاند سے مجادلہ، دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوتی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو راحت نہ دیتی ہو حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا جب لوگ غزوہ حنین کے موقع پر تتر بتر ہو گئے تھے: ”لوگوں کو آواز دو“۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی آواز بڑی بلند تھی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ایک روز شب خون مارا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے یوں آواز لگائی یا صباحا۔

آپ کی آواز کی سختی کی وجہ سے حاملہ عورتوں نے حمل گرا دیئے اسی بارے میں نابغہ نے کہا:

ذَجُرُ أَبِي عَمْرٍوَةَ السَّبَاعِ إِذَا أَشْفَقَ أَنْ يَخْتَلَطَنَّ بِالْغَنَمِ (1)

ابو عمروہ کا درندوں کو جھڑکنا ہے جب اسے ڈر ہوتا کہ وہ ریوڑ سے خلط ملط ہو جائیں گے۔

راویوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ ریوڑ سے درندوں کو جھڑکتا تھا تو درندہ کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ زجاج نے کہا: أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ تقدیر کلام یوں ہے لان تحبط اعمالکم یعنی تمہارے اعمال

ضائع چلے جائیں گے لام مقدرہ لام صیرورت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱﴾ اس امر کو

ثابت نہیں کرتا کہ انسان کفر کر بیٹھے جبکہ وہ علم نہ رکھتا ہو جس طرح کافر مومن نہیں ہو سکتا مگر اس وقت جب وہ ایمان کو کفر پر ترجیح

دے اسی طرح مومن کافر نہیں ہو سکتا جب تک وہ کفر کا قصد نہ کرے اور بالا جماع اسے پسند نہ کرے اسی طرح کافر کافر نہیں

ہو سکتا کہ وہ جانتا ہی نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

لِلتَّقْوَىٰ ۗ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲﴾

”بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا اللہ نے

ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے، انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ جب وہ آپ ﷺ کی موجودگی پر کسی اور سے بات کرتے ہیں تو

آپ کی تعظیم کی خاطر اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2): جب یہ آیت نازل ہوئی تو

حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: اللہ کی قسم! میں آواز کو بلند نہیں کروں گا مگر رازداری کرنے والے کی طرح۔ سہید نے ذکر

کیا: عباد بن عوام، محمد بن عمرو سے وہ ابو سلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقْفُوا مَوَابِقَ يَدَيِ

اللَّهِ وَرَسُولِهِ تَوَحَّضَ أَبُو بَكْرٍ صَدِيقٌ بِيَدَيْهِ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں آپ

سے کلام نہیں کروں گا مگر جس طرح رازداری کرنے والا کلام کرتا ہے (3)۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی لا

تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ حضرت عمر نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بعد کوئی گفتگو نہ کی، آپ نبی کریم ﷺ کا کلام سنتے یہاں

تک کہ جو پست آواز سے گفتگو ہوتی اسکو سمجھنے کے لیے کسی سے سوال کرتے تو یہ آیت إِنَّ الَّذِينَ يُعْظُونَ نازل ہوئی۔ فراء

نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کے دلوں کو خالص کر دیا (4)۔ انفس نے کہا: تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہر قبیح امر سے پاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ

کا خوف اور تقویٰ رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات کو ختم کر دیا۔ امتحان یہ مَحْنُثٌ

2- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 197

1- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 353

4- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327

3- جامع اسباب النزول، صفحہ 323

الْأُدِيمَ مَخْنَا سے باب افتعال کا مصدر ہے یعنی میں نے چمڑے کو وسیع کیا۔ اَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِتَشْقَىٰ کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے وسیع کر دیا، پہلے قول کی بنا پر امتحن قلوبہم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو خالص کر دیا جس طرح تیرا قول ہے اِمْتَحَنَتْ الْفِئْتَةَ۔ میں نے اسے پرکھا یہاں تک کہ میں نے اسے خالص پایا، کلام میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے وہ الاخلاص ہے ابو عمرو نے کہا: کل شیء جَهِدْتَهُ فَقَدْ مَحْنَتْهُ۔ ہر وہ جسے تو مشقت میں ڈالے تو نے اسے امتحان میں ڈالا۔ شاعر نے کہا:

أَتَتْ رِذَايَا بَادِيًا كَلَالَهَا قَدْ مَحْنَتْ وَأَضْطَرَبَتْ آطَالَهَا (1)

کمزور اونٹنیاں آئیں جن کی جھکاؤ نہیں ظاہر تھیں اور ان کی ڈھاکیں مشقت میں تھیں اور مضطرب تھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ①

”بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں۔“

مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت بنی تمیم کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مسجد میں داخل ہوئے اور حجرہ کے باہر سے نبی کریم ﷺ کو آواز دی کہ ہمارے پاس باہر آئیں کیونکہ ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے، وہ ستر افراد تھے انہوں نے اپنے بچوں کا فد یہ پیش کیا نبی کریم ﷺ قیلولہ کرنے کے لیے سوئے ہوئے تھے۔

روایت کی گئی ہے کہ جس نے ندا کی تھی وہ اقرع بن حابس تھا اسی نے یہ بات کہی تھی: اِنْ مَدَحِي زَيْنٌ وَاِنْ ذَمِّي شَيْنٌ میری مدح زینت اور میری مذمت عیب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذَاكَ اللهُ (2) وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت براء بن عازب سے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے روایت کیا ہے: کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ہمیں اس آدمی کے پاس لے چلو اگر وہ نبی ہو تو ہم اس کی اتباع کریں گے لوگوں میں سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو جائیں گے اور اگر وہ بادشاہ ہو تو ہم اس کے پہلو میں رہیں گے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آوازیں دینے لگے جبکہ آپ حجرہ میں موجود تھے: یا محمد! یا محمد! تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو تمیم تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ انیس تھے قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس، سوید بن ہاشم، خالد بن مالک، عطاء بن حابس، قحطاع بن معبد، وکیع بن وکیع، عیینہ بن حصن، یہ احمق آدمی تھا اس کی اطاعت کی جاتی تھی یہ سرداروں میں سے تھا جس کے پیچھے دس ہزار نیزے بردار ہوتے تھے اس کا نام حذیفہ تھا اسے عیینہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ایک پلک دہری ہوئی تھی عبدالرزاق نے اسی عیینہ کے بارے میں کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَطْعَمُ مَنْ أَعْقَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا (الکہف: 28) سورہ اعراف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول گذر چکا ہے جو کافی و شافی

ہے؛ بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت بیان کی ہے کہ وہ دوپہر کے وقت حاضر ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے وہ بلانے لگے: یا محمد! یا محمد! ہماری طرف نکلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ”یہ بنی تمیم کے سخت دل لوگ ہیں اگر کانے دجال سے سب سے سخت لڑائی کرنے والے نہ ہوتے تو میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے“ (1)۔ حجرات، حجر کی جمع ہے اور حُجْر یہ حُجْر کی جمع ہے پس حجرات جمع کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں جیم پر ضمہ اور اس پر فتح۔ حجرہ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جسے ایسی دیوار سے لوگوں کو روک دیا گیا ہو جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ اونٹ کے باڑے کو بھی حجرہ کہتے ہیں یہ فعل کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر بن عقیق نے پڑھا الحُجرات یعنی جیم مفتوح ہے کیونکہ دونوں پے در پے ضمے ثقیل تھے اسے الحُجرات بھی پڑھا گیا ہے یعنی جیم ساکن ہے تخفیف کے لیے ہے اس کا معنی روکنا ہے جس چیز تک پہنچنے سے تو نے منع کر دیا تو تو نے اس پر حجر کر دیا پھر احتمال موجود ہے کہ منادی کل میں سے بعض ہو اسی وجہ سے فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ یعنی جو آپ کو آواز دیتے ہیں وہ ایسی قوم سے ہیں جن میں سے اکثر پر جہالت غالب ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤

”اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

یعنی اگر وہ آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کی دنیا کے لیے موزوں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ لوگوں سے حجاب نہ کرتے مگر چند اوقات میں جن میں ضروریات میں مصروف ہوتے ان اوقات میں آپ کو پریشان کرنا سوء ادبی ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو عنبر کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے نصف کو آزاد کر دیا اگر وہ صبر کرتے تو بغیر فدیہ کے آپ سب کو آزاد کر دیتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِحُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَبِيًّا ①

”اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی اس کا سبب وہ ہے جسے قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مطلق کے صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا جب بنی مطلق نے اسے دیکھا تو استقبال کے لیے آگے بڑھے تو یہ ان سے خوفزدہ ہو

گیا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کینہ کی وجہ سے تھا جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آیا اس نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ”وہ چھان بین کرے حملہ میں جلدی نہ کرے“ حضرت خالد چلے یہاں تک کہ رات کے وقت ان کے پاس پہنچے آپ نے ان کی طرف اپنے جاسوس بھیجے جب جاسوس واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اسلام کے ساتھ مضبوطی سے دابستہ ہیں انہوں نے ان کی آذان سنی اور انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب انہوں نے صبح کی تو حضرت خالد ان کے پاس آئے اور جاسوسوں نے جو کچھ ذکر کیا تھا وہ سب کچھ صحیح پایا حضرت خالد نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور سب کچھ بتایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: ”آہستہ روی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور تیزی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے“ (1)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے بنی مصطلق کی طرف بھیجا جبکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے جب انہوں نے اس کے بارے میں سنا تو وہ اس کے استقبال کے لیے سواریوں پر نکلے تو وہ ان سے خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آیا اس نے بتایا کہ لوگوں نے اس کے قتل کا پروگرام بنایا ہے اور اپنے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کا ارادہ کیا اسی اثنا میں ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے قاصد کے بارے میں سنا ہم نکلے تاکہ اس کی تعظیم بجالائیں اور ہمارے ذمہ جو صدقات ہیں وہ اسے ادا کریں تو وہ واپس چلا گیا اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں اللہ کی قسم! ہم اس کے لیے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ولید کو جھوٹا نام دیا گیا۔ ابن زید، مقاتل اور سہیل بن عبد اللہ نے کہا: فاسق سے مراد کذاب ہے۔ ابوالحسن وراق نے کہا: جو اعلانیہ گناہ کرتا ہو۔ ابن طاہر نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کرتا ہو۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا۔ فتشبتوا یہ تشبہ سے مشتق ہے باقی قراء نے فتشبتنوا پڑھا ہے جو تبیین سے مشتق ہے ان تصیبوا یہ اصل میں لثلا تصیبوا تھا ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار حذف ہے بجمالیۃ یعنی خطا کے ساتھ فتصیبوا علی ما فعلتم ندب وین یعنی جلدی کرنے اور آہستہ روی اختیار نہ کرنے پر تم شرمندہ ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ جب راوی عادل ہو تو ایک راوی کی خبر قبول ہوگی کیونکہ فاسق کی خبر پر چھان بین کا حکم ہے جس کا فسق ثابت ہو اس کا قول بالا جماع باطل ہوگا کیونکہ خبر امانت ہے اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اسے باطل کر دیتا ہے اجماع نے اس میں اسے مستثنیٰ کیا ہے جو دعویٰ اور انکار سے متعلق ہو اور غیر پر حق ثابت کرنا ہو جیسے کوئی کہتا ہے: هذا عہدی اس کا قول قبول کیا جائے گا جب کوئی یہ کہے: فلاں نے یہ امر نافذ کیا ہے کہ تیرے لیے ہدیہ ہے تو اسے قبول کیا جائے گا، اسی طرح اس کی مثل میں کافر کی خبر قبول کی جائے گی جہاں تک کہ اس بات کا تعلق ہے کہ کسی غیر میں کسی نئی چیز کو لازم کیا جائے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کی رائے ہے: وہ نکاح میں ولی نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا: وہ ولی

ہوگا کیونکہ اس کا جو کچھ ہے اس کا ولی ہے تو اس کے وضع کا بھی ولی ہوگا جس طرح عادل ہوتا ہے اگرچہ وہ دین کے معاملہ میں فاسق ہے مگر اس کی غیرت وافر ہے اسی کے ساتھ وہ اپنے حرم کی حفاظت کرتا ہے، وہ مال خرچ کرتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے جب مال کا ولی ہے تو نکاح کا بدرجہ اولی ولی ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: تعجب کی بات یہ ہے (1) کہ امام شافعی اور ان کی مثل لوگ فاسق کی امامت جائز قرار دیتے ہیں جو آدمی مال کے حسبہ (معمولی مال) پر امانت دار نہیں بنایا جاسکتا وہ دین کے قنطار (بڑا خزانہ) پر امانت دار کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ اس کے لیے ہے کہ آپ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ والی جو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں جب ان کے دین فاسد ہو جائیں اور ان کے پیچھے نماز کا ترک کرنا ممکن نہ ہو اور ان کو ہٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی جس طرح عثمان نے کہا: لوگ جو عمل کرتے ہیں نماز ان میں سے بہترین ہے جب وہ اچھا عمل کریں تو تو بھی اچھا عمل کر اور جب وہ برا عمل کرتے ہیں ان کی برائی سے اجتناب کر۔ پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جب کوئی آدمی ان کے ساتھ پاک صاف ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کا اعادہ کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اسے اپنی نماز بنا لیتے ہیں نماز کے اعادہ کے وجوب کے بارے میں کہتا ہوں: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ ائمہ میں سے جس سے وہ راضی نہ ہو اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترک کر دے بلکہ وہ خاموشی سے نماز کا اعادہ کرے کسی اور کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جہاں تک اس کے احکام کا تعلق ہے اگو وہ والی ہو تو اس کے وہ احکام جو حق کے موافق ہوں تو وہ نافذ ہو جائیں گے اور جو اس کے مخالف ہوں گے ان کو رد کر دیا جائے گا جو اس نے اسی وقت نافذ کر دیا ہو تو اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اس قول کے علاوہ جو روایت بیان کی جاتی ہو یا قول جس کی حکایت بیان کی جاتی ہو کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ کلام بہت زیادہ ہے اور حق ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا کسی غیر کا قاصد ہونا کہ وہ کسی قول کو پہنچائے یا کسی شے کو پہنچائے یا اسے آگاہ کرے جب وہ بھیجنے والے اور جس کی طرف بھیجا گیا ہے اس کے حق سے باہر نہ رکھے اگر اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق ہو تو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا (2)۔ یہ اس ضرورت کی وجہ سے جائز ہے جو اس کا سبب بنتی ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان صرف عادل آدمی ہی ان امور کو سرانجام دیں تو کوئی امر حاصل ہی نہ ہو سکے کیونکہ وہ اس وصف سے خالی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اس میں اس آدمی کے قول کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمان عادل ہیں یہاں تک کہ انکا جرم ثابت ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے سے قبل چھان بین کا حکم دیا ہے، حکم کے نافذ کرنے کے بعد چھان بین کرنے کا کوئی مطلب نہیں اگر حاکم چھان بین سے پہلے فیصلہ کر دے تو اس نے محکوم علیہ پر جہالت کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اگر وہ ظن غالب کی بنا پر فیصلہ کرے تو یہ جہالت پر عمل نہ ہوگا جس طرح دو عادل گواہوں کی بنا پر فیصلہ

کیا جاتا ہے اور مجتہد کے قول کو قبول کیا جاتا ہے جہالت پر عمل اس وقت ہوگا جب اس آدمی کا قول قبول کیا جائے جب اس کا قول قبول کرنے سے ظن غالب حاصل نہ ہو۔

اس مسئلہ کو قشیری نے اور اس سے قبل کے مسئلہ کو مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَن فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۗ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۗ فَضَلَّ مَن لَّا يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں، اور اگر مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے کفر، فسق اور نافرمانی کو، یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اور سب کچھ جاننے والا بڑا دانہ ہے۔“

وَاعْلَمُوا أَن فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے تو تم اس کو نہ جھٹلاؤ واللہ تعالیٰ اسے تمہاری خبریں بتادے گا کہ تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر معاملہ ظاہر ہونے سے پہلے اس امر کی طرف جلدی کرے جس کا تم ارادہ کرو تو تمہارے لیے اس میں مشقت اور گناہ ہوگا کیونکہ اگر آپ اس قوم کو قتل کریں جس کی چغلی ولید بن عقبہ نے کھائی ہے تو وہ خطا ہوگی اور جو آدمی باہمی دشمنی کی وجہ سے انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ گناہگار ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کی وہ بات مان لیں جو وہ لوگوں کے بارے میں آپ کو پہنچاتے ہیں یا ان سے سنتے ہیں سنت کا معنی گناہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: عننت الرجل آدمی نے گناہ کیا عننت کا معنی فجور اور زنا بھی ہے جس طرح سورہ نساء میں ہے۔ عننت کا معنی مشکل امر میں جا پڑنا ہے۔ سورہ براءۃ میں عننتم کے ضمن میں اس بارے میں زیادہ گفتگو گزر چکی ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ یہ مخلص مومنوں کو خطاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جھوٹ نہیں بولتے اور باطل خبریں نہیں دیتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کا پسندیدہ ترین امر بنا دیا ہے۔

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اسے پسند کیا۔ اس آیت میں قدریہ اور امامیہ وغیرہ کا رد ہے جس طرح پہلے کئی دفعہ گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات کی ذاتوں، ان کے افعال، صفات، زبانوں اور رنگوں کی تخلیق میں منفرد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس (فسوق) سے مراد خاص طور پر جھوٹ ہے (1)، یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ عمل ہے جس میں اطاعت کا پہلو نہ ہو یہ فسقت

الرطوبة سے مشتق ہے جو اپنے چھلکے سے باہر آجائے اور چوبہا بل سے باہر آجائے۔ سورہ بقرہ میں اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ عصیان یہ معاصی کی جمع ہے پھر کلام خطاب سے خبر کی طرف منتقل ہو گیا فرمایا: **أُولَٰئِكَ** یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اللہ تعالیٰ نے ان میں ایمان کی محبت رکھ دی اور کفر کو ان کے لیے ناپسندیدہ بنایا یعنی اسے ان کے ہاں قبیح بنا دیا۔ **هُمُ الرُّشْدُونَ** یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے **وَمَا آتَيْتُم مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّعِيفُونَ** (الروم)

نابغہ نے کہا:

يا دارميّة بالعتياء فالستد ائوت و طال عليها سالف الأمد

الرشد سے مراد سختی کے ساتھ حق کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے یہ رشاد سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔ ابو ذراع نے کہا: ہر چٹان رشاد ہے شاعر نے اس سے چٹان مراد لی ہے۔

وغير مقلد وموشات صلين الصوء من صم الرشاد (1)

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے ساتھ فضل و احسان کے طور پر کیا ہے مراد فضل و نعمت ہے یہ آپ کے لیے کر دیا گیا ہے **وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ** جو تمہارے حق میں بہتر ہے اسے جانتا ہے اور تمہاری تدبیر کے بارے میں حکمت والا ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَانْصُرُوا

عَلَى الْأَخْرَىٰ فَكَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغُّوا حَتَّىٰ تَبْغُوا إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاتَتْ فَاصْلِحُوا

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ①

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے گروہ پر تو پھر سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو ان کے درمیان عدل و انصاف سے اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔“

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **وَإِنْ كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَانْصُرُوا**

مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں (2) انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کاش آپ عبد اللہ بن ابی کے ہاں جاتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے آپ گدھے پر سوار ہوئے اور مسلمان ساتھ چل رہے تھے یہ

شوریدہ زمین تھی جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہی رہیے اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بو مجھے اذیت دیتی ہے تو ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔ عبد اللہ کے لیے اس کی قوم کا ایک فرد غصے میں آ گیا ہر ایک کے لیے اس کے ساتھی غصے میں آ گئے ان کے درمیان شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: اوس اور خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: انصار کے دو قبیلے ڈنڈوں اور جوتوں سے باہم لڑے تو یہ آیت نازل ہوئی اس کی مثل سعید بن جبیر سے روایت مروی ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لڑائی ہوئی جو کھجور کی شاخوں، جوتوں وغیرہ کے ساتھ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

قنادہ نے کہا: یہ انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ان دونوں کا کسی حق کے بارے میں باہم جھگڑا تھا (1) ان میں سے ایک نے کہا: میں اپنا حق سختی سے لوں گا کیونکہ اس کے خاندان کے افراد زیادہ تھے دوسرے نے اسے دعوت دی کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں مسئلہ پیش کرتے ہیں تو پہلے ساتھی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا معاملہ ان کے درمیان ہی رہا یہاں تک کہ وہ لڑ پڑے اور ان میں سے بعض نے بعض کو ہاتھوں، جوتوں اور تلواروں سے مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا: یہ سمیر اور حاطب کی لڑائی کے بارے میں آیت نازل ہوئی، سمیر نے حاطب کو قتل کیا تھا تو اوس اور خزرج آپس میں لڑ پڑے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم اور مومنوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ دونوں کے درمیان صلح کرائیں (2)۔ سدی نے کہا: انصار کی ایک عورت تھی جسے ام زیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا جاتا وہ ایک غیر انصاری کے عقد میں تھی وہ اپنے خاوند سے ابھی اس عورت نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے افراد کے پاس چلی جائے اس کے خاوند نے اسے مجبوس کر دیا اسے دوسری منزل میں رکھا جس میں اس کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا عورت نے اپنی قوم کے افراد کو پیغام بھیجا اس کی قوم کے لوگ آئے انہوں نے اسے نیچے اتارا تا کہ اسے لے جائیں۔ وہ آدمی نکلا اس نے اپنے خاندان کے لوگوں سے مدد طلب کی اس کے چچا زاد نکلے تا کہ عورت اور اس کے گھر والوں کے درمیان حائل ہو جائیں انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دیئے اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طائفہ کا لفظ ایک آدمی، جمع اور دو کو شامل ہوتا ہے یہ معنی پر محمول ہوتا ہے لفظ پر محمول نہیں ہوتا کیونکہ دونوں طائفے قوم اور الناس کے معنی میں ہیں۔

حضرت عبد اللہ کی قراءت میں حتی لیفیوا الی امر اللہ فان فاء وا فخذوا بینہم بالقسط ہے۔ ابن ابی عمیر نے اقتسلتا پڑھا ہے کیونکہ طائفے دو ہیں اس کے بارے میں گفتگو سورہ براءۃ میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** (النور) کے بارے میں کہا: مراد ایک اور اس سے اوپر ہے۔ اور طائفۃ من الشیء سے مراد اس کا ٹکڑا ہے۔

فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دے کر ان کے درمیان صلح کراؤ خواہ ان کے حق میں ہو یا

ان کے خلاف ہو۔

فَاِنْ بَعَثَ اِحْدَاهُمَا عَلٰى الْاٰخَرٰى لَعْنَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمَا لَوْ كَانَا يٰۤاٰمِنٰۤينَ
 قَاتِلِيْكَ اَوْ قَاتِلَ اٰمِنِيْكَ لَوْ كُنْتُمْ اٰمِنًا ۗ

مراد بات کو طول دینا اور فساد برپا کرنا ہے۔

حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى كِي كِتَابِ كِي طَرَفِ لُوْنِ قَاتِلِ اٰمِنِيْكَ اَوْ قَاتِلِ اٰمِنِيْكَ لَوْ كُنْتُمْ اٰمِنًا ۗ

ان دونوں کو انصاف پر برا بیچتے کرو وَاَقْبِطُوْا اِلٰى لَوْ كُو! انصاف سے کام لو تم باہم نہ لڑو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْبِطُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمَا لَوْ كَانَا يٰۤاٰمِنٰۤينَ

عَدْلٍ سَعَامِ لُو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُنْصِفِيْنَ ① یعنی اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں اور حق پرستوں کو پسند کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے کہا: مسلمانوں میں دو جماعتیں قتال کرنے میں دو حالتوں سے خالی نہ ہونگی یا تو وہ دونوں میں

سرکشی کے راستہ پر باہم قتال کریں گی یا ایسا نہیں ہوگا اگر پہلی صورت ہو تو اس میں یہ ضروری ہوگا کہ دونوں کے درمیان ایسے

آدمی کو لایا جائے جو دوری کو ختم کرے اور ایک دوسرے سے ہاتھ روک لیں اور الگ الگ ہو جائیں اگر وہ نہیں رکھتے، صلح بھی

نہیں کرتے اور سرکشی پر ہی کمر بستہ رہتے ہیں تو ان دونوں سے جنگ کی جائے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جماعت

دوسری جماعت پر زیادتی کرتی ہو تو ضروری ہوگا کہ باغی گروہ سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ رک جائے اور توبہ کر لے، اگر

وہ ایسا کرے تو اس کے درمیان اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی اس کے درمیان عدل و انصاف سے مصالحت کروائی جائے اگر

کسی شبہ کی بنا پر دونوں میں جنگ چھڑ جائے دونوں فریق اپنی جگہ حق پر ہوں تو ضروری ہے کہ دلائل اور براہین کے ساتھ شبہ کو

زائل کیا جائے اگر وہ لڑائی جھگڑے پر گامزن رہیں اور جس امر کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی اور حق کے واضح ہونے کے بعد

جو انہیں اتباع حق کی نصیحت کی گئی اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو دونوں باغی گروہ بن جائیں گے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اس باغی گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے جس کی بغاوت امام یا کسی مسلمان

کے خلاف معلوم ہو اور جو آدمی مومنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کرتا ہے اس کے قول کو فاسد کرنے پر تگ و دو کرتا ہو اس

کے خلاف بھی جنگ کرنا لازم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے: قِتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرًا (1) مومن سے

جنگ کرنا (علامت) کفر ہے اگر مومن باغی سے قتال کرنا کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے کفر کا حکم دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا

ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیا جو اسلام سے وابستہ رہے اور زکوٰۃ دینے سے رک گئے۔ آپ نے حکم

دیا: پیٹھ پھیر جانے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی کو نہ مارا جائے ان کے اموال لینا حلال نہیں جبکہ کافر میں یہ چیزیں واجب

ہیں۔ طبری نے کہا: اگر ہر وہ اختلاف جو دو فریقوں کے درمیان ہوتا اس میں واجب بھاگ جانا اور گھروں میں بیٹھ رہنا ہوتا تو

کوئی حد قائم نہ ہوتی اور نہ باطل کو باطل کہا جاتا تو اہل نفاق اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے ہر چیز کو حلال کرنے کی راہ اپنا

لیتے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا جس طرح مسلمانوں کے اموال لینا، ان کی عورتوں کو قیدی بنا لینا اور ان کے خون

بہانا۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کریں اور مسلمان ان سے اپنے ہاتھوں کو روک لیں یہ نبی کریم ﷺ کے قول کے

خلاف ہے: خذوا علیٰ ایدی سفھائکم (1) اپنے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں کو روکو۔

مسئلہ نمبر 4۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اصل ہے اور غلط تاویل کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے میں بنیاد ہے صحابہ نے اسی پر بھروسہ کیا اور ملت کے بڑے لوگوں نے اسی کی پناہ لی (2)۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں یہی آیت مراد لی: تَقْتُلُ عَنَّا ذَا الْفِئَةِ الْبَاغِيَةَ عَمَّا كَوَيْتُ جَمَاعَتِ قَتْلُ كَرِيءٍ لِي۔ خارجوں کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: یخارجون علیٰ خیر فرقة اوعلیٰ حین فرقة وہ بہترین جماعت پر خروج کریں گے۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”دو جماعتوں میں سے ایسی جماعت انہیں قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہے“ جس ہستی نے ان سے جنگ کی وہ حضرت علی شیر خدا اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے مسلمان علماء کے نزدیک یہ ثابت ہے اور دینی دلیل سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی شیر خدا امام تھے اور جس نے بھی ان پر خروج کیا وہ باغی تھا اس کے ساتھ تو قتال واجب تھا یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے اور صلح پر راضی ہو جائے کیونکہ حضرت عثمان بنی شیبہ کو شہید کیا گیا جبکہ صحابہ ان کے خون سے بری تھے کیونکہ جن لوگوں نے آپ کے خلاف شورش کی تھی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے حضرت عثمان غنی بنی شیبہ نے منع کر دیا تھا فرمایا: میں وہ پہلا شخص نہیں بننا چاہتا جو رسول اللہ ﷺ کی امت میں قتل کے ساتھ نیابت کرے۔ آپ نے آزمائش پر صبر کیا، امتحان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور امت کو اپنی جان کا نذرانہ دے دیا پھر یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو بے مقصد چھوڑ دیا جاتا۔ حضرت عمر نے شوری میں جن افراد کا ذکر کیا تھا خلافت کو ان پر پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت علی شیر خدا اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے تو آپ نے امت پر احتیاط کی غرض سے اسے لے لیا کہ ان کے خون باطل طریقہ سے نہ بہتے رہیں اور بے مقصد ان کا معاملہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے بعض اوقات دین میں تبدیلی رونما ہوگئی اور اسلام کے ستون ٹوٹ گئے جب آپ کی بیعت کی گئی تو اہل شام نے مطالبہ کر دیا کہ وہ تب بیعت کریں گے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے ان کو پکڑیں اور ان سے قصاص لیں حضرت علی شیر خدا نے انہیں فرمایا: بیعت میں داخل ہو جاؤ اور حق کا مطالبہ کرو تم اس تک پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا: آپ بیعت کے مستحق نہیں جبکہ حضرت عثمان کے قاتل صبح و شام آپ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا بنی شیبہ کی رائے اس بارے میں درست تھی کیونکہ حضرت علی شیر خدا اگر ان سے فوراً قصاص لیتے تو قبائل ان کی عصبیت میں کھڑے ہو جاتے تو تیسری جنگ شروع ہو جاتی آپ نے انتظار کیا تا کہ خلافت کا معاملہ مضبوط ہو جائے اور بیعت منعقد ہو جائے اور مجلس حکم میں اولیاء کی جانب سے مطالبہ ہو اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جائے۔

امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ قصاص میں تاخیر کرے خصوصاً جب قصاص فتنہ بھڑکانے اور جمعیت کو منتشر کرنے کا باعث ہو۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لیے بھی ایسا ہی ہوا وہ دونوں حضرت علی بنی شیبہ سے ولایت کے مسئلہ پر الگ نہ ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے دیانت کے اعتبار سے ان پر اعتراض کیا تھا ان کی رائے

یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے بدلہ لینا یعنی انہیں پہلے قتل کرنا ضروری ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: ان کے درمیان جو جنگ واقع ہوئی اس کا سبب بھی یہی قول تھا جلیل القدر علماء کہتے ہیں کہ بصرہ میں ان کے درمیان جو واقع ہوا وہ جنگ کے ارادہ سے نہ ہوا تھا بلکہ اچانک ہوا تھا ہر ایک فریق نے اپنا دفاع کیا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ دوسرے فریق نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے کیونکہ معاملہ ان کے درمیان منظم ہو چکا تھا صلح مکمل ہو چکی تھی باہم رضامندی سے وہ الگ الگ ہونے والے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو خوف ہوا کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انکو گھیر لیا جائے گا وہ اکٹھے ہوئے، باہم مشاورت کی اور اختلاف کیا پھر ان کا اس رائے پر اتفاق ہوا کہ وہ دو فریقوں میں بٹ جائیں اور دونوں لشکروں میں سحری کے وقت جنگ شروع کر دیں تیران کے درمیان چلے وہ فریق جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے دھوکہ کیا اور جو فریق حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت علی نے دھوکہ کیا اس طرح وہ امر تکمیل پذیر ہوا جس کی انہوں نے تدبیر کی تھی اور جنگ نے ان میں اپنی جگہ بنالی ہر فریق اپنے کیے کا اپنے ہاں دفاع کر رہا تھا اور خون بہائے جانے سے مانع تھا۔ یہ دونوں فریقوں کی جانب سے درست عمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھی کیونکہ باہم جنگ اور دفاع اس طریقہ سے ہوا تھا؛ یہی قول صحیح اور مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغُّوا حَتَّى تَبْغُوا إِلَىٰ أَرْضِ اللَّهِ يَهْتَدِي لَكُمْ سُبُلَ اللَّهِ قَدْ جَاءَ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ حُكْمٌ وَأَنْتُمْ رِجَالٌ حُرٌّ ۚ (سورہ بقرہ، آیت 190)۔
 کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو باقی ماندہ افراد سے یہ حکم ساقط ہو گیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے ایک جماعت اسی وجہ سے گھروں میں بیٹھی رہی جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو درست قرار دیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنا عذر پیش کیا جسے آپ نے قبول کیا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے حضرت سعد کو ان کے کیے پر عتاب کیا اور انہیں کہا: نہ تو آپ ان میں سے ہوئے جنہوں نے دو ایسے گروہوں کے درمیان صلح کرائی جو آپس میں لڑ رہے تھے اور نہ ہی باغی جماعت سے جنگ کی۔ حضرت سعد نے کہا: میں نے باغی گروہ سے جو جنگ نہیں کی میں اس پر شرمندہ ہوں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک نے جو کیا اس کا وہ کامل طور پر ادراک نہیں رکھتا تھا یہ سب کچھ اجتہاد کے نتیجہ اور شرع کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ فَإِنْ قَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ ۚ (سورہ بقرہ، آیت 191)۔
 خرابہ ہوا اور جو مال کا ضیاع ہوا اس کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ کسی تاویل کی بنا پر ہوا اور ان کے مطالبہ کی صورت میں حقیقت میں یہ صلح سے بھاگنا اور بغاوت میں دور تک جانا ہے۔ مصالحت میں یہی اصل و قانون ہے لسان الامت نے کہا: صحابہ کے درمیان جنگ میں حکمت یہ ہے کہ اہل اجتہاد کے قتال کے احکام کو جانا جائے کیونکہ اہل شرک

کے ساتھ قتال کے احکام رسول اللہ ﷺ کی زبان اور آپ کے عمل سے معلوم ہو چکے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ جب کوئی باغی خروج کرنے والا عادل امام پر خروج کرے جبکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو امام تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر قتال کرے جو اسے کفایت کریں جنگ سے پہلے وہ انہیں اطاعت اور جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دے اگر وہ اطاعت کی طرف لوٹنے اور صلح سے انکار کر دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے، ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے، ان کے بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے، ان کے بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ نہ کیا جائے جب عادل (امیر کا وفادار) باغی کو قتل کرے یا باغی عادل کو قتل کرے جبکہ وہ ایک دوسرے کے ولی ہوں تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے جان بوجھ کر قتل کرنے والا کسی صورت میں وارث نہیں بنے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عادل باغی کا وارث بنے گا۔ قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ باغیوں اور خارجیوں نے جو خون یا مال برباد کیا پھر وہ تائب ہوئے تو اس کی وجہ سے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ ضامن ہوں گے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں، امام ابوحنیفہ کے قول کی یہ دلیل ہے کہ یہ ظلم و زیادتی کے ساتھ اتلاف ہے تو ضمانت لازم ہوگی ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی باہم جنگوں میں بھاگ جانے والے کا پیچھا نہیں کرتے تھے اور زخمی کو قتل نہیں کرتے تھے، قیدی کو قتل نہیں کرتے تھے جان کے اتلاف اور مال ضائع ہونے کی صورت میں وہ ضمانت نہیں لیتے تھے وہی مقتداء ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے عبد اللہ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کیا حکم دیا ہے جو اس امت میں سے بغاوت کرتا ہے (1)؟“ عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، فرمایا: ”اس کے زخمی کو قتل نہ کیا جائے گا، اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، بھاگ جانے والی کی تلاش نہیں کی جائے گی اور ان کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا“ جو مال اصل حالت میں ہو اس کو واپس کر دیا جائے گا یہ سب کچھ اس آدمی کے بارے میں ہے جو کسی تاویل کی بنا پر خروج کرتا ہے جو تاویل اس خروج کو جائز قرار دیتی تھی۔

زمخشری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: اگر باغیوں کی تعداد تھوڑی ہو اس حیثیت میں کہ وہ اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس نے جو جنایت کی تھی تو لوٹ آنے کے بعد جماعت ضامن ہوگی اگر ان کی تعداد زیادہ ہو وہ قوت و شوکت والے ہوں تو وہ ضامن نہ ہوگی مگر محمد بن حسن شیبانی کا نقطہ نظر ہے آپ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ ضمانت اس پر لازم ہوگی جب وہ رجوع کرے مگر جمع ہونے اور لشکر کشی کرنے سے قبل یا جنگ ختم ہونے کے وقت اوزار رکھنے کے وقت کا معاملہ ہے تو اس نے جنایت کی تو وہ سب کے نزدیک ضامن ہوگا۔

عدل کے ساتھ اصلاح پر براہین کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ** میں امام محمد کے نزدیک واضح ہے آیت کریمہ کے لفظ پر منطبق ہے (2)۔ دوسرے علماء کے قول کے مطابق اس کی توجیہ یہ ہے کہ باغی جماعت کو قلیل تعداد

پر محمول کیا جائے جس امر کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ غرض کینوں کو ختم کرنا ہے جنایات کی ضمانت دینا نہیں ہے یہ اس عدل حکم کے ساتھ حسن مطابقت نہیں رکھتا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے۔ دوسرے فأصلحوہا کے ساتھ عدل کو ملایا گیا ہے پہلے فأصلحوہا کے ساتھ نہیں ملایا گیا؟

میں اس کا جواب دوں گا: آیت کے شروع میں قتال سے مراد ہے کہ وہ دونوں باغی کی حیثیت میں قتال کریں یا ان میں شبہ پایا جائے کوئی بھی صورت ہو مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ حق کا ارادہ کرتے ہوئے ثانی مواعظ کے ساتھ اور شبہ کی نفی کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے جو جدائی واقع ہو چکی ہے اس میں اصلاح احوال کریں آگ کو ٹھنڈا کریں مگر جب وہ دونوں اصرار کریں تو ان سے جنگ ضروری ہے جہاں تک ضمانت کا تعلق ہے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب ان میں سے ایک باغی ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ دونوں صورتوں میں ضمانت قابل توجہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر 9۔ اگر وہ کسی علاقہ پر غلبہ پالیں اور صدقات وصول کر لیں، حدود قائم کریں اور ان میں فیصلہ کریں ان پر نہ تو دوبارہ صدقات لازم کیے جائیں گے اور نہ حدود قائم کی جائیں گی اور انہوں نے جو فیصلے کیے ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا مگر جو کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو جس طرح جو باغی ہو تو اس کے فیصلے کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جاتا؛ یہ مطرف اور ابن ماجشون کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں (1)۔ اصبخ سے مروی ہے: یہ جائز ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ جائز نہیں جس طرح ابن قاسم کا قول ہے؛ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اس نے ناحق ان لوگوں کے بارے میں عمل کیا ہے جس پر اس کی تولیت جائز نہ تھی تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح وہ اگر باغی نہ ہوتے تو بھی جائز نہ ہوتا۔ ہمارے لیے قابل اعتماد وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب فتنہ فرو ہو گیا اور صلح کی وجہ سے اختلاف کیا گیا تو صحابہ نے کسی کے حکم میں کوئی معارضہ نہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: جو چیز میرے پاس پسندیدہ ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ فتنہ جب ختم ہو گیا تو امام وہی باغی تھا تو وہاں کون تھا جو معترض بنتا؟ (2)

مسئلہ نمبر 10۔ یہ جائز نہیں کہ صحابہ میں سے کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر خطا کو منسوب کیا جائے کیونکہ ہر ایک نے جو بھی عمل کیا اس میں وہ مجتہد تھا وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہی ارادہ کرتے تھے وہ سب ہمارے آئمہ ہیں ان کے درمیان جو اختلاف ہوا ہم اس سے باز رہنے کے پابند ہیں ہم ان کا ذکر احسن انداز میں ہی کریں گے کیونکہ صحابہ احترام کے مستحق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہنے سے منع کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کا ذکر کیا ہے اور ان سے راضی ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ چیز مختلف سندوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت طلحہ شہید ہیں جو روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں جس جنگ کے لیے وہ نکلے تھے وہ نافرمانی ہوتی (3) تو اس میں قتل ہونے والا شہید نہ ہوتا اسی طرح اگر جس جنگ میں وہ

1۔ جامع ترمذی، صفة القیام، جلد 2، صفحہ 73

2۔ حضرت مفسر کا یہ قول عمل نظر ہے کیونکہ دوسرے فریق کے زیر تصرف بھی علاقے تھے جب ان علاقوں میں فیصلوں کو تبدیل نہ کیا گیا تو قاعدہ کلیہ تو واضح ہو گیا۔

3۔ ابن ماجہ، باب فضل طلحة بن عبید اللہ، حدیث نمبر 121، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نکلے تھے تو تاویل میں غلطی کرتے اور واجب میں کوتاہی کرتے کیونکہ شہادت تو اسی وقت ہوتی ہے جب اطاعت کی صورت میں قتل ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے معاملہ کو اس امر پر محمول کیا جائے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس امر پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی شیر خدا کی روایات میں سے صحیح اور عام یہ روایت ہے کہ حضرت زبیر کو قتل کرنے والا جہنم میں جائے گا اور ان کا یہ قول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو۔“ جب معاملہ اس طرح ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر: فرمائی کرنے والے اور قتال کے ذریعے گناہ کا رنہ تھے کیونکہ اگر معاملہ اس طرح ہوتا یعنی وہ عاصی اور گناہگار ہوتے تو نبی کریم ﷺ حضرت طلحہ کے بارے میں یہ نہ کہتے کہ وہ شہید ہے اور یہ خبر نہ دیتے کہ حضرت زبیر کا قاتل آگ میں ہے اسی طرح جو گھر میں بیٹھ گیا وہ تاویل میں غلطی کرنے والا نہیں بلکہ وہ درست ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اجتہاد کی راہ دکھائی جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ امر انہیں لعن طعن کرنے ان سے براءت کا اظہار کرنے اور ان کو فاسق قرار دینے کو ثابت نہیں کرتا، ان کے فضائل اور ان کے جہاد کو باطل نہیں کرتا اور دین میں جو ان کا عظیم مقام ہے اس کو ختم نہیں کرتا۔ ﷺ۔

بعض سے اس خون ریزی کے بارے میں پوچھا گیا جو ان کے درمیان واقع ہوئی تو یہ آیت پڑھی: تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿البقرة﴾

بعض سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ایسی خون ریزی تھی اللہ تعالیٰ نے میرا ہاتھ اس سے پاک رکھا، میں اپنی زبان کو اس سے آلودہ نہیں کروں گا یعنی خطا میں واقع ہونے اور بعض پر ایسا حکم لگانے سے جو درست نہ ہو اس سے بچوں گا۔ ابن فورک نے کہا: ہمارے دونوں میں سے کچھ نے کہا کہ صحابہ کے درمیان جو تنازعات ہوئے ان کے بارے میں وہی رویہ اپناؤ جو حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان تنازعہ ہو اس میں اپنا تے ہو اس کے باوجود وہ ولایت اور نبوت کے دائرہ سے باہر نہ نکلے صحابہ کے درمیان جو معاملہ ہو اوہ بھی اسی طرح ہے۔

محاسبی نے کہا: جہاں تک خون ریزی کا تعلق ہے ان کے اختلاف کی وجہ سے ہمارے لیے قول کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت حسن بصری سے ان کے قتال کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس میں حضرت محمد ﷺ کے صحابہ حاضر ہوئے جبکہ ہم غائب تھے، وہ عالم تھے ہم جاہل ہیں، وہ اکٹھے ہو گئے تو ہم نے ان کی اتباع کی اور انہوں نے اختلاف کیا تو ہم نے توقف کیا (1)۔

محاسبی نے کہا: ہم وہی بات کرتے ہیں جس طرح حضرت حسن بصری نے کی ہے، ہم جانتے ہیں جو اس میں داخل ہوئے تھے وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا ہم اس کی پیروی کریں گے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہم اس کے متعلق توقف کریں گے اور ہم اپنی جانب سے کسی رائے کو پیش نہیں کریں گے ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے توفیق کے طالب ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کرو اور اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ یعنی دین و حرمت میں بھائی بھائی ہیں، یہ رشتہ نسب میں نہیں اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نسبی اخوت دینی مخالفت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دینی اخوت نسبی مخالفت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تحاسدوا ولا تبغضوا ولا تجتسبوا ولا تناسبوا وكونوا عباد الله إخوانا (1) باہم حسد نہ کرو، باہم بغض نہ کرو، جاسوسی نہ کرو، خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کیا کرو باہم بھاؤ پر بھاؤ نہ کیا کرو بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ”باہم حسد نہ کیا کرو، بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم بغض نہ کیا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، تم میں سے کوئی کسی کی خرید و فروخت کے معاہدہ پر معاہدہ نہ کرے بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ۔“ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے“ آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کیا ”ایک انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے“ الفاظ مسلم کے ہیں۔

صحیحین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس پر عیب لگاتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ گھربنانے میں اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ اس پر ہوا کو روک دے مگر اس کی اجازت سے ایسا کرتا ہے، وہ ہنڈیا کی خوشبو سے اسے اذیت نہیں دیتا مگر اس کے لیے چمچ پھر سالن بھیجتا ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہ خریدے کہ وہ اسے لے کر پڑوسی کے بچوں کے پاس جائیں اور اس میں سے انہیں کوئی چیز نہ دیں“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یاد کرو تم میں سے بہت ہی تھوڑے افراد سے یاد رکھیں گے۔“

مسئلہ نمبر 2۔ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ یعنی جن دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہے ان میں صلح کرواؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج مراد ہیں جس طرح یہ بات پہلے گذر چکی ہے۔ ابو علی نے کہا: اخوین سے مراد دو طائفے ہیں کیونکہ تثنیہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور مراد کثرت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ يَلْمُكَ مَلِئُوكَ مَلِئُوكَ (المائدہ: 64) ابو عبیدہ نے کہا: یعنی دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کرواؤ۔ اس کا صدق تمام افراد پر آتا ہے۔ ابن سیرین، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، محمد بن زید اور یعقوب نے بین اخوتکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اخوانکم پڑھا ہے

باقی قراء نے احویکم یاء کے ساتھ تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت اور اس سے قبل والی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ بغاوت ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرکشی کرنے کے باوجود انہیں اخوة اور مومنین کا نام دیا ہے۔ حارث اعمور نے کہا: حضرت علیؑ شہ خدا بنیوں سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک افراد کے بارے میں پوچھا گیا جبکہ ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے مقدمے تھے کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: نہیں وہ تو شرک سے بھاگے تھے، پوچھا گیا: وہ منافق تھے؟ فرمایا: نہیں کیونکہ منافق اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں، پوچھا گیا: ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر بغاوت کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ
بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ①

”اے ایمان والو! تم سخر اڑایا کرو مردوں کی ایک جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ، کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا، اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے اس روش سے تو وہی بے انصاف ہیں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ①

قوله ① اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بہتر ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اعتقاد اور باطنی طور پر اطاعت شعار ہونے میں بہتر ہوں۔ سخر یہ کا معنی استہزاء ہے اس کا باب سخرت منہ أسخر أسخرًا مسخرًا وسخرًا ہے ابو یزید نے یہ بیان کیا ہے سخرت بہ۔ یہ سب سے ردی لغت ہے۔ انفس نے کہا: سخرت منہ سخرت، ضحکت منہ وضحکت بہ اور هزئت منہ وهزئت بہ سب نے کہا: یہ کہا جاتا ہے اس کا اسم سخریہ اور سخری ہے دونوں کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا (الزخرف: 32) فلاں سخرآ۔ وہ عمل میں مذاق کرتا ہے یہ کہا جاتا ہے: خادم سخرآ، رجل سخرآ، یعنی اس کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔ سخرآ، لوگ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی ان کے کان میں گرانی تھی جب صحابہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کی طرف سبقت کرتے جب وہ مجلس میں آتے تو صحابہ ان کی جگہ کھلی کر دیتے یہاں تک کہ وہ آپ کے پہلو میں بیٹھ جاتے تاکہ جو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں اس کو سن لیں، ایک دن وہ آئے جبکہ نماز فجر کی ایک رکعت ہو چکی تھی جب نبی کریم ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے ہر ایک آدمی نے اپنے آپ کو اپنی جگہ روک لیا اور اسی کے ساتھ چٹ گئے

کوئی کسی کے لیے جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا یہاں تک کہ جو آدمی جگہ نہ پاتا وہ کھڑا ہو جاتا، جب حضرت ثابت نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور کہتے: کھل جاؤ۔ لوگوں نے آپ کے لیے جگہ کھلی کر دی یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے جبکہ ان کے درمیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آدمی تھا۔ حضرت ثابت نے کہا: جگہ دو۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: آپ نے جگہ پالی ہے یہیں بیٹھ جائیے۔ حضرت ثابت اس کے پیچھے غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے پھر کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں ہے۔ حضرت ثابت نے کہا کہ فلاں کا بیٹا، اسے عار دلانا چاہتے تھے یعنی دور جا بلیت کی جو اس کی ماں تھی۔ اس آدمی کو بڑی حیا آئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاک نے کہا: یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جن کا ذکر سورہ کے آغاز میں گذر چکا ہے انہوں نے فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا جس طرح حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت ابن فہیرہ، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلیمان اور حضرت سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کی جب انہوں نے ان کے برے حال کو دیکھا تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مجاہد نے کہا: مراد غنی کا فقیر سے مذاق کرنا۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس کے گناہ پوشیدہ رکھے وہ اس آدمی کا مذاق نہ اڑائے جس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہو ممکن ہے کہ اس کے گناہوں کا دنیا میں ظاہر ہونا آخرت میں اس کے لیے بہتر ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی جب وہ مدینہ طیبہ میں مسلمان کی حیثیت سے آیا مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا: اس امت کے فرعون کا بیٹا۔ عکرمہ نے اس کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی آدمی اس پر مذاق کی جرات نہ کرے جو اس کے سامنے آئے جبکہ اس کا حال پرانگندہ ہو، اس کے بدن میں کوئی عیب ہو یا وہ اچھی طرح گفتگو نہ کر سکتا ہو ممکن ہے ضمیر کے اعتبار سے زیادہ مخلص اور دل کے اعتبار سے زیادہ صاف ہو اس آدمی کی نسبت جو اس کی صفت کے مخالف ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ وہ اس آدمی کو حقیر سمجھ رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظیم قرار دیا ہے۔۔۔ سلف صالحین نے اس امر سے بچنے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا، ان میں عمرو بن شریک کا قول ہے: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ وہ بکری کے بچے کو بکری کا دودھ پلا رہا ہے تو میں اس پر ہنس پڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہ کام کروں گا جو اس نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آزمائش بات پر ہی منحصر ہے اگر میں کتے کا مذاق اڑاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں کتا بنا دیا جاؤں۔ قوم کا لفظ مذکرین کے لیے خاص ہے۔ زہیر نے کہا:

وما ادری دسوف احوال ادری اقوام آل حصن ام نساء (2)

میں نہیں جانتا ممکن ہے میں جان جاؤں کیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں۔

انہیں قوم کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ مصائب میں داعی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائم کی جمع ہے پھر ہر جماعت میں اس کو استعمال کیا جانے لگا اگرچہ وہ کھڑے نہ ہوں۔ قوم میں عورتیں مجازاً داخل ہو جاتی ہیں۔ سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَلَا نِسَاءً مِّنْ نِّسَاءِ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّمَّنْهُنَّ عورتوں کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ ان سے مذاق آتا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّا أَنزَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ (نوح: 1)** یہ سب کو شامل ہے۔ مفسرین نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کی دو بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے استہزاء کیا تھا آپ نے اپنی دونوں ڈھاکوں کو ایک سفید کپڑے سے باندھ رکھا تھا اور اس کی دونوں طرفوں کو پیچھے لٹکا دیا تھا وہ اسے گھسیٹ رہی تھیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے فرمایا: اسے دیکھو یہ اپنے پیچھے کیا گھسیٹ رہی ہے گویا وہ کتے کی زبان ہے۔ یہ ان دونوں کا مذاق تھا۔ حضرت انس اور ابن زید نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کی ازواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ کو چھوٹے قد کا ہونے کی وجہ سے عار دلانی تھی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت صدیقہ کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اے اللہ کے نبی! وہ چھوٹے قد کی ہے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حبیب بن اخطب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کی: رسول اللہ! ﷺ عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں وہ مجھے کہتی ہیں: اے یہودن جو دو یہودیوں کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو نے یہ کیوں نہیں کہا: میرا جد حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے خاوند حضرت محمد ﷺ ہیں“۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ صحیح ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کی نقل کی فرمایا: ”مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں کسی کی نقل کروں جبکہ میرے لیے یہ یہ ہے“ کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ کہ حضرت صفیہ چھوٹے قد کی عورت ہے، ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا فرمایا: ”تو نے ایسی بات کی ہے اسے سمندر میں ملایا جائے تو وہ متغیر ہو جائے“ (2)۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن زعمہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک اونٹ و مارنے کی طرح کیوں اپنی بیوی کو مارتا ہے پھر اسے گلے لگاتا ہے“ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے احوال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے“ (3)۔

یہ عظیم حدیث ہے اس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ کسی کے عیب کی وجہ سے وہ قطع تعلق نہ کرے وہ اس کی اطاعت کے اعمال

2۔ ابوداؤد، باب فی الغیبة، حدیث نمبر 4232، نسیا، القرآن پہلی پیشکش

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 202

3۔ صحیح مسلم، کتاب البیروا الصلہ، باب تحریم قلم المسلم الخ، جلد 2، صفحہ 317

دیکھے ممکن ہے جو اعمال ظاہرہ کی محافظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک مذموم وصف کو جانتا ہو جس کے ساتھ وہ اعمال صحیح نہ رہتے ہوں ممکن ہے جس میں ہم کوئی نافرمانی اور کوتاہی دیکھیں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسا وصف محمود جانتا ہو جس کے باعث اس کے گناہ بخش دے۔ اعمال ظنی نشانیاں ہیں یہ قطعی ادلہ نہیں جس کے اعمال صالح دیکھیں اس کی تعظیم میں غلو نہ کریں جس کے برے اعمال دیکھیں اس کی تحقیر میں نہ جایا جائے اس میں غور و فکر کیجئے کیونکہ دقیق نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وَلَا تَكْمُرُوا الْاَنْفُسُكُمُ

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لمز کا معنی عیب ہے۔ سورہ براءۃ میں ارشاد باری تعالیٰ: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمُزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ (توبہ: 58) میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ طبری نے کہا: لمز ہاتھ، آنکھ، زبان اور اشارہ سے ہو سکتا ہے اور ہر صرف زبان سے ہوتا ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تَقْتُلُوا الْاَنْفُسُكُمُ (النساء: 29) کی مثل ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کریں کیونکہ مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرنے والا ہے جس طرح مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسَلِّمُوا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ (النور: 61) یعنی تم میں سے بعض بعض کو سلام کرتے ہیں معنی ہے تم میں سے بعض بعض کو عیب نہ لگائیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں۔ ضحاک نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں (1)۔ اسے لا تلمزون بھی پڑھا گیا ہے اَنْفُسِكُمْ کے قول میں یہ تشبیہ موجود ہے کہ دانش مند آدمی اپنے آپ پر عیب نہیں لگاتا اس لیے کسی غیر پر بھی عیب نہیں لگانا چاہیے کیونکہ غیر بھی اس کی ذات کی طرح ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: المؤمنون كجسد واحد إن اشتكى عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر والحصي (2) سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں اگر اس میں سے ایک عضو کو بیماری لگتی ہے تو سارا جسم اس کے لیے بیداری اور بخار کے ساتھ ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

بکر بن عبد اللہ مزنی نے کہا: اگر تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ تو ہمت سے عیوب کو دیکھے تو بہت زیادہ عیب لگانے والے، غور کر کیونکہ لوگوں پر وہی عیب لگاتا ہے جو اس کے عیوب سے زائد ہوتا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: يبصر أحدكم القذاعة في عين أخيه ويدع الجذع في عينه تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی میں تنکا دیکھ لیتا ہے اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انسان کی سعادت مندی اس میں ہے کہ دوسروں کے عیوب میں مشغول ہونے کی بجائے اپنے عیوب میں مشغول ہوا جائے۔ شاعر نے کہا:

المرء إن كان عاقلاً و رعاً أشغله عن عيوبه ورعه

کما السقيم المريض يشغله عن وجع الناس كلهم وجهه

انسان اگر عقلمند ہو تو اس کا تقویٰ اسے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دے گا۔ جس طرح ایک مریض ہوتا ہے اس کا درد اسے تمام لوگوں کے درد سے غافل کر دیتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لا تکشفن مساوی الناس ما ستروا فیتھک اللہ سترا عن مساویکا

واذکر محاسن ما فیہم إذا ذکروا ولا تعب أحدا منهم بما فیک

جن عیوب کو لوگوں نے چھپا رکھا ہے تو انہیں ظاہر نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے عیوب کو ظاہر کر دے گا۔ جب ان کا ذکر ہو تو ان کی اچھائیوں کا ذکر کر اور جو عیب تجھ میں ہے وہ عیب کسی پر نہ لگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَلَا تَنَابِرُوا بِلِقَابِ رَبِّكَ مَعْنَى لِقَابٍ، نَبَزٌ كَمَا مَعْنَى لِقَابٍ هِيَ اس کی جمع انباز ہے نیز مصدر ہے، تو اس کا باب یوں ظاہر کرتا ہے: نَبَزٌ كَمَا مَعْنَى لِقَابٍ، یعنی اسے لقب دیا: فلان ینبذ بالصبیان فلاں بچوں کو لقب دیتا ہے کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے اسے مشدد پڑھا جاتا ہے: یہ بھی جائز ہے نیز اور نَبَزٌ بَرِّ لِقَابٍ كَمَا مَعْنَى لِقَابٍ ان میں سے بعض نے بعض کو لقب دیا۔

ترمذی میں ابو جیرہ بن ضحاک سے مروی ہے کہا: ہم میں سے ایک آدمی کے دو یا تین نام ہوا کرتے تھے ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا (1) تو ممکن تھا کہ وہ ناپسند کرے تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَنَابِرُوا بِلِقَابِ رَبِّكَ۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

ابو جیرہ نے کہا: وہی اخو ثابت بن ضحاک بن خلیفہ انصاری ہے، ابو زید بن سعید بن ربیع صاحب ہروی ثقہ ہے۔ مصنف ابی داؤد میں ان سے یہ روایت مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی وَلَا تَنَابِرُوا بِلِقَابِ رَبِّكَ مَعْنَى لِقَابٍ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ کہا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہم میں سے کوئی ایسا آدمی نہ تھا مگر اس کے دو یا تین نام تھے رسول اللہ ﷺ اسے فرمایا کرتے: ”اے فلاں!“ وہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! ﷺ رک جائیے وہ اس نام سے ناراض ہو جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ یہ ایک قول ہے۔

دوسرا قول ہے: حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کو کفر کے ساتھ عار دلانی جاتی کہا جاتا: اے یہودی! اے نصرانی! تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ، ابو العالیہ اور کرمہ سے مروی ہے قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے اے فاسق! اے منافق! یہ مجاہد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (3)۔

1۔ جامع ترمذی، سورہ ہجرات، جلد 2، صفحہ 159

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الالتقاب، حدیث 3730۔ سنن ابی داؤد، باب الالتقاب، حدیث 4311، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 152

بِسْمِ الْإِسْمِ الْقُسْوَى بَعْدَ الْإِيمَانِ یعنی یہ کتنی بری بات ہے کہ آدمی کا یہ نام ذکر کیا جائے اے زانی!، اے کافر! جبکہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور توبہ کر چکا ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اپنے بھائی کا لقب ذکر کیا یا اس کے ساتھ مذاق کیا تو ایسا کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے ”کہ جس نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا: اے کافر! تو یہ قول کسی ایک کی طرف لوٹے گا اگر اسی طرح ہو جس طرح اس نے ذکر کیا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قول کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا“ جس نے وہ عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا یعنی مذاق عیب لگانا تو ایسا کرنے والا فاسق ہوگا یہ جائز نہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو ذر نبی کریم ﷺ کے پاس تھے ایک آدمی نے ان سے جھگڑا کیا تو حضرت ابو ذر نے اسے کہا: اے یہودیہ کے بیٹے!۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو یہاں سرخ اور سیاہ نہیں دیکھتا تو اس سے افضل نہیں“ یعنی تو تقویٰ کے ساتھ اس سے افضل نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَتَّبِعُوا آيَاتَ الْكُفَّارِ (1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَتَّبِعُوا آيَاتَ الْكُفَّارِ کا مطلب ہے کہ آدمی نے برے اعمال کیے ہوں پھر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سابقہ گناہوں پر عار دلانے سے منع کیا ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کسی مومن کو اس گناہ کی وجہ سے عار دلائی جس سے اس نے توبہ کی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے آزمائش میں ڈالے اور اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرے۔“

مسئلہ نمبر 3۔ جس کا استعمال غالب ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس طرح کانا، کبڑا جس میں اس کا اپنا کوئی عمل دخل نہ ہو امت نے ایسا قول کرنے کی اجازت دی ہے اور اہل ملت نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ چیز ان کی کتب میں ہے جس سے میں راضی نہیں وہ گفتگو صالح جزرہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس نے خذرا میں تصحیف کی تھی۔ تو اسی کے ساتھ اس کا لقب رکھ دیا گیا، اسی طرح ان کا محمد بن سلیمان حضرمی کے بارے میں قول ہے مطہین کیونکہ وہ مٹی میں گر پڑے تھے اسی کی مثل اور بھی اقوال ہیں جو متاخرین میں غالب آئے۔ میں دین کے معاملہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا۔

معاذ بن علی بن ربیع مصری کہا کرتے تھے: میں کسی آدمی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے باپ کا نام اسم مصغر کی صورت میں بنائے ان کے نام میں غالب عین کلمہ کا ضمہ تھا۔ جو قاعدہ اس تمام بحث کو ضبط کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ قول جسے انسان ناپسند کرے جب اسے اس کے ساتھ ندا کی جائے تو اذیت دینے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں بخاری نے جامع صحیح میں کتاب الادب کا ایک باب باندھا ہے باب ما يجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطويل والقصير لا يراد به شين الرجل کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما يقول ذوالبدين ابو عبد الله بن خويز مند اد نے کہا: یہ آیت اس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ انسان کو ایسا لقب نہ دیا جائے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے وہ لقب اسے دینا جائز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو فاروق، حضرت ابو بکر کو صدیق، حضرت عثمان کو ذوالنورین، حضرت خزیمہ کو ذوشہادتین، کسی کو ذوشالمین اور کسی کو ذویدین وغیرہ کا لقب

دیا۔ زمخشری نے کہا: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے من حق المؤمنین أن یسیہ بأحب أسائہ إلیہ (1) ایک مومن کا دوسرے مومن پر یہ حق ہے کہ اسے وہ نام دے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہو، اسی وجہ سے کنیت سنت اور ادب حسن میں سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا: کنیتیں عام کرو کیونکہ یہ آگاہ کرنے والی ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کا لقب عتیق اور صدیق تھا، حضرت عمر کا لقب فاروق تھا، حضرت حمزہ کا لقب اسد اللہ، حضرت خالد کا لقب سیف اللہ۔ دور جاہلیت اور دور اسلام میں کم ہی ایسا مشہور شخص ہوگا جس کا کوئی لقب نہ ہو عرب و عجم کی تمام قوموں میں ہمیشہ سے اچھے لقب ان کی گفتگووں اور مکاتیب میں جاری ہیں کسی نے انکار نہیں کیا۔

ماوردی نے کہا: جہاں تک مستحب اور مستحسن القاب کا تعلق ہے (2) تو وہ مکروہ نہیں رسول اللہ ﷺ نے کئی صحابہ کے ایسے اوصاف بیان کیے ہیں جو ان کے نمایاں لقب بن گئے۔

میں کہتا ہوں: جس کا ظاہر ناپسندیدہ ہو جب اس کے ساتھ صفت بیان کرنے کا ارادہ کیا ہو عیب کا ارادہ نہ ہو تو یہ اکثر ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مالک سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کہہ رہا تھا: حمین طویل، سلیمان اعش، حمید اعرج، مروان اصغر۔ فرمایا: جب تو اس کی صفت کا ارادہ کرے اس کے عیب کا ارادہ نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن سرجس سے مروی ہے کہا: رأیت الأصدع یعنی عمر یقبل الحجر۔ میں نے گنچے یعنی حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا جو حجر اسود کا بوسہ لے رہے تھے۔ ایک روایت میں الاصدع کے الفاظ ہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْ لِعَنِي جَوَائِزَ الْقَابِ ذَكَرَ كَرِهًا تَوْبَهُ تَائِبٌ نَهَى جَسَّاسًا مَحْسُوسًا كَرِهًا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ وہ ان منع کی گئی چیزوں کو اپنا کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝

”اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ان دو مرد صحابہ۔

بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ساتھی کی غیبت کی تھی اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا جب آپ سفر کرتے تو ایک محتاج آدمی کو دو خوشحال آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے وہ ان کی خدمت کرتا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کو دو آدمیوں کے ساتھ ملایا، حضرت سلمان اپنے پڑاؤ کی طرف نکلے اور نیند غالب آگئی وہ سو گئے اور ان دونوں کے لیے کوئی چیز تیار نہ کی وہ دونوں آئے تو کھانا اور سالن نہ پایا دونوں نے کہا: جاؤ نبی کریم ﷺ سے ہمارے لیے کھانا اور سالن طلب کرو۔ وہ گئے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ”اسامہ بن زید کے پاس جاؤ اسے کہو: اگر تیرے پاس زائد کھانا ہے تو تجھے دے دے“ حضرت اسامہ بن زید کے پاس گئے حضرت سلمان فاری اس کے پاس گئے حضرت اسامہ نے کہا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں حضرت سلمان واپس آئے اور ان دونوں کو یہ سب صورتحال بتائی دونوں نے کہا: اس کے پاس کھانا تو تھا لیکن اس نے بخل کیا ہے پھر دونوں نے حضرت سلمان فاری کو صحابہ کی ایک جماعت کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ہاں بھی کوئی کھانا نہ پایا دونوں نے کہا: اگر ہم اسے سمجھ کے کنویں کی طرف بھیجیں گے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا پھر وہ چلے تاکہ دیکھیں کیا حضرت اسامہ کے پاس کچھ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: ”کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں“ دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ کی قسم آج ہم نے نہ گوشت کھایا ہے نہ کوئی اور چیز کھائی ہے۔ فرمایا: ”لیکن تم دونوں نے ظلم کیا تم سلمان فاری اور اسامہ کا گوشت کھاتے ہو“ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے، یعنی تم اہل خیبر کے بارے میں برا گمان نہ کرو اگر ان کے ظاہر امر کے بارے میں خیر جانتے ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایتاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجسوا ولا تباعضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا ظن سے بچو بے شک ظن سب سے جھوٹی بات ہے ٹوہ میں نہ رہا کرو، جاسوسی نہ کیا کرو، باہم ایک دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم حسد نہ کیا کرو، باہم بغض نہ رکھا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: یہاں اور آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ تحذیر اور نبی کا محل وہ تہمت ہے اس کا وہ عیب نہیں جو اسے ثابت کرتا ہے مثلاً کسی پر فاحشہ اور شراب نوشی کی تہمت لگائی جاسکتی ہے جو چیز اس کا تقاضا کرتی ہے وہ اس پر ظاہر نہیں ہوتی اس امر کی دلیل کہ یہاں ظن کا معنی تہمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں اس کے دل میں تہمت کا خیال آتا ہے وہ اس خبر کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور بحث و تمحیص کرتا ہے وہ توجہ سے دیکھتا ہے اور توجہ سے سنتا ہے تاکہ وہ امر ثابت ہو جائے جو اس تہمت میں سے واقع ہوا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ دے جو چیز گمانات کو ممتاز کرتی ہے کہ ان سے اجتناب ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس کی توجیح علامت اور ظاہری سبب نہ پاتا ہو تو وہ حرام ہے اور اجتناب ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس آدمی کے بارے میں یہ گمان کیا جا رہا ہے اس سے پردہ پوشی اور صالحیت دیکھی گئی ہو اور ظاہر میں امانت ہی دکھائی دیتی ہو تو اس کے بارے میں فساد اور

خیانت کا گمان حرام ہے اس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو لوگوں میں اس انداز میں مشہور ہو کہ شک و شبہ والے کام کرتا ہو اور اعلانیہ خبیث اعمال کا ارتکاب کرتا ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت کو حرام قرار دیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں برا گمان کرے“ (1)۔ حسن سے مروی ہے: ہم ایسے زمانے میں تھے جس میں لوگوں کے بارے میں (برا) گمان حرام ہے اور تو آج ایسے زمانے میں ہے کہ تو عمل کر اور خاموش رہ اور لوگوں کے بارے میں جو چاہے گمان رکھ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ظن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت ایسی ہے جو جانی پہچانی ہے اور دلائل کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے تو اس کے موافق حکم دینا جائز ہے شریعت کے اکثر احکام غلبہ ظن پر مبنی ہیں جس طرح قیاس اور خبر واحد وغیرہ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ دلالت کے بغیر نفس میں کوئی چیز واقع ہو جائے تو وہ اپنی ضد سے اولیٰ نہ ہو یہی شک ہے اس کے مطابق حکم دینا جائز نہیں اس سے نہی کی گئی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

بدعتیوں کی ایک جماعت نے ظن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کے جواز کا انکار کیا ہے وہ دین میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے ہیں اور معقولات میں اپنا دعویٰ کرتے ہیں اس میں کوئی قاعدہ نہیں جس پر انحصار کیا جا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت نہیں کی بعض کی مذمت کی ہے بعض اوقات وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: **يَا كُمْ وَالظَّنُّ ظَنٌّ سَجْوٌّ**۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ شریعت میں ظن کی دو قسمیں ہیں۔ اس میں سے محمود وہ ہے جس کے ساتھ ظن کرنے والے کا دین اور جس کے بارے میں گمان کیا جا رہا ہے جب اس تک پہنچے اس کا دین محفوظ رہتا ہے مذموم اس کے مد مقابل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا** (النور: 12) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَوَظَّنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا** (الفتح)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کسی بھائی کی تعریف کرے تو وہ کہے: میں یہ گمان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی پاکی بیان نہیں کرتا“ فرمایا: ”جب تو یہ گمان کرے تو تحقیق کر لے، جب حسد کرے تو تجاوز نہ کر اور جب تو فال پکڑے تو کام کو جاری رکھ“ اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جس آدمی کا ظاہر اچھا ہو اس کے بارے میں برا گمان جائز نہیں، جس کا ظاہر قبیح ہو اس کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ یہ مہدوی نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ **وَلَا تَجَسَّسُوا** اور حضرت حسن بصری نے اسے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے اسے **وَلَا تَجَسَّسُوا** اور جاء اور حضرت حسن بصری نے اسے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے اسے **وَلَا تَجَسَّسُوا** پڑھا ہے اس میں اختلاف ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا ان کے دو معنی ہیں؟ انفس نے کہا: ان میں

سے ایک دوسرے سے بعید نہیں کیونکہ تجسس کا معنی ایسی چیز کے بارے میں بحث کرنا ہے جو تجھ سے پوشیدہ ہو اور تجسس سے مراد خبروں کو طلب کرنا اور ان کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجسس کا معنی بحث کرنا۔ اسی سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل جاسوس۔ جب وہ امور کی کرید کرتا ہو۔ اور تجسس سے مراد انسان کا کسی حاسہ سے اس چیز کا ادراک کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے تجسس کا معنی اپنے لیے تلاش کرنا اور اور تجسس کا معنی ہے کہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہو؛ یہ ثعلب کا قول ہے پہلا قول زیادہ معروف ہے۔ جست الأخبار و تجسس تھا۔ جب تو ان کو چھان بین کرے اسی معنی میں جاسوس ہے آیت کا معنی ہے جو امر ظاہر ہو اسے لے لو اور مسلمانوں کے پوشیدہ امور کا تجسس نہ کرو، یعنی تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا عیب تلاش نہ کرے یہاں تک کہ اس پر مطلع ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخفی رکھا ہے۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اگر تو لوگوں کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے گا تو تو انہیں فاسد کر دے گا (1)“ حضرت ابودرداء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جو حضرت معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اسے نفع دیا۔

مقدم بن معد کیرب سے مروی ہے وہ حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: ”امیر جب لوگوں میں شک کی تلاش کرے تو اس نے انہیں خراب کر دیا“ (2) زید بن وہب سے مروی ہے کہ کوئی آدمی حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یہ فلاں ہے، اس کی داڑھی شراب پکاتی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: ہمیں تجسس سے روک دیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے لیے کوئی چیز ظاہر ہوگی تو ہم اس کو اپنائیں گے (3)۔

ابوبرزہ اسلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا نہ کیا کرو جو انسان ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا“ (4)۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: ایک رات میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ ملکر پہرہ دیا کہ ایک گھر میں ہمارے لیے چراغ ظاہر ہوا۔ دروازہ لوگوں پر کھلا ہوا تھا جنکی آوازیں بلند تھیں اور وہ فضول بات کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ گھر ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے وہ اس وقت شراب پی رہے ہیں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری رائے ہے ہم نے وہ کام کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوا ہم نے تجسس کیا ہے۔ حضرت

2۔ ایضاً، حدیث نمبر 4245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

1۔ سنن ابی داؤد، باب النہی عن التجسس، جلد 2، صفحہ 314

3۔ ایضاً، حدیث نمبر 4246، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، کتاب الأدب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، باب فی العیبة، حدیث نمبر 4236، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عمر واپس ہو گئے اور انہیں چھوڑ دیا۔

ابو قلابہ نے کہا: حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں بیان کیا گیا کہ ابو محجن ثقفی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے گھر میں شراب پیتا ہے حضرت عمروہاں تشریف لے گئے یہاں تک کہ اس کے گھر میں داخل ہوئے اس کے پاس صرف ایک آدمی تھا، ابو محجن نے کہا: یہ تیرے لیے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے تجھے منع کیا ہے۔ حضرت عمروہاں سے نکلے اور اسے چھوڑ دیا۔

زید بن اسلم نے کہا: حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ پہرہ دینے کے لیے نکلے دونوں کے لیے آگ ظاہر ہوئی دونوں نے اجازت طلب کی دروازہ کھولا گیا تو وہاں ایک مرد اور عورت تھی، عورت گانا گارہی تھی اور مرد کے ہاتھ پر پیالہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے فلاں! تو یہ کام کر رہا ہے؟ اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ حضرت عمر نے پوچھا: یہ تیری کیا لگتی ہے؟ عرض کی: میری بیوی ہے، فرمایا: اس پیالے میں کیا ہے؟ جواب دیا: مینھا پانی۔ حضرت عمر نے پوچھا: تو کیا گارہی تھی؟ اس نے عرض کی:

تطاول هذا الليل وأسود جانبه وأرقني أن لا أخيل الأعبه
فوالله لولا الله إني أراقبه لزعم من هذا السمر جوانبه
ولكن عقي والحياء يكفني وأكرم بعلى أن تنال مراكبہ

پھر اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوا حضرت عمر نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں: اس خبر سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ عورت مرد کی بیوی نہیں تھی کیونکہ حضرت عمرؓ نے اجازت دینے والے نہیں تھے اس عورت نے ایسے اشعار پڑھے جن میں خاوند کا ذکر تھا اس نے یہ اشعار اس کی عدم موجودگی میں کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

عمر بن دینار نے کہا: اہل مدینہ کے ایک آدمی کی بہن تھی وہ بیمار ہو گئی وہ اس کی عیادت کرتا تھا وہ فوت ہو گئی اور اس نے اپنی بہن کو دفن کیا وہ خود اس کی قبر میں اتر اس کی آستین سے ایک تھیلا گر گیا جس میں دینار تھے اس نے اپنے خاندان کے کچھ افراد سے مدد لی انہوں نے اس کی قبر کو کھودا اور تھیلا لے لیا پھر اس نے کہا: میں اسے کھولوں گا یہاں تک کہ میں دیکھوں کہ میری بہن کا انجام کیا ہوا اس نے اسے کھولا تو قبر آگ سے بھڑک رہی تھی وہ اپنی ماں کے پاس آیا عرض کی: مجھے بتاؤ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا: تیری بہن مر چکی ہے اب اس کے عمل کے بارے میں سوال کا فائدہ؟ وہ لگا تار سوال کرتا رہا یہاں تک کہ ماں نے کہا: اس کا عمل یہ تھا کہ وہ نماز کو تاخیر سے پڑھتی جب لوگ سو جاتے تو وہ لوگوں کے گھروں کی طرف اٹھتی اور اپنے کان ان کے دروازوں کے ساتھ لگاتی اور ان کے معاملات کے بارے میں تجسس کرتی اور ان کے راز ظاہر کر دیتی۔ اس مرد نے کہا: اس وجہ سے وہ ہلاک ہوئی۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا اللہ تعالیٰ نے نیت سے منع کیا، اس کا معنی یہ ہے کہ تو کسی انسان کا ان

عیوب کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں ہیں اگر وہ کسی ایسے عیب کا ذکر کرتا ہے جو اس میں نہیں تو یہ بہتان ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں اسی معنی کی حدیث موجود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟“ (1) ”جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ فرمایا: ”تیرا اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے“ عرض کی گئی: بتائیے اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہتا ہوں؟ فرمایا: اگر اس میں وہ ہے جو کچھ تم کہتے ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا“ جملہ کہا جاتا ہے: اغتبابہ اغتبابا۔ جب اس میں واقع ہو اس کا اسم غیبۃ ہے اس سے مراد عدم موجودگی میں عیب کا ذکر کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: غیبت کی تین صورتیں ہیں سب کتاب اللہ میں ہیں غیبت، افک، بہتان (2)۔ جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کرے جو اس میں ہو۔ افک سے مراد ہے تو اس کے بارے میں وہ کہے جو تجھ تک پہنچی ہو جہاں تک بہتان کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے تو وہ بات کرے جو اس میں نہ ہو۔

شعبہ سے مروی ہے کہ مجھے معاویہ بن قرہ نے کہا: اگر تیرے پاس سے کوئی ایسا آدمی گذرے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تو کہے: اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے تو یہ غیبت ہوگی۔ شعبہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر ابواسحاق سے کیا تو اس نے کہا: اس نے سچ بولا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلمی ماعز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے بارے میں زنا کی گواہی دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ کو سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: اسے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل پردہ میں رکھا تھا اس نے اپنے آپ کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اسے رجم کر دیا گیا جس طرح کتے کو رجم کیا جاتا ہے۔ آپ نے ان دونوں کو کوئی جواب نہ دیا پھر آپ لمحہ بھر چلے یہاں تک کہ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گذرے جس کے پاؤں سے رسی باندھی گئی تھی فرمایا: ”اے فلاں! اے فلاں!“۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: ”اتر و اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ؟“ عرض کی: اے اللہ کے نبی! کون اسے کھاتا ہے؟ فرمایا: ”تم نے اپنے بھائی کی عزت سے جو حاصل کیا ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے“ (3)۔

مسئلہ نمبر 6۔ اَيُّجِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا اللَّهُ تَعَالَى نَعَيْتُ كَوْمَرْدَارِ كَهَانِ سَعِ تَشْبِيهِ دِي هِي كِيُونَكَمِ مَيْتِ نَهِيَسْ جَانَتَا كَمِ اس كَا گوشت كَس نِي كَهَا يَهِي جَس طَرَحِ زَنَدَه نَهِيَسْ جَانَتَا كَمِ كَس نِي اس كِي غَيْبَتِ كِي هِي؟ حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا نِي كَهَا: اللَّهُ تَعَالَى نِي يِهِي مِثَالِ غَيْبَتِ كِي بَيَانِ كِي هِي كِيُونَكَمِ مَرْدَارِ كَا گوشت حَرَامِ اُورِ نَا پَسَنْدِيدَه هُو تَا هِي اِسِي طَرَحِ غَيْبَتِ دِينِ مِيں حَرَامِ اُورِ نَفُوسِ مِيں قَبِيحِ هُو تِي هِي۔ قَتَادَه نِي كَهَا: جَس طَرَحِ تَمِ مِيں سَعِ كُوْنِي اِيَكِ اِپْنِي مَرْدَه بَهَائِي كَا گوشت كَهَانِي سَعِ رَكِ جَاتَا هِي اِسِي طَرَحِ ضَرُورِي هِي كَمِ وَه زَنَدَه كِي غَيْبَتِ سَعِ رَكِي۔ غَيْبَتِ كِي جَلَكِ گوشت كَهَانِي كَا لَفْظِ اسْتِمَالِ كِيَا كِيَا كِيُونَكَمِ

اور تم نے اس کی غیبت کی ہے“ (1)۔

سفیان ثوری سے مروی ہے کہ کم سے کم غیبت یہ ہے کہ تو کہے: فلاں جعد ققط ہے یعنی وہ چھوٹا، بخیل اور سخت گھنگریالے بالوں والا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں کے ذکر سے بچو کیونکہ یہ ایک بیماری ہے تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازمی ہے کیونکہ وہ شفا ہے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی غیبت کرتے ہوئے سنا فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے کتوں کا سالن ہے۔

عمرو بن عبید سے کہا گیا: فلاں نے آپ کی غیبت کی یہاں تک کہ ہم نے آپ پر رحم کیا اس پر رحم کرو۔

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں؟ فرمایا: تیرا مقام و مرتبہ میرے ہاں اتنا نہیں کہ میں اپنی نیکیوں کا فیصلہ تیرے حق میں کر دوں۔

مسئلہ نمبر 7۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے کہ غیبت صرف دیانتداری کے اعتبار سے ہوتی ہے یہ شکل و صورت اور حسب (اخلاق) میں نہیں ہوتی انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے برعکس قول کیا ہے انہوں نے کہا: غیبت شکل و صورت، اخلاق اور حسب میں ہوا کرتی ہے شکل و صورت میں سب سے سخت ہوتی ہے کیونکہ جو کسی صنعت میں عیب لگاتا ہے تو وہ صانع میں عیب لگاتا ہے۔ یہ سب اقوال مردود ہیں جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اسے رد کرتی ہے جب آپ نے حضرت صفیہ کے بارے میں کہا: وہ چھوٹے قد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا لقد قلت کلمة لوموزج بها البحر لمزجته تو نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر میں ملایا جائے تو اس کی حالت بدل جائے۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حدیث کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ اور جو روایت اس کے معنی میں ہوگی وہ پہلی روایات کے موافق ہوگی۔ قدیمی علماء کی یہ رائے ہے کہ جب اس سے عیب کا ارادہ کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے سب علماء کے نزدیک وہ بھی مردود ہے کیونکہ پہلے زمانہ کے علماء جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین میں سے تھے ان کے نزدیک دین (دیانت) میں غیبت سے بڑھ کر کوئی بڑی غیبت نہ تھی کیونکہ دیانت میں عیب سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ ہر مومن اس بات کو زیادہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کے دین کے بارے میں کوئی بات ذکر کی جائے نسبت اس کے جو اس کے بدن کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ جس نے بھی یہ بات کی ہے اس کے رد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: اذا قلت لی اخیک ما یکرہ فقد اغتبتہ جب تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ الحدیث۔ جو آدمی

1۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 157

2۔ جامع ترمذی، صفحہ القیام، جلد 2، صفحہ 73۔ سنن ابی داؤد، باب فی العیبة، حدیث نمبر 4232، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ گمان کرے کہ یہ غیبت نہیں تو اس نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کو رد کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا عمومی ارشاد کافی ہے: **دماؤکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم (میں ایک دوسرے) پر حرام ہیں۔** یہ حکم دین و دنیا سب کو عام ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **من کانت عنده لایخیه مظلمة فی عرضہ او مالہ فلیتحللہ منہ۔** جس آدمی نے اپنے بھائی کے ساتھ اس کی عزت یا مال میں ظلم کیا ہو تو اس سے اس امر کو اپنے لیے حلال کرالے یعنی ازالہ کر لے خواہ معافی کی صورت میں ہو یا حق کی ادائیگی کے ساتھ ہو۔ یہ ہر امر کو عام ہے جس نے اس میں سے کسی چیز کو خاص کیا ہے اس نے نبی کریم ﷺ کا مقابلہ کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیبت گناہ کبیرہ میں سے ہے جس نے غیبت کی اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے کیا غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہو جاتا ہے؟ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: اس سے بدلہ لینا حلال نہیں یہ ایسی خطا ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے اس نے دوسرے فرد کا مال نہیں لیا اور نہ ہی اس کے بدن کو ایسی تکلیف پہنچائی ہے جس وجہ سے بدن میں کوئی نقص واقع ہوا ہو، یہ کوئی ایسا ظلم نہیں ہے جس کے باعث وہ اس کے لیے حلال ہو جائے وہ ظلم جس کے باعث بدل اور ظلم لازم ہوتا ہے وہ مال اور بدن کا نقصان ہے۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے: یہ ظلم ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہنا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کے لیے بخشش کا طلب گار ہو۔ ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے: جس کی غیبت کی گئی اس کے لیے غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ”جس کسی کی بھائی کے ہاں زیادتی ہو خواہ مال ہو یا عزت میں تو اس کو اس دن سے پہلے معاف کرالے جہاں کوئی درہم اور دینار نہیں ہوتا اس روز اس کی نیکیاں لی جائیں گی اگر اس کی نیکیاں نہ ہوگی تو جس کی غیبت کی گئی اس کی برائیاں لی جائیں گی اور غیبت کرنے والے کی برائیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔“ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من کانت له مظلمة لایخیه من عرضہ او من مالہ فلیتحللہ منہ الیوم قبل ان یتوارا درہم ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمتہ وان لم یکن له حسنات اخذ من سنات صاحبہ فحمل علیہ جس آدمی پر کسی بھائی نے عزت یا کسی اور چیز میں ظلم کیا ہو تو وہ آج ہی اس سے حلال کرالے اس دن سے پہلے جس روز کوئی دینار اور کوئی درہم نہ ہوگا اگر اس کا کوئی عمل صالح ہوگا تو ظلم کی مقدار کے مطابق اس سے عمل لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں تو جس پر ظلم کیا گیا تھا اس کی برائیاں لے لی جائیں گی اور ظلم کرنے والے پر ڈال دی جائیں گی۔“ یہ احادیث سورہ آل عمران آیت 109 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ فِيكُمْ** میں گزر چکی ہیں۔**

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر

ہوئی جب وہ اٹھی تو ایک عورت نے کہا: اسکا دامن کتنا لمبا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: تو نے اس کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگ۔ نبی کریم ﷺ سے مروی آثار دلالت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے جس نے غیبت کی ہے اس پر لازم ہے کہ انہیں معاف کرائے۔

جس نے یہ کہا کہ غیبت مال اور بدن میں ہوتی ہے علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو آدمی کسی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کا اس آدمی پر ظلم ہے جس پر تہمت لگائی گئی، وہ اس کے بارے میں حد کا مطالبہ کرے گا یہاں تک کہ اس پر حد جاری ہو جائے۔ یہ بدن اور مال میں نہیں اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ظلم عزت، بدن اور مال میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کے بارے میں فرمایا: **فَاذْلَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَدَةِ قَائِلًا وَتِلْكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكٰذِبُونَ** (النور: 13)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس آدمی نے کسی مومن پر ایسا بہتان لگایا جو اس میں نہ تھا اللہ تعالیٰ اسے طینۃ خبال (دوزخیوں کے زخموں کی پیپ) میں قید کر دے گا“ (1)۔ یہ سب چیزیں مال اور بدن کے علاوہ ہیں۔ جس نے یہ کہا: یہ ظلم ہے اور ظلم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس آدمی کے لیے بخشش طلب کرے جس کی اس نے غیبت کی تو اس نے الٹ بات کی کیونکہ اس نے اسکا نام ظلم رکھا، پھر کہا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے کیونکہ مظلوم کا لفظ مظلوم کے ساتھ بے انصافی کو ثابت کرتا ہے جب بے انصافی ثابت ہوگئی تو ظالم سے اس وقت تک زائل نہ ہوگی مگر یہ کہ مظلوم اس کے لیے اسے حلال نہ کر دے۔

جہاں تک حضرت حسن بصری کے قول کا تعلق ہے تو وہ حجت نہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ أَخِيهِ مَظْلَمَةٌ فِي عَرْضِ أَوْ مَالٍ فَلْيَتَحَلَّلْهَا مِنْهُ** (2) جس آدمی کو کسی بھائی کے ہاں عزت اور مال میں ظلم ہو تو وہ اس سے اس کے بارے میں معافی لے لے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے: جو آدمی معافی چاہے اور وہ اسے معاف نہ کرے اس کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو چیز حرام کر دی ہے وہ اسے حلال نہ کرے، ان میں سے ایک سعید بن مسیب ہیں کہا: جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ ابن سیرین سے کہا گیا: اے ابا بکر! یہ ایسا آدمی ہے جو تجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ تو اس کی وہ غلطی معاف کر دے جو اس نے تیرے ساتھ کی ہے۔ آپ نے کہا: میں نے یہ چیز اس پر حرام نہ کی تھی کہ میں اسے اس پر حلال کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر غیبت کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اس پر حرام کی ہے میں اسے کبھی بھی حلال نہیں کروں گا یعنی معاف نہیں کروں گا جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد معاف کرنے پر دلالت کرتا ہے یہی دلیل ہے، معاف کر دینا رحمت پر دلالت کرتا ہے یہ معافی کی صورت میں ہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ** (الشوری: 40)

مسئلہ نمبر 9۔ ایسا فاسق جو اعلانیہ فسق کرتا ہے اس کے بارے میں غیبت کا یہ حکم نہیں کیونکہ حدیث طیبہ میں ہے: **مَنْ التَّقَى جَلْبَابَ الْحَيَاءِ فَلَا غَيْبَةَ لَهُ** (3) جو حیاء کی چادر اتار پھینکے اسکی کوئی غیبت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذکر والفاجر ما فیہ کی یحذره الناس فاجر میں جو برائی ہے اس کا ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے احتیاط کریں۔ غیبت تو اس آدمی کے بارے میں ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ثلاث لیست لهن حرمة تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی حرمت نہیں (1) خواہش نفس کی غلامی کرنے والا (2) فاسق معین (3) ظالم حاکم۔ جب حجاج مر گیا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اے اللہ! تو نے اسے موت عطا کی ہے ہم سے اس کی سنت کو ختم کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے عیب کو ختم کر دے کیونکہ وہ ہمارے پاس آیا جبکہ وہ رتوند کی بیماری والا اور کمزور نظر والا تھا، وہ اپنا ہاتھ چھوٹے پوروں کے ساتھ بڑھا تا اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں اسے پسینہ نہیں آیا اور نہ اسے غبار پہنچا وہ اپنے بالوں کو کنگھی کرتا اور چال میں تکبر کا اظہار کرتا وہ منبر پر چڑھتا اور نیچے تب اترتا جب نماز کا وقت فوت ہو چکا ہوتا، نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور نہ لوگوں سے حیا کرتا اس کے اوپر اللہ اور اس کے زیر کمان ایک لاکھ یا زیادہ افراد تھے اسے یہ نہ کہتا: اے انسان نماز!۔ پھر حسن بصری کہتے: ہیہات حال دون ذلك السیف والسوط۔

ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بدعتی کی برائی کرنا کوئی غیبت نہیں۔ اس طرح تیرا قاضی کو یہ کہنا: جس سے تو اپنے حق کے بارے میں مدد لیتا ہے کہ تو اس سے اپنا حق لے لے جس نے تجھ پر ظلم کیا تو کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا مجھ پر غضبناک ہوا ہے یا مجھ سے خیانت کی ہے یا مجھے مارا ہے یا مجھ پر تہمت لگائی ہے یا میرے ساتھ زیادتی کی ہے یہ کوئی غیبت نہیں۔ امت کے علماء اس پر متفق ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں مجھے کہا: لصاحب الحق مقال (1) صاحب حق کو گفتگو کا حق ہے اور کہا: غنی کا مال مثل کرنا ظلم ہے کہا: ابی الواجد یحل عرضہ و عقوبتہ (2)۔ جو آدمی قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا مال مثل کرنا اس کی عزت اور اس کو سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے اس کے بارے میں استفتاء بھی ہے جس طرح حضرت ہند نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تھا کہ حضرت ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کے لیے کافی ہو میں اس کے بتائے بغیر مال لے سکتی ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں تو لے لے“۔ اس نے بخل اور ظلم کا ذکر کیا جو اس کے اور اس کے بچے کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غیبت کرنے والا شمار نہیں کیا کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر اس کی گفتگو کو تبدیل نہ کیا بلکہ حضور ﷺ نے اسے فتویٰ کا جواب ارشاد فرمایا، اسی طرح اگر اس کی برائی کے ذکر میں فائدہ ہو جس طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أما معاویة فمعلوک لا مال له وأما أبو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه (3) جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ کنگال ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں اور جہاں تک ابو جہم کا تعلق ہے تو وہ بیوی پر سختی کرتا ہے یا لگا تا سفر پر رہتا ہے۔ یہ جائز ہے مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت قیس ان کے بارے میں کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ محاسبی نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ مَیْتًا سے مَیْتًا بھی پڑھا گیا ہے یہ لَحْم سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اخر سے حال ہو اور منصوب ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس مر کو بیان کیا کہ ان سب سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے اس

کے پیچھے اس ارشاد کا ذکر کیا فگرِ حُشْوَةٌ اس میں دو توجیہیں ہیں (1) تم مردار کو کھانا ناپسند کرتے ہو اسی طرح غیبت کرنا بھی تمہارے لیے مکروہ کر دیا گیا ہے؛ مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

(2) تم یہ ناپسند کرو کہ لوگ تمہاری غیبت کریں تو لوگوں کی غیبت کو تم بھی ناپسند کرو۔ فراء نے کہا: یعنی جب تم اسے ناپسند کرتے ہو تو ایسا نہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ تو خبر کا ہے معنی امر کا ہے یعنی تم اسے ناپسند کرو وَاتَّقُوا اللَّهَ اس پر اس کا عطف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف اجْتَنِبُوا اور لَا تَجَسَّسُوا پر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١١﴾

”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہے (1)۔ یہ آیت ابی ہند کے بارے میں نازل ہوئی، ابو داؤد نے اسے مرسل میں ذکر کیا ہے۔ عمرو بن عثمان اور کثیر بن عبید، بقیہ بن ولید وہ زہری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابو ہند کی شادی اپنی کسی عورت سے کر دیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنے غلاموں سے کریں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

زہری نے کہا: یہ آیت خاص کر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی (2) جو انہوں نے اس آدمی کے بارے میں کہا تھا جس نے جگہ نہ دی: اے فلاں کے بیٹے! نبی کریم ﷺ نے پوچھا: فلاں کا ذکر کرنے والا کون تھا؟ ثابت نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قوم کے چہرے دیکھو“ اس نے لوگوں کی طرف دیکھا فرمایا: تو نے کیا دیکھا؟“ اس نے عرض کی: میں نے سفید، سیاہ اور سرخ رنگ کے چہرے دیکھے ہیں فرمایا: ”تو ان سے تقویٰ کے بغیر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا“ تو یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَاتِلْتُمْ تَفْسَحُوا فِي الْمَجَالِسِ (المجادلہ: 11)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا یہاں تک کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھے اور آذان دی تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اس اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تر حمدیں ہیں جس نے میرے والد کی روح کو قبض کر لیا یہاں تک کہ اس نے یہ دن نہ دیکھا۔

حارث بن ہشام نے کہا: محمد کو اس کالے کوے کے سوا کوئی مؤذن نہ ملا تھا۔ اسمیل بن عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے تبدیل کر دیتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: میں تو کچھ نہیں کہتا میں تو ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ جبریل امین حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کہا تھا وہ بتا دیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا انہوں نے جو کہا تھا اس کے بارے میں پوچھا سب نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، انہیں نسبوں پر فخر کرنے، مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے اور فقراء کو ذلیل کرنے سے جھڑکا کیونکہ دار و مدار تقویٰ پر ہے یعنی سب حضرت آدم اور حضرت حواء کی اولاد میں سے ہیں بے شک فضیلت تقویٰ کی بنا پر ہے۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے (1) کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں خطبہ دیا فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت اور آباء پر فخر کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا ہے“ لوگ دو قسم کے ہیں (1) ایسا آدمی جو نیک، متقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم ہے (2) دوسرا فاجر، شقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور یہ آیت: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۰۱﴾ پڑھی اسے عبداللہ بن جعفر جو علی بن مدینی کے والد ہیں سے نقل کیا وہ ضعیف ہے اسے یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے طبری نے اسے کتاب آداب النفوس میں نقل کیا ہے۔

یعقوب بن ابراہیم، اسماعیل سے وہ سعید جریری سے وہ ابونضرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: مجھے اس نے بتایا جو اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر ایام تشریق کے درمیانی دن خطبہ ارشاد فرمایا تھا فرمایا: ”اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔ کیا میں نے تمہیں پیغام دیا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ”حاضر غائب کو پہنچا دے“۔

اس بارے میں مالک اشعری سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہارے حسب کو دیکھتا ہے وہ تمہارے نسب کو نہیں دیکھتا، وہ تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا تمہارے دلوں دیکھتا ہے جس کا صالح دل ہو اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرماتا ہے تم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور تم میں سے سب سے محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے“ (2)۔

حضرت علی شیر خدا سے اس معنی میں شعر مشہور ہیں:

الناس من جهة التمثيل اكفاء ابوهم آدم والأمة حواء

لوگ ڈھانچے کے اعتبار سے برابر ہیں ان کے باپ حضرت آدم اور ماں حواء ہیں۔

نفس کنفس وأرواح مشاکلہ وأعظم خلقت فیہم وأعضاء
نفس کی طرح ہے اور روہیں ایک جیسی ہیں ان میں ہڈیاں اور اعضاء بنائے گئے ہیں۔

فان یکن نھم من أصلہم حسب یفاخر دن بہ فالطین والماء
اگر ان کی اصل میں کوئی ذی شان چیز ہے جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں تو وہ مٹی اور پانی ہے۔

ما الفضل إلا لأهل العلم إنھم علی الھدی لمن استھدی أدلاء
فضیلت اہل علم کے لیے ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے ان کے لیے یہ ہدایت پر راہنما ہیں۔

وقد رکل امرئ ما کان یحسنہ وللرجال علی الأفعال سیاء
ہر انسان کی اتنی قدر و منزلت ہے جس قدر وہ اچھا کام کرتا ہے اور افعال پر لوگوں کے نشانات ہوتے ہیں۔

وضد کل امرئ ماکان یجھلہ والجاهلون لأهل العلم أعداء
انسان کی دشمن وہ چیز ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اور جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وضاحت کی ہے کہ اس نے مخلوقات کو مذکر اور مونث سے پیدا کیا۔ سورہ النساء کے آغاز میں یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان دونوں کے بغیر پیدا کر دیتا جس طرح اس نے حضرت آدم کو پیدا کیا یا مذکر کے بغیر پیدا کرتا جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے یا مونث کے بغیر پیدا کرتا جس طرح حضرت حواء کو پیدا کیا یعنی دو جہتوں میں سے ایک جہت موجود تھی یہ قدرت میں جائز ہے وجود اس کے مطابق نہیں۔ یہ خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی ایک ہلی سے پیدا کیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث میں انساب، اصہار، قبائل اور شعوب (چھوٹے قبائل) بنائے (1) اور ان سے انکی پہچان کو ظاہر کیا اور ان کے ذریعے ان میں تعلق جوڑا اس حکمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے ہر ایک ان کے نسب کو جامع ہے جب کوئی آدمی اس نسب کی نفی کرتا ہے تو تہمت لگانے کی وجہ سے وہ حد کا مستحق ہوتا ہے جس طرح اس کی جماعت اور اس کے حسب سے نفی کرے۔
وہ عربی کو کہتا ہے: اے عجمی! اور عجمی کو کہتا ہے: اے عربی! وغیرہ جس سے حقیقت میں نفی واقع ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ متقدمین علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنین صرف مرد کے پانی سے ہوتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش پاتا رہتا ہے اور اس خون سے مدد لیتا ہے جو اس میں ہوتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۖ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ (المرسلات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ جَعَلْنَا نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ فَانْحَسِبْ أَنَّكَ تَعْلَمُ ۝ (الاسجدہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نُطْفَةٌ مِّنْ مَّنِيِّ امْرَأَةٍ ۝ (القیامۃ: 35) یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ پیدائش ایک پانی سے ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ پیدائش مرد اور عورت کے پانی سے ہوتی ہے وہ اس آیت سے ثابت

ہے کیونکہ یہ ایسی نص ہے جو تاویل کا اجمال نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَاقِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ (الطارق) اس سے مراد مردوں کی پشتیں اور عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں جس کی وضاحت بعد میں آئی گی۔

جس چیز سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماء، سلالہ اور نطفہ سے پیدا کیا ہے اسے والدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اس نے اس چیز پر دلالت کی کہ ماء (پانی) اور سلالہ (نکلنے والی چیز) دونوں کا ہے اور نطفہ بھی دونوں کا ہے کیونکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی پر دلیل ہے۔ عورت سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے جس طرح مرد سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے اسی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے جس کی وضاحت سورہ شوریٰ میں گذر چکی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں کہا: فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (القمر) مراد آسمان کا پانی اور زمین کا پانی ہے کیونکہ ملنا دو پانیوں سے ہی ہو سکتا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (السجدة) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (المرسلات)

مسئلہ نمبر 5۔ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا شعوب سے مراد قبائل کے رؤس (رأس کی جمع) ہیں جس طرح ربیعہ، مضر، اوس، خزرج اس کا واحد شعب ہے انہیں یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ بکھرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں جس طرح درخت کی ٹہنیاں بکھرتی ہیں۔ شعب اضداد میں سے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شعبتہ۔ میں نے اسے جمع کیا اسی سے مشعب کا لفظ ہے برما، کیونکہ اس کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فَكَابَ عَلَىٰ حُرِّ الْجَبِينِ وَمُثْقِي بَسْطَرِيَّةٍ كَانَهُ ذَلْقُ مِشْعَبِ

شعر میں مشعب کا معنی برما ہے۔

د شعبتہ۔ جب تو اسے جدا کرے، اسی وجہ سے موت کو شعوب کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ جدا کرنے والی ہوتی ہے۔ جہاں تک الشعب کا تعلق ہے تو پہاڑ میں جو راستہ ہوتا ہے اسے شعب کہتے ہیں اس کی جمع شعاب آتی ہے۔ جوہری نے کہا: الشعب سے مراد جس سے عرب اور عجم کے قبائل جدا ہوتے ہیں اس کی جمع شعوب ہے الشعبیۃ۔ ایسا فرقہ جو عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں دیتا جہاں تک اس لفظ کا تعلق ہے جو حدیث میں ہے: إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الشُّعُوبِ أَسْلَمَ۔ مراد عجمی ہے یعنی عجمیوں میں سے ایک آدمی اسلام لایا۔ شعب سے مراد عظیم قبیلہ ہے: وہ ابو القباہل ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں یعنی وہ انہیں جمع کرتا ہے اور انہیں اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الشعب سے مراد جمہور ہے جس طرح مضر (1)۔ قبائل سے افخاذ ہیں چھوٹا قبیلہ۔ مجاہد نے کہا: الشعب جو نسب میں دور ہیں قبائل اس سے چھوٹے ہوتے ہیں (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ شعوب سے مراد قرہ بنی نسب ہے۔ قتادہ کا قول ہے: مہدوی نے پہلا قول اس سے نقل کیا ہے، دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

رَأَيْتَ سَعُودًا مِّنْ شُعُوبٍ كَثِيرَةٍ فَلَمْ أَرِ سَعْدًا مِثْلَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ

میں نے کثیر قبائل سے سعد دیکھے اور ان میں سے سعد بن مالک جیسا کوئی سعد نہیں دیکھا۔ ایک اور نے کہا:

قبائل من شعوب لیس فیہم کریم قد یعدّ ولا نجیب

کئی قبائل ایسے ہیں جن میں کریم اور نجیب نہیں جسے شمار کیا جاسکے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد یمن کے عرب ہیں جو قحطانی ہیں اور قبائل سے مراد بقیع، مضر اور عدنانی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد انجم کے قبائل ہیں اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں کہا کہ شعوب سے مراد موالی اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر شعوب وہ ہوں گے جن کی اصل معروف ہے۔ اس طرح: قحطانی اور قحطیہ عرب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ماوردی نے کہا: یہ شمال موجود ہے کہ شعوب سے مراد وہ ہو جو اطراف اور گھاٹیوں کے طرف منسوب: اور قبائل انہیں کہیں جو نسب میں شریک ہوں۔ شاعر نے کہا:

تفرّقا شعبا فکل جزیرة فیہا امیر المؤمنین ومنبر

وہ گھاٹیوں میں بکھر گئے تو ہر جزیرہ میں امیر المؤمنین اور منبر تھا۔

ابوعبید نے ابن کلبی سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: شعب یہ قبیلہ سے بڑا ہوتا ہے، قبیلہ کے بعد فصیلہ، فصیلہ کے بعد عمارہ، عمارہ کے بعد بطن اور بطن کے بعد فخذ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعب پھر قبیلہ پھر عمارہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہوتا ہے۔ ایک ادیب نے یوں منظم کیا ہے، کہا:

إقصد الشعب فهو أكثر حتی عدداً فی الحواء ثم القبيلة

ثم تتلوها العبارة ثم ان بطن والفخذ بعد ها والفصيلة

ثم من بعدها العشيرة لكن ه فی جنب ما ذکرناہ قليلة

اور ایک شاعر نے کہا:

قبيلة قبلها شعب وبعدها عبارة ثم بطنٌ تلوها فخذٌ

ولیس یؤدی الفتیء إلا فصيلة ولا سداد لیسهم مالد قذذ

قبیلہ سے پہلے شعب ہے اور اس کے بعد عمارہ ہے اس کے بعد بطن ہے اس کے پیچھے فخذ ہے نوجوان کو پناہ فصیلہ

دیتا ہے، جس تیر کے پر نہ ہوں وہ سیدھا نہیں جاتا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ سورہ زحرف میں یہ بحث وَاِنَّهٗ لَئِن كُرِّلَكَ وَلِيقُوْمَكَ كَتَحْتَ

گزر چکی ہے۔ اس آیت میں یہ چیز موجود ہے جو تیری اس امر پر راہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں

تقدی کی ہی رعایت کی جاتی ہے حسب اور نسب کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اسے اُن پڑھا گیا ہے گویا کہا گیا: وہ انساب

انسانوں کو کرتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے معزز تم میں سے سب سے متقی ہیں تم میں

سب سے سب سے معزز نہیں۔

ترمذی میں حضرت سمرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حسب مال ہے اور کرم تنزی ہے (1)“ کہا: یہ حدیث غریب صحیح ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف ہی راجع ہے نبی کریم ﷺ سے یہ نص آئی ہے۔ ”حسب مال“ کی مراد یہ ہے کہ لوگوں میں سے زیادہ محترم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ذرے ذرے کی ساری مراد ہے اور وہی میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرنا اور اس چیز سے متصف ہونا جس سے متصف ہونے کا حکم دیا اور اس سے بچنا جس سے تجھے منع کیا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان الله تعالى يقول يوم القيامة اني جعلت نسباً وجعلتكم نسباً فجعلت اكرمكم الله اكرمكم واني بيتم اذ ان تقولوا فلان بن فلان وانا اليوم ارفع نسبي واضع انسابكم اين المتقون اين المتقون (2)۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے نسب بنایا اور تم نے بھی نسب بنایا، میں نے نسب بنایا تم میں سے سب سے معزز وہ ہو گا جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہو گا اور تم نے انکار کر دیا مگر یہ کہ تم کہو: فلاں بن فلاں، میں آج اپنے بنائے گئے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے نسبوں کو پست کروں گا متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟۔

طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز میرے اولیاء متقین ہوں گے اگرچہ کوئی نسب میرے نسب کے زیادہ قریبی ہو لوگ اعمال لائیں گے اور تم دنیا لاؤ گے جو تم اپنی دونوں پر اٹھائے ہوئے ہو گے تم کہو گے: اے محمد! میں اس طرح اس طرح کروں گا“ اور اپنی دونوں جانب اعراض کیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ میں نے رازداری کے عالم میں نہیں بلکہ بلند آواز سے آپ کو کہتے ہوئے سنا: ان آل ابی لیسوا لی بأولیاء انما ولی الله وصالح المؤمنین (3)۔ میرے والد کی آل میرے اولیاء نہیں بے شک میرا ولی اللہ اور نیک مومن ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: من اكرم الناس، لوگوں میں سے سب سے معزز کون ہے؟ فرمایا: ”یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“۔ عرض کی: ہم نے اس بارے میں آپ سے نہیں پوچھا فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ان میں سے متقی ہیں“ عرض کی: ہم یہ بھی آپ سے نہیں پوچھ رہے فرمایا: ”تم عرب کے معادن کے بارے میں پوچھتے ہو؟ ان میں سے دور جاہلیت میں جو بہترین تھے وہ دور اسام میں بہتر ہیں جب وہ دین سمجھ جائیں“ علماء نے یہ استعار پڑھے:

ما يصنع العبد بعز الغنى والعز كل العز للمثقى
من عرف الله فلم تغنه معرفة الله فذاك الشقى

بندہ مال و دولت کی عزت کو کیا کرے گا عزت تو سب کی سب متقی کے لیے ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے کوئی فائدہ نہ دے تو وہ بد بخت ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عمر بن محمد، عبید بن اسحاق، عطار سے وہ مندل بن علی سے وہ ثور بن یزید سے وہ سالم بن ابی جعد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے شادی کی تو اس عورت پر اس کے حسب میں طعن کیا گیا اس آدی نے کہا: میں نے اس کے حسب کی وجہ سے اس سے شادی نہیں کی میں نے اس سے شادی اس کے دین اور خلق کی وجہ سے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تجھے یہ چیز کوئی تکلیف نہیں دیتی کہ وہ حاجب بن زرارہ کی آل میں سے نہ ہو“ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا ہے اس کے ذریعے اس نے حسیہ کو بلند کر دیا، ناقصہ کو مکمل کر دیا ہے اس کے ذریعے ملامت کو دور کر دیا مسلمان پر کوئی ملامت نہیں ملامت تو جاہلیت کی علامت ہے“۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابی لارجوان اکون أخشاکم وأعلمکم بما أتتکم (1) میں امید کرتا ہوں کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور جس چیز سے میں بچتا ہوں اس کے بارے میں تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تھے۔ ابن عربی نے کہا: یہی وہ چیز ہے جسے امام مالک نے نکاح میں کفو کے طور پر معتبر جانا ہے۔ عبد اللہ نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ غلام عربی عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: حسب اور مال کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابو حنیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے نے حضرت سالم کو اپنا متنبی بنایا اور اس کی شادی اپنی بھتیجی یعنی ہند بنت ولید جو ان کے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھی سے کر دی یہ ایک انصاری عورت کے غلام تھے حضرت ضباعہ بنت زبیر یہ حضرت مقداد بن اسود کے عقد میں تھیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش حضرت زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کا عقد نکاح عربی عورت سے جائز ہے دین میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا اس پر دلیل وہ روایت ہے جو اہل بن سعد سے صحیح بخاری میں مروی ہے (2) کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدی گذرا پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے کہ اگر دعوت نکاح دی تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے، اگر سفارش کرے تو مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو آپ کے پاس سے مسلمان فقراء میں سے ایک آدی گذرا پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے اگر دعوت نکاح دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ آدی دوسرے کی بنسبت زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے“۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عورت سے نکاح اس کے مال، جمال اور دین کی وجہ سے کیا جاتا ہے (3)“ ایک روایت میں ہے اس کے حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار کو لازم

پکڑ۔ حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ حضرت عمر کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو آپ نے توجہ نہ کی پھر حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں تو حضرت سلمان فارسی نے ایسا نہ کیا۔ حضرت بلال نے بکیر کی بیٹی کو دعوت نکاح بھیجی تو اس کے بھائیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت بلال نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے! میں نے بنی بکیر سے کیا پایا ہے میں نے انہیں انکی بہن کے بارے میں دعوت نکاح دی تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے اذیت دی۔ رسول اللہ ﷺ حضرت بلال کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بنی بکیر کو یہ خبر پہنچی وہ اپنی بہن کے پاس آئے انہوں نے کہا: ہمیں تیری وجہ سے کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ ان کی بہن نے کہا: اس کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہے تو بھائیوں نے بہن کی شادی حضرت بلال سے کر دی۔ نبی کریم ﷺ کی حجامت جب ابو ہند نے کی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ابو ہند کی شادی کر دو، ان کی شادی کر دو“ یہ خوبیا ضہ کا غلام تھا (1)۔

دارقطنی میں زہری کی حدیث عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بنی بیاضہ کا غلام ابو ہند حجام تھا اس نے نبی کریم ﷺ کی حجامت کی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے دیکھے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے تو وہ ابو ہند کو دیکھے“۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس کا نکاح کر دو، اس کا نکاح کر دو“ (2)۔

قشیری ابو نصر نے کہا: نکاح کرتے وقت کفو میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ نکاح شجر نبوت کے ساتھ اتصال ہے یا علماء کے ساتھ جو انبیاء کے وارث ہیں یا جو زہد اور صالحیت میں قابل قدر ہیں متقی مومن فاجر اعلیٰ نسب والے سے بہتر ہے۔ اگر دونوں متقی ہیں تو اس وقت اعلیٰ نسب والے کو مقدم کیا جائے گا جس طرح نماز کی امامت کے لیے نوجوان کو بوڑھے پر مقدم کیا جاتا ہے جب تقویٰ میں برابر ہوں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

”اعراب کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے، آپ فرمائیے: تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

یہ آیت بنی اسد بن خزیمہ کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی (3) وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں خشک سالی کے

2۔ سنن دارقطنی، جلد 3، صفحہ 300

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی الاکھاء، حدیث نمبر 1798، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 327

دور میں آئے انہوں نے ایمان لانے کا اظہار کیا وہ مخفی طور پر مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستے غلاظتوں میں بھر دیئے اور بھاؤ کو بڑھا دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے، ہم سامان اور عیال کے ساتھ آئے ہیں ہم تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے جس طرح بنو فلاں نے آپ سے جنگ کی ہمیں صدقہ دیجئے وہ آپ پر احسان جتلانے لگے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ہجرت سے قبل ہی انہیں مہاجر کا نام دیا جائے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ ان کا نام بدو ہے وہ مہاجر نہیں (1)۔ سدی نے کہا: یہ آیت ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر سورہ فتح میں ہے یعنی مزینہ، جہینہ، اسلم، غفار، دلیل اور اشجع (2)۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے، تاکہ ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں جب انہیں مدینہ طیبہ کی طرف آنے کو کہا گیا تو وہ نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے: آیت بعض عربوں کے لیے خاص ہے کیونکہ ان میں سے کچھ اللہ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

وَلٰكِنْ قَوْلُوْا اَسْلَمْنَا كَمَعْنٰی ہے ہم نے قتل اور قیدی بنائے جانے کے خوف سے تابعداری کی۔ یہ منافقوں کی صفت ہے کیونکہ وہ ظاہری طور پر ایمان لائے تھے ان کے دل ایمان نہیں لائے تھے جبکہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ظاہر میں اس چیز کو قبول کرنا جسے نبی کریم ﷺ لائے ہیں یہ جان کی حفاظت عطا کرتا ہے۔

وَ اِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۙ يَعْنِیْ اِگرم ایمان میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے لَا یَلِیْتُمْ کُوئی نقصان نہ دیتا یہ باب اس طرح ہے لَاتَهْ یَلِیْتَهٗ ویدوتہ، اس میں کمی کرنا۔ ابو عمرو نے اسے لَا یَأْتِیْتُمْ پڑھا ہے یعنی ہمزہ ہے اس وقت یہ اَلْتَّ یَأْتِیْتُمْ سے مشتق ہے: یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ اس قول پر اعتبار کرتے ہیں: وَمَا اَلْتَّیْتُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَیْءٍ (الطور: 21)

شاعر نے کہا:

أَبَدِغْ بَنِي ثَعْلَبٍ عَنِ مُغْلَقَلَّةٍ جَهْدَ الرِّسَالَةِ لَا أَلْتَّا وَلَا كَذِبًا

میری جانب سے بنی ثعلب کو سختی سے پیغام پہنچا دو نہ اس میں کمی ہو اور نہ ہی کوئی جھوٹ ملا ہو۔

پہلا قول ابو عبید نے پسند کیا ہے۔ روئے نے کہا:

وَلِیْلَةٌ ذَاتِ نَدَى سَرِیْتُ وَلَمْ یَلِیْنِیْ عَنْ سُرَاہَا کَیْتُ (3)

یعنی ان راتوں میں چلنے سے مجھے کسی مانع نے نہیں روکا؛ اسی طرح اللہ عن وجہہ ہے فعل اور افعال دونوں ایک معنی میں ہیں یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: مَا اَلْتَّہٗ مِنْ عَمَلِهِ شَیْءًا، یعنی میں نے اس میں کمی نہیں کی، یہ التمسکی مثل ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ یہ شعر پڑھا:

وَيَاكُنْ مَا أَعْنَى الْوَلَّى فَلَمْ يَلِثْ كَأَن بَحَافَاتِ النَّهَاءِ الْمَذَارِعَا

اس میں اعنی، انبت کے معنی میں ہے اور فلم یلت لم ینقص منہ شیاً کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَا أَعْنَتْ الْأَرْضُ شَيْئًا زَمِنَ نَعْنَى كَوْنِي حَيْزٍ نَحْوِ الْأَعْنَى الْوَلَّى۔ الولی سے مراد وہی (موسم بہار کی پہلی بارش) کے بعد جو بارش ہوتی ہے۔ اسے ولی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ وہی کے بعد ہوتی ہے یہ نہیں فرمایا: لَا يَأْتِيَاكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَبْتَغُوا جَهْدًا وَإِبْرًا لِيَوْمِهِمْ وَ
أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ ۗ وَ
اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

” (کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمائیے: کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے، حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَبْتَغُوا لِيَوْمِهِمْ جَهْدًا وَإِبْرًا لِيَوْمِهِمْ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ ۗ وَ
اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اسے جہاد اور اعمال صالحہ کے ساتھ سچ کر دکھایا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وہ ایمان میں سچے ہیں وہ وہ نہیں جو قتل کے ڈر اور مال کی امید کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدوؤں نے قسم اٹھائی کہ وہ مخفی اور اعلانیہ ایمان دار ہیں اور جھوٹ بولا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ یعنی جس دین پر تم ہو تم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں بتاتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَسْتُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۗ قُلْ لَا تَسْتُونَ عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۗ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ
هَدَيْتُمْ لِلْإِيمَانِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

”وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے، فرمائیے: مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو۔“

يَسْتُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: جُنَانٌ بِالْإِسْقَالِ وَالْعِيَالِ ہم آپ کی خدمت میں

کل ساز و سامان اور بال بچے لے کر آگئے ہیں، اُن محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لَأَنْ اسلموا، قُلْ لَا تَسْتَوُوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ یہاں علی، باء کے معنی میں ہے بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ، اُن محل نصب میں ہے تقدیر کلام بان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لَأَنْ ہے حضرت عبد اللہ کے مصحف میں اذہداکم ہے اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی اگر تم اس امر میں سچے ہو کہ تم ایماندار ہو۔ عاصم نے اسے اِنْ هَدَاكُمْ پڑھا ہے یہ قول اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کی وجہ سے حقیقت سے بعید ہے یہ نہیں کہا جاتا: یٰسین علیکم ان یهدیکم ان صدقتم ظاہر قراءت اَنْ هَدَاكُمْ ہے یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مومن تھے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے ان آمنتم فذلک منة الله علیکم اگر تم ایمان لائے ہو تو یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِصَیْرَتِہَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ابن کثیر، ابن محیسن اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے یعنی یعلمون۔ یہ ان کے قول کا رد ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید المرسلین

اس جلد کے ترجمہ کا اختتام بروز منگل 18 ستمبر 2007 بعد از نماز ظہر کو ہوا الحمد لله اولاً و آخراً۔

محمد بوستان

